اِنَّہٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلٰثُوْنَ کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (رواہ مسلم)

أئمۂ تلبیس

یعنی ان مشہور دجالوں کی مذموم زندگی جنہوں نے عہد رسالت سے لے کر آج تک الوہیت، نبوت، مسیحیت، مہدویت اور اس قسم کے دوسرے جھوٹے دعوے کر کے ملت حنفی میں رخنہ اندازیاں کیں اور اسلام کے حق میں مار ہائے آستین ثابت ہوئے

حضرت مولانا ابوالقاسم محمد رفیق دلاوری رحمۃ اللہ علیہ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ
حضوری باغ روڈ • ملتان • فون:4783486

یعنی ان مشہور دجالوں کے سوانح جنہوں نے عہد رسالت سے لے کر آج تک الوہیت، نبوت، مسیحیت، مہدویت اور اس قسم کے دوسرے جھوٹے دعوے کر کے ملت حنفی میں رخنہ اندازیاں کیں اور اسلام کے حق میں مار ہائے آستین ثابت ہوئے

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ

حضوری باغ روڈ • ملتان • فون:4783486

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

نام کتاب : ائمہ تلبیس یا غارتگران ایمان

نام مصنف : ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ

صفحات : ۷۵۲

قیمت : [illegible] روپے

طبع اوّل : مئی ۲۰۱۰ء

مطبع : ناصر زین پریس لاہور

ناشر : عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان

Ph: 061-4783486

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

عرض مرتب

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لانبی بعدہ ، امابعد!

حضرت مولانا ابوالقاسم محمد رفیق دلاوریؒ بہت بڑے عالم دین اور بہت ہی نامور صاحب قلم رہنما تھے۔ آپ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا اس کا حق ادا کر دیا۔ آپ کی کسی بھی عنوان پر تحریر حرف آخر کا درجہ رکھتی تھی۔ آپ کی دیگر کتب کے علاوہ چار کتابوں کو بہت ناموری اور قبولیت عامہ و تامہ نصیب ہوئی۔

۱...... سیرۃ کبریٰ (دو جلدوں میں)

۲...... شہادت سیدنا عثمان غنیؓ

۳...... رئیس قادیان۔

اور چوتھی کتاب ''آئمہ تلبیس'' جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ کتاب خیر القرون کے زمانہ سے اس دور کے ملعون مرزا قادیانی تک کے تمام جھوٹے مدعیان نبوت کے سچے حالات پر مشتمل ہے۔ حضرت مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے شاگرد تھے۔ آپ کو حق تعالیٰ نے علم نافع نصیب فرمایا تھا۔ آپ کی یہ تصنیف اوّلاً دارالتصنیف لاہور والوں نے پھر مکتبہ تعمیر انسانیت نے شائع کی۔ اب عرصہ سے نایاب تھی۔ دوستوں کا تقاضہ تھا۔ مکتبہ والے حضرات کی کتب شائع کرنے میں اپنی ترجیحات ہوتی ہیں۔ دوستوں کا خیال ہوا کہ حضرت مرحوم کا ہم پر حق ہے۔ ان کی یہ کتاب شائع ہونی چاہئے اور پھر یہ کہ مجلس کے موضوع سے متعلق ہے۔ اس دوران میں کراچی کے کسی مکتبہ نے ''جھوٹے مدعیان نبوت'' کے نام سے اس کتاب کو شائع کر دیا۔ گویا حضرت مصنفؒ کا تجویز کردہ نام ہی بدل دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کی تخریج و تحقیق کا کام مولانا محمد توصیف سے مکمل کرایا گیا۔ جدید حوالہ جات سے کتاب پر نئے سرے سے اتنی محنت ہوگئی ہے کہ بالکل نئی چیز تیار ہوگئی۔ پہلے کی تمام لاہوری اشاعتیں لیتھو پر تھیں۔ اب جدید کمپیوٹرائز کتابت کرانے سے کتاب سے استفادہ کرنا سہل نہیں بلکہ اسہل ہوگیا ہے۔ انشاء اللہ اس کتاب کی اشاعت سے اللہ رب العزت کی رضا اور رحمت دو عالم ﷺ کی شفاعت کبریٰ کے حصول کی توقع محسوس کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ایسے فرمادیں۔ اس کریم کے خزانہ میں کیا کمی ہے۔ مصنف مرحوم نے یہ کتاب ۴؍جنوری ۱۹۳۷ء کو مکمل فرمائی تھی۔ والسلام!

فقیر اللہ وسایا ملتان ...... ۲۰۱۰/۵/۱۶ ...... ۱۴۳۱ھ

فہرست مضامین!

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

دیباچہ

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیرخلقہ سیدنا محمد خاتم النبیین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ۰ امابعد!

مدت سے یہ خیال راقم الحروف کے دل و دماغ میں موجزن تھا کہ ایک ایسی جامع تاریخ مرتب کی جائے جس میں ان تمام مشاہیر کے حالات وواقعات بیان کئے گئے ہوں۔ جنھوں نے حضرت رسالتمآب ﷺ کے عہد سعادت سے لے کر آج تک الوہیت، نبوت، مسیحیت، مہدویت اور اس قسم کے دوسرے جھوٹے دعوؤں کو اپنی دکان آرائی اور زرطلبی کا وسیلہ بنایا اور مذہبی فضا کو مکدر کر کے عالم اسلام میں ہلچل ڈالے رکھی۔ گو یہ کام بہت دشوار اور محنت طلب تھا مگر میں نے اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود متوکلا علی اللہ اس کام کو اپنے ذمہ لیا اور آج یہ تاریخ قوم کے سامنے پیش کر کے توفیق الٰہی کا شکریہ ادا کرنے کے قابل ہوا ہوں۔

ائمہ مضلین کے متعلق حضرت خیرالبشر کی پیشین گوئی

یہ حقیقت اظہر الشمس ہے کہ ملت حنفی کی سب سے بڑی مصیبت ائمہ ضلال کا وجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مخبر صادق ﷺ نے وابستگان اسوہ محمدی کو جس طرح اپنے بعد کے دوسرے مفاسد وفتن کی اطلاع دی۔ اسی طرح ان کے کذب وزور سے بھی بڑے شدومد سے متنبہ فرمایا تاکہ انکی دجالی فتنہ انگیزیاں ارباب ایمان کو ورطہ ہلاک میں نہ ڈال سکیں۔ لیکن صد ہزار افسوس ہے ان لوگوں کی سرشاری ضلالت پر جو حضرت صادق مصدوق ﷺ کی تنبیہ کے باوجود آنکھوں پر پٹی باندھے اور کانوں میں روئی ٹھونسے خسران ابدی کے بحر متلاطم میں کود رہے ہیں۔ انبیاء ومرسلین کے سرتاج جناب احمد مختار ﷺ نے آج سے چودہ صدیاں پیشتر فرمادیا تھا:

''انما اخاف علی امتی الائمۃ المضلین وانہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی اللہ وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی (مسند امام احمدبن حنبلؒ عن ثوبانؓ ج ۵ ص ۲۷۸) '' ﴿مجھے اپنی امت کے حق میں گمراہ کرنے والے اماموں (یعنی خانہ ساز نبیوں) کی طرف سے بڑا کھٹکا ہے۔ اور میری امت میں ضرور تیس کذاب (جھوٹے) پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک اس بات کا مدعی ہوگا کہ وہ خدا کا نبی ہے۔ حالانکہ میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔﴾

اور بخاری و مسلم کی ایک متفق علیہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قریباً تیس کی تعداد قیامت تک جا کر پوری ہو گی۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی۔ جب تک قریباً تیس دجال کذاب ظاہر نہ ہو لیں۔ ان میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ ہو گا کہ وہ اللہ کا فرستادہ ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اگر مجرد دعویٰ نبوت کا لحاظ کیا جائے تو مفتریوں کی تعداد آج تک شاید تیس ہزار سے بھی متجاوز ہو چکی ہو گی۔ کیونکہ کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرتا جس میں پانچ سات برساتی نبیوں کے ظہور کی خبر اطراف و اکناف عالم سے نہ آ جاتی ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ السلام نے تیس یا کم و بیش کذابوں کے غلغلہ انداز عالم ہونے کی جو اطلاع دی ہے وہ کامیاب اور ذی جاہ متنبی ہیں۔ نہ یہ کہ جس ہرزہ سرائے کوئے نادانی نے بھی یہ کہہ دیا کہ میں فرستادہ خدا ہوں۔ وہی سالار انبیا علیہ السلام کی پیشین گوئی کا مصداق بن جائے۔ غرض ایسا مفتری ان تیس مفتریوں کے زمرہ میں قطعاً داخل نہیں ہو سکتا۔ جسے اپنے وطن سے باہر کوئی جانتا تک نہ ہو۔ بلکہ وہی لوگ اس "طائفہ علیہ" میں داخل ہیں جن کے فتنہ کو ہمہ گیر شہرت و نمود حاصل ہو۔

رہا یہ سوال کہ آج تک ایسے مشہور مدعیان نبوت کتنے گزرے ہیں جو تقدس مآبی کی عبا پہن کر لوگوں کو زندقہ و دہریت کی تعلیم دیتے رہے؟۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ میرے نزدیک ایسے کامیاب متنبیوں کی تعداد جن کا نام اقصائے عالم تک پہنچا اور ان کے فتنہ نے عالمگیر حیثیت اختیار کی بہ مشکل بیس بائیس تک پہنچتی ہے۔ اس سے معلوم ہو گا کہ دجال اعور کے ظہور سے پہلے عالم اسلام کو ابھی مزید آٹھ دس شہرہ آفاق مفتریوں سے سابقہ پڑنا ہے۔ حافظ حقیقی ہمیں ان کے شر سے بچائے اور ہر مسلمان کو استقامت علی الایمان کی توفیق بخشے۔ آمین!

مفتریوں کے علامات و خصائص

لیکن یاد رہے کہ حضرت مخبر صادق علیہ السلام نے صرف مفتریوں کی تعداد پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ امت مرحومہ کی رہنمائی کے لئے ان کی بعض علامتیں بھی بیان فرما دی ہیں۔ یہاں تین حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام کے صحابی حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے کہ اور لوگ تو آنحضرت علیہ السلام سے خیر و خوبی کے متعلق استفسار کیا کرتے تھے۔ لیکن میں شر اور فتنہ کی نسبت دریافت کیا کرتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے اس میں مبتلا ہونے کا خطرہ تھا۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہم جاہلیت کے تاریک ترین دور میں بڑے زیاں کار تھے۔ خدائے ذوالمنن نے ہمیں نعمت اسلام سے سرفراز فرمایا۔ لیکن یہ تو فرمائیے کہ اس خیر و برکت کے بعد جو ہمیں حاصل ہے کوئی فتنہ تو

رونما نہیں ہوگا؟۔حضور نے فرمایا "بے شک ہوگا۔" میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اس فتنہ کے بعد بھی کوئی بھلائی عرصۂ ظہور میں آئے گی؟۔فرمایا "ہاں! لیکن اس میں کدورت ہوگی۔" میں نے پوچھا کدورت کس قسم کی ہوگی؟۔فرمایا۔" ایسے ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو میری راہ ہدایت سے منحرف ہوکر اپنا علیحدہ طریقہ اختیار کریں گے۔جو شخص ان کی بات پر کان دھرے گا اور عمل پیرا ہوگا اسے جہنم واصل کر کے چھوڑیں گے۔" میں نے کہا یارسول اللہ! ان کی علامت کیا ہے؟۔فرمایا "وہ ہماری ہی قوم میں سے ہوں گے (یعنی مسلمان کہلائیں گے) ان کا ظاہر تو علم وتقوے سے آراستہ ہوگا۔مگر باطن ایمان وہدایت سے خالی ہوگا۔وہ ہماری ہی زبانوں کے ساتھ کلام کریں گے"۔میں نے گذارش کی یارسول اللہ! تو پھر آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟۔فرمایا "اے حذیفہ! جب ایسا وقت آجائے تو مسلمانوں کی جماعت کا التزامی طور پر شریک حال رہنا اور مسلمانوں کے امام وخلیفہ کی انحراف ورزی نہ کرنا۔" میں نے عرض کی "یارسول اللہ! اگر ایسا وقت ہو کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت ہی نہ رہے اور ان کا کوئی امام بھی نہ ہو تو پھر کیا کرنا ہوگا؟۔فرمایا "اگر ایسی حالت رونما ہو تو بھی گمراہ فرقوں سے الگ رہنا۔اگرچہ تمہیں درختوں کے پتے اور جڑیں چبا کر ہی گزر اوقات کرنا پڑے۔اور تادم مرگ اسی طرز بود و ماند پر مجبور رہو۔ (بخاری ج۲ص۱۰۴۹)

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا کہ:" وہ ہماری ہی زبانوں کے ساتھ کلام کریں گے۔" یہ مطلب ہے کہ بظاہر تو قرآن وحدیث ہی سے استدلال کریں گے۔لیکن بعید اور لچر تاویلیں کر کے ان کا مفہوم بدل دیں گے۔ان کی زبان پر تو قال اللہ وقال رسول ہوگا۔لیکن وہ فی الحقیقت اس شعر کا مصداق ہوں گے۔

یاراں چہ عجب شان دورنگی دارند
مصحف بکف و دین فرنگی دارند

اس طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ فخر بنی آدم ﷺ نے فرمایا کہ:" قیامت سے پیشتر کانا دجال ظاہر ہوگا اور اس سے پہلے تیس کے قریب دجال کذاب عرصۂ شہود میں آئیں گے۔" عرض کیا گیا:" یارسول اللہ! ان کی علامت کیا ہوگی؟" فرمایا:" وہ تمہارے سامنے ایسا طریقہ پیش کریں گے جس پر تم پہلے سے نہ ہوگے اور اس نئے طریقے سے تمہارے دین کو بگاڑیں گے۔سو جب ایسے شخصوں کو پاؤ تو ان سے الگ رہو اور انہیں برا جانو۔"

(کنز العمال ج۱۴ص۲۰۰ حدیث نمبر ۳۸۴۸۰)

ایک اور روایت ملاحظہ ہو:" عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ

یکون فی اخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث مالم تسمعوا انتم ولا اباء کم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم (مسلم ج ۱ ص ۱۰)'' ﴿حسب روایت ابو ہریرہؓ سید الخلق ﷺ نے فرمایا کہ آخری زمانے میں دجال کذاب (جھوٹے نبی) ظاہر ہوں گے۔ وہ تمہارے سامنے ایسی ایسی باتیں پیش کریں گے جو نہ صرف تم نے بلکہ تمہارے آباؤ اجداد نے بھی نہ سنی ہوں گی۔ خبردار ان سے بچنا اور اپنے دامنِ ایمان کو ان سے محفوظ رکھنا۔ مبادا تمہیں گمراہ کردیں اور فتنہ میں ڈال دیں۔﴾

ایک روایت میں آخری زمانہ کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ یا تو یہ روایت بالمعنی ہے یا اس سے قیامت تک کے کذابوں کا احاطہ کرنا مقصود ہے۔ تاکہ غلط اندیش وحق فراموش فرقے یہ نہ کہہ سکیں کہ آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی میں زمن نبوت کے قریب تر زمانہ کے کذاب مراد ہیں۔ عہد رسالت سے بعید تر زمانہ کے دجال مقصود نہیں۔ اس حدیث نے قریب و بعید ہر عہد کے جھوٹے مدعیوں کا احاطہ کرلیا۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بعثت نبی آخر الزمان ﷺ کے بعد سے لے کر قیامت تک کا زمانہ آخری زمانہ ہی ہے۔

مدعیان نبوت کا کفروارتداد

اس کتاب میں ائمہ تزویر کے زمرہ میں بعض ایسے لوگ بھی آگئے ہیں جو انجام کار اپنے جھوٹے دعووں سے تائب ہوگئے اور ان شاء اللہ العزیز ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہوگا۔ لیکن اس لحاظ سے کہ ان کا فتنہ کسی زمانہ میں عالمگیر تھا اور انہوں نے حصولِ زرومال کے نصب العین میں کامیاب ہونے کے باوجود رجوع الی الحق کیا۔ ان کے نظائر کا پیش کرنا بھی فائدہ سے خالی نہ تھا۔ مدعیان باطل کی بڑی تعداد ان لوگوں پر مشتمل ہے جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ چونکہ سلسلہء نبوت حضرت خاتم النبیین ﷺ کی ذاتِ گرامی پر ختم ہوگیا اور انقطاع دور نبوت کا عقیدہ قطعی اور اجماعی ہے۔ اس بناء پر تمام مدعیان نبوت اور ان کے پیرو عندالشرع کافر و مرتد ہیں۔ مدعی نبوت کے کفروارتداد کے متعلق علامہ علی قاریؒ لکھتے ہیں:

''دعوی النبوة بعد نبینا ﷺ کفر بالاجماع (شرح فقه اکبر مطبوعه دهلی ص ۲۰۶)'' ﴿ہمارے نبی ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بالاجماع کفر ہے۔﴾

تمام علمائے حق اس بات پر متفق ہیں کہ مرتد عندالشرع واجب القتل ہے۔ اور یہ خیال کہ مسیلمہ کذاب جو نبوت باطلہ کا مدعی تھا خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن آپ نے اس کے قتل کا حکم نہ دیا صحیح نہیں۔ کیونکہ جب مسیلمہ مدینہ منورہ آیا ہے تو اس

وقت تک وہ مدعی نبوت نہ تھا۔

مدعیان مسیحیت ومہدویت کا کفر واسلام

انجیل متی میں جناب مسیح علیہ السلام کی ایک پیشین گوئی درج ہے کہ: ''جھوٹے مسیح اٹھ کھڑے ہوں گے۔'' یہ پیشین گوئی خود ذات بابرکات جناب مسیح علیہ السلام کو چھوڑ کر ان تمام لوگوں پر صادق آتی ہے جو مدعیان مسیحیت ہوئے یا ہوں گے۔ خواہ کوئی مدعی عیسائی ہو یا موسائی، مسلمان کہلاتا ہو یا کسی دوسرے دین کا پیرو ہو۔ لیکن بوالعجبی دیکھو کہ یہ لوگ ہمیشہ اپنے تئیں سچا اور دوسرے مدعیوں کو جھوٹا بتاتے رہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا تھا کہ عیسائیوں نے بھی مجھے مخاطب کر کے بار بار لکھا ہے کہ انجیل میں ہے کہ جھوٹے مسیح آئیں گیا اور اس طرح پر انہوں نے مجھے جھوٹا مسیح قرار دیا ہے۔ حالانکہ خود ان دنوں میں خاص لندن میں عیسائیوں میں سے جھوٹا مسیح پگٹ نام موجود ہے جو خدائی اور مسیحیت کا دعویٰ کرتا ہے اور انجیل کی پیش گوئی کو پورا کر رہا ہے۔ (اعجاز احمدی ص ۲۷، خزائن ج ۱۹ ص ۱۴۷ حاشیہ)

چونکہ زمانہ کے مقتضا، یا مغربی تعلیم کی ''برکت'' سے خداشناسی کا نور دھندلا پڑ گیا ہے۔ اکثر ابنائے تعلیم جدید عقیدۂ نزول مسیح علیہ السلام کے منکر ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ ایسی غیر معقول روشن خیالی جو تعلیمات نبویہ کی مخالفت پر مبنی ہو ہلاکت سرمدی کا ذریعہ ہے۔ اگر ان عقل فروشوں کی دیدۂ بصیرت کھلی ہوتی تو غور کرتے کہ جب یہ لوگ خود اپنے شکم تک کی اندرونی کیفیت سے واقف نہیں۔ ان کی عقل نارسا کی کمند مصالح وحکم خداوندی کے فلک رفیع کے کنگرہ تک کیونکر پہنچ سکتی ہے؟۔ نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ بیشمار احادیث صحیحہ اور بعض آیات قرآنی سے ثابت اور قطع الدلالتہ ہے۔ اس کے متعلق تمام اہل حق کا اجماع ہے۔ حضرت سیدّ الانبیاء ﷺ کے تمام اصحابؓ جو فلک ہدایت کے انجم درخشاں تھے اس عقیدہ پر متفق تھے اور کوئی صحابی ایسا نہ مل سکے گا جس نے اس عقیدہ کی صحت سے انکار کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے حق بالاتفاق اس شخص کو کافر قرار دیتے ہیں جو مدعی نبوت ہو یا حضرت ابن مریم علیہ السلام کے سوا کسی دوسرے شخص کو مسیح موعود خیال کرتا ہو۔

اس کتاب میں ایسے لوگوں کا بھی بکثرت تذکرہ ملے گا جو نبوت سے کمتر درجہ یعنی مہدویت کے مدعی ہوئے۔ دعویٰ مہدویت کفر نہیں اور نہ کسی جھوٹے مدعی کو مہدی سمجھنا ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔ اس بناء پر محمد بن تومرت، محمد احمد مہدی سوڈانی اور اس قسم کے دوسرے مہدیوں اور ان کے پیرووں کو دائرہ اسلام میں داخل سمجھنا چاہیے۔ بشرطیکہ کسی نے ضروریات دین میں سے

کسی عقیدہ کا انکار نہ کیا ہو۔ لیکن چونکہ یہ لوگ اہلسنت و جماعت کے اجماعی مسلک سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ اس لئے ان کے بدعتی ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ البتہ سید محمد جونپوری کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ان کا دعویٰ مہدویت محض غلبہء حال کے باعث تھا۔ اگر ایسا ہے تو وہ اس دعوے کے باعث اہل سنت و جماعت کے دائرہ سے بھی خارج نہیں ہوئے۔

ضروری التماس

''ائمہ تلبیس'' میں بتقضائے ضرورت کہیں کہیں مذاہب باطلہ کا بطلان بھی ثابت کیا گیا ہے۔ اس سے یہ مقصد نہیں کہ ان کے خلاف محاذ جنگ قائم کیا جائے۔ بلکہ مقصود یہ کہ فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت کے پیرو بدعتی فرقوں سے کنارہ کش رہ کر سلف صالح اور اخیار امت کی صراط مستقیم کے سختی سے پابند رہیں۔ لیکن یہ بعد و ہجران عقائد، عبادات اور مذہبی امور تک محدود رہنا چاہیے۔ کیونکہ غیر اسلامی ادیان کے مقابلہ میں ان تمام فرقوں سے اتحاد کیا جا سکتا ہے جو مسلمان کہلاتے ہیں۔

میں نے اپنی ناچیز استعداد کے مطابق کوشش کی ہے کہ واقعات کو ان کے صحیح رنگ میں پیش کروں۔ تاہم میرا گمان ہے کہ کتاب غلطیوں سے پاک نہیں ہے۔ اس لئے اہل نظر سے ملتمس ہوں کہ جو جو اغلاط دیکھیں از راہ عنایت مجھے مطلع کر دیں۔ تا کہ اگر اشاعت ثانی کی نوبت آئے تو ان کی اصلاح کر دوں۔

لاہور ۴ جنوری ۱۹۳۷ء

خاکسار: ابوالقاسم رفیق دلاوری!

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

باب:۱ ...... صاف ابن صیاد مدنی

عہد جاہلیت میں کہانت کا شیوع

حضرت بشیر و نذیر ہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پیشتر عرب میں عام دستور تھا کہ لوگ غیب کی خبریں اور مستقبل کے حالات معلوم کرنے کے لئے کاہنوں کی طرف رجوع کرتے تھے اور خصومات کا معاملہ بھی زیادہ تر انہی کی مرضی اور صواب دید پر موقوف رہتا تھا۔ چونکہ یہ مدعیان غیب دانی مرجع انام اور قبلہ حاجات بنے ہوئے تھے۔ انبیائے کرام کی روحانی تعلیمات بھی اسی طائفہ کی دکان آرائیوں میں گم ہو رہی تھیں۔ لیکن جب مرغان حرم نے توحید کی نغمہ سرائی کی اور حضرت خلاصہ موجودات سید العرب والعجم سیدنا محمد ﷺ کی بعثت پر کشور انسانیت کی از سر نو تعمیر و تاسیس کا کام شروع ہوا تو کاہنوں کی بساط مقتدائی یکسر الٹ گئی اور کوئی شخص ان کا پرسان حال نہ رہا۔ جس طرح نیّر اعظم کی ضیا پاشیوں میں کرمک شب تاب قعر گمنامی میں مستور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سحر و کہانت کی ہمہ گیر تاریکیاں بھی آفتاب رسالت کے طلوع ہوتے ہی نابود ہو گئیں اور ظلمت سحر و کہانت کی جگہ آسمانی تعلیمات کا نور مبین افق عالم پر لمعہ افگن ہوا۔ کہانت و نجوم کے ان دکانداروں میں صاف نام کا ایک یہودی بھی تھا۔ جو ناموس الٰہی کے آخری ایام سعادت میں مدینہ منورہ میں ظاہر ہوا اور اسلامی حلقوں میں ابن صیاد کی کنیت سے مشہور ہے۔

کیا ابن صیاد مسلمان تھا

ابن صیاد سحر و کہانت میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ گو نبوت کا مدعی تھا۔ لیکن کسی روایت سے یہ امر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا کہ وہ کسی دن دوسرے خانہ ساز نبیوں کی طرح باقاعدہ بے ہمتائی و یکتائی کی مسند غرور پر بیٹھا ہو اور کسی نے اس کے دعوٰے نبوت کی تصدیق کر کے اس کی متابعت کی ہو۔ ابن صیاد بعد میں بظاہر مسلمان ہو گیا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اسلام شائبہ نفاق سے پاک نہ تھا۔ جس کے بہت سے دلائل و شواہد پائے جاتے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں کہ وہ جناب رسالت مآب ﷺ کی نبوت کو بعض دوسرے یہود کی طرح صرف عرب کے ساتھ مخصوص مانتا تھا۔ اور تصدیق رسالت کے باوجود خود بھی مدعی نبوت تھا۔ حالانکہ کوئی شخص جناب خاتم الانبیا ﷺ کی بعثت کے بعد دعویٰ نبوت کر کے دائرہ اسلام میں داخل نہیں رہ سکتا۔ اس کے علاوہ حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن صیاد کے سامنے دجال کا ذکر آیا۔ میں نے اس سے

از راہ مذاق کہا ''تیرا برا ہو کیا تو دجال ہونا پسند کرتا ہے۔'' کہنے لگا کہ اگر وہ تمام قدرت جو دجال کو دی جائے گی۔ مجھے عطا کی جائے تو میں دجال بننا ناپسند نہ کروں۔'' (صحیح مسلم ص ۳۹۸ ج ۲)

ابن صیاد کا یہ جواب اس کے دلی خیالات وعقید کا صحیح آئینہ ہے جس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس کے دل پر شیفتگی واسلام وایمان کے نقش کہاں تک مرتسم تھے؟۔

ابن صیاد، قتل واستہلاک سے کیوں بچا رہا

ایک مرتبہ امیر المومنین عمرؓ کی رگ غیرت اسکے دعوے نبوت پر جنبش میں آ گئی۔ انہوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو میں اس کی گردن ماردوں؟۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر ابن صیاد وہی دجال منتظر ہے تو تم اس پر کسی طرح قابو نہ پا سکو گے (کیونکہ وہ لامحالہ قرب قیامت تک زندہ رہ کر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہوگا) اور اگر ابن صیاد دجال معہود نہیں تو اس کے قتل کرنے سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۹۸)

ظاہر ہے کہ حضور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد ہر وہ شخص جو نبی اور مہبط وحی ہونے کا مدعی ہو۔ کافر اور واجب القتل ہے۔ لیکن ابن صیاد باوجود ادعائے نبوت قتل سے اس لئے محفوظ رہا کہ آئین خداوندی نے لڑکوں کے قتل کی اجازت نہیں دی۔ اگر وہ بالغ ہوتا تو پھر دعوے نبوت کے ساتھ کسی آمرزش ورعایت کا مستحق نہ تھا۔ ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ جو شخص حکومت وقت کے خلاف غداری کرتا ہے۔ یا اس پر کسی سازش یا جنگجوئی کا الزام عاید ہوتا ہے۔ وہ کشتنی و گردن زدنی قرار پاتا ہے۔ اسے حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی جاتی ہے یا وہ نشانہ بندوق بنایا جاتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جو شخص شہنشاہ ارض وسماء کی روحانی مملکت میں غدر وفساد کرے اور دین الٰہی میں رخنہ اندازی کا مجرم ہو۔ وہ کس درجہ قابل مواخذہ نہ ہوگا؟۔

منع قتل کی دوسری وجہ یہ تھی کہ یہود ان دنوں ذمی تھے اور ان سے اس شرط پر صلح ہوئی تھی کہ ان سے کسی حال میں تعرض نہ کیا جائے گا۔ چنانچہ ''شرح السنۃ'' کی روایت میں صاف یہ الفاظ موجود ہیں کہ اگر ابن صیاد دجال موعود نہیں تو تمہیں کسی طرح مناسب نہیں کہ ایک ذمی کو قتل کرو۔'' (مشکوٰۃ ص ۴۷۹)

ابن صیاد سے سرور عالم کا دلچسپ مکالمہ

روایات صحیحہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابلیسی طاقتیں خوردسالی سے ہی اس کے باطن میں اپنی طاغوتی کذب آفرینیاں القا کر رہی تھیں اور وہ حد بلوغ سے قبل ہی اظہار نبوت کر رہا تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ پیغمبر خدا ﷺ ابن صیاد کی طرف تشریف لے

گئے۔ امیر المومنین عمر فاروقؓ بھی ساتھ تھے۔ ابن صیاد عالم طفلی میں قلعہ بنی مغالہ کے اندر جو یہود کا ایک قبیلہ تھا۔ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اسے اپنی طرف راجع کر کے فرمایا کیا تو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ میں اللہ کا فرستادہ ہوں؟۔ ابن صیاد نے کہا میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ آپ امیوں کے (یعنی عرب والوں کے جو اکثر ناخواندہ تھے) نبی ہیں۔ پھر ابن صیاد نے حضور ﷺ سے دریافت کیا "کیا آپ بھی مجھے رسول اللہ مانتے ہیں۔؟" آپ نے فرمایا کہ "میں تو اللہ جل وعلا اور اس کے تمام (سچے) نبیوں پر ایمان رکھتا ہوں۔ لیکن یہ تو بتا کہ تو جو نبوت کا دعوے دار ہے تجھے کیا دکھائی دیتا ہے۔؟" اس نے جواب دیا کہ "میرے پاس ایک صادق آتا ہے اور ایک کاذب۔" غالباً اس کا منشاء یہ تھا کہ اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور ایک شیطان۔ یہ دونوں اس کے دل پر امور غیبیہ القا کر جاتے ہوں گے۔ ابن صیاد کے خود اپنے بیان سے اس کے دعوئے نبوت کا بطلان ثابت ہو گیا۔ کیونکہ انبیاء کرام کی خبریں ابلیسی اکاذیب سے قطعاً مبرا ہوتی ہیں۔ بخلاف کاہنوں کے کہ ان کی بعض اطلاعیں سچی ہوتی ہیں اور بعض جھوٹی۔ یہ سن کر حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا "تجھ پر صدق اور کذب مختلط ہو گیا ہے۔" اب آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ پر اس کا بطلان ظاہر کرنے کے لئے علیٰ روس الاشہاد اس کا امتحان کرنا چاہا۔ چنانچہ فرمایا "اچھا میں ایک کلمہ اپنے دل میں سوچتا ہوں بتاؤ کہ وہ کونسا کلمہ ہے۔؟" جناب سرور انبیا ﷺ نے قرآن پاک کی یہ آیت جس کے پانچ کلمے ہیں اپنے ذہن میں ملحوظ رکھی۔

"یوم تاتی السماء بدخان مبین" ﴿جس دن کہ آسمان پر بیّن دھواں ظاہر ہوگا۔﴾

ابن صیاد نے کہ وہ دھواں ہے۔ ابن صیاد پانچ الفاظ کے کلام میں سے صرف ایک لفظ بتا سکا۔ جب حضور ﷺ نے دیکھا کہ اس کا حال عام کاہنوں کا سا ہے جو القائے شیطانی کی بدولت بعض امور غیبیہ معلوم کر لیتے ہیں تو فرمایا کہ تو اپنی بساط سے بڑھ کر قدم نہیں مار سکتا اور نہ اس درجے سے تجاوز کر سکتا ہے جو کاہنوں کو حاصل ہے اور جب تو دوسروں کے دلی خطرات کو پوری طرح نہیں بتا سکتا تو نبوت کا دعویٰ چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ رب قدیر انبیاء کو لوگوں کے دلی ارادوں اور رازہائے پنہانی پر علیٰ وجہ الکمال مطلع فرما دیتا تھا۔ بخلاف منجموں اور کاہنوں کے کہ جنود ابلیس ان پر کلمات قدسیہ میں سے کوئی ایک کلمہ القا کر دیتا ہے۔

جس دن خیر البشر ﷺ نے ابن صیاد سے اپنے معہود ذہنی کے متعلق سوال کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو ابن صیاد کے مزید حالات معلوم کرنے کا اشتیاق ہوا۔ چنانچہ آپ ﷺ دوسرے

دن حضرت ابی بن کعب انصاریؓ کو ساتھ لے کر اس نخلستان کو تشریف لے گئے۔ جہاں ابن صیاد مقیم تھا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ وہ ایک چادر تانے بستر پر دراز ہے اور چادر میں سے غن غن کی آواز آ رہی ہے۔ آپ اس حقیقت کے پیش نظر کہ جب کسی کے مفسدہ کا خوف ہو تو افشاء راز اور اظہار حقیقت جائز ہے۔ درخت خرما کی شاخوں کی آڑ میں ہو لئے۔ تاکہ اس کے یہ جاننے سے پیشتر کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہیں۔ اس کی گنگناہٹ کا مفہوم اور مفاد سمجھ سکیں جو مخفی اور ناقابل فہم تھا۔ ابن صیاد کی ماں آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر پکار اٹھی۔ "دیکھو صاف! محمد ﷺ تشریف لائے ہیں۔ ابن صیاد حضور ﷺ کی تشریف آوری سے مطلع ہو کر خاموش ہو گیا۔ اگر اس کی ماں خاموش رہتی تو اس کی باتوں سے اس کی حقیقت حال پر مزید روشنی پڑ سکتی۔ اس کے بعد پیغمبر خدا ﷺ نے ظہور دجال کے متعلق ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور واپس تشریف لے آئے۔

(مسلم ج۲ص ۳۹۸)

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ اس طرح ایک اور مرتبہ جناب خواجہ عالم ﷺ اور حضرات شیخینؓ مدینہ طیبہ کے ایک کوچہ میں ابن صیاد سے ملے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے پوچھا کہ کیا تو میری رسالت کا قائل ہے۔؟ کہنے لگا کیا آپ بھی مجھے رسول اللہ مانتے ہیں۔؟ آپ نے فرمایا "آمنت باللّٰه و ملائکته وکتبه ورسله" اور چونکہ تو کذاب ہے۔ اس لئے تجھ پر ایمان نہیں لا سکتا۔" اس کے بعد حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تجھ پر کیا بشارتیں آتی ہیں۔؟ اس نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ عرش پانی پر کھڑا ہے۔ فرمایا "تو عرش ابلیس کو سطح آب پر دیکھتا ہوگا۔" بعض احادیث نبویہ میں وساوس کے متعلق مذکور ہے کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھا کر اپنی ذریات کو فسوں سازیوں اور فتنہ انگیزیوں کے لئے لوگوں کے پاس بھیجتا ہے۔ ابن صیاد اسی ابلیسی تخت کو پانی پر دیکھ کر گمان کرتا تھا کہ یہ عرش الٰہی ہے۔ اس کے بعد حضور علیہ التحیۃ والسلام نے دریافت فرمایا "کبھی کچھ اور بھی دیکھا ہے۔؟" جواب دیا میں دو صادق اور ایک کاذب (یا دو کاذب اور ایک صادق) کو دیکھا کرتا ہوں۔" آپ نے فرمایا "اس شخص پر اپنا معاملہ مختلط ہو گیا ہے اور اسے اپنی نسبت بھی یقین نہیں کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا۔" (مسلم ج۲ص ۳۹۷)

ابن صیاد بارگاہ نبویؐ میں

حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن صیاد نے جناب نبی الرحمۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جنت کی مٹی کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ سفیدی میں میدے کی مانند ہے اور اس کی بو خالص کستوری کے مشابہ ہے۔ (صحیح مسلم ج۲ص ۳۹۸) اس روایت سے پتہ چلا

ہے کہ ابن صیاد کبھی کبھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا تھا۔ لیکن کسی روایت سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ابن صیاد نے کس سال بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر بیعت اسلام کی اور کتنی مرتبہ آستانہ نبوت میں حاضر ہوا؟ لیکن یہ امر تعجب خیز ہے کہ ابن صیاد جیسا کاہن مدعی نبوت عہد رسالت میں خاص مدینۃ الرسولؐ کے اندر موجود ہو۔ یوم حرہ کے واقعات ہائلہ تک جو یزید بے دولت کے عہد ظلمت میں ظہور پذیر ہوئے۔ ہزارہا صحابہ کو اس سے وقتاً فوقتاً ملنے کا اتفاق ہوا ہو اور پھر اس کو اغوا کوشیوں کے حالات اور سوانح حیات شرح وبسط کے ساتھ نہ مل سکیں۔ لیکن اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس نے دوسرے متنبیوں اور خانہ ساز مسیحوں کی طرح اپنے تقدس کی دکان جمانے اور لوگوں کے لئے باقاعدہ دام تزویر بچھانے کا قصد ہی نہ کیا۔ بلکہ کچھ تو اپنے غلبہ حال اور دجالی حرکات کے باعث لوگوں سے بہت کچھ الگ تھلگ رہتا تھا اور کچھ صحابہ کرام سے بوجہ اپنے کذب آفرین دعاوی کے چھپتا تھا۔ اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ وہ اپنے اوقات حیات کو گوشہء عزلت میں زیادہ گذارتا ہوگا۔ اور یہی اس کے سوانح حیات بکثرت نہ پائے جانے کی علت ہے۔

کیا ابن صیاد ہی دجال اکبر ہے؟

بعض علماء نے ابن صیاد کو وہی دجال اکبر سمجھا ہے۔ جسے مسیح علیہ السلام قرب قیامت کو قتل کریں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہی کہ وہ دجال اکبر تو نہیں تھا۔ البتہ ان دجالوں میں سے ایک ضرور تھا جو جھوٹے دعوؤں کے ساتھ خلق خدا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ جن حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ ابن صیاد ہی دجال اکبر ہے اور یہ کہ وہی نہایت مسن اور طویل العمر ہو کر اخیر زمانے میں ظاہر ہوگا۔ اور روئے زمین پر فساد برپا کرے گا۔ ان کے دلائل یہ ہیں:

محمد بن منکدر کہتے ہیں کہ میں نے جابرؓ بن عبداللہؓ کو اس بات پر حلف اٹھاتے دیکھا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ میں نے کہا تعجب کی بات ہے کہ آپ اس بارے میں اللہ کی قسم کھاتے ہیں۔؟ جابرؓ نے جواب دیا کہ امیر المومنین عمرؓ نے میری موجودگی میں آنحضرت ﷺ کے روبرو اس بات پر قسم کھائی تھی اور حضورؐ نے اس بات پر انکار یا اعتراض نہیں کیا تھا۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۹۸)

اس روایت کے متعلق بعض علماء کا خیال ہے کہ امیر المومنین عمرؓ نے ابن صیاد میں بعض دجالی علامتیں دیکھ کر اسے ہی دجال یقین کر لیا تھا۔ اور ان کے حلف کا اصل مبنیٰ یہ تھا کہ ابن صیاد ان دجالوں یعنی عیاروں میں سے ہے جو دعوئ نبوت کے ساتھ فتنہ انگیزی کریں گے۔ ان کی سوگند کا ہرگز یہ منشاء نہ تھا کہ وہ دجال اکبر ہے۔ اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سکوت کی وجہ یہ تھی کہ آپ اس وقت تک آسمانی اطلاع نہ پانے کے باعث خود متردد تھے کہ ابن صیاد جس میں دجالی

علامتیں پائی جاتی ہیں۔ دجال موعود ہے یا نہیں۔؟ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے تمیم داریؓ کی زبان سے عرب کے ایک جزیرہ میں دجال کے قید ہونے کا واقعہ سنا تو اس وقت آپؐ پر دجال کی شخصیت متحقق و متعین ہوگئی۔

دو صحابیوں کی ابن صیاد کے والدین سے گفتگو

ابن صیاد کو دجال اکبر سمجھنے والے علماء کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ابوبکرہؓ نے رسول اکرم ﷺ سے روایت کی کہ دجال کے والدین کے یہاں تیس سال تک کوئی اولاد پیدا نہ ہوگی۔ اس کے بعد ان کے گھر ایک کانا لڑکا متولد ہوگا۔ جس کے بڑے بڑے دانت ہوں گے اور دنیاوی لحاظ سے نہایت حقیر اور کریہہ المنظر ہوگا۔ نیند کے وقت اس کی آنکھیں تو سوئیں گی۔ لیکن دل (بوجہ ہجوم وساوس وخیالات فاسدہ کے جو شیطان اَلقا کرے گا اسی طرح) بیدار رہے گا (جس طرح سید کائنات ﷺ کا قلب مبارک بکثرت افکار صالحہ اور وحی والہامات کے پے در پے وارد ہونے کی وجہ سے نہ سوتا تھا) اس کی ناک پرندے کی چونچ کی مانند گول ہوگی۔ اس کی ماں بہت فربہ اندام اور لحیم و شحیم ہوگی۔ اور اس کے ہاتھ بہت لمبے ہوں گے۔" حضرت ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ کے ایک یہودی کے گھر میں ایک کانا لڑکا پیدا ہونے کا حال سنا۔ میں اور زبیرؓ بن عوام اس کے والدین سے ملے اور انہیں ان تمام صفات سے متصف پایا جو جناب رسول اکرم ﷺ نے دجال کے ماں باپ کے متعلق بیان فرمائے تھے۔ ہم نے پوچھا تمہارا کوئی فرزند بھی ہے۔؟ انہوں نے کہا کہ تیس سال تک تو ہمارے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ لیکن اب ایک کانا اور بڑے بڑے دانتوں والا حقیر سا لڑکا متولد ہوا ہے۔ اس کی آنکھیں تو سوتی ہیں مگر دل بیدار رہتا ہے۔ ہم وہاں سے چلے تو ہم نے لڑکا بھی قریب ہی دھوپ میں پڑا پایا۔ یہ لڑکا جو پست آواز سے گنگنا رہا تھا سر کھول کر بولا تم نے کیا کہا۔؟ ہم نے کہا کیا تو نے ہماری بات سنی۔؟ کہنے لگا۔ بیشک! گو میری آنکھیں سو جاتی ہیں۔ لیکن میرا قلب بیدار رہتا ہے۔" (ترمذی ج ۲ ص ۵۰)

لیکن علماء کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کے رواۃ میں ایک شخص علی بن زید بن جدعان منفرد ہے اور وہ قوی نہیں۔ علاوہ بریں یہ روایت بقول شیخ ابن حجر عسقلانیؒ درایۃً بھی ناقابل اعتماد ہے۔ کیونکہ ابوبکرہؓ ۸ھ میں ایمان لائے اور صحیحین میں ہے کہ جب وہ سید المرسلین ﷺ کی خدمت میں باریاب ہوئے تو وہ قریب البلوغ تھے۔ انہوں نے وصال نبوی سے صرف دو ہی سال پیشتر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی تھی۔ پس ظاہر ہے کہ ابوبکرہؓ نے ابن صیاد کو اس کے زمانہء ولادت میں مدینہ طیبہ میں ہرگز نہیں دیکھا۔ اس کے علاوہ ابن صیاد اور اس کے

والدین کا دجالی صفات وعلامات سے موصوف ہونا۔ اس بات کو مستلزم نہیں کہ ابن صیاد ہی دجال اکبر تھا۔ کیونکہ دو صفتوں کا اتحاد دو موصوفوں کے اتحاد کو مستلزم نہیں۔"

ابن صیاد سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ملاقات

ابن صیاد پر دجال ہونے کا شبہ اس بنا پر بھی کیا جاتا تھا کہ وہ شکل وشباہت اور شمائل میں دجال اکبر سے بہت بڑی مماثلت رکھتا تھا۔ چنانچہ جس طرح دجال کی ایک آنکھ دانہ ء انگور کی مانند پھولی ہوگی۔ اسی طرح ابن صیاد کی ایک آنکھ بھی ابھری ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں ابن صیاد سے ملا تو دیکھا کہ اس کی ایک آنکھ پھولی ہوئی اور اوپر کو اٹھی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ تمہاری آنکھ میں کب سے یہ خرابی پیدا ہوئی۔؟ بولا میں نہیں جانتا۔ میں نے کہا بندہ ء خدا تیری آنکھ تیرے سر میں ہے اور تجھے اس کی خرابی کا حال معلوم نہ ہوسکا۔ ابن صیاد کہنے لگا کہ اگر خدائے قادر وتوانا چاہے تو تمہارے ہاتھ کی اس چھڑی میں بھی ایسی ہی آنکھ پیدا کردے۔" ابن صیاد کے اس جواب کا منشاء یہ تھا کہ حق تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ جمادات میں بھی آنکھ پیدا کردے اور جس طرح اس جماد کو اپنی آنکھ کا شعور اور آشوب چشم کا احساس نہیں ہوگا۔ اسی طرح ممکن ہے کہ انسان بھی کثرت اشغال وہجوم افکار کی وجہ سے مانع ادراک اشیاء کو اسی طرح مدرک نہ کرسکے۔ جس طرح لوگ فرط غم اور وفور مسرت کے وقت بھوک کا مطلق احساس نہیں کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ابن صیاد گدھے کی سی آواز کے ساتھ چیخنے لگا۔ یہ آواز ایسی کریہہ اور بھیانک تھی کہ میں نے کسی گدھے کی بھی ایسی مکروہ آواز نہیں سنی تھی۔ میرے احباب کا خیال تھا کہ میں نے ابن صیاد کو اپنی لاٹھی سے اتنا پیٹا تھا کہ لاٹھی ٹوٹ گئی۔ حالانکہ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کیا پیش آیا اور وہ کیوں چیخا۔؟ اسی طرح ابن صیاد کے ایک یہودی رفیق نے یہ گمان کیا تھا کہ میں نے اس کے گھونسا رسید کیا۔ حالانکہ یہ خیال بھی سراپا غلط تھا۔" (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۹)

حدیث جساسہ سے جو عنقریب سپرد قلم ہوگی۔ اس بات کا قطعی علم ہوگیا تھا کہ ابن صیاد دجال اکبر نہیں ہے۔ لیکن مسلمانان مدینہ ابن صیاد کے دجالی صفات اور اس کی ہیئت کذائی کا لحاظ کرتے ہوئے بہت دن تک اس شبہ میں پڑے رہے کہ شاید یہی شخص قرب قیامت کو دجال کی حیثیت سے ظاہر ہو، اور یہی وجہ تھی کہ ابن صیاد اہل مدینہ کے لئے سامان کندہ زنی بنا ہوا تھا اور لوگ اس سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے۔ نافع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی کسی سڑک پر ابن عمرؓ کی ابن صیاد سے ملاقات ہوئی۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس سے کوئی ایسی بات کردی جس سے وہ بڑا غضبناک ہوا۔ اس کے بعد عبداللہ بن عمرؓ اپنی خواہر محترمہ ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس

آ ئے۔ ام المؤمنینؓ اس سے پیشتر سن چکی تھی کہ ان کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ ابن صیاد سے کوئی بات کہہ کر اس کی اشتعال انگیزی کا باعث ہوئے تھے۔ ام المؤمنینؓ نے فرمایا "خدا تم پر رحم کرے۔ تم نے ابن صیاد کو کیوں مشتعل کیا۔؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ دجال کسی بات پر غضبناک ہوگا اور پھر یہی غیظ وغضب اس کے خروج کا باعث بن جائے گا اور چونکہ یہ احتمال ہے کہ یہی شخص دجال اکبر ہو۔ اس لئے یہ بات کسی طرح مناسب نہیں کہ اسے برانگیختہ کر کے باب فتن کھولا جائے۔" (صحیح مسلم ج۲ص۳۹۹)

ابن صیاد کا استدلال اپنے دجال ہونے کی نفی پر

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ دجال مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں داخل نہ ہوسکے گا اور تعجب ہے کہ جن حضرات نے ابن صیاد کو دجال اکبر یقین کیا۔ ان کا ذہن ان روایات صحیحہ کی طرف کیوں منتقل نہ ہوا؟۔ ایک روایت میں خود ابن صیاد نے بھی اسی ارشاد نبوی سے استدلال کر کے اپنے دجال ہونے کی نفی کی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ سے مکہ مکرمہ کو جاتے ہوئے میں ابن صیاد کا رفیق سفر تھا۔ اثناء گفتگو میں وہ مجھ سے کہنے لگا کہ میں نے لوگوں سے اتنا دکھ اٹھایا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ رسا درخت سے باندھ کر اس کا پھندا گلے میں ڈال لوں اور پھانسی لے لوں۔ میں نے پوچھا آخر اس کی کیا وجہ ہے؟۔ کہنے لگا وجہ یہ ہے کہ لوگ مجھے دجال سمجھتے ہیں۔ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ دجال لاولد ہوگا اور میں صاحب اولاد ہوں؟۔ کیا یہ پیغمبر علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا تھا کہ دجال کافر ہوگا اور میں مسلمان ہوں؟۔ اور کیا سرور دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہ فرمایا تھا کہ دجال مکے اور مدینے میں داخل نہ ہوگا۔ لیکن میں مدینے میں پیدا ہوا اور وہیں سے آ کر مکہ معظمہ جا رہا ہوں؟۔

(مسلم ج۲ص۳۹۸)

حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ابن صیاد واقعہ حرہ میں جبکہ یزید کا لشکر اہل مدینہ پر غالب آیا، مفقود ہو گیا۔ بظاہر یہ روایت اس بیان کے منافی ہے جس میں مذکور ہے کہ وہ مدینے میں مرا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اگر اس روایت کا مفہوم عام اور موت کو بھی شامل ہے تو کچھ منافات نہیں۔ کیونکہ دونوں کا ماحصل یہ ہوسکتا ہے کہ وہ واقعہ حرہ میں مرا اور اسکی نماز جنازہ پڑھائی گئی۔

دجال اکبر ایک جزیرہ میں قید ہے

تمیم داریؓ کے بیان سے جو دجال کی شخصیت کے بارہ میں نص ہے۔ اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ ابن صیاد دجال منتظر نہیں۔ کیونکہ جن دنوں ابن صیاد بچوں کے ساتھ مدینہ مطہرہ کی

گلیوں میں کھیل رہا تھا۔ انہی ایام میں یا شاید اس سے بھی پیشتر تمیم داریؓ نے دجال کو عرب کے ایک جزیرہ میں پابہ زنجیر دیکھا۔ اب تمیم داریؓ کے دلچسپ مشاہدات کی روایت جو علماء میں ''حدیث جساسہ'' کے نام سے شہرت رکھتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہ کہتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ مسجد نبوی میں گئی اور نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ حضور ﷺ نماز سے فارغ ہو کر منبر پر بیٹھے اور آپ نے حسب عادت مسکرا کر فرمایا کہ سب آدمی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں۔ اس کے بعد فرمایا کیا جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں جمع کیا؟۔ صحابہ عرض گذار ہوئے کہ اللہ اور اس کا رسول اعلم ہیں۔ ارشاد ہوا میں نے کسی ترغیب یا ترہیب کے لئے تمہارے اجتماع کی خواہش نہیں کی۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تمیم داری ایک عیسائی تھے جو خلعت اسلام سے سرفراز ہوئے۔ اب انہوں نے دجال کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا ہے جو ان ربانی تعلیمات سے مطابقت رکھتا ہے جو میں دجال کے متعلق تمہارے سامنے پیش کرتا رہا ہوں۔ چونکہ یہ ماجرا تمیم کے عینی مشاہدہ پر مبنی تھا۔ اس لئے حضور ﷺ نے لوگوں کے ازدیاد یقین کے لئے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا۔ تمیم داریؓ کا بیان ہے کہ میں نے جہاز میں سوار ہو کر سمندر کا سفر اختیار کیا۔ قبیلہ لخم اور جذام کے بھی تیس آدمی میرے رفیق سفر تھے۔ اتنے میں سمندر میں ایسا طوفان آیا کہ جہاز سمندر کے طول و عرض میں بحالت تباہ چکر کاٹتا رہا۔ لیکن ساحل بحر تک نہ پہنچ سکا۔ آخر موجوں کے خوفناک تھپیڑے کھاتا ہوا ایک مہینہ کے بعد بصد خرابی کنارے لگا۔ ہم ایک جزیرہ میں اترے۔ اثنائے راہ میں ایک عجیب قماش کی عورت ملی جس کے بہت لمبے لمبے بال تھے۔ ہم نے اس سے دریافت کیا تو کون ہے؟۔ کہنے لگی میں جساسہ یعنی مخبرہ ہوں جو دجال کو خبریں پہنچاتی ہوں۔ تم لوگ سامنے والے دیر میں جاؤ۔ وہاں دجال کو دیکھو گے۔ ہم نے دیر کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر ایک اتنا بڑا قوی ہیکل مرد دیکھا کہ اس سے پیشتر اس قد و قامت کا انسان کبھی نظر سے نہ گذرا تھا۔ یہ شخص سلاسل و اغلال میں جکڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ گھٹنوں اور ٹخنوں کے بیچ میں سے نکل کر گردن سے بندھے تھے۔ ہم اس کوہ پیکر انسان کو دیکھ کر محو حیرت رہ گئے۔ ہم نے پوچھا تو کون ہے؟۔

وہ...... چونکہ تم نے مجھے اس حال میں دیکھ لیا۔ اس لئے میں اپنے تئیں تم سے مخفی نہ رکھوں گا۔ لیکن پہلے تم یہ تو بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہاں کس طرح آنا ہوا؟۔

ہم...... ہم عرب کے رہنے والے ہیں۔ ہم نے بحری سفر اختیار کیا تھا۔ لیکن ہمارا

جہاز طوفان میں گھر کر مہینہ بھر سرگرداں رہا۔ آخر ہم بحالت تباہ اس جزیرہ میں آ پہنچے۔ ایک اعجوبۂ روزگار جساسہ ہم سے کہنے لگی کہ تم لوگ اس شخص کی طرف جاؤ جو دیر میں ہے۔ پس ہم لوگ عجلت سے تیرے پاس پہنچے۔

وہ...... اچھا یہ تو بتاؤ کہ نخل بیسان ہنوز بار آور ہوا یا نہیں؟۔

ہم...... بیسان کے نخلستان میں برابر پھل آ رہا ہے۔

وہ...... لیکن یاد رکھو کہ وہ وقت بھی آنے والا ہے جب کہ بیسان میں کھجوروں کے درخت ثمر آور نہ ہوں گے۔ اس کے بعد سوال کیا کہ بحیرہ طبریہ میں ابھی پانی موجود ہے یا خشک ہو چکا؟۔

ہم...... اس میں تو پانی بافراط موجود ہے۔

وہ...... وہ وقت دور نہیں جبکہ (قرب قیامت کو) اس کا پانی خشک ہو جائے گا۔ اس کے بعد دریافت کرنے لگا کہ کیا چشمہ زغر میں پانی آ رہا ہے؟۔ اور وہاں کے لوگ اس پانی سے زراعت کر رہے ہیں؟۔

ہم...... اس میں تو پانی کی بہتات ہے اور لوگ اس سے اپنی زمینوں کو خوب سیراب کر رہے ہیں۔

وہ...... اچھا یہ تو بتاؤ کہ امیوں کے نبی نے ظاہر ہو کر کیا کچھ کیا ہے؟۔

(امیوں کے نبی کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت ﷺ خاص عرب ہی کی رہنمائی کے لئے مبعوث ہوئے۔ چنانچہ عرب کے بعض یہود کا یہی عقیدہ تھا یا ممکن ہے کہ اس نابکار نے ازراہ تعریض یہ طوفان باندھا ہو کہ آنحضرت نادانوں اور جاہلوں کیلئے مبعوث ہوئے۔)

ہم...... وہ اپنی قوم پر غالب آئے اور لوگوں نے ان کی اطاعت کر لی ہے۔

وہ...... ہاں ان کے لئے اطاعت و سرافگندگی ہی بہتر تھی۔ اس کے بعد کہنے لگا۔

اب میں اپنی نسبت بھی بتا دوں کہ میں مسیح (دجال) ہوں اور مجھے عنقریب یہاں سے نکلنے کی اجازت ملے گی۔ میں روئے زمین میں ہر جگہ دورہ کروں گا اور دنیا میں کوئی آبادی ایسی نہ ہو گی جہاں چالیس دن کی مدت میں پہنچ نہ جاؤں۔ باستثناء مکہ اور طیبہ کے۔ کیونکہ ان دو شہروں میں مجھے داخلہ کی اجازت نہیں ہے۔ جب میں مکہ یا طیبہ میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا تو معاً تیغ برہنہ فرشتہ موجود ہو کر میرے اقدام میں مزاحم ہونے لگے گا۔

یہ واقعہ بیان کر کے جناب سید کائنات ﷺ نے اپنا عصا منبر پر مار کر تین مرتبہ فرمایا یہی طیبہ ہے۔ یہی طیبہ (مدینہ منورہ) ہے۔

(مسلم ج۲ ص ٤٦،٤٤، باب الجساسه و ابو داؤد بالفاظ مختلفه)

باب۲ ...... اسود عنسی

جب حضرت سید کون و مکان ﷺ حجۃ الوداع سے مراجعت فرمائے مدینہ منورہ ہوئے تو آپ کی صحت مزاج اعتدال سے منحرف ہوگئی اور گو طبیعت جلد سنبھل گئی۔ لیکن منافقوں کی طرف سے ناسازئ طبع کی خبر کچھ ایسے برے عنوان سے پھیلائی گئی تھی کہ استبداد خودسری کے مادے مختلف رنگوں میں ظہور کرنے لگے اور بہت سے منافقوں کو اپنا کفر عالم آشکار کرنے کا حوصلہ ہوگیا۔ نفس امارہ کے جن پجاریوں نے علالت نبوی کی خبر پاتے ہی اپنے ایمان و اسلام کو خیر باد کہہ دیا۔ اسود عنسی ان میں سب سے پیش پیش تھا۔ اس نے نہ صرف نعمت ایمان سے ہجر و حرمان قبول کیا۔ بلکہ اس کی بوالہوسی نے خود ساختہ نبوت کا تاج بھی اسکے سر پر رکھ دیا۔

حضرت خیر البشر کی پیشینگوئی

رنجوری اوّل کے چند ماہ بعد حضرت سید الخلق ﷺ اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ دنیائے رفتنی و گزشتنی کو الوداع کہہ کر رفیق اعلیٰ سے جا ملے ہیں۔ بروز شنبہ ۱۰ ربیع اوّل ۱۱ھ کو خواجہ ﷺ حالت مرض میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مکان پر تشریف لائے اور یکشنبہ کے دن مرض نے شدت اختیار کر لی۔ آپ نے انہی ایام مرض میں فرمایا کہ میں نے (خواب) اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھے۔ مجھے ان سے نفرت ہوئی تو ان پر پھونک دیا۔ معاً دونوں کنگن معدوم ہو گئے۔ ان دو کنگنوں کی تعبیر یہی دو جھوٹے دجال ہیں کہ میں جن کے درمیان میں ہوں۔ ایک مسیلمہ یمامہ والا۔ دوسرا اسود یمنی۔ آپ نے انہی ایام مرض میں وحی الٰہی سے اطلاع پا کر یہ بھی فرمایا کہ "اسود فلاں روز اور فلاں مقام پر قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ ویسا ہی ظہور میں آیا۔" (جذب القلوب الی دیار المحبوب، حجج الکرامه ناقلاً عن البقاعی)

ابتدائی حالات اور دعوے نبوت

اسود کا اصل نام عیہلہ بن کعب بن عوف عنسی تھا۔ لیکن سیاہ فام ہونے کی وجہ سے اسود کے نام سے مشہور ہوگیا تھا۔ عنس قبیلہ مذحج کی ایک شاخ تھی۔ علاقہ یمن کے ایک موضع میں جس کا نام کہف خار ہے پیدا ہوا اور وہیں نشو و نما پایا۔ شعبدہ گری اور کہانت میں اپنا جواب نہ رکھتا

تھا اور اس زمانہ میں یہی دو چیزیں باکمال ہونے کی بہت بڑی دلیل سمجھی جاتی تھیں۔ اسود کی ذات میں شیریں کلامی اور تحمل و بردباری کا جوہر بدرجہ اتم ودیعت تھا۔ اس لئے عامتہ الناس جلد اس کی کمند، خدع میں پھنس جاتے تھے۔ اس کے لقب میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے ذوالخمار بتایا یعنی اوڑھنی والا لکھا ہے۔ کیونکہ وہ ہر وقت چادر اوڑھے اور عمامہ باندھے رہتا تھا۔ اور بعض نے اس کا لقب ذوالحمار بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے پاس ایک سدھا ہوا گدھا تھا۔ جب اس کی طرف مخاطب ہوکر کہتا کہ اپنے خدا کو سجدہ کر، تو وہ فوراً سربسجود ہو جاتا۔ جب بیٹھنے کو کہتا تو جھٹ بیٹھ جاتا اور جب کھڑا ہونے کا حکم دیتا تو وہ نیم قد اور بعض اشاروں پر سر وقد کھڑا ہو جاتا تھا۔ جب اہل نجران نے اسود کے ادعائے نبوت کی خبر سنی تو اسے بغرض امتحان اپنے ہاں مدعو کیا۔ یہ لوگ اس کی چکنی چپڑی باتوں پر فریفتہ ہو گئے اور جب اس نے گدھے کی نشست و برخاست سے اپنا ''اعجاز کرشمہ'' بھی دکھا دیا تو انہوں نے نقد ایمان نذر کر کے اس کی پیروی اختیار کر لی۔ اسی طرح قبیلہ مذحج نے بھی اسود کی نئی تحریک کو سمعاً وطاعۃً قبول کر لیا۔

حضرت سرور عالم ﷺ حکومت یمن کو مختلف افراد میں تقسیم فرماتے ہیں

جس وقت باذان اور اہل یمن حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اس وقت سرور انبیا ﷺ نے یمن کی ساری حکومت باذان کو تفویض فرمائی تھی وہ مدت العمر یہاں کے والی رہے۔ باذان کی رحلت کے بعد آپؐ نے یمن کی حکومت تقسیم کر کے گیارہ افراد کے دست اختیار میں دے دی۔ نجران پر عمرو بن حزم کو حاکم مقرر فرمایا۔ نجران اور زبید کا درمیانی علاقہ خالد بن سعید کو تفویض فرمایا۔ ہمدان، عامر بن شہر کو دیا گیا۔ صنعا کی حکومت شہر بن باذان کو عطا ہوئی۔ طاہر بن ابو ہالہ عک اور اشعریوں کے والی بنائے گے۔ ابوموسیٰ کو مارب کی اور فردہ بن مسیک کو مراد کی امارت پر سرفراز فرمایا گیا۔ جند کی سرداری یعلیٰ بن امیہ کے زیر فرمان دی گئی۔ حضرموت کی حکومت زیاد بن لبید انصاری کو مفوض ہوئی۔ اور سکاسک اور سکون پر عکاشہ بن ثور کو اور بنو معاویہ بن کندہ پر مہاجر کو عامل مقرر فرمایا گیا۔ مگر مؤخر الذکر کے تقرر کے بعد ہی حضور سید کون و مکان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت سخت علیل ہو گئی۔ اس لئے ان کا جانا ملتوی رہ گیا۔ آخر حضورؐ کے وصال کے بعد امیر المومنین ابوبکرؓ نے انہیں ان کی حکومت پر روانہ فرما دیا۔

اسود کی ملک گیری اور اسکا فوری عروج واقبال

اسود نے دعویٰ نبوت کے بعد تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ سب سے پہلے اہل نجران کو گانٹھ کر نجران پر چڑھ دوڑا اور عمرو بن حزم اور خالد بن سعید بن

عاص کو وہاں کی حکومت سے بے دخل کر دیا۔ اسی طرح اسود کا وزیر قیس بن عبد یغوث مرادی بھی جس کے ہاتھ میں اسودی لشکر کی قیادت تھی۔ فردہ بن مسیک ان پر چڑھ آیا جو مراد پر عامل تھے اور انہیں منہدم کر کے وہاں پر قابض ہو گیا۔ نجران سے فارغ ہو کر اسود نے صنعا کا رخ کیا۔ یہاں شہر بن باذان نے اس کا مقابلہ کیا۔ لیکن مغلوب ہو کر جرعہ شہادت پی لیا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ اپنی بے سرو سامانی کا لحاظ کرتے ہوئے صنعا سے روانہ ہوئے اور مارب میں ابو موسیٰ کی طرف ہو کر گذرے۔ ابو موسیٰ نے دیکھا کہ حفظ و دفاع کا کوئی سامان نہیں ناچار وہ بھی حضرت معاذ بن جبلؓ کے ہمراہ چل کھڑے ہوئے۔ حضرت معاذؓ تو سکون میں ٹھہرے اور ابو موسیٰ کاسک کو چلے گئے۔ اسی طرح طاہر بن ابو ہالہ جبل صنعاء میں جا پناہ گزین ہوئے اور وہ لوگ جو قبیلہ مذحج میں سے اسلام پر قائم رہے۔ انہوں نے فردہ کے پاس جا پناہ لی۔ اس وقت اسودی اقبال کا یہ عالم تھا کہ فتح و ظفر ہر وقت حکم کی منتظر تھی۔ غرض یمن کا سارا ملک اسود کے حیطۂ اقتدار میں چلا گیا اور وہ شرقاً غرباً صحرائے حضر موت سے طائف تک اور شمال میں بحرین سے احسا تک اور جنوب میں عدن تک کا مالک ہو گیا۔ اسود کی حکومت ملک کے طول و عرض میں اس سرعت سے پھیلی جس طرح آگ گھاس پھوس کے مکان کے ایک سرے میں لگ کر آناً فاناً دوسرے سرے تک پہنچ جاتی ہے۔ جب پہلی مرتبہ شہر بن باذان سے اس کی مڈ بھیڑ ہوئی ہے تو اس وقت اس کے پاس صرف سات گھڑ چڑھوں اور کچھ سانڈنی سواروں کی جمعیت تھی۔ لیکن اب اس کی سلطنت کو بڑا استحکام نصیب ہوا۔ ان واقعات سے اکثر اہل یمن اسلام کے صراط صدق و صواب سے منحرف ہو کر اسود کی نبوت پر ایمان لے آئے۔ اب عمرو بن حزم اور خالد بن سعید مدینہ منورہ پہنچے اور تمام دل خراش واقعات حضرت سید کائنات ﷺ کے سمع مبارک تک پہنچے۔

جب یمن کے سارے علاقے اسود کے علم اقبال کے سایہ میں آچکے تو اس نے عمرو بن معد یکرب کو اپنا نائب مقرر کیا۔ یہ وہی شخص ہے جو پہلے خالد بن سعید بن عاص کی مجلس شوریٰ کا رکن تھا۔ لیکن پھر مرتد ہو کر اسلامی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور خالد بن سعید کے مقابلہ سے بھاگ کر اسود کے ظل عاطفت میں جا پناہ لی تھی۔ اب حضر موت کے مسلمانوں کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں اسود ان پر بھی فوج کشی نہ کرے یا حضر موت میں بھی اسود کی طرح کوئی نیا دجال کذاب نہ اٹھ کھڑا ہو۔ اس لئے حضرت معاذ بن جبلؓ نے بڑی دانشمندی اور معاملہ فہمی سے کام لے کر استمالت قلوب کے لئے قبیلہ سکون میں نکاح کر لیا۔ جس سے قبیلہ کے لوگ ان سے عطوفت اور محبت کا برتاؤ برتنے لگے۔

اسود کے خلاف نفرت وعناد کا جذبہ

اب اسود یمن کا بلاشرکت غیرے مالک بن کر کوس انا ولا غیری بجا رہا تھا۔ لیکن حکومت پر فائز ہونے کے بعد اس میں پہلی سی تواضع ومنکسر المزاجی باقی نہ رہی تھی۔ غرور وانانیت نے حلم وخاکساری کی جگہ لے لی تھی اور ہر وقت فرعونیت کا تاج پہنے یکتائی اور بے ہمتائی کے نشہ میں سرشار تھا۔ گو قیس بن عبد یغوث سپہ سالار نہایت صبر وسکون کے ساتھ اسود کے تمام نرم وگرم احکام کی تعمیل کرتا تھا۔ لیکن اسود کی نخوت اور فرعون مزاجی نے اس کو سخت کبیدہ خاطر اور متنفر کر دیا تھا۔ اسود نے شہر بن باذان کی جان ستانی کے بعد ان کی بیوی آزاد کو جبراً اپنے گھر ڈال لیا تھا اور آزاد کا عم زاد بھائی فیروز دیلمی جو شاہ حبشہ کا بھانجا تھا آزاد کو اس کے پنجہ بیداد سے نجات دلانے اور اس کا قرار واقعی انتقام لینے کے لئے بری طرح دانت پیس رہا تھا۔ اتنے میں وبر بن یحنس ازدی کے ہاتھ سکون اور یمن کے مسلمانوں کے نام حضرت فخر کون ومکان ﷺ کا ایک فرمان آیا جس میں اسود کی سرکوبی کا حکم تھا۔ ارباب ایمان اس فرمان سے نہایت قوی دل ہوئے۔ اور اسود کو نیچا دکھانے کا عزم صمیم کر لیا۔ اتنے میں مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ قیس بن عبد یغوث پر اسود کا کچھ عتاب نازل ہوا ہے اور قیس اسود سے سخت کشیدہ خاطر ہے۔ اس لئے قیس کو بھی اپنا رازدار اور شریک کار بنا لیا۔

قتل کے مشورے

صنعاء کے بعض مسلمان اسود کی فوج گراں کے مقابلہ میں اپنے حربی ضعف کو بخوبی محسوس کر رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے بجائے عسکری اجتماع کے رازدارانہ سرگرمیوں سے کام لینا چاہا۔ یہاں کے مسلمانوں نے قرب وجوار کے لوگوں سے نامہ وپیام کر کے اسود کے خلاف ناراضی کا ایک جال پھیلا دیا۔ اس اثنا میں اسود کو اس کے مؤکل نے بتا دیا کہ تمہارے قتل کی کھچڑی پک رہی ہے۔ اسود قیس کو بلا کر کہنے لگا "مجھے میرے مؤکل نے حکم دیا ہے کہ میں قیس کو چاہ ہلاکت میں ڈال دوں۔ کیونکہ وہ اعداء سے مل گیا ہے۔" قیس ہر طرف خطرہ کی آندھیوں کو محیط پا کر بطور دفع الوقتی قسم کھا کر کہنے لگا حضور کے تقدس اور عظمت کا سکہ میرے لوح دل پر اس درجہ منقوش ہے کہ اس قسم کے کافرانہ وسوسے میرے دل میں کبھی بار نہیں پا سکتے۔ یہ سن کر اسود قیس کے خون سے درگذرا۔ اس کے بعد قیس موقع پا کر مسلمانوں کے پاس آیا اور اسود سے جو باتیں ہوئی تھیں وہ سب بالتفصیل بیان کیں۔ اب اسود نے فیروز دیلمی اور حشنس دیلمی کو جو مسلمانوں میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے بلا کر دھمکایا۔ مگر انہوں نے دفع الوقتی سے کام لے کر اپنا پیچھا

چھڑ دیا۔ اسود مسلمانوں کی طرف سے ہنوز کھٹکا ہوا تھا اور ارباب ایمان بھی اس کی طرف سے مطمئن نہ تھے کہ اس اثناء میں عامر بن شہر، زی زود، ذوالکلاع اور ذی ظلیم کی طرف سے خطوط آئے جن میں لکھا تھا کہ ہم تمہاری عون و نصرت کے لئے ہر طرح سے حاضر ہیں۔ بات یہ تھی کہ سید خلق ﷺ نے ان کے پاس اس مضمون کے فرمان بھیجے تھے کہ وہ اسود کے خلاف حرب آزما ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے صنعاء کے مسلمانوں کو جہاد کی تحریک کی تھی۔ اسی طرح فخر بنی آدم ﷺ نے اہل نجران کو بھی شریک جہاد ہونے کو لکھا تھا اور نجران والوں نے تعمیل ارشاد کا تہیہ کر کے صنعاء والوں کو اپنے عزائم کی اطلاع دے دی تھی۔ یہاں سے فیروز اور جشنس نے اطراف واکناف کے ان تمام مسلمانوں کو جنہوں نے اسود کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کی تحریک کی تھی یہ جواب دیا کہ جب تک ہم اپنا کام مستحکم نہ کر لیں۔ اس وقت تک تم لوگ کوئی اقدام عمل نہ کرنا۔ جب اسود کو ان سب باتوں کی اطلاع ہوئی تو اسے اپنی ہلاکت کا کامل یقین ہو گیا۔

اسود کی جان ستانی میں آزاد کے شریک کار ہونے کی درخواست

اب جشنس دیلمی فیروز دیلمی کی عم زاد بہن آزاد کو گانٹھنے کے لئے اسود کے محل سرائے میں گیا۔ جس پر اسود نے اس کے شوہر شہر بن باذان کے واقعہ شہادت کے بعد جبراً قبضہ کر رکھا تھا۔ اور کہا تم جانتی ہو کہ یہ لعین تمہارے والد اور شوہر کا قاتل ہے اور اس نے تمہیں جبراً وقہراً گھر میں ڈال رکھا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ اس کی جان ستانی میں ہماری معاون اور شریک راز بنو۔ آزاد کہنے لگی "واللہ میرے لئے اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے اس نابکار سے بڑھ کر مکروہ اور قابل نفرت چیز کوئی نہیں۔ یہ کمبخت نبوت کا مدعی ہے۔ مگر حالت یہ ہے کہ نہ تو حقوق اللہ ادا کرتا ہے اور نہ اسے محرمات ہی سے پرہیز ہے۔ تمہارا جو کچھ ارادہ ہو اس کی مجھے برابر اطلاع دیتے رہو۔ میں اس کار خیر میں جان و دل سے تمہاری مدد کروں گی۔" اس اثناء میں اسود نے ایک قاصد بھیج کر قیس کو بارادۂ قتل اپنے پاس بلایا۔ قیس مذحج اور ہمدان کے دس مسلح جوان لے کر اسود کے پاس گیا۔ اسود کو ان دس محافظوں کی موجودگی میں یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ قیس کو قتل کرے۔ کہنے لگا۔ قیس! میں نے تجھ سے سچ سچ نہیں کہہ دیا کہ تو میرے قتل کی سازش میں شریک ہے؟۔ مگر تو ہر مرتبہ جھوٹ بول کر دفع الوقتی کر رہا ہے۔ چنانچہ میرے مؤکل نے مجھے یہ مشورہ دیا ہے کہ "میں قیس کے ہاتھ قطع کر دوں۔ ورنہ وہ ضرور میری گردن مار دے گا۔" قیس نے کہا یہ قطعاً غلط ہے۔ میں آپ کو رسول اللہ مانتا ہوں اور حضور کے مؤکل کو بھی سچا پیامبر یقین کرتا ہوں۔ لیکن وحی میں غلطی کا بھی امکان ہوتا ہے۔ اس لئے ساز باز کا الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ آپ بدگمانی کو پاس نہ پھٹکنے

دیجئے۔ میں ہر طرح سے حضور کا غلام اور چاکر ہوں اور حضور کے ہر حکم کی تعمیل کو باعث سعادت یقین کرتا ہوں اور اگر آپ میری طرف نظر ترحم سے نہ دیکھیں گے تو میں اپنی آپ کو ہلاک کر ڈالوں گا۔" یہ باتیں سن کر اسود کا خیال بدل گیا اور قیس کو جانے کی اجازت دی۔ قیس وہاں سے نکل کر اپنے مسلمان دوستوں سے ملا اور یہ کہہ کر چلا آیا کہ بس اب اپنا کام پورا کر دو۔ اسود محل سرائے سے اٹھ کر باہر آیا۔ تمام لوگ اس کی تعظیم کے لئے سرو قد اٹھ کھڑے ہوئے۔ قصر کے باہر قریباً سو گائیں اور اونٹ بندھے تھے۔ ان کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ وہاں تینوں مسلمان بھی موجود تھے۔ فیروز کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ فیروز! کیا وہ بات جو تیری نسبت مجھے بتائی گئی ہے غلط ہے؟۔ اور پھر تلوار دکھا کر کہنے لگا کہ میرا ارادہ ہے کہ تجھے ذبح کر ڈالوں۔" فیروز نے کہا حضور والا! آپ کو شاید معلوم نہیں کہ حضور کی حرم محترم میری عم زاد بہن ہے اور ہم اس بات پر بڑے نازاں ہیں کہ حضور نے ہمیں سسرالی قرابت سے مشرف فرمایا۔ اگر حضرت اعلیٰ منصب نبوت پر فائز نہ ہوتے تو ہم کسی بڑی سے بڑی قیمت پر بھی اپنی قسمت حضور کے ہاتھ پر فروخت نہ کرتے۔ حضور کی اطاعت میں ہمیں ہر طرح دین و دنیا کی فلاح نصیب ہے۔" اتنے میں ایک شخص نے اسود کے سامنے فیروز کی چغلی کھائی اور کہنے لگا کہ سرکار! یہ فیروز آپ کا جانی دشمن ہے۔ آپ اس کی سخن سازیوں سے دھوکا نہ کھایئے۔ فیروز بھی سن رہا تھا۔ اسود نے عتاب آمیز نگاہوں سے فیروز کی طرف دیکھ کر کہا "میں سب کچھ جانتا ہوں۔ اس لئے عزم صمیم کر چکا ہوں کہ کل کے روز فیروز اس کے رفقاء کو ضرور موت کے گھاٹ اتروا دوں گا۔

نقب لگا کر محل میں گھس جانے کا مشورہ

اب یہ لوگ وہاں سے چلے آئے اور قیس کو بلا کر باہم مشورہ کرنے لگے۔ جشنس نے یہ رائے دی میں آزاد کے پاس جا کر اس کی رائے معلوم کرتا ہوں۔ اگر وہ اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹائے تو بس اسے ٹھکانے لگا دیں۔ جشنس نے آزاد کے پاس جا کر اپنا خیال ظاہر کیا۔ آزاد کہنے لگی "اسود آج کل نہایت چوکنا اور ہوشیار ہو گیا ہے۔ اس حصہ مکان کے سوا محل میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں پہرہ چوکی نہ ہو۔ البتہ اس مکان کے عقب سے نقب زنی کا موقع ہے۔ اگر تم لوگ سر شام اس طرف جا کر نقب لگاؤ تو وہاں تمہیں کوئی آدمی نہ دیکھ سکے گا۔ اس وقت جو چاہو کر سکتے ہو۔ وہاں اسود کو کوئی معاون بھی نہ مل سکے گا۔ تمہیں اس جگہ شمعدان روشن ملے گا اور اسلحہ بھی موجود ہوں گے۔" اتنے میں اسود بھی دیوان خانہ سے نکل کر حرم سرائے میں آیا اور جشنس کو اپنی بیوی سے باتیں کرتے پایا۔ اسود نے سخت غضب ناک ہو کر پوچھا تو یہاں کیوں آیا؟۔ یہ کہہ کر ایک گھونسا

خشنس کے اس زور سے رسید کیا کہ وہ نیچے گر پڑا۔ یہ دیکھ کر آزاد نے ایسی بری طرح چیخنا چلانا اور شور مچانا شروع کیا کہ اسود مبہوت رہ گیا۔ آزاد ناک بھوں چڑھا کر اور اسود کو ڈانٹ بتا کے کہنے لگی "یہ میرا دودھ شریک بھائی مجھ سے ملنے کو آیا ہے۔ اور تو سخت بے حیائی کے ساتھ اس سے ایسا وحشیانہ سلوک کرتا ہے۔" یہ کہہ کر آزاد اسود کو سخت سست کہنے لگی۔ اسود خشنس کو چھوڑ کر آزاد سے معذرت کرنے لگا اور اس سے بصد مشکل اپنا قصور معاف کرایا۔ وہاں سے اٹھ کر خشنس اپنے دوستوں کے پاس آیا اور اپنی سرگذشت بیان کی۔ یہ لوگ کہنے لگے اب ہم اسود کے شر سے مامون نہیں ہیں فوراً بھاگنے کا انتظام کرنا چاہیے۔ ان لوگوں پر بدحواسی طاری تھی اور عالم اضطراب میں کہیں چھپت ہو جانے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ اتنے میں آزاد کا غلام خشنس کے پاس آیا اور پیغام دیا کہ جو بات میرے اور تمہارے درمیان قرار پائی ہے اس میں تغافل نہ کرنا۔" خشنس نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہماری طرف سے انشاءاللہ اس کام میں ہرگز سستی نہ ہوگی۔ اور غلام کو ہر طرح تشفی دے کر روانہ کیا۔ ان لوگوں نے فیروز سے کہا کہ تم بھی آزاد کے پاس جاؤ۔ اور اس سے بالمشافہ گفتگو کر کے اس بات کو پکا کر لو۔ چنانچہ فیروز نے جا کر بات چیت کی۔ آزاد نے فیروز سے بھی وہی باتیں کہیں جو اس سے پیشتر خشنس سے کہہ چکی تھی۔ فیروز نے کہا ہم ان اندرونی کمروں میں نقب لگائیں گے۔ فیروز یہی باتیں کر رہا تھا کہ اتنے میں اسود بھی وہاں پہنچ گیا۔ اور اجنبی مرد کو اپنی ہم نشین کے پاس بیٹھے دیکھ کر اس کی رگ غیرت جنبش میں آ گئی۔ اس پر آزاد کہنے لگی "تم نے شاید اسے پہچانا نہیں یہ میرا عم زاد اور دودھ شریک بھائی ہے اور میرا قریب کا رشتہ دار اور محرم ہے۔" اسود نے آزاد کے خوف سے اور تو کچھ نہ کیا البتہ فیروز کو وہاں سے نکال دیا۔

اسود کی جان ستانی

جب شام کی سیاہ چادر فضائے عالم پر محیط ہوگئی تو ان لوگوں نے جا کر اپنا کام شروع کر دیا۔ اور نقب لگا کر اندر گھس گئے۔ وہاں شمعدان روشن تھا۔ ان میں سے ہر شخص کو فیروز ہی کی قوت بازو پر زیادہ بھروسا تھا۔ کیونکہ وہ سب میں شہ زور اور قوی ہیکل تھا۔ ان لوگوں نے فیروز کو آگے کیا اور خود ایسے موقع پر ٹھہرے رہے جو پہرہ داروں اور فیروز کے بیچ میں تھا۔ ان لوگوں کا یہ قیام اس پیش بندی پر مبنی تھا کہ اگر بالفرض پہرہ دار فیروز پر حملہ آور ہوں تو یہ لوگ اس کے آڑے آئیں۔ جب فیروز دروازہ کے قریب پہنچا تو اس نے بڑے زور سے خراٹوں کے آواز سنی اور دیکھا کہ آزاد پاس بیٹھی ہوئی ہے اور بوالعجبی دیکھو کہ جیسے ہی فیروز دروازہ میں جا کر کھڑا ہوا اس کے مؤکل نے اسود کو اٹھا کر بٹھا دیا۔ اب اسود اپنے شیطان کی طرف سے یوں گویا ہوا کہ فیروز! تجھے

مجھ سے کیا سروکار ہے جو یہاں آیا ہے؟۔ فیروز کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر اس وقت لوٹتا اور موقع کو ہاتھ سے جانے دیتا ہوں تو وہ اور اس کے ساتھی بھی مارے جائیں گے اور آزاد بھی زندہ نہ بچے گی۔ اس لئے پھرتی کر کے اسود سے لپٹ گیا۔ فیروز بلند بالا اور قوی الجثہ جوان تھا۔ اس نے اسود کی منڈی پکڑ کر اس طرح زور سے مروڑی جس طرح دھوبی کپڑے کو نچوڑتے وقت بل دیتا ہے اور معاً اس کی گردن توڑ ڈالی۔ جب فیروز نے اسود کو ہلاک کر کے باہر جانے کا قصد کیا تو آزاد نے لپک کر اس کا دامن پکڑ لیا اور کان میں کہنے لگی کہ اسے زندہ کیوں چھوڑے جاتا ہے:

لگا نہ رہنے دے جھگڑے کو یار تو باقی
رکے نہ ہاتھ ابھی ہے رگ گلو باقی

آزاد یہ سمجھ رہی تھی کہ اسود ہنوز زندہ سلامت ہے۔ فیروز نے کہا اطمینان رکھو۔ میں نے اسے ہلاک کر کے تمہیں اس کے پنجۂ جور سے نجات دلا دی۔ مرنے کے بعد اسود کے منہ سے اس طرح خرخر کی آواز آ رہی تھی جیسے کوئی بیل ڈکارتا ہو۔ یہ عجیب وغریب آواز سن کر محل کے پہرہ دار دوڑے اور دریافت کرنا شروع کیا کہ یہ آواز کیسی ہے؟۔ آزاد نے آگے بڑھ کر انہیں اندر آنے سے روک دیا اور کہنے لگی خاموش رہو۔ ہمارے پیغمبر پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ وہ خاموش ہو کر چلے گئے۔ فیروز باہر نکل کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ میں نے اسود کا کام تمام کر دیا۔ اس پر فیروز کے رفیق اندر کو دوڑے اور دیکھا کہ اسود کے منہ سے بدستور خرخر کی آواز آ رہی ہے۔ جشنس نے بڑھ کر پیش قبض سے اس کا سرتن سے الگ کر دیا۔ اب قاتلوں نے باہم مشورہ کیا کہ اپنے دوسرے ہم مشربوں کو اس سانحہ سے کیونکر مطلع کریں۔ آخر یہ تجویز قرار پائی کہ علی الصباح اس کی عام منادی کر دی جائے۔ جب صبح ہوئی تو اسود کے مارے جانے کی باقاعدہ منادی کی گئی۔ اس خبر کی اشاعت پر صنعاء کے مسلمان اور کافر دونوں متوحش ہوئے اور شہر میں ہلچل مچ گئی۔ اب جشنس دیلمی نے اذان کہنی شروع کی جس میں ''اشھدان محمد ارسول اللہ '' کے بعد یہ الفاظ بھی تھے ''اشھدان عیھلۃ کذاب '' اس ندا کے بعد مسلمانوں نے اسود کا سر کفار کی طرف پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر اسود کے پیروؤں اور محافظوں نے مسلمانوں کے گھروں کو لوٹنا اور مسلمان بچوں کو پکڑنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے اس کے جواب میں ستر اسودی کافروں کو پکڑ کر بند کر دیا۔ آخر اعداء مرعوب ہو گئے۔ انطفائے فتنہ کے بعد کفار نے اپنے آدمیوں کا جائزہ لیا تو ستر آدمی مفقود پائے۔ چنانچہ مسلمانوں سے درخواست کی کہ ان کے آدمی رہا کر دیئے جائیں۔ مسلمانوں نے کہا

کہ تم ہمارا لوٹا ہوا مال واپس کرو اور ہمارے بچوں کو لاؤ تو ہم تمہارے آدمی چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ باہم مبادلہ کر لیا گیا۔

فضائے یمن پر اسلامی پرچم

اس کے بعد جب وہاں مسلمانوں کا قرار واقعی تسلط ہو گیا۔ تو اسودی لوگ صنعا اور نجران کے درمیان صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی کی نذر ہوئے۔ اس طرح صنعا و نجران اہل ارتداد کے خار وجود سے پاک ہو گیا۔ حضور سرور عالم ﷺ کے عمال اپنے اپنے علاقوں میں بحال کئے گئے۔ صنعا کی امارت کے متعلق تھوڑی دیر تک کچھ مناقشہ جاری رہا۔ لیکن آخر کار سب نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی حکومت پر اتفاق کر لیا اور ان کے پیچھے نماز پڑھی۔

اس قضیہ سے فارغ ہو کر ایک قاصد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ اس وقت تک آفتاب رسالت سمائے ہدایت پر برابر لمعہ افگن تھا اور حضور کو یہ تمام واقعہ بذریعہ وحی معلوم ہو چکا تھا۔ مہبط وحی ﷺ نے علی الصباح صحابہؓ سے فرمایا کہ آج رات اسود مارا گیا۔ صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کس کے ہاتھ سے ہلاک ہوا؟۔ فرمایا ایک مسلمان کے ہاتھ سے جو ایک بابرکت خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ اس کا نام کیا ہے؟۔ فرمایا فیروز۔"

چند روز کے بعد جب قاصد اسود کے مارے جانے کی خبر لے کر مدینۃ الرسول میں پہنچا تو سرور کون مکان علیہ التحیۃ والسلام اس وقت رحمت الٰہی کے آغوش میں استراحت فرما چکے تھے اور امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ نے مسند خلافت کو اپنے مبارک قدموں سے زینت بخشی تھی۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کو اپنے عہد حکومت میں سب سے پہلی جو بشارت ملی وہ اسود ہی کے قتل کا مژدہ جانفزا تھا۔ امیر المومنین نے اس نامہ کے جواب میں اہل یمن کو ایک مکتوب لکھا جس میں اسود کی ہلاکت پر بہت کچھ اظہار خوشنودی فرمایا تھا۔

فیروز کہتے ہیں کہ جب ہم اسود کو قعر عدم میں پہنچا چکے تو اسلامی عملداری حسب سابق عود کر آئی۔ صنعا میں مسلمانوں کے امیر حضرت معاذ بن جبلؓ تھے۔ ان ایام میں تمام مسلمان بڑی خوشیاں منا رہے تھے۔ اور دنیا جہاں میں کوئی چیز ایسی دکھائی نہ دیتی تھی جو ہمارے آئینہ دل کو ٹھیس لگا سکتی۔ البتہ مضافات میں اسود کے تھوڑے سے سوار شر انگیزی کرتے دکھائی دیتے تھے۔ مگر ہمیں اطمینان تھا کہ ہماری ادنیٰ سی توجہ انہیں ٹھکانے لگا دے گی۔ لیکن چشم فلک کو ہماری یہ خوشی ایک آنکھ نہ بھائی اور اچانک یہ خبر آئی کہ حضرت سید العرب والعجم ﷺ نے اس سرائے فانی کو الوداع

کہدیا۔اس خبر کے پہنچتے ہی سارا معاملہ درہم برہم ہوگیا۔اور قبائل مرتدین نے تمام عرب کے اندر ہلچل مچادی۔" (ابن اثیر وابن خلدون)

فرقان حمید کی نقالی

اسود مدعی نبوت تھا اس لئے ضرور تھا کہ وہ کوئی آسمانی کلام بھی اپنے دام افتادوں کے سامنے پیش کرتا۔اس نے قرآن پاک کی نقل کرتے ہوئے کچھ عبارتیں لکھ رکھی تھیں جنہیں اس کے پیرو برہان مقدس کے مماثل خیال کرتے تھے۔مثلاً لکھا تھا:" والمائسات میسا والدارسات درسا یحجون جمعا و فرادی علی قلائص بیض وصفر (الدعاۃ)"

یاد رہے کہ اسود کا فتنہ تین چار مہینہ سے زیادہ عرصہ ممتد نہیں ہوا۔

(الکامل فی التاریخ لابن اثیر، ج ۲ ص ۲۰۴)

باب ۳ ...... طلیحہ اسدی

طلیحہ بن خویلد اسدی قبیلہ بنو اسد کی طرف منسوب ہے جو نواح خیبر میں آباد تھا۔اس شخص نے حضرت رسالت مآب ﷺ کے عہد سعادت میں مرتد ہو کر سمیرا میں اقامت اختیار کی اور وہیں دعویٰ نبوت کر کے اغوائے خلق میں مصروف ہوا۔تھوڑے ہی دن میں ہزار ہا لوگ اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہوگئے۔

طلیحہ کی شریعت

طلیحہ نے چند اکاذیب اپنی طرف سے جوڑ جاڑ کر ان کو مجمع کیا اور اپنی نئی شریعت لوگوں کے سامنے اس شکل میں پیش کی کہ نماز میں صرف قیام کو ضروری قرار دیا۔رکوع و سجود کو حذف کر دیا۔رکوع و سجود کے متعلق کہا کرتا تھا کہ خدائے بے نیاز مونہوں کے خاک پر گڑنے سے مستغنی ہے اور وہ تمہاری پشت کی خمیدگی سے بھی نیاز ہے۔معبود برحق کو کھڑے ہو کر یاد کر لینا کافی ہے۔دوسرے احکام اور عبادات کے متعلق بھی بہت سی باتیں اختراع کی تھیں۔کہا کرتا تھا کہ جبرئیل امین ہر وقت میری مصاحبت میں رہتے ہیں اور وزیر کی حیثیت سے تمام امور مہمہ میں مشورے دیتے ہیں۔

حضرت سید المرسلین کو (معاذ اللہ) طلیحی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت

اب طلیحہ نے اپنی عم زاد بھائی یا برادر زادہ کو جس کا نام حیال یا حبال تھا۔دنیا کے ہادیٔ

اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اپنی نبوت کی دعوت کے لئے مدینہ روانہ کیا۔ حیال بارگاہ نبویؐ میں پہنچا اور صورت حال بیان کر کے حضرت سید الاولین و الآخرین علیہ الصلوٰۃ و السلام کو (معاذ اللہ) طلیحہ کی نبوت پر "ایمان" لانے کی دعوت دی۔ حیال نے اپنے اثبات میں دعویٰ میں کہا کہ طلیحہ کے پاس ذوالنون (روح الامین) آتا ہے۔ آپ نے فرمایا "تم لوگوں نے محض ذوالنون کا نام کہیں سے سن لیا ہے۔" حیال اس کے جواب میں نہایت مغرورانہ لہجہ میں کہنے لگا "واہ صاحب! آپ کیا کہتے ہیں۔ کیا وہ شخص جھوٹا ہو سکتا ہے جس کو لاکھوں مخلوق اپنا ہادی اور نجات دہندہ یقین کرتی ہے۔" آنحضرت ﷺ اس گستاخی پر ناخوش ہوئے اور فرمایا "خدا تمہیں ہلاک کرے اور تمہارا خاتمہ بخیر نہ ہو۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حیال حالت ارتداد ہی میں قتل ہو کر واصل جہنم ہوا اور دنیا سے نامراد گیا۔

طلیحہ کی پہلی جنگ اور اس کی ہزیمت وفرار

حیال کی مراجعت کے بعد پیغمبر خدا ﷺ نے حضرت ضرار بن ازورؓ کو اپنے ان عمال اور قبائل کے پاس تحریک جہاد کی غرض سے روانہ فرمایا جو طلیحہ سے قریب واقع تھے۔ ضرارؓ نے علی ابن اسد، سنان بن ابوسنان، اور قبیلہ قضاعہ اور قبیلہ بنو ورتا، وغیرہ کے پاس پہنچ کر آنحضرت ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے اس ارشاد کو لبیک کہا اور حضرت ضرارؓ کے ماتحت مسلمانوں کی ایک بڑی جمعیت کو جہاد کی غرض سے بھیج دیا۔ لشکر اسلام واردات کے مقام پر خیمہ زن ہوا اور ادھر کفار نے بھی لاؤ لشکر جمع کیا اور دونوں طرف سے صف آرائی شروع ہوئی۔ دل دادگان توحید و جان نثاران رسالت شیر غران کی طرح دشمن پر جھپٹ پڑے اور جو سامنے آیا اس کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر گرادیا۔ پیروان طلیحہ نے جانوں پر کھیل کر مسلمانوں کے نرغہ کو روکنے کی بہتیری کوشش کی۔ لیکن شجاعان اسلام کے مقابلہ میں کسی طرح عہدہ برا نہ ہو سکے اور سخت بدحواسی کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔ لشکر اسلام مظفر و منصور واپس آیا۔ لیکن ضرارؓ ہنوز مدینہ منورہ نہیں پہنچے تھے کہ حضرت فخر موجودات ﷺ دنیا کی سرائے فانی سے رخصت ہو کر عالم عقبیٰ کے دار الخلد کو تشریف لے گئے۔

حضرت اسامہ کے لشکر کی روانگی میں التواء

معلوم ہو گا کہ حضرت زید بن حارثہؓ نے جو سرور عالم ﷺ کے آزاد غلام اور متبنّٰی تھے۔ ملک شام میں موتہ کے مقام پر نصاریٰ کے ہاتھ سے شربت شہادت نوش فرمایا تھا۔ اس بنا پر محرم ۱۱ھ میں حضرت خیر الوریٰ ﷺ نے شام کی طرف لشکر بھیجنے کا عزم فرمایا تھا۔ آپ نے اس مہم کی

قیادت حضرت زید شہیدؓ کے فرزند گرامی حضرت اسامہؓ کو تفویض فرماتے ہوئے حکم دیا تھا کہ وہ شام جا کر بلقا اور داروم کی سرحد تک ترکتاز کریں۔ اور اعدائے اسلام کو اپنے شہید باپ کے قتل کی قرار واقعی سزا دیں۔ لیکن منافقوں نے ارباب ایمان کو بددل کرنے کے لئے یہ بحث کھڑی کر دی تھی کہ رسول خدا ﷺ نے مہاجرین وانصار پر ایک غلام کو امیر و سردار بنا دیا ہے۔" اہل نفاق کی شر انگیزی کا حال حضور ﷺ کے سمع مبارک تک پہنچا تو آپ ؐ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے اس سے پیشتر اسامہؓ کے باپ زید بن حارثہؓ کی امارت پر بھی طعن کیا تھا۔ حالانکہ زیدؓ کی طرح اسامہؓ میں بھی امارت کی صلاحیت موجود ہے۔ حضورؐ کے اس ارشاد کا منشاء یہ تھا کہ اسلام اپنے تمام پیروؤں کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ غلام ہو یا آقا۔ ذاتی قابلیت وصلاحیت شرط ہے۔ اکثر اکابر صحابہ جن میں صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسے جلیل القدر مہاجر بھی داخل تھے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ہمراہ رکاب ہوئے۔ یہ لشکر ابھی چلنے ہی کو تھا کہ حضور سید الاکرمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس مرض سے دوچار ہونا پڑا جس میں آپ ؐ نے اس سرائے فانی کو الوداع کہا تھا۔ اور چونکہ حضورؐ کا مرض روز بروز اشتداد پکڑتا گیا اور اس قسم کی متوحش خبریں پیہم آنے لگیں کہ یمن میں اسود عنسی نے، یمامہ بن مسیلمہ نے اور بنی اسد کے اندر طلیحہ نے خروج کیا ہے۔ جیش اسامہؓ کی روانگی میں مزید التوا ہو گیا۔

قبائل عرب کا ارتداد

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ قبائل کے ارتداد سے پہلے علام الغیوب کے علم محیط میں یہ بات قرار پا چکی تھی کہ سید کائنات ﷺ کے زمن سعادت میں اور نیز خلفائے راشدین کے عہد بابرکت میں کچھ لوگ اسلام لانے کے بعد سعادت ایمانی سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے پیشین گوئی کے طور پر اس آیت میں پہلے سے ان کے ارتداد کی اطلاع دے دی:

"یـآیھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینه فسوف یأتی اللہ بقوم یـحبھم ویحبونه اذلة علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومة لائم (مائدہ: ٥٤)" ﴿مسلمانو! یاد رکھو کہ تم میں سے جو کوئی اپنی دین سے پھر جائے گا خدائے قادر وتوانا ان کی جگہ جلد ایسے لوگوں کو پیدا کر دے گا جو خدائے برتر کے محبوب ہوں گے اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی۔ وہ اہل ایمان کے حق میں متواضع اور مہربان اور منکروں کے مقابلے میں تیز اور درشت طبع ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور امور خیر کے اجراء، حسنات ومبرات پر عمل کرنے میں کسی کی ملامت (اور خندہ زنی) کی پروا نہیں کریں گے﴾

چنانچہ اس آیت کی تنزیل کے کچھ عرصہ بعد اس پیشینگوئی کا اس طرح ظہور ہوا کہ عرب کے گیارہ فرقے مرتد ہو گئے۔ تین فرقے خود آنحضرت ﷺ کے آخری ایام سعادت میں بدیں تفصیل مرتد ہوئے کہ قبیلہ مذحج اسود عنسی کے ساتھ ایمان سے دست بردار ہوا۔ دوسرا مرتد فرقہ بنی حنیفہ تھا جسے مسیلمہ کذاب کی رفاقت نے اسلام سے منحرف کیا۔ تیسرا قبیلہ بنی اسد تھا جو طلیحہ کی پیروی کر کے سعادت ایمان سے محروم ہوا۔ اور انجام کار حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ سے شکست کھا کر از سر نو مشرف با اسلام ہوا۔ ان قبائل کے علاوہ سات اور فرقے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں زکوٰۃ کے منکر ہو کر فاقد الایمان ہوئے۔ اسی طرح قبیلہ غسان نے امیر المومنین عمر فاروقؓ کے عہد میں دین حق سے مفارقت اختیار کی۔

حضرت خیر البشر علیہ ﷺ کا وصال اور اس کے دردناک نتائج وعواقب

جب آفتاب رسالت رحمت الٰہی کے شفق میں غروب ہوا تو اسلامیوں پر رنج والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ کوئی مومن قانت ایسا نہ تھا جس کی آنکھیں اس واقعہ ہائلہ کے ماتم میں خون فشانی نہ کر رہی ہوں۔ اس وقت نہ صرف عالم ارضی نیرّ ہدایت کی ضیا بخشیوں سے محروم رہ گیا۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کا قومی نظام اور سیاسی اقتدار بھی زیر و زبر ہونے لگا۔ یہ وقت صحابہ کرامؓ کے لئے ابتلا و آزمائش کا ایک نیا دور تھا۔ جونہی وصال نبویؐ کی خبر اکناف ملک میں پھیلی اکثر قبائل عرب کا زور ایمان متلاطم ہوا اور منافقوں کو اپنا کفر عالم آشکار کرنے کی جرأت ہوئی۔ کیونکہ حضور ﷺ کا وصال لوگوں کے لئے ایک مقیاس الایمان تھا۔ جو ان کے کفر وایمان کی صحیح کیفیت بتا رہا تھا۔ اس وقت نہ صرف منافقوں کو اپنا کفر برملا ظاہر کرنے کا حوصلہ ہو گیا۔ بلکہ عرب کے اکثر قبائل مرتد ہو گئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہود و نصاریٰ بھی ہر طرح فساد و سرکشی پر آمادہ نظر آئے۔ نبی ﷺ کے ظل عاطفت کا فقدان مسلمانوں کی قلت تعداد اور اعداء کی کثرت وغیرہ وہ اسباب تھے۔ جنہوں نے بقول ابن اثیر مسلمانوں کا وہی حال کر دیا جو بارش کی شب ظلام میں بکریوں کا ہو جاتا ہے۔

مدینہ منورہ میں صحابہ کرامؓ کی کشتی خاطر اس عام شورش اور ہمہ گیر بغاوت کو دیکھ دیکھ کر گرداب تفکر میں ڈگمگا رہی تھی اور ہر مومن قانت کا دل اس حادثہ فاجعہ سے داغ داغ ہو رہا تھا۔ ایسے نازک وقت میں جناب ابوبکر صدیقؓ ہی کا دل گردہ تھا جس نے سفینہ ملی کو گرداب فنا سے بچا لیا۔ ورنہ ناموس ملت بیضا پر ایک ناقابل تلافی چرکا لگنے میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی۔

حضرت صدیق اکبرؓ کو جیش اسامہ کی روانگی پر اصرار

جب مسلمانوں نے دیکھا کہ امیر المومنین ابوبکرؓ ایسے نازک اور پر آشوب دور میں بھی بدستور جیش اسامہؓ کی روانگی پر مصر ہیں۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ اے خلیفہ رسول اللہ! اس وقت یہی لوگ یعنی اسامہؓ کا لشکر ہی اسلامی جمعیت کی کل کائنات ہے اور عرب کی جو حالت ہو رہی ہے۔ اس نے دلوں میں قلزم غم کی طغیانی برپا کر رکھی ہے۔ اس لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ موجودہ حالت میں مسلمانوں کی جمعیت کو منتشر کر کے مدینہ منورہ کو اعداء کے حملوں کا آماجگاہ بنایا جائے۔ امیر المومنین نے فرمایا واللہ اگر مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ لشکر اسامہؓ کی روانگی کے باعث مجھ پر آسمان ٹوٹ پڑے گا یا مجھے زمین نگل جائے گی تو بھی میں اسے ضرور روانہ کروں گا۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے جو حکم دیا اسے پورا کر کے رہوں گا۔ امیر المومنین نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں مسلمانوں کو شریک غزا ہونے کی تحریص فرمائی اور کہا کہ اسامہؓ کے لشکر والے اپنے لشکرگاہ کی طرف چلے جائیں۔ سب لوگ حسب فرمان لشکر میں شامل ہو گئے اور اس طرح مسلمان مدینہ منورہ میں خال خال رہ گئے۔

اب حضرت اسامہؓ نے جناب عمر فاروقؓ کو جو ان کی فوج میں داخل تھے۔ امیر المومنین ابوبکرؓ کی خدمت میں اس پیغام کیساتھ بھیجا کہ اگر حکم ہو تو میں اس لشکر کو آپ کے پاس واپس لے آؤں۔ کیونکہ اسلام کی ساری جمعیت اور قوم کے تمام اکابر میرے لشکر میں شریک ہیں۔ اس لئے مجھے خلیفہ رسالت، حرم رسول اللہ اور مسلمانان مدینہ کی طرف سے بڑا کھٹکا ہے کہ مبادا مشرک حملہ آور ہو کر انہیں تباہ و برباد کر جائیں۔ اس کے علاوہ بعض انصار نے حضرت عمرؓ سے یہ بھی کہا کہ آپ جا کر خلیفہ رسول اللہ کی خدمت میں ہماری طرف سے عرض کر دیجیے کہ گو اسامہؓ غلام اور غلام زادہ ہیں۔ فاروق اعظمؓ جیسے جلیل القدر صحابی سے کسی دینی یا دنیاوی فضیلت میں برابری نہیں کر سکتے اور عمر میں بھی چھوٹے ہیں۔ مگر رسول اللہ ﷺ کا فرمان سر آنکھوں پر ہے۔ تاہم اتنی مہربانی فرمائی جائے کہ کسی ایسے شخص کو سر عسکر مقرر فرمایا جائے جو اسامہؓ سے عمر میں بڑا ہو۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ عمرؓ کی کیا مجال ہے کہ جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے لشکر کا سردار تجویز فرمایا ہو۔ اس کے حکم اور اطاعت سے ذرا بھی سرتابی کرے اور اس کی جگہ کسی اور شخص کا امیر بنایا جانا گوارہ کرے۔

بہر حال حضرت عمرؓ جناب اسامہؓ کے حکم سے امیر المومنین کے پاس گئے اور ان کا پیغام پہنچا دیا۔ خلیفہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اگر مجھے اس بات کا بھی خوف ہو کہ جیش اسامہؓ کی روانگی کے

باعث مجھے بھیڑ یئے اور شیر پھاڑ کر کھا جائیں گے۔ تب بھی میں اسامہؓ کو ضرور روانہ کروں گا اور گو میرے پاس یہاں تک کہ ایک آدمی بھی نہ رہ جائے مگر سردار دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیصلہ کو کبھی مسترد نہ کروں گا۔ پھر جناب عمرؓ نے عرض کیا کہ انصار کی یہ خواہش ہے کہ آپ کسی ایسے شخص کو امیر لشکر مقرر فرمائیں جو اسامہؓ سے عمر میں بڑا ہو۔ یہ سن کر امیر المومنین ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ حبیب کردگار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اسامہؓ کو لشکر کا سردار بنایا تھا۔ مگر افسوس تم لوگ چاہتے ہو کہ میں انہیں معزول کر دوں۔ بخدا یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ تھا امیر المومنین صدیق اکبرؓ کا بنظیر استقلال اور رسول اکرم ﷺ کی محبت و شیفتگی کا جذبہ کہ سارا عرب دشمن ہے اور ہر وقت دار الخلافہ پر حملوں اور یورشوں کا کھٹکا ہے۔ مگر آپ کی جبیں استقلال پر شکن تک نہیں پڑی اور آپ کو اس بات پر برابر اصرار ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مرضی مبارک کا بہر حال احترام کیا جائے۔ یہی وہ صفات تھے جن کی بدولت آپ صدیق اکبرؓ اور افضل البشر بعد الانبیاء کہلائے۔

جیش اسامہؓ کی روانگی

اب امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ مدینہ سے نکل کر لشکر گاہ تشریف لے گئے اور اسامہؓ کی مشایعت فرمائی۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ خلیفہ رسول اللہ ﷺ تو پیدل جا رہے تھے اور اسامہؓ سوار تھے۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا اے خلیفہ رسول اللہ! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیے۔ ورنہ مجھے اجازت دیجیے کہ گھوڑے سے اتر پڑوں۔ فرمایا اس کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس میں تو میرا سراسر نفع ہے کہ ایک ساعت کے لئے اپنے قدموں کو فی سبیل اللہ گرد آلود کر لوں۔ جب امیر المومنین لوٹنے لگے تو اسامہؓ سے فرمایا کہ اگر تمہارے نزدیک نامناسب نہ ہو تو عمرؓ کو میری رفاقت و اعانت کے لئے میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ اسامہؓ نے انہیں بخوشی اجازت دی۔ امیر المومنینؓ نے رخصت کے وقت حضرت اسامہؓ کو وصیت کی کہ کسی معاملہ میں کسی شخص سے خیانت نہ کرنا۔ کسی سے غدر و فریب سے پیش نہ آنا۔ افراط و تفریط سے بچنا۔ کسی کے ناک کان نہ کاٹنا۔ بچوں، بوڑھوں مریضوں اور عورتوں پر رحم کرنا۔ کسی درخت کو نہ کاٹنا۔ بکری، گائے اور اونٹوں کو بلا ضرورت اکل ذبح نہ کرنا اور فرمایا عنقریب تمہارا گذر ایسے لوگوں پر ہوگا جو صوامع و معابد میں عزلت گزیں ہیں۔ ان سے اور ان کے مال و اسباب سے تعرض نہ کرنا اور ان سب باتوں کے علاوہ ان جملہ ہدایات کو اپنے لئے چراغ راہ بنانا جو رسول اللہ ﷺ نے تمہیں تلقین فرمائی تھیں۔

حبال کا قاصد مدینہ منورہ میں

قبیلہ بنو اسد کی آبادی جنہوں نے طلیحہ کا نیا دین قبول کیا تھا اتنی بڑھ گئی تھی کہ سمیرا میں

ان کی گنجائش نہ رہی۔ اس لئے ان لوگوں کو دو فریق میں منقسم ہونا پڑا۔ ایک فریق ابرق میں اقامت گزیں ہوا اور دوسرا ترک وطن کر کے ذی القصہ کو چلا آیا۔ مؤخر الذکر فریق کی طلیحہ نے امداد کی اور اپنے بھائی حیال کو ان لوگوں پر امیر بنا کر بھیج دیا۔ حیال ان لوگوں کا بھی حاکم تجویز ہوا جو قبائل ذئل، لیث اور مدلج سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت اسامہؓ کی روانگی کے بعد جب اشرار مرتدین کو معلوم ہوا کہ مدینہ میں خلیفہ کے پاس کوئی جمعیت حفظ و دفاع کے لئے باقی نہیں رہی تو ان کی رگ شر و فساد جنبش میں آئی۔ اور غطفان کا ایک وفد اور حیال کا قاصد دار الخلافہ مدینہ کو آئے۔ اس سفارت سے حقیقی مقصد دو تھے۔ ایک تو امیر المومنین کا آئندہ طرز عمل معلوم کرنا۔ دوسرا برای العین یہ دیکھنا کہ دار الخلافہ میں مسلمانوں کی جمعیت کس قدر ہے۔

زکوٰۃ دینے سے انکار

ان لوگوں نے آتے ہی معافی زکوٰۃ کی سلسلہ جنبانی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ہمارے قبائل حسب سابق نماز تو پڑھیں گے۔ مگر آیندہ بیت المال میں زکوٰۃ بھیجنے سے انہیں معاف رکھا جائے۔ جناب صدیق اکبرؓ نے اس درخواست کو مسترد فرما دیا اور سمجھایا کہ احکام الٰہی میں کمی بیشی اور ترمیم و تنسیخ ناممکن ہے۔ امیر المومنینؓ نے پند و موعظت کی بہتیری تمہیدیں پڑھائیں۔ مگر انہوں نے اپنی ضد نہ چھوڑی۔ آخر امیر المومنین نے فرمایا۔ واللہ اگر وہ لوگ زکوٰۃ کے اونٹ کی ادنیٰ رسی دینے سے بھی انکار کریں گے تو بھی میں ان کے خلاف جہاد و قتال کروں گا۔ کیونکہ زکوٰۃ بھی اسلام کے فرائض پنجگانہ میں داخل ہے۔

یاد رہے کہ اسلام کے دور حکومت میں اس کفر زار ہندوستان کے موجودہ انگریزی عہد کی طرح نہ تو مزارعین کے سے مفلوک الحال طبقہ کو مال گذاری کی اتنی گراں بار رقمیں ادا کرنی پڑتی تھیں اور نہ لوگوں سے آج کل کے نام نہاد مہذب زمانہ کی طرح اس قدر گراں ٹیکس اور مہا ٹیکس (سپر ٹیکس) وصول کئے جاتے تھے۔ موجودہ زرلگان کے بجائے بارانی زمینوں کی پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ مقرر تھا اور جن اراضی کی آب رسانی کاشتکاروں کی ذاتی محنت و مشقت پر موقوف تھی ان کا لگان پیدائش کا بیسواں حصہ لیا جاتا تھا۔ ارباب زر اور اہل نصاب ہر قسم کے ٹیکس سے آزاد تھے۔ البتہ یتیموں اور بیواؤں کی کفالت، مذہبی و تمدنی ضروریات، مصالح ملکی اور مہام سلطنت کے انصرام کے لئے ان سے ہر سال مال کا چالیسواں حصہ یعنی ایک سال گزر جانے کے بعد ڈھائی روپے سیکڑہ زر زکوٰۃ وصول کر کے خزانہ بیت المال میں داخل کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے عہد حاضر کی طرح کوئی شخص از خود بجا یا بیجا زر زکوٰۃ خرچ کرنے کا مجاز نہ تھا۔ بلکہ عشر کی طرح

زکوٰۃ کا مال بھی سرکاری خزانہ میں جس کو بیت المال کہتے تھے جمع کیا جاتا تھا۔ اور جس طرح غیر مسلم حکومتوں میں ٹیکس اور مال گذاری کے محکمے روپیہ وصول کرتے ہیں۔ اسی طرح اسلامی عملداری میں سرکاری عمال زکوٰۃ وعشر وصول کرتے تھے۔

امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ کا بے نظیر استقلال

جب قبائل کا وفد ناخوش ہو کر مدینہ منورہ سے واپس جانے لگا تو ایک جلیل القدر صحابیؓ نے امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ قبائل عرب بے سروپا وحشی ہیں۔ عرب کے مختلف حصوں میں طوفان معاندت اٹھ رہے ہیں۔ خانہ ساز نبی اپنی اپنی جگہ پر شورش برپا کر رہے ہیں۔ یہود نصاریٰ فتنہ انگیزی کے لئے الگ گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ مصلحت وقت یہ ہے کہ بالفعل لوگوں کی تالیف قلوب کی جائے اور جب تک اساس خلافت مستحکم نہ ہو جائے۔ ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ سن کر برافروختہ ہوئے اور فرمایا کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے انتقال فرمایا۔ نبوت منقطع ہو گئی۔ وحی الٰہی کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ سارا عرب دشمنی پر آمادہ ہے اور میں اپنی حربی کمزوری کا بھی بخوبی احساس رکھتا ہوں۔ لیکن بااین ہمہ خدا کی قسم: جس قدر زر زکوٰۃ وہ آنحضرت ﷺ کے حضور میں بھیجتے تھے۔ اگر اس میں سے ایک حبہ بھی کم کریں گے تو میں ان کے خلاف رزم خواہ ہوں گا اور اگر بالفرض تم لوگوں میں سے کوئی بھی میرا ساتھ نہ دے گا تو میں ان سے تن تنہا مقابلہ کر کے جاں سپاری کا فرض ادا کروں گا۔ لیکن یہ کبھی ممکن نہیں کہ اسلام کا کوئی رکن توڑا جائے۔ شعائر الٰہیہ کی توہین ہو۔ ملت مصطفویؐ کے چراغ ہدایت کو کفر کی آندھیاں گل کرنے میں ساعی ہوں اور میں اسے گوارا کر لوں۔ کیا حامل وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد اسلام یتیم ہو کر کسمپرسی کی حالت میں مبتلا ہو جائے گا؟۔ کیا فریضہ الٰہی کی بیکسی دیکھ کر ہم حاشیہ برداران ملت کی رگ حمیت میں جنبش نہ پیدا ہو گی؟۔ صحابی مذکور نے عرض کیا۔ امیر المومنین! آپ بجا فرماتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ کفار سے اسی وقت تک مقاتلہ کرو جب تک وہ ''لا الہ الا اللہ'' نہ کہیں۔ مگر موجودہ صورت میں جب کہ وہ اقرار توحید و رسالت میں ہمارے شریک حال ہیں۔ آپ ان کے خلاف کیونکر ہتھیار اٹھا سکتے ہیں؟۔ امیر المومنینؓ نے فرمایا کہ میں ایسے لوگوں پر جو کلمہ شہادت اور نماز و زکوٰۃ میں تفریق کرتے ہیں ضرور لشکر کشی کروں گا۔ صحابی یہ سن کر لاجواب ہو گئے اور سمعنا واطعنا کہہ کر سر جھکا دیا۔ امیر المومنین عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ خدائے قدوس نے امیر المومنین ابوبکرؓ کا انشراح صدر فرما دیا تھا اور آپ کے دل میں نور صداقت کا ایک روزن کھل گیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ رب العزۃ قیام حق کے لئے جن

نفوس قدسیہ کا شرح صدر فرما دیتا ہے۔ دنیا کی کوئی غیر اللہ طاقت ان کے قلعہ استقامت کی مضبوط دیواروں کو متزلزل نہیں کر سکتی۔ امیر المومنین کا عزم وثبات دیکھ کر دوسرے صحابہؓ کے بھی حوصلے بڑھ گئے۔ بجھی ہوئی طبیعتوں میں ولولہ پیدا ہوا اور ہمت وجرأت نے گویا سنبھالا لیا۔ اب ایلچی بے نیل ومرام مدینہ طیبہ سے رخصت ہوئے اور امیر المومنین کا جواب قبائل کو جا سنایا اور بیان کیا کہ اس وقت مدینہ میں بہت تھوڑے مسلمان موجود ہیں۔ امیر المومنین نے ان کی مراجعت کے بعد حضرت علی مرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو انصار مدینہ کا افسر مقرر فرمایا اور چونکہ آپ کو یقین تھا۔ کہ اعدائے اسلام بہت جلد مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوں گے۔ مسلمانان مدینہ کو حکم دیا کہ وہ ہر وقت مسجد نبویؐ میں حاضر رہا کریں۔

مرکز خلافت پر حیال کا حملہ

وفد کو واپس گئے ابھی تین ہی دن گزرے تھے کہ حیال سر شام مدینہ منورہ پر آ چڑھا۔ غنیم کے سپاہی رات کے وقت انقاب مدینہ پر چڑھ آئے۔ وہاں مسلمان مجاہد موجود تھے۔ انہوں نے مزاحمت کی۔ جب امیر المومنین کو اس حملہ کی اطلاع ہوئی تو آپ اہل مسجد کو آب کش اونٹوں پر سوار کر کے غنیم کے مقابلہ پر آئے اور منہزم کر کے ذی حسی کے مقام تک ان کا تعقب کیا۔ حیال اپنی کچھ فوج ذی حسی میں اس غرض سے چھوڑ آیا تھا کہ بوقت ضرورت اس سے مدد لے گا۔ ذی حسی میں حیال کی وہ محفوظ فوج امیر المومنین کے مقابلہ میں نکل پڑی۔ ان لوگوں نے برآمد ہوتے ہی مسلمانوں کے سامنے خالی مشکیں کہ جن میں ہوا بھر کر ان کے منہ رسیوں سے مضبوط باندھ رکھے تھے۔ زمین پر لڑھکا دیں۔ اس سے وہ اونٹ جن پر مسلمان مجاہد سوار تھے بھڑک گئے اور وہ اپنے اپنے سواروں کو لئے ایسے بے اوسان ہو کر بھاگے کہ مدینہ ہی میں آ دم لیا۔ اس واقعہ سے کسی مسلمان کو تو چشم زخم نہ پہنچا مگر اعداء کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی ہوا بگڑ چکی ہے۔

امیر المومنین ابو بکرؓ کی پہلی فتح

اب امیر المومنین وقت سحر تک مسلمانوں کو لڑائی کے لئے آراستہ کرتے رہے۔ اور صبح صادق سے پہلے پیادہ پا دشمن کے سر پر جا پہنچے۔ حریف کو مجاہدین اسلام کے پہنچنے کی اس وقت خبر ہوئی جب مسلمان اس ٹیلے پر پہنچ گئے جہاں مرتدین نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگا کر کفار کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ اس اچانک تاخت سے اعداء بدحواس ہو گئے۔ مجاہدین ملت نے کفار کو اپنی شمشیر زنی کا خوب تختۂ مشق بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بقیۃ السیف دشمن طلوع سے قبل ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے مال غنیمت سمیٹ کر دشمن کا تعاقب

کیا۔ یہاں تک کہ ذی القصہ سے بھی آگے تک بھگا کر ایک مقام پر قیام کیا۔ اب امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ نے نعمان بن مقرن کو کچھ آدمی دے کر خود وہاں سے مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے۔ یہ کامیابی حضرت خلافت مآبؓ کی سب سے پہلی فتح تھی اور اصل یہ ہے کہ امیر المومنین کی شجاعت پاک نفسی اور قوت ربانی کے جذبہ نے آشوب ایام کو فتح سے بدل دیا۔ ورنہ مسلمانوں کی جمعیت اتنی قلیل تھی کہ وہ اعداء کے مقابلہ میں کسی طرح عہدہ برآ نہ ہو سکتے تھے۔ اور یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ صحابہ کرامؓ قدوسیوں کی ایک ایسی جاں سپار جماعت تھی جس نے وطن کی فانی الفتون اور خون کے رشتوں کو ایمان اور اخوت اسلامی کے پاک رشتہ پر قربان کر دیا تھا۔ اس لئے ان سے پیش پانا کوئی آسان کام نہ تھا۔

امیر المومنین صدیق اکبرؓ کی فاتحانہ یلغار

اس وقت پیروان طلیحہ اپنی ہزیمت پر ماردم بریدہ کی طرح پیچ وتاب کھا رہے تھے۔ مگر کوئی بس نہ چلتا تھا۔ آخر اپنے جوش انتقام کو تسکین دینے کے لئے بنی عبس اور ذبیان نے اپنے اپنے قبائل کے مسلمانوں کو پکڑ کر شہید کر ڈالا۔ جب اس سانحہ جانگزا کی اطلاع مدینہ منورہ پہنچی تو امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ نے قسم کھائی کہ جتنے مشرکوں نے مسلمانوں کو تہ تیغ کیا ہے۔ میں بھی اتنے بلکہ ان سے بھی زیادہ کافروں کو خاک وخون میں تڑپائے بغیر چین نہ لوں گا۔ دو مہینے اور تین روز کے بعد حضرت اسامہ بن زیدؓ بھی مظفر ومنصور شام سے مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے۔ امیر المومنین نے انہیں مدینہ منورہ میں اپنا نائب وخلیفہ مقرر کیا اور جو لشکر حضرت اسامہؓ کے ہمرکاب گیا تھا اسے بھی دار الخلافہ میں چھوڑا تاکہ مجاہدین خود داران کی سواریاں چند روز تک ستالیں۔ اور خود اپنی قلیل سی جمعیت کو لے کر کوچ کیا۔ اس وقت مسلمانوں نے بہتیری منتیں کیں اور قسمیں دیں کہ آپ خود مشقت جہاد گوارہ نہ فرمائیں۔ مگر آپ نے ایک نہ سنی اور فرمایا کہ میں اس مہم کو بہ نفس نفیس اس لئے انجام دینا چاہتا ہوں کہ مجھے دیکھ کر تمہارے اندر جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ موجزن ہو۔

امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ اب اعداء کی سرکوبی کے لئے ذی حسی اور ذی القصہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے منزل بہ منزل جا کر مقام ابرق میں ڈیرے ڈالے اور حرب وقتال کی تیاریوں میں مصروف ہوئے۔ محمدیوں کو دیکھ کر اعداء پر عالم مدہوشی طاری ہو گیا۔ امیر المومنین نے میدان کارزار میں اپنی شجاعت کے خوب جوہر دکھائے اور جیش موحدین نے دھاوے کر کر کے سرزمین ارتداد میں بھونچال ڈال دیے۔ اس رزم وپیکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر المومنین نے گروہ مرتدین کے ایک مشہور سردار حطیہ کو قید کر کے بنی ذبیان کے سارے علاقے پر تسلط جما لیا۔ بنی

عبس اور بنی بکر نے میدان جان ستاں سے بھاگ کر اور نہایت عجلت کے ساتھ اہل وعیال کو ساتھ لے کر طلیحہ کے پاس جا پناہ لی اور ان کی چراگاہوں میں مسلمانوں کے جانور چرنے لگے۔ اس شاندار فتح کے بعد بعض صحابہ نے عرض کیا کہ امیر المومنین اب آپ جلد مستقر خلافت کی طرف رجوع فرمائیں۔ کیونکہ خوف ہے کہ مبادا منافق لوگ دارالخلافہ میں کوئی تازہ فتنہ نہ کھڑا کر دیں۔ اس لئے آپ نے مدینہ منورہ کو عود فرمایا۔

جیش اسلامی کی تقسیم گیارہ دستوں میں

جب حضرت اسامہؓ کے مراجعت فرما لشکر نے تھوڑے دن تک آرام کر لیا۔ تو اتنے میں زرزکوۃ کے پہنچنے سے بیت المال میں مال وزر کی اتنی فراوانی ہوگئی کہ تمام مایحتاج وضروریات پوری ہونے کے بعد بہت سا زرنقد فاضل بچ رہا۔ اب امیر المومنین نے تمام فوج کو گیارہ دستوں میں منقسم فرمایا اور ہر ایک دستہ کے لئے الگ الگ لوا تیار کروائے پہلا جھنڈا حضرت خالد بن ولید کو دیا اور نہیں طلیحہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا اور حکم دیا کہ طلیحہ کی مہم سے فارغ ہو کر مالک بن نویرہ کے طرز عمل کا مطالعہ کرو۔ اگر وہ سرکشی پر آمادہ نظر آئے تو بطاح جا کر اس کی گوشمالی کرو۔ دوسرا لوا حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل کو دے کر مسیلمہ کذاب کی طرف روانہ فرمایا۔ جب قبیلہ غطفان اور بنو اسد نے طلیحہ کی پیروی اختیار کی تھی تو ان کی دیکھا دیکھی حاتم طائی کے خاندان بنی طے نے بھی اپنی قسمت طلیحہ سے وابستہ کر دی تھی۔ چونکہ قبیلہ طے کی گوشمالی بھی لابد تھی۔ اس لئے امیر المومنین نے حضرت عدیؓ بن حاتم طائی کو جو سرور کائنات ﷺ کے صحابی تھے۔ ان کے قبیلہ طے کی جانب روانہ فرمایا۔ غرض ہر ایک دستہ فوج پر ایک ایک والی مقرر کیا۔ جب سب لشکر مرتب ہو گئے تو سب گیارہ امیر اپنی اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔

امیر المومنین نے ہر ایک امیر کو پند ونصائح کر کے ہر ایک سے ان پر عمل ودرآمد کرنے کا عہد لیا اور تمام مرتدین کے نام خواہ وہ کسی قبیلہ اور ملک سے تعلق رکھتے تھے ایک ہی فرمان تحریر فرمایا جس میں اس بات کی تحریک تھی کہ وہ توبہ کر کے پھر اسلام کی طرف رجوع کریں۔ ورنہ انجام ہلاکت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔

طلیحہ سے بنو طے کی علیحدگی اور قبول اسلام

امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عدیؓ بن حاتم طائی کو حضرت خالدؓ بن ولید کی روانگی سے پیشتر ہی ان کے قبیلہ طے کی جانب روانہ فرما دیا تھا۔ اور حضرت خالدؓ بن ولید کو طلیحہ کے مقابلہ میں عدی بن حاتمؓ کے پیچھے بھیج کر حکم دیا تھا کہ وہ جنگی کارروائی بنی طے ہی سے شروع کریں۔

ان سے فراغت حاصل کر کے بزاخہ کی جانب جو طلیحہ کا لشکر گاہ تھا ترکتاز کریں۔ اس مقام پر یہ جتلا دینا بھی ضرور ہے کہ جب عبس اور ذبیان نے تاب مقاومت نہ لا کر امیر المومنین کے مقابلہ سے راہ فرار اختیار کی تھی تو اس وقت وہ بزاخہ کے مقام پر طلیحہ کے پاس چلے گئے تھے جو سمیرا سے نکل کر بزاخہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس وقت طلیحہ نے بنی طے کے بطون جدیلہ اور غوث کے پاس آدمی بھیجے کہ وہ آ کر اس سے ملحق ہو جائیں۔ چنانچہ وہ لوگ اس کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ جب حضرت عدی بن حاتم طائیؓ اپنی قبیلہ طے میں پہنچے تو انہیں اسلام کی دعوت دی اور انحراف ورزی و سرکشی کے عواقب سے متنبہ کیا۔ اتنے میں حضرت خالد بن ولیدؓ کا لشکر بھی بنی طے کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ طے نے سر انقیاد جھکا دیا اور حضرت عدیؓ سے استدعا کی کہ آپ خالد بن ولیدؓ کے پاس جا کر انہیں یہاں سے پیچھے ہٹنے کو کہیں۔ تا کہ ہم طلیحہ کے لشکر سے منقطع ہو کر علیحدگی اختیار کر سکیں۔ کیونکہ اگر خالدؓ کا لشکر ہمارے سر پر پڑا ہو گا اور ہم ایسی حالت میں طلیحہ کی فوج سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہیں گے تو طلیحہ ہمیں زندہ نہ چھوڑے گا۔ عدیؓ حضرت خالدؓ کے پاس گئے اور ان سے قبیلہ طے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت خالدؓ نے اپنا لشکر کچھ دور پیچھے ہٹا لیا۔ اب بنو طے نے اپنے ان بھائی بندوں کے پاس آدمی بھیجے جو طلیحہ کی فوج میں شامل تھے اور انہیں اپنے پاس واپس بلا لیا۔ پھر بنی طے مسلمان ہو کر حضرت خالدؓ کے پاس چلے آئے۔

بنی طے کے قبول اسلام کے بعد حضرت خالدؓ نے قبیلہ جدیلہ پر لشکر کشی کا عزم فرمایا۔ حضرت عدیؓ نے کہا ذرا ٹھہریئے۔ ایک دفعہ جا کر افہام و تفہیم کا فرض دوبارہ ادا کر لوں۔ عدیؓ ان کے پاس پہنچے اور اسلام کے محاسن اور کفر کے معایب بیان کر کے انہیں دعوت اسلام دی۔ انہوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور سب مسلمان ہو گئے۔ عدیؓ نے وہاں سے آ کر حضرت خالدؓ کو یہ مژدہ سنایا۔ جدیلہ والوں کے قبول حق کی استعداد کی داد دینی چاہیے کہ وہ نہ صرف اسلام لا کر سعادت دارین کے سرمایہ دار بنے۔ بلکہ ان کے ایک ہزار سوار بھی جہاد کی نیت سے لشکر اسلام میں آ داخل ہوئے۔

طلیحہ سے معرکہ اور حبال کی ہلاکت

اب حضرت سیف اللہ خالدؓ بن ولید نے عکاشہؓ بن محصن اور ثابتؓ بن ارقم کو کچھ فوج دے کر طلیعہ کے طور پر طلیحہ کی طرف روانہ فرمایا۔ طلیحہ نے ان کے مقابلہ میں اپنے بھائی حبال کو بھیجا۔ ایک جھڑپ ہوئی جس میں عکاشہؓ نے حبال کے نقش وجود کو صفحۂ ہستی سے محو کر دیا۔ جب حبال کے مارے جانے کی خبر طلیحہ کو پہنچی تو وہ خود فوج کو حرکت دے کر عکاشہؓ کے مقابلہ کو نکلا اور

اپنے بھائی سلمہ کو بھی ساتھ لیا۔ اس معرکہ میں طلیحہ نے عکاشہؓ کو اور سلمہ نے ثابتؓ کو شہید کر دیا اور پھر دونوں اپنے اپنے مستقر کو لوٹ گئے۔ جب حضرت خالد بن ولیدؓ اپنی فوج کو لئے آگے بڑھے تو یہ متوحش خبر ملی کہ عکاشہؓ اور ثابتؓ دونوں میدان جان ستان کی نذر ہوئے۔ مسلمانوں کو ان دونوں حضرات کے قتل کا بڑا قلق ہوا۔

قبیلہ بنی طے کی فوجی امداد

چونکہ اس حادثہ سے لشکر اسلام میں کسی حد تک بد دلی پھیل گئی تھی۔ حضرت خالدؓ نے فوراً نبرد آزما ہونا خلاف مصلحت سمجھا۔ بلکہ وہیں ٹھہر کر اپنے لشکر کی تجہیز و ترتیب میں مصروف رہے۔ اسی سلسلہ میں قبیلہ بنی طے سے جو مسلمان ہو چکے تھے کمک بھی طلب کی۔ بنی طے نے جو عدیؓ بن حاتم طائی کے ہم قوم تھے جواب دیا کہ بنی قیس کے مقابلہ کے لئے تو ہم ہی کافی ہیں اور ان سے ضرور معرکہ آرا ہوں گے۔ مگر بنی اسد جو طلیحہ کے ساتھ ہیں۔ وہ ہمارے حلیف ہیں۔ ہم ان سے کسی طرح جنگ آزما نہیں ہو سکتے۔ حضرت خالدؓ نے کہا بہتر ہے تم جس فریق سے چاہو مقابلہ کرو۔ میں تمہیں تمہاری مرضی اور اختیار پر چھوڑتا ہوں۔ لیکن حضرت عدیؓ نے اپنی قوم کا یہ عذر قبول نہ کیا اور کہنے لگے کہ اگر یہ لشکر ان لوگوں کے مقابلہ پر جائے جو قریب کے رشتہ دار ہیں تو میں اپنے قریب ہی کے رشتہ داروں پر جہاد کروں گا اور میں تمہارے حلف و معاہدہ کی بنا پر بنی اسد کے جہاد سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا۔ لیکن حضرت خالدؓ نے جو ہر بات کی تہہ کو پہنچتے تھے اور سپہ سالار ہونے کے ساتھ ہی انتہا درجہ کے مدبر اور عالی حوصلہ بھی تھے۔ حضرت عدیؓ سے فرمایا کہ کسی فریق سے بھی لڑو۔ جہاد دونوں قبیلوں پر ہوگا۔ اس لئے یہ بات کسی طرح قرین صواب نہیں کہ اپنی قوم سے اختلاف رائے کر کے انہیں پریشانی اور آزمائش میں ڈالو۔ وہ جس فریق سے بھی مبارزۃ خواہ ہوں اسی سے مقابلہ کرو۔ اب خالدؓ نے طلیحہ کے خلاف جنگ آزما ہونے کی تیاریاں کر کے اس کے لشکر گاہ کا رخ کیا۔ بزاخہ کے مقام پر فریقین میں مڈبھیڑ ہوئی۔ اس وقت بنی عامر وہیں قریب بیٹھے اس بات کے منتظر تھے کہ کس فریق کی فتح ہوتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہ قرار دیا تھا کہ جس فریق کا پلہ بھاری ہوگا۔ اپنی قسمت اسی کے دامن دولت سے وابستہ کر دیں گے۔ اس وقت بنی فزارہ کا سردار عیینہ بن حصن اپنی قوم کے سات سو آدمی لئے طلیحہ کا حق رفاقت ادا کر رہا تھا۔

آتش کدہ حرب کی شعلہ زنی اور طلیحہ کا انتظار وحی

جب طلیحہ کی قسمت کا فیصلہ کرنے والی قیامت خیز آتش حرب پوری طرح شعلہ زن

ہوئی تو طلیحہ اپنے شیطانی القاء کے انتظار میں میدان کارزار کی ایک طرف چادر اوڑھ کر بیٹھ گیا اور بولا اب مجھ پر وحی نازل ہوگی۔ حضرت خالدؓ نے اس شدت سے حملے کئے کہ غنیم کے منہ پھیر دیئے۔ جب عینیہ کو اپنی شکست کا خطرہ محسوس ہوا تو وہ طلیحہ کے پاس گیا اور دریافت کرنے لگا کہ جبرئیل نے کوئی مژدہ فتح سنایا یا نہیں؟ طلیحہ نے کہا جبرئیل ہنوز تشریف نہیں لائے۔ عینیہ کہنے لگا جبرئیل کب آئیں گے؟۔ اور بولا واللہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ہماری طاقت جواب دے رہی ہے اور بری طرح کچومر نکل رہا ہے۔ عینیہ لوٹ گیا اور میدان جنگ میں کمال شجاعت اور جان بازی سے لڑنے لگا۔ پھر دوسری اور تیسری مرتبہ طلیحہ سے جاکر دریافت کرنے لگا کہ کہئے جبرئیل تشریف لائے یا نہیں؟۔ طلیحہ نے کہا۔ ہاں! جبرئیل آئے تھے۔ عینیہ نے دریافت کیا۔ پھر وہ کیا کہہ گئے؟۔ طلیحہ نے کہا جبرئیل رب جلیل کا یہ پیغام پہنچا گئے ہیں:

ان لك رحیً کر حاہ و حدیثا لا تنساہ ! تیرے لئے بھی شدت جنگ ایسی ہی ہوگی جیسی کہ خالدؓ کے لئے ہے اور ایک معاملہ ایسا گذرے گا کہ تو اسے کبھی فراموش نہ کرے گا۔

لشکر اعداء کی ہزیمت و پسپائی

عینیہ کو یہ سن کر اس بات کا یقین کامل ہوگیا کہ یہ شخص کاذب اور خانہ ساز نبی ہے۔ آخر میدان جنگ میں آکر اپنے آدمیوں سے کہنے لگا کہ طلیحہ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ طلیحہ اور اس کے پیرووں پر ایک ایسا حادثہ گذرے گا جو کبھی فراموش نہ ہوگا۔ یعنی ہم لوگ ذلت آفرین شکست کھائیں گے۔ اس لئے بنی فزارہ مفت میں اپنی جانیں برباد نہ کرو اور اپنے گھروں کو لوٹ چلو۔ کیونکہ طلیحہ بڑا دجال و کذاب ہے۔ وہ لوگ سنتے ہی میدان جان ستان سے منہ موڑ کر اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے۔ طلیحہ کے دوسرے پیرووں نے بھی فرار کو رزم و پیکار پر ترجیح دی۔ غرض طلیحہ کو فیصلہ کن ہزیمت ہوئی۔ اس ہزیمت کے ساتھ طلیحہ کی تمام تر امیدیں اور آرزوئیں خاک میں مل گئیں اور اس کی بساط نبوت ہمیشہ کے لئے الٹ گئی۔ طلیحہ نے ایک گھوڑا اپنے لئے اور ایک اونٹنی بیوی نوار کے واسطے پہلے سے تیار کر رکھی تھی۔ جب مسلمان سوار طلیحہ کو گرفتار کرنے کے قصد سے بڑھے تو وہ جھٹ گھوڑے پر سوار ہوا اور بیوی کو ساتھ لے کر بڑی تیزی سے بھاگا اور مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ گیا۔ بھاگتے وقت بنی فزارہ سے کہہ گیا کہ جس کسی سے ممکن ہو۔ وہ بھی اسی طرح اپنی جلیس کو لے کر اڑ جائے۔ یہاں سے وہ شام کی طرف گیا اور قبیلہ کلب میں جاکر رہنے لگا۔

طلیحہ کی ہزیمت و فرار کے بعد عینیہ بن حصن گرفتار ہوگیا۔ وہ امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ کے پاس پکڑا آیا۔ جب مدینہ کے بچوں نے اسے دیکھا کہ مشکیں بندھی ہوئی ہیں اور مرتد ہونے

سے قبل وہ اس کی بڑی عزت واکرام دیکھ چکے تھے تو کہنے لگے کہ اے دشمن خدا! تو ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گیا۔ یہ کیا غضب کیا؟۔ اس نے جواب دیا کہ میں مسلمان ہی کب ہوا تھا جو بعد کو مرتد ہوا؟۔ امیر المومنین نے اس کی جان بخشی فرمادی۔ مرتد کی سزا قتل ہے۔ لیکن چونکہ اس نے یقین دلایا کہ وہ شروع ہی سے مسلمان نہیں تھا۔ اس لئے بچ گیا۔

طلیحہ کا کلام وحی

طلیحہ کا ایک اور رفیق بھی گرفتار ہوا تھا جو طلیحہ کا محرم راز تھا۔ حضرت خالدؓ نے اس سے پوچھا کہ طلیحہ اپنی نبوت کی کیا کیا باتیں بتایا کرتا تھا؟۔ اس نے کہا اس کے کلام وحی میں سے یہ بھی تھا:

والحمام والیمام والصر والصوام قد ضمن قبلکم بالحوام لیبلغن ملکنا العراق و الشام! قسم ہے اہلی پرندوں، جنگلی پرندوں، اور ترمتی کی جو خشک زمین میں رہتی ہے کہ زمانہ ماضی میں سالہا سال سے یہ قرار پاچکا ہے کہ ہمارا ملک عراق اور شام تک وسعت پذیر ہوگا۔

اس جنگ میں غنیم کو کوئی آدمی قید نہ ہوا۔ کیونکہ انہوں نے پہلے ہی اپنے حریم کی حفاظت کرلی تھی۔ چونکہ یہ لوگ سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ اس لئے ہر قسم کے آفات سے مصئون رہے۔ گو مسلمانوں کو اس معرکہ میں دشمن کے مسلمان ہوجانے کی وجہ سے کوئی مال غنیمت بھی نہ ملا۔ لیکن ان کے قبول اسلام کی کامیابی ہزار غنیمتوں سے بہتر تھی۔

طلیحہ کا قبول اسلام

اس کے بعد بنی اسد اور غطفان خلعت اسلام سے مشرف ہوئے تو طلیحہ بھی مسلمان ہوکر امیر المومنین عمرؓ کے عہد حکومت میں شام سے حج کو آیا اور مدینہ پہنچ کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امیر المومنین عمرؓ نے اس فرمایا کہ تم نے ان من گھڑت الفاظ کو وحی الٰہی سے تعبیر کر کے خدا پر افتراء کیا کہ خدائے برتر تمہارے موتہوں کے خاک پر رگڑنے سے مستغنی ہے اور وہ تمہاری پشت کی خمیدگی سے بھی بے نیاز ہے۔ اور جھاگ دودھ کے اوپر ہی رہتا ہے۔ طلیحہ نے کہا امیر المومنین یہ بھی کفر کے فتنوں میں ایک فتنہ تھا۔ جسے اسلام نے بالکلیہ معدوم کردیا۔ پس اب مجھ پر ان باتوں کا کوئی الزام نہیں۔ یہ سن کر امیر المومنین عمرؓ خاموش ہوگئے۔ (اس باب کے مندرجات ابن اثیر، ابن خلدون عربی ج ۳ ص ۲۰۶، بلاذری اور الرسالۃ الدعاۃ سے ماخوذ ہیں)

باب ۴ ...... مسیلمہ کذاب

۱...... مسیلمہ کی خانہ ساز نبوت

اسلام کے قرن اول میں جن گم کردگان راہ نے خانہ ساز نبوت کا لباس فریب پہن کر خلق خدا کو خسران ابدی کی لعنت میں گرفتار کیا۔ ان میں مسیلمہ بن کبیر بن حبیب سب سے زیادہ کامیاب اور سربرآوردہ متنبی تھا۔ یہ شخص کذاب یمامہ کے لقب سے مشہور ہے۔ ابو ثمامہ اور ابو ہارون اس کی کنیتیں تھیں۔ مسیلمہ نے حضور سرور دو جہاں ﷺ کے عہد رحمت میں اپنے وقت میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ جبکہ اس کا سن سو سال سے بھی متجاوز تھا۔ وہ عمر میں حضرت خیر البشر ﷺ کے والد محترم حضرت عبداللہ سے بھی بڑا تھا۔ جناب عبداللہ کی ولادت سے پہلے یہ شخص عام طور پر رحمان یمامہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت ختم المرسلین ﷺ کی بعثت پر قرآن نازل ہوا اور قریش نے حضور ﷺ کی زبان سے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سنی تو قریش کا ایک آدمی بیساختہ بول اٹھا کہ اس میں رحمان یمامہ کا ذکر ہے۔

مسیلمہ دربار نبوی میں

جب فخر بنی آدم سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کا غلغلہ اقصائے عالم میں بلند ہوا۔ اور اہل آفاق سرچشمہ نبوت سے سیراب ہونے کے لئے اکناف ملک سے امنڈ آئے تو مسیلمہ نے بھی وفد بنی حنیفہ کی معیت میں آستانہ نبوی میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مگر ساتھ ہی یہ درخواست بھی پیش کر دی کہ حضور ﷺ اسے اپنا جانشین مقرر فرما دیں۔ یہ عرضداشت لغویت میں کچھ ایسی خفیف نہ تھی کہ مزاج اقدس پر گراں نہ گزرتی اور آپ اس کو نظر انداز فرما دیتے۔ اس وقت آپ کے سامنے کھجور کی ایک ٹہنی رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا اے مسیلمہ! اگر تم امر خلافت میں مجھ سے یہ شاخ خرما بھی طلب کرو تو میں دینے کو تیار نہیں۔ مگر بعض صحیح روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے حضور ﷺ کی بیعت نہ کی تھی۔ بلکہ بیعت کو مشروط ٹھہرایا تھا اور کہا تھا کہ اگر آپ مجھے اپنا جانشین متعین فرمائیں یا اپنی نبوت میں شریک کریں۔ تو میں بھی حضور ﷺ سے بیعت کرتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیلمہ منصب نبوت کو عطائے الٰہی کے بجائے ایک دنیاوی اعزاز سمجھتا تھا اور شاید اسی زعم فاسد کی بنا پر وہ متمنی تھا کہ آنحضرت ﷺ اسے نبوت میں شریک و سہیم بنا لیں۔ لیکن حضور ﷺ کے اس حق پژوہانہ جواب نے اس کے نخل آرزو کو بالکل خشک کر دیا۔

دعوائے نبوت کا محرک اور اس کا آغاز

جب مسیلمہ ادھر سے مایوس ہوا تو اس کے دل و دماغ میں از خود نبوت کی دکان کھول دینے کے خیالات موجزن ہوئے۔ وہ ذاتی وجاہت اور قابلیت کے لحاظ سے ابنائے وطن میں ممتاز اور طلاقت لسانی اور فصاحت و انشاء پردازی میں اقران و اماثل میں ضرب المثل تھا اور یہی وہ چیز تھی جو اسے ہر آن انجاح مقصد کا یقین دلا رہی تھی۔ مدینہ منورہ سے وہ انہی خیالات کی پخت و پز کرتے ہوئے یمامہ گیا۔ وہاں پہنچ کر دعوائے نبوت کی ٹھان لی اور اہل یمامہ کو یقین دلایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنی نبوت میں شریک کر لیا ہے۔ اب اس نے اپنی من گھڑت وحی والہام کے افسانے سنا سنا کر اپنی قوم (بنو حنیفہ) کو راہ حق سے منحرف کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض ''خوش اعتقاد'' لوگ جناب سید المرسلین ﷺ کی رسالت کے ساتھ اس کی نبوت کے بھی قائل ہو گئے۔ جب مسیلمی اغوا کوشیوں کی اطلاع آستانہ نبوت میں پہنچی تو حضور خواجہ دو عالم ﷺ نے قبیلہ بنو حنیفہ کے ایک ممتاز رکن رحال بن عنفوہ نام کو جو نہار کے نام سے بھی مشہور تھا اور چند روز پیشتر یمامہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آیا تھا۔ اس غرض سے یمامہ روانہ کیا کہ مسیلمہ کو سمجھا بجھا کر راہ راست پر لائے۔ مگر یہ شخص بنی حنیفہ کے لئے خمیر مایہ فساد ثابت ہوا۔ اس نے یمامہ پہنچ کر الٹا مسیلمہ کا اثر قبول کر لیا اور سید کائنات ﷺ کے ساتھ مسیلمہ کی نبوت کا بھی اقرار کیا اور اپنی قوم سے بیان کیا کہ خود محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ مسیلمہ نبوت میں میرا شریک ہے۔ بنو حنیفہ نے اس کی شہادت پر وثوق کر کے مسیلمہ کی نبوت مان لی اور ساری قوم اس کے دام ارادت میں پھنس کر مرتد ہو گئی۔ اب مسیلمہ نے اپنی دکان خدع کو پوری سرگرمی سے چلانا شروع کیا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ دجالی ارواح ہر طرف سے ہجوم کر کے مسیلمہ کے دل و دماغ پر متسلط ہونے لگے اور اس کے باطن میں القائے شیطانی کا سرچشمہ موجیں مارنے لگا۔ مسیلمیت کی ترقی و اشاعت میں نہار (رحال بن عنفوہ) کا ہاتھ بہت کام کر رہا تھا اور اس جدید مسلک کے نشر و توزیع میں اس کی وہی حیثیت تھی جو حکیم نور الدین بھیروی کو مرزائیت کی ترقی میں حاصل تھی۔ نہار نے مسیلمہ کی بساط نبوت کو انجام کار ایسے اوج رفعت پر جا بچھایا کہ کسی دوسرے متنبی کا ہاتھ وہاں تک نہ پہنچ سکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مسیلمہ اس کی حد سے زیادہ خاطر مدارت کرتا تھا۔

بعض لوگ مسیلمہ کو کذاب یقین کرنے کے باوجود محض قومی عصبیت کی بنا پر اس کے پیرو ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ طلیحہ نمری یمامہ گیا اور لوگوں سے پوچھنے لگا کہ مسیلمہ کہاں رہتا ہے؟۔ وہ لوگ بگڑ کر کہنے لگے ''خبردار'' آئندہ سرکار عالم کا نام کبھی زبان پر نہ لانا۔ بلکہ رسول اللہ کہہ

کر پکارنا۔ طلیحہ نے کہا میں اسے دیکھے اور اس سے کلام کئے بغیر رسول اللہ نہیں مان سکتا۔ آخر مسیلمہ کے پاس گیا اور دریافت کرنے لگا کیا تم ہی مسیلمہ ہو؟۔ اس نے کہا ہاں۔ پوچھا تمہارے پاس کون آتا ہے؟۔ کہنے لگا رحمان۔ طلیحہ نے پوچھا روشنی کے وقت آتا ہے یا تاریکی میں؟۔ کہا تاریکی میں۔ طلیحہ بولا میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ تو کذاب ہے اور محمد ﷺ صادق ہیں۔ محمد ﷺ کے پاس انبیاء سلف کی طرح دن کی روشنی میں وحی نازل ہوتی ہے۔ تاہم میرے لئے ربیعہ کا جھوٹا نبی قبیلہ مضر کے سچے نبی سے بہرحال عزیز و محبوب ہے۔ یہ طلیحہ مسیلمہ کے ساتھ جنگ عقرباء میں بحالت کفر ہلاک ہوا۔

تیس میں سے ایک دجال

اس کے تھوڑے دن بعد بنو حنیفہ کا ایک اور وفد مدینہ منورہ آیا۔ ان لوگوں کو مسیلمہ کی تعریف و تقدیس میں بڑا غلو تھا۔ یہ لوگ اس کے اقوال کو لوگوں کے سامنے وحی آسمانی کی حیثیت سے پیش کر رہے تھے۔ جب حضرت خیر البشر ﷺ کو وفد کی اس ماؤف ذہنیت کا حال معلوم ہوا اور آپ نے یہ بھی سنا کہ بنو حنیفہ نے اسلام سے منحرف ہو کر مسیلمہ کا نیا طریقہ اختیار کر لیا ہے تو حضورؐ نے کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا جس میں حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا کہ مسیلمہ ان تیس کذابوں میں سے ایک کذاب ہے جو دجال اعور سے پہلے ظاہر ہونے والے ہیں۔ اس دن سے مسلمان مسیلمہ کو مسیلمہ کذاب کے نام سے یاد کرنے لگے۔

مسیلمہ کا مکتوب حضرت سید المرسلینؐ کے نام اور اس کا جواب

کسی نے بالکل سچ کہا کہ "دروغ گو را حافظہ نباشد" اور علم النفس کا یہ ایک مسلم اصول ہے کہ جو شخص ہمیشہ جھوٹ بولتا رہے۔ وہ آخر کار اپنے تئیں سچا سمجھنے لگتا ہے اور یہ بات اس کے ذہن سے اتر جاتی ہے کہ یہ محض اس کا دماغی اختراع تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی اصول کے ماتحت مسیلمہ بھی اپنے آپ کو رسول برحق محمد مصطفی ﷺ کی نبوت میں شریک سمجھنے لگا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ اس نے کمال جسارت و بے باکی کے ساتھ فخر انبیا ﷺ کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے:

"من مسیلمة رسول الله الی محمد رسول الله اما بعد فانی قد اشرکت معك فی الامروان انا نصف الارض ولقریش نصفها ولکن قریشاً قوم یعتدون" ﴿مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام۔ معلوم ہو کہ میں امر نبوت میں آپ کا شریک کار ہوں (عرب کی) سرزمین نصف ہماری اور نصف قریش کی ہے۔ لیکن

قریش کی قوم زیادتی اور بے انصافی کر رہی ہے۔﴾

اور یہ خط اپنی قوم کے دو شخصوں کے ہاتھ مدینہ منورہ روانہ کیا۔ پیغمبر علیہ السلام نے ان سے فرمایا۔ مسیلمہ کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟۔ انہوں نے جواب دیا ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ہمارے پیغمبر کا ارشاد ہے۔ آنحضرت نے فرمایا اگر قاصد کا قتل کرنا جائز ہوتا تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔ اس دن سے دنیا میں یہ اصول مسلّم اور زبان زد خاص و عام ہو گیا کہ قاصد کا قتل جائز نہیں۔ مسیلمہ کے خط کے جواب میں حضرت صادق مصدوق علیہ التحیہ والسلام نے لکھوا بھیجا:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ الی مسیلمة الکذاب سلام علی من اتبع الھدی اما بعد فان الارض للہ یر ثھا من یشاء من عبادہ و العاقبة للمتقین'' ﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم! منجانب محمد رسول اللہ۔ بنام مسیلمہ کذاب۔ سلام اس شخص پر ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اس کے بعد معلوم ہو کہ زمین اللہ کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے اور عاقبت کی کامرانی متقیوں کیلئے ہے۔﴾

مسیلمہ کے اخلاق و عادات

مسیلمہ نہایت متواضع اور متحمل مزاج تھا۔ لوگوں کی زشت خوئی اور بدسگالی پر صبر کرتا اپنے مخالفوں سے بھی درگزر کرتا۔ اگر کوئی شخص اس کے خلاف ستیزہ جوئی سے کام لیتا تو انتقام لینے کے بجائے اسے نرمی سے سمجھاتا اور یہ وہ صفات ہیں جو کسی مدعی کاذب کو اس کے بام مقصد تک پہنچانے میں بہت کچھ معین ثابت ہوتے ہیں۔ مسیلمہ کے مؤذن کا نام عبداللہ بن نواحہ تھا اور جو شخص اس کی اقامت کرتا تھا۔ اس کو حجیر بن عمیر کہتے تھے۔ حجیر کہا کرتا تھا ''اشھد ان مسیلمة یزعم انہ رسول اللہ'' ﴿میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ مسیلمہ رسول اللہ ہونے کا مدعی ہے﴾ ایک دن مسیلمہ اس سے کہنے لگا ''افصح حجیر فلیس فی المجمجة خیر'' حجیر بات صاف صاف کہو۔ کیونکہ بات کے ادل بدل کرنے میں کوئی خوبی نہیں۔

مسیلمی عقائد

مرزا غلام احمد کے اصول و عقاید کی طرح متنبی یمامہ کے بھی بہت سے عقائد و احکام اسلام سے ملتے جلتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں شخصوں نے اسلام ہی کے بہت سے اصول لے کر ان میں الحاد و زندقہ کی آمیزش کر لی اور اپنے اپنے پنتھ بنا لئے۔ جن مسائل میں مسیلمی یا بقول ان کے ''صادقی'' اسلام سے مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض ہدیہ قارئین کرام ہیں: کہتے ہیں کہ عامة المسلمین کا خیال ہے کہ رب کردگار نے ابلیس کو سجدہ کا حکم دیا۔ مگر اس نے انکار کیا اور

وہ راندۂ درگاہ ہوگیا۔ یہ مقولہ کفر ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ سجدۂ غیر کا حکم نہیں فرماتا۔ چنانچہ ”فاروق ثانی“ میں لکھا ہے کہ ابلیس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ رب قدیر نے آدم علیہ السلام کو عمل نیک وبد کا پورا اختیار دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بندوں کے نیک وبد اعمال کا محاسبہ فرمائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مسجود تو فی الحقیقت رب کردگار تھا۔ لیکن آدم علیہ السلام محض جہت قبلہ کا حکم رکھتے تھے۔ یعنی جس طرح کعبہ معلیٰ کی طرف منہ کر کے رب جلیل کو سجدہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ملائکہ نے آدم علیہ السلام کی طرف رخ کر کے معبود برحق کو سجدہ کیا تھا۔ مسیلمی کہتے ہیں کہ یوں نہ کہو کہ خدا کا کوئی جسم نہیں۔ ممکن ہے کہ جسم ہو اور اجسام مخلوق سے مماثلت نہ رکھتا ہو اور کہتے کہ ید، بصر اور سمع کے الفاظ جو محمد علیہ السلام پر قرآن میں نازل ہوئے اور جو کچھ کہ مسیلمہ رسول کی کتاب ”فاروق اول“ میں وارد ہوا ہے۔ سب حق ہے۔ لیکن رب قدیر کا ہاتھ، کان، آنکھ، مخلوق کے ہاتھ، پاؤں، چشم وگوش کی مانند نہیں۔ کسی اور وضع وہیت کے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ لقاء ورویت باری تعالیٰ پر ایمان لانا واجب ہے۔ کیونکہ ہر چیز جو موجود ہے۔ سر کی آنکھوں سے دنیا میں دیکھی جا سکتی ہے اور رویت بصر یا رویت بلا بصر کی قید لگانا فضول ہے۔ کہتے ہیں کہ عالم کے قدم وحدوث اور اس کی ابدیت وعدم کی بحث میں نہیں پڑنا چاہیے اور کہتے ہیں کہ یہ خدائے واحد کی نوازش اور موہبت کبریٰ ہے کہ مسیلمہ رسول کو ہم نشین (سجاح مدعیۂ نبوت) بھی مرسلہ ہی عطا ہوئی۔ حالانکہ کسی دوسرے نبی کی بیوی نبیہ نہیں ہوئی اور کہتے ہیں کہ چونکہ مسیلمہ نبی کو ابوبکر (صدیقؓ) کے حکم سے شہید کیا گیا اور عمر، عثمان، علی (رضی اللہ عنہم) بھی ان کے اس فعل کے محرک ومؤید تھے۔ اس لئے خدائے شدید العقاب نے غضبناک ہو کر خلفائے اربعہ کو لعن خلائق میں اسی طرح مبتلا کر دیا۔ جس طرح یہود کو قتل مسیح علیہ السلام کی وجہ سے ذلت وخواری میں مبتلا کیا۔ دیکھ لو کہ شیعہ لوگ کس طرح ابوبکر، عمر، عثمان (رضی اللہ عنہم) کو گالیاں دے رہے ہیں اور خارجیوں اور ناصبیوں نے حضرت علیؓ کے خلاف دشنام گوئی کا طوفان برپا کر رکھا ہے۔

اس کا جواب یہ کہ اگر حضرات خلفائے اربعہ (رضی اللہ عنہم) کے خلاف روافض یا خوارج نے اس بنا پر دشنام گوئی اور سب وشتم کا ناپاک شیوہ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ مسیلمہ کے قتل کے ذمہ دار یا مؤید تھے تو پھر جناب مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (معاذ اللہ) کون سا جرم کیا تھا جس کی پاداش میں یہود انہیں دو ہزار سال سے گالیاں دیتے چلے آرہے ہیں؟۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو مسیلمی بیان بھی سخت لغو اور ناقابل التفات ہے اور کہتے ہیں کہ محمد علیہ السلام کے وقت میں جہت قبلہ معین نہ تھی۔ کبھی آپ بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے

کبھی استقبال کعبہ کی طرف منہ کرتے تھے اور کبھی کسی تیسری جانب توجہ فرماتے تھے اور محمد ﷺ کی رحلت کے بعد جہت معین یعنی ہمیشہ کعبہ کی طرف منہ کرنا (معاذ اللہ) اصحاب محمد مصطفےٰ ﷺ کی جاری کردہ بدعت ہے۔ اور کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کے بعد حضرت مسیلمہ رسول کو حکم ہوا کہ محراب کی طرف منہ کرنا اور جہت معین کی طرف متوجہ ہونا کفر اور شرک کی علامت ہے۔ کیونکہ ایسی حالت میں کہ پیکر انسانی اور جانور وغیرہ قبلہ بنائے جانے کے قابل نہیں ہیں۔ کسی گھر کو قبلہ بنانا کہاں تک روا ہے؟۔ پس نماز کے وقت جدھر چاہیں منہ کرلیا کریں اور نیت کریں کہ میں بے جہت نماز ادا کرتا ہوں اور متعدد آیات قرآنی سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ حضرت مسیلمہ کو مخبر صادق اور خدا کا برگزیدہ پیغمبر یقین کرے۔ ورنہ اس کا اسلام مسلم نہ ہوگا! اور کہتے ہیں کہ حضرت مسیلمہ جناب محمد ﷺ کی رسالت میں اسی طرح شریک تھے جس طرح ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں ان کے ساجھے تھے اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا ایک ہی پیغمبر ہادی و رہنما ہے۔ لیکن ہمارے دو پیغمبر ہیں۔ ایک محمد رسول اللہؐ اور دوسرے مسیلمہ رسول اللہ اور ہر امت کے کم از کم دو پیغمبر ہونے چاہئیں۔ کیونکہ پیغمبر قیامت کے دن شاہد ہوں گے اور دو شاہدوں سے کم کی شہادت معتبر نہیں۔ بلکہ دو سے جس قدر زیادہ ہوں گے۔ اسی قدر بہتر ہوگا۔ پیروان مسیلمہ اپنے تئیں رحمانیہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ مسیلمہ کو رحمان کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور بسم اللہ کے یہ معنی ہیں کہ خدائے مسیلمہ رحیم ہے اور کہتے ہیں کہ فرقان محمدیؐ حضرت مسیلمہ ہی کا معجزہ ہے۔ قرآن نے فصحائے عرب کی زبان بند کردی تھی۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے مسیلمہ پر ایک صحیفہ نازل فرمایا جو "فاروق اوّل" کے نام سے موسوم ہے۔ اس نے بھی فصحاء کا ناطقہ بند کردیا تھا اور ان دونوں صحیفوں یعنی قرآن اور فاروق اول کو محمد ﷺ اور مسیلمہ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ان دونوں آسمانی کتابوں کی قراءۃ دنیا اور آخرت میں سودمند ہے۔ لیکن ان کی تفسیر کرنا ذنب عظیم ہے اور کہتے ہیں کہ ایزد متعال نے حضرت مسیلمہ کو ایک اور واجب التعظیم کتاب بھی عطا فرمائی تھی جس کا نام "فاروق ثانی" ہے اور کہتے ہیں کہ محمد ﷺ اور مسیلمہ کی تعلیمات میں کوئی خلاف و تضاد نہیں اور اگر کہیں مسیلمہ کا کلام اور ان کی آسمانی کتاب اقوال محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیلمہ حضرت محمد ﷺ کے بعد تک زندہ رہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کی رحلت کے بعد بعض احکام قرآن فرمان ایزدی سے اسی طرح منسوخ ہوگئے۔ جس طرح خود

حضرت محمد ﷺ کے عین حیات میں بعض آیتیں دوسری آیات کی ناسخ ہوئیں۔

مسیلمی شریعت کے احکام

مسیلمہ جیسے کار آگاہ فرزانہ روزگار مدعی سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ استمالت قلوب کے لئے شریعت محمدی (علیٰ صاحبہا التحیہ والسلام) کے مقابلہ میں کوئی ایسا لیسیر العمل آئین پیش کرتا جو شرعی تکلیفات اور پابندی احکام کی "تلخ کامیوں" سے آزاد ہوتا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ایک ایسے عامیانہ اور رندانہ مذہب و مسلک کی بنیاد ڈالی جو شرمناک قسم کی خواہشات نفسانی کے جلب واحتراز سے اصلا بے نیاز تھا۔ سب سے پہلے اس نے حرمت خمر سے انکار کر کے عہد جاہلیت کی رسم کہن کا اعادہ کیا۔ اس کے بعد یہ حیا سوز نغمہ چھیڑ دیا کہ چار پاؤں کی طرح انسان بھی توالدو تناسل میں فطرۃً آزاد ہے۔ ازدواجی تعلقات محض انتظام خانہ داری کے لئے ہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ مردوزن عقدمناکحت کے دائرہ میں محصور و مجبور ہیں۔ چنانچہ اس کی کتاب "فاروق ثانی" میں زنا کو مناح لکھا ہے۔ کیونکہ مسیلمہ کے نزدیک وہ بھی ایک لذت ہے۔ اس مطلق العنانی کا یہ اثر ہوا کہ ہر طرف فواحش کے شرارے بلند ہوئے اور فساق اور ہواوہوس کے پرستار جوق در جوق اس کے حلقہ ارادت و نیازمندی میں داخل ہونے لگے۔ مسیلمی شریعت کے ماتحت اباحت پسند طبائع کو ہوس رانیوں اور نشاط فرمائیوں کا اچھا خاصہ حیلہ مل گیا۔ شراب خواری تو تحلیل زنا سے پہلے ہی حلال کردی گئی تھی۔ ان فواحش نے ملک کو فسق و فجور کا گہوارہ بنا دیا اور لطف یہ ہے کہ باوجود ان فاسقانہ تعلیمات کے "خوش عقیدہ" لوگ اسے نبی اور رسول برحق ہی یقین کرتے تھے۔ اوائل میں تحلیل زنا کے ساتھ شادی پر کوئی قیود عائد نہ کئے۔ لیکن اس کے بعد زنا کو تو علی حالہ جائز رکھا۔ البتہ شادی پر بہت سے قیود عاید کر دیئے۔ لیکن ان قیود کا منشا شاید یہی تھا کہ زنا و حرام کاری میں سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ مطلق العنانی کے پہلے دور کے بعد اس نے حکم دیا کہ جس شخص کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو جائے وہ بیوی سے اس وقت تک قربت نہ کرے جب تک یہ لڑکا زندہ ہو۔ ہاں اگر مرجائے تو دوسرا لڑکا متولد ہونے تک اس سے مباشرت کرے۔ امت مسیلمہ کے نزدیک نکاح میں گواہوں کے روبرو ایجاب وقبول کی حاجت نہیں۔ بلکہ زن و مرد کا خلوت میں ایجاب وقبول کر لینا کافی ہے۔ ہنود کی طرح مسیلمیوں کے نزدیک بھی اقرباء میں شادی کرنا مذموم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گو محمد ﷺ کے عہد مبارک میں چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ جیسے اقارب کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز تھا۔ لیکن آپ کی رحلت کے بعد حرام ہو گیا۔ اس حرمت کی مثال وہی ہے جس طرح کہ ایام سلف میں دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز تھا۔ جناب محمد علیہ السلام کے زمانہ میں حرام ہو گیا۔ چنانچہ

حضرت مسیلمہ کے پاس فرمان ایزدی پہنچا کہ عقد ہمیشہ اس شخص کی دختر سے کیا جائے جس کے ساتھ پہلے کوئی قرابت نہ ہو۔ مسیلمہ لوگ نصاریٰ کی طرح تعدد ازدواج کو جائز نہیں سمجھتے۔ اگر تعدد کی خواہش ہو تو شیعوں کی طرح ان کے نزدیک متعہ کے طریق پر تعدد ازواج جائز ہے اور کہتے ہیں کہ ختنہ کرنا حرام ہے۔ کیونکہ اس میں یہود کی مشابہت ہے۔ مگر عقل کے اندھوں نے یہ نہ خیال کیا کہ اگر ختنہ کرنے میں یہود کی مشابہت ہے۔ تو ترک ختنہ میں نصاریٰ اور مشرکین کی مطابقت لازم آتی ہے۔

مسیلمی صوم وصلوٰۃ

مسیلمی لوگ ماہ رمضان کے روزے نہیں رکھتے۔ بلکہ اس کی ممانعت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روزہ کی جگہ شب کو رکھنا چاہیے۔ اور وہ یہ کہ غروب سے لے کر طلوع آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے پرہیز کریں۔ مسیلمہ نے تین نمازیں، ظہر، عصر، مغرب مقرر کی تھیں اور حکم دیا تھا کہ تینوں نمازیں مختلف جہات میں ادا کی جائیں۔ مثلاً نماز ظہر مشرق کی طرف منہ کر کے ادا کی ہے تو عصر کے وقت مغرب کا رخ کرے۔ وہ چکڑالویوں اور شیعوں کی طرح نماز سنت ادا نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے زعم میں نماز تو وہی ہو سکتی ہے۔ جس کے لئے معبود برحق نے حکم دیا ہو۔ نہ یہ کہ پیغمبر خود ہی اپنی مرضی سے ادا کرنے لگے۔ ہاں اگر فرض نماز کے بعد چاہیں تو کلام الٰہی قرآن یا فاروق اوّل پڑھیں اور اذکار و اوراد میں مصروف رہیں۔ چکڑالویوں کی طرح ان کے نزدیک نماز میں رسول خدا ﷺ پر درود پڑھنا بلکہ آپ کا نام ہی نہ لینا چاہیے۔ کیونکہ ان کے زعم باطل میں اس طرح عبادت الٰہی کے اندر مخلوق کی عبادت شامل ہو جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی طرح حضرت مسیلمہ پر بھی نمازیں تو شروع میں پانچ ہی فرض ہوئی تھیں۔ لیکن اوقات پنجگانہ میں صبح اور عشاء کی دو نمازیں حضرت مسیلمہ نے بحکم الٰہی اپنی منکوحہ سجاح کے مہر میں جو وہ بھی ایک مرسلہ تھیں بخشدی۔ (دبستان مذاہب ص ۲۹۷، ۲۹۹)

مسیلمی لوگ نماز میں قرآن نہیں پڑھتے۔ بلکہ اس کی جگہ کتاب "فاروق اوّل" کے کچھ اناپ شناپ فقرے یا اشعار پڑھ لیتے ہیں۔ اصمعی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک اعرابی کے پاس قیام کیا۔ وہ مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا۔ پہلی رکعت میں اس نے پڑھا: "وقد افلح من جیم فی سلاتہ ۰ واطعم المسکین من مخلاتہ ۰ وحاط من بعیرہ و شاتہ" ﴿اس شخص نے فلاح پائی جس نے اپنی نماز پست آواز میں پڑھی اور اپنے تھیلے میں سے مسکین کو کھانا کھلایا اور اپنے اونٹوں اور بکریوں کو منزل گاہ پر لے آیا﴾ پھر رکوع اور سجدہ کر کے

دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا اور اس میں قرأت کی جگہ پڑھا: بنونا بنوا بالثنا و بناتنا۔ بنوهن ابنا۔ الرجال الا باعد! ہمارے بیٹے، ہمارے پوتے، ہماری بیٹیاں، ہمارے نواسے اور ہمارے دور کے قرابت دار مردوں کی اولاد پھر رکوع و سجود کر کے تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا اور اس میں یہ شعر پڑھا: ویوسف از ولاه ابنا۔ علته۔ فاصبح فی قعر الركيته ثاويا! جب سوکن کے بیٹے یوسف کے قریب ہوئے تو یوسف پانی والے کوئیں کی تہ میں پہنچ گئے۔ جب وہ تینوں رکعتیں پڑھ کر فارغ ہوا تو میں نے کہا کہ تم نے قرأت کی جگہ یہ سب کیا پڑھا ہے؟۔ اس کو تو قرآن پاک سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کہنے لگا۔ اصمعی! میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ آج سے چالیس سال پیشتر میری پھوپھی نے اس کو مسیلمہ رسول اللہ سے سیکھا تھا۔ (الدعاۃ ص ۹۳)

مسیلمہ کا کلام وحی

تقدس کے دکاندار اور خانہ ساز نبی اپنے سلسلہ تزویر میں کلام الٰہی کو بھی نفس و شیطان کا بازیچہ، لہو و لعب بنانا چاہتے ہیں اور کلام خداوندی جو دنیا میں قیام صداقت کے لئے نازل ہوا تھا۔ اس کے نام سے مکر و فریب کا کاروبار جاری کرتے ہوئے ذرا بھی خدا سے نہیں شرماتے۔ مسیلمہ نے قرآن پاک کے مقابلے میں بعض مسجع عبارتیں لکھ کر ان کو کلام الٰہی کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ مگر اہل علم اور اصحاب بصیرت کے نزدیک سامان خندہ زنی کے سوا ان کی کوئی حیثیت نہیں چہ جائیکہ ایسے کلام خرافات التیام کو (معاذ اللہ) کلام الٰہی کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکے۔ مسیلمہ کا "کلام وحی" ایسا مضحکہ خیز ہے کہ ارباب ذوق سلیم کی محفلیں مارے ہنسی کے لوٹ جاتی ہیں۔ اس نے سورۃ العادیات کے مقابلہ میں لکھا تھا:

"والزارعات زرعا والحاصدات حصدا والزارمات قمحا والطاحنات طحنا والخابزات خبزا والثاردات ثردا واللاقمات لقما اهالتة وسمنا لقد فضلتم على اهل الوبر وما سبقكم اهل المدر ريفكم فامنعوه والمعينيه فاووه والباغي فناووه "قسم ہے کھیتی کرنے والوں کی اور قسم ہے کھیتی کاٹنے والوں کی اور قسم ہے بھوسہ صاف کرنے کے لئے گیہوں کو ہوا میں اڑانے والوں کی اور قسم ہے آٹا پیسنے والوں کی اور قسم ہے روٹی پکانے والوں کی اور قسم ہے سالن پکانے والوں کی اور قسم ہے تیل اور گھی کے لقمے کھانے والوں کی کہ تم کو صوف والے (بادیہ نشین) عربوں پر فضیلت دی گئی ہے اور مٹی (سے مکان بنانے) والے (شہری عرب بھی) تم سے بڑھ کر نہیں ہیں تم اپنی روکھی سوکھی روٹی

کی حفاظت کرو۔ عاجز دور ماندہ کو پناہ دو۔ اور طالب اور مانگنے والے کو اپنے پاس ٹھہراؤ۔

سورۂ فیل کے جواب میں لکھا تھا:

''الفیل وما الفیل له ذنب و بیل و خرطوم طویل ان ذلك من خلق ربنا االجلیل ''ہاتھی! اور وہ ہاتھی کیا ہے؟۔ اس کی بد نما دم اور لمبی سونڈ ہے۔ یہ ہمارے رب جلیل کی مخلوق ہے۔

ان الفاظ کو بھی وحی الہٰی کی طرف منسوب کیا تھا۔

''یا ضفدع بنت ضفدع نقی ماتنقین اعلاك فی الماء واسفلك فی الطین لا الشاربَ تمنعین ولا الماء تکدرین ''اے مینڈکی۔ مینڈک کی بچی! اسے صاف کر جسے تو صاف کرتی ہے۔ تیرا بالائی حصہ تو پانی میں ہے اور نچلا حصہ مٹی میں ہے۔ نہ تو تو پانی پینے والے کو روکتی ہے اور نہ پانی کو گدلا کرتی ہے۔

رسالہ ''الدعاۃ'' میں جھوٹے مدعیوں کے حالات میں مصر سے شائع ہوا ہے۔ مسیلمہ کذاب کا یہ ''کلامِ وحی'' بھی درج ہے:

''سبح اسم ربك الاعلے الذی یسع علی الحبلیٰ فاخرج منها نسمة تسعیٰ من بین اضلاع و حشی فمنهم من یموت ویدس فی الثریٰ ومنهم من یعیشوریبقی الی اجل و منتهی واللّٰه یعلم السر و اخفے ولا تخفے علیه الاخرة والاولی۔ اذکرونعمته اللّٰه علیکم واشکروها اذجعل الشمس سراجاً والغیث ثجاجاً وجعل لکم کباشاً ونعاجاً وفضت و زجاجاً و ذهباودیباخا من نعمته علیکم ان اخرج لکم من الارض رماناًو عنباوریحاناً و حنطتة وزوانا۔ واللیل الدامس والذئب الهمامس ما قطعت اسید من رطب ولا یابس۔ واللیل الا سحم والدب لادلم والجذع الا زلم ما انتهکت اسید من محرم۔ وکان یقصد بذلك نصرة اسید علےٰ خصومةٍ لهم۔ والشاء والوانهاوا عجبها السود و البانها والشاة السوداء واللبن الا بیض انه لعجب محض۔ انا اعطیناك الجواهر فصل لربك و هاجران مبغضك لفاجر۔ والمدیات زرعاًوالحاصدات حصداً والدارسات قمحاً والطاحنات طحناً والخابزات خبزاً والثاردات ثرداً واللاقمات لقما لحماً و سمناً لقد فضلتکم علی اهلا الوبر وما سبقکم اهل المدررفیقکم فامنعوه والمعترفاً ووه والباغی

فنـاوئـوه ۰ والشمـس و ضحـا هـا في ضوئها و مجلاهـا والیلا اذغدهـا یطلبهاالیغشا ها ادرکها حتی اتا ها واطفأ نورها فمحا ها ۰ وقد حرم المذق فقال مالکم لا تمجعون"

علامہ خیرالدین آفندی الوسی سابق وزیر طونس نے کتاب "الجواب الفسیح" میں عبدالمسیح نصرانی کا قول نقل کیا کہ میں نے مسیلمہ کا پورا مصحف پڑھا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایک ضخیم کتاب ہی تیار کر ڈالی تھی اور دعویٰ یہ تھا کہ وہ "الہامی" کتاب ہے۔

مسیلمہ کے معجزات باہرہ

مسیلمی خصائص نبوت میں ایک نہایت دلچسپ اور مہتم بالشان یہ امر تھا کہ اعجاز نمائی کے طور پر وہ جو کچھ کہتا اور جس بات کا بھی ارادہ کرتا۔ اس کے برعکس اور خلاف مدعیٰ ظاہر ہوتا تھا۔ اور یہ بات اس زمانہ کے عجائبات قدرت میں شمار کی جاتی تھی اور سنت اللہ اس طرح جاری ہے کہ جھوٹے مدعیوں کو دنیاوی حیثیت سے جس درجہ وقار بھی کیوں نہ حاصل ہو جائے وہ دینی عزت اور عظمت کے لحاظ سے کبھی سرفراز و کامگار نہیں ہو سکتے۔ ان کی غرض مندانہ تعلی اور دروغ بافی ان کی دعاؤں کو شرف استجابت و قبول سے محروم رکھتی ہے اور غیرت خداوندی ان کی خودغرضانہ پیش گوئیوں کے پورا ہونے میں ہمیشہ مزاحم رہتی ہے۔ خصوصاً مسیلمہ کے بارہ میں تو یہ کلیہ کچھ ایسی غیر متعارف قوت و سرعت کے سات نمایاں ہوتا تھا کہ ان واقعات کو جناب سالار انبیاء ﷺ کی اعجازی..... کارفرمائی کے سوا اور کچھ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ایک عورت مسیلمہ کے پاس آئی اور کہنے لگی ہمارا نخلستان سرسبزی سے محروم ہے اور کوئیں بھی خشک ہو گئے ہیں۔ آپ حضرت مجیب الدعوات سے ہمارے لئے پانی اور نخلستان کی شادابی کی اسی طرح دعاء کیجیے جس طرح جناب محمد ﷺ نے ساکنان ہزمان کے لئے دعا فرمائی تھی۔ مسیلمہ نے نہار سے پوچھا۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے اہل ہزمان کے واسطے کس طرح دعا کی تھی؟۔ نہار نے کہا جناب خیر الانام ﷺ نے ان کے کنویں کا پانی لیا اور اس سے غرغرہ کر کے انہی کنوؤں میں ڈال دیا۔ اس سے کنویں کا پانی متلاطم ہو کر چشمہ کی طرح ابل پڑا تھا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کی دعا سے خرما کے درختوں میں شاخیں پھوٹ آئیں اور تمام چھوٹے چھوٹے پودوں میں کلیاں نکل پڑیں اور مسیلمہ نے بھی اسوۂ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کر کے اپنا آب دہن کنویں میں ڈلوایا۔ لیکن قدرت الٰہی نے اس کا الٹا اثر یہ دکھایا کہ کنویں کا پانی اور بھی نیچے اتر گیا۔ خرما کے درخت پہلے سے بھی زیادہ سوکھ گئے اور دعا کرانے والے مدت العمر مسیلمہ کی جان کو روتے رہے۔

ایک دفعہ نہار نے مسیلمہ سے ذکر کیا کہ حضرت سید کائنات ﷺ بچوں کے سر پر برکت کے ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ مسیلمہ نے بھی معجزہ نمائی کے طور پر بنی حنیفہ کے چند اطفال کے سروں اور ان کی ٹھوریوں پر ہاتھ پھیرا۔ مگر اسکا یہ معکوس اثر ظاہر ہوا کہ تمام لڑکے گنجے ہو گئے اور تتلانے لگے۔

ایک مرتبہ مسیلمہ نے سنا کہ محمد ﷺ کے لعاب دہن سے آشوب چشم اچھا ہو گیا۔ مسیلمہ نے بھی کسی مریض کی آنکھ پر آب دہن لگا دیا۔ مگر وہ بیچارہ ہمیشہ کیلئے بصارت سے ہی محروم ہو گیا۔ ایک دفعہ کسی شیر دار بکری کے تھن پر افزونی شیر کی غرض سے ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا دی تو معا اس کا سارا دودھ خشک ہو گیا۔ ایک مسیلمی بیوہ نے درخواست کی کہ میرے بہت سے فرزندان عزیز وحشت سرائے دنیا سے رخصت ہو کر خلد آباد عاقبت کو چلے گئے۔ اب صرف دو باقی ہیں حق تعالیٰ سے ان کی بقا اور درازئ عمر کے لئے دعا فرمایئے۔ اس نے دعا کی اور فرزند کلاں کی کبر سنی کا مژدہ سنا کر پسر خورد کی مدت عمر چالیس سال بتائی۔ جب وہ غم نصیب شاداں و فرحاں مکان پر پہنچی تو معلوم ہوا کہ بڑا لڑکا کنوئیں میں گر کر مر گیا ہے اور چھوٹا فرزند جس کے سنین عمر چالیس سال بتائے تھے۔ حالت نزع میں دم توڑ رہا ہے۔ غرض تھوڑی دیر میں وہ بھی اپنی دکھیا ماں کو داغ مفارقت دے کر رہگرائے عالم آخرت ہوا۔

مسیلمہ کذاب کا ایک عقلی معجزہ

چونکہ مسیلمہ خوارق عادات دکھانے سے قاصر تھا اور لوگوں کو معجزات کی قسم سے نبوت کی کوئی نہ کوئی علامت ضرور چاہیے۔ اس لئے اس نے اپنی جودت طبع سے بعض "عقلی معجزے" تجویز کر لئے تھے اور بوقت ضرورت انہی سے اعجاز نمائی کا کام لیتا تھا۔ ان میں سے ایک معجزہ یہ تھا کہ اس نے تنگ منہ والی بوتل میں بیضہ مرغ ڈال رکھا تھا۔ اور جب کبھی کسی طرف سے اعجاز نمائی کا مطالبہ ہوتا تو اسی انڈے کو پیش کر دیتا اور کہتا تھا کہ تنگ منہ کی بوتل میں انڈے کو داخل کرنا قوت بشری کے حیطہ امکان سے خارج ہے اور اگر کسی کو دعویٰ ہو تو ایسا کر دکھائے۔ حالانکہ اس نے انڈے کو چند روز تک سرکے میں رکھ کر نرم کر لیا تھا۔ اس طرح انڈا بوتل میں با آسانی داخل ہو گیا تھا۔ اور کہتے ہیں کہ سب سے پہلا وہی شخص ہے جس نے بیضہ کو بوتل میں داخل کیا۔

(الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ البیرونی، خوارزمی مطبوعہ لیپزگ، جرمنی، ۱۸۷۸ء ص ۱۰۹)

گمان غالب یہ ہی کہ دور حاضر میں بسیط ارض پر کوئی متنفس مسیلمہ کذاب کا نام لیوا نہ پایا جائے گا۔ لیکن صاحب بستان مذاہب کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ آج سے تین سو سال

پہلے کم از کم ایک مسیلمی سرزمین ایران میں موجود تھا۔ چنانچہ صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ ۱۰۵۳ھ میں محمد قلی نام ایک شخص سے مشہد میں میری ملاقات ہوئی۔ وہ مسیلمہ کذاب کا پیرو تھا۔ اس نے مسیلمہ کے بہت سے فضائل و معجزات بیان کئے۔ منجملہ ان کے ایک یہ بتایا کہ اس کے اشارے پر چاند نیچے اتر آیا اور اس کے اصحاب کی موجودگی میں اس کی گود میں آبیٹھا۔ اس کا گذر خشک درختوں پر ہوا۔ اس نے دعا کی تو سب سرسبز ہو گئے۔ اسی طرح طفل نوزائیدہ نے اس کی نبوت کی شہادت دی۔ یہ دیکھ کر سعادت مندوں کی ایک جماعت اس پر ایمان لے آئی۔ (دبستان مذاہب ص ۲۹۷) لیکن ظاہر ہے کہ کوئی مسیلمی اپنے مقتدا کے کسی معجزہ کے کسی راست باز عینی شاہد کا نام نہیں بتا سکتا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مسیلمی معجزات کوڈھکوسلہ محض مسیلمیوں کا دماغی اختراع ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ: "پیران نمی پرند مریدان مے پرانند"

۲ ...... محاربات مسیلمہ کذاب

جس وقت امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ مرتدین عرب کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ فرمایا۔ اسی وقت ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہؓ کو فوج کی قیادت تفویض فرما کر مسیلمہ کذاب سے لڑنے کو یمامہ کی طرف جانے کا حکم دیا۔ پھر ان کے بعد شرحبیل بن حسنہ کو ان کی کمک کی غرض سے روانہ فرمائی۔ لیکن عکرمہؓ نے حالات پر قابو پائے اور ماحول کا کافی مطالعہ کئے بغیر نہایت عجلت کے ساتھ شرحبیل کی آمد سے پہلے ہی لڑائی چھیڑ دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عکرمہؓ کو ہزیمت ہوئی۔ مسیلمہ اور اس کے پیرو فتح کے شادیانے بجاتے میدان جنگ سے واپس ہوئے۔ جب شرحبیل کو اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو وہیں ٹھہر گئے۔ حضرت عکرمہؓ نے اپنی ہزیمت کا حال امیر المومنینؓ کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ جناب صدیق اکبرؓ نے اس کا یہ جواب دیا کہ تم نے میری ہدایت پر عمل نہ کیا۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ شرحبیل کو تمہارے پیچھے روانہ کرتا ہوں۔ جب تک وہ پہنچ جائیں تو اس وقت لڑائی شروع کرنا۔ لیکن افسوس ہے کہ تم خود تو استادی جانتے نہیں اور شاگردی کو عیب سمجھتے ہو۔ تمہیں شرحبیل کے پہنچے بغیر حملہ میں اقدام نہ کرنا چاہیے تھا۔ خیر جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اب مدینہ کی طرف رخ نہ کرنا۔ کیونکہ یہاں آ کر لوگوں کو پست ہمت اور شکستہ دل کر دو گے۔ البتہ آگے جا کر حذیفہ اور عرفجہ سے مل جاؤ اور ان کے ماتحت رہ کر عمان اور مہرہ والوں کا مقابلہ کرو۔ جب اس جنگ سے فراغت حاصل ہو تو اپنا لشکر لے کر مہاجر بن ابی امیہ کے پاس یمن اور حضرموت کو چلے جاؤ۔ اور شرحبیل کو لکھا کہ تم خالد بن ولیدؓ کے صوبوں کی طرف چلے جاؤ اور جب مسیلمہ کی لڑائی میں کامیاب ہو جاؤ تو قضاعہ کا رخ کرو اور عمرو بن عاصؓ کے ساتھ مل کر مرتدین قضاعہ سے جہاد کرو۔

اس اثناء میں حضرت خالد بن ولیدؓ بطاح سے فارغ ہو کر مدینہ گئے اور امیر المومنینؓ کو تمام واقعات زبانی کہہ سنائے آپ نے حضرت خالدؓ کو مسیلمہ کے خلاف معرکہ آراء ہونے کا حکم دیا اور مسلمانوں کا ایک لشکر گراں ان کے ساتھ کر دیا۔ مہاجرین پر حضرت حذیفہؓ اور حضرت زید بن خطابؓ امیر مقرر کئے اور حضرت ثابت بن قیسؓ اور حضرت براء بن عازبؓ کو انصار کی قیادت عطا فرمائی۔ حضرت خالدؓ مدینہ سے نکل کر برق و باد کی طرح یمامہ کی طرف بڑھے۔ گو اس وقت مسیلمہ او بنی حنیفہ کا طوطی بول رہا تھا اور مسیلمہ کے چالیس ہزار جنگ آزما سپاہی یمامہ کے دیہات اور وادیوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ تاہم باوجود قلت تعداد مسلمانوں کا جوش جہاد اور ولولہ شہادت اہل رہا تھا اور وہ مسیلمی مرتدین سے جنگ آزما ہونے کے لئے بپھر رہے تھے۔

بنی حنیفہ کی دوسری کامیابی

حضرت عکرمہؓ کی طرح شرحبیل نے بھی عجلت کر کے جناب خالد بن ولیدؓ کی آمد سے پہلے مسیلمہ کی حربی قوت کا اندازہ کئے بغیر جنگ کی طرح ڈال دی۔ جس میں انہیں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ جب حضرت خالد بن ولیدؓ کو مسلمانوں کی مکرر ہزیمت کا علم ہوا تو شرحبیل کو سخت ملامت کی اور کہا کہ ہماری آمد کا انتظار کئے بغیر کیوں پیش دستی کی۔ تمہاری شتاب زدگی کا نتیجہ یہ ہے کہ دشمن کی جمعیت پہلے ہی سے بھی فزوں تر ہو گئی ہے اور اعداء کے حوصلے بڑھ گئے ہیں۔ ایک تو خود مسیلمہ کے پاس پہلے سے جمعیت کثیر تھی۔ جس میں یوماً فیوماً ترقی ہو رہی تھی۔ دوسرے سجاح کی باقی ماندہ فوج بھی مسیلمہ سے مل گئی تھی (جس کا تذکرہ سجاع کے حالات میں قلمبند ہوگا) اس لئے مسیلمہ کی قوت بہت بڑھ گئی تھی۔

اصحاب بدرؓ کی شرکت جہاد

اس اثناء میں خلیفہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالدؓ کی کمک کے لئے ایک دستہ فوج بھی روانہ فرمادیا جس کے سر عسکر سلیط تھے۔ امیر المومنین نے سلیط کو حکم دیا تھا کہ وہ خالد کی امداد کے لئے ان کے عقب میں رہیں۔ تاکہ غنیم خالد کو عقب سے ضرب نہ لگا سکے۔ اس موقع پر حضرات شیخینؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ میں اس بارہ میں اختلاف رائے تھا کہ غازیان بدر کو بھی لڑائی میں بھیجنا چاہیے یا نہیں۔ حضرت صدیقؓ فرماتے تھے کہ ان سے لڑائی میں مدد لینے کی اتنی ضرورت نہیں ہے جس قدر کہ ان کی دعا اور برکت کی حاجت ہے۔ کیونکہ ان پاک بازوں کی برکت سے رب ذی المنن اکثر آفات و بلیات کو رفع فرمادیتا ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ زیادہ نہیں تو ان حضرات کو کم از کم فوجوں کی امارت پر ضرور مقرر کیا جائے۔ آخر

امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کر لیا اور اصحاب بدر رضی اللہ عنہم بھی ان معرکوں میں شریک ہوئے۔

مجاعہ کی گرفتاری

جب مسیلمہ کو معلوم ہوا کہ اسلام کے سپہ سالار خالد بن ولیدؓ اس کی سرکوبی کے لئے آ پہنچے تو اس نے بھی اپنے لشکر کو یمامہ سے حرکت دی اور عقرباء کے مقام پر لا جمع کیا۔ مسیلمہ کی طرف سے مجاعہ بن مرارہ ایک جداگانہ سریہ لے کر مسلمانوں کے مقابلہ پر آیا۔ لیکن مسیلمہ تک پہنچنے میں صرف ایک دن کا راستہ باقی تھا کہ حضرت خالدؓ نے شرحبیل بن حسنہؓ کو مقدمۃ الجیش پر مقرر کر کے آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے رات کے وقت مجاعہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ شرحبیل نے نہایت بے جگری کے ساتھ مجاعہ پر حملہ بول دیا اور مجاعہ کے آدمیوں کے مارتے مارتے ان کا کھلیان کر دیا۔ مجاعہ تن تنہا موت کا شکار ہونے سے بچا۔ مگر گرفتار کر لیا گیا۔

اسلام اور کفر کی آویزش

اس واقعہ کے بعد حضرت خالدؓ بھی پہنچ گئے اور عقرباء کے میدان میں ڈیرے ڈال کر حرب وقتال کی تیاریوں میں مصروف ہوئے۔ دوسرے دن آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ لشکر اسلام میں مہاجرین کا رایت سالم مولےٰ ابو حذیفہؓ کے ہاتھ میں تھا۔ انصار کا جھنڈا حضرت ثابت بن قیسؓ اٹھائے تھے۔ دوسرے قبائل عرب کے علم اپنے اپنے سرداران قبیلہ کے ہاتھ میں تھے۔ مسیلمہ اپنا خیمہ وخرگاہ اپنی پشت پر چھوڑ آیا تھا۔ نہار الرحال بن عنفوہ جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے مسیلمہ کا مشیر خاص اور سر عسکر تھا۔ اس معرکہ میں مسیلمہ کے ہمراہ چالیس ہزار فوج تھی اور اسلامی لشکر صرف تیرہ ہزار تک شمار ہوا تھا۔ مسیلمہ کا بیٹا شرحبیل رجز خوانی کر کے بنو حنیفہ کو جوش دلانے لگا۔ اس نے کہا اے بنو حنیفہ! آج تم اپنی شرم وغیرت کے لئے لڑو۔ کیونکہ اگر تم نے اپنی پیٹھ دکھائی تو تمہاری عورتیں اور لڑکیاں مسلمانوں کی لونڈیاں بن جائیں گی۔ اس لئے چاہیے کہ تم اپنے ننگ وناموس پر اپنی جانیں قربان کر دو۔ حضرت خالدؓ نے پہلے اتمام حجت کے لئے مسیلمہ اور اس کے پیرووں کو دین حق کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے گوش قبول سے نہ سنا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی پند وموعظ کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا لیکن ان کے والہانہ یقین واعتقاد کی گرمجوشی میں کسی طرح فرق نہ آیا۔ اب دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ مرتدین کی طرف سے سب سے پہلے نہار مسلمانوں کے خلاف رزم خواہ ہوا اور بڑی پامردی سے مقابلہ کر کے حضرت زید بن خطابؓ کے ہاتھ سے جو امیر المومنین عمر فاروقؓ کے بھائی تھے مارا گیا۔ اس وقت

گھمسان کارن پڑا۔ دونوں طرف کے دلاور داد شجاعت دے رہے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ یہی معرکہ فریقین کی قسمت کا فیصلہ کر دے گا۔ اسلام اور کفر کی یہ ایسی زبردست آویزش تھی کہ اس سے پیشتر مسلمانوں کو ایسے زبردست معرکہ سے شاید کبھی پلا لا نہ پڑا ہوگا۔

لشکر اعداء نے سپہ سالار کی اہلیہ محترمہ سے تعرض نہ کیا

لشکر اسلام نے لڑتے لڑتے حضرت خالدؓ کا حکم پا کر پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ بنی حنیفہ کو حضرت خالدؓ کے خیمہ تک پہنچنے کا موقع مل گیا۔ جہاں مجاعہ قید تھا۔ مسیلمی فوج حضرت خالد کے خیمہ میں داخل ہوئی۔ اس وقت خیمہ میں حضرت خالدؓ کی اہلیہ محترمہ موجود تھیں۔ خیمہ میں ایک طرف مجاعہ زنجیروں سے جکڑا تھا۔ جسے حضرت خالدؓ پیچھے ہٹتے وقت اپنی بیگم صاحبہ کی نگرانی میں دے آئے تھے۔ بنی حنیفہ نے حضرت خالدؓ کی حرم محترم کو قتل کرنا چاہا۔ مگر مجاعہ اس میں مزاحم ہوا اور کہا کہ عورت ذات سے تعرض کرنا شیوۂ مردانگی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ اس وقت میری ہمسایہ اور نگران حال ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ عورت کا خیال چھوڑ کر مردوں کی جا خبر لو۔ انہوں نے یہ خیال کر کے کہ یہ اسلامی سپہ سالار کی حرم ہیں۔ ممکن ہے کہ مسلمانوں کو فتح ہو۔ اس صورت میں معلوم نہیں کہ مسلمان اس کا کس شدت سے انتقام لیں۔ آپ کی حرم محترم سے کوئی تعرض نہ کیا۔ البتہ خیمہ کو پھاڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا۔

حضرت ثابتؓ، زیدؓ اور ابو حذیفہؓ کی رجز خوانی

اب بنو حنیفہ آگے بڑھ کر مسلمانوں سے از سرِ نو مبارزت خواہ ہوئے۔ اس وقت مسلمان نشۂ شہادت و جان بازی سے سرشار تھے۔ ثابت بن قیسؓ نے لشکر اسلام کو مخاطب کر کے کہا اے ملت موحدین کے بہادرو! اپنی جانوں پر کھیل جاؤ اور دشمن کی کثرت تعداد سے مرعوب ہو کر پست ہمتی سے کام نہ لو۔ الٰہی! میں اہل یمامہ کے ارتداد سے بیزار اور اہل ایمان کی کم ہمتی سے عذر خواہ ہوں۔ یہ کہہ کر وہ نہایت بے جگری سے غنیم کے قلب لشکر میں جا گھسے اور داد شجاعت دے کر جام شہادت پی لیا۔ اس کے بعد امیر المومنین عمر بن خطابؓ کے برادر معظم حضرت زید بن خطابؓ نے مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے کہا۔ اے ارباب ایمان! میں نے نہار کی زندگی کا چراغ گل کیا۔ لیکن اب میں اس وقت تک کسی سے ہم کلام نہ ہوں گا۔ جب تک کہ اعداء کو منہزم نہ کر لوں یا خود ہی جرعۂ شہادت نہ پی لوں۔ اے توحید کے علمبردارو! توحید کی امانت تمہارے سینوں میں ودیعت ہے۔ اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے تمہیں کوئی غیر اللہ طاقت مرعوب نہیں کر سکتی۔ اعداء کی کثرت اور اپنی قلت تعداد سے خالی الذہن ہو کر دشمن کا صفایا کر دو۔

حضرت ابو حذیفہؓ نے کہا اے شمع جمال احمدی کے پروانو! آج رسول اللہ کے دین پر کٹ مرو۔ اے توحید کے جان نثارو! تم اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر دنیا میں بھیجے گئے ہو۔ آج توحید کی لاج رکھ لینا اے حاملان قرآن! قرآن اور اس کے آسمانی احکام دنیا سے مٹنے نہ پائیں۔

حضرت خالدؓ نے ہلہ بول دیا

اب حضرت خالدؓ نے یک بیک ہلہ بول دیا اور لشکر اسلام، اللہ اکبر کے نعرے بلند کر کے بنی حنیفہ پر اس طرح ٹوٹ پڑا۔ جس طرح گرسنہ شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ اہل ارتداد اس حملہ کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے۔ آتش حرب جوش و خروش کے ساتھ شعلہ زن ہوئی۔ اس وقت کبھی تو مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو جاتا اور کبھی مرتدوں کا۔ انہی معرکوں میں سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ اور زید بن خطابؓ وغیرہ بڑے بڑے اکبر ملت شربت شہادت سے سیراب ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ کوئی ایسا نشان قائم کرو۔ جس سے فوراً معلوم ہو سکے کہ ہمارا کون سا پہلو کمزور ہے اور کس حصہ فوج کو کتنا نقصان پہنچا ہے۔ تاکہ اس کی فوراً تلافی کی جاسکے۔ آخر نشان قائم کئے گئے۔ لیکن مسلمانوں کو اتنا نقصان جان برداشت کرنا پڑا کہ اس سے پیشتر کسی لڑائی میں اس کا تجربہ نہ ہوا تھا۔ مہاجرین، انصار اور اہل قریٰ کی بہت بڑی تعداد میدان جانستان کی نذر ہو گئی۔

مسیلمہ کی ہمت مردانہ

مسلمانوں کی مسلسل جدوجہد اور ولولہ انگیز یورشوں کے باوجود مسیلمہ میدان کارزار میں اس طرح جم کر لڑ رہا تھا کہ گویا کوئی آہنی برج قائم ہے۔ باوجود ضعف پیری کے اس نے ذرہ بھر اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ بنی حنیفہ اس کے اردگرد خوب داد شجاعت دے رہے تھے۔ حضرت خالد سیف اللہؓ نے یہ محسوس کیا کہ جب تک مسیلمہ کو موت کے گھاٹ نہ اتارا جائے دشمن پر غلبہ پانا محال ہے۔ اس لئے آپ اس کوشش میں سرگرم عمل ہوئے کہ کوئی موقع ملے تو خود مسیلمہ پر حربہ لگایا جائے۔ بنی حنیفہ کے مقتولوں کی تعداد گو شہدائے مسلمین سے بہت زیادہ تھی۔ مگر انہیں اپنی کثرت تعداد کے لحاظ سے اتنے مقتولوں کی کچھ زیادہ پروانہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے جوش میں کسی طرح کمی نہ آئی تھی اور ان کے اندر اسلامی حملوں سے کسی خاص ضعف کے آثار نمایاں نہ ہوئے تھے۔

خالدی کارنامے

اب حضرت خالدؓ تنہا میدان کارزار میں نکلے۔ اس وقت ع کس شیر کی آمد ہے کہ

رن کانپ رہا ہے، کا صحیح نقشہ لوگوں کے سامنے تھا۔ حضرت خالدؓ نے اپنے مقابلہ میں مبارز طلب کیا۔ اب وہ دو دو سورما حریفوں کا سامنا ہونے لگا۔ حضرت خالدؓ کے مقابلہ پر جو مسیلمی آیا۔ آپ نے تلوار کے ایک ہی ہاتھ سے اس کا کام تمام کر دیا۔ غرض حضرت خالدؓ نے تن تنہا مسیلمی لشکر کے تمام بڑے بڑے نامی گرامی سورماؤں کو قعر عدم میں پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ لشکر اعداء میں ہل چل مچ گئی اور نسیم فتح مسلمانوں کے رایتِ اقبال پر چلنے لگی۔ اب حضرت خالدؓ نے مسیلمہ کو پکارا اور چند دوسرے مطالبات کے علاوہ از سر نو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس نے یہ مطالبات مسترد کر دیئے۔ حضرت خالدؓ گھوڑا دوڑا کر اس کی طرف لپکے اور اسے لڑائی پر مجبور کرنا چاہا۔ مگر وہ طرح دے کر دور نکل گیا اور اس کا لشکر بھی تاب مقاومت نہ لا کر منتشر ہو گیا۔ اب بنی حنیفہ نے مسیلمہ سے کہا کہ عون و نصرت الٰہی کے جو وعدے تم کیا کرتے تھے۔ وہ عون خداوندی کیا ہوئی؟۔ کہنے لگا ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے اہل و عیال اور ننگ و ناموس کے لئے لڑے۔ یہ موقع ان باتوں کے دریافت کرنے کا نہیں ہے۔

براء بن مالک کی شجاعت و جانبازی

محکم بن طفیل نے جو مسیلمی لشکر کے میمنہ پر تھا اب مسیلمی لشکر کو ایک نہایت وسیع و عریض باغ میں جو وہاں سے قریب واقع تھا۔ گھس جانے کو کہا۔ بنی حنیفہ جھٹ باغ میں پناہ گزین ہوئے اور محکم بن طفیل ایک ساعت تک مصروف پیکار رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے اسے قتل کیا۔ جناب عبدالرحمٰن نے ایسے وقت میں اس کی گردن پر نیزہ مار کر اسے ہلاک کیا جبکہ وہ اپنی قوم کو خطبہ دیتا اور بنی حنیفہ کی لڑائی کے لئے برانگیختہ کر رہا تھا۔ بنی حنیفہ نے باغ کا دروازہ مضبوطی سے بند کر لیا تھا۔ مسلمانوں میں براء بن مالک ایک نہایت سورما بہادر سپاہی تھے۔ انہوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ سے درخواست کی کہ مجھے خدا کے لئے اس باغ میں ڈال دو۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم تمہیں دشمن کے ہاتھوں میں کیونکر دیدیں؟۔ براء نے قسم دلائی کہ مجھے ضرور اندر ڈال دو۔ ان کے اصرار و الحاح پر انہیں حدیقہ کی دیوار پر چڑھا دیا گیا۔ وہ اندر کو کودے اور حدیقہ کے دروازہ پر جا کر کمال شجاعت کیساتھ سینکڑوں ہزاروں دشمنوں سے لڑنے لگے اور نہایت بہادری کے ساتھ دروازہ پر قبضہ کر کے اسے مسلمانوں کے داخلہ کے لئے کھول دیا۔ اسلامی لشکر فوراً اندر داخل ہونے لگا۔ باغ میں نہایت خونریز لڑائی ہوئی جس میں جانبین کا سخت نقصان ہوا۔ بنی حنیفہ نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔ اور اس وقت تک کمزوری کا اظہار نہ کیا۔ جب تک کہ مسیلمہ کا نقش وجود صفحۂ ہستی سے محو نہ ہو گیا۔ یہ باغ جس میں مسیلمہ اور اس کے ہزارہا پیرو بھیڑ بکری کی طرح ذبح

کیے گئے۔اباض کے نام سے موسوم تھا۔لیکن بعد کو کثرت موت کے باعث حدیقۃ الموت کے نام سے مشہور ہو گیا۔آخر جب خلیفہ مامون عباسی کا زمانہ آیا تو اسحاق بن ابی قمیصہ نے اس جگہ ایک عالیشان جامع مسجد تعمیر کرائی۔

مسیلمہ کا قتل

جب مسیلمہ کو فلاح و رستگاری کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو زرہ اور خود پہن کر گھوڑے پر سوار ہوا اور ایک دستہ افواج کو ساتھ لے کر لڑتا بھڑتا باغ سے باہر نکلا۔جوں ہی باغ سے باہر آیا سید الشہداء حمزہؓ کے قاتل وحشی نے جو اس سے پیشتر مسلمان ہو چکا تھا اور لشکر اسلام میں شامل تھا اسے ایسا نیزہ مارا کہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکا۔معاً وہیں ٹھنڈا ہو گیا اور حضرت زید بن خطابؓ نے رحال بن عنفوہ کو جرعۂ مرگ چکھا کر واصل جہنم کیا۔مسیلمہ کے قتل میں دراصل دو مسلمانوں نے حصہ لیا تھا۔ایک وحشی نے اور دوسرا ایک انصاری نے۔پہلے وحشی نے ایک نیزہ رسید کیا۔جونہی اس پر نیزہ پڑا انصاری نے اسے اپنی تلوار پر لے لیا۔وحشی نے مسیلمہ کا سر قلم کر کے نیزے پر چڑھایا اور ایک عیار و فتنہ گر متنبی جس نے زمانے میں ہلچل ڈال رکھی تھی۔اس حسرت آباد دنیا سے بصد حسرت و اندوہ کوچ کر گیا۔وحشی بڑے فخر کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ میں حالت کفر میں ایک مقدس ترین ہستی کو جام شہادت پلا کر جہنم کے طبقہ اسفل کا مستحق ہو چکا تھا۔لیکن اس منعم لایزال کا شکر و احسان ہے کہ جس نے دین اسلام کا ربقہ سعادت میری گردن ڈالا اور تائید الٰہی نے ایک بدترین انسان کو میرے ہاتھ سے قتل کرا کے کسی حد تک میرے جرم کی تلافی کرا دی۔

لشکر اسلام کی فتح

جب مسیلمہ مارا گیا تو بنی حنیفہ سخت بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے۔جن پر چاروں طرف سے تلوار پڑنے لگی۔گو بنی حنیفہ نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔مگر قدوسیوں نے طاغوتیوں کو مار مار کر ان کے پرخچے اڑا دیئے۔آخر قصر ارتداد کو پیوند خاک ہونا پڑا اور مسیلمی اقبال آناً فاناً دامن ادبار میں روپوش ہو گیا۔ان معرکوں میں بنی حنیفہ کے اکیس ہزار اور اہل اسلام کے چھ سو آدمی کام آئے تھے۔یہ تعداد (ابن اثیر ج ۲ ص ۲۲۳) نے لکھی ہے۔لیکن حسب بیان (ابن خلدون ج ۲ ص ۲۱۱) شہدائے اسلام کی تعداد ایک ہزار اسی تھی۔

ایک مسیلمی نے حضرت ثابت بن قیسؓ کی ٹانگ کاٹ ڈالی تھی۔لیکن ان کی شجاعت دیکھئے کہ انہوں نے اس کو وہی ٹانگ اس زور سے ماری کہ معاً طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔مگر اس صدمہ کی وجہ سے انہوں نے خود بھی عنان حیات دار آخرت کو پھیر دی۔

حضرت سیف اللہ کفار مقتولین کی لاشوں پر

اختتام جنگ پر حضرت خالد بن ولید مجاعہ کو اپنے ساتھ لئے مقتولین اعداء کی طرف گذرے اور حکم دیا کہ مسیلمہ کی لاش تلاش کی جائے۔ چنانچہ مقتولوں کی دیکھ بھال شروع ہوئی۔ خالدؓ رفتہ رفتہ محکم الیمامہ کی لاش پر پہنچے جو ایک وجیہہ آدمی تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا یہی مسیلمہ ہے؟ مجاعہ نے کہا یہ وجیہہ و خوبرو آدمی محکم بن طفیل ہے۔ پھر ایک کم رو، زرد فام چپٹی ناک والے آدمی کی لاش پر سے گزرے۔ مجاعہ کہنے لگا جس لاش کی آپ کو تلاش ہے۔ وہ یہی ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے فرمایا اچھا وہی یہ شخص ہے جس نے تم لوگوں کو گمراہ کر کے دنیا اور عقبیٰ میں روسیاہ کیا؟۔ اس کے بعد رو بحلی، ومیم اور اخیس کی لاشوں کو دیکھ کر کہا کہ کیا یہی تمہارے سردار تھے اور یہی تم پر حکومت کرتے تھے؟۔

مجاعہ کی حیرت انگیز فریب کاری

مجاعہ انتہائی عیاری اور فریب کاری سے کام لے کہنے لگا کہ یہی لوگ میرے سردار تھے۔ لیکن آپ ان لوگوں کے قتل پر نازاں نہ ہوں۔ کیونکہ جن لوگوں سے آپ کو اب تک سابقہ پڑا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ لڑائی کے لئے بپھر رہے تھے اور دوسروں پر سبقت کر کے طرح جنگ ڈال دی تھی۔ حالانکہ بنی حنیفہ کی فوجوں کی فوجیں اور ان سے زیادہ جنگ آزما بہادر نبرد آزما ہونے کے لئے ہنوز پیچھے ہیں۔ جن سے قلعے اور حصون بھرے پڑے ہیں۔ اس لئے مناسب ہے کہ ان لوگوں کے پاس جلد سے جلد صلح کا پیغام بھیجئے اور اپنے تحفظ و بقا کے لئے مصالحت و آشتی کا شیوہ اختیار کیجئے اور اگر آپ مصالحت پر آمادہ ہوں تو مجھے رہا کر دیجئے۔ تا کہ اپنی قوم کے پاس جا کر آپ کی طرف سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی کروں۔ چونکہ لشکر اسلام کو بہت بڑا مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اور حضرت خالد لشکریوں کو کمر کھول دینے کا حکم دے چکے تھے۔ اس وجہ سے مجاعہ سے کہنے لگے کہ میں تجھے قید سے رہا کئے دیتا ہوں تو اپنی قوم میں جا اور ان کو اطاعت اختیار کرنے پر آمادہ کر۔ میں ان سے صرف ان کی جانوں کے متعلق صلح کر لوں گا۔

عورتوں اور بچوں کو مسلح کر کے فصیلوں پر کھڑا کر دیا

مجاعہ یہاں سے اہل یمامہ کے پاس گیا۔ اس وقت قلعوں میں عورتوں بچوں بیماروں اور شیوخ فانیہ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ مجاعہ نے انہی کو ہتھیاروں سے مسلح کیا۔ عورتوں سے کہ کہ وہ اپنے سر کے بال کھول کر چھاتی پر ڈال دیں اور اسلحہ لے کر شہر پناہ کی فصیل پر چڑھ جائیں۔ پھر وہ

حضرت خالدؓ کے پاس واپس آیا اور کہنے لگا کہ قلعہ والے تو آپ کے شرائط صلح کو ہرگز منظور نہیں کرتے۔ خالدؓ نے یمامہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس کی فصیلیں ہتھیاروں سے چمکتی نظر آئیں۔ حضرت خالدؓ کو یہ دیکھ کر یقین آ گیا کہ غنیم کے قلعے فوجوں سے معمور ہیں اور مسلمان لڑتے لڑتے بہت تھک گئے تھے اور لڑائی شروع ہوئے بھی ایک عرصہ گذر چکا تھا۔ اس لئے جناب خالدؓ نے مجاعہ سے ان کا نصف مال واسباب اور زمین جو بعد وغیر مزروعہ اور باغات اور قیدی لے کر صلح کر لینے پر رضامندی کا اظہار فرمایا۔ مجاعہ نے اس سے انکار کیا۔ آخر حضرت خالدؓ نے چوتھائی مال و اسباب وغیرہ منظور کر کے صلح کر لی۔

مجاعہ نے حیلہ گری کو قومی خدمت سے تعبیر کیا

جب معاہدہ صلح لکھا جا چکا اور حضرت خالدؓ قلعے کھول کر ان میں داخل ہوئے تو یہ معلوم کر کے ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہاں عورتوں اور ضعیفوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ خالدؓ نے مجاعہ سے کہا کمبخت! تو نے میرے ساتھ دغا کی اور فریب سے صلح نامہ لکھوایا۔ مجاعہ نے عرض کی اے امیر المسلمین! اگر میں یہ حیلہ نہ کرتا تو میری قوم میں کسی کی استطاعت باقی نہ رہتی۔ میرا قصور معاف فرمایئے۔ میں نے ان کی رسوائی کے خوف سے حیلہ سازی کی اور اپنی قوم کی جس قدر خدمت مجھ سے ہو سکی میں نے کی۔ افسوس ہے کہ اس وقت قوم مسلم میں ہزاروں ننگ اسلام افراد ایسے ہیں جو اپنے ذاتی مفاد اور حصول عز و جاہ کے لئے اسلام کو زخمی کرتے اور اغیار کا دست جور و استبداد مضبوط کر رہے ہیں۔ ایسے بدبختوں کو مجاعہ کے طریق عمل سے سبق آموز ہونا چاہئے۔ حضرت خالدؓ مجاعہ کا جواب سن کر خاموش ہو گئے اور باوجودیکہ یہ معاہدہ دھوکے اور فریب کاری کی بنا پر لکھا گیا تھا۔ لیکن چونکہ عہد کی پابندی مسلمان کا لازمی شعار ہے۔ حضرت خالدؓ نے اس معاہدہ کو علی حالہا قائم رکھا۔ مجاعہ کی تحریک سے بنی حنیفہ کے سات ممتاز افراد منتخب ہوئے۔ جنہوں نے حضرت خالدؓ سے صلح کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور مسیلمی عقائد سے توبہ کر کے از سر نو حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یاد رہے کہ یمامہ کی جنگ اور فتح ۱۲ھ کا واقعہ ہے۔

امیر المومنین کا فرمان کہ تمام بالغ مسیلمی بجرم ارتداد قتل کئے جائیں

اس اثنا میں امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ نے مسلمہ بن وقش کے ہاتھ حضرت خالدؓ کے نام ایک فرمان بھیجا جس میں لکھا تھا کہ اگر خدائے عزیز و برتر مرتدین پر فتحیاب کرے تو بنی حنیفہ میں سے جس قدر افراد بالغ ہو چکے ہوں وہ سب بجرم ارتداد قتل کئے جائیں اور عورتیں اور کم سن لڑکے حراست میں لے لئے جائیں۔ لیکن امیر المومنین کا فرمان پہنچنے سے پیشتر حضرت خالدؓ

معاہدہ کی تکمیل کر چکے تھے۔ اس مجبوری سے اس حکم کا نفاذ نہ ہو سکا۔

(تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۴۱۱ حالات مسیلمہ کذاب)

چند سال پیشتر مرزائیوں نے افغانستان میں نعمت اللہ مرتد کے سنگسار ہونے پر یہ کہتے ہوئے بڑا ادھم مچایا تھا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں۔ لیکن مرزائی لوگ حضرت صدیق اکبرؓ کو خلیفۂ رسول ﷺ مانتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ آپ کے اس حکم کو دلیل راہ بنائیں۔ اگر امیر المومنین کیا یہ حکم منشائے شریعت کے مطابق تھا اور "علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین" اور "اقتدوا بالذین من بعدی ابابکر و عمر" کے بموجب یقیناً منہاج شریعت کے عین مطابق اور واجب الاتباع ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جن لوگوں نے اسلام کے طریق قویم کو چھوڑ کر کسی متنبی کا مسلک ضلال اختیار کیا۔ وہ وقت کے مسلمان حاکم کے حکم سے واجب القتل نہ قرار پائیں۔

مفتوح نو مسلموں کا وفد مدینہ منورہ کو

حضرت خالد بن ولیدؓ نے بنی حنیفہ کے ایک گروہ کو وفد کی حیثیت سے امیر المومنین کے حضور میں اپنے عریضہ کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کیا جس میں مسیلمہ کے مارے جانے اہل یمامہ پر فتح پانے، معاہدہ صلح مرتب ہونے اور بنی حنیفہ کے از سر نو اسلام لانے کا مفصل حال درج تھا۔ امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ نے اہل وفد کو بکمال عزت باریاب فرمایا اور ان لوگوں سے مسیلمہ کی من گھڑت وحی کا کلام سنا۔ امیر المومنین نے فرمایا واللہ یہ خالق ارض و سما کا کلام نہیں ہو سکتا۔ وہ ذات بے ہمتا ہر قسم کے عیوب سے پاک و منزہ ہے۔ اس کے بعد امیر المومنین نے اہل وفد سے فرمایا جاؤ اپنی قوم میں رہو اور اسلام پر استقامت اور ثابت قدمی کا ثبوت دو۔ جس سے اللہ اور اس کا رسول برحق خوش ہوں۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا عتاب فرزند گرامی پر

اس معرکہ میں جس طرح خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کے فرزند گرامی حضرت عبد الرحمٰنؓ شریک ہوئے۔ اسی طرح خلیفۂ ثانی عمر فاروقؓ کے صاحبزادہ جناب عبد اللہ بن عمرؓ بھی شریک غزا تھے۔ جب لشکر اسلام مظفر و منصور مدینہ منورہ آیا اور حضرت عبد اللہؓ نے اپنی والد محترم سے ملاقات کی تو حضرت فاروق اعظمؓ نے ان سے فرمایا۔ یہ کیا بات ہے کہ تمہارا چچا (حضرت زید بن خطابؓ) تو شہید ہوا اور تم زندہ ہو؟ تم زیدؓ سے پہلے کیوں نہ مارے گئے؟۔ کیا تمہیں شہادت کا شوق نہ تھا؟۔ جناب عبد اللہؓ نے عرض کیا۔ اے والد محترم! چچا صاحب اور میں دونوں نے حق

تعالیٰ سے شہادت کی درخواست کی تھی۔ ان کی دعا مستجاب ہوئی۔ لیکن میں اس سعادت سے محروم رہا۔ حالانکہ چچا صاحب کی طرح میں نے بھی تمنائے شہادت کی تکمیل میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا۔

صحابہ کرامؓ جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے

جنگ یمامہ میں حضرت سرور کائنات ﷺ کے جو اصحاب رضوان اللہ علیہم شہید ہوئے۔ ابن اثیر نے ان میں سے مندرجہ ذیل اتنالیس حضرات کے اسمائے گرامی قلمبند کئے ہیں۔ (۱) عباد ابن بشر انصاری اشہلی جو غزوہ بدر اور دوسرے غزوات میں شریک تھے۔ (۲) عباد ابن حارث انصاری جو جنگ احد میں شریک تھے۔ (۳) عمیر ابن اوس شریک احد۔ (۴) عامر ابن ثابت بن سلمہ انصاری۔ (۵) عمارہ ابن حزم انصاری جو غزوہ بدر میں شریک تھے۔ (۶) علی بن عبید اللہ ابن حارث۔ (۷) عائز ابن ماعص انصاری۔ (۸) فروہ بن نعمان جو جنگ احد میں شریک تھے۔ (۹) قیس ابن حارث بن عدی انصاری شریک جنگ احد۔ (۱۰) سعد بن جماز انصاری شریک غزوہ احد۔ (۱۱) ابودجانہ انصاری بدری۔ (۱۲) سلمہ بن مسعود ابن سنان انصاری۔ (۱۳) سائب بن عثمان ابن مظعون جو مہاجرین حبش میں داخل اور جنگ بدر میں موجود تھے۔ (۱۴) سائب ابن عوام جو حضرت زبیرؓ کے حقیقی بھائی اور سید المرسلین ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ (۱۵) طفیل ابن عمرو الدوسی شریک غزوہ خیبر۔ (۱۶) زرارہ ابن قیس انصاری۔ (۱۷) مالک ابن عمرو سلمی بدری۔ (۱۸) مالک ابن امیہ سلمی بدری۔ (۱۹) مالک ابن عوس ابن عتیک انصاری جو احد میں شریک تھے۔ (۲۰) معن ابن عدی جو عقبہ اور بدر وغیرہ غزوات میں شریک تھے۔ (۲۱) مسعود ابن سنان اسود شریک غزوہ احد۔ (۲۲) نعمان ابن عصر بدری۔ (۲۳) صفوان۔ (۲۴) اور مالک عمرو السمی کے بیٹے جو بدری تھے۔ (۲۵) ضرار ابن ازور اسدی جنہوں نے خالدؓ کے حکم سے مالک بن نویرہ کو قتل کیا۔ (۲۶) عبداللہ بن حارث سہمی۔ (۲۷) عبداللہ ابن مخرمہ بن عبدالعزیٰ جو بدر وغیرہ غزوات میں شریک تھے۔ (۲۸) عبداللہ ابن عبداللہ بن ابی ابن سلول (مشہور منافق کے بیٹے) جو بدری تھے۔ (۲۹) عبداللہ ابن عتیک انصاری بدری۔ (۳۰) شجاع بن ابی وہب اسدی بدری۔ (۳۱) ہریم ابن عبداللہ مطلبی قرشی اور (۳۲) ان کے بھائی جنادہ۔ (۳۳) ولید ابن عبدشمس بن مغیرہ مخزومی جو خالدؓ کے عم زاد بھائی تھے۔ (۳۴) ورقہ ابن ایاس بن عمرو انصاری بدری۔ (۳۵) یزید ابن اوس جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے۔ (۳۶) ابوحبہ ابن غزیہ انصاری جو

احد میں موجود تھے۔ (۳۷) ابوعقیل بلوی بدری۔ (۳۸) ابوقیس ابن حارث بھی جو مہاجرین حبش میں داخل اور جنگ احد میں شریک تھے۔ (۳۹) یزید بن ثابت جو زید ابن ثابت انصاری کے بھائی تھے۔ (رضی اللہ عنہم)

علامہ بلاذری نے جو فہرست دی ہے۔ اس میں حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ جو امیر معاویہؓ کے ماموں اور بدری صحابی ہیں اور ان کے غلام ابوعبداللہ سالم اور بعض دوسرے حضرات کے نام بھی پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض مورخین نے چند اور نام بھی بتائے ہیں:

(باستثناء ان حالات وواقعات کے جن کے حوالے صفحات کے آخیر میں خط کے نیچے درج کیے گئے ہیں۔ اس باب کی مضامین ابن اثیر ج ۲ ص ۱۴۶، ابن خلدون اور بلاذری کی البدان سے ماخوذ ہیں۔

باب ۵ ...... سجاح بنت حارث تمیمیہ

جس طرح موسم برسات کے آغاز میں بسیط ارض پر طرح طرح کی نئی مخلوق ظاہر ہونے لگتی ہے۔ سینکڑوں قسم کے کیڑے مکوڑے ادھر ادھر رینگتے دکھائی دیتے ہیں اور ہزاروں لاکھوں پتنگے فضائے محیط پر مسلط ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت فخر موجودات ﷺ جب قصر نبوت کی تکمیل فرما کر اس خراب آباد عالم صوری سے اوجھل ہوئے۔ بیسوں ہوا پرست مدعی اٹھ کھڑے ہوئے اور بہتوں نے خود ساختہ نبوت کی دکانیں کھول کر اپنے تقدس کی ڈفلی بجانی شروع کردی۔ سجاح بھی انہیں برساتی نبیوں میں سے ایک نبیہ تھی۔ جسے مسیلمہ کذاب کی دیکھا دیکھی نبوت کی دکان آرائی کا حوصلہ ہوا۔ بعض مورخوں نے اسے سجاح بنت حارث بن سوید بن عقفان لکھا ہے۔ دوسروں نے سے سوید بن یربوع کی دختر قرار دیا ہے۔ ہوازن کے قبیلہ بنی تمیم میں پیدا ہوئی اور اس کا نشوونما عرب کے شمال مشرق میں اس سرزمین میں ہوا جو آج کل عراق عرب کہلاتا ہے اور شائد اسی کو دو دریاؤں دجلہ فرات کے مابین واقع ہونے کی وجہ سے الجزیرہ بھی کہتے ہیں۔ سجاح مذہباً عیسائی اور نہایت فصیح وبلیغ اور بلند حوصلہ عورت تھی۔ اسے تقریر وگویائی میں ید طولیٰ حاصل تھا اور جدت فہم، جودت طبع اور اصابت رائے میں نظیر نہ رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ اپنے زمانہ کی مشہور کاہنہ تھی اور کہا کرتی تھی کہ میری اور سطیح کی ایک ہی رائے ہے اور ان سب خوبیوں پر مستزاد یہ کہ ابھی شباب کا عالم اور دلربائی کا زمانہ تھا اور ظاہر ہے کہ یہ جملہ صفات ایسے نہ تھے جو کسی کی صید افگنی میں ناکام وبے مراد رہتے۔

دعوئی نبوت

جب سجاح نے اپنی ہونہار فطرت پر نظر کی اور دیکھا کہ مسیلمہ نے بستر بیری پر دعویٰ نبوت کر کے اتنا عروج واقتدار حاصل کر لیا۔ اسے بھی اپنی جوہر خداداد سے فائدہ اٹھا کر کچھ کرنا چاہیے۔ تو مسیلمہ کی طرح نبوت کا کاروبار جاری کرنے کے قضیہ پر غور کرنے لگی۔ آخر جونہی سید العرب والعجم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر وفات سنی نبوت اور وحی الٰہی کی دعویدار بن بیٹھی۔ سب سے پہلے بنی تغلب نے اس کی نبوت کو تسلیم کیا۔ جن کی وجہ سے اس میں ایک گونہ قوت آ گئی۔ ہذیل بن عمران جو بنو تغلب کا ایک نامور سردار اور عیسوی المذہب تھا۔ دین مسیحی چھوڑ کر سجاح پر ایمان لے آیا۔ سجاح کو جب اتنی قوت حاصل ہو گئی تو اس نے تبلیغ و دعوت کا سلسلہ شروع کیا۔ چنانچہ مسجع ومقفا عبارتوں میں خطوط لکھ لکھ کر تمام قبائل کو اپنے کیش جدید کی دعوت دی۔ جن کی وجہ سے صدہا عرب نعمت اسلام سے محروم ہو کر بادیہ جہالت و بادیہ ضلالت میں سرگردان ہونے لگے۔ مالک ابن ہبیرہ رئیس بنی تمیم کے نام ایک خط لکھا تھا۔ وہ اس مکتوب کی فصاحت و بلاغت دیکھ کر اس کا گرویدہ ہو گیا۔ سر آنکھوں پر چل کر جبہ سا ہوا اور ترک اسلام کر کے مرتد ہو گیا۔ بہت سے دوسرے قبائل بھی ترک اسلام کر کے سجاح کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ جن میں احنف بن قیس اور حارث بن بدر جیسے معزز شرفاء اس کی حمایت میں نمایاں سرگرمی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس کے بعد زیاد ابن ہلال بنی ایاد کے لوگوں کے ساتھ، عقہ ابن ہلال بنی نمر کے ساتھ سلیل بن قیس بن شیبان کی معیت میں اس کے لشکر میں آ شامل ہوئے اور سجاح کے جھنڈے تلے ایک لشکر جرار جمع ہو گیا۔ اس لئے اب وہ اپنے سب سے بڑے دشمن یعنی اسلام کے (معاذ اللہ) قلع قمع کی تدبیریں سوچنے لگی۔ حضرت سید العرب و العجم ﷺ کے وصال کے وقت قبیلہ بنی تمیم کے اندر اسلامی عمال اس تفصیل سے تھے۔ قبائل رباب، عوف، اور انباء میں زبرقان بن بدر قبائل مقاعس اور بطون میں قیس بن عاصم، بنو عمرو بن صفوان بن صفوان، بنو مالک میں وکیع بن مالک اور حنظلہ میں مالک بن نویرہ۔ جب خواجہ عالم ﷺ کے وصال کی خبر مشہور ہوئی تو صفوان صدقات بنی عمرو اور زبرقان رباب، انباء اور عوف کے صدقات لے کر خلیفہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوئے۔ لیکن قیس ابن عاصم مقاعس و بطون کے صدقات وصول کر کے مستقبل کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ باقی رہے وہ لوگ جو اسلام پر ثابت قدم تھے۔ وہ ان لوگوں کے فتنہ و فساد میں الجھ گئے جو عواقب امور کا انتظار کر رہے تھے یا علانیہ مرتد ہو گئے تھے۔ اس اثناء میں سجاح بنت حارث نے بھی دعو

نبوت کے ساتھ خروج کیا اور اپنے پیرودں کو لئے ہوئے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے اور مسلمانوں سے لڑنے چلی۔

عروج اقبال کا دور

بنی تمیم میں اختلاف تو پہلے ہی تھا۔ سجاح کے خروج نے آگ پر تیل کا کام دیا۔ مالک بن نویرہ نے سجاح سے مصالحت کر لی اور اسے مدینہ پر فوج کشی کرنے سے روکا اور کہا کہ آپ سردست مسلمانوں سے کسی طرح عہدہ برآ نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے سجاح نے اسلامیوں سے الجھنے سے پیشتر عربوں کو باہم لڑانے اور غیر مسلم اعداء سے نبٹنے کی صلاح ٹھرائی۔ مالک بن نویرہ نے اسے بنی تمیم پر حملہ کرنے کی تحریک کی۔ سجاح کا لشکر سیل کی طرح بن تمیم پر جا پڑا۔ بنی تمیم سجاح کے حملہ کی تاب نہ لاکر بے اوسان بھاگے اور وکیع بن مالک سجاح سے مل گیا۔ البتہ قبایل بنی رباب اور ضبہ نے متفق ہوکر سجاح کا خوب جم کر مقابلہ کیا۔ ایک گھمسان کا رن پڑا۔ جس میں سجاح کو ہزیمت ہوئی اور اس کے کئی زبردست اور کار آزمودہ افسر گرفتار ہو گئے۔ لیکن اس کے بعد دونوں قبیلوں نے سجاح سے مصالحت کر لی۔ اب سجاح اپنی سابق قرارداد کے بموجب اپنا لاؤ لشکر لئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئی۔ جب نباح کے مقام پر پہنچی تو اوس بن خزیمہ نے بنی عمرو کو لے کر راستہ ہی میں اس پر حملہ کر دیا۔ فریقین میں بڑا بھاری رن پڑا۔ سجاح کے پیرووں میں سے ہذیل اور عقبہ گرفتار ہو گئے۔ لیکن پرفن سجاح کی حکمت عملی کامیاب ہوئی اور فریقین نے ان شرائط پر کہ اوس بن خزیمہ سجاح کے قیدیوں کو چھوڑ دے اور سجاح بلاد اوس میں کسی قسم کی دست درازی نہ کرے مصالحت کر لی اور اس واقعہ کے بعد مالک بن نویرہ اور وکیع بن مالک اس سے علیحدہ ہوکر اپنی قوم میں چلے گئے۔ سجاح نے انہیں باز رکھنے کی بہتیری کوشش کی۔ لیکن بالآخر ان کی اعانت سے دست بردار ہونا پڑا۔

سجاح کی فوج کشی یمامہ پر

سجاح نے اسی رات ایک مسجع عبارت تیار کی اور صبح کے وقت فوج کے سرداروں کو جمع کر کے کہنے لگی کہ اب میں وحی الٰہی کی ہدایت کے بموجب یمامہ پر حملہ کرنا چاہتی ہوں۔ یمامہ وہ جگہ تھی جہاں مسیلمہ کذاب مشہور مدعی نبوت کوس انا ولا غیری بجا رہا تھا۔ سجاح فوج کثیر کے ساتھ ارض یمامہ کی طرف روانہ ہوئی۔ ادھر امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ سجاح کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ شرحبیل بن حسنہ اور حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل بھی ساتھ تھے۔ خالدؓ آگے بڑھے تو خبر ملی کہ اسلام کے دو مشترک

دشمن باہم نبرد آزما ہونے کو ہیں تو وہاں سے پیچھے ہٹ آئے۔

جب مسیلمہ کو سجاح کے دعوئی نبوت اور اس کے لشکر کے سر پر آ پہنچنے کی اطلاع ملی تو اس کی کشتی خاطر دریائے اضطراب میں ہچکولے کھانے لگی۔ مسیلمہ نے یہ خیال کر کے کہ اگر سجاح سے تعرض کیا جائے گا اور اس سے مڈبھیڑ کی نوبت آئے گی تو ادھر ثمامہ بن اثال یمامہ میں اس ضرور چھیڑ چھاڑ کرے گا اور دوسری طرف شرحبیل بن حسنہ بھی عساکر اسلام کو لے کر شبخون اور غارتگری پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اس لئے اس نے آج کل کی یورپین قوموں کی طرح حرب و پیکار کے بجائے عیاری و کیادی سے کام لینا چاہا۔ چنانچہ سجاح کے پاس ہدایا و نفائیس بھیج کر اس سے دوستی پیدا کرنے کا ڈھنگ ڈالا اور کہلا بھیجا کہ پہلے عرب کے کل بلاد نصف ہمارے تھے اور نصف قریش کے۔ لیکن چونکہ قریش نے بدعہدی کی۔ اس لئے وہ نصف میں تمہیں دیتا ہوں اور یہ بھی پیغام دیا کہ مجھے آپ کی ملاقات کا کمال اشتیاق ہے۔ اگر حاضری کی اجازت ہو تو بڑی ذرہ نوازی ہوگی۔

سجاح نے ملاقات کی اجازت دی۔

عشق ومحبت کی کمند میں پھانسنے کی تدبیر

مسیلمہ بنی حنیفہ کے چالیس ہوشیار پیروؤں کو ساتھ لے کر سجاح کے پاس پہنچا اور بڑے تپاک اور الفت سے ملا۔ اس کی صورت و سیرت اور صباحت و ملاحت کا نظر غائر سے مطالعہ کیا اور حالات گرد و پیش کا اندازہ کر کے یقین ہو گیا کہ اس سے جنگ و جدال کے ذریعہ سے پیش پانا دشوار ہے۔ عورت ذات عشق و محبت کے کمند میں پھنسا کر ہی رام کی جاسکے گی۔ مسیلمہ نے سجاح سے درخواست کی کہ آپ میری دعوت قبول کریں اور میرے خیمہ تک تشریف لے جا کر مجھے سرفراز فرمائیں۔ وہیں پہنچ کر میں آپ کی رنگین بیانی سے فائدہ اٹھاؤں گا اور اسی مقام پر ہم دونوں اپنی اپنی نبوت کا تذکرہ درمیان میں لائیں گے۔ سجاح جو پیرایہ حزم و دور اندیشی سے بالکل عاری تھی فوراً رضامند ہو گئی اور یہ بھی وعدہ کر لیا کہ دونوں کے آدمی خیمہ سے دور رہیں گے۔ کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس کامیابی پر اس پیر فرتوت کی باچھیں کھل گئیں اور چشم دل حصول مقصد کے نور سے روشن ہو گئی۔ مسیلمہ ملاقات کر کے واپس آیا اور جوش مسرت اور فرط انبساط سے پھولا جامے میں نہ سماتا تھا۔ حکم دیا کہ ایک نہایت خوش نما اور پر تکلف خیمہ فوراً نصب کیا جائے۔ اس حکم کی آناً فاناً تعمیل ہوئی۔ مسیلمہ نے اس محبوب دلنواز کا کشور دل فتح کرنے کے لئے اسے اعلیٰ قسم کے اسباب عشرت اور سامان زینت سے آراستہ کیا۔ انواع و اقسام کے عطریات مہیا کئے اور خیمہ کو ہر طرح سے بنا چنا کے حجلۂ عروسی بنا دیا۔ جب تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تو حور طلعت سجاح بن سنور

کے اور جوبن نکھار کے حسن و لطافت کے پھول برساتی معشوقانہ انداز کے ساتھ خراماں خراماں آپہنچی۔ مسیلمہ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ نہایت نرم اور گدگدے ریشمین گدیلے پر بٹھایا اور اس سے میٹھی میٹھی باتیں شروع کیں۔ خوشبو کی لپٹوں نے سجاح کو مست و مسرور کر دیا تھا۔ مسیلمہ جانتا تھا کہ جب عورت خوشبو سے مست ہوتی ہے تو وہ مرد کی طرف جلد مائل ہوتی ہے اور گو مسیلمہ اس وقت نہایت سن رسیدہ تھا۔ لیکن اس کے قویٰ کچھ زیادہ مضمحل نہ ہوئے تھے۔ مسیلمہ نے کہا اگر جناب پر حال ہی میں کوئی وحی نازل ہوئی ہو تو سنایئے۔ سجاح بولی نہیں۔ پہلے آپ اپنی وحی کے الفاظ سنائیں۔ کیونکہ میں پھر بھی عورت ذات ہوں۔ اس جواب سے مسیلمہ بھانپ گیا کہ سجاح میں نبوت کا حوصلہ اس کی نسبت بہت پست ہے اور سجاح کی پیغمبری بھی اس کے دعوئے نبوت کی طرح محض بناوٹی اور رغانہ ساز ہے۔

چٹ منگنی پٹ بیاہ

اب مسیلمہ اپنی نبوت سے محبت و عشق بازی کا کام لینے لگا اور بولا مجھ پر یہ وحی اتری ہے۔ الم تر الی ربك كيف فعل بالحبلى اخرج منهانسمة تسعى بين صفاق وحشى! کیا تم اپنے پروردگار کو نہیں دیکھتے کہ وہ حاملہ عورتوں سے کیا سلوک کرتا ہے۔ ان سے چلتے پھرتے جاندار نکالتا ہے جو نکلتے وقت پردوں اور جھلیوں کے درمیان لپٹے ہوتے ہیں۔

چونکہ یہ وحی بمقتضائے جوانی سجاح کی نفسانی خواہشوں سے مطابقت رکھتی تھی۔ شباب کی امنگوں نے گدگدانا شروع کیا اور بولی اچھا کوئی اور وحی بھی سنایئے! جب مسیلمہ نے دیکھا کہ اس نازنین نے اتنی نوک جھونک کو گوارا کر لیا اور برا ماننے کے بجائے خوش ہوئی تو اس کا حوصلہ اور بڑھا۔ تکلف، شرم اور جھجک کا پردہ درمیان سے اٹھ گیا اور کہنے لگا حق تعالیٰ نے یہ آیتیں بھی نازل فرمائی ہیں: ان الله خلق للنساء افراجاً وجعل الرجال لهن ازواجاً فتولج فهن ايلا جاثم نخرجنا اذانشاء اخراجاً فينتجن لنا سخالاً انتاجاً! (ابن اثیر ج ۲ ص ۲۱۳) وغیرہ چونکہ مضمون سخت فحش ہے۔ اس لئے ترجمہ قلم زد کر دیا گیا۔

اس شرمناک اور شہوت انگیز ابلیسی وحی نے سجاح پر پورا پورا اثر کیا۔ اب کیا تھا۔ مسیلمہ کی منہ مانگی مراد پوری ہوئی۔ کہنے لگا۔ سنو خدائے برتر نے نصف زمین مجھے دی تھی اور نصف قریش کو۔ مگر قریش نے ناانصافی کی۔ جس کی وجہ سے رب العزت نے قریش سے ان کا نصف حصہ چھین کر تمہیں عطا کر دیا۔ لیکن کمال صدق و اخلاص سے کہتا ہوں کہ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ تم مجھے اپنی ہم نشینی کیلئے قبول کرو اور ہم تم دونوں باہم عقد کر لیں۔ کیونکہ اگر ہماری یہ دونوں فوجیں مل

گئیں تو ہم سارے عرب پر قبضہ کرلیں گے۔ اب اس کمزور دل عورت پر مسیلمہ کا جادو پوری طرح چل چکا تھا۔ بولی مجھے منظور ہے۔ یہ حوصلہ افزا جواب سن کر مسیلمہ کے دل کا کنول کھل گیا اور وفور مسرت سے کہنے لگا۔ پھر دیر کا ہے کی ہے؟ آؤ ذرا گلے لگ جاؤ۔ اب گستاخی وبے حیائی کا حوصلہ اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ مسیلمہ مندرجہ ذیل نشاط انگیز، ہیج اور نہایت فحش اشعار زبان پر لایا: الا قومی الی المخدع، فقد هيئي لك المضجع، فان شئت فرشناك وان شئت على اربع، وان شئت بثلثيه، وان شئت به اجمع! اس کے بعد چند، ان سے بھی زیادہ فحش اشعار زبان پر لایا۔ سجاح خوشبوؤں سے پہلے ہی برانگیختہ ہو چکی تھی۔ فواحشات نے اسے اور بھی دو آتشہ کردیا۔ چنانچہ نظام حواس درہم برہم ہو گیا اور شرم کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ ہوائے دل ہوس راشد عناں گیر شکیب از سینہ بیروں جست چوں تیر۔ آخر بے حیائی کا منہ کھول کر بے خود وار کہنے لگی۔ اچھا اپنی خواہش جس طرح چاہو پوری کرلو۔ یہ سن کر مسیلمہ کا نخل امید بارور ہوا اور نہایت مسرت کے لہجہ میں مسکرا کر کہنے لگا۔ ہاں مجھے بھی ایسا ہی کرنے کا حکم ملا ہے۔ الغرض ہر دو شیفتگان محبت نے "میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی" کے مشہور مقولہ پر عمل کر کے باہمی رضامندی سے چٹ منگنی پٹ بیاہ کی مثل پوری کر دکھائی اور بغیر کسی کو اطلاع کئے اندر ہی اندر باہم عقد کرلیا۔

دلہا دلہن بساط عیش پر

باہر دونوں مدعیان نبوت کے پیروانجام ملاقات معلوم کرنے کے لئے چشم براہ اور گوش برآواز بنے ہوئے تھے اور خوش اعتقاد امتی یہ گمان کر رہے تھے کہ ہر مسئلہ پر بہت کچھ ردوقدح ہو رہی ہوگی اور بحث واختلاف کے تصفیہ کے لئے وحی خداوندی کا انتظار کیا جاتا ہوگا۔ مگر یہاں دونوں پرشوق دلہا دلہن بساط نشاط اور سریر طرب پر بیٹھے بہار کامرانی کے مزے لوٹ رہے تھے۔ شوق وصال اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ تین دن تک باہر نہ نکلے۔ خصوصاً مسیلمہ کی بلند طالعی کا کیا کہنا ہے کہ جسے آفتاب حیات کے لب بام آنے پر بھی سجاح جیسی ہمپایہ محبوبہ گلعذار کی دولت وصل میسر ہوئی اور جس نے اس پیر فرتوت کے مردہ دل کو حیات تازہ بخشدی اور اس نیرنگ سازی قدرت کے کرشمے دیکھو کہ جس نے دشمن خونخوار کو محبوب دلنواز کی حیثیت سے پہلو میں لا بٹھایا۔

سجاح کا مہر

جب تین روز کے بعد ارمان بھرے دلوں کی آرزوئیں پوری ہوگئیں تو سجاح اپنی نبوت کو خاک میں ملا کر اور مسیلمہ سے شکست کھا کر عرق انفعال میں ڈوبی اپنے لشکر میں واپس آئی۔ اس کے سرداروں اور فوجیوں نے جن کے صبر وانتظار کا پیالہ لبریز ہو چکا تھا۔ صورت دیکھتے ہی

پوچھا کہ مسیلمہ سے کیا ٹھری؟ اس نے جواب دیا کہ وہ بھی نبی برحق ہے۔ میں نے اس کی نبوت تسلیم کر کے اس سے نکاح کر لیا ہے۔ کیونکہ تمہاری مرسلہ کو ایک مرسل کی اشد ضرورت تھی۔ انہوں نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ مہر کیا قرار پایا؟ سجاح نے شرمگین آنکھیں نیچی کر لیں۔ نادم چہرہ زمین کی طرف جھک گیا اور نہایت سادگی کے عالم میں کہنے لگی کہ میں مسیلمہ سے یہ بات پوچھنا تو بھول ہی گئی۔ معتقدوں نے بصد نیاز عرض کیا حضور بہتر ہے کہ آپ اسی وقت تشریف لے جا کر اپنے مہر کا تصفیہ کر لیجئے۔ کیونکہ کوئی عورت مہر کے بغیر اپنے آپ کو کسی کی زوجیت میں نہیں دیتی۔ سجاح جو اپنا جوہر عصمت بے داموں بیچ چکی تھی۔ ان کے مجبور کرنے سے اس وقت خجلت زدہ پلٹی۔ لیکن اس اثناء میں مسیلمہ نہایت شتاب زدگی کے ساتھ رخصت ہو کر اپنے قلعہ میں متحصن ہو چکا تھا اور دروازے بند کر لئے تھے۔ وہ دل میں اس بات پر سہا ہوا تھا کہ مبادا سجاح کے پیرو اس عقد کو اپنی توہین خیال کر کے اس پر یورش کر دیں۔ سجاح قلعہ پر پہنچی۔ جب دروازے پر پہنچ کر اطلاع کرائی تو مسیلمہ کو اس قدر خوف دامن گیر ہو رہا تھا کہ اسے باہر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ چھت پر آ کر سامنے کھڑا ہوا اور پوچھا اب کس لئے آنا ہوا؟ سجاح کہنے لگی مجھ سے نکاح تو ہوا۔ مگر میرا مہر تو بتاؤ؟ مسیلمہ نے دریافت کیا۔ تمہارے ساتھ تمہارا منادی بھی آیا ہے؟ سجاح نے جواب دیا ہاں شیث بن ربیع میرا مؤذن موجود ہے۔ مسیلمہ نے اس سے کہا تم جا کر منادی کر دو کہ محمد ﷺ خدا کے پاس سے پانچ نمازیں لائے تھے۔ رب العزت نے ان میں سے عشاء اور صبح کی نمازیں مومنوں کو سجاح کے مہر میں معاف کر دیں۔

سجاح یہ مہر پا کر واپس چلی تو اس کے اصحاب کبار میں سے عطا ابن حاجب، عمرو ابن ایہم، غیلان ابن خرشہ اور اس کا مؤذن شیث بن ربیع نہایت خاموش اور شرمسار اس کے ہمراہ رکاب جا رہے تھے۔ عطا بن حاجب نے اپنی حالت پر غور کیا تو اسے استعجاب سا معلوم ہوا اور اس نے یہ شعر پڑھا:

امست نبینا انثی نطوف بها واصبحت انبیاء الناس ذکرانا ! ہماری پیغمبر عورت ہے۔ جسے ہم ساتھ لئے پھرتے ہیں۔ حالانکہ اور لوگوں کے پیغمبر مرد ہوتے ہیں۔

شرائط صلح

مسیلمہ سے صلح تو ہو گئی تھی۔ دوسرے دن شرائط صلح کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ مسیلمہ نے کہا میں تمہیں علاقہ یمامہ کے ایک سال کے محاصل دیتا ہوں۔ نصف تو اب لے لو اور باقی نصف کے لئے اپنا کوئی مختار چھوڑ جاؤ۔ سجاح نے یہ شرط قبول کر لی اور اپنے معتمدین میں سے

ہذیل، عقبہ اور زیاد کو یمامہ میں چھوڑ کر خود اپنا لاؤ لشکر لئے جزیرہ کی طرف واپس روانہ ہوئی۔ اتفاق سے حضرت خالدؓ بن ولید اسلامی لشکر لئے ہوئے اس سے سرراہ ملاقی ہوئے۔ سجاح کی فوج اسلامی لشکر کو دیکھتے ہی بدحواس ہو کر بھاگی اور خود سجاح جزیرہ میں جا کر مقیم ہو گئی۔ حضرت خالد بن ولید علم اسلامی لئے ہوئے یمامہ پہنچے۔ مسیلمہ قتل ہوا اور جن لوگوں کو سجاح ملک کی نصف آمدنی وصول کرنے کے لئے یمامہ میں چھوڑ گئی تھی۔ وہ پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

سجاح کا قبول اسلام

سجاح کے بہت سے سمجھ دار امتی نکاح کے واقعہ سے بداعتقاد ہو کر اس سے الگ ہو گئے تھے اور اس دن سے اس کی جمعیت میں بجائے ترقی کے انحطاط شروع ہو چلا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ اس نے دارالخلافہ مدینہ پر حملہ کرنے کا خیال ہمیشہ کے لئے دل سے نکال دیا۔ آخر کار وہ قبیلہ بنی تغلب میں جس سے وہ ننہالی قرابت رکھتی تھی۔ رہ کر امن و امان اور خموشی کی زندگی بسر کرنے لگی۔ یہاں تک کہ جب حضرت امیر معاویہؓ کا زمانہ آیا تو ایک سال سخت قحط پڑا جس میں انہوں نے بنی تغلب کو بصرہ میں آباد کرایا۔ سجاح بھی ان کے ہمراہ بصرہ میں آ گئی اور اس نے اور اس کی ساری قوم نے اسلام قبول کر لیا۔ سجاح سے مسلمان ہونے کے بعد پوری دینداری اور پرہیزگاری ظاہر ہوئی اور اس نے اسی حالت ایمان میں توسن حیات کی باگ ملک آخرت کو پھیر دی۔ حضرت سمرہ ابن جندبؓ نے جو حضور سرور کائنات ﷺ کے صحابی اور ان دنوں بصرہ کے حاکم تھے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (الکامل فی التاریخ، ج ۲ ص ۲۱۶)

باب ۶ ...... مختار ابن ابو عبید ثقفی

فصل: ۱...... خارجی سے شیعہ بننے کے اسباب

مختار کے والد حضرت ابو عبید مسعود ثقفی جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ مگر یہ خود فیض یاب خدمت نہ تھا اور کوئی ذی علم آدمی تھا۔ لیکن اس کا ظاہر باطن سے متغائر اور افعال و اعمال تقویٰ سے عاری تھے۔ اوائل میں خارجی المذہب تھا اور اسے اہل بیت نبوت سے جو بغض و عناد تھا۔ اس کا اندازہ اس تحریک و تجویز سے ہو سکتا ہے جو اس نے حضرت امام حسن مجتبیٰؓ کے خلاف اپنے چچا کے سامنے پیش کی تھی۔

امام حسن مجتبیٰؓ پر قاتلانہ حملہ

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، صفین سے مراجعت

فرمائے کوفہ ہونے کے بعد از سر نو تجہیز لشکر میں معروف ہو گئے تھے اور چالیس ہزار آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور عہد کیا تھا کہ مدت العمر حضرت خلافت مآب کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ بعد میں یہ لوگ شیعان علیؓ کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت امیر المومنین علیؓ شام کی تیاریوں میں معروف تھے کہ آپ کو کوفہ میں جرعہ شہادت پلا کر روضہ رضوان میں پہنچا دیا گیا۔ جناب علی مرتضیٰؓ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادہ حضرت حسن مجتبیٰؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ اس وقت جناب حسن مجتبیٰؓ نے بیعت کرنے والوں سے یہ شرط کی کہ وہ لوگ ہر حالت میں اطاعت پذیر رہیں گے۔ جس سے صلح کروں اس سے صلح کریں گے اور جس سے جنگ کروں اس جنگ آزما ہوں گے۔ اس شرط پر شیعان علیؓ آپ کی طرف سے بدگمان ہو گئے اور کہنے لگے۔ یہ ہمارے مفید مطلب نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا ارادہ جنگ آزما ہونے کا ہی معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت حسنؓ کی بیعت کو تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ ایک شیعہ صاحب نے آپ پر برچھی کا وار کر دیا (تاریخ طبری ج۴ص۱۲۶) جو اوچھا پڑا۔ آپ زخمی ہوئے۔ مگر بچ گئے۔ حضرت امام حسنؓ شیعان علیؓ کی اس شقاوت پسندی پر سخت ملول ہوئے۔ لیکن ضبط و تحمل سے کام لے کر خاموش ہو گئے۔

حضرت حسن مجتبیٰؓ کا مال و اسباب لوٹ لیا

اس اثناء میں آپ کو اطلاع ملی کہ امیر معاویہؓ فوج گران کے ساتھ دارالخلافہ کوفہ پر حملہ آور ہونے کے لئے شام سے چل پڑے ہیں۔ یہ سنتے ہی امام حسن مجتبیٰؓ بھی اس لشکر کی معیت میں جس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ امیر معاویہؓ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جب امیر معاویہؓ کی فوج مسکن کے مقام پر پہنچی تو امام حسنؓ نے اس وقت مدائن میں نزول اجلال فرمایا۔ جناب حسنؓ نے حضرت سعد ابن عبادہ انصاریؓ کے صاحبزادہ قیسؓ کو بارہ ہزار فوج کے مقدمۃ الجیش کا سردار بنا کر لشکر شام کے مقابلہ میں روانہ فرمایا۔ خود امام حسنؓ ابھی مدائن ہی میں اقامت گزیں تھے کہ کسی نے آواز بلند پکار دیا کہ قیسؓ ابن سعد شہید ہو گئے۔ یہاں سے بھاگ چلو۔ یہ سنتے ہی شیعان علیؓ جناب حسن مجتبیٰؓ کے خیمہ میں گھس گئے اور آپ کا مال و اسباب لوٹنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ جس فرش پر آپ تشریف فرما تھے۔ اسے بھی آپ کے نیچے سے کھینچ لیا گیا۔ حضرت حسن مجتبیٰؓ بے یار و مددگار مدائن کے مقصورہ بیضاء میں جا پناہ گزین ہوئے۔

(تاریخ طبری ج۴ص۱۲۵)

امام حسنؓ کو گرفتار کر کے امیر معاویہؓ کے حوالہ کرنیکی ترغیب

ان دنوں حضرت ابوعبیدا ابن مسعود ثقفیؓ کے بھائی سعد ابن مسعود ثقفی مدائن کے حاکم

تھے اور مختار ابن ابوعبید ثقفی بھی جس کا نام زیب عنوان ہے مدائن میں تھا۔ حضرت حسنؓ کو عالم بیکسی میں دیکھ کر اپنے چچا سعد ابن مسعود ثقفی سے کہنے لگا کہ چچا صاحب! اگر آپ کو ترقی جاہ واقتدار کی خواہش ہو تو میں ایک آسان ترکیب بتاتا ہوں۔ جناب سعد نے کہا وہ کیا ہے؟۔ بولا کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما تن تنہا ہیں۔ ان کو گرفتار کر کے معاویہؓ کے پاس بھیج دیجئے۔ چچا نے کہا۔ خدا تجھ پر لعنت کرے۔ کیا میں رسول خدا ﷺ کے فرزند پر حملہ کروں اور ان کو گرفتار کرلوں؟۔ تو تو بہت ہی برا آدمی ہے۔ (ایضا) جب جگر گوشہ بتولؓ نے حضرات شیعہ کی یہ "شفقتیں" دیکھیں۔ جن کا اوپر ذکر ہوا اور اپنے آپ کو بے یار ومددگار پایا تو مجبوراً امیر معاویہؓ سے مصالحت کر کے ان کے حلقہء اطاعت میں داخل ہو گئے۔

مختار کی تبدیلی مذہب

جن ایام میں مختار نے اپنے چچا کو حضرت حسن مجتبیٰؓ کی گرفتاری کا شرمناک مشورہ دے کر اپنی مکارانہ ذہنیت کا ثبوت دیا تھا۔ ان دنوں وہ خارجی مذہب کا پیرو تھا اور اہل بیت نبوت کا سخت عناد رکھتا تھا۔ لیکن امام حسینؓ کی شہادت کے واقعہ ہائلہ کے بعد جب اس نے دیکھا کہ مسلمان کربلا کے قیامت خیز واقعات سے سخت سینہ ریش ہو رہے ہیں۔ اور استمالت قلوب کا یہ بہترین موقع ہے اور اس نے یہ بھی اندازہ لگایا کہ اہل بیت کا بغض وعناد اس کے بام ترقی پر پہنچنے میں سخت حائل ہے۔ تو اس نے خارجی پنتھ سے دست بردار ہو کر حب اہل بیت کا دم بھرنا شروع کر دیا۔ ان ایام میں وہ لقفا نام ایک گاؤں میں سکونت پذیر تھا۔ جب سنا کہ امام حسینؓ کے عم زاد بھائی مسلم بن عقیل کوفہ آئے ہیں۔ تو وہ اپنے ہوا خواہوں کو لے کر کوفہ پہنچا۔ عبیداللہ ابن زیاد نے جو یزید کی طرف سے کوفہ کا حاکم تھا۔ عمرو ابن حریث نام کے ایک شخص کو جھنڈا دے کر کوفہ کی جامعہ مسجد میں بٹھا رکھا تھا۔ مسجد میں پہنچ کر مختار پر کچھ بدحواسی طاری ہو گئی اور سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔ یہ دیکھ کر عمرو ابن حریث نے اس کو اپنے پاس بلایا اور امان دی۔ جاسوسوں نے ابن زیاد کو اطلاع کر دی تھی کہ مختار، مسلم ابن عقیل کی مدد کے لئے آیا ہے۔ اس لیے مختار کو بلا بھیجا۔ جب وہ حاضر ہوا تو کہنے لگا۔ کیا تم وہی شخص ہو جو ابن عقیل کے لئے جماعتیں لے کر آئے ہو؟۔ مختار نے کہا ہرگز نہیں۔ میں تو یہاں آ کر عمرو کے جھنڈے تلے مقیم ہوں۔ گو عمرو ابن حریث نے اس کی تصدیق کی۔ مگر ابن زیاد نے اس کے منہ پر اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ اس کی آنکھ زخمی ہو گئی اور کہنے لگا اگر عمرو کی شہادت نہ ہوتی تو میں تم کو خنجر خونخوار کی نذر کر دیتا۔ اس کے بعد مختار کو قید کر دیا۔ اس سے پیشتر حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓ نے مختار کی بہن صفیہ بن ابوعبید سے نکاح کر لیا تھا۔ مختار نے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ کسی طرح میری رہائی کی کوشش فرمائیے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یزید کے پاس اس کی سفارش کی۔ یزید نے عبیداللہ کے نام فرمان بھیجا کہ مختار کو چھوڑ دیا جائے۔ عبیداللہ ابن زیاد نے اسے چھوڑ دیا۔ مگر یہ حکم دیا کہ تین دن کے اندر کوفہ سے چل دو۔ مختار کوفہ سے بری ہو کر حجاز کی طرف چلا گیا۔

ابن زیاد سے انتقام لینے کا عہد

جب مختار واقصہ سے آگے بڑھا تو ابن عرق سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اس نے آنکھ کا حال دریافت کیا۔ مختار نے کہا کہ ایک زانیہ کے بچے نے اس کو مجروح کر دیا ہے۔ پھر قسم کھائی کہ خدا مجھے ہلاک کرے۔ اگر میں ابن زیاد کے جسم کے تمام جوڑ الگ الگ نہ کر دوں۔ اس کے بعد کہنے لگا تم عنقریب سن لو گے کہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ظاہر ہوا ہوں اور شہید مظلوم، سید المسلمین ابن بنت رسول اللہ ﷺ یعنی حسینؓ ابن علیؓ کے خون کا انتقام طلب کرتا ہوں۔ اس کے بعد کہنے لگا۔ خدا کی قسم! میں حسینؓ مظلوم کے بدلے میں اتنے ہی آدمیوں کی جانیں لوں گا۔ جس قدر کہ یحییٰ ابن زکریا علیہ السلام کے خون کے بدلے قتل ہوئے تھے۔ یہ کہ مختار وہاں سے چل دیا اور ابن عرق محو حیرت رہ گیا۔ یہاں سے مختار نے مکہ معظّمہ جا کر کچھ عرصہ تک اقامت کی اور یزید کی موت کے بعد جب اہل عراق نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تو ابن زبیرؓ کے پاس مزید پانچ مہینہ تک مکہ معظمہ میں مقیم رہا اور جب دیکھا کہ ابن زبیرؓ اس سے کسی کام میں اعانت نہیں چاہتے تو اس نے یہ کاروائی شروع کی کہ اہل کوفہ میں سے جو کوئی ابن زبیرؓ کے پاس آتا۔ اس سے اہل کوفہ کے خیالات و امیال کا حال دریافت کرنے لگتا۔ چنانچہ ایک دن وہاں کے ایک سربرآوردہ شخص نے بتایا کہ گو اہل کوفہ حضرت ابن زبیرؓ کی اطاعت میں راسخ قدم ہیں۔ لیکن ان میں ایک ایسی جماعت بھی موجود ہے۔ اگر کوئی شخص ان کی رائے کے مطابق ان کو مجتمع کرے تو تھوڑے ہی عرصہ میں روئے زمین کو فتح کر سکتا ہے۔ مختار نے کہا خدا کی قسم! میں اس کام کے لئے موزوں ترین شخص ہوں۔ میں ان کے ذریعہ سے شہسواران باطل کو مغلوب کروں گا اور ہر گردن فراز سرکش کی گردن توڑ دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور کوفہ کی راہ لی۔ اثنائے سفر میں جن جن لوگوں میں سے گذرتا۔ ان کو سلام کر کے کہتا کہ تم کو نصرت و کشائیش کار مبارک ہو۔ جو کچھ تم چاہتے ہو وہ تمہیں مل گیا ہے۔ بنو کندہ، بنو ہند، بن وہمدان وغیرہ قبائل میں جا کر بیان کیا کہ مجھے وصی کے بیٹے مہدی نے (یعنی حضرت محمد بن حنفیہؓ نے جو امیر المومنین علیؓ کے صاحبزادہ تھے) تم لوگوں کے پاس امین، وزیر، شیخ اور امیر بنا کر بھیجا

ہے اور حکم دیا ہے کہ ملحدین کو قتل کروں۔ اہل بیت اطہار کے خون کا انتقام لوں اور ضعفاء کو جابروں کے پنجۂ ظلم سے نجات دلاؤں۔ لہٰذا تم لوگوں کا فرض ہے کہ قبول دعوت کا شرف اولیت حاصل کرو۔ ان قبائل نے اس دعوت کو لبیک کہا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

فصل ۲:...... ولایت کوفہ کو زیرنگیں کرنے کے جوڑ توڑ

کربلا کے خونین حوادث کے بعد عمرو ابن حریث کوفہ میں ابن زیاد کا قائم مقام تھا اور خود ابن زیاد بصرہ میں رہتا تھا جب ۶۴ھ میں یزید مرا اور اموی حکومت کا ڈھچر ڈھیلا پڑ گیا تو اہل کوفہ نے عمرؒو ابن حریث کو کوفہ کی حکومت سے برطرف کر کے حضرت عبداللہ بن زبیر سے بیعت کر لی۔ جنہوں نے یزید کے بعد حجاز اور عراق کی عنان فرمانروائی اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ جب یزید کو طعمۂ اجل ہوئے چھ مہینے کا عرصہ گزر گیا تو وسط رمضان میں مختار کوفہ پہنچا۔ اس کے ایک ہفتہ بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے عبداللہ ابن یزید انصاری کوفہ کے امیر اور ابراہیم ابن محمد ابن طلحہ خراج کوفہ کے والی مقرر ہو کر کوفہ پہنچے۔ مختار نے اہل کوفہ کو قاتلین امام حسینؓ سے جنگ آزما ہونے کی دعوت دینی شروع کی اور کہا کہ میں محمد بن حنفیہؒ کی طرف سے وزیر اور امین ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ مختار کوفہ کے محلوں اور مسجدوں میں جاتا اور امام حسینؓ اور دوسرے اہل بیت اطہار کے مصائب کا ذکر کر کے آنسو بہانے لگتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تحریک جڑ پکڑنے لگی اور رجوع خلائق شروع ہوا۔ عبداللہ بن یزید انصاری حاکم کوفہ کو بتایا گیا کہ مختار ایک بڑی جمعیت بہم پہنچا کر کوفہ پر قبضہ کیا چاہتا ہے۔ عبداللہ نے کہا کہ یہ خیال محض سوء ظن پر مبنی ہے مختار امام حسینؓ کے خون کا مطالبہ کرتا ہے۔ خدا اس پر رحم کرے اس کو چاہیئے کہ علانیہ اپنی جمعیت کے ساتھ نکلے اور ابن زیاد اور دوسرے قاتلین حسینؓ کا قلع قمع کر دے اور اگر ابن زیاد مختار سے برسر مقابلہ ہوا تو میں مختار کی ہر طرح سے امداد کروں گا۔

مختار کی اسیری و رہائی

چند روز کے بعد بعض اشراف کوفہ نے عبداللہ ابن یزید انصاری اور ابراہیم ابن محمد ابن طلحہ کو بتایا کہ مختار خود تم لوگوں پر شہر ہی کے اندر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ اسے گرفتار کر کے زندان میں ڈال دو اور ساتھ ہی محبوس نہ کرنے کے انجام بد سے متنبہ کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے مختار کو محبس میں ڈال دیا۔ کچھ دنوں کے بعد مختار نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس جن کے گھر میں اس کی ہمشیر تھی پیغام بھیجا کہ میں مظلوم اور مقید ہوں۔ عبداللہ ابن یزید اور ابراہیم ابن طلحہ سے سفارش کر کے مجھے محبس سے نکلوایئے۔ حضرت ابن عمرؓ نے ان دونوں کو اس کے لئے لکھ دیا

اورانہوں نے ان کی سفارش قبول کر کے مختار کو قید سے مخلصی بخشی۔ لیکن رہا کرتے وقت اس سے حلف لے لیا کہ پھر کبھی حیلہ جوئی اور بغاوت نہ کروں گا اور اگر ایسا کروں تو مجھ پر لازم ہو گا کہ کعبہ معلّی کے پاس جا کر ایک ہزار اونٹوں کی قربانی کروں اور اپنے تمام غلام اور لونڈیوں کو آزاد کروں۔

حلف کی خلاف ورزی کا عزم صمیم

قید سے رہا ہونے کے بعد مختار اپنے ایک دوست سے کہنے لگا۔ ان کو خدا کی مار! یہ لوگ کیسے احمق ہیں۔ وہ اپنی حماقت سے سمجھ رہے ہیں کہ میں ان سے وفا کروں گا۔ انہوں نے مجھ سے حلف اٹھوایا ہے۔ لیکن اس حلف کو میں کبھی پورا نہ کروں گا۔ چنانچہ جب میں نے قسم کھائی تو اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ اس کے پورا کرنے کی نسبت اس کا توڑنا صد ہزار درجہ بہتر ہے اور ان لوگوں سے تعرض نہ کرنے کی بجائے ان پر حملہ کرنا اشد ضروری ہے۔ رہا اونٹوں کی قربانی اور غلاموں کی آزادی کا مسئلہ۔ سو یہ میرے لئے تھوکنے سے زیادہ آسان ہے۔ کیونکہ میری زندگی کا نصب العین یہ ہے کہ کسی طرح یہ کار عظیم و خطیر پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔ پھر خواہ میرے پاس ایک غلام بھی نہ رہے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ مختار کے پیرووں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ جناب عبداللہ ابن زبیرؓ نے عبداللہ ابن یزید اور ابراہیم ابن محمد کو معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ ابن مطیع کو عامل کوفہ مقرر کر دیا۔ جیسے ہی عبداللہ ابن مطیع نے کوفہ میں قدم رکھا۔ اسے کہا گیا کہ مختار کی جمعیت بہت بڑھ گئی ہے اور وہ کوفہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ مختار کو قید کر کے اس کا فتنہ کا سد باب کر دیجئے۔

ابن مطیع نے مختار کو بلا بھیجا مگر وہ بیماری کا حیلہ کر کے اس کی گرفت سے بچ گیا۔ لیکن بیچارے ابن مطیع کو کیا معلوم تھا کہ یہ شخص تھوڑے ہی روز میں اس کے پرچم اقبال کو پامال کر دے گا۔ بہرحال جب حملہ کی تیاریاں مکمل ہو چکیں تو مختار نے خروج کا حکم دے دیا۔

امام محمد ابن حنفیہؓ کے جعلی خط سے مطلب براری

ایک شخص نے مختار سے کہا کہ شرفائے کوفہ نے اس پر اتفاق کر لیا ہے کہ وہ ابن مطیع کیساتھ ہو کر تم سے لڑیں۔ البتہ اگر ابراہیم ابن اشتر ہماری دعوت قبول کر لے تو اس کی وجہ سے ہم اپنے حریف کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایک بہادر سردار اور ایک شریف النفس باپ کا فرزند ہے اور اس کا قبیلہ بھی کثیر التعداد ہے۔ یہ سن کر مختار نے چند آدمی بھیج کر اس سے شریک کار ہونے کی درخواست کی۔ ان لوگوں نے جا کر اس تعلق اور انس کو بھی کھول کر بیان کیا

جو ابراہیم کے والد کو حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھا۔ ابراہیم نے جواب دیا کہ میں امام حسینؓ اور ان کے اہل بیت کے خون کا انتقام لینے میں اس شرط پر تمہارا ساتھ دے سکتا ہوں کہ مجھے ہی والی و امیر بنایا جائے۔ انہوں نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ آپ اس منصب کے اہل ہیں۔ لیکن اس لحاظ سے کہ مختار مہدی (حضرت محمد بن حنفیہ) کی طرف سے ہمارے پاس بھیجا گیا ہے اور وہی اس رزم و پیکار پر مامور ہوا ہے اور ہمیں اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ تمہارے والی امیر بنائے جانے کی کوئی سبیل نہیں۔ ابراہیم نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور یہ سفارت ناکام واپس آئی۔ اب مختار نے ابراہیم کے نام ایک جعلی خط لکھا اور تین دن کے توقف کے بعد خود دس بارہ آدمیوں کو ساتھ لے کر ابراہیم کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ دیکھئے! یہ امیر المومنین محمد بن علی (امام محمد بن حنفیہؒ) کا خط ہے۔ وہی مہدی جو خدا کے انبیاء و رسل کے بعد آج روئے زمین میں افضل ترین خلق ہیں اور اس جلیل القدر انسان کے صاحبزادہ ہیں جو کچھ عرصہ پیشتر صفحہ ہستی کا بہترین آدمی تھا۔ وہ آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس کام میں ہماری اعانت کریں۔ ابراہیم نے وہ جعلی خط لے کر پڑھا۔ اس میں لکھا تھا منجانب محمد المہدی بنام ابراہیم بن مالک اشتر۔ سلام علیک! میں نے تم لوگوں کے پاس اپنا وزیر اور امین بھیج کر اس کو حکم دیا ہے کہ وہ میرے دشمن سے جنگ کرے اور میرے اہل بیت کے خون کا بدلہ لے۔ تم خود بھی اس کے ساتھ ہو جاؤ اور اپنے قبیلہ اور دوسرے اطاعت کیش لوگوں کو بھی لے جاؤ۔ اگر تم نے میری مدد کی اور میری دعوت کو قبول کیا۔ تو تم کو بڑی فضیلت حاصل ہو گی۔ ابراہیم نے اس خط کو پڑھ کر کہا کہ محمد ابن حنفیہؒ نے بارہا میرے پاس خط بھیجے ہیں اور میں نے بھی ان کو خطوط لکھے ہیں۔ ان خطوط میں وہ ہمیشہ اپنا اور اپنے والد ہی کا نام (محمد بن علی) لکھتے رہے ہیں۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے اس خط میں اپنی عادت مستمرہ کے خلاف اپنے والد محترم کے اسم گرامی کی جگہ اپنا لقب مہدی کیوں زیب رقم فرمایا؟۔ مختار کہنے لگا وہ زمانہ اور تھا اور یہ اور ہے۔ ابراہیم نے کہا پھر یہ کیوں کر معلوم ہو کہ یہ خط انہوں نے بھجوایا ہے؟۔ مختار کے تمام ساتھیوں نے اس کی شہادت دی کہ واقعی یہ خط حضرت محمد مہدی ہی نے بھیجا ہے۔ گو ان گواہوں کی وہی حیثیت تھی جو قادیانی ''معجزات'' کے شاہدان ''عدل'' کی ہوا کرتی تھی۔ تاہم ابراہیم کو انکار و استرداد کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ صدر فرش سے ہٹ کر مؤدب ہو بیٹھا اور مختار کو صدر نشین کر کے اس سے بیعت کر لی۔ اب ابراہیم نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے دوسرے متعلقین کو بلایا۔ جب سب جمع ہو چلے تو لائحہ عمل پر بحث ہوئی۔ آخر قرار پایا کہ بتاریخ ۱۴ ربیع الاول ۶۶ھ پنجشنبہ کی رات کو خروج کریں۔

فصل :۳......کوفہ کی تسخیر اور ولایتوں میں عمال کا تقرر

عبداللہ ابن مطیع کو معلوم ہو چکا تھا کہ مختار عنقریب حملہ آور ہوا چاہتا ہے۔اس لئے اس نے شرفائے شہر کی قیادت میں فوج اور پولیس کے آدمی بھیج کر شہر کی ناکہ بندی کر دی۔اس انتظام کا یہ مقصد تھا کہ مختار اور اس کے پیرو خوفزدہ ہو کر خروج سے باز رہیں۔لیکن جو لوگ مکمل تیاریوں کے بعد رزم و پیکار کے لئے بپھر رہے تھے۔وہ بھلا اس انتظام سے کیونکر مرعوب ہو سکتے تھے؟۔ اس اثناء میں مختار نے نواح کوفہ کے ایک مقام پر تمام حربی تیاریاں مکمل کر لیں۔یوم معہود کو مختار طلوع فجر تک فوج کی ترتیب و آراستگی سے فارغ ہو گیا۔اور تڑکے ہی دونوں طرف سے حملہ ہوا۔ دن بھر تلوار چلی۔آخر سرکاری فوج کو ہزیمت ہوئی اور مختار نے قصر امارت کا محاصرہ کر لیا۔یہ محاصرہ تین دن تک جاری رہا۔جب ابن مطیع کی قوت مدافعت بالکل جواب دے بیٹھی تو اس کے ایک فوجی افسر شیث ابن ربعی نے اس سے کہا کہ اب اپنی اور اپنے ساتھیوں کی خیر منایئے۔اس وقت نہ آپ اوروں کو بچا سکتے ہیں اور نہ اپنے تئیں محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ابن مطیع نے کہا اچھا بتاؤ۔کیا کیا جائے؟۔شیث نے کہا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے اور ہمارے لئے امان طلب کیجئے۔ابن مطیع نے جواب دیا کہ مجھے اس شخص (مختار) سے امان مانگتے ہوئے نفرت ہوتی ہے۔خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ حجاز اور بصرہ ہنوز امیر المومنین (عبداللہ ابن زبیرؓ) کے زیر نگیں ہیں۔شیث نے کہا۔اگر یہی خیال ہے تو پھر آپ نہایت رازداری کے ساتھ کہیں نکل جایئے۔بالفعل آپ کوفہ ہی میں کسی قابل اعتماد آدمی کے ہاں ٹھہر سکتے ہیں۔اس کے بعد موقع پا کر اپنے آقا کے پاس مکہ معظمہ چلے جایئے گا۔دوسرے اشراف کوفہ نے بھی عبداللہ بن مطیع کو یہی رائے دی۔ابن مطیع قصر امارت سے نکل کر ابو موسیٰ کے مکان میں جا چھپا۔اس کی روانگی کے بعد ابن مطیع کے آدمیوں نے دروازہ کھول دیا اور ابراہیم بن اشتر سے کہا کہ ہم امان چاہتے ہیں۔اس نے کہا تمہیں امان ہے۔یہ لوگ قصر سے نکلے اور مختار سے بیعت کر لی۔مختار قصر میں داخل ہوا اور دہیں رات بسر کی۔صبح کو شرفائے کوفہ اس سے مسجد اور قصر کے دروازہ پر ملاقی ہوئے اور کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اہل بیت کے خون کی انتقام جوئی پر بیعت کی۔اس کے بعد مختار اشراف کوفہ سے حسن سلوک کرتا رہا۔

ہزیمت خوردہ دشمن سے حسن سلوک

اس اثناء میں اسے بتایا گیا کہ ابن مطیع ابو موسی کے مکان میں ہے۔یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا مگر اس کی بلند ہمتی دیکھو کہ شام کے وقت ایک لاکھ درہم ابن مطیع کے پاس بھیج دیئے۔اور کہلا بھیجا کہ اس کو اپنی ضروریات پر خرچ کرو۔مجھے معلوم ہے جہاں تم اقامت گزیں ہو اور یہ بھی جانتا

ہوں کہ بے زری اور تہی دستی نے تمہیں شہر چھوڑنے سے روک رکھا ہے۔ لیکن اس حسن سلوک کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ کسی زمانہ میں ان دونوں میں بڑی دوستی رہ چکی تھی۔ مختار نے کوفہ کے بیت المال میں نوے لاکھ کی رقم پائی جس میں سے اس نے ان پانچ سو تین بہادروں میں جو ابن مطیع کے محاصرہ قصر کے دوران میں لڑے پانچ پانچ سو درہم اور ان چھ ہزار متحاربین کو جو محاصرہ کے بعد ایک رات اور تین دن تک اس کے ساتھ رہے تھے دو دو سو درہم فی کس تقسیم کر دیئے۔

کون کون سے ملک مختار کے حیطۂ اقتدار میں آئے

اس فتح سے مختار حجاز مقدس اور بصرہ کی ولایت کو چھوڑ کر باقی ان تمام ممالک پر قابض ہو گیا جو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے زیر نگین تھے۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ اس نے اپنی اعلیٰ ترین اوج و عروج کی تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھ لی اور نظر آیا کہ اسلامی دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ اس کے علم اقبال کے آگے سر نیاز جھکائے ہے۔ اب اس نے ابراہیم بن اشتر کے چچا عبداللہ ابن حارث کو آرمینیا کی حکومت تفویض کی۔ عبدالرحمٰن بن سعید کو موصل کا گورنر بنایا۔ اسحاق ابن مسعود کو مدائن کی سرزمین دی۔ اسی طرح دوسرے علاقے بھی ممتاز سرداروں کے زیر فرمان کر کے سب کو اپنی اپنی حکومتوں پر روانہ کر دیا۔

یاد رہے کہ یہ عبداللہ بن مطیع جسے مختار نے مغلوب کیا وہی عبداللہ بن مطیع ہے جس سے امام حسینؓ کی کوفہ جاتے ہوئے ایک چشمہ پر ملاقات ہوئی تھی اور اس نے کہا تھا۔ اے ابن رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ نے ان اطراف میں کس طرح قدم رنجہ فرمایا؟۔ یہ کہہ کر آپ کو اپنے مکان پر لے گیا اور نہایت خاطر مدارات سے پیش آیا تھا اور جب امام حسینؓ نے اس کو اپنے وجوہ قدوم سے مطلع کیا تو کہنے لگا۔ اے فرزند رسول اللہ! میں آپ کو حرمت اسلام کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اس خیال سے باز آیئے۔ میں آپ کو حرمت قریش اور حرمت عرب کا واسطہ دیتا ہوں کہ اس عزم سے درگذر فرمایئے۔ خدا کی قسم! اگر آپ وہ چیز طلب فرمائیں گے جو بنو امیہ کے دست اقتدار میں ہے تو وہ آپ کو ہرگز زندہ نہ چھوڑیں گے۔ آپ کو خدائے یگانہ کا واسطہ کوفہ جا کر اپنے آپ کو بنو امیہ کے دست بیداد میں نہ دیجئے۔ غرض بہت منت سماجت کی تھی۔ مگر امام حسینؓ نے بعض مجبوریوں کی بناء پر اس مخلصانہ درخواست کو مسترد فرما دیا تھا۔

فصل: ۴...... شہدائے کربلا کے قتل واستہلاک کا انتقام

کوفہ اور اس کے صوبجات پر عمل و دخل کرنے کے بعد مختار نے ان لوگوں کے خلاف دارو گیر کا سلسلہ شروع کیا جو امام حسینؓ اور خاندان نبوت کے دوسرے ارکان کے قتل واستہلاک

میں شریک تھے یا اس کے ذمہ دار تھے۔ اب ہر ایک کے وقائع ہلاک درج کئے جاتے ہیں۔

عبیداللہ ابن زیاد کی ہلاکت

عبیداللہ ابن زیاد وہی شقی ازلی ہے جس نے حضرت امام حسینؓ کا اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک کہ اس کی خون آشامی نے انہیں ریاض فردوس میں نہ بھیج دیا۔ اس نے اہل بیت اطہار پر جن کی محبت جزء ایمان ہے۔ وہ ظلم توڑے کہ جن کو سن کر دل پاش پاش ہو جاتا ہے۔ یزیدی عہد بے دولت کے آغاز میں یہ شخص بصرہ کا حاکم تھا اور چونکہ یزید اس سے ناخوش تھا۔ اس کو بصرہ کی حکومت سے برطرف کر دینا چاہتا تھا۔ لیکن جب امام حسینؓ نے اپنے عم زاد بھائی مسلم بن عقیلؓ کو کوفہ روانہ فرمایا اور ہزار ہا آدمیوں نے مسلمؓ کے ہاتھ پر امام حسینؓ کی بیعت کی تو یزید نے جناب مسلمؓ کی سرگرمیوں کی روک تھام کے لئے بصرہ کے ساتھ کوفہ کی حکومت بھی ابن زیاد کو تفویض کر دی اور لکھا کہ میں تم سے خوش ہوں۔ تم کوفہ جا کر وہاں کے حالات کی اصلاح کرو۔ اس شخص نے کوفہ جا کر حضرت مسلم بن عقیل کا نقش وجود جس بے دردی اور شقاوت کے ساتھ صفحۂ ہستی سے محو کیا اور جس سفاکی کے ساتھ حضرت مسلم کے میزبان ہانی بن عروہ کی جان لی۔ اس کے بیان سے تاریخ کی روح لرز جاتی ہے۔ اسی شخص نے اپنے سپہ سالار عمرو بن سعد کو لکھا تھا کہ حسینؓ اور ان کے اہل بیت کے پاس دریائے فرات کا پانی نہ پہنچے دو۔ چنانچہ اس نے اس حکم کے بموجب پانچ سو سواروں کی ایک جمعیت دریا اور امام حسینؓ کے قیام گاہ کے درمیان حائل کر کے پانی پینے میں مزاحمت کی۔ یہی وہ شخص تھا جس نے عمرو بن سعد کو حضرت امام حسینؓ اور ان کے اہل بیت کی جان ستانی کا حکم دیا تھا۔

بلندی سے گرا کر قاصدوں کی جان ستانی

یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت امام حسینؓ کے قاصدوں کی نہایت سنگ دلی کے ساتھ جان لی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کی اطلاع ملنے سے پہلے امام حسینؓ نے کوفہ جاتے ہوئے قیس ابن مسہر صیداوی کے ہاتھ اہل کوفہ کے نام ایک خط روانہ فرمایا تھا۔ قیس قادسیہ پہنچے تو حصین بن نمیر نے جو راستہ میں امام حسینؓ کی مزاحمت کے لئے یزیدی فوجیں لئے پڑا تھا۔ ان کو گرفتار کر کے کوفہ بھیج دیا۔ ابن زیاد کی ناپاک سیرت اور خبث ضمیر سے بھلا کسی عفو و درگذر کی کہاں امید ہو سکتی تھی۔ اس نے قیس کو حکم دیا کہ قصر امارت کی بلند چھت پر چڑھ جاؤ اور (معاذ اللہ) کذاب ابن کذاب حسینؓ ابن علیؓ پر سب و شتم کرو۔ قیس اوپر چڑھ گئے اور خالق کردگار کی حمد و ثناء کے بعد کہا۔ خدا کی قسم! حسین ابن علیؓ روئے زمین کی تمام مخلوق میں بہترین

اور افضل ترین انسان ہیں۔ آپ مخدومۂ جہان حضرت فاطمہ زہراؓ بنت رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادہ ہیں۔ ان کی دعوت حق کو لبیک کہو۔ میں ان سے حاجر کے مقام پر جدا ہوا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت حسینؓ کی جگہ ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت بھیجی اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے حق میں دعائے مغفرت کی۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس شخص کو قصر کے نیچے پھینک دو۔ قصر امارت نہایت بلند تھا۔ ان کو نیچے دھکیل دیا گیا۔ زمین پر پہنچ کر جسم پاش پاش ہو گیا اور آنکھیں بند کرتے ہی حوران جنت کی گود میں پہنچ گئے۔ حضرت امام حسینؓ کو ہنوز اس سانحہ کا علم نہیں تھا کہ قیس کی روانگی کے بعد اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن بقطر کو حضرت مسلم ابن عقیل کے پاس روانہ فرما دیا۔ امام ہمام کو اس وقت تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مسلمؒ شہید ہو کر جنت الفردوس میں پہنچ چکے ہیں۔ حصین ابن نمیر نے عبداللہ کو بھی گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا۔ ابن زیاد نے قیس کی طرح ان کو بھی حکم دیا کہ قصر امارت پر چڑھ جاؤ اور (معاذ اللہ) کذاب ابن کذاب پر لعنت کرو۔ اس کے بعد میں دیکھوں گا کہ تمہارے متعلق کیا فیصلہ کرنا چاہیے۔ وہ اوپر چڑھ گئے اور حضرت حسینؓ کے قدوم کا اعلان کر کے ابن زیاد پر لعنت کرنے لگے۔ وہ بھی ابن زیاد کے حکم سے قصر سے گرا دئے گئے۔ ان کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں۔ ابھی کچھ رمق باقی تھی کہ ایک یزیدی آگے بڑھا اور ان کو ذبح کر کے واصل بحق کر دیا۔

ابن زیاد کی سیاہ دلی کا اندازہ ان جاں گسل واقعات سے بھی ہو سکتا ہے جو حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد رونما ہوئے۔

حضرت زینبؓ کا درد انگیز نوحہ وفغاں

جب شہدائے کربلا کی جاں ستانی کے بعد عمر بن سعد حضرت امام حسینؓ کے اہل بیتؓ کو ابن زیاد کے پاس کوفہ لے چلا تو ان کو امام حسینؓ اور دوسرے شہداء کی پامال لاشوں کے پاس سے لے گزرا۔

خواتین اہل بیتؓ اس دردناک منظر کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکیں۔ اور آہ و فریاد کی صدائیں بلند ہو گئیں۔ حضرت امام حسینؓ کی خواہر محترمہ جناب زینبؓ نے رو کر کہا۔ اے محمدؐ! آپ پر آسمان کے فرشتوں کا درود و سلام! دیکھئے۔ بیچارے حسینؓ اس چٹیل میدان میں خون میں لتھڑے ہوئے، اعضا بریدہ پڑے ہیں۔ بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ آپ کی بیٹیاں قیدی ہیں اور آپ کی اولاد مقتول بے کفن پڑی ہے۔ تیز ہوائیں ان پر خاک اڑا رہی ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ دوست دشمن کوئی نہ تھا جو ان کے درد انگیز نوحہ سے اشکبار نہ ہو گیا ہو۔

حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک ابن زیاد کے سامنے

اس کے بعد تمام شہداء کے سر کاٹے گئے۔ کل بہتر سر تھے۔ شمر ابن ذی الجوشن عمرو ابن حجاج اور قیس ابن اشعث یہ تمام سر ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ حمید بن مسلم روایت کرتا ہے کہ حسینؓ کا سر، ابن زیاد کے روبرو رکھا گیا۔ مجلس حاضرین سے لبریز تھی۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ چھڑی آپ کے لب مبارک پر مارنے لگا جب اس نے بار بار یہی حرکت کی تو حضرت زیدؓ ابن ارقمؓ چلا اٹھے! ان لبوں سے اپنی چھڑی ہٹا لے۔ قسم خدا کی! میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے لب مبارک ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے۔ یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگے۔ ابن زیاد بگڑ کر کہنے لگا۔ خدا تیری آنکھوں کو رلائے۔ واللہ اگر تو بوڑھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن مار دیتا۔ حضرت زید ابن ارقمؓ یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے کہ اے عرب آج کے بعد سے تم غلام ہو۔ تم نے ابن فاطمہؓ کو قتل کیا۔ ابن مرجانہ (ابن زیاد) کو حاکم بنایا۔ وہ تمہارے نیک انسان قتل کرتا اور تمہارے شریروں کو مقرب بناتا ہے۔ تم نے ذلت پسند کر لی۔ خدا انہیں مارے جو ذلت قبول کرتے ہیں۔ بعض روایات میں یہ واقعہ خود یزید کی طرف منسوب ہے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ ابن زیاد نے چھڑی لگائی تھی۔

اہل بیت نبوت کی شان میں شرمناک دریدہ دہنی

جب اہل بیت کا تباہ حال قافلہ ابن زیاد کے سامنے پیش ہوا تو اس وقت حضرت زینبؓ نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ ان کی کنیزیں انہیں اپنے بیچ میں لئے تھیں۔ ابن زیاد نے پوچھا یہ کون بیٹھی ہے؟۔ حضرت زینبؓ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر ان کی ایک کنیز نے کہا کہ یہ جناب حضرت زینبؓ بنت فاطمہؓ ہیں۔ ابن زیاد کہنے لگا کہ اس خدائے ودود کا شکر ہے کہ جس نے تمہیں رسوا اور غارت کر کے تمہارے خاندان کو بٹہ لگایا۔ حضرت زینبؓ نے جواب دیا کہ تمام تر حمد و ستائش اس ذات برتر کے لئے ہے جس نے محمد ﷺ کے ذریعہ سے ہمیں عزت بخشی اور ہمیں پاک و صاف کیا۔ نہ کہ جیسا تو کہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فاسق رسوا ہوتے ہیں۔ اور فاجروں کے نام کو بٹہ لگتا ہے۔ ابن زیاد نے کہا تم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا؟۔ حضرت زینبؓ نے فرمایا کہ علم خداوندی میں ان کی شہادت مقدر تھی۔ اس لئے وہ اپنے مقتل میں پہنچے۔ لیکن عنقریب رب جلیل تجھے اور انہیں ایک جگہ مجتمع کر کے انصاف کرے گا۔ یہ سن کر ابن زیاد برافروختہ ہوا اور عالم غیظ میں کہنے لگا کہ خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی

طرف سے میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا۔ یہ سن کر حضرت زینبؓ اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں۔ بے اختیار رو پڑیں اور کہا تو نے میرے بھائی اور دوسرے قرابت داروں کو قتل کر ڈالا۔ میرا خاندان مٹا ڈالا۔ میری شاخیں کاٹیں اور میری جڑ اکھاڑ دی۔ اگر انہی باتوں سے تیرا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو واقعی تو نے اپنی مراد پائی۔ ابن زیاد نے مسکرا کر کہا۔ یہ شجاعت ہے۔ تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا۔ حضرت زینبؓ نے کہا عورت کو شجاعت سے کیا سروکار؟۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں یہ رنج و غم کی آگ ہے جو میرے مجروح دل میں سلگ رہی ہے۔ حضرت زین العابدین علیؒ بن حسینؓ علیل ہونے کی وجہ سے قتل سے بچ گئے تھے۔ جب ابن زیاد نے ان کو دیکھا تو پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟۔ فرمایا علی بن حسینؓ۔ کہنے لگا کیا اللہ نے علی بن حسینؓ کو ہلاک نہیں کیا؟۔ جناب زین العابدینؒ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ ابن زیاد نے کہا تم بولتے کیوں نہیں؟۔ فرمایا میرا ایک بڑا بھائی تھا۔ اس کا نام بھی علی تھا (علی اکبر) لوگوں نے اسے شہید کر ڈالا۔ ابن زیاد بولا نہیں۔ یوں کہو خدا نے اسے ہلاک کیا۔ علی خاموش ہو گئے۔ ابن زیاد نے کہا تم کیوں نہیں بولتے؟۔ اس پر زین العابدینؒ نے یہ آیت پڑھی: "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا۔ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ" (خدا ہی موت کے وقت جانیں لیتا ہے۔ کوئی بھی بغیر اس کے اذن کے مر نہیں سکتا۔) اس پر ابن زیاد چلایا۔ خدا تجھے مارے تو بھی انہیں میں سے ہے۔ پھر اس کے بعد ابن زیاد نے چاہا انہیں بھی قتل کر ڈالے۔ لیکن زینبؓ بیقرار ہو کر چیخ اٹھیں۔ میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں۔ اگر تو مومن ہے اور اس لڑکے کو ضرور ہی قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے اسی کے ساتھ مار ڈال۔ امام زین العابدین نے بلند آواز سے کہا۔ اے ابن زیاد! اگر تو ان عورتوں سے اپنا ذرا بھی رشتہ سمجھتا ہے تو میرے بعد ان کے ساتھ کسی متقی آدمی کو بھیجنا جو اسلامی معاشرت کے اصول پر ان سے برتاؤ کرے۔ ابن زیاد دیر تک زینبؓ کو دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہے۔ واللہ مجھے یقین ہے کہ یہ سچے دل سے لڑکے کے ساتھ قتل ہونا چاہتی ہے۔ اچھا! لڑکے کو چھوڑ دو۔ یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے۔

ابن عفیف کا واقعہ شہادت

اس کے بعد اجتماع کے لئے منادی کرائی گئی۔ لوگ جامع مسجد میں جمع ہوئے اور ابن زیاد نے منبر پر چڑھ کر یوں گوہر افشانی کی۔ ہر قسم کی حمد و ثناء کا مستحق وہ پروردگار عالم ہے جس نے حق اور اہل حق کو غالب کیا اور امیر المومنین یزید اور اس کی جماعت کی عون و نصرت فرمائی اور کذاب ابن کذاب حسینؓ ابن علیؓ (معاذ اللہ) اور اس کی جماعت کو غارت کیا۔ یہ سن کر ایک نیک

نہاد مسلمان عبداللہ ابن عفیف ازدی نام اٹھے اور اس بدنہاد کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔ اے ابن مرجانہ! (مرجانہ ابن زیاد کی ماں کا نام تھا) کذاب ابن کذاب تو تو ہے اور تیرا باپ اور وہ جس نے تجھے والی بنایا۔ اے ابن مرجانہ! کیا تو انبیاء کی اولاد کو قتل کرتا ہے اور ساتھ ہی صدیقوں کا سا کلام کرتا ہے؟۔ ابن زیاد نے کہا۔ اسے میرے پاس پکڑ لاؤ۔ ابن زیاد نے اس جرم نا آشنا کو جرم حق گوئی میں نہنگ شمشیر کے حوالے کر دیا اور حکم دیا کہ اس کی نعش کو لٹکا دیا جائے۔ چنانچہ نعش اطہر کو وہیں صحن مسجد میں لٹکا دیا گیا۔ پھر امام حسینؓ کے سر مبارک کی تمام شہر میں تشہیر کی گئی۔ اور کوفہ کی کوئی جگہ ایسی نہ تھی۔ جہاں اس کو پھرایا نہ گیا ہو۔

ابن زیاد کو بھائی اور ماں کی لعنت ملامت

جب عمر ابن سعد نے حضرت امام حسینؓ کے حادثہ شہادت کے بعد کوفہ کو مراجعت کی تو ابن زیاد نے اس سے کہا کہ عمر مجھے وہ خط دے دو جو میں نے تم کو حسینؓ کے قتل و استہلاک کے متعلق لکھا تھا۔ اس نے کہا۔ میں نے تمہارے حکم کی تعمیل کر دی تھی۔ اس نے کہا وہ چھٹی واپس دے دو۔ عمر نے کہا۔ وہ ضائع ہو چکی ہے۔ ابن زیاد نے کہا۔ نہیں ضرور دے دو۔ کہا وہ تلف ہو گئی تھی۔ ابن زیاد نے کہا وہ تمہیں ضرور دینی پڑے گی۔ عمر نے کہا وہ کربلا ہی میں چھوٹ گئی تھی اور اگر وہ چٹھی مدینے پہنچ گئی تو کم از کم میں تو معذور سمجھا جاؤں گا۔ اس کے بعد عمر بن سعد نے ابن زیاد سے کہا۔ خدا کی قسم! میں نے تم کو حسینؓ کے بارہ میں بہت سمجھایا تھا اور نصیحت کی تھی۔ لیکن تم نے میری ایک نہ سنی۔ اس گفتگو کے وقت عبیداللہ بن زیاد کا بھائی عثمان بن زیاد بھی موجود تھا۔ وہ کہنے لگا کہ قتل حسینؓ سے تو کہیں یہ بہتر تھا کہ زیاد کی نسل کے ہر مرد کی ناک میں قیامت تک غلامی کی نکیل پڑی رہتی۔ اور مغیرہ کی روایت ہے کہ امام حسینؓ کی شہادت کے بعد ابن زیاد کی ماں مرجانہ نے اپنے بیٹے عبیداللہ سے کہا۔ او خبیث! تو نے ابن رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔ تجھے جہنم سے نکل کر کبھی جنت کی شکل تک دیکھنا نصیب نہ ہو گی۔

شہداء کے سرہائے مبارک اور پسماندگان اہل بیتؓ کی دمشق کو روانگی

اس کے بعد ابن زیاد نے حضرت حسینؓ کا سر بانس پر نصب کر کے زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس دمشق بھیج دیا۔ غاز بن ربیعہ کہتا ہے کہ جس وقت زحر بن قیس پہنچا۔ میں یزید کے پاس بیٹھا تھا۔ یزید نے اس سے سوال کیا۔ کیا خبر ہے؟۔ قاصد نے جواب دیا۔ فتح و نصرت کی بشارت لایا ہوں۔ حسینؓ بن علیؓ اپنے اٹھارہ اہل بیت اور ۶۰ حمایتیوں کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ ہم

نے انہیں بڑھ کر روکا اور مطالبہ کیا کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیں۔ ورنہ لڑائی لڑیں۔ انہوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی۔ چنانچہ ہم نے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ان پر حملہ بول دیا جب تلواریں ان کے سروں پر پڑنے لگیں۔ تو اس طرح ہر طرف بھاگنے اور جھاڑیوں اور گڑھوں میں چھپنے لگے جس طرح کبوتر باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں۔ پھر ہم نے ان سب کا قلع قمع کر دیا۔ اس وقت ان کے لاشے برہنہ پڑے ہیں۔ ان کے کپڑے خون میں تر بتر ہیں۔ ان کے رخسار غبار سے میلے ہو رہے ہیں۔ ان کے جسم دھوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔ گدھوں کی خوراک بن گئے ہیں۔

یزید کے تاثرات

راوی کہتا ہے یزید نے یہ سنا تو اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ کہنے لگا۔ بغیر قتل حسینؓ کے بھی میں تمہاری اطاعت سے خوش ہو سکتا تھا۔ ابن سمیہ (یعنی ابن زیاد) پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو حسینؓ سے ضرور در گذر کر جاتا۔ خدا حسینؓ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں دیا۔

یزید کے غلام قاسم بن عبد الرحمٰن سے روایت ہے کہ جب حضرت حسینؓ اور ان کے اہل بیت کے سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اس نے یہ شعر پڑھا: " يفلقن هاما من رجالا عزة ۔ علينا وهم كانوا اعق واظلما " ﴿تلواریں ایسوں کے سر پھاڑتی ہیں جو ہمیں عزیز ہیں۔ حالانکہ دراصل وہی حق فراموش کرنے والے ظالم تھے۔﴾ پھر کہا واللہ اے حسینؓ! اگر میں وہاں ہوتا تو تجھے ہرگز قتل نہ کرتا۔

حضرت حسینؓ کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کو بھی دمشق روانہ کر دیا۔ شمر ابن ذی الجوشن اور محضر ابن ثعلبہ اس قافلے کے سردار تھے۔ امام زین العابدین راستہ بھر خاموش رہے۔ کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یزید کے دروازے پر پہنچ کر محضر بن ثعلبہ چلایا۔ میں امیر المومنین کے پاس (معاذ اللہ) فاجر کمینوں کو لایا ہوں۔ یزید یہ سن کر خفا ہوا۔ کہنے لگا۔ محضر کی ماں سے زیادہ کمینہ اور شریر بچہ کسی عورت نے نہیں جنا۔

پھر یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہل بیت کو بھی بٹھایا اور امام زین العابدین سے مخاطب ہوا۔ اے علی! تمہارے ہی باپ نے میرا رشتہ کاٹا۔ میرا حق بھلایا۔ میری حکومت چھیننا چاہی۔ اس پر خدا نے اس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو۔ امام زین العابدین نے جواب میں یہ آیت پڑھی: "ما اصاب من مصيبة في الارض ولا في انفسكم الا في

کتاب من قبل ان نبرا ھا ، ان ذلك علے اللہ یسیر ، لکیلا تا سوا علے ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم ، واللہ لا یحب کل مختال فخور ‘‘ ﴿تمہاری کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ ہو۔ یہ خدا کے لئے بالکل آسان ہے۔ یہ اس لئے کہ نقصان پر تم افسوس نہ کرو اور فائدہ پر مغرور نہ ہو۔ خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔﴾ یہ جواب یزید کو ناگوار ہوا۔ اس نے چاہا اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوائے۔ مگر خالد کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ تب یزید نے خالد سے کہا۔ کہتا کیوں نہیں: ’’ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم و یعفوا عن کثیر ‘‘ ﴿جو مصیبت آتی ہے خود تمہارے اپنے ہاتھوں آتی ہے اور بہت سی غلطیاں تو خدا معاف کر دیتا ہے۔﴾

حضرت زینبؓ کی بیباکانہ گفتگو

حضرت فاطمہؓ بنت علیؓ سے مروی ہے کہ جب ہم یزید کے سامنے بٹھائے گئے تو اس نے ہم پر ترس ظاہر کیا۔ ہمیں کچھ دینے کا حکم دیا۔ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اسی اثناء میں ایک سرخ رنگ کا سیاہ دل شامی کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجئے۔ اور میری طرف اشارہ کیا۔ اس وقت میں کمسن اور خوبصورت تھی۔ میں خوف سے کانپنے لگی اور اپنی بہن زینب کی چادر پکڑ لی۔ وہ مجھ سے بڑی تھیں۔ انہوں نے پکار کر کہا۔ تو کمینہ ہے۔ نہ تجھے اس کا اختیار ہے نہ اسے (یزید کو) اس کا حق ہے۔ اس جرأت پر یزید کو غصہ آ گیا۔ کہنے لگا تو جھوٹ بکتی ہے۔ واللہ! مجھے یہ حق حاصل ہے اگر چاہوں۔ زینبؓ نے کہا ہرگز نہیں! خدا نے تمہیں یہ حق ہرگز نہیں دیا۔ یہ بات دوسری ہے کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لو۔ یزید اور بھی زیادہ برافروختہ ہوا۔ کہنے لگا۔ دین سے تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل چکا ہے۔ زینبؓ نے جواب دیا۔ کیا اللہ کے دین سے، میرے نانا کے دین سے، میرے باپ کے دین سے تو نے، تیرے باپ نے، تیرے دادا نے، ہدایت نہیں پائی؟۔ یزید چلایا اے دشمن خدا! تو جھوٹی ہے۔ حضرت زینبؓ بولیں۔ تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے۔ ظلم سے گالیاں دیتا ہے۔ اپنی قوت سے مخلوق کو دباتا ہے۔ حضرت فاطمہؓ بنت علیؓ کہتی ہیں۔ یہ گفتگو سن کر شاید یزید شرمندہ ہو گیا۔ کیونکہ پھر کچھ نہ بولا۔ مگر وہ خدا ناترس شامی پھر کھڑا ہوا۔ اور وہی بات کی۔ اس پر یزید نے غضبناک آواز میں اسے ڈانٹ پلائی۔ دور رہو کمبخت! خدا تجھے ہلاک کرے۔ اس کے بعد دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید شامی روساء و امراء کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔ ان لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟۔ بعضوں نے سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا۔ مگر نعمان ابن بشیرؓ

نے کہا۔ ان کے ساتھ وہی کیجئے جو رسول اللہ ﷺ انہیں اس حال میں دیکھ کر کرتے۔ حضرت فاطمہؓ بنت حسینؓ نے یہ سن کر کہا۔ اے یزید! یہ رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں۔ اس نسبت کے ذکر سے یزید کی طبیعت بھی متاثر ہوگئی اور اس کے درباری اپنے آنسو نہ روک سکے۔ بالآخر یزید نے حکم دیا کہ ان کے قیام کے لئے علیحدہ مکان کا انتظام کر دیا جائے۔

ملکہ کی غمگساری

اس اثناء میں اس حادثہ فاجعہ کی خبر یزید کے گھر میں عورتوں کو بھی معلوم ہوگئی۔ ہند بنت عبداللہ، یزید کی بیوی نے منہ پر نقاب ڈالا اور باہر آ کر یزید سے کہا۔ امیرالمومنین! کیا حسین ابن فاطمہ بنت رسول اللہ کا سر آیا ہے؟۔ یزید نے کہا۔ ہاں! تم خوب روؤ۔ بین کرو۔ رسول اللہ کے نواسے اور قریش کے اصیل پر ماتم کرو۔ ابن زیاد نے بہت جلدی کی۔ قتل کر ڈالا۔ خدا اسے بھی قتل کرے۔ اس کے بعد یزید نے حاضرین مجلس سے کہا۔ تم جانتے ہو یہ سب کس بات کا نتیجہ ہے؟۔ یہ حسینؓ کی اجتہادی غلطی کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے سوچا کہ میرے باپ یزید کے باپ سے افضل ہیں۔ میری ماں یزید کی ماں سے افضل ہے۔ میرے نانا یزید کے نانا سے افضل ہیں اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں۔ اس لئے حکومت کا بھی یزید سے زیادہ میں مستحق ہوں۔ حالانکہ ان کا یہ سمجھنا کہ ان کے والد میرے والد سے افضل تھے۔ صحیح نہیں۔ علیؓ اور معاویہؓ نے باہم جھگڑا کیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوا؟۔ رہا ان کا یہ کہنا کہ ان کی ماں میری ماں سے افضل ہے تو بلاشبہ یہ ٹھیک ہے۔ فاطمہؓ بنت رسول اللہ میری ماں سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ ان کے نانا میرے نانا سے افضل ہیں۔ تو قسم خدا کی! کوئی بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا رسول اللہ سے افضل بلکہ رسول اللہ کے برابر کسی انسان کو نہیں سمجھ سکتا۔ حسینؓ کے اجتہاد نے غلطی کی۔ وہ یہ آیت بالکل بھول گئے: مالك الملك توتی الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاو وتزل من تشاء بیدك الخیر ٠ انك علی کل شیء قدیر!

پھر اہل بیتؓ کی خاتونیں یزید کے محل میں پہنچائی گئیں۔ خاندان معاویہؓ کی عورتوں نے انہیں اس حال میں دیکھا تو بے اختیار رونے پیٹنے لگیں۔

یزید کی زود پشیمانی اور سعی تلافی

پھر یزید آیا تو فاطمہ بنت حسینؓ نے جو جناب سکینہؓ سے بڑی تھیں۔ اس سے کہا اے یزید! کیا رسول اللہ ﷺ کی لڑکیاں کنیزیں ہوگئیں؟۔ یزید نے کہا اے میرے بھائی کی بیٹی ایسا

کیوں ہونے لگا؟۔ فاطمہؓ نے کہا بخدا ہمارے کان میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی۔ یزید نے کہا تم لوگوں کا جتنا گیا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ میں تمہیں دوں گا۔ چنانچہ جس نے اپنا جتنا نقصان بتایا اس سے دوگنا تگنا دے دیا گیا۔ یزید کا دستور تھا روز صبح شام کے کھانے میں زین العابدین علی بن حسینؓ کو اپنے ساتھ شریک کیا کرتا۔ ایک دن حضرت حسنؓ کے کم سن بچے عمرو کو بھی بلایا اور ہنسی سے کہنے لگا۔ تو اس سے لڑے گا؟ اور اپنے لڑکے خالد کی طرف اشارہ کیا۔ عمرو بن حسنؓ نے اپنے بچپنے کے بھولے پن میں جواب دیا۔ یوں نہیں۔ ایک چھری مجھے دو ایک چھری اسے دو۔ پھر ہماری لڑائی دیکھو۔ یزید کھلکھلا کر ہنس پڑا اور عمرو بن حسنؓ کو گود میں اٹھا کر سینے سے چمٹا لیا اور کہا۔ سانپ کا بچہ بھی سانپ ہی ہوتا ہے۔ یزید نے اہل بیت کو کچھ دن اپنا مہمان رکھا۔ اپنی مجلسوں میں ان کا ذکر کرتا اور بار بار کہتا۔ کیا حرج تھا اگر میں خود تھوڑی تکلیف گوارا کر لیتا۔ حسینؓ کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا۔ ان کے مطالبہ پر غور کرتا۔ اگرچہ اس کی وجہ سے میری قوت میں کچھ کمی ہی کیوں نہ پڑ جاتی۔ لیکن اس سے رسول اللہ ﷺ کے حق اور رشتہ داری کی تو حفاظت ہوتی۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر جس نے حسینؓ کو لڑائی پر مجبور کیا۔ حسینؓ نے کہا تھا میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیں گے یا مسلمانوں کی سرحدوں پر جا کر جہاد میں مصروف ہو جائیں گے۔ مگر ابن زیاد نے ان کی کوئی بات بھی نہ مانی اور قتل کر ڈالا۔ ان کے قتل نے تمام مسلمانوں میں مجھے مبغوض بنا دیا۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ پر۔ خدا کا غضب ابن مرجانہ پر۔

اہل بیت کی مدینہ منورہ کو مراجعت

پھر جب اہل بیت کو مدینہ بھیجنے لگا تو امام زین العابدین سے ایک مرتبہ اور کہا۔ ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت۔ واللہ اگر میں حسینؓ کے ساتھ ہوتا اور وہ میرے سامنے اپنی کوئی شرط بھی پیش کرتے تو میں اسے ضرور منظور کر لیتا۔ میں ان کی جان ہر ممکن ذریعہ سے بچاتا۔ اگرچہ ایسا کرنے میں خود میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی۔ لیکن خدا کو وہی منظور تھا جو ہو چکا۔ دیکھو مجھ سے برابر خط و کتابت کرتے رہنا جو ضرورت پیش آئے مجھے خبر دینا۔ بعد میں حضرت سکینہؓ برابر کہا کرتی تھیں۔ میں نے کبھی کوئی ناشکر انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا۔ یزید نے اہل بیت کو اپنے ایک معتبر آدمی اور فوج کی حفاظت میں رخصت کر دیا۔ اس شخص نے راستہ بھر ان مصیبت زدوں سے اچھا برتاؤ کیا۔ جب یہ منزل مقصود پر پہنچ گئے تو حضرت زینبؓ بنت علیؓ اور حضرت فاطمہ بنت حسینؓ نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اسے بھیجے اور کہا۔ یہ تمہاری نیکی کا بدلہ ہے۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے کہ تمہیں دیں۔ اس شخص نے زیور واپس کر دیئے اور کہلا بھیجا۔ واللہ! میرا

یہ برتاؤ کسی دنیاوی طمع سے نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے خیال سے تھا۔ اہل بیت کی آمد سے بہت پہلے مدینہ میں یہ جاں گسل خبر پہنچ چکی تھی۔ بنی ہاشم کی خاتونوں نے سنا تو گھروں سے چلاتی ہوئی نکل پڑیں۔ حضرت عقیلؓ بن ابی طالب کی صاحبزادی آگے آگے تھیں۔ اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں: "ماذا تقولون ان قال النبی لکم ۔ ماذا فعلتم وانتم اخر الامم" ﴿کیا کہو گے جب نبی تم سے سوال کریں گے کہ اے وہ جو سب سے آخری امت ہو﴾ "بعترتی و باھلی بعد مفتقدی ۔ منھم اساری ومنھم ضرجوا بدم" ﴿تم نے میری اولاد اور خاندان سے میرے بعد یہ کیا سلوک کیا کہ ان میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے پڑے ہیں۔﴾

ابن زیاد کا بصرہ سے شام کو فرار

جب یزید کا پیمانہ عمر لبریز ہوا اور اس نے توسن حیات کی باگ ملک آخرت کی طرف پھیری۔ تو ابن زیاد کا کب اقتدار بھی آناً فاناً غروب ہو گیا۔ وہ بصرہ اور کوفہ دونوں مملکتوں کا والی تھا۔ لیکن یزید کی آنکھیں بند ہوتے ہی یہ دونوں حکومتیں اس کے ہاتھ سے نکل گئیں۔ اہل کوفہ نے ابن زیاد کے نائب عمرو ابن حریث کو کوفہ سے نکال دیا اور بصرہ میں جہاں ابن زیاد خود رہتا تھا۔ لوگ اس کے خلاف عدم تعاون کا حربہ استعمال کرنے لگے۔ چنانچہ جس کام کا وہ حکم دیتا اس کی تعمیل نہ ہوتی اور جو رائے پیش کرتا اس کی تردید کر دی جاتی۔ اگر ابن زیاد کسی مجرم کے لئے حبس کا حکم دیتا تو لوگ اس کے اہلکاروں اور ملزم کے درمیان حائل ہو جاتے اور ابن زیاد منہ تکتا رہ جاتا۔

اس اثناء میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر مکہ معظمہ میں بیعت خلافت ہو چکی تھی۔ ان کی طرف سے سلمہ ابن ذویب حنظلی وارد بصرہ ہوا۔ وہ ایک جھنڈا لے کر بازار میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ اے لوگو! میرے پاس آؤ میں تم کو حرم کے پناہ گزیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف بلاتا ہوں۔ لوگ اس کے ہاتھ پر جناب ابن زبیرؓ کی بیعت کرنے لگے۔ جب ابن زیاد کو اس کا علم ہوا تو بہت گھبرایا۔ چونکہ ابن زبیرؓ سے بیعت کرنے والوں کی جماعت آناً فاناً بڑھ گئی اور انہوں نے ابن زیاد کے خلاف علم انحراف بلند کر دیا۔ اس لئے ابن زیاد نے اپنے فوجی افسروں کو حکم دیا کہ وہ اس کے ہم رکاب ہو کر پیروان ابن زبیرؓ سے جنگ کریں۔ لیکن روسائے فوج نے اس کو باتوں میں ہی ٹرخا دیا۔ اب ابن زیاد نے اس کام میں بھائیوں، رشتہ داروں اور دوسرے متوسلین کا تعاون حاصل کرنا چاہا۔ وہ کہنے لگے کہ اس وقت ہمارا کوئی خلیفہ نہیں جس کے لئے ہم مخالفوں سے برسر جنگ ہوں۔ اگر موجودہ حالات میں لڑائی کا نتیجہ تمہارے خلاف ہو تو کوئی ایسی

مرکزی حکومت نہیں جس کے پاس تم چلے جاؤ اور وہ تمہاری مدد کرے۔ پھر کہنے لگے۔ ہم نے بصرہ میں جائدادیں خرید رکھی ہیں۔ لڑائی میں ہم مغلوب ہو گئے تو لوگ ہمیں ہلاک کر کے ہماری جائدادوں پر قبضہ جما لیں گے۔ غرض خویشوں نے بھی جواب دے دیا اور وہ بے بسی اور حرمان و یاس کی مجسم تصویر بن کر رہ گیا۔ وہ ابھی انہی اضطراب آفرین نامرادیوں کے حصار میں گھرا تھا کہ اسے اپنی جاں کے لالے پڑ گئے۔ کیونکہ اہل بصرہ نے اس کے قتل پر اتفاق کر لیا تھا۔ اب ابن زیاد کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ کہیں بھاگ کر جان بچائے۔ اس غرض کے لئے اس نے حارث ابن قیس نام ایک ازدی رئیس کو بلایا اور کہنے لگا۔ میرے والد نے مجھے وصیت کی تھی کہ اگر کبھی امداد کی حاجت ہو تو قبیلہ ازد کو اختیار کرنا۔ اس لئے یہاں سے بھاگنے میں میری مدد کرو۔ اس نے کہا میں دن کے وقت تو تم کو امان دے کر نہیں لے جا سکتا۔ کیونکہ خوف ہے کہ اس کوشش میں تمہارے ساتھ کہیں میں بھی جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھوں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ رات کے وقت تمہیں اپنے پیچھے سوار کر کے لے چلوں۔ تاکہ ظلمت شب میں تمہیں کوئی پہچان نہ سکے۔ ابن زیاد نے کہا یہ رائے نہایت صائب ہے۔ چنانچہ حسب قرارداد حارث رات کی تاریکی میں اس کو اپنے پیچھے سوار کر کے لے اڑا۔ اس وقت بیت المال میں ایک کروڑ نوے لاکھ کی رقم جمع تھی۔ ابن زیاد نے اس کا کچھ حصہ اپنے ساتھ لیا اور باقی نہایت رازداری کے ساتھ اپنے خاندان کے لوگوں اور دوسرے متعلقین میں تقسیم کر دیا۔ جب حارث ابن زیاد کو لے جا رہا تھا تو یہ جہاں سے گزرتے ابن زیاد حارث سے بار بار پوچھتا کہ اب ہم کہاں ہیں؟۔ کیونکہ راستے میں جو اسلامی قبائل بھی آباد تھے وہ ابن زیاد کے دشمن جاں تھے۔ جب قبیلہ بنو سلیم میں پہنچے تو ابن زیاد کے دریافت کرنے پر حارث نے کہا کہ اب ہم بنو سلیم میں سے گذر رہے ہیں۔ یہ سن کر ابن زیاد بولا۔ اب انشاءاللہ! ہمارے لئے سلامتی ہے۔ پھر جب بنو ناجیہ میں گزرتے وقت ابن زیاد نے یہی سوال کیا اور حارث نے بنو ناجیہ کا نام بتایا تو ابن زیاد نے کہا (انشاءاللہ! اب ہم ضرور نجات پا جائیں گے۔ بنو ناجیہ نے پوچھا تم کون ہو؟۔ حارث نے کہا میں حارث بن قیس ہوں۔ بنو ناجیہ کا ایک شخص ابن زیاد کو پہچانتا تھا۔ اس نے دیکھتے ہی کہا ابن مرجانہ اور جھٹ ایک تیر مارا جو ابن زیاد کے عمامہ میں لگا۔ حارث نے سواری کو زیادہ تیز کر دیا اور دونوں بچ کر نکل گئے۔ الغرض ابن زیاد اسی طرح بہ ہزار خرابی و رسوائی شام پہنچا۔ جہاں ابھی تک بنو امیہ کی حکومت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔

ابن زیاد کی ہلاکت

جب ۶۴ھ میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر مکہ معظمہ میں بیعت ہوئی تو انہوں

نے بعض بنو امیہ کو ارض حجاز سے شام کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔ انہی مخرجین میں عبدالملک کا باپ مروان ابن حکم بھی تھا۔ مروان کی یہ خواہش تھی کہ وہ جا کر عبداللہ ابن زبیرؓ سے بیعت کرے۔ ابن زیاد کو مروان کے عزم بیعت کی اطلاع ہوئی تو مروان سے کہنے لگا۔ میں تمہارے اس ارادے پر سخت شرم محسوس کر رہا ہوں۔ مروان نے کہا کہ ابھی تک کچھ نہیں بگڑا ہے۔ غرض ۶۴ھ میں مروان کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی۔ اس کے بعد مروان نے ابن زیاد کو ایک لشکر دے کر موصل کی طرف روانہ کیا۔ موصل میں اس وقت مختار کا عامل عبدالرحمٰن ابن سعید تھا۔ وہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر تکریت کو چلا گیا اور مختار کو اپنی ہزیمت و پسپائی کی اطلاع دے دی۔ مختار نے یزید ابن انس اسدی کو تین ہزار منتخب و جنگ آزمودہ فوج کے ساتھ ابن زیاد کے مقابلہ پر بھیجا۔ اس نے توسن ہمت کی باگ اٹھائی اور باد و برق کی طرح موصل جا پہنچا۔ جب ابن زیاد کو اس کی آمد کا علم ہوا تو اس نے تین ہزار کے مقابلہ میں چھ ہزار فوج بھیج دی۔ لیکن یزید بن انس یہاں پہنچتے ہی ناگہاں مرض موت میں گرفتار ہوا اور اس کا مرض دم بدم ترقی کرنے لگا۔ جب نقارہ جنگ پر چوب پڑی تو یزید شدت مرض کے باوجود ایسی حالت میں گدھے پر سوار ہو کر نکلا کہ اسے آدمی تھامے ہوئے تھے۔ یزید نے اپنی فوج کو آراستہ کیا۔ اور ساتھ ہی وصیت کر دی کہ اگر میں مر جاؤں تو ورقاء ابن عازب تمہارا امیر ہوگا۔ لڑائی کے دوران میں کبھی تو وہ شدت مرض کی وجہ سے غش کھا جاتا تھا اور کبھی ہوش میں آ جاتا تھا۔ بااین ہمہ اہل شام کو ہزیمت ہوئی اور مختار کی فوج نے اس کے پڑاؤ پر قبضہ کر لیا۔ یزید ابن انس اسی روز بوقت مغرب اس سرائے فانی سے کوچ کر گیا۔ اس ہزیمت کے بعد ابن زیاد اسی ہزار فوج لے کر مقابلہ کے لئے بڑھا۔ یہ دیکھ کر مختار کی فتح مند فوج نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ کوفہ کو واپس چلی جائے۔ جب مختار کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو اس نے ابراہیم بن اشتر کو سات ہزار سواروں کی جمعیت کے ساتھ موصل روانہ کیا اور یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر یزید ابن انس کی فوج کو دیکھو تو اسے اپنی قیادت میں واپس لے جانا۔ ابراہیم اپنی فوج کو یہ واقعات ذہن نشین کرتے ہوئے روانہ ہوا کہ ابن زیاد نے حضرت امام حسینؓ اور ان کے اہل بیتؓ کے ساتھ کیا برتاؤ برتا؟۔ ان کو کس طرح قتل کیا اور ان کا پانی بند کیا؟۔ یہ دردانگیز حالات سنا سنا کر اپنے آدمیوں کو ابن زیاد کے خلاف جوش دلاتا رہا۔ جب وہاں پہنچے اور مقابلہ ہوا تو ابن زیاد کو باوجود ہشت چند فوج رکھنے کے ہزیمت ہوئی۔ اس ہزیمت کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ عمیر بن حباب نام ابن زیاد کا ایک فوجی سردار جو در پردہ ابن زیاد کا دشمن تھا۔ اپنی سپاہ کو بددل کرنے کے لئے لڑتے لڑتے بھاگ کھڑا ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شامی فوج نے راہ فرار اختیار کی۔ مختار کی فوج نے شامیوں کا تعاقب کیا۔ وہ لوگ بھاگتے وقت

عالم بدحواسی میں اس کثرت سے نہر میں غرق ہو گئے کہ مغرقین کی تعداد مقتولین سے بڑھ گئی۔ فاتحین نے مال غنیمت سے خوب ہاتھ رنگے اور اپنے مستقر کو واپس آئے ابراہیم بن اشتر اپنے فوجی افسروں سے کہنے لگا کہ میں نے ابھی ایک شخص کو ایک جھنڈے کے نیچے نہر خاز کے کنارے اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہے۔ اس کا پتہ لگاؤ۔ اس کے کپڑے بہت معطر پاؤ گے۔ دونوں ہاتھ مشرق کی طرف اور پاؤں مغرب کی جانب ہوں گے۔ اسے تلاش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ ابن زیاد بدنہاد تھا۔ جس نے ابراہیم کی ضرب سے ہلاک ہو کر زندگی کی رسوائی سے نجات پائی۔ اس کا سر کاٹ کر باقی جسم نذر آتش کر دیا گیا۔ اب ابراہیم نے نامہ فتح کے ساتھ ابن زیاد اور اس کے روساء کے سر مختار کے پاس بھیج دیئے۔ جب یہ سر کوفہ کے قصر امارت میں پڑے تھے تو ایک پتلا سا سانپ وہاں آیا اس نے گھوم گھوم کر سروں کو دیکھا۔ آخر ابن زیاد کے منہ میں گھس کر ناک میں آ نکلا۔ پھر ناک سے داخل ہو کر منہ میں جا کر سر نکالا۔ اس نے کئی مرتبہ ایسا ہی کیا۔ اس واقعہ کو محدث ترمذیؒ نے اپنی کتاب جامع میں نقل کیا ہے۔

عمر ابن سعد کا قتل

یہ عمر حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کا ناخلف بیٹا تھا جو حضرت سرور انبیا ﷺ کے جلیل القدر صحابی اور عشرہ مبشرہ میں داخل تھے۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص علیہ وہی بزرگ ہیں جنہیں فخر کونین سیدنا محمد ﷺ ماموں کے معزز لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کی مادر محترمہ قبیلہ بنو زہرہ سے تھیں اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی اسی قبیلہ کے چشم و چراغ تھے۔ جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جناب سعد ابن ابی وقاصؓ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خیر الانام ﷺ نے فرمایا کہ سعد میرے ماموں ہیں۔ اور پھر حضرت سعدؓ کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت اور مایہ الفخر چیز ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ نے یہاں تک فرما دیا کہ اگر کسی دوسرے شخص کا ماموں بھی (ایسا بلند پایہ) ہو جیسا کہ میرا تو وہ اسے پیش کرے۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۱۶) اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ وہ سابقین اسلام میں سے تیسرے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۷) یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو چھوڑ کر ان سے پہلے صرف ایک ہی صحابی شرف ایمان سے مشرف ہوئے تھے۔ لیکن خدائے برتر کی شان بے نیازی ملاحظہ ہو کہ اتنے بڑے جلیل القدر صحابی عاشق رسول اکرم ﷺ کا بیٹا کربلا کے معرکہ میں حضور سرور عالم کے فرزند کے قاتلوں کا قائد و رہنما تھا۔ فسبحان الذی یخرج الحی من المیت و مخرج المیت من الحی!

قتل حسینؓ سے اعراض یا رے کی حکومت

عمر ابن سعد کربلا کی یزیدی افواج کا قائد اعظم تھا۔ اس تقرر کا باعث یہ ہوا کہ ابن زیاد نے اسے چار ہزار فوج کی کمان دے کو کوہ ستقی کی طرف روانہ کیا تھا جس پر دیلم نے حملہ کر کے عمل و دخل کر لیا تھا۔ ابن زیاد نے ابن سعد کو قیادت لشکر کے ساتھ رے کی حکومت کا فرمان بھی لکھ دیا تھا۔ چنانچہ عمرو نے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کر کے حمام اعین کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ لیکن حرمان نصیبی کا کمال دیکھو کہ جب امام حسینؓ کی تشریف آوری کا غلغلہ بلند ہوا تو ابن زیاد نے عمر بن سعد کو بلا کر کہا کہ بالفعل تم حسینؓ کا قضیہ نبٹا لو۔ اس کو سرانجام دینے کے بعد خدمت مفوضہ کے لئے چلے جانا۔ عمرو نے امام حسینؓ کے مقابلہ پر جانے کے لئے معافی چاہی۔ ابن زیاد کہنے لگا کہ معافی اسی صورت میں ممکن ہے کہ رے کی حکومت کا فرمان واپس کر دو۔ عمرو نے کہا اچھا مجھے غور کرنے کے لئے ایک دن کی مہلت دو۔ چنانچہ اس نے اپنے اعزہ و اقارب اور ہوا خواہوں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ جناب رسول خدا ﷺ کے فرزند گرامی کی تباہی و استیصال کی طرف قدم اٹھانا ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔ ابن سعد کا بھانجا مغیرہ کہنے لگا۔ ماموں! میں تم کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ امام حسینؓ کے مقابلہ پر نا جانا۔ خدا کی قسم! اگر بالفرض تمہیں ساری کائنات کے اموال و خزائن اور ربع سکون کی بادشاہت سے بھی دست بردار ہونا پڑے تو بھی ابن رسول اللہ ﷺ کے خون کا دھبہ اپنے دامن عمل پر نا لگانا۔ اس سے قطع نظر حضرت حسینؓ تمہارے جد قرشی ہیں اور صلہ رحمی کا اقتضاء یہ ہے کہ حقوق قرابت پر چند روزہ دنیاوی اقتدار کو قربان کر دو۔ عمرو نے کہا اچھا میں ایسا ہی کروں گا۔ اب وہ رات بھر اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہا کہ دو باتوں میں سے کس کو اختیار کروں؟۔ اس وقت اس مضمون کے اشعار اس کی زبان پر تھے۔ کیا میں رے کی رغبت دل سے نکال دوں یا حسینؓ کے قتل میں شرکت کروں؟۔ حسینؓ کے قتل کی سزا تو ایسی آگ ہے جس سے بچنے کے لئے کوئی حجاب نہیں ہے اور رے کی حکومت میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ آخر صبح کو ابن زیاد کے پاس جا کر کہا کہ لوگوں نے سن لیا ہے کہ تم نے مجھے ولایت رے کا عامل مقرر کیا ہے۔ اگر اس کا نفاذ کر دو تو بہتر ہے۔ اور اس حسینؓ کے مقابلہ پر جانے کے لئے اشراف کوفہ میں سے کسی ایسے شخص کا انتخاب مناسب ہے جو فن محاربہ میں مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہو۔ یہ کہہ کر چند آدمیوں کے نام لئے۔ ابن زیاد بولا۔ میں نے اس بارہ میں تم سے کوئی مشورہ نہیں طلب کیا تھا۔ اگر لشکر لے کر جاتے ہو تو جاؤ۔ ورنہ رے کی حکومت کا فرمان واپس کر دو۔ عمرو کہنے لگا اچھا میں جاتا ہوں۔ غرض عمرو فوج لے کر حضرت حسینؓ کے مقابلہ میں روانہ ہوا اور امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی ایک

مشہور پیشین گوئی پوری کر دی۔ چنانچہ ابن سیرینؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی نے عمرو بن سعد سے کہا تھا کہ اگر تم کبھی ایسے مقام میں ہو کہ تمہیں جنت اور دوزخ میں سے کسی ایک کو اختیار وانتخاب کرنے کی نوبت آئے تو تم ضرور دوزخ ہی کو ترجیح دو گے۔

ابن سعد کا افتخار کہ سب سے پہلے میں نے امام حسینؓ پر تیر چلایا

جب عمر ابن سعد نے یزیدی افواج کی عنان قیادت اپنے ہاتھ میں لی تو اس کے بعد اس نے اپنی باطل پرستی اور حق فراموشی کا مظاہرہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ چنانچہ معرکہ کربلا کے آغاز میں سب سے پہلے اس نے چلے میں تیر جوڑ کا چلایا اور کہا۔ سب لوگ گواہ رہنا کہ سب سے پہلے میں نے ہی تیر چلایا ہے۔ مقام عبرت ہے کہ عمرو کے باپ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تو حسب روایت قیس ابن ابو حازم تابعی ہمیشہ اس بات فخر کیا کرتے تھے کہ میں عرب میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں جس نے راہ خدا میں تیر چلایا۔ (بخاری ج ا ص ۵۲۸) لیکن ان کے نابکار بیٹے کو اس بات پر فخر ہے کہ اس نے فرزند رسولؐ پر تیر چلانے میں سب پر سبقت کی۔ عمرو نے اسی باطل نوازی پر اکتفا نہیں کیا کہ تیر چلا کر لڑائی کا آغاز کر دیا ہو۔ بلکہ اس کی قساوت قلبی کے اس وقت اور بھی زیادہ جوہر کھلے تھے جب اس نے حضرت امام مظلوم کی جان ستانی کے بعد ابن زیاد کے حکم کی تعمیل میں اپنے لشکر کو خطاب کر کے بآواز بلند کہا کہ کون اس بات پر آمادہ ہے کہ حسینؓ کی طرف جائے اور اپنے گھوڑے سے اس کی لاش کو روند ڈالے۔ چنانچہ دس سوار گئے اور انہوں نے اپنے گھوڑوں کے پاؤں سے آپ کی نعش اطہر کو بہت بری طرح روندنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ کے جسد مبارک کی ہڈیاں اور پسلیاں اور اعضاء بالکل ریزہ ریزہ کر ڈالے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! کاش ظالموں کے بہیمانہ جذبات کی تسکین محض امام ہمام کی جان لینے سے ہی ہو جاتی اور انہیں درندگی اور خباثت نفس کے اس مظاہرۂ عظیم کی ضرورت نہ پڑتی۔ تعجب ہے کہ ان نابکاروں کو اسلامی گھرانوں میں پیدا ہونے کے باوجود کس قانون کس اخلاق اور کون سی تہذیب نے اس کی اجازت دی تھی کہ وہ حضرت سید الشہداءؓ کے جسد اطہر کو اپنی سبعیت کا تختہ مشق بناتے؟۔

حضرت زینبؓ کا عبرتناک استفسار اور عمرو کی اشکباری

اس میں شبہ نہیں کہ جاہ طلبی کی شدت انہماک نے عمرو کے دل ودماغ پر جمود و بے حمیتی کی موٹی تہیں چڑھا رکھی تھیں۔ تاہم اس لحاظ سے کہ اس نے ایک جلیل القدر صحابی کے آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی۔ اس کا دل اہل بیت اطہار کی مصیبت پر کسی نہ کسی وقت ضرور پسیجتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت حسینؓ میدان دغا میں تنہا رہ گئے اور اعدائے نافرجام آپ پر چاروں طرف

سے حملے کر رہے تھے تو حضرت زینبؓ خیمہ سے باہر نکلیں اور کہنے لگیں۔اے کاش! آسمان ٹوٹ پڑتا اور زمین کو ڈھانپ لیتا۔اتنے میں عمر ابن سعد ان کے قریب آیا۔حضرت زینبؓ نے اس سے کہا کہ اے عمرو! کیا ابوعبداللہ (یعنی امام حسینؓ) شہید ہو جائیں گے اور تم دیکھتے رہو گے؟۔یہ سن کر عمرو کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس کے رخساروں اور ڈاڑھی پر گرنے لگے اور اس نے جناب زینبؓ کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔یہ اشک باری زبان حال سے اس حقیقت کا اظہار کر رہی تھی کہ گو حب جاہ و ریاست نے مجھے گروہ اشرار میں داخل کر رکھا ہے۔لیکن میرا دل آپ حضرات کی ہمدردی سے بیگانہ نہیں ہے۔عمرو نے اس ہمدردی اور انصاف پسندی کا اس وقت بھی ثبوت دیا تھا۔جبکہ شمر،امام زین العابدین علی ابن حسینؒ کو بحالت رنجوری وعلالت جرعہ شہادت پلانا چاہتا تھا اور عمرو بن سعد نے وہاں آ کر حکم دیا تھا کہ عورتوں کے خیمہ میں کوئی نہ جائے اور نہ کوئی شخص اس مریض لڑکے سے کسی قسم کا تعرض کرے۔اور یہ بھی حکم دیا کہ اگر کسی نے ان کے مال و متاع میں سے کچھ لیا ہو تو وہ واپس کر دے۔

عمرو بن سعد اور اس کے بیٹے کا قتل

ابن زیاد کی ہلاکت کے بعد ایک دن مختار نے اپنے حاشیہ نشینوں سے کہا کہ کل میں ایک ایسے شخص کو ہلاک کروں گا جس کے بڑے پاؤں، گڑی ہوئی آنکھیں اور گھنی بھویں ہیں اور جس کے قتل سے اہل ایمان اور ملائکہ مقربین خوش ہوں گے۔حاضرین مجلس میں ہثیم بن اسود نخعی نام ایک کوفی تاڑ گیا کہ مختار کی مراد عمرو بن سعد ہے۔ہثیم نے گھر جا کر اپنے بیٹے کو یہ اطلاع دینے کے لئے ابن سعد کے پاس بھیجا کہ مختار نے تمہارے استہلاک کا تہیہ کر لیا ہے۔یہ دیکھ کر عمرو نے عبداللہ بن جعدہ بن ہبیرہ کے پاس جا کر منت سماجت کی کہ مختار سے مجھے امان دلا دو۔مختار عبداللہ بن جعدہ کا اس بنا پر بہت احترام کرتا تھا کہ انہیں امیر المومنین علیؓ سے قرابت تھی۔یعنی وہ حضرت علیؓ کی خواہر محترمہ حضرت ام ہانیؓ کے پوتے تھے۔عبداللہ نے مختار کے پاس سفارش لکھ بھیجی۔مختار کی عادت تھی کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح ایسی لچک دار اور گول مول بات لکھا کرتا تھا کہ جس میں بوقت ضرورت انکار کرنے یا دوسرا مفہوم مراد لینے کی بہت گنجائش رہتی تھی۔مختار نے بدیں الفاظ وعدہ امان لکھ دیا۔یہ وعدہ امان مختار بن ابوعبیدہ کی جانب سے عمرو بن سعد کے لئے لکھا جاتا ہے۔تمہاری جان،مال،اعزہ،اقرباء اور اولاد کو امان دی جاتی ہے۔تم سے تمہارے سابقہ اعمال کا اس وقت تک کوئی مواخذہ نہ کیا جائے گا۔جب تک تم ہمارے احکام کی تعمیل کرو گے۔مختار ابن ابوعبید نے اللہ کے سامنے یہ عہد واثق کیا ہے کہ وہ اس عہد امان کا ایفا کرے گا۔بجز

اس صورت کے کہ کوئی حدث (نیا واقعہ) رونما نہ ہو۔ استثناء کے عربی الفاظ یہ تھے۔ اِن حدث حدثا !! ان الفاظ کے معنی بظاہر یہ تھے کہ میں نے اس امان بخشی کے عہد کو نہیں توڑوں گا۔ لیکن چونکہ "حدث" عربی زبان میں خروج ریح اور بے وضو ہونے کو بھی کہتے ہیں۔ مختار نے متذکرہ صدر تحریر میں "حدث" سے بے وضو ہونا مراد لیا تھا۔ یعنی اس نے دل میں امان نامہ کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا تھا کہ وہ بے وضو نہ ہو۔ لیکن چونکہ وہ اس کے بعد بار ہا بے وضو ہوتا رہا۔ اس لئے وعدہ امان غطر بود ہو گیا۔

دوسری صبح کو مختار نے عمرو کو ابو عمرہ نام ایک شخص کے ہاتھ بلا بھیجا۔ مختار نے جاتے وقت ابو عمرہ کو سمجھا دیا کہ اگر کوئی موقع ملے تو اس کو ٹھکانے لگا دینا۔ عمرو اٹھا۔ مگر چلتے ہوئے اپنے جبے میں اٹک کر گر پڑا۔ ابو عمرہ نے اسی وقت تلوار کا وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر دارالامارت کوفہ میں مختار کے پاس بھیج دیا۔ جب عمرو کا سر مختار کے سامنے رکھا گیا تو اس وقت عمرو بن سعد کا بیٹا حفص بھی اس کے پاس بیٹھا تھا۔ مختار نے حفص سے پوچھا پہچانتے ہو کہ یہ سر کس کا ہے۔ اس نے کہا ہاں! مگر باپ کا سایہ اٹھ جانے کے بعد اب زندگی بے لطف ہے۔ یہ سن کر مختار نے اس کی بھی گردن مارنے کا حکم دیا اور اس کے مقطوع سر کو بھی عمرو کے سر کے ساتھ رکھوا دیا۔ مختار عمرو کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا یہ حسینؓ کے بدلے میں اور پھر حفص کے سر کی طرف اشارہ کر کے بولا یہ علیؓ بن حسینؓ کے بدلے میں۔ گو ان دونوں کو ان دونوں سے کوئی نسبت نہیں۔ اس کے بعد مختار قسم کھا کر کہنے لگا کہ اگر میں بنو قریش کے ثلث آدمیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتاروں تو وہ سب مل کر امام حسینؓ کی ایک پور کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ اب مختار نے عمر اور اس کے بیٹے کا سر حضرت محمد بن حنفیہؒ کے پاس مکہ معظمہ بھجوا دیا۔ جو امام حسینؓ کے سوتیلے بھائی تھے اور لکھا کہ میں امام حسینؓ کے قاتلوں کی فکر میں ہوں۔ بعض کو قتل کر چکا ہوں اور دوسروں کی تلاش میں ہوں۔

شمر ابن ذی الجوشن کی جاں ستانی

امام حسینؓ کی مخالفت میں شمر کی وہی حیثیت تھی جو فخر بنی آدم سیدنا احمد مجتبیٰ ﷺ کی عداوت و ایذا رسانی میں ابو جہل کی تھی۔ ان دونوں کے حالات پڑھ جاؤ۔ قسوت و تیرہ دلی میں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے سکو گے اور اگر ان دونوں میں کچھ فرق نظر آئے گا تو صرف کفر اور دعوئ اسلام کا فرق ہو گا۔ باطن کا حال بجز علام الغیوب عز اسمہ کے کوئی نہیں جان سکتا۔ لیکن شمر کا ظاہر قطعاً اس بات کی شہادت نہیں دیتا کہ اس کو ایمان و اسلام سے کچھ بھی حصہ ملا تھا۔ ذیل میں

چند واقعات درج کئے جاتے ہیں۔ جن سے بسہولت اندازہ ہو سکے گا کہ اس کو ایمان واسلام سے کہاں تک تعلق تھا؟۔

امام حسینؓ کے شرائط صلح کو مسترد کرادیا

آغاز جنگ کربلا سے پہلے حضرت امام حسینؓ نے عمرو بن سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ آج رات کو اپنے اور میرے لشکر کے درمیان مجھ سے ملو۔ عمر حسب الارشاد وہاں آیا اور دونوں میں دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد ابن سعد اور امام حسینؓ میں تین چار اور طویل ملاقاتیں ہوئیں۔ انجام کار امام حسینؓ نے تین شرطیں پیش کیں۔ یا تو مجھے حجاز واپس جانے دو۔ یا مسلمانوں کی کسی ایسی سرحد پر بھیج دو جس کو تم پسند کرو۔ یا یزید کے پاس دمشق روانہ کردو۔ تا کہ میں اور وہ ہر بات کا خود ہی تصفیہ کرلیں۔ یہ وہ آخری شرائط تھے جو چار پانچ دن کی بحث وتمحیص کے بعد امام حسینؓ نے منظور کئے تھے۔ عمر کو اس بات کا یقین تھا کہ ابن زیاد اس میں کسی نہ کسی شرط کو ضرور منظور کرلے گا۔ چنانچہ عمر نے ابن زیاد کو لکھا کہ خدا نے آگ بجھا دی ہے اور اتفاق کی صورت پیدا کردی ہے۔ حسینؓ نے انجام کار یہ تین شراطیں پیش کی ہیں۔ اب ان شرائط میں تمہارے لئے وجہ رضامندی اور امت کے لئے وجوہ اصلاح وفلاح موجود ہیں۔ ابن زیاد یہ خط پڑھ کر خوش ہوا اور عمرو کی نسبت کہنے لگا کہ یہ ایسے شخص کا خط ہے جو اپنے امیر کا بہی خواہ اور اپنی قوم کا شفیق ہے۔ میں ان شرائط کو قبول کرتا ہوں۔ بدقسمتی سے شمر ابن ذی الجوشن ایسا تیرہ دل شخص بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ وہ جھٹ کھڑا ہو گیا اور ابن زیاد سے کہنے لگا جب حسینؓ تمہاری زمین میں اور بالکل تمہارے پہلو میں اترا ہوا ہے تو آپ یہ شرطیں کیوں منظور کرتے ہیں؟۔ اس کے بعد شمر کہنے لگا خدا کی قسم! اگر وہ تمہارے بلاد سے واپس چلا گیا اور اس نے اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہ دیا تو وہ جا کر بڑی قوت حاصل کرلے گا اور تم لوگ کف افسوس ملتے رہ جاؤ گے۔ اس کے بعد بولا خدا کی قسم! حسینؓ اور عمرو ساری ساری رات اپنے لشکروں کے مابین باہم دوستانہ گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ یہ سن کر ابن زیاد کا خیال بدل گیا اور شمر سے کہنے لگا۔ اچھا تم میرا خط لے کر عمرو کے پاس جاؤ اور اگر میرے حکم کی تعمیل کرے تو اس کی اطاعت کرو اور اگر اعراض کرے تو تم ہی اس فوج کے امیر بن جاؤ اور عمر کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دو۔ اس کے بعد عمرو بن سعد کے نام یہ خط لکھ کر شمر کو دیا کہ میں نے تم کو حسینؓ کی طرف اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تم اس کو امیدیں دلاؤ یا اس پر مہربانی کردیا مجھ سے اس کی سفارش کرو۔ دیکھو اگر حسینؓ اور اس کے ساتھی میرے حکم کی تعمیل کریں تو ان کو میرے پاس بھیج دو۔ لیکن اگر اس سے انکار کریں تو ان پر حملہ کر کے قتل کردو۔ جب حسینؓ قتل ہو جائے تو گھوڑوں

سے اس کے سینے اور پشت کو روند ڈالو۔ کیونکہ وہ عاق، شاق، قاطع اور ظالم ہے۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو ہم تمہیں اطاعت شعاروں کی سی جزا دیں گے اور اگر سرتابی کرو تو ہماری فوج سے علیحدہ ہو کر اس کو شمر کے حوالے کر دو۔ جب شمر عبیداللہ ابن زیاد کا خط لے کر عمرو کے پاس پہنچا تو عمرو کہنے لگا۔ خدا تجھے غارت کرے۔ یہ میرے پاس کیا لے آیا ہے؟۔ میرا خیال ہے کہ تو نے ہی ابن زیاد کو شرائط صلح کے قبول کرنے سے باز رکھا ہے۔ افسوس! تو نے سارا معاملہ جس کے سدھر جانے کی پوری امید تھی درہم برہم کر دیا۔ واللہ حسینؓ کبھی اطاعت نہ کریں گے۔ کیونکہ ان کے پہلو میں ان کے باپ کا سا دل ہے۔ شمر نے کہا اچھا۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہاری کیا مرضی ہے؟۔ عمرو نے جس پر جاہ طلبی کا بھوت سوار تھا جواب دیا کہ میں حکم کی تعمیل کروں گا۔

حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائیوں کو امان

جس وقت ابن زیاد نے عمر کے نام خط لکھ کر شمر کو دیا تھا۔ اس وقت کوفہ کا ایک رئیس عبداللہ ابن ابومحل نام، ابن زیاد کے پاس بیٹھا تھا جن ایام میں امیر المومنین علیؓ نے کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔ آپ عبداللہ ابن ابومحل کی پھوپھی ام البنین بنت حزام کو اپنے حبالہ نکاح میں لائے تھے۔ جن کے بطن سے امیر المومنین علیؓ کے صاحبزادے عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) پیدا ہوئے تھے۔ عبداللہ ابن ابومحل نے ابن زیاد سے کہا کہ اگر تمہاری رائے ہو تو ہماری پھوپھی کے بیٹوں کو امان دے دو۔ ابن زیاد نے امان کا حکم لکھ کر شمر کو دے دیا۔ جب شمر کوفہ سے کربلا آیا تو امام حسینؓ کے قیام گاہ کے پاس جا کر عباس ابن علیؓ اور ان کے بھائیوں کو بلایا۔ وہ آئے تو شمر کہنے لگا اے میری بہن کے بچو! تم چاروں کو امان ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ خدا تم پر اور تمہاری ماں پر لعنت کرے۔ اگر تم ہمارے ماموں ہو تو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم کو تو امان دیتے ہو۔ لیکن رسول خدا ﷺ کے فرزند کے لئے امان نہیں ہے؟۔ شمر نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور واپس چلا گیا۔ چونکہ امام حسینؓ نے ابن زیاد کے پاس جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لئے شمر فوج لیے ہوئے مقابلہ کے لیے نکلا۔ امام حسینؓ کے لشکر میں سے زہیر ابن قین گھوڑے پر سوار ہو کر شمشیر بکف آگے بڑھے اور کہا۔ اے اہل کوفہ! خدا کے غضب سے ڈرو۔ اس وقت تک ہم بھائی بھائی ہیں اور ایک ہی دین پر ہیں۔ یاد رکھو! حضرت فاطمہؓ کا فرزند، سمیہ کے بچے کی نسبت دوستی اور معاونت کا زیادہ حق دار ہے۔ سمیہ جو عام طور پر سمیہ زانیہ کے نام سے مشہور ہے۔ ابن زیاد کی دادی تھی۔ یزید کے دادا ابوسفیان بن حرب نے اس سے عہد جہالت میں زنا کیا تھا اور اس ناجائز تعلق سے عبیداللہ کا باپ زیاد پیدا ہوا تھا۔ جناب زہیر نے کہا! اگر تم اپنے نبی کے نواسے کی

امداد نہیں کرتے، نہ سہی۔ لیکن تم خدا سے پناہ مانگو کہ تم ان کے قتل کے مجرم بنو۔ میری رائے میں سب سے بہتر یہ ہوگا کہ تم لوگ امام حسینؓ اور ان کے عم زاد بھائی یزید بن معاویہ کو خود ہی آپس تصفیہ کر لینے دو۔ یقین ہے کہ یزید تم سے امام حسینؓ کے قتل کئے بغیر بھی خوش ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب میں شمر نے ان پر ایک تیر چلا دیا اور کہنے لگا۔ بس چپ رہ۔ خدا تجھے غارت کرے۔ تو تو بک بک کر کے ہمارا دماغ چاٹ گیا۔ زہیر نے یزید کو امام حسینؓ کا عم زاد بھائی اس لئے بتایا کہ دونوں قریشی تھے۔

شمر کی دریدہ دہنی

عاشورہ کے دن امام حسینؓ نے اپنے اصحاب کو لڑائی کے لئے تیار کر کے نماز صبح ادا کی۔ اس وقت آپ کے ساتھ بتیس سوار اور چالیس پیادے تھے۔ عمرو بن سعد بھی نماز صبح سے فارغ ہو کر اپنی فوج کے ساتھ مقابلہ کو نکلا۔ امام حسینؓ نے زہیر بن قین کو میمنہ پر اور حبیب ابن مظہر کو میسرہ پر مقرر فرمایا اور جھنڈا اپنے بھائی عباس بن علیؓ کو دیا۔ آپ نے اپنے آدمیوں کو اس انداز سے ترتیب دیا کہ اہل بیت کے خیمے ان کے عقب میں تھے۔ حضرت امامؓ نے رات ہی کو خیموں کے پیچھے کی زمین کھدوا کر ایک طویل خندق بھی بنوا دی تھی۔ جو تیاری کے بعد ایک چھوٹی سی خشک نہر بن گئی تھی۔ یہ تدبیر اس لئے کی گئی کہ عقب سے حملہ نہ ہو سکے۔ آپ نے حکم دیا کہ لکڑیاں اور شاخیں جمع کر کے اس گہرائی میں بھر دیں اور ان کو آگ لگا دیں۔ جب اعداء کے لشکر لکڑیوں کو سلگتے اور شعلے بلند ہوتے دیکھا تو شمر لعین نے پکار کر امام حسینؓ سے کہا کہ تم نے تو قیامت سے پہلے ہی دوزخ میں پڑنے کا سامان کر لیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں جلنے کا تو تو سب سے زیادہ مستحق ہے۔

اہل بیت کے بچوں اور مخدرات عالیہ کو آگ میں جلا دینے کا اقدام

اہل حق کی طرف سے کلبی نام ایک بزرگ نے نہایت شجاعت کے ساتھ لڑ کر ایک کاری زخم کھایا۔ جب وہ دم توڑ رہے تھے تو ان کی بیوی باہر نکل کر اپنے شوہر کے پاس آئیں اور ان کے چہرے سے گرد و غبار صاف کر کے کہنے لگیں۔ آپ کو جنت مبارک ہو۔ یہ دیکھ کر شمر نے اپنے غلام رستم کو حکم دیا کہ جا کر اس عورت کو بھی اس کے شوہر کے پاس پہنچا دو۔ اس نابکار نے آتے ہی کلبی شہید کی بیوی کے سر پر اس زور سے ڈنڈا رسید کیا کہ وہ بیچاری آنا فانا اپنی مظلومیت کی چادر اوڑھے عالم بالا کو چلی گئیں۔ پھر شمر حملہ کرتے کرتے اس غرض سے حضرت امام حسینؓ کے خیموں تک پہنچ گیا کہ ان کو مکینوں سمیت جلا دے۔ مخدرات اہل بیت چیخنے اور نکل نکل کر بھاگنے لگیں۔ امام حسینؓ نے بآواز بلند کہا کہ اے شمر! تو میرے اہل بیت کو جلاتا ہے۔ خدا تجھے آگ میں

جلائے۔ حمید ابن مسلم جو کوفی فوج کا ایک رکن رکین تھا۔ شمر سے کہنے لگا کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ تم انہیں خدا کا عذاب دو۔ (یعنی آتش سوزاں میں جلاؤ)۔ عورتوں کی جان لو اور ریاض ملت کے نودمیدہ غنچوں کو قطع کرو۔ حالانکہ تم مردوں ہی کے قتل سے اپنے امیر کو خوش کر سکتے ہو۔ لیکن وہ سنگ دل نابجار نہ مانا۔ آخر شبث ابن ربع رئیس کوفہ نے اسے اس حرکت سے منع کیا تو بمشکل باز آیا۔

امام زین العابدینؒ کی جاں ستانی کا نامبارک عزم

جب امام حسینؓ کے تمام اقرباء اور جان نثار اموی ستم آرائی کا شکار ہو کر دنیا سے رخصت ہو گئے اور حضرت ممدوح یکہ وتنہا میدان کارزار میں رہ گئے تو اعدائے نافرجام نے ان پر چپ وراست سے حملے شروع کر دیئے۔ حضرت حسینؓ نے اپنے تحفظ ودفاع کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک مرتبہ تو داہنی طرف کے اشقیاء پر حملہ کر کے ان کو بھگا دیتے اور پھر بائیں طرف کے دشمنوں کو جا کر پامال کرنے کی کوشش فرماتے۔ خود یزیدی لشکر کے مقتدر لوگوں کو اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ کسی فرد واحد کو جو بالکل بے یار ومددگار ہو۔ ان سے زیادہ مربوط، پرجوش، قوی دل اور جری نہیں دیکھا گیا۔ کیونکہ ان کے حملہ آور چپ وراست سے اس طرح چھنٹ چھنٹ کر الگ ہو جاتے تھے جس طرح کوئی شیر چوپاؤں کے ریوڑ پر جا پڑے اور وہ بدحواس ہو کر چاروں طرف بھاگیں۔ حضرت حسینؓ اس وقت بہادر شہسوار کی طرح پاپیادہ ہی لڑ رہے تھے۔ آپ تیروں کے واروں کو روکتے جاتے تھے اور اعداء کی صفوں میں جہاں کہیں تخلل پیدا ہوتا تھا اسی جگہ حملہ آور ہو کر کہتے جاتے تھے۔ خدا کی قسم! تم میرے بعد خدا کے کسی ایسے بندے کو نہ قتل کرو گے جس کا قتل میری جاں ستانی سے زیادہ تم پر قہر الٰہی نازل کرے۔ منتقم حقیقی تم سے میرا ایسا انتقام لے گا کہ جس کا تم لوگوں کو سان گمان نہ ہوگا۔ امام حسینؓ اس طرح بہت دیر تک تابڑ توڑ حملے کرتے اور حفظ ودفاع کا اسلوب اختیار کرتے رہے۔ آخر نہایت تھک کر ستانے کے لئے وہیں بیٹھ گئے۔ اس وقت آپ کے جسد اطہر پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے ۶۷ زخم تھے۔ اس حالت میں اعداء چاہتے تو قاطبۃً حملہ کر کے آپ کو رفیق اعلیٰ کے پاس پہنچا سکتے تھے۔ مگر ان کی یہ حالت تھی کہ ہر کوئی ایک دوسرے کی پناہ لیتا پھرتا تھا اور چاہتا تھا کہ دوسرے لوگ اس کام کو انجام دیں اور وہ خود نہ کرے۔ یہ کیفیت دیکھ کر شمر نے لوگوں کو للکار کر کہا تمہارا برا ہو۔ تم لوگ کس انتظار میں ہو۔ اس شخص کو ہلاک کیوں نہیں کر دیتے۔ یہ سن کر چاروں طرف سے حملے ہوئے اور آپ کو آناً فاناً ریاض فردوس میں پہنچا دیا گیا۔ اس کے بعد شمر اپنے تیرہ دل ساتھیوں کو لے کر حضرت امام زین العابدین علی بن حسینؓ کی [illegible]

چلا جو علیل تھے اور علالت ہی کی وجہ سے شریک کارزار نہ ہو سکے تھے۔ شمر نے ان کو شربت شہادت پلا کر خاندان نبوت کی آخری زندہ یادگار کو بھی دنیا سے معدوم کر دینا چاہا۔ لیکن ایک کوفی رئیس حمید بن مسلم نے کہا کیا تم بچوں کو بھی قتل کرو گے؟۔ وہ رک گیا۔ اتنے میں عمر ابن سعد نے آ کر سب کو وہاں سے ہٹا دیا۔

شمر کی ہلاکت

مختار نے اپنے غلام ذربی کو شمر ابن ذی الجوشن کی تلاش میں روانہ کیا۔ شمر کے ایک رفیق کار مسلم ابن عبداللہ ضیابی کا بیان ہے کہ مختار کے غلام ذربی نے ہمارا تعاقب کیا اور ہمیں آ لیا۔ ہم اپنے دبلے پتلے تیز رو گھوڑوں پر کوفہ سے نکل چکے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ وہ اپنا گھوڑا اڑاتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ جب وہ قریب آیا تو شمر ہم سے کہنے لگا کہ تم اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگاؤ اور مجھ سے دور چلے جاؤ۔ غالباً یہ غلام میری ہی تاک میں آیا ہے۔ ہم نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ دی۔ اتنے میں غلام نے آ کر شمر پر حملہ کیا۔ پہلے تو شمر نے مدافعت پر اکتفاء کیا۔ اس کے بعد ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ ذربی کو قتل کر کے شمر کلتانیہ نام ایک گاؤں میں پہنچا جو دریا کے کنارے واقع تھا اور گاؤں سے باہر ایک ٹیلے کے پاس فروکش ہوا۔ ہم بھی ساتھ تھے۔ اس کے بعد شمر نے گاؤں کے ایک کسان کو بلا کر پہلے تو اسے مرعوب کرنے کے لئے پیٹا۔ پھر کہا کہ میرا یہ خط مصعب ابن زبیرؓ کے پاس بصرہ لے جاؤ۔ مصعب ابن زبیر حضرت امام حسینؓ کے داماد۔ یعنی جناب سکینہؓ کے شوہر اور اپنے بھائی حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی طرف سے بصرہ کے حاکم تھے۔ شمر نے اس خط میں درخواست کی تھی کہ مجھے اپنی حفاظت میں لے لو۔ کسان یہ خط لے کر بصرہ روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک ایسے گاؤں میں پہنچا جہاں ابو عمرہ نام مختار کا اہل کار رہتا تھا۔ کسان کو اس گاؤں کا ایک اور کسان ملا جس سے اس کی پرانی ملاقات تھی۔ وہ اس سے شمر کی بدسلوکی اور ایذاء رسانی کا شکوہ کرنے لگا۔ یہ دونوں کھڑے ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ ابو عمرہ کا ایک سپاہی ان کے پاس سے گزرا۔ جس کا نام عبدالرحمٰن ابن ابو کنود تھا۔ اس نے کسان کی باتیں سن کر خط لے لیا اور پڑھ کر پوچھنے لگا۔ شمر کہاں ہے؟۔ اس نے اس کا پتہ بتایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ اس جگہ سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ اب یہ لوگ شمر کی طرف چلے۔ میں اس رات شمر ہی کے ہمراہ تھا۔ ہم لوگوں نے شمر سے کہا۔ کاش تم ہمیں اس گاؤں سے لے چلتے۔ ہم یہاں سخت خوف زدہ ہیں۔ شمر نے کہا یہ خوف اسی کذاب (مختار) کی چیرہ دستیوں کا نتیجہ ہے۔ اس مقام پر ریچھوں کی بڑی کثرت تھی۔ میں نیم بیدار تھا۔ اتنے میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے

خیال کیا کہ یہ ریچھ ہوں گے۔ مگر جب آواز زیادہ شدید ہوئی تو میں جاگ اٹھا اور یقین ہوا کہ یہ ریچھوں کی آواز نہیں ہے۔ اتنے میں گھوڑوں کے سوار ٹیلے سے اتر کر ہمارے پاس پہنچ گئے اور آتے ہی صدائے تکبیر بلند کی۔ ہم اپنے گھوڑوں کو وہیں چھوڑ کر پیدل ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ سب شمر پر ٹوٹ پڑے۔ شمر نے بڑی پھرتی سے نیزہ اٹھایا اور ہر طرف وار کرنے لگا۔ وہ اس وقت یہ رجزیہ اشعار پڑھ پڑھ کر مقابلہ کر رہا تھا۔ (ترجمہ: تم نے کچھار کے ایک دلیر اور خون آشام شیر کو برانگیختہ کیا ہے جو مضبوط اور توانا ہے اور کندھے توڑتا ہے۔ وہ کبھی دشمن کے مقابلہ میں عاجز و کمزور ہو کر نہیں سوتا۔ بلکہ لڑتا اور لڑاتا رہتا ہے۔ ان کو تلوار کی ضرب سے جدا کرتا اور اپنے نیزے کو سیراب کرتا ہے) اب شمر نے نیزہ چھوڑ کر تلوار اٹھائی اور اس سے لڑتا رہا۔ آخر عبدالرحمٰن ابن ابوکنود نے اس کے ایک ایسی تلوار ماری کہ لڑکھڑا کر گرا اور جان دے دی۔ جب وہ ہلاک ہو گیا تو یہ لوگ اس کی نجس لاش کو کتوں کی غذا بننے کے لئے ایک گڑھے میں پھینک کر اپنے گاؤں کو واپس چلے آئے۔

دوسرے اشقیاء کی ہلاکت

خولی ابن یزید کا قتل اور سنان ابن انس کا فرار

جب ارباب زیغ کی برق جور و ستم حضرت حسینؓ کے اقرباء اور اعوان و انصار پر گر کر ان کو بے جان کر چکی اور حضرت امام حسینؓ بے یار و مددگار رہ گئے تو اعداء نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ زخموں سے تو پہلے ہی نڈھال ہو رہے تھے۔ زرعہ ابن شریک تمیمی نے آپ کے بائیں ہاتھ اور دوش مبارک پر تلوار کا وار کیا۔ اس کے بعد سب لوگ آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔ اس وقت جناب ممدوح کی یہ حالت تھی کہ کبھی تو کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی منہ کے بل گر پڑتے تھے۔ ایسی حالت میں سنان ابن انس نخعی نے آپ پر نیزے کا وار کیا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اب سنان نے اپنے رفیق کار خولی ابن یزید سے کہا کہ اب تم وار کر کے سر کو تن سے جدا کر دو۔ اس نے چاہا کہ ایسا کرے۔ مگر ضعف اور کپکپی کی وجہ سے اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ آخر سنان نے خود گھوڑے سے اتر کر آپ کو شربت شہادت پلایا اور آپ کا سر مبارک کاٹ کر خولی کے ہاتھ میں دے دیا۔ حضرت امام حسینؓ کی جان لینے میں جن اشقیاء نے سب سے زیادہ سرگرمی دکھائی۔ وہ سب کے سب شمر لعین کے کوفی چیلے چانٹے تھے۔ اس قیامت خیز حادثہ کے بعد یزیدی سپاہیوں نے سنان سے کہا۔ تم نے حسینؓ کی جان لے کر سب سے بڑے "خطرناک" عرب کو قتل کیا

ہے۔اب تم اپنے امیر کے پاس جا کر انعام طلب کرو۔ وہ جا کر عمرو بن سعد کے خیمہ کے دروازے پر بلند آواز سے یہ شعر پڑھنے لگا۔ (ترجمہ) میری رکاب کو سونے اور چاندی سے بھر دو۔ کیونکہ میں نے ایک نامور سردار کو قتل کیا ہے۔ میں نے ایسے شخص کی جان لی ہے جو بلحاظ مادر و پدر اور باعتبار حسب ونسب بہترین شخص تھا۔

عمرو ابن سعد نے پہرہ داروں سے کہا۔اس کو میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ عمرو کے سامنے گیا تو عمرو نے اسے ایک لکڑی مار کر بٹھلا دیا اور کہا کہ تو دیوانہ ہے جو ایسی بہکی ہوئی باتیں کرتا ہے۔آخر جب مختار نے مقاتلین امام حسینؓ کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا تو یہ بصرہ کی طرف بھاگ گیا۔ پھر معلوم نہیں کہ اس کا کیا حشر ہوا؟۔ مختار نے اس کے مکان کو منہدم کرا دیا۔

خولی ابن یزید حضرت امام حسینؓ پر قاتلانہ حملے کرنے سے پہلے آپ کے تین بھائیوں جعفر ابن علیؓ، عبداللہ بن علیؓ اور عثمان ابن علیؓ کو جرعہ شہادت پلا چکا تھا۔ان تینوں کی والدہ ام البنین کوفہ ہی کی رہنے والی تھیں۔ یہی خولی امام حسینؓ کا سر مبارک کربلا سے اپنے ہمراہ کوفہ لایا تھا۔خولی سر مبارک کو لئے ہوئے قصر امارت میں پہنچا تو قصر کو بند پا کر اپنے گھر چلا آیا اور سر کو ایک بلند مقام پر رکھ کر اپنی خواب گاہ میں داخل ہوا اور اپنی بیوی عیوف بنت مالک سے جو حضر موت کی رہنے والی تھی کہنے لگا۔ میں تیرے لئے ہمیشہ کی دولت مندی لایا ہوں۔ یہ دیکھ حسینؓ کا سر تیرے گھر میں رکھا ہوا ہے۔اس نے کہا بد بخت ڈوب مر! لوگ تو سونا چاندی لاتے ہیں اور تو ابن رسول ﷺ کا سر لایا ہے۔ خدا کی قسم! اب میرا اور تیرا سر دونوں ایک مکان میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس نیک سرشت خاتون کا بیان ہے کہ اس وقت ایک نور آسمان کی طرف سے امام حسینؓ کے سر مبارک کی طرف آ رہا تھا اور ایک سفید پرند اس کے اردگرد منڈلاتا دکھائی دے رہا تھا۔ جب مختار نے اپنے سلسلہ دار و گیر میں اپنے آدمی خولی ابن یزید کے پکڑنے کو بھیجے تو وہ روپوش ہو گیا۔مختار کے آدمی اس کو ڈھونڈتے ہوئے اس کے مکان پر پہنچے۔ اس کی بیوی جو اسی وقت سے اس کی دشمن ہو گئی تھی جب کہ وہ حضرت حسینؓ کا سر مبارک اپنے گھر میں لایا تھا۔ان سے پوچھنے لگی تم لوگ کیا چاہتے ہو؟۔ انہوں نے کہا تمہارا شوہر کہاں ہے؟۔ اس نے زبان سے تو لاعلمی ظاہر کی۔ مگر ہاتھ کے اشارے سے اس کے چھپنے کی جگہ بتا دی۔ یہ اس جگہ پہنچے اور دیکھا کہ وہ اپنے سر پر ایک ٹوکرا رکھے بیٹھا ہے۔ یہ اسے باہر کھینچ لائے۔ مختار اس وقت کوفہ میں ایک جگہ چہل قدمی کر رہا تھا۔ اس وقت ابن کامل بھی اس کے ساتھ تھا۔ اتنے میں ایک قاصد نے آ کر اطلاع دی کہ خولی گرفتار ہو گیا ہے۔ مختار وہاں پہنچا اور حکم دیا کہ اس کو اس کے گھر والوں کے سامنے لا کر قتل کرو اور پھر آگ میں جلا دو۔ چنانچہ اس

حکم کی تعمیل ہوئی اور جب تک اس کی لاش جل کر خاکستر نہ ہوگئی۔ مختار وہیں ٹھہرا رہا۔

حصین ابن نمیر کا قتل

حصین ابن نمیر کوفہ کے محکمہ پولیس کا افسر اعلیٰ تھا۔ جب حضرت امام حسینؓ کی آمد تھی تو ابن زیاد نے اسے کربلا کی یزیدی فوج کے زرہ پوش سواروں کا بھی افسر بنا دیا۔ اس کی شقاوت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز کا وقت قریب آیا تو ابوثمامہ صائدی امام حسینؓ کی خدمت میں عرض پیرا ہوئے۔ میری جان آپ پر قربان ہوا ے ابن رسول ﷺ میری خواہش ہے کہ خدائے تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملوں کہ میں نے اس وقت کی نماز ادا کرلی ہو۔ امام حسینؓ نے فرمایا۔ تم نے نماز کو یاد کیا ہے۔ خدا تم کو مصلیوں اور ذاکروں کے زمرہ میں داخل کرے۔ ہاں اب نماز کا وقت شروع ہے۔ مگر ذرا جا کر فریق مقابل سے کہہ دو کہ تھوڑی دیر کے لئے حملہ آوری سے رک جائیں۔ تاکہ ہم نماز ادا کرلیں۔ حصین ابن نمیر نے پکار کر کہا تمہاری نماز قبول نہ ہوگی۔ حبیب ابن مظاہر نے جو امام حسینؓ کے جان نثاروں میں تھے جواب دیا۔ او گدھے! تو سمجھتا ہے کہ آل رسول ﷺ کی نماز قبول نہ ہوگی اور تیری قبول ہو جائے گی؟۔ حبیب نے آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کے چہرے پر تلوار ماردی۔ حصین لڑکھڑا کر گرا۔ مگر اس کے ساتھیوں نے اسے بچا لیا اور شاید اسی روز کا واقعہ ہے کہ امام حسینؓ پر تشنگی نے غلبہ کیا۔ آپ پانی پینے کے لئے دریائے فرات پر گئے۔ حصین ابن نمیر نے آپ پر ایک تیر پھینکا جو رخ انور پر لگا۔ امام حسینؓ نے اپنے خون کو اپنے ہاتھ میں جمع کر کے آسمان کی طرف پھینکا اور خدائے قدوس کی حمد و ثنا کے بعد کہا۔ الٰہی! میں تیرے پاس اس سلوک کی شکایت کرتا ہوں جو تیرے نبی کے نواسے سے روا رکھا جا رہا ہے۔ الٰہی! ان ظالموں کو چن چن کر ہلاک کر۔ لیکن ایک روایت میں یہ ہے کہ جس شخص نے آپ کے چہرہ منور پر تیر مارا تھا۔ وہ حصین ابن نمیر نہ تھا۔ بلکہ قبیلہ بنوابان کا ایک شخص تھا۔ خدائے شدید العقاب نے اسے پیاس کے مرض میں مبتلا کر دیا کہ کبھی پانی سے سیر ہی نہ ہوتا تھا۔ ہر چند اس کے لیے پنکھے جھلے جاتے تھے اور سرد پانی اور شربت دیا جاتا تھا۔ مگر اس کی پیاس نہیں بجھتی تھی۔ ہر وقت یہی کہتا تھا کہ مجھے پانی دو۔ پانی دو۔ پیاس نے مجھے مار ڈالا۔ کچھ عرصہ تک اسی عذاب میں مبتلا رہا۔ آخر اس کا پیٹ اونٹ کے شکم کی طرح پھول کر پھٹ گیا اور وہ ہلاک ہوگیا۔ حصین بن نمیر بھی ابن زیاد کے ساتھ جنگ موصل میں قتل ہوا تھا۔ اس کا حملہ آور شریک ابن جدیر تغلبی تھا۔ وہ اس کو ابن زیاد سمجھ کر چمٹ گیا اور آواز دی کہ جلد آؤ اور ابن زانیہ (ابن زیاد) کو ہلاک کردو۔ چنانچہ مختار کی فوج کے آدمی پہنچے اور ابن نمیر پر حملہ کر کے اسے خاک ہلاک پر لٹا دیا۔

مرہ ابن منقذ پر حملہ اور اس کا فرار

مرہ ابن منقذ عبدی نے امام حسینؓ کے صاحبزادہ علی اکبرؓ کو جام شہادت پلایا تھا۔ علی اکبرؓ کی والدہ لیلیٰ بنت ابومرہ بن عرضہ بن مسعود ثقفی تھیں۔ جناب علی اکبرؓ نے میدان جانستان میں آ کر ابھی یہ رجز یہ اشعار ہی شروع کیے تھے کہ مرہ نے ان پر نیزے کا وار کیا۔ وہ گر گئے اور اعداء نے بڑھ کر ان کو تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ امام حسینؓ ان کی یہ حالت دیکھ کر کہنے لگے۔ اے میرے بچے! جن لوگوں نے تجھے قتل کیا ہے۔ خدا ان کو قتل کرے۔ اف! یہ لوگ خدائے عزیز و جبار کا مقابلہ کرنے اور رسول اللہ ﷺ کی آبروریزی میں کس قدر بیباک ہیں؟۔ بیٹا! تیرے بعد دنیا ایک چٹیل میدان ہے۔ پھر امام حسینؓ اپنے چند جان نثاروں کو ساتھ لے کر ان کی طرف گئے اور فرمایا کہ اپنے بھائی کو اٹھا لے چلو۔ حکیم ابن طفیل کی جانستانی کے بعد مختار نے حضرت علی اکبرؓ کے قاتل مرہ ابن منقذ کی طلب میں آدمی بھیجے۔ یہ بڑا جنگجو آدمی تھا۔ مختار کے آدمیوں نے جا کر اس کا مکان گھیر لیا۔ وہ اپنے تیز رو گھوڑے پر سوار ہو کر ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے برآمد ہوا اور حملہ آوروں پر نیزہ زنی کرتا رہا۔ مگر اس کے نیزہ سے کسی کو گزند نہ پہنچا۔ ابن کامل نے تلوار سے اس پر وار کیے۔ وہ ان کو اپنے بائیں ہاتھ سے روکتا گیا۔ اس طرح تلوار اس کے ہاتھ میں اتر گئی۔ یہ دیکھ کر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا اسے اس تیزی سے لے اڑا کہ یہ لوگ اسے کسی طرح نہ پا سکے۔ یہاں سے وہ بصرہ کی طرف بھاگ گیا۔ مگر اس کے بعد اس کا ہاتھ ہمیشہ کے لئے شل اور بیکار ہو گیا۔

زید بن رقاد حبانی کی ہلاکت

حضرت مسلم ابن عقیل کو جو جناب امام حسینؓ کے عم زاد بھائی تھے کربلا کے قیامت خیز خونین حوادث سے تھوڑے ہی دن پہلے ابن زیاد نے کوفہ کے قصر امارت کی چھت پر قتل کرایا تھا۔ ان کے دو خوردسال فرزند تو انہی کیساتھ کوفہ میں ابن زیاد کے تیر جفا کا نشانہ بن کر دنیا سے گزر گئے تھے۔ تیسرے صاحبزادہ عبداللہ جوان دونوں سے بڑے تھے۔ حضرت امام حسینؓ کے ساتھ کربلا آئے ہوئے تھے۔ زید ابن رقاد جبانی نے ان کی جان لے کر دنیا اور عقبیٰ کی رسوائی خرید لی۔ یہ نابکار خود از راہ فخر اس بات کا مدعی تھا کہ میں نے عبداللہ بن مسلم کو جرعہ مرگ پلایا تھا۔ یہ شخص کہا کرتا تھا کہ جب میں نے عبداللہ کے تیر مارا تو اس نوجوان نے اپنی پیشانی کو پیکان سے محفوظ رکھنے کے لئے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ مگر میرے تیر نے اس ہاتھ کو پیشانی کیساتھ ایسا پیوست کر دیا کہ وہ اسے پیشانی سے ہٹا نہ سکا جب اس کا ہاتھ پیشانی سے کسی طرح علیحدہ نہ ہو سکا تو اس نے دعا مانگی

الٰہی! جس طرح ہمارے دشمنوں نے ہمیں ذلیل کیا ہے تو بھی ان کو ایسا ہی ذلیل کر اور جس طرح انہوں نے ہمیں قتل کیا ہے اسی طرح تو بھی انہیں ہلاک کر۔ اس کے بعد میں نے ایک اور تیر چلایا۔ جس نے اس لڑکے کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد میں اپنے مقتول کے پاس آیا جس تیر سے اس کی ہلاکت واقع ہوئی تھی وہ تو میں نے آسانی سے اس کے شکم میں سے نکال لیا۔ مگر دوسرے تیر کو جو پیشانی پر لگا تھا نکالنے کی بہت جدوجہد کی۔ اس کی لکڑی تو میرے ہاتھ میں آ گئی مگر پیکان پیشانی ہی میں پیوست رہا اور اسے میں نہ نکال سکا۔ مختار نے اس کی تلاش کے لئے پولیس روانہ کی۔ جب یہ لوگ اس کے پاس پہنچے تو وہ تلوار لے کر ان کی طرف بڑھا۔ ابن کامل نے جو پولیس افسر تھا اپنے آدمیوں سے کہا کہ کوئی شخص اس پر تلوار یا نیزہ نہ چلائے۔ بلکہ تیروں اور پتھروں سے ہی اس کا کام تمام کر دو۔ چنانچہ اس پر پتھروں اور تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ وہ زخمی ہو کر گر پڑا۔ ابن کامل نے کہا کہ اگر کچھ رمق باقی ہو تو اسے باہر لے کر آؤ۔ وہ باہر لائے تو ابھی زندہ تھا۔ ابن کامل نے آگ منگوا کر اسے زندہ ہی آگ میں جھونک دیا۔

عمرو ابن حجاج زبیدی کی ہلاکت

جس طرح بہت سے ٹوڈی لوگ اپنی سرکار پرستی پر فخر کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح عمرو ابن حجاج کو بھی اپنے امیر المومنین (یزید) کی وفادار رعایا ہونے کا بڑا گھمنڈ تھا۔ کربلا کے ایک معرکہ میں اعداء دست بدست لڑائی کرنے کی غرض سے آگے بڑھے۔ لیکن ان کا جو آدمی بھی مقابلہ پر آیا۔ وہ وہیں کھیت ہو رہا۔ یہ دیکھ کر عمرو بن حجاج نے جو میمنہ کا افسر تھا چلا کر یزیدی فوج سے کہا کہ اے شہسوارو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ کس سے لڑ رہے ہو؟ تم ایسے لوگوں سے برسرپیکار ہو جو موت کے خواہاں ہیں۔ خبردار آئندہ کوئی شخص ان سے دست بدست مبارزہ کرنے کے لئے نہ نکلے۔ کیونکہ یہ مٹھی بھر آدمی ہیں۔ ان میں سے بچ کر کوئی مشکل ہی سے جا سکے گا۔ تم تو ان پر سنگباری ہی کرتے تو بھی ان کو مستاحل و معدوم کر سکتے تھے۔

اہل کوفہ اپنی طاعت اور جماعت کا التزام رکھو اور اس شخص (امام حسینؓ) کے قتل میں مطلق تردد نہ کرو۔ جس نے دین میں رخنہ اندازی کی اور امام (یزید) سے برسرخلاف ہوا۔ امام حسینؓ نے اس کا بیان سن کر فرمایا۔ اے عمرو ابن حجاج! کیا تم لوگوں کو میرے خلاف مشتعل و برانگیختہ کرتے ہو؟ کیا ہم نے دین میں رخنہ اندازی کی ہے یا تم نے؟۔ واللہ! جب تمہاری روحیں قبض کی جائیں گی اور تم دنیا سے بصد حسرت و یاس کوچ کرو گے۔ تب تم پر حقیقت حال کھلے گی۔ جو اشقیاء پانی کی بندش پر متعین تھے۔ عمرو ابن حجاج ان کا افسر تھا۔ جب امام حسینؓ اور آپ کے

انصار پر پیاس کا غلبہ ہوا تو آپ نے اپنے بھائی عباسؓ کو بلایا۔ تیس سوار بیس پیادے اور بیس مشکیں ان کیساتھ کر دیں اور پانی کے لئے روانہ کیا۔ یہ لوگ رات کے وقت دریا پر پہنچے۔ جناب نافعؒ ابن ہلال علم لئے ہوئے سب سے آگے بڑھ گئے۔ عمرو ابن حجاج پکارا۔ کون ہے؟ کیوں آئے ہو؟ نافع نے کہا۔ پانی پینے آئے ہیں۔ ابن حجاج نے کہا۔ تم لوگوں کو پانی پینے کی اجازت نہیں۔ ہم یہاں اسی لئے متعین ہیں کہ پانی نہ لینے دیں۔ نافع نے پیادوں سے کہا کہ تم جا کر پانی بھرو۔ پیادے دوڑ پڑے اور سب نے اپنی اپنی مشکیں بھر لیں۔ عمرو ابن حجاج نے اپنی جمعیت کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا۔ جناب عباسؓ ابن علیؓ اور ان کے سواروں نے جوابی حملہ کر کے سب کا منہ پھیر دیا۔ اب عباس نے پیادوں سے کہا کہ تم لوگ جلدی سے نکل جاؤ اور خود دشمن کو روکنے کے لئے ٹھہرے رہے۔ اتنے میں عمرو پھر پلٹ پڑا اور مقابلہ شروع کر دیا۔ نافع بن ہلال نے ایک یزیدی پر نیزہ کا وار کر کے اس کو ہلاک کر دیا اور انصار حسینؓ بھری ہوئی مشکیں لے کر صحیح وسلامت اپنے خیموں میں پہنچ گئے۔ مختار نے عمرو کی گرفتاری کے لئے آدمی بھیجے۔ اس کے کان میں بھنک پڑ گئی۔ جھٹ اس بادپیا پر سوار ہو کر واقصہ کی راہ لی اور قیامت تک کے لئے مفقود ہو گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مختار کے آدمیوں نے اسے ایسے حال میں جا پکڑا جبکہ وشدت تشنگی سے جان بلب تھا۔ انہوں نے ہلاک کر کے اس کا سر اتار لیا۔

عبدالرحمٰن بجلی کا قتل

عبدالرحمٰن بجلی جناب مسلم بن عوسجہ کا قاتل ہے جو کوفہ میں جناب مسلم ابن عقیلؓ کے سب سے بڑے معاون تھے۔ جناب مسلم ابن عقیلؓ کی شہادت کے بعد مسلم ابن عوسجہ نے جیسے ہی سنا کہ امام حسینؓ تشریف لا رہے ہیں۔ تو یہ آ کر ان کے شریک حال ہو گئے۔ امام حسینؓ کے اعوان وانصار میں مسلم ابن عوسجہ اسدی سب سے پہلے زخمی ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ عمرو ابن حجاج نے حضرت امام حسینؓ پر فرات کی طرف سے حملہ کیا۔ تھوڑی دیر تک جنگ ہوتی رہی۔ جب عمرو ابن حجاج حملہ کر کے پلٹا تو معلوم ہوا کہ مسلم ابن عوسجہ زخم خوردہ زمین پر پڑے ہیں۔ ابھی کچھ رمق باقی تھی کہ حضرت امام حسینؓ ان کے پاس آئے اور کہا۔ مسلم! خدا تم پر رحم کرے۔ پھر حبیب ابن مظاہر نے ان کے قریب آ کر کہا۔ اے ابن عوسجہ! مجھے تمہارے قتل کا بڑا قلق ہے۔ لیکن تمہیں بہشت مبارک ہو۔ ابن عوسجہؒ نے نہایت آہستگی سے جواب دیا۔ خدا تم کو بھی خیر وخوبی مبارک کرے۔ حبیب نے کہا میں بھی ابھی تمہارے ہی پاس آنے کو ہوں۔ ورنہ تم سے کہتا کہ کچھ وصیت کر جاؤ۔ مسلم ابن عوسجہ نے امام حسینؓ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ بس ان پر اپنی جان فدا

کرنا۔ حبیب نے کہا۔ واللہ! میں ایسا ہی کروں گا۔ جب مسلم ابن عوسجہؓ کی روح نے تن سے مفارقت اختیار کی تو ان کی کنیزان کا نام لے لے کر بین کرنے لگی۔ عمرو ابن حجاج کے لشکر میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے کہ ہم نے مسلم ابن عوسجہ کو قتل کر دیا۔ شیث ابن ربعی کوفی جو یزیدی لشکر میں ایک سر برآوردہ رئیس تھا۔ اپنے آدمیوں سے کہنے لگا۔ خدا تمہیں غارت کرے۔ اپنے عزیزوں کو اپنے ہی ہاتھ سے قتل کرتے ہو اور پھر خوشیاں مناتے ہو اور عزیز بھی مسلم ابن عوسجہ ایسا شخص جو کوفہ کا مایہ ناز تھا۔ اس کے بعد کہنے لگا۔ واللہ! میں نے آذربیجان کے معرکہ میں بچشم خود دیکھا تھا کہ ابھی مسلمانوں کے سوار کافروں کے مقابلہ میں آنے بھی نہیں پائے تھے کہ مسلم ابن عوسجہ چھ کافروں کو موت کے گھاٹ اتار چکے تھے۔ افسوس تم ایسے مجاہد فی سبیل اللہ کی جان لے کر خوش ہو رہے ہو۔ مسلم بن عوسجہ کو عبدالرحمٰن بجلی اور مسلم ابن عبداللہ ضبابی نے قتل کیا تھا۔ مختار نے حکم دیا کہ عبدالرحمٰن ابن ابوخشارہ بجلی اور کوفہ کے فلاں فلاں یزیدی اشقیاء حاضر کئے جائیں۔ پولیس عبدالرحمٰن بجلی کے ساتھ زیاد ابن مالک ضبعی، عمران ابن خالد قشیری اور عبداللہ ابن قیس خولانی کو بھی پکڑ لائی۔ مختار نے ان سے کہا۔ اے صالحین امت کے قتل کرنے والو! اور اے سید شباب اہل الجنتہ کی جان لینے والے بھیڑیو! آج خدا نے تم سے خوب انتقام لیا ہے۔ یہ کہہ کر حکم دیا کہ سب کر گردنیں ماردی جائیں۔ چنانچہ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ اپنے سینہ پر رنج کے صد ہزار داغ لے کر اس عبرت کدہ ہستی سے چلے گئے۔

مالک ابن نسیر بدی کی جانستانی

مالک ابن نسیر بدی وہی شقی ہے جس کے پاس حضرت حسینؓ کی ٹوپی تھی۔ غالباً شہادت ہی کے روز کا واقعہ ہے کہ حضرت امام حسین تن تنہا میدان کارزار میں کھڑے رہے۔ کسی نے تعرض نہ کیا اور صبح کا بہت سا وقت اسی حالت میں گذر گیا۔ جب کبھی کوئی کوفی آپ کی طرف آتا تو جھجک کر واپس چلا جاتا اور آپ کو ضرر پہنچانے اور اپنے سر گناہ عظیم لینے کی جسارت نہ کرتا۔ آخر قبیلہ بنو کندہ کا ایک شخص مالک ابن نسیر بدی آپ کی طرف بڑھا اور تلوار سے آپ کے سر مبارک پر وار کیا جس سے آپ کی ٹوپی کٹ گئی۔ سر خون آلودہ ہو گیا اور ٹوپی خون سے بھر گئی۔ امام حسینؓ نے اس سے کہا۔ خدا ظالموں کے ساتھ تیرا حشر کرے۔ پھر امام حسینؓ نے اس خون سے لتھڑی ہوئی ٹوپی کو سر سے اتار کر پھینک دیا اور دوسری ٹوپی پہن لی۔ بدی نے پہلی ٹوپی اٹھالی اور اپنے اہل و عیال میں لا کر اسے دھونے لگا۔ یہ دیکھ کر اس کی بیوی نے کہا۔ کیا ابن رسول اللہ ﷺ کا چھینا ہوا لباس تو میرے گھر لاتا ہے؟۔ میرے پاس سے چلا جا۔ یہ شخص اس کے بعد سخت مفلس و قلاش ہو گیا اور

ساری عمر فقر و فاقہ میں گذاری۔ انجام کار جب مختار نے پکڑ دھکڑ شروع کی تو بدی اور چند دوسرے اشقیاء کوفہ سے قادسیہ کو بھاگ گئے۔ مختار نے مالک ابن عمرو نہدی نام ایک افسر کو ان کی گرفتاری کے لیے بھیجا۔ اس نے انہیں جا پکڑا اور عشاء کے وقت مختار کے پاس لے آیا۔ مختار نے ان سے کہا اے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی کتاب اور آل رسولؐ کے دشمنو! حسینؓ بن علیؓ کہاں ہیں؟۔ میرے پاس حسینؓ کو لاؤ۔ تم نے اس بزرگ ہستی کو قتل کیا۔ جس پر نماز میں درود سلام بھیجنے کا تم کو حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا۔ اللہ امیر پر رحم کرے۔ ہمیں جبراً ان کے مقابلہ پر بھیجا گیا تھا۔ آپ ہم پر احسان کریں اور چھوڑ دیں۔ مختار نے کہا۔ تم نے اپنے نبیؐ کے نواسے پر کیوں احسان نہ کیا؟۔ اس پر تم کو کیوں رحم نہ آیا؟۔ انہیں کیوں پانی نہ پینے دیا؟۔ اس کے بعد بدی سے خطاب کر کے کہا۔ کیوں بے بدی کے بچے! تو جناب امام حسینؓ کی ٹوپی اتاری تھی؟۔ عبداللہ ابن کامل نے کہا۔ ہاں جناب! یہی وہ شخص ہے۔ مختار نے حکم دیا کہ بدی کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں قطع کر کے چھوڑ دو۔ تاکہ یہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر جان دے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ اسی طرح جان نکلتے نکلتے ہلاک ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے دونوں ساتھی بھی نہنگ شمشیر کے حوالے کر دیئے گئے۔

حکیم ابن طفیل طائی کا قتل

مختار نے اپنے افسر پولیس عبداللہ ابن کامل کو حکم دیا کہ حکیم ابن طفیل طائی کو بھی گرفتار کیا جائے۔ اس نے مقتل کربلا میں حضرت عباس علم بردار کے لباس واسلحہ پر قبضہ کیا تھا اور حضرت امام حسینؓ کے تیر مارا تھا۔ یہ شخص کہا کرتا تھا کہ میرا تیر حسینؓ کے پاجامے میں اٹک کر رہ گیا تھا اور اس سے ان کو کوئی گزند نہیں پہنچا تھا۔ ابن کامل نے اس کو گرفتار کیا اور مختار کے پاس لے چلا۔ ان دنوں حضرت عدی ابن حاتمؓ جو پیغمبر خدا ﷺ کے صحابیؓ تھے کوفہ میں تشریف فرماتے۔ چونکہ یہ شخص حضرت عدی ابن حاتم طائیؓ کا ہم قوم تھا۔ حکیم ابن طفیل کے اقرباء روتے پیٹتے ان کے پاس فریاد رسی کے لئے پہنچے اور جناب عدیؓ کو قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ حکیم بالکل بے گناہ ہے۔ اس نے اہل بیت نبوت کے خلاف کسی کام میں حصہ نہیں لیا۔ حضرت عدیؓ سفارش کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت عدیؓ نے پہلے عبداللہ ابن کامل سے مل کر سفارش کی۔ اس نے کہا میں اس کے متعلق کچھ نہیں کر سکتا۔ امیر مختار حاکم مجاز ہیں۔ حضرت عدیؓ نے کہا میں مختار کے پاس بھی جاتا ہوں۔ اس سے پیشتر مختار نے بہت سے ملزموں کو حضرت عدیؓ کی سفارش پر چھوڑ دیا تھا۔ مگر ان لوگوں میں سے کسی پر آل رسولؐ کے قتل کا الزام نہیں تھا۔ جب حضرت عدیؓ قصر امارت کی طرف

روانہ ہوئے۔ تو شیعوں نے ابن کامل سے کہا ہمیں خوف ہے کہ امیر مختار اس خبیث کے متعلق حضرت عدیؓ کی سفارش قبول کرلیں گے۔ حالانکہ اس کا جرم ثابت ہے۔ اس لئے اگر اجازت دو تو ہم حکم رہائی سے پہلے ہی اس کا کام کردیں۔ ابن کامل نے انہیں اجازت دے دی۔ انہوں نے حکیم کو جس کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں ایک جگہ نشانہ بنا کر کھڑا کیا اور کہا تو نے حضرت عباسؓ کے کپڑے اتارے تھے۔ ہم بھی تیرے کپڑے اتارتے ہیں۔ چنانچہ اس کو برہنہ کردیا۔ پھر اس سے کہا کہ تو نے امام حسینؓ کو صرف ایک تیر کا نشانہ بنایا تھا۔ ہم بھی تجھے ایک ہی تیر کا نشانہ بناتے ہیں۔ چنانچہ اس کے ایک ایسا تیر مارا جو پیام مرگ ثابت ہوا۔ کہتے ہیں کہ گو تیر ایک ہی تھا۔ لیکن اس کی ساخت اس قسم کی تھی کہ اس میں سے بہت سے پیکان نکل کر آ لگے۔ جب حضرت عدیؓ مختار کے پاس پہنچے تو اس نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور اپنے پاس بٹھایا۔ عدیؓ نے اپنے آنے کی غرض بیان کی۔ مختار نے کہا کیا آپ پیغمبر خدا ﷺ کے تربیت یافتہ ہو کر اس امر کو روا رکھتے ہیں کہ امام حسینؓ کے قاتلوں کو مجھ سے طلب فرمائیں۔ حضرت عدیؓ نے کہا کہ آپ کو اس کے متعلق غلط اطلاعیں پہنچی ہیں۔ مجھے کامل یقین دلایا گیا ہے کہ وہ بالکل بے گناہ۔ مختار نے کہا۔ اچھا میں آپ کی خاطر اسے چھوڑے دیتا ہوں۔ اتنے میں ابن کامل بھی وہاں پہنچ گیا۔ مختار نے پوچھا حکیم کیا ہوا؟۔ ابن کامل نے کہا میں مجبور تھا شیعوں نے کسی طرح نہ مانا۔ یاد رہے کہ اس باب میں جہاں کہیں شیعہ کا لفظ آیا ہے۔ اس سے آج کل کے رافضی مراد نہیں ہیں۔ جو حضرت سید الاولین والآخرین ﷺ کے اصحاب کبارؓ کو گالیاں دیتے ہیں بلکہ شیعان علیؓ سے مراد صرف حامیان علیؓ ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو علی رغم اہل شام حضرت امیر المومنین علیؓ کے معاون و ناصر تھے۔

عثمان ابن خالد جہنی کا قتل

ایک دن مختار نے عبداللہ ابن کامل کو حکم دیا کہ عثمان ابن خالد جہنی اور بشر ابن سوط قابضی کو گرفتار کرلاؤ۔ یہ دونوں اشخاص حضرت امام حسینؓ کے مقابلہ میں برسر پیکار تھے اور جناب عبدالرحمٰن ابن عقیل ابن ابی طالبؓ کو شہید کرکے ان کے لباس اور اسلحہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ عبداللہ ابن کامل عصر کے وقت ایک بڑی جمعیت کے ساتھ بنی دہمان کی مسجد میں پہنچا اور ان لوگوں سے کہا کہ اگر عثمان ابن خالد میرے پاس نہ لایا گیا تو میں تم سب کی گردن ماردوں گا۔ بنو دہمان نے کہا۔ ہمیں مہلت دیجئے۔ ہم اسے تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کی تلاش شروع ہوئی۔ چونکہ مختار کی طرف سے قاتلان اہل بیت کے خلاف دار و گیر کا سلسلہ زور شور سے جاری تھا۔ یہ دونوں کوفہ سے اس کوشش میں نکلے تھے کہ جزیرہ کو بھاگ جائیں۔ بنی دہمان نے ان دونوں کو ایک احاطہ میں

پایا اور انہیں اپنے ساتھ عبداللہ بن کامل کے پاس لے آئے۔ اس نے انہیں دیکھ کر کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے تم پر قابو ملا۔ ابن کامل انہیں لے کر روانہ ہوا۔ جب بنو جعد کے کنوئیں پر آیا تو دونوں کی گردن ماردی اور دارالامارت پہنچ کر مختار کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ مختار نے حکم دیا کہ واپس جاؤ اور ان کی لاشوں کو نذر آتش کر دو اور جب تک لاشیں جل نہ جائیں۔ ان کے دفن کرنے کی ممانعت کر دو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔

عمرو ابن صبیح صیدادی کی ہلاکت

عمرو ابن صبیح صیدادی نے حضرت عبداللہ ابن عقیل ابن ابی طالبؓ کو شہید کیا تھا۔ جب رات کا زیادہ حصہ گذر چکا اور سب لوگ سو گئے تو پولیس گرفتاری کے لئے اس کے مکان پر پہنچی۔ یہ اس وقت مکان کی چھت پر بے خبر سو رہا تھا۔ تلوار اس کے سرہانے رکھی تھی۔ پولیس نے اچانک سر پر پہنچ کر پہلے تلوار پر قبضہ کیا۔ پھر اس کو گرفتار کر لیا۔ جب اس نے اپنی تئیں پولیس کی گرفت میں دیکھا تو کہنے لگا۔ اللہ اس تلوار کا برا کرے۔ یہ مجھ سے کس قدر قریب تھی۔ لیکن اب کتنی دور ہوگئی۔ یہ لا کر مختار کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس وقت مختار نے اسے اپنے قصر ہی میں قید کرا دیا اور صبح کو دربار عام میں حاضر کیا۔ جب بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور یہ شخص سلاسل واغلال میں جکڑا ہوا اس کے سامنے حاضر کیا گیا تو مختار کو خطاب کر کے نہایت ڈھٹائی سے کہنے لگا۔ اے کافر وفاجر! اگر میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تم کو معلوم ہو جاتا کہ میں کمزور اور پست ہمت نہیں ہوں۔ میری دلی آرزو یہ تھی کہ میں تمہارے بجائے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ سے مارا جاتا۔ کیونکہ میں تمہیں بدترین خلائق سمجھتا ہوں۔ کاش! اس وقت میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو میں تجھے مزا چکھا دیتا۔ اس کے بعد اس نے پولیس افسر عبداللہ ابن کامل کی آنکھ پر زور سے طمانچہ رسید کیا۔ ابن کامل ہنسا اور اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر مختار سے کہنے لگا۔ یہ شخص کہتا ہے کہ میں نے آل محمد ﷺ کو زخمی کیا اور ان پر نیزہ بازی کی۔ اب آپ اس کے بارہ میں کیا حکم دیتے ہیں؟ مختار نے کہا نیزے مار مار کر اس کا کام تمام کر دو۔ چنانچہ اس حکم کی فوراً تعمیل کر دی گئی۔

اسی طرح مختار نے بہت سے دوسرے دشمنان آل رسول کا بھی قلع قمع کیا۔ لیکن بخوف طوالت اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے جو حضرات اخذ و بطش کے مزید کارنامے معلوم کرنا چاہیں۔ وہ تاریخ ابن جریر طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر کی طرف رجوع فرمائیں۔

فصل: ۵...... دعوئ نبوت ووحی، شیعہ بننے کی غرض وغایت

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ مختار کو ابتداء میں اہل بیت نبوت سے کوئی محبت و ہمدردی نہ تھی۔

بلکہ خارجی المذہب ہونے کے باعث آل محمد ﷺ سے بغض وعناد رکھتا تھا۔ لیکن اس کے بعد مصلحتاً اپنے تئیں شیعہ اور محب اہل بیت ظاہر کر کے مقاتلین امام حسینؓ کے درپئے انتقام ہوا۔ پس یزیدیوں کا قلع قمع جو اس سے صورت پذیر ہوا۔ اس کی تہ میں دراصل استمالت قلوب اور حب جاہ وریاست کا جذبہ کام کر رہا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی نے اس سے کہا کہ اے ابا اسحاق! تم کس طرح اہل بیت کی محبت کا دم بھرنے لگے۔ تمہیں تو ان حضرات سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ کہنے لگا کہ جب میں نے دیکھا کہ مروان نے شام پر تسلط جما لیا ہے۔ عبداللہ ابن زبیرؓ نے مکہ معظمہ میں حکومت قائم کر لی ہے۔ نجدہ یمامہ پر قابض ہو گیا ہے اور ابن حازم نے خراسان دبا لیا ہے تو میں کسی عرب سے ہٹیا نہیں تھا کہ چپ چاپ بیٹھا رہتا اور حصول مملکت کے لئے ہاتھ پاؤں نہ مارتا۔ میں نے جدوجہد کی اور ان بلاد پر عمل ودخل کر کے ان کا ہم پایہ ہو گیا۔

(تاریخ طبری عربی ج ۳ ص ۴۹۱، الدعاۃ مطبوعہ مصر ص ۶۳)

مختار محبان اہل بیت اور شیعان علیؓ کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر کے نہ صرف خود فائز المرام ہوا۔ بلکہ دشمنان اہل بیت سے مظلومین کربلا کا انتقام لے کر اہل بیت کی مقتدر ہستیوں کو بھی اپنا ممنون احسان بنا لیا۔ چنانچہ جب مختار کوفہ میں قتل ہوا ہے تو جناب عبداللہ ابن زبیرؓ نے مکہ معظمہ میں عبداللہ بن عباسؓ سے کہا۔ کیا آپ نے اس کذاب کا حال سنا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے پوچھا کذاب کون؟۔ ابن زبیرؓ نے کہا مختار۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں میں مختار کے قتل کا حال سن چکا ہوں۔ ابن زبیرؓ کہنے لگے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس کو کذاب کہنا پسند نہیں کرتے اور آپ کو اس کی ہلاکت کا صدمہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ ہاں! مختار وہ شخص تھا جس نے ہمارے قاتلوں کو قتل کیا۔ ہمارے خونوں کا انتقام لیا اور ہمارے سینوں کی آگ بجھائی۔ اس کی خدمات کا صلہ یہ نہ ہونا چاہیے کہ ہم اسے گالیاں دیں یا اس کی موت پر اظہار مسرت کریں۔"

(تاریخ کامل ابن اثیر ج ۴ ص ۱۷)

دعویٰ نبوت کی بناء

جب مختار نے قاتلین امام حسینؓ کے تہس نہس کا بازار گرم کر رکھا تھا اور اس قسم کی بہجت افزا خبریں فضائے عالم میں گونج رہی تھیں کہ دشمنان اہل بیت کے گلے پر چھری رکھ کر محبان آل عباسؓ کے زخم ہائے دل پر ہمدردی وتسکین کا مرہم رکھا ہے تو پیروان ابن سبا اور غلاۃ شیعہ نے اطراف واکناف ملک سے سمٹ کر کوفہ کا رخ کیا اور مختار کی حاشیہ نشینی اختیار کر کے تملق وچاپلوسی

کے انبار باندھنے شروع کر دیئے۔ بات بات میں مدح وستائش کے پھول برسائے جاتے اور مختار کو آسمان تعلی پر چڑھایا جاتا۔ بعض خوشامد پسندوں نے تو یہاں تک کہنا شروع کیا کہ اتنا بڑا کار عظیم وخطیر جو اعلیٰ حضرت کی ذات قدسی صفات سے ظہور میں آیا ہے۔ نبی یا وصی کے بغیر کسی بشر سے ممکن الوقوع نہیں۔ اس تملق شعاری کا لازمی نتیجہ جو ہو سکتا تھا وہی ظاہر ہوا۔ مختار کے دل ودماغ میں انانیت وپندار کے جراثیم پیدا ہوئے جو دن بدن بڑھتے گئے اور انجام کار اس نے بساط جرأت پر قدم رکھ کر نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ (الفرق بین الفرق، مطبوعہ لبنان ص ۳۶ مکمل حالات)

اس دن سے اس نے مکاتبات ومراسلات میں اپنے آپ کو مختار رسول اللہ لکھنا شروع کر دیا۔ دعویٰ نبوت کے ساتھ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ خدائے برتر کی ذات نے مجھ میں حلول کیا ہے اور جبرئیل امین ہر وقت میرے پاس آتے ہیں۔ جب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے بھائی مصعب ابن زبیرؓ عامل بصرہ نے کوفہ پر حملہ کر کے مختار کو قتل کیا ہے۔ اس سے پہلے مختار نے بصرہ پر تسلط جمانے کے لئے سازشوں کا جال پھیلا رکھا تھا اور وہاں کی مقتدر ہستیوں کو گانٹھنے میں کوشاں تھا۔ اس سلسلہ میں اس نے بصرہ کے روساء مالک ابن مسمع اور زیاد بن عمرو کو ایک خط لکھا جس میں مرقوم تھا کہ تم میری دعوت کو قبول کرو اور میرے حلقہ اطاعت میں آجاؤ۔ دنیا میں جو کچھ تم چاہو گے تم کو دیا جائے گا اور آخرت میں جنت کا تمہارے لئے میں ضامن ہوتا ہوں۔ یہ خط پڑھ کر مالک ازراہ مذاق زیاد سے کہنے لگا کہ مختار دنیا وعقبیٰ کی نعمتیں تم کو بخش رہا ہے۔ بس اب کس چیز کی کمی ہے؟۔ زیاد ہنس پڑا اور ازراہ مذاق کہنے لگا۔ بھائی میں تو وعدوں پر کسی کا ساتھ نہیں دے سکتا جو کوئی ہمارے سامنے سونے چاندی کا ڈھیر لگائے گا اسی کی رفاقت اختیار کریں گے۔ مختار نے احنف ابن قیس نام ایک رئیس کو یہ خط لکھا تھا۔ السلام علیکم! بنی معتز اور بنی ربیعہ کا برا ہو۔ احنف اپنی قوم کو اس طرح دوزخ کی طرف لے جا رہا ہے کہ وہاں سے واپسی ممکن نہیں۔ ہاں تقدیر کو میں بدل نہیں سکتا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مجھے کذاب کہتے ہو۔ مجھ سے پہلے انبیاء کو بھی اسی طرح جھٹلایا گیا تھا۔ میں ان میں سے اکثر سے فائق وبرتر نہیں ہوں۔ اس لئے اگر مجھے کاذب سمجھا گیا تو کیا ہوا۔

(تاریخ طبری عربی ج ۳ ص ۴۶۸)

ایک مرتبہ کسی نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے کہا کہ مختار نزول وحی کا مدعی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ مختار سچ کہتا ہے خود خدائے برتر نے اس وحی کی اطلاع اس آیت میں دی ہے "وان الشیاطین لیوحون الی اولیاء هم" ﴿شیاطین اپنے دوستوں پر وحی نازل کیا کرتے ہیں۔﴾

ہوئی۔لوگوں نے دیکھ لیا کہ کس طرح آگ آسمان سے اتر کر مکان بھسم کر گئی۔

(الفرق بین الفرق ص ۳۲ مطبوعہ لبنان)

خیالی فرشتوں کی طرف سے مختاری فوج کی امداد

قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ غزوات بدر و حنین میں خدائے قادر و توانا نے قلیل التعداد اور بے سرو سامان مسلمانوں کی اعانت کے لئے ملائکہ مقربین روانہ فرمائے۔ یہ پیغمبر خدا ﷺ کا معجزہ تھا۔ایک مرتبہ مختار نے بھی عجیب ہنر مندی کے ساتھ یہ معجزہ اپنے پیروؤں کو دکھایا۔چنانچہ جب اس نے ابراہیم بن اشتر کو ابن زیاد کے محاربہ کے لئے موصل روانہ کیا تو اس کی مشایعت کے لئے پیدل چلنے لگا۔ابراہیم نے کہا۔اے ابو اسحاق! سوار ہو جاؤ۔کہنے لگا نہیں میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرے قدم آل محمد کی عون ونصرت میں غبار آلود ہوں۔اس طرح دو فرسنگ تک ساتھ چلا گیا۔وداع کے وقت لشکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔خدائے قدوس نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میں کبوتروں کی شکل میں فرشتے بھیج کر تمہاری امداد کروں گا۔اب اس نے اپنے بعض خاص مقرب و راز دار غلاموں کو چند کبوتر دے کر حکم دیا کہ تم لوگ لشکر کے پیچھے چلے جاؤ۔جب لڑائی شروع ہو جائے تو کبوتروں کو پیچھے سے لشکر کے اوپر کی طرف اڑا دینا۔چنانچہ غلاموں نے ایسا ہی کیا۔فوج میں شور مچ گیا کہ فرشتے آ گئے۔اس ''آسمانی امداد'' کے بعد مختاری لشکر کے حوصلے بڑھ گئے اور اس نے اپنی فتح کا یقین کرتے ہوئے دشمن پر اس بے جگری سے حملہ کیا کہ اس کے چھکے چھڑا دیئے۔یہاں تک کہ لشکر شام منہزم ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔

(الدعاۃ ص ٦٦)

جس طرح مختار نے کبوتر بھیج کر اپنی فوج کو جل دیا۔اس طرح ایک خارجی قیدی بھی اس قسم کی حیلہ گری سے مختار کو چکمہ دے کر رہا ہوا تھا۔ایک دفعہ خارجیوں سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی۔ مختار کو فتح ہوئی۔بہت سے خارجی قتل ہوئے اور بہت سے قید کر لئے گئے۔انہی قیدیوں میں ایک شخص کو سراقہ بن مرداس بارقی کہتے تھے۔اس شخص کو یقین تھا کہ مختار اس کے دیکھتے ہی قتل کا حکم دیگا۔اب یہ سوچنے لگا کہ قتل سے بچنے کے لئے کسی حیلہ گری سے کام لینا چاہیے۔چنانچہ جب پہرہ دار اس کو مختار کے سامنے پیش کرنے لگے تو ان سے کہنے لگا کہ نہ تم لوگوں نے ہمیں ہزیمت دی اور نہ قید کیا۔بلکہ منہزم اور اسیر کرنے والے دراصل وہ ملائکہ آسمانی تھے جو ابلق گھوڑوں پر سوار ہو کر تمہاری سپاہ کے اوپر ہمارے خلاف لڑ رہے تھے۔یہ سن کر مختار کی باچھیں کھل گئیں۔عالم مسرت میں مست ہو کر جھومنے لگا اور بارقی کو رہائی کا حکم دے کر کہا کہ تم منبر پر چڑھ کر تمام لوگوں کے

مختاری دعاوی وا کاذیب کے متعلق مخبر صادق ﷺ کی پیشینگوئی

مختار کی کذب آفرینیوں کے متعلق خود مخبر صادق ﷺ کی پیشینگوئی بھی کتب حدیث میں مروی ہے۔ چنانچہ (ترمذی ج۲ص۲۳۱) عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''ثقیف کذاب و مبیر'' ﴿قوم بنی ثقیف میں ایک کذاب پیدا ہوگا اور ایک مفسد و بلاکو﴾ علماء نے کذاب کو مختار پر اور مبیر کو حجاج بن یوسف پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ مسلم نے اپنی صحیح، ج۳ص۳۱۲ میں روایت کیا ہے کہ حضرت اسماء (ذات النطاقینؓ بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ) نے حجاج بن یوسف سے کہا کہ رسول خدا ﷺ نے ہم سے فرمایا تھا کہ قبیلہ سقیف میں ایک کذاب ظاہر ہوگا اور ایک مبیر۔ کذاب کو تو ہم نے دیکھ لیا یعنی مختار ثقفی اور مبیر تو ہے۔ اس طرح عدی بن خالد سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں تین دجالوں سے بچنے کی تاکید کرتا ہوں۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ نے تو ہمیں دجال اور راکذب الکذابین (مسیلمہ) کے متعلق اطلاع دی تھی۔ اب تیسرا شخص کون ہے؟۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ایک فتنہ گر ہوگا۔ جسے لوگ عارف باللہ سمجھیں گے۔ حالانکہ وہ ایک ایسا دجال ہوگا جو سیاہ بھیڑیے سے بھی زیادہ خطرناک ہوگا۔ آل محمد کی محبت کو ظاہر کر کے بندگان خدا کو کھا جائے گا۔ حالانکہ اسے میری سنت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ ہوگا۔ (المستدرک ج۵ص۱۷ احدیث ۸۶۱۲)

دوسرے کا گھر جلا کر پیشین گوئی پوری کرلی

جھوٹے مدعی، تائید ربانی اور نصرت الٰہی کی دولت سے محروم ہوتے ہیں۔ اس لئے نقل کو اصل ظاہر کرنے کے لئے انہیں حیلہ جوئیوں اور ناجائز تدبیروں سے کام لینا پڑتا ہے۔ مختار بھی اسی اصول کے ماتحت اپنی من گھڑت وحی، معجزات اور پیشینگوئی کے پورا کرنے کے لئے عجیب وغریب چالاکیاں کیا کرتا تھا۔ مثلاً ایک مرتبہ لمبا چوڑا عربی الہام تالیف کیا۔ جس کے آخری الفاظ یہ تھے۔ ورب السماء لینزلن نار من السماء فلیحرقن دار اسماء! ضرور آگ آسمان سے نازل ہوگی اور اسماء کا گھر جلا دے گی۔ جب اسماء بن خارجہ کو اس مختاری الہام کی اطلاع ہوئی تو اپنے گھر کا تمام مال واسباب نکال کر وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہوگیا۔ لوگوں نے نقل مکانی کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا۔ مختار نے میرا گھر جلنے کی پیشینگوئی کی ہے۔ اس لئے اب وہ اپنا الہام پورا کرنے کے لئے ضرور میرا مکان نذر آتش کردے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رات کی تاریکی میں ایک شخص کو بھیج کر آگ لگوادی اور اپنے حلقہء مریدین میں ڈینگیں مارنے لگا کہ میری پیشینگوئی پوری

سامنے اپنا مشاہدہ بیان کرو۔ اس نے منبر پر چڑھ کر وہی مقولہ دہرا دیا۔ مختار کہنے لگا۔ واقعی ملائکہ میری نصرت کے لئے بھیجے گئے تھے۔ کوفہ سے نکل کر ہارتی بصرہ گیا اور مصعب بن زبیر کی فوج میں جا شامل ہوا۔ اس کے بعد مختار کو یہ تین بیت لکھ بھیجے۔

الا ابلغ ابا اسحاق انی رایت البلق دھما مصمتات ٭ اری عینی مالم تنظراہ کلانا عالم بالترھات ٭ کفرت بوحیکم وجعلت نذرا اعلی قتالکم حتی لملمات ! ہاں ذرا ابو اسحاق (مختار) کو یہ خبر پہنچا دو کہ میں نے یکرنگ سفید اور سیاہ گھوڑے دیکھے تھے۔ میں اپنی آنکھوں کو ایسی چیز دکھاتا ہوں جو انہوں نے نہیں دیکھی۔ ان خرافات کو ہم دونوں خوب سمجھتے ہیں۔ میں نے تمہاری وحی سے انکار کیا اور منت مان لی کہ جب تک دم میں دم ہے تم سے عربدہ خواہ رہوں گا۔ (الفرق بین الفرق ص ۳۳ مطبوعہ لبنان)

جھوٹی پیشینگوئی پر تاویل کاری کا ملمع

جس طرح مرزائی لوگ اپنے مقتداء کی جھوٹی پیشینگوئیوں پر سخن سازی کا ملمع کر کے اس کو سچا ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح مختاری گرگے بھی اپنے پیر و مرشد کے الہاموں پر تاویل سازی کا ملمع چڑھایا کرتے تھے۔ جب مختار ابن زیاد کے مقابلہ میں ابراہیم بن اشتر کی قیادت میں لشکر بھیج کر واپس آیا تو اب اس نے الہامات اور پیشینگوئیوں کا منہ چڑانا شروع کیا۔ چنانچہ اپنے سحر زدگان باطل سے کہنے لگا۔ حزب اللہ نے نصیبین میں یا اس کے قریب ہی دشمن سے اس کے قیام گاہ کے پاس سارا دن شمشیر زنی کی ہے اور دشمن کی بڑی تعداد اس وقت نصیبین میں محصور ہے۔ اس کے بعد جب قاصد ابن زیاد کے قتل اور لشکر شام کی ہزیمت کی بشارت لے کر آئے تو مختار کہنے لگا۔ اللہ والو! کیا میں نے قبل از وقوع اس کی فتح کی بشارت نہیں دی تھی۔ سب نے کہا۔ واقعی آپ نے پہلے سے کہہ رکھا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ مژدہ فتح کی آمد پر مجھ سے میرے ایک ہمدانی ہمسایہ نے کہا کہ اے شعبی! کیا تم اب بھی ایمان نہیں لاؤ گے؟۔ میں نے کہا کس بات پر ایمان لاؤں؟۔ کیا میں اس بات پر ایمان لاؤں کہ مختار عالم الغیب ہے۔ اس پر تو میں ہرگز ایمان نہیں لاؤں گا۔ ہمدانی کہنے لگا۔ کیا ہمارے نبی مختار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ ہمارے دشمنوں کو شکست فاش نصیب ہوگی؟۔ میں نے جواب دیا کہ اس نے تو کہا تھا کہ دشمن کو نصیبین کے مقام پر شکست ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ دریائے خازر علاقہ موصل میں پیش آیا۔ ہمدانی بولا اے شعبی۔ خدا کی قسم! جب تک تم دردناک عذاب کا مشاہدہ نہ کرو گے۔ ایمان نہ لاؤ گے۔ اس ہمدانی کا نام سلمان بن عمیر تھا۔ یہ بھی جنگ حروراء میں مختار کے ساتھ کام آیا۔

(تاریخ طبری عربی ج ۳ ص ۴۸۲) جس طرح شاہ نعمت اللہ ولی کی پیشین گوئی کے ایک شعر میں لفظی تحریف کر کے غلام احمد قادیانی نے منہ کی کھائی تھی۔ اسی طرح مختار کو بھی ایک بزرگ کی پیشینگوئی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی پاداش میں ذلت سے ہمکنار ہونا پڑا تھا۔ ایک مرتبہ کسی بزرگ نے پیشینگوئی کے رنگ میں کہا تھا کہ مذار کے مقام پر بنی ثقیف کے ایک شخص کو عظیم الشان فتح نصیب ہوگی۔ یہ پیشینگوئی ہر وقت مختار کے دماغ میں گونج رہی تھی۔ چونکہ مختار خاندان بنی ثقیف میں سے تھا۔ اس کورہ رہ کر یقین ہوتا تھا کہ یہ پیشین گوئی میری ہی نسبت کی گئی ہے۔ حالانکہ اس کا اشارہ حجاج بن یوسف ثقفی کی طرف تھا۔ جس نے عبدالرحمٰن بن اشعث کو مختار کے قتل کے کچھ عرصہ بعد مذار کے مقام پر ہزیمت دی۔ بہر حال اس پیشینگوئی کے بل بوتے پر مختار نے اپنی فتح کی پیشینگوئی کر دی اور اپنے سپہ سالار احمر بن شمیط کو مصعب کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے مذار بھیج دیا۔ وہاں لڑائی ہوئی۔ ابن شمیط مارا گیا اور مختار کو ذلت و ناکامی کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔

(تاریخ طبری عربی ج ۳ ص ۴۸۵)

مختار کا تابوت سکینہ

بنو اسرائیل میں ایک صندوق چلا آتا تھا۔ جسے تابوت سکینہ کہتے تھے۔ یہ صندوق بعض انبیائے سلف کے تبرکات کا حامل تھا۔ جب کبھی بنی اسرائیل کو کسی دشمن کا مقابلہ درپیش ہوتا تو اس صندوق کو اپنے لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں لے جاتے۔ حق تعالیٰ اس کی برکت سے فتح دیتا۔ مختار نے بھی تابوت سکینہ کی حیثیت سے ایک کرسی اپنے پاس رکھ چھوڑی تھی۔ جسے وہ لڑائی کے موقع پر لشکر کے ساتھ بھیجا کرتا تھا اور اس کے پیرووں کو یقین تھا کہ یہ حضرت علیؓ کی کرسی ہے اور اس کی برکت سے دشمن مغلوب ہو جاتا ہے۔ اب اس کرسی کا اصل ماجرہ سنئے۔ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی حقیقی بہن کا نام حضرت ام ہانیؓ تھا جو صحابیات میں داخل ہیں۔ حضرت ام ہانیؓ کے پوتے طفیل بن جعدہ بن ہبیرہ مخزومی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آشوب روزگار نے مجھے ایسی بری طرح قعر مذلت و ادبار میں ڈالا کہ ابھرنے کی کوئی تدبیر بروئے کار نہ آئی۔ ہزار جتن کئے۔ مگر شومئی قسمت نے ساتھ نہ چھوڑا۔ آخر صبر کی باگ ہاتھ سے نکل گئی اور میں عالم اضطراب میں اس بات پر غور کرنے لگا کہ کوئی حیلہ بنا کر کسی بڑے سرمایہ دار سے کوئی رقم اینٹھنی چاہئے۔ نیرنگی فلک کے کرشمے دیکھئے کہ اسی دماغی کدوکاوش کے اثناء میں مجھے اپنے تیلی ہمسایہ کے پاس ایک بہت پرانی کرسی پڑی دکھائی دی۔ جس پر اس قدر روغن جم گیا تھا کہ لکڑی بالکل نظر نہ آتی تھی۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ چلو اسی کرسی سے کچھ مطلب براری کریں۔ چنانچہ میں نے وہ کرسی تیلی کے ہاں

سے منگوالی اور مختار کے پاس جا کر کہا کہ ایک بات در مکنون کی طرح میرے صدف دل میں پنہاں تھی اور میں آپ سے ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر پھر یہی مناسب سمجھا کہ بیان کر دوں۔ مختار نے کہا ہاں ضرور بیان کرو۔ میں نے کہا حضرت علی مرتضیٰؓ کی کرسی ہمارے گھرانے میں چلی آتی ہے اور اس کرسی میں ایک خاص اثر و تصرف ہے۔ مختار نے کہا سبحان اللہ! آج تک تم نے اس کا تذکرہ کیوں نہ کیا؟ اچھا ابھی جا کر میرے پاس لاؤ۔ میں نے گھر میں جا کر اس کا جما ہوا تیل کھرچا اور گرم پانی سے دھو کر خوب صاف کیا تو بہت خوبصورت نکل آئی۔ اس نے خوب روغن زیتون پیا تھا۔ اس لئے اب بہت چمکدار ہو گئی تھی۔ اب یہ کپڑے سے ڈھانپ کر مختار کے پاس لائی گئی۔ مختار نے مجھے بارہ ہزار درہم (قریباً تین ہزار روپے) انعام دیئے۔ اس فتوح نے میرے مصائب کی زنجیر کاٹ دی اور شاہد کامرانی و مقصدوری نے اپنا جمال جہاں آرا دکھا کر خوش حال کر دیا۔ طفیل بن جعدہ کہتے ہیں کہ مختار اس "نعمت غیر مترقبہ" پر جامے میں پھولا نہیں سماتا تھا۔ اس نے منادی کرائی کہ سب آدمی جامع مسجد میں جمع ہو جائیں۔ لوگ جوق در جوق کوفہ میں آنے لگے۔ مختار نے سب لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں بیان کیا کہ ملل سابقہ میں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس کا نمونہ اور تمثیل اس امت مرحومہ میں موجود نہ ہو۔ بنی اسرائیل کے پاس ایک تابوت تھا۔ جس میں آل موسیٰ علیہ السلام اور آل ہارون علیہ السلام کا بقیہ موجود تھا۔ اسی طرح ہمارے پاس بھی ایک تحفہ موجود ہے۔ یہ کہہ کر مختار نے کرسی برداران کو حکم دیا کہ اسے کھول دو اور کرسی منظر عام پر لائی گئی۔ سبائی فرقہ کے لوگ جوش مسرت میں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر نہایت گرم جوشی سے تین تکبیریں کہیں۔ یہ دیکھ کر شبث بن ربعی رئیس کوفہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے مضر کے گروہ! ورطۂ زیغ و کفر میں مت پڑو۔ ان الفاظ سے شبث کا یہ مقصد تھا کہ اگر بالفرض یہ کرسی حضرت علیؓ ہی کی یادگار ہے۔ تاہم اس میں اتنا تقدس سرایت نہیں کر گیا کہ اس کی عظمت تمہارے حق میں بنی اسرائیل کے بچھڑے کی حیثیت اختیار کرے۔ یہ سن کر خوش عقیدہ سبائی جوش غضب میں بھر گئے۔ مسجد میں خلفشار مچ گیا اور شبث کو دھکے دے کر مسجد سے نکال دیا گیا۔

کرسی کی عظمت کا غلو حد کفر تک پہنچ گیا

جب خبر آئی کہ عبید اللہ بن زیاد شامیوں کی فوج کے ساتھ موصل کی طرف بڑھا ہے اور مختار نے اس کے مقابلہ میں ابراہیم بن اشتر کو روانہ کیا تو شیعان کوفہ نے اس کرسی پر حریر و دیباج لپیٹ کر اس کا جلوس نکالا۔ سات آدمی داہنی طرف سے اور سات بائیں جانب سے اس کو تھامے ہوئے تھے۔ تابوت سکینہ کی طرح یہ کرسی لشکر کے ساتھ بھیجی گئی۔ قضائے کردگار سے اس لڑائی میں

شامیوں کی ایسی درگت ہوئی کہ اس سے پیشتر انہیں کبھی ایسا روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا۔ اس بناء پر شیعہ حضرات اس ''تابوت سکینہ'' کے حصول پر حد سے گذری ہوئی خوشیاں اور مجنونانہ مسرتوں کا اظہار کرنے لگے اور ان کی نظر میں کرسی کا تقدس کائنات کی ہر چیز سے بڑھ گیا۔ کوئی شیعہ ایسا نہ تھا جو آپے سے باہر اور طفلانہ مزاجی کی خوشیوں میں غرق نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس کے متعلق ان کا افراط کفر بواح کی حد تک پہنچ گیا۔ طفیل کہتے ہیں کہ یہ افسوسناک حالت دیکھ کر میں اپنی حرکت پر نادم ہوا کہ میں نے یہ کیا فتنہ کھڑا کر دیا؟۔ اس کرسی کے سب سے پہلے محافظ حضرت ابو موسی اشعریؓ کے بیٹے موسیٰ تھے۔ جو مختار کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ چونکہ ان کی والدہ ام کلثوم جناب پیغمبر خدا ﷺ کے عم زاد بھائی حضرت فضل بن عباسؓ کی صاحبزادی تھیں۔ اس لئے مختار موسیٰ سے بہت کچھ حسن سلوک کرتا تھا۔ آخر جب کرسی کو تولیت کے متعلق موسیٰ پر طعن و تشنیع کی گرم بازاری ہوئی تو انہوں نے یہ کرسی موشب برمی کی تحویل میں دے دی اور پھر مختار کی وفات تک وہی اس کا متولی رہا۔ اس کرسی کے متعلق اعشیٰ ہمدانی نے چند اشعار کہے تھے۔ جن کا ترجمہ یہ تھا۔ ''میں اس بات کا گواہ ہوں کہ تم سب عبداللہ بن سبا کی امت ہو۔ اے شرک کے پاسبانو! میں تم سے خوب واقف ہوں۔ میں حلفاً کہتا ہوں کہ تمہاری کرسی تابوت سکینہ نہیں ہے۔ گو اس پر کئی غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور شبام، نہد اور حارث اس کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہیں۔ تاہم یہ تابوت سکینہ سے کوئی نسبت نہیں رکھتی۔ میں تو وہ شخص ہوں جسے آل محمد ﷺ سے محبت و شغف ہے اور اس وحی الٰہی کا پیرو ہوں جو مصاحف میں درج ہے۔'' (تاریخ طبری عربی ج ۳ ص ۴۷۶)

مورخین نے لکھا ہے کہ مختار ہی نے شیعوں میں رسم تعزیہ داری جاری کی تھی۔ جس سے یقین ہوتا کہ یہی کرسی تعزیہ داری اور کاغذی تابوت سازی کی اصل بنا تھی۔

جناب محمد بن حنیفہ کا خط شیعان کوفہ کے نام

شیعہ عربی میں گروہ و جماعت کو کہتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ اور شامیوں کے مقابلہ میں جو لوگ امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کے حامی و ناصر تھے۔ وہ شیعان علیؓ کے نام سے مشہور تھے۔ مگر اس کے بعد جب عبداللہ بن سبا یہودی نے ایک ایسے عفونت آمیز مسلک کی بنیاد ڈالی جس میں پیغمبر خدا ﷺ کے اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دوسرے صلحائے امت کی دشنام دہی کو جزو عبادت ٹھہرایا تھا تو سبائی پنتھ کے خلاف مسلمانوں میں ایک عام ہیجان اور جذبہ نفرت پیدا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر پیروان ابن سبا نے شیعان علیؓ کا روپ دھار لیا اور تشیع کے لباس میں مسلمانوں کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالنے لگے۔ اب سبائی مذہب کے اختلاط سے شیعان علیؓ دو گروہوں میں منقسم

ہو گئے۔ شیعہ اور غالی شیعہ کو تھوڑے عرصہ میں تمام شیعان علیؓ غالی شیعہ بن کر شیعان ابن سبا بن گئے۔ لیکن مختار کے عہد حکومت تک کوفہ میں غالی اور غیر غالی دونوں گروہ پائے جاتے تھے اور غلو آمیز شعیت مختار کی سرپرستی میں ترقی کر رہی تھی۔ اس وقت حسب بیان علامہ ابن جریر طبری کوفہ میں ہند بنت متکلفہ نام کی ایک عورت تھی۔ جس کے مکان میں تمام غالی شیعہ جمع ہو کر باہم صلاح ومشورہ کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک اور عورت لیلیٰ بنت قمامہ کے مکان میں بھی غالی شیعہ جمع ہوتے تھے۔ لیلیٰ کا بھائی رفاعہ بن قمامہ گو شیعان علیؓ میں سے تھا۔ لیکن غالی نہ تھا۔ اسی وجہ سے لیلیٰ کو اس سے نفرت تھی۔ اسی طرح کوفہ میں ابو حراس اور ابو حارث کندی دو مرد بھی ایسے تھے جو غالی شیعوں کا ملجاء وماویٰ بنے ہوئے تھے۔ ابو عبداللہ جدلی اور یزید بن سراحیل نے ان دو عورتوں اور دو مردوں کے غلو کی حالت دیکھی تو ان کے متعلق حضرت محمد بن حنیفہؒ کو مکہ معظمہ لکھ بھیجا جو امیر المومنین علیؓ کے صاحبزادے تھے اور جنہیں مختار اور شیعان کوفہ نے "مہدی موعود" قرار دے رکھا تھا۔ جناب محمد بن علیؓ، محمد بن حنیفہؒ کے نام سے اس لیے مشہور ہو گئے تھے کہ ان کی والدہ قبیلہ بن حنیفہ میں سے تھیں۔ حضرت محمد بن حنیفہؒ نے یزید بن شراحیل کے ہاتھ ایک خط شیعان علیؓ کے نام لکھا جس میں انہوں نے ان کو اہل غلو کے شر سے بچنے کی ہدایت کی۔ خط کا مضمون یہ تھا۔ یہ خط محمد بن علیؓ کی طرف سے ہمارے ان شیعوں کے نام ہے جو کوفہ میں ہیں۔ تمہیں چاہیے کہ مجالس اور مساجد میں جمع ہو کر خفیہ اور علانیہ اللہ کو یاد کرو اور یقین جانو کہ مخلوقات میں کوئی ایسی ہستی نہیں جو سوا حکم ربانی کے کسی کو فائدہ یا نقصان پہنچا سکے۔ حضرت ابن حنیفہؒ نے اس خط میں رفض سے پہلو تہی کرنے کے علاوہ اشارۃً مختار کے جھوٹے دعووں سے بچنے کی بھی ہدایت فرما دی۔

ابن حنیفہؒ کو مختار کی طرف سے جانستانی کا خطرہ

جب مکہ معظمہ میں حضرت محمد بن حنیفہؒ کے پاس متواتر اس قسم کی افسوسناک خبریں پہنچنے لگیں کہ مختار دین حنیف میں روز افزوں رخنہ اندازیاں کر رہا ہے اور اس کی وجہ سے فتنہ رفض ترقی پذیر ہے تو انہوں نے بذات خود عراق تشریف لے جانے کا عزم فرمایا۔ جب مختار نے یہ خبر سنی تو اسے خوف ہوا کہ حضرت محمد بن حنیفہؒ کے قدوم پر شیعہ لوگ جو اس کے دام تزدیر میں پھنسے ہیں۔ اس سے الگ ہو جائیں گے اور اس کی ریاست وسیادت معرض زوال میں آ جائے گی۔ یہ سوچ کر وہ حضرت ابن حنیفہؒ کے قدوم میں مزاحمت پیدا کرنے کے لئے ایک عجیب وغریب چال چلا۔ اپنی مجالس میں علانیہ کہنا شروع کیا کہ ہم مہدی کی بیعت میں داخل ہیں۔ لیکن سچے مہدی کی ایک علامت ہے۔ جس کسی میں وہ علامت پائی جائے گی۔ وہی پیغمبر علیہ السلام کی پیشین گوئی کا

مصداق ہوگا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ علامت کیا ہے؟۔ کہنے لگا کہ اس پر تلوار کا ایک وار کیا جائے۔ اگر تلوار کاٹ نہ کرے تو وہ مہدی ہے۔ مختار کا یہ مقولہ حضرت ابن حنیفہؒ کے سمع مبارک تک پہنچا تو انہوں نے عراق آنے کا ارادہ فسخ کر دیا۔ کیونکہ انہیں یقین ہو گیا کہ مختار انہیں کوفہ میں قتل کرا دے گا۔ (الفرق بین الفرق ص ۳۱، ۳۲ م لبنان)

ابن زبیرؓ کو چکمہ دے کر حجاز مقدس پر قبضہ جمانے کی نامراد کوشش

جب ابن زیاد نے مختار کی آنکھ زخمی کر کے اسے کوفہ سے نکل جانے پر مجبور کیا تھا تو مختار نے مکہ معظمہ جا کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور ان کی طرف سے اس شامی فوج کا مقابلہ کیا تھا جو یزید (بن معاویہؓ) نے حصین بن نمیر سکونی کے زیر قیادت دمشق سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف مکہ معظمہ روانہ کی تھی۔ اور یزید کی موت کے بعد محاصرہ اٹھا کر دمشق واپس گئی تھی۔ لیکن اس بیعت و اطاعت پذیری کے باوجود مختار نے اپنے مطاع کے خلاف یہ غداری کی کہ کوفہ آ کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عامل عبداللہ بن مطیع کو کوفہ سے نکال دیا اور ولایت کوفہ کی حکومت اپنے عنان اختیار میں لے لی۔ مختار جس طرح غدار اور بے وفا تھا۔ اسی طرح پرلے درجہ کا فریب کار اور حیلہ ساز بھی تھا۔ اور دعویٰ نبوت کے باوجود ایسی ایسی شطرنجی چالیں چلتا تھا کہ مغرب کے شیاطین سیاست کو بھی شاید ایسی روباہ بازیاں نہ سوجھتی ہوں گی۔ اس کی حیلہ سازیوں کی ایک آدھ مثال مشتے نمونہ خروارے پیش کی جاتی ہے۔

جب مختار کوفہ پر اچھی طرح دخیل ہو چکا تو حضرت ابن زبیرؓ کو لکھا کہ اگر آپ مجھے دس لاکھ درہم عطا فرمائیں تو میں عبدالملک بن مروان پر حملہ کر کے آپ کو شامیوں کی مصیبت جنگ سے بچا دوں۔ حضرت ابن زبیرؓ نے اس کا یہ جواب دیا کہ ثقیف کا یہ مکار مجھ سے کب تک مکر و فریب کرتا رہے گا۔ جب یہ حیلہ کارگر نہ ہوا تو مختار نے حضرت ابن زبیرؓ کو ایک اور چکمہ دے کر حجاز مقدس پر قبضہ جمانا چاہا۔ واقعہ یہ تھا کہ یزید (بن معاویہؓ) کے مرنے کے بعد شام میں مروان بن حکم کی حکومت قائم ہوگئی تھی۔ مروان کی ہلاکت کے بعد جب اس کا بیٹا عبدالملک سریر سلطنت پر بیٹھا تو اس نے ارادہ کیا کہ تسخیر مکہ معظمہ کا جو کام یزید کی موت کے باعث تعویق میں پڑ گیا تھا۔ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے اس نے ایک لشکر جرار حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ جو بہت دن تک وادی القریٰ میں ڈیرے ڈالے پڑا رہا۔ یہ دیکھ کر مختار نے بہت کچھ اخلاص و عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو لکھا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ عبدالملک بن مروان نے آپ کے خلاف عربدہ جوئی

کی خواہش کی ہے اور اس غرض کے لئے ایک فوج بھیجی ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو میں چاہتا ہوں کہ آپ کی امداد کے لئے کمک بھیجوں۔

جناب عبداللہ بن زبیرؓ نے جواب دیا کہ اگر تمہیں میری اطاعت منظور ہے تو کوفہ میں لوگوں سے میری بیعت لو اور میری امداد میں اپنی فوج بھیج کر اس کو حکم دو کہ وادی القری میں عبدالملک کی فرستادہ فوج کے مقابلہ میں جا کر لڑے۔ یہ خط پا کر مختار نے شرجیل بن ورس ہمدانی کو تین ہزار فوج کے ساتھ مدینہ جانے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ مدینہ پہنچتے ہی اپنی رسید سے مطلع کرنا اور مزید ہدایات کا انتظار کرنا۔ مختار کا اصل مدعا یہ تھا کہ جب یہ فوج جا کر مدینہ منورہ پر قابض ہو جائے تو مدینہ کی حکومت کے لئے کسی کو کوفہ سے عامل بنا کر بھیج دے اور پھر شرجیل اپنی فوج لئے ہوئے ابن زبیرؓ پر چڑھ دوڑے اور ان کو محصور کر لے۔ شرجیل تین ہزار فوج کے ساتھ مدینہ روانہ ہوا۔ اب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ مبادا مختار نے کوئی فریب کیا ہو۔ اس لئے انہوں نے مکہ معظمہ سے عباس بن سہل بن سعدؓ کو دو ہزار فوج کی قیادت میں مدینہ طیبہ روانہ فرمایا۔ جب عباس مدینہ پہنچا تو اتنے میں عراقی لشکر آ نمودار ہوا۔ شرجیل نے آتے ہی اپنی فوج کی جنگی ترتیب قائم کر دی۔ میمنہ میسرہ مضبوط کر لئے اور پانی پر قبضہ کر لیا۔ عباس ایسی حالت میں ان کے پاس پہنچا کہ اس کی سپاہ میں کوئی جنگی نظام قائم نہ تھا۔ تمام سپاہی علیحدہ علیحدہ چل رہے تھے۔ عباس نے رقیم میں شرجیل سے ملاقات کی اور دیکھا کہ شرجیل پانی پر پوری جنگی ترتیب کے ساتھ فروکش ہے۔ عباس نے شرجیل کو سلام کیا اور کہا کہ میں تم سے تخلیہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ شرجیل تنہائی میں اس ملا۔ عباس نے پوچھا کہ کیا تم عبداللہ بن زبیرؓ کی اطاعت میں ہو؟۔ اس نے کہا۔ ہاں! میں ان کی اطاعت میں ہوں۔ عباس نے کہا کہ وادی القری میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا دشمن فروکش ہے۔ تم ہماری رفاقت میں اس کے مقابلہ پر چلو۔ شرجیل نے کہا مجھے تمہارے احکام بجالانے کی کوئی ہدایت نہیں کی گئی۔ مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ مدینہ پہنچ کر ٹھہروں اور پھر جو مناسب سمجھوں کروں۔ عباس نے کہا اگر تم ابن زبیرؓ کی اطاعت میں ہو تو انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تم کو اور تمہاری فوج کو اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں وادی القری لے جاؤں۔ شرجیل نے مکرر یہی جواب دیا کہ تمہاری اطاعت کا کوئی حکم نہیں دیا گیا۔ اس مدور منطق پر عباس کو یقین ہو گیا کہ شرجیل یہاں کسی فاسد ارادہ سے آیا ہے۔ مگر عباس نے اس گفتگو کو اس خوبی سے نباہا کہ شرجیل کو اس بات کا مطلق احساس نہ ہوا کہ عباس اس کے مخالفانہ رویہ کو بھانپ گیا ہے۔ خاتمہ سخن پر عباس نے شرجیل سے کہا اچھا جو قرین مصلحت ہو کرو۔ میں تو عنقریب اپنی فوج لئے وادی القری کو چلا

جاؤں گا۔اس ملاقات کے بعد عباس بھی پانی کے ایک مقام پر آ کر اقامت گزیں ہوا اور پھر چند قیمتی اشیاء جو مکہ معظمہ سے ساتھ لے گیا تھا۔تحفۃً شرجیل کو بھیجیں۔اس کے علاوہ آٹے کی بوریاں اور چرم کشیدہ بھیڑیں بطور ضیافت روانہ کیں۔اس وقت شرجیل کی فوج کے پاس سامان رسد تھوڑ گیا تھا۔انہوں نے اس ضیافت کو غنیمت سمجھا۔آٹا اور گوشت کے پہنچتے ہی اہل لشکر پانی لانے اور کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے اور ان کی جنگی ترتیب باقی نہ رہی۔جب عباس مختار کے لشکر کو غافل کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو گیا۔تو اب اس نے اپنی فوج میں ایک ہزار جوانمرد جو نہایت بہادر و جنگ آزمودہ تھے منتخب کئے اور انہیں لے کر شرجیل کے خیمہ کی طرف بڑھا۔شرجیل نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھ کر خطرہ کا احساس کیا اور جھٹ اپنی فوج کا للکارا۔لیکن ابھی پورے سو جوان بھی اس کے پاس جمع نہ ہوئے تھے کہ عباس اس کے سر پر پہنچ گیا۔اس وقت شرجیل بآواز بلند چیخنے لگا کہ اے حزب اللہ! میرے پاس آؤ اور ظالموں سے جو شیطان ملعون کے پیرد ہیں لڑو۔ عباس رجز خوانی کرتا ہوا عراقیوں پر ٹوٹ پڑا۔شرجیل اپنے ستر جوانوں کے ساتھ طعمہ اجل ہو گیا۔ اب عباس کی فوج نے مار مار کر عراقیوں کے پرخچے اڑا دیئے اور تین ہزار آدمیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر آناً فاناً نذر اجل کر دیا۔البتہ دو سو جوان اس طرح بچ گئے کہ جن لوگوں کو ان کے قتل کا کام سپرد ہوا تھا۔ان میں سے بعض آدمیوں نے رحم کھا کر ان کو چھوڑ دیا۔یہ دو سو آدمی عراق کی طرف منہ کر کے بھاگے۔لیکن ان کی بھی اکثریت راستہ میں ہلاک ہو گئی۔جب مختار کو اس لشکر کی بربادی کا علم ہوا تو کہنے لگا کہ نابکار فاجروں نے خدا کے برگزیدہ بندوں کو قتل کر دیا ہے۔مگر یہ مقدر ہو چکا تھا اور وہ پورا ہوا۔ (تاریخ طبری عربی ج ۳ ص ۴۷۳،۴۷۰)

مختار کا فرقہ کیسانیہ

مختار کے مرنے کے بعد مختار کا مستقل گروہ کیسانیہ کے نام سے دنیا کے سامنے آیا۔ کیسانیہ کی تسمیہ میں اختلاف ہے۔بعض کہتے ہیں کہ خود مختار کا اصل نام کیسان تھا اور بعض کا خیال ہے کہ کیسان حضرت علیؓ کے غلام کا نام تھا۔چونکہ اس کے زیر ہدایت مختار نے قاتلین حسینؓ علیہ السلام کو کیفر کردار تک پہنچایا۔اس لئے اس کے فرقہ کو کیسانیہ کہنے لگے۔پھر کیسانیہ کے بھی مختلف فرقے ہیں۔لیکن یہ تمام فرقے دو مسئلوں میں باہم متفق ہیں۔ایک تو سب کے سب ابن حنیفہؒ کو امام مانتے ہیں۔چنانچہ مختار بھی انہی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا تھا۔دوسرے ان کے زعم میں خدائے بیچوں ازلی نہیں۔بلکہ اس کے لئے بھی بدء و آغاز ہے۔چنانچہ یہ لوگ ہر اس شخص کو کافر سمجھتے ہیں جو خدائے عزوجل کے لیے ابتداء تسلیم نہ کرے۔کیسانیہ میں محمد بن حنیفہؒ کے متعلق ایک

اور اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد وہی امام تھے۔ چنانچہ جنگ جمل میں امیر المومنین علیؓ کا جھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے بعد ان کے فرزند حضرت حسن مجتبیٰؓ امام تھے۔ ان کے بعد منصب امامت حضرت حسینؓ کو تفویض ہوا۔ لیکن جب امام حسینؓ یزید کی طلب بیعت کے وقت مدینہ سے مکہ گئے تو امامت اپنے بھائی محمد بن حنیفہؒ کے سپرد کر گئے۔ کیسانیہ کی ایک شاخ کربیبہ ہے۔ جو ابوکرب ضریر کے پیرو ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ امام محمد بن حنیفہؒ زندہ ہیں۔ ان پر آج تک مرگ طاری نہیں ہوئی۔ وہ اس وقت جبل رضوی میں تشریف فرما ہیں۔ ان کے آگے دو چشمے بہہ رہے ہیں۔ ایک پانی کا ہے دوسرا شہد کا۔ وہ انہی چشموں سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔ ان کی داہنی جانب ایک شیر بیٹھا ہے اور بائیں طرف چیتا۔ یہ دونوں جانور دشمنوں سے ان کی حفاظت کر رہے ہیں اور اس وقت تک برابر محافظت کرتے رہیں گے جب تک کہ آپ کو خروج و ظہور کا حکم نہ ہو۔ اور بعض کے نزدیک ان کے بعد ان کے فرزند ابو ہاشم عبداللہ کو منصب امامت ملا تھا۔ ان میں سے راوندی گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ابو ہاشم کے بعد ان کی وصیت کے بموجب امامت محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔ (الفرق بین الفرق ص ۲۶ م لبنان)

چونکہ مختار کے حالات و واقعات نے غیر معمولی طوالت اختیار کر لی ہے۔ اس لئے بغرض اختصار اس کا وہ الہامی کلام قلم انداز کیا جاتا ہے جو اس نے بمنزلہ قرآن کے پیش کیا۔ جو حضرات اس مقفی و مسجع خطابت کے مطالعہ کا اشتیاق رکھتے ہوں وہ علامہ عبدالقاہر کی کتاب الفرق بین الفرق ص ۳۴، ۳۵ اور کتاب الدعاۃ ص ۶۴، ۶۵ کی طرف رجوع فرمائیں۔

فصل ۶:...... مصعب بن زبیر کا کوفہ پر حملہ اور مختار کا قتل

ابراہیم بن اشتر کوفی مختار کا دست راست تھا۔ مختار کو جس قدر ترقی و عروج نصیب ہوا۔ وہ سب ابراہیم بن اشتر کی شجاعت، اولعزمی اور حسن تدبیر ہی کا رہین منت تھا۔ ابراہیم جدھر گیا شجاعت و اقبال مندی کے پھریرے اڑاتا گیا اور جس میدان کا رخ کیا۔ فتح و ظفر ہاتھ باندھے سامنے آ موجود ہوئی۔ ابراہیم ہر میدان میں مختار کے دشمنوں سے لڑا اور اس کے علم اقبال کو ثریا تک بلند کر دیا۔ البتہ ایک موقع پر ہم دیکھتے ہیں کہ ابراہیم نے اسے تنہا چھوڑ دیا ہے اور یہی وہ وقت ہے جبکہ مختار کا کوکب زوال و نخوت کی شفق میں غروب ہو گیا ہے۔ جس محاربہ میں مصعب بن زبیر والی بصرہ نے کوفہ پر حملہ کر کے مختار کے شجرہ حیات کو مستاصل کیا ہے۔ اس میں ابراہیم نے مختار کا ساتھ نہ دیا۔ بلکہ موصل میں الگ بیٹھا مختار کی ذلت و بربادی کا تماشہ دیکھتا رہا۔

ابن جریر طبری، ابن اثیر وغیرہ مورخوں نے اس عقدہ کا کوئی حل پیش نہیں کیا کہ ابراہیم نے اس موقع پر اس سے کیوں بے اعتنائی برتی۔ البتہ علامہ عبدالقاہر بغدادی نے حقیقت حال کے چہرہ کو بے نقاب کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب ابراہیم کو معلوم ہوا کہ مختار نے علی الاعلان نبوت اور نزول وحی کا دعویٰ کیا ہے تو وہ نہ صرف اس کی اعانت سے دست کش ہو گیا۔ بلکہ اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے بلاد جزیرہ پر قبضہ جما لیا۔ (الفرق بین الفرق ص ۳۳ م لبنان) مصعب ابن زبیر کو ان حالات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ہاتھ آیا۔ اس سے پیشتر روسائے کوفہ اور مختار کے تعلقات سخت کشیدہ ہو چکے تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہر وہ شخص جس کے دل میں خدا اور اس کے برگزیدہ رسولؐ کی محبت کا نور ضیاء افگن ہے۔ مختار کی ان سرگرمیوں کو نظر استحسان سے دیکھے گا جو اس نے دشمنان آل رسولؐ کی تخریب واستیصال کے لئے شروع کر رکھی تھیں اور روسائے کوفہ بھی اس کام میں اس کے قدر شناس اور موید تھے۔ لیکن اہل کوفہ کو انہی ایام سے جبکہ ابراہیم بن اشتر ہنوز مختار کا رفیق کار تھا۔ مختار کے خلاف کچھ شکایتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ جن کی وجہ سے انہوں نے اس کے خلاف علم مبارزت بلند کر دیا تھا اور مختار نے ابراہیم کی مدد سے ان کو سرکوب کر دیا تھا۔ اس وقت تو یہ لوگ زک پا کر خاموش ہو گئے اور نفرت وعناد کی چنگاری دب گئی۔ لیکن جب ابراہیم نے مختار کا ساتھ چھوڑ دیا تو روسائے کوفہ کی رگ انتقام جنبش میں آئی اور انہوں نے چاہا کہ جس طرح بن پڑے مختار کو کچل کر خاک فنا میں ملا دیا جائے۔

روسائے کوفہ کا ورود بصرہ اور حملہ آور ہونے کی اشتعال انگیزی

اس قرارداد کے بموجب شبث بن ربعی، محمد بن اشعث اور بعض دوسرے ہزیمت خوردہ روساء نے بصرہ جا کر مصعب بن زبیر کو برانگیختہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے شبث بصرہ پہنچا۔ اس وقت وہ ایک خچر پر سوار تھا۔ جس کی دم اور کان کے کنارے قطع کر دیے تھے اس نے اپنی قبا کو بھی چاک کر دیا تھا اور بآواز بلند پکار رہا تھا۔ یا غوثاہ یا غوثاہ! (دادرسی کیجئے۔ امداد کو پہنچئے۔) حاضرین مجلس نے مصعب کو بتایا کہ ایک شخص دروازے پر فریادرسی کے لئے کھڑا ہے اور اس کی یہ حالت ہے کہ قباء پھٹی ہوئی ہے اور خچر کی دم اور کان کٹے ہیں۔ مصعب سمجھ گیا کہ شبث ہو گا اور حکم دیا کہ اندر بلا لو۔ شبث نے دربار میں پہنچ کر صورت حال عرض کی۔ دوسرے سربرآوردہ کوفی بھی مصعب کے پاس پہنچے اور مختار کی چیرہ دستیوں کی داستانیں سنا کر کہا کہ ہم انتہا درجہ کے مظلوم ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے ہی غلام اور آزاد غلام ہم پر چڑھ آئے ہیں۔ آپ ہماری اعانت کیجئے اور ہمارے ساتھ مل کر مختار پر فوج کشی فرمائیے۔

مصعب کی یلغار کوفہ پر

مختار نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عمال سے کوفہ اور اس کے ملحقات کی حکومت چھین کر خود سری اختیار کر لی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت ابن زبیرؓ کے خلاف بہت سی دوسری کینہ جوئیوں اور خون آشامیوں کا بھی مرتکب ہوا تھا۔ اس بنا پر ان کے بھائی مصعب بن زبیر انتقام کے لئے بہت دن سے دانت پیس رہے تھے۔ جب روسائے کوفہ نے آ کر حملہ آور ہونے کی تحریک کی۔ تو مصعب ایک لشکر جرار لے کر کوفہ کی طرف بڑھے۔ ادھر مختار کو معلوم ہوا تو اس نے بھی احمر بن شمیط اور عبداللہ بن کامل کے زیر قیادت اپنی سپاہ کو حرکت دی۔ جب لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی تو احمر بن شمیط اور عبداللہ بن کامل دونوں میدان جاں ستاں کی نذر ہو گئے اور بصریوں نے مختار کی فوج کو مار مار کر اس کے دھوئیں بکھیر دیئے۔ اب مصعب نے عباد بن حسین کو رسالہ دے کر مختار کی ہزیمت خوردہ فوج کے تعاقب میں روانہ کیا اور حکم دیا کہ جو قیدی بھی تمہارے ہاتھ لگے اس کی گردن مار دو۔ اس طرح مصعب نے محمد بن اشعث کوفی کو بھی اہل کوفہ کے رسالہ کے ساتھ ابن شمیط کی منہزم فوج کے تعاقب میں روانہ کیا اور کہا اب موقع ہے کہ تم دل کھول کر اپنا بدلہ لے لو۔ ہزیمت خوردہ کوفی فوج کے لئے کوفی لوگ بصریوں سے بھی زیادہ سخت تھے۔ جس شخص کو پکڑتے۔ بلا دریغ موت کی گھاٹ اتار دیتے اور کوئی قیدی ایسا نہ تھا جسے انہوں نے معاف کیا ہو۔ جب مختار کو اپنے سپہ سالاروں کی ہلاکت اور اپنے لشکر کی بربادی کا علم ہوا تو کہنے لگا کہ موت کا آنا لازمی امر ہے اور جس موت میں مرنا چاہتا ہوں وہ وہی موت ہے جس پر ابن شمیط کا خاتمہ ہوا۔

جب مختار کو معلوم ہوا کہ مصعب کی فوج خشکی اور تری کے دونوں راستے عبور کر کے اس کے قریب پہنچ گئی ہے تو اس نے بھی کوفہ سے جنبش کی اور مقام سلحین پر آ کر ڈیرے ڈال دیئے۔ سلحین مختلف دریاؤں کا سنگم ہے۔ اس مقام پر دریائے حیرہ، دریائے سلحین، دریائے قادسیہ اور دریائے برسف فرات سے ملتے ہیں۔ مختار نے اس سنگم پر ایک بند بنوا کر دریائے فرات کا پانی روک دیا۔ اس طرح فرات کا تمام پانی معاون دریاؤں میں چڑھ گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصری فوج جو کشتیوں میں بیٹھی چلی آ رہی تھی۔ ان کی کشتیاں کیچڑ میں پھنس گئیں۔ یہ حالت دیکھ کر بصریوں نے کشتیاں چھوڑ دیں اور پاپیادہ کوچ کرنا شروع کیا۔ ان کا رسالہ ان کے آگے دریائے فرات کے بند تک پہنچ گیا اور اس کو منہدم کر کے کوفہ کی باگیں اٹھائیں۔ جب مختار کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی مقابلہ کے لئے آگے بڑھا اور مقام حرورا میں پہنچ کر مورچے تیار کرائے۔ قصر اور مسجد کو مستحکم کیا اور قصر میں بڑی عجلت کیساتھ وہ تمام سامان فراہم کیا جس کی حالت محاصرہ میں ضرورت

پیش آتی ہے۔ اتنے میں مصعب بھی حروراء پہنچ گئے جو ولایات بصرہ کوفہ کی حد فاصل ہے۔ آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ گو مصعب کی فوج میں محمد بن اشعث رئیس کوفہ جس نے دوسرے کوفی روساء کے ساتھ بصرہ جا کر مصعب کو حملہ آور ہونے کی ترغیب دی تھی۔ اپنے تمام دستہ فوج کے ساتھ کام آیا۔ تاہم مختار کی فوج کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا اور وہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر سخت بدحالی کے ساتھ بھاگ کھڑی ہوئی۔ جتنی دیر تک فوج برسر مقابلہ رہی۔ مختار نہایت بے جگری سے لڑتا رہا۔ آخر فوج کی ہزیمت نے اس کو بھی پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔ اب وہ پسپا ہو کر کوفہ پہنچا اور قصر امارت میں متحصن ہو گیا۔ دوسرے دن مختار کی ہزیمت خوردہ سپاہ بھی کوفہ پہنچ گئی۔ ہزیمت و پسپائی کے وقت مختار کا ایک افسر اس سے کہنے لگا کہ کیا آپ نے (وحی آسمانی سے اطلاع پا کر) ہم سے فتح و نصرت کا وعدہ نہیں کیا تھا؟۔ اور یہ نہیں کہا تھا کہ ہم دشمن کو مار بھگائیں گے؟۔ مختار نے کہا۔ کیا تم نے کتاب اللہ میں یہ آیت نہیں پڑھی: یمحوا اللہ ما یشآء و یثبت و عندہ ام الکتاب ! حق تعالیٰ جس حکم کو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بحال رکھتا ہے اور اسی کے قبضہ قدرت میں لوح محفوظ ہے؟۔

قصر کا محاصرہ اور محصورین کی بدحالی

مختار قریباً بیس ہزار فوج حروراء لے گیا تھا۔ ان میں سے کچھ آدمی تو مارے گئے۔ کچھ کوفہ پہنچ کر اپنے اپنے گھروں میں روپوش ہو گئے اور آٹھ ہزار آدمی مختار کے پاس قصر میں جا داخل ہوئے۔ اب مصعب کی فوج کوفہ پہنچی اور قصر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ چار مہینہ تک جاری رہا۔ مختار ہر روز اپنے رسالہ کے ساتھ قصر میں سے برآمد ہو کر کوفہ کے بازاروں میں دشمن سے دو دو ہاتھ کرتا اور کچھ زیادہ نقصان پہنچائے بغیر واپس جاتا۔ محصورین کی حالت دن بدن نازک ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر وہ اہل شہر بھی جو مختار کے مخالف تھے دلیر ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب بھی مختار کا رسالہ حملہ کرنے کے لئے قصر سے نکلتا تو مکانات کی چھتوں پر سے ان پر اینٹیں، پتھر اور کیچڑ اور غلیظ پانی ڈالا جاتا۔ محاصرین نے سامان رسد کی آمد بالکل مسدود کر رکھی تھی۔ اس وقت محصورین کی بسر اوقات کی یہ صورت تھی کہ بہت سی عورتیں اپنے اپنے مکانات سے اشیاء خورد و نوش کسی چیز سے ڈھانک کر لے چلتیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا کہ وہ نماز کے لئے جامع مسجد میں جا رہی ہیں یا کسی عزیز و یگانہ سے ملنے جاتی ہیں اور جب قصر امارت کے پاس پہنچتیں تو مختار کے آدمی ان کے لئے دروازہ کھول دیتے اور اس طرح کھانا پانی ان کوفیوں کے پاس پہنچ جاتا جو مختار کی فوج میں تھے۔ جب مصعب کو اس کی اطلاع ہوئی تو شہر کے تمام چور رستوں پر پہرے بٹھا دیئے اور کوشش کی کہ کوئی

مخصص محل تک نہ پہنچ سکے۔ تا کہ محصورین بھوکے پیاسے ہی ہلاک ہو جائیں۔ اس وقت ان کی یہ حالت تھی کہ میٹھا پانی باہر سے نہیں آ سکتا تھا۔ قصر کے اندر جو کنواں تھا اس کا پانی سخت نمکین تھا۔ مگر محصورین شدت تشنگی کی حالت میں یہی پانی پینے لگے۔ بیت المال میں شہد بکثرت موجود تھا۔ پانی کی تکلیف دیکھ کر مختار نے حکم دیا کہ کنوئیں میں شہد ڈال دیا جائے۔ تا کہ پانی کا مزہ بدل کر پینے کے قابل ہو جائے۔ اس طرح اکثر لوگ سیراب ہو جاتے تھے۔ اب مصعب نے محاصرین کو قصر امارت سے اور زیادہ قریب رہنے کا حکم دیا۔ بعض اوقات مصعب کے فوجی دستے محل کے اس قدر قریب پہنچ جاتے تھے کہ مختار کے ان آدمیوں پر جو قصر میں دکھائی دیتے بسہولت تیر اندازی کی جاتی۔ اب یہاں تک دیکھ بھال کی جانے لگی کہ محل کے اردگرد جو عورت بھی کسی طرف سے آتی دکھائی دیتی اس کا نام و پتہ، منزل مقصود اور آمد و رفت کی غرض و غایت دریافت کی جاتی۔ ایک دن تین عورتیں گرفتار کی گئیں۔ یہ اپنے خاوندوں کے پاس جو قصر میں محصور تھے۔ کھانا لے کر جا رہی تھیں۔ جب مصعب کے سامنے پیش کی گئیں تو انہیں بلا عقوبت واپس بھیج دیا۔ ایک مرتبہ مصعب کی فوج کے کچھ بصری اور کوفی نوجوان جو جنگ کی افتادوں سے بے خبر تھے بغیر کسی سردار کے بازار میں نکل پڑے اور مختار کو "ابن دومتہ" کے خطاب سے پکارنے لگے۔ مختار قصر کی چھت پر برآمد ہوا اور کہنے لگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوفہ یا بصرہ کا کوئی معتبر سردار نہیں ہے۔ ورنہ یہ کبھی مجھے اس نام سے نہ پکارتے۔ مختار نے ان کو غیر منتظم حالت میں دیکھ کر چاہا کہ تہس نہس کر دے۔ چنانچہ قصر سے باہر نکل کر ان پر تاخت کرنے کا ارادہ کیا اور دو سو آدمیوں کے ساتھ ان پر حملہ کیا۔ قریباً سو تو وہیں کھیت رہے اور باقی اس طرح بے اوسان بھاگے کہ ایک پر ایک گرا پڑتا تھا۔ مگر تھوڑے فاصلہ پر پہنچتے پہنچتے مختار کے دستہ نے انہیں بھی جا لیا اور مار مار کر ان کا کھلیان کر دیا۔

فوج کی دون ہمتی اور بے وفائی اور مختار کا قتل

جب محاصرہ کی سختی روز افزوں ناقابل برداشت ہونے لگی تو ایک دن مختار اپنے لشکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ یاد رکھو کہ جس قدر محاصرہ طویل ہوگا تمہاری طاقت جواب دیتی جائے گی اس لئے بہتر ہے کہ باہر نکل کر کھلے میدان میں داد شجاعت دیں اور لڑتے لڑتے عزت سے جانیں دے دیں۔ اگر تم بہادری سے لڑے تو میں اب بھی فتح کی طرف سے مایوس نہیں ہوں۔ مگر انہیں اس کی ہمت نہ پڑی اور جنگ کے لئے باہر نکلنے سے انکار کر دیا۔ البتہ صرف انیس آدمیوں نے رفاقت پر آمادگی ظاہر کی۔ مختار مخلصین سے کہنے لگا۔ خدا کی قسم! میں کسی کو اپنا ہاتھ نہ پکڑنے دوں گا۔ اگر تم نے میرا ساتھ نہ دیا اور میں نے باہر نکل کر جنگ شروع کی اور مارا گیا تو تم اور بھی زیادہ

ذلیل وخوار ہو جاؤ گے اور اگر تم نے اپنے تئیں دشمن کے حوالے کر دیا اور اعداء نے قابو پا کر تم کو قتل کرنا شروع کیا تو یاد رکھو کہ تم لوگ ایک دوسرے کے منہ تکنے لگو گے اور کہو گے۔ اے کاش! ہم نے مختار کا کہا مانا ہوتا۔ اگر اس وقت میرا ساتھ دو اور بالفرض تم کو فتح نہ ہو تو بھی شرافت اور عزت کے ساتھ تو مرو گے۔ لیکن انہوں نے ایک نہ سنی۔ آخر مختار خوشبو اور عطر لگا کر انیس آدمیوں کے ساتھ قلعہ سے برآمد ہوا۔ باہر نکل کر ایک شخص سائب ابن مالک نے علیحدگی اختیار کر لی۔ اب اس نے باقی ماندہ اٹھارہ آدمیوں کی رفاقت میں مقابلہ شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں تمام ساتھی نذر اجل ہو گئے۔ آخر مختار خود بھی ان مقتولوں پر ڈھیر ہو رہا۔ یہ حادثہ ۱۴ رمضان ۶۷ھ کو رونما ہوا۔ اس وقت مختار کی عمر ۶۷ سال کی تھی۔ مختار کے قتل کے دوسرے دن اس کے ایک افسر بجیر بن عبداللہ مسلمی نے مختار کی قلعہ گیر فوج سے کہا کہ سب آدمی باہر نکلو اور لڑ کر عزت کی موت مر جاؤ اور یاد رکھو کہ اگر تم نے دون ہمتی کا ثبوت دے کر اپنے تئیں دشمن کے حوالے کیا تو بھی اعداء تم کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ لیکن ان لوگوں نے انکار کیا اور اپنے تئیں بصری فوج کے سپرد کر دیا۔

بصریوں نے ان کو پابجولاں باہر نکالا۔ آخر مصعب نے روسائے لشکر کی خواہش اور رائے عامہ کے بموجب مختار کی فوج کے تمام آدمیوں کو تہ تیغ کرنے کا حکم دیا۔ اب بجیر بن عبداللہ مسلمی کو مصعب کے سامنے پیش کیا گیا۔ بجیر کہنے لگا۔ تمام حمد و ثناء کا مستحق وہی خالق کردگار ہے جو اس وقت تمہاری آزمائش کر رہا ہے کہ ہمیں معاف کرتے ہو یا نہیں؟۔ اے امیر! اس وقت دو امور آپ کے سامنے ہیں۔ رضائے الٰہی اور اس کی ناراضی۔ جو شخص معاف کرتا ہے۔ خدا اسے معاف کرتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کو عزت بخشتا ہے۔ لیکن جو شخص سزا دیتا ہے۔ وہ قصاص سے مامون و محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اے ابن زبیر! ہم تمہارے اہل قبیلہ اور مسلمان ہیں۔ ترک یا دیلمی نہیں ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ تم صاحب قدرت ہو کر معاف کر دو۔ یہ باتیں سن کر مصعب اور تمام حاضرین کو اس پر رحم آ گیا اور مصعب نے اسے رہا کر دینے کا ارادہ کیا۔ لیکن عبدالرحمٰن بن محمد جس کا باپ محمد بن اشعث اس لڑائی کی بھینٹ چڑھ چکا تھا اور دوسرے کوفی روساء جو اس لڑائی کے اصل محرک و بانی تھے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے کہ آپ لوگ یا تو ان لوگوں پر رحم کیجئے یا ہم پر۔ یہ دیکھ کر مصعب نے اس سب کے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ مقتولین کی تعداد چھ ہزار تھی۔

مختار کی ایک بیوی کا قتل بجرم ارتداد

مصعب کے حکم سے مختار کے دونوں ہاتھ کاٹے گئے اور مسجد کے پاس کیلوں سے ٹھونک کر نصب کر دیئے گئے۔ اب مختار کی بیویاں مصعب کے سامنے پیش کی گئیں۔ ایک کو ام ثابت بنت

سمرہ کہتے تھے اور دوسری کا نام عمرہ بنت نعمان تھا۔ مصعب نے ان سے پوچھا کہ مختار کے دعوئی نبوت و وحی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟۔ ام ثابت نے جواب دیا کہ جس معاملہ میں ہماری رائے دریافت کی جاتی ہے۔ اس کے متعلق ہمارے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم آپ کی رائے کی تائید کریں۔ یہ سن کر مصعب نے اسے رہائی دے دی۔ مگر عمرہ نے کہا۔ مختار خدا کے نیک بندوں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنا مخصوص رحم و کرم ان کے شامل حال کرے۔ اس جواب پر مصعب نے اسے محبس میں بھیج دیا اور اس کے متعلق اپنے بھائی جناب عبداللہ بن زبیرؓ کو لکھا کہ یہ عورت اس بات کی مدعی ہے کہ مختار نبی تھا۔ اس سے کیا سلوک کیا جائے؟۔ جناب عبداللہ بن زبیر حضرت سید الاولین والآخرین ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی کے فرزند اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے خواہر زادہ تھے۔ انہوں نے لکھ بھیجا کہ اگر اس کا یہیں عقیدہ ہے تو (وہ ختم نبوت کی منکر اور مرتدہ ہے) اسے (بوجہ ارتداد) قتل کیا جائے۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں اسے محبس سے نکال کر حیرہ اور کوفہ کے درمیان لائے۔ پولیس کے ایک آدمی نے جس کا نام مطر تھا تلوار کے تین ہاتھ رسید کئے۔ عمرہ نے عرب کے دستور کے بموجب اپنے اعزہ و اقارب کو مدد کے لئے پکارا۔ عمرہ کے بھائی ابان بن نعمان نے یہ فریاد سنی۔ فوراً مطر کی طرف جھپٹا اور زور سے ایک تھپڑ اس کے رسید کر کے کہنے لگا۔ حرامزادے! تو نے اسے قتل کیا ہے۔ خدا تیرے ہاتھ کو قطع کرے۔ مطر نے ابان کو پکڑ لیا اور اسے مصعب کے پاس لے آیا مصعب نے حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دو۔ کیونکہ یہ اپنی ہمشیرہ کے قتل کا وحشت انگیز اور جانکاہ منظر دیکھ کر کسی طرح برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

(اس باب میں جو واقعات قلبند کئے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض کے ماخذ تو ساتھ ہی ساتھ بتا دیئے گئے ہیں۔ لیکن جن واقعات و حوادث کے تحت میں کوئی حوالہ درج نہیں وہ سب تاریخ طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر سے ماخوذ ہیں)

باب ۷ ...... حارث کذاب دمشقی

حارث بن عبدالرحمٰن بن سعید ملمی دمشقی پہلے ابوجلاس عبدی قریشی کا مملوک تھا۔ حصول آزادی کے بعد اس کے دل میں یاد الٰہی کا شوق سر سرایا۔ چنانچہ بعض اہل اللہ کی دیکھا دیکھی رات دن عبادت الٰہی میں مصروف رہنے لگا۔ سد رمق سے زیادہ غذا نہ کھاتا۔ کم سوتا۔ کم بولتا اور اسقدر پوشش پر اکتفا کرتا جو ستر عورت کے لئے ضروری تھی۔ یہاں تک کہ تقشف اور تبتل و انقطاع کو غایت قصویٰ تک پہنچا دیا۔ اگر یہ زہد و ورع، ریاضتیں اور مجاہدے کسی مرشد کامل کے ارشاد و افادہ کے ماتحت عمل میں لائے جاتے تو اسے قال سے حال تک پہنچا دیتے اور معرفت الٰہی کا نور مبین

اس کے کشور دل کو جگمگا دیتا۔ لیکن اس غریب کو معلوم نہ تھا کہ جو لوگ کسی رہبر کامل کی صحبت میں رہ کر منازل سلوک طے کرنے کی بجائے از خود ریاضت دانزدا کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ شیطان ان کا رہنما بن جاتا ہے اور اس وقت تک ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا جب تک کہ انہیں ضلالت و ہلاکت ابدی کے تحت الثریٰ تک نہ پہنچا دے۔

شیطان کے طرق اغوا و تضلیل

شیطان کا معمول ہے کہ وہ طرح طرح کی نورانی شکلیں اختیار کر کے بے مرشد ریاضت کشوں کے پاس آتا ہے۔ انہیں انواع و اقسام کے سبز باغ دکھاتا ہے۔ کسی سے کہتا ہے کہ تو ہی مہدی موعود ہے۔ کسی کے کان میں یہ پھونک دیتا ہے کہ آنے والا مسیح تو ہی ہے۔ کسی کو حلال و حرام کی پابندیوں سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔ کسی کو اپنی طرف سے نبوت و رسالت کا منصب بخش جاتا ہے۔ لیکن حرمان نصیبی اور حق فراموشی کا کمال دیکھو کہ عابد اس نورانی شکل کو شیطان نہیں سمجھتا۔ بلکہ اپنی حماقت سے یہ یقین کرتا ہے کہ خود خداوند عالم نے اپنا جمال مبارک دکھایا ہے۔ اسی نے ہم کلامی کا شرف بخشا ہے۔ اسی نے اسے مہدویت یا مسیحیت یا نبوت کے منصب جلیل پر سرفراز فرمایا ہے۔ ذیل میں صلحائے امت کے چند ذاتی تجربے اور مشاہدے سپرد قلم کئے جاتے ہیں۔ تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو سکے کہ جنود ابلیس عباد و زہاد کو راہ حق سے منحرف کرنے کے لئے خدع و دجل کے کیسے کیسے سنہری روپہلی جال بچھاتا ہے؟۔

حضرت غوث الاعظمؒ اور شیطان کی آواز

امام عبدالوہاب شعرانیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ناقل ہیں۔ سید ضیاء الدین ابو نصر موسیٰ کہتے ہیں کہ میرے والد امجد حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں سفر میں تھا۔ میرا گذر ایک ایسے دشت میں ہوا جہاں پانی ناپید تھا۔ میں چند روز وہاں رہا۔ مگر پانی پر دسترس نہ پا سکا۔ جب تشنگی نے حد سے زیادہ غلبہ کیا تو حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ابر کا ایک ٹکڑا متعین فرما دیا۔ جس سے وقتاً فوقتاً پانی کے قطرے گرتے اور میں تسکین پاتا۔ انہی ایام میں ایک رات ایسا نور بلند ہوا کہ جس نے شب دیجور میں آفاق عالم کو منور کر دیا۔ نور میں سے ایک عجیب و غریب صورت نمودار ہوئی۔ اس نے آواز دی۔ اے عبدالقادر! میں تیرا پروردگار ہوں۔ میں نے تجھ پر وہ سب کچھ حلال کیا جو دوسروں کے لئے حرام و ناجائز قرار دے رکھا ہے جو کچھ تو چاہے اختیار کر اور وہ ہر فعل کر لے جس کی طرف تیری طبیعت کا میلان ہو۔ میں سوچنے لگا کہ الٰہی! یہ کیا ماجرا ہے۔ مجھ سے پیشتر نبوت و ولایت کے لاکھوں شہباز فضائے قرب میں پرواز کرتے

رہے۔ ان میں سے کسی کو اتنے بلند نشیمن آزادی میں جگہ نہ دی گئی اور کسی سے حلال وحرام کا تقید دور نہ ہوا۔ آخر میں کون ہوں کہ مجھے ایسا نادر و عدیم المثال حکم سنایا جاتا ہے؟۔ میں نے معاً نور فراست سے محسوس کیا کہ یہ صدائے اغوائے شیطان ہے۔ میں نے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم! پڑھ کر کہا۔ اے ملعون! دور ہو۔ کیا بکتا ہے؟۔ ناگہاں وہ نور ظلمت سے بدل گیا اور اس نورانی صورت کا بھی نام و نشان باقی نہ رہا۔ پھر آواز آئی۔ اے عبد القادر! آج تو اپنے علم کی بدولت مجھ سے بچ گیا۔ ورنہ میں نے اسی طرح ستر سالکان طریقت کو راہ حق سے ایسا پھیر دیا کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے مقام قرب پر قائم نہ رہ سکا۔ یہ کیسا علم ہے جو تجھے حاصل ہے اور کیسی ہدایت ہے جس سے تو ممتاز ہے۔ میں نے کہا "للہ الفضل و المنة و منه الهداية فی البداية والنهاية" ﴿اللہ ہی کا فضل و احسان ہے۔ وہی سرچشمہ رشد و سعادت ہے اور ابتدا و انتہا میں اسی سے توفیق ہدایت ملتی ہے۔﴾

یہاں یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جس نورانی پیکر نے حضرت غوث الثقلینؒ سے حلال وحرام کی قید اٹھائی تھی اسی "ذات شریف" نے مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی آزادی اور مطلق العنانی کا تمغہ عطا کیا تھا۔ چونکہ حضرت محبوب سبحانیؒ اپنے علم و عمل میں کامل و یکتا تھے۔ ابلیس کا آپ پر کوئی بس نہ چلا۔ لیکن بیچارے مرزا غلام احمد قادیانی جیسے شخص سے اس بات کی کوئی امید نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ شیطان کے پنجہ اغوا سے بچ رہتا۔ بہرحال معلم الملکوت نے مرزا قادیانی سے قریب ہو کر کسی قدر پردہ اپنے "پاک" اور روشن چہرہ پر سے جو نور محض ہے اتار کر مرزا قادیانی کو الہام کیا:

اعمل ماشئت فانی قد غفرت لك! اے مرزا تو جو چاہے کیا کر۔ کیونکہ میں نے تیرے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ (خزائن ج۱ص ۶۶۸، براہین احمدیہ ص ۵۶۰)

سید الطائفہؒ کا شاگرد شیطان کی کمند خدع میں

سید الطائفہ حضرت شیخ ابو القاسم جنید بغدادی قدس سرہ کا ایک ناقص مرید اپنی حماقت سے یہ سمجھ بیٹھا کہ میں کامل ہو گیا ہوں۔ اب مجھے صحبت شیخ کی احتیاج نہیں۔ اسی خیال خام کو دل میں پختہ کر کے اس نے حضرت جنیدؒ کی صحبت ترک کر دی اور عزلت نشینی اختیار کر کے ذکر و فکر میں مصروف ہوا۔ تھوڑے ہی روز کے بعد وہ ہر شب دیکھنے لگا کہ فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور اسے اونٹ پر سوار کر کے عالم بالا کو لے جاتے ہیں اور ریاض فردوس کی سیر کراتے ہیں۔ ایک دفعہ اس نے اپنے بعض مخلص احباب سے ذکر کیا کہ میں بارگاہ رب العزت میں اس درجہ رفیعہ پر

پہنچا ہوں کہ ملائکہ میری خدمت پر مامور ہیں اور ہر شب سوار کر کے مجھے گلستان بہشت کی سیر کراتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ خبر حضرت جنیدؒ کے سمع مبارک تک پہنچی۔ آپ اس برخود غلط مرید کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی زبان سے عروج وصعود کی کیفیت سن کر فرمایا آج رات کو جب جنت میں پہنچو تو ذرا ''لاحول ولاقوة الا باللہ'' پڑھ دینا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہے کہ تمام شیاطین بھاگ رہے ہیں۔ وہ گھوڑے پر سوار ہے اور مردوں کی ہڈیاں سامنے پڑی ہیں۔ یہ شخص چونکا۔ اپنی کوتاہی و گمراہی سے توبہ کر کے حضرت جنیدؒ کے کاشانہ زہد پر حاضر ہوا اور تجدید بیعت کر کے پیر کے برکت انفاس سے درجہ کمال کو پہنچا۔ اب اسے معلوم ہوا کہ جب تک مرید درجہ کمال تک نہ پہنچ جائے۔ اس کا شیاطین کی مغویانہ دست برد سے محفوظ رہنا محال ہے۔ یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ کوئی شخص دار دنیا میں خالق بیچوں عز اسمہ کو ظاہری آنکھوں سے جو سر میں ہیں ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام طالب دیدار ہوئے تو انہیں بھی ''لن ترانی'' ہی جواب ملا تھا۔ البتہ عالم آخرت میں اہل جنت کو ایسی آنکھیں عطا کی جائیں گی جو بے کیف وغیر مرئی خدا کو دیکھ سکیں گی۔

شیطان کا تخت

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے نفحات الانس میں ابو محمد خفاف کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک جگہ مشائخ شیراز کا مجمع تھا جس میں ابو محمد خفاف بھی موجود تھے۔ گفتگو مشاہدہ کے بارہ میں شروع ہوئی۔ ہر ایک نے اپنے اپنے معلومات پیش کئے۔ ابو محمد خاموشی سے سب کچھ سنتے رہے۔ لیکن خود کچھ بیان نہ کیا۔ جصاص نے کہا کہ آپ بھی کچھ فرمائیے۔ انہوں نے کہا یہی تحقیقات کافی ہیں۔ جصاص نے اصرار کیا تو ابو محمد خفاف کہنے لگے کہ یہ جس قدر گفتگو تھی۔ حد علم میں تھی۔ لیکن مشاہدہ کی حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ حاضرین نے کہا۔ ذرا اس کی وضاحت فرما دیجیے۔ بولے مشاہدہ یہ ہے کہ حجاب اٹھ کر معائنہ ہو جائے۔ علماء نے پوچھا۔ یہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا؟۔ کہا کہ ایک مرتبہ میں تبوک میں فقر و فاقہ اختیار کئے ہوئے مناجات میں مشغول تھا کہ یک بیک حجاب اٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ عرش پر حق تعالیٰ جلوہ افروز ہے۔ میں دیکھتے ہی سجدے میں جا پڑا اور عرض کیا ''یا مولا ماھذا مکانی و موضعی منک'' ﴿الٰہی تو نے مجھے اپنی رحمت سے کیسے ہی بلند درجہ پر پہنچایا ہے؟۔﴾ یہ سن کر سب لوگ گرداب حیرت میں غوطے کھانے لگے۔ جصاص ابو محمد سے کہنے لگے چلئے ایک بزرگ کی ملاقات کر آئیں اور انہیں ابن سعدان محدث کے پاس لے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو شیخ ابن سعدان تعظیم و تکریم سے

پیش آئے۔جصاص نے ان سے کہا کہ حضرت جو حدیث آپ نے بیان فرمائی تھی: ''قال النبی ﷺ ان للشیطان عرشاً بین السماء اذا اراد العبد فتنۃ کشف لہ عنہ'' وہ ذرا اسناد دیجئے۔شیخ نے بسند متصل وہ روایت سنائی۔

''قال النبی ﷺ ان للشیطان عرشاً بین السماء والارض اذا اراد العبد فتنۃ کشف لہ عنہ'' ﴿حضرت سید العرب والعجم ﷺ نے فرمایا کہ آسمان اور زمین کے درمیان شیطان کا ایک تخت ہے۔جب کسی انسان کو فتنہ میں ڈالنا اور گمراہ کرنا چاہتا ہے تو وہ تخت دکھا کر اپنی طرف مائل کرتا ہے۔﴾

ابو محمد کہنے لگے کہ ذرا ایک دفعہ پھر پڑھیے۔انہوں نے حدیث کا اعادہ کیا۔ابو محمد یہ سن کر زار زار رونے لگے۔دیوانہ وار اٹھ کر بھاگے اور کئی روز تک غائب رہے۔جصاص کہتے ہیں کہ جب تھوڑے روز کے بعد ان سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو میں نے پوچھا کہ آپ اتنے روز تک کہاں تھے؟۔کہا اس کشف ومشاہدہ کے وقت سے جتنی نمازیں پڑھی تھی۔ان سب کی قضا کی۔کیونکہ وہ سب ابلیس کی پرستش کی تھی اور کہا اب اس کی ضرورت ہے کہ جہاں شیطان کو سجدہ کیا تھا۔وہیں جا کر اس پر لعنت کروں۔پھر وہ چلے گئے اور دوبارہ ملاقات نہ ہوئی۔

یہاں موقع کی مناسبت سے یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی بھی ایک شیطان کے شرف زیارت سے مشرف ہوا کرتے تھے۔بلکہ اس سے اس درجہ انس اور بے تکلفی ہوگئی تھی کہ مذاق اور دل لگی تک نوبت پہنچتی تھی۔آخر شیطان بھی تو اپنا معبود نما جلوہ ہر کس وناکس کو نہیں دکھاتا۔اس چشمۂ سعادت سے سیراب ہونے کے لئے بھی کچھ صلاحیت درکار ہے۔صید ایسا ہو جس کے ساتھ لاکھوں دوسرے شکار بھی خود بخود کھنچے چلے آئیں۔وہ شکار ہی کیا جو اکیلا دام میں پھنس کر رہ جائے اور دوسروں پر اس کا کوئی اثر نہ ہو۔بہرحال مرزا قادیانی ''ضرورۃ الامام'' میں امام الزمان کی چھٹی علامت میں رقم فرما ہیں:

''امام الزماں کا ایسا الہام نہیں ہوتا کہ جیسے کلوخ انداز در پردہ ایک کلوخ پھینک جائے اور بھاگ جائے اور معلوم نہ ہو کہ وہ کون تھا اور کہاں گیا؟۔بلکہ خدائے تعالیٰ ان سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور کسی قدر پردہ اپنے پاک اور روشن چہرے پر جو نور محض ہے۔اتار دیتا ہے اور وہ اپنے تئیں ایسا پاتے ہیں کہ گویا ان سے کوئی ٹھٹھا کر رہا ہے اور یہ کیفیت دوسروں کو میسر نہیں آتی۔پس میں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں کہ خدا کے فضل سے وہ امام الزماں میں ہوں۔''

(ضرورۃ الامام،خزائن ج۱۳ص۴۸۳)

شیخ ابن عربیؒ کے پیر طریقت اور تلبیس ابلیس

ابلیس اہل خلوت کو راہ راست سے منحرف کرنے میں ایسے ایسے کمال رکھتا ہے کہ انسانی علم و عمل کے بڑے بڑے قلعے اس کی ادنیٰ فسوں طرازیوں سے آناً فاناً زیروزبر ہوجاتے ہیں۔ اگر توفیق الٰہی اور ہدایت ازلی رفیق حال ہو تو انسان اس کی مغویانہ دست بردسے ہر وقت محفوظ ہے۔ ورنہ جو بخت خفتہ اور طالع گم گشتہ اپنی قسمت کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں۔ وہ ان کو ایسی بری طرح پٹکتا ہے کہ جس کا جھٹکا مشرق و مغرب تک محسوس ہو۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ لیکن آپ کو اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ اس منصب کے اور بھی دعویدار گذر چکے ہیں۔ جس طرح شیطان مع اپنی ذریات کے بدء آفرینش سے ایک حالت پر چلا آتا ہے۔ اس کے طرق اضلال میں بھی یک رنگی اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ فتوحات مکیہ باب ۸۱ میں فرماتے ہیں کہ ہمارے پیر طریقت سے بھی اوائل میں کہا گیا تھا کہ تم مسیح موعود ہو۔ لیکن چونکہ وہ ہر چیز کو کتاب و سنت کی عینک سے دیکھنے کے عادی تھے۔ حق تعالیٰ نے انہیں شیطان کے دام تزویر سے محفوظ رکھا۔

حارث پر جنود ابلیس کی نگاہ التفات

جب جنود ابلیس نے حارث کو اپنی نگاہ التفات سے مخصوص کر کے اس پر القاو الہام کے دروازے کھولے تو اس کو عجیب قسم کی چیزیں دکھائی دینے لگیں جو پہلے کبھی مشاہدہ سے نہیں گذری تھیں۔ اس کے سر پر کسی عیسیٰ نفس شیخ طریقت کا ظل سعادت لمعہ افگن نہیں تھا۔ جس کی طرف یہ رجوع کرتا اور وہ اسے شیطانی اغوا کوشیوں پر متنبہ کر کے صرصر ضلالت سے بچاتا۔ اس کا باپ موضع حولہ میں رہتا تھا۔ اس کو لکھ بھیجا کہ جلدی سے میری خبر لو۔ مجھے بعض ایسی چیزیں دکھائی دے رہی ہیں جن کے متعلق خوف ہے کہ مبادا شیطان کی طرف سے ہوں۔ یہ پڑھ کر گم کردۂ راہ باپ نے اس کو ورطہء ہلاک سے نکالنے کے بجائے الٹا گمراہی کے جال میں پھنسا دیا اور لکھ بھیجا۔ بیٹا! تو اس کام کو بے خطر کر گزر جس کے لئے تجھے حکم ہوا ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”ھل انبئکم علی من تنزل الشیاطین تنزل علی کل افاک اثیم (الشعراء:۲۲۱) “ ﴿کیا میں تم کو بتلاؤں کی شیاطین کس پر اترا کرتے ہیں؟۔ وہ ایسے لوگوں پر نازل ہوتے ہیں جو دروغ گو بدکردار ہیں۔﴾

اور تو نہ دروغ گو ہے اور نہ بدکردار۔ اس لئے تو اس قسم کے اوہام کو اپنے پاس نہ

پھٹکنے دے اور بلا تأمل اس کی تعمیل کر جس کے لئے تجھے ارشاد ہوتا ہے۔ لیکن حارث کے باپ کا یہ استدلال بالکل باطل تھا۔ کیونکہ اس سے اگلی آیت کے الفاظ "یلقون السمع" ﴿شیاطین کی اطلاعیں سننے کے لئے کان لگائے رہتے ہیں﴾ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آیت ان کاہنوں کے متعلق نازل ہوئی تھی جنہوں نے غیب دانی کے دعویٰ کے ساتھ تقدس مآبی کی دکانیں کھول رکھی تھیں۔ وہی لوگ شیاطین سے روابط پیدا کرتے اور ان سے غیب کی باتیں سننے کے لئے کان لگائے رکھتے تھے۔ غرض آیت کے مفہوم میں قطعاً یہ چیز داخل نہیں کہ شیاطین کاہنوں کے سوا کسی دوسرے شخص سے تعرض نہیں کرتے۔ ابلیسی لشکر کا تو فرض منصبی ہی یہ ہے کہ بنی آدم کو ورطہء ہلاک میں ڈالے۔ وہ کفار، فجار اور عوام کو تو ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ ان کے مساعی تزویر کے بغیر ہی ان کی خواہشات کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ البتہ خواص پر اپنا پنجہء اغوا مارنے سے کبھی نہیں چوکتے۔ خواص میں جن نفوس پر کسی مسیحا نفس ہادی کا روحانی فیض پرتو افگن ہو وہ ان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ لیکن بے مرشد لوگ کٹ پتلی کی طرح ان کے اشاروں پر رقص کرنے لگتے ہیں۔

حارث کے استدراجی تصرفات

وہ شخص جو سدرمق غذا پر اکتفا کرے۔ کم سوئے۔ کم بولے۔ ہر وقت عبادت الٰہی یا پوجا پاٹ میں مصروف رہے اور نفس کشی کا شیوہ اختیار کر کے اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرے۔ اس سے عادت مستمرہ کے خلاف ایسے محیر العقول افعال صادر ہوتے ہیں جو دوسروں سے ظاہر نہیں ہو سکتے۔ ایسے لوگ اگر اہل اللہ میں سے ہوں تو ان کے خرق عادت کو کرامت کہتے ہیں اور اگر اہل کفر اور اصحاب زیغ ہوں تو ایسا فعل استدراج کے نام سے موسوم ہے۔ یہ تصرفات محض ریاضت اور نفس کشی کا ثمرہ ہیں۔ ان کو تعلق باللہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہاں اگر کوئی بزرگ شریعت اور طریقت کا جامع ہو۔ اتباع سنت اور اقتداء سے سلف صالح کے ساتھ ریاضت اور نفس کشی کا مسلک اختیار کرے تو یہ چیز البتہ قرب خداوندی میں نہایت درجہ مؤثر ہے۔ چونکہ حارث نے سخت زاہدانہ اور متقشفانہ زندگی اختیار کر رکھی تھی اور دوائم العبادات، معمور الاوقات تھا۔ اس سے بھی ماوراء عقل افعال صادر ہوتے تھے۔ چنانچہ مسجد میں ایک پتھر پر انگلی مارتا تو وہ تسبیح پڑھنے لگتا۔ موسم گرما میں لوگوں کو سرما کے فواکہ اور پھل کھلاتا۔ جاڑوں میں تابستان کے میوے پیش کرتا اور کہا کرتا کہ آؤ میں تمہیں موضع دیر مراں (مضافات دمشق) سے فرشتے نکلتے دکھاؤں۔ چنانچہ حاضرین محسوس کرتے کہ نہایت حسین وجمیل فرشتے بصورت انسان گھوڑوں پر سوار جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے

کہ جب مرزا غلام احمد قادیانی جیسے شخص کو پیرووں کی ایک بڑی جماعت مل گئی۔ جس کی ذات میں نہ کوئی علمی اور عملی خوبی ودیعت تھی اور نہ کوئی دوسرا امتیازی وصف پایا جاتا تھا تو پھر عوام کالانعام حارث جیسے شخص کی عقیدت اور پیروی سے کیونکر تخلف کر سکتے تھے۔ جس کے خوارق وکرامات کی جلوہ نمائیاں عوام کو خیرہ چشم کر رہی تھیں۔ ہزارہا سرگشتگان بادیہء ضلالت آئے اور اس کے آستانہ زہد کی جبہ سائی کرنے لگے۔

بیت المقدس کو فرار

جب حارث کے استدراجی کمالات نے دور رس شہرت اختیار کی تو ایک دمشقی رئیس قاسم بن بخمیرہ نام اس کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ تم کس بات کے مدعی ہو؟۔ کہنے لگا۔ میں نبی اللہ ہوں۔ قاسم کہنے لگا۔ اے عدو اللہ! تو جھوٹا ہے۔ حضرت ختم المرسلین ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ قطعاً بند ہو چکا ہے۔ ان دنوں عبدالملک بن مروان خلافت اسلامیہ کے تخت پر جلوہ افروز تھا۔ قاسم نے جا کر خلیفہ عبدالملک سے ملاقات کی اور حارث کی فتنہ انگیزیوں کا حال مشرح بیان کیا۔ عبدالملک نے حکم دیا کہ حارث کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کیا جائے۔ جب پولیس گرفتاری کے لئے مکان پر پہنچی تو اس کا وہاں کوئی کھوج نہ مل سکا۔ حارث دمشق سے بھاگ کر بیت المقدس پہنچا اور نہایت رازداری کے ساتھ اپنی فتنہ انگیزیوں میں مصروف ہوا۔ یہاں اس کے مرید ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتے تھے جو باخدا لوگوں کی ملاقات کے شائق ہوں۔ انہیں جہاں کہیں اس ذہنیت کا آدمی نظر آتا۔ اس کو ساتھ لے جاتے اور حارث سے ملاقات کرا کے اپنی جماعت میں داخل کرنے کوشش کرتے۔ ایک مرتبہ ایک بصری کو اپنے ساتھ لے گئے جو بیت المقدس میں نووارد تھا۔ جب اس نے توحید الٰہی کے متعلق حارث کی نکتہ آفرینیاں سنیں تو اس کے حقائق و معارف پر عش عش کر گیا۔ لیکن جب حارث نے بتایا کہ میں نبی مبعوث ہوا ہوں تو کہنے لگا کہ آپ کی ہر بات پسندیدہ اور خوشگوار ہے۔ لیکن آپ کے دعویٰ نبوت کے ماننے میں مجھے تامل ہے۔ حارث نے کہا۔ نہیں نہیں تم سوچو اور غور کرو۔ اس وقت تو بصری بلاتسلیم دعوی مجلس سے اٹھ کر چلا گیا۔ لیکن دوسرے دن پھر آیا اور کہنے لگا کہ آپ کا کلام نہایت مرغوب ہے۔ آپ کی باتیں خوب دل نشین ہوئی ہیں۔ میں آپ پر اور آپ کے دین مستقیم پر ایمان لاتا ہوں۔ غرض بادی النظر میں وہ حارث کی جماعت میں داخل ہو گیا اور شب وروز وہیں رہنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ حارث کے مخصوص مریدوں میں شمار کیا جانے لگا۔

جب بصری نے حارث کے تمام جزئی وکلی حالات معلوم کر لئے تو ایک دن کہنے لگا یا

نبی اللہ! میں بصرہ کا رہنے والا ہوں۔ اتفاق سے بیت المقدس آیا اور سعادت ایمان نصیب ہوئی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ بصرہ واپس جا کر لوگوں کو آپ کی نبوت کی دعوت دوں۔ حارث نے کہا۔ ہاں! تم ضرور اپنے وطن میں رہ کر اس خدمت کو انجام دو۔ اب اس نے پتہ لگایا کہ خلیفہ عبدالملک کہاں ہے؟۔ معلوم ہوا کہ اس وقت وہ صنبرہ میں فروکش ہے۔ وہاں جا کر خلیفہ سے ملاقات کی اور حارث کی شرانگیزیوں کا تذکرہ کیا۔ عبدالملک نے کہا۔ وہ کہاں ہے؟۔ بصری نے کہا کہ وہ بیت المقدس میں فلاں جگہ چھپا ہوا ہے اور کہا کہ اگر کچھ آدمی میرے ساتھ روانہ کر دیئے جائیں تو میں اسے گرفتار کر کے بارگاہ خسروی میں پیش کر سکتا ہوں۔ خلیفہ نے چالیس فرغانی سپاہی اس کی تحویل میں دے دیئے اور ان کو حکم دیا کہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کریں۔ اس کے بعد اپنے عامل بیت المقدس کے نام بھی ایک فرمان لکھوایا جس میں بصری کو حسب ضرورت ہر قسم کی امداد بہم پہنچانے کی تاکید کی۔

سلاسل کا از خود کٹ کر گرنا حارث کی گرفتاری اور ہلاکت

بصری پیادوں کو لے کر بیت المقدس آیا اور رات کے وقت حارث کے قیام گاہ پر پہنچا۔ یہ شخص سپاہیوں کو ایک آڑ میں کھڑا کر کے پہلے خود گیا۔ لیکن دربان نے دروازہ کھولنے سے انکار کیا اور بولا کہ گو تم حضرت کے خدام میں داخل ہو۔ تاہم اتنی رات گئے کسی کے لئے داخلہ کی اجازت نہیں۔ لیکن بصری نے سخن طرازی اور فسوں وفسانہ سے رام کر کے اسے دروازہ کھولنے پر رضامند کر لیا۔ جب دروازہ کھلا تو بصری نے معاً سپاہیوں کو بھی بلا لیا۔ یہ دیکھ کر دربان اور دوسرے پیروان حارث کے ہوش اڑ گئے اور عالم سراسیمگی میں چیخنے چلانے لگے اور بولے افسوس! تم لوگ ایک نبی اللہ کو قتل کرنا چاہتے ہو۔ جسے خدا نے آسمان پر اٹھا لیا ہے۔ جب بصری اور اس کے رفقائے کار اندر گئے تو حارث مفقود تھا۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی مگر اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ حارث اس وقت خطرے کا احساس کر کے ایک طاق میں چھپ گیا تھا جو مریدوں نے اس کے اختفاء کے لئے بنا رکھا تھا۔ بصری سے تو کوئی بات مخفی نہیں تھی۔ اس نے طاق میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولنا شروع کیا تو ہاتھ حارث کے کپڑے سے چھو گیا۔ اس نے حارث کو پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔ اور فرغانیوں کو حکم دیا کہ اس کو جکڑ لو۔ انہوں نے زنجیر گردن میں ڈال کر دونوں ہاتھ گردن سے باندھے اور لے چلے۔ جب وہ بیت المقدس میں پہنچے تو حارث نے قرآن کی یہ آیت پڑھی:

قل ان ضللت فانما اضل علی نفسی وان اهتديت فبما يوحی الیّ ربی (۳۴: ۵۰) اے رسول! آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں بفرض محال راہ راست کو چھوڑ دوں تو یہ حق

فراموشی مجھ پر وبال ہوگی اور اگر راہ ہدایت پر مستقیم رہوں تو یہ اس کلام کی بدولت ہے جس کو میرا رب مجھ پر نازل کر رہا ہے۔

اس آیت کا پڑھنا تھا کہ گلے اور ہاتھ کی زنجیر ٹوٹ کر زمین پر جا پڑی۔ یہ دیکھ کر پیادوں نے زنجیر اٹھا کر پھر ہاتھ گلے سے باندھے اور اپنے ساتھ لے چلے۔ جب دوسرے درہ پر پہنچے تو حارث نے مکرر یہ آیت پڑھی اور زنجیر ٹوٹ کر زمین پر جا رہی۔ پیادوں نے پھر سلاسل کو اٹھایا اور سہ بارہ جکڑ کر لے چلے۔ آخر دمشق پہنچ کر خلیفہ عبدالملک کے سامنے پیش کیا۔ خلیفہ نے دریافت کیا کہ کیا واقعی تم مدعی نبوت ہو؟۔ تو حارث نے کہا۔ ہاں! لیکن یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ جو کچھ کہتا ہوں وحی الٰہی کے بموجب کہتا ہوں۔ خلیفہ نے ایک قوی ہیکل محافظ کو حکم دیا کہ اس کو نیزہ مار کر ہلاک کر دو۔ نیزہ مارا گیا۔ لیکن کچھ اثر انداز نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر حارث کے مریدوں نے کہنا شروع کیا کہ انبیاء اللہ کے جسم پر ہتھیار اثر نہیں کرتے۔ خلیفہ نے محافظ سے کہا۔ شاید تم نے بسم اللہ پڑھ کر نیزہ نہیں مارا؟۔ اب کی مرتبہ اس نے بسم اللہ پڑھ کر وار کیا تو وہ بری طرح زخم کھا کر گرا اور جان دیدی۔ یہ ۶۹ھ کا واقعہ ہے۔

(دائرۃ المعارف جلد ۶ ص ۶۴۴، الدعاۃ ص ۷۳، ۷۶ ناقلاً عن تغلیس ابلیس و ابن عساکر)

شیخ ابن تیمیہ نے کتاب "الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان" میں لکھا کہ حارث کی ہتھکڑیاں اتارنے والا اس کا کوئی شیطان دوست تھا اور اس نے گھوڑوں کے جو سوار دکھائے تھے۔ وہ ملائکہ نہیں جنات تھے۔

باب ۸ ...... مغیرہ بن سعید عجلی

مغیرہ بن سعید عجلی فرقہ مغیریہ کا بانی ہے۔ جو غلاۃ روافض کا ایک گروہ تھا۔ یہ شخص خالد بن عبداللہ قسری والئی کوفہ کا آزاد غلام اور بڑا غالی رافضی تھا۔ مغیرہ حضرت امام محمد باقرؒ کی رحلت کے بعد پہلے امامت کا اور پھر نبوت کا مدعی ہوا۔

احیاء موتیٰ اور غیب دانی کا دعویٰ

مغیرہ کا دعویٰ تھا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں اور اس کی مدد سے مردوں کو زندہ اور لشکروں کو منہزم کر سکتا ہوں۔ کہا کرتا تھا کہ اگر میں قوم عاد، ثمود اور ان کے درمیانی عہد کے آدمیوں کو زندہ کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں۔ یہ شخص مقابر میں جا کر بعض ساحرانہ کلمات پڑھتا تھا تو ٹڈیوں کی وضع کے چھوٹے چھوٹے جانور قبروں پر اڑتے دکھائی دیتے تھے۔ محمد بن عبدالرحمٰن ابو

لیلیٰ کا بیان ہے کہ بصرہ کے ایک صاحب طلب علم کے لئے آ کر ہمارے ہاں ٹھہرے۔ ایک دن میں نے اپنی خادمہ کو حکم دیا کہ یہ دو درہم لے جا اور ان کی مچھلی خرید لا۔ یہ حکم دے کر میں اور بصری طالب العلم مغیرہ بن سعید کے پاس گئے۔ مغیرہ مجھ سے کہنے لگا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو میں تمہیں بتا دوں کہ تم نے اپنی خادمہ کو کس کام کے لئے بھیجا ہے؟۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ پھر کہنے لگا۔ اگر چاہو تو میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ تمہارے والدین نے تمہارا نام محمد کیوں رکھا تھا؟۔ میں نے کہا نہیں۔ پھر کہنے لگا کہ تم نے اپنی خادمہ کو دو درہموں کی مچھلی خریدنے کے لئے بھیجا ہے۔ یہ سنتے ہی ہم دونوں اس کے پاس سے اٹھ کر چلے آئے۔ غرض مغیرہ کو سحر میں کامل دستگاہ حاصل تھی اور اس نے نیرنجات و طلسمات دکھا کر لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا۔ (تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۷۴)

عقاید و تعلیمات

مغیرہ کہتا تھا کہ معبود حقیقی کا نور کا ایک پیکر انسانی صورت پر ہے۔ اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ اس کے اعضا حروف تہجی کی صورت پر ہیں۔ الف اس کے دونوں قدموں کی مانند ہے۔ عین اس کی دونوں آنکھوں کے مشابہ ہے۔ کہتا تھا کہ اللہ کے سر پر نور کا تاج رکھا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کی آفرینش کا قصد کیا تو اپنے اسم اعظم سے متکلم ہوے۔ معا اس اسم نے پرواز کی اور تاج کی شکل اختیار کر کے اس کے فرق مبارک پر آ گیا۔ چنانچہ کہتا تھا کہ آیت "سبح اسم ربك الاعلى" میں اسم اعلیٰ سے یہی تاج مراد ہے اور کہتا تھا کہ جب رب العزت نے کائنات عالم کو پیدا کرنا چاہا تو اعمال عباد کو اپنی انگلیوں سے لکھا۔ جب رب الارباب اپنے بندوں کے ذنوب و معاصی پر غضبناک ہوا تو اس کا جسم عرق آلود ہو گیا جس سے دو دریا بہ نکلے۔ ایک شیریں اور دوسرا تلخ۔ پھر خدائے قدوس نے دریائے شیریں کی طرف نظر کی تو اس کی شکل و صورت دریا میں منعکس ہوئی۔ حق تعالیٰ نے اپنے پرتو جمال کا کچھ حصہ لے کر اس سے سورج اور چاند بنائے اور باقی ماندہ عکس کو فنا کر دیا۔ تاکہ اس کا کوئی شریک باقی نہ رہے۔ پھر دریائے شیریں سے شیعہ پیدا کئے اور دریائے تلخ سے کفار (یعنی غیر شیعہ) کی تخلیق فرمائی۔

(کتاب الخطط مقریزی جلد ۴ ص ۱۷۶)

پھر اس نے اپنی امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی۔ لیکن انہوں نے اس امانت کے اٹھانے سے انکار کیا۔ یہ امانت کیا تھی؟۔ اس بات کا عہد تھا کہ وہ سب علیؓ کی خلافت میں مزاحم نہ ہوں گے۔ لیکن انسان نے اس امانت کو اٹھا لیا۔ چنانچہ عمر بن خطابؓ نے ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ وہ اس بار امانت کو اٹھا کر علیؓ کو اس سے روک دیں اور عمرؓ نے اس شرط پر

معاونت کا وعدہ کیا کہ وہ اپنے بعد انہیں خلیفہ بنائیں گے۔ ابوبکرؓ نے اس امانت کو اٹھا لیا اور ان دونوں نے غلبہ پا کر علیؓ کو اس سے روک دیا۔ یہ شخص تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی باستثناء ان حضرات کے جنہوں نے حضرت علیؓ کی رفاقت اختیار کی۔ (معاذ اللہ) تکفیر کرتا تھا۔

(الفرق بین الفرق ص ۱۸۳ ام لبنان)

مغیرہ کی جھوٹی پیشگوئی اور مریدوں کا نذرانہ لعنت

مغیرہ کا عقیدہ تھا کہ حضرات علیؓ، حسنؓ، حسینؓ کے بعد امامت جناب محمد بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ ابن امام حسن مجتبیٰ بن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منتقل ہو گئی جو نفس ذکیہ کے لقب سے مشہور تھے۔ اس شخص کا استدلال اس حدیث نبوی سے تھا۔ جس میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کا اور ان کے والد کا نام میرے اور میرے والد کے نام کے موافق ہوگا۔ محمد بن عبداللہ حسنی ہیں۔ جنہوں نے خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کے عہد خلافت میں خروج کر کے حجاز مقدس پر قبضہ کر لیا۔ منصور نے ان کے مقابلہ میں عیسیٰ بن موسیٰ کے زیر قیادت مدینہ منورہ فوج بھیجی تھی اور جناب نفس ذکیہ اس معرکہ میں جرعہ شہادت پی کر دار الخلد چلے گئے تھے۔ یہ ۱۴۵ھ کا واقعہ ہے۔ لیکن مغیرہ اس سے چھبیس سال پہلے خلیفہ ہشام بن عبدالمالک اموئی کے عہد خلافت میں علف تیغ بن چکا تھا۔ جناب نفس ذکیہؒ کے سانحہ قتل کے بعد مغیرہ کے پیرووں کی ایک بڑی جماعت اس پر لعنت کرنے لگی کہ اس نے محمد بن عبداللہ معروف بہ نفس ذکیہ کو مہدی آخر الزمان قرار دے کر اور یہ کہ جھوٹ بولا تھا کہ یہی روئے زمین کے مالک ہوں گے۔ حالانکہ نفس ذکیہؒ سپاہ منصورہ کے ہاتھ سے قتل ہو گئے اور نہ صرف روئے زمین کے بلکہ اس کے بیسویں حصہ کے بھی مالک نہ ہو سکے۔

البتہ ایک گروہ بدستور اپنی خوش اعتقادی پر ثابت قدم رہا۔ مؤخر الذکر جماعت نے مرزائیوں کی طرح سخن سازی سے کام لے کر اپنے دل کو بہلا لیا اور یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت محمد بن عبداللہ نفس زکیہ قتل نہیں ہوئے بلکہ وہ کوہ حاجر میں جا کر مستور ہو گئے ہیں اور جب انہیں حکم ہوگا تو ظاہر ہو کر رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان لوگوں سے بیعت لیں گے اور مخالف احزاب وجیوش کو منہزم کر کے روئے زمین پر عمل ودخل کر لیں گے۔ جب ان لوگوں سے سوال کیا جاتا کہ پھر وہ شخص کون تھا جسے خلیفہ ابوجعفر منصور کے لشکر نے نذر اجل کیا تو اس کا یہ مضحکہ خیز جواب دیتے کہ وہ ایک شیطان تھا کہ جس نے محمد بن عبداللہ نفس زکیہ کی شکل وصورت اختیار کر لی تھی۔ غرض روافض کی

مؤخر الذکر جماعت اس بنا پر محمدیہ کے نام سے موسوم ہے کہ یہ لوگ محمد بن عبداللہ نفس زکیہؒ کی آمد کے منتظر ہیں۔ (الفرق بین الفرق ص ۲۴۸ ام لبنان)

مغیرہ کے زندہ نذر آتش کیئے جانے کا ہولناک منظر

جب خالد بن عبداللہ قسری کو جو خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی طرف سے عراق کا امیر تھا معلوم ہوا کہ مغیرہ مدعی نبوت ہے اور اس نے طرح طرح کی شناعتیں جاری کر رکھی ہیں تو اس نے ۱۱۹ھ میں اس کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ اس کے چھ مرید بھی پکڑے گئے۔ خالد نے مغیرہ سے دریافت کیا کہ کیا تمہیں نبوت کا دعویٰ ہے؟۔ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر اس کے مریدوں سے پوچھا کہ کیا تم اس کو نبی یقین کرتے ہو؟۔ انہوں نے بھی اس کا اقرار کیا۔ خالد نے مغیرہ کو ارتداد کی وہ بڑی سے بڑی سزا دینی چاہی جو اس کے خیال میں سما سکی۔ اس نے سرکنڈوں کے گٹھے اور نفط منگوایا۔ خالد نے مغیرہ کو حکم دیا کہ ایک گٹھے کو اٹھا لے۔ مغیرہ اس سے رکا اور ہچکچایا۔ خالد نے حکم دیا کہ مارو۔ معاً اس کے سر پر کوڑے پڑنے لگے۔ مغیرہ نے گھبرا کر گٹھا اپنی آغوش میں اٹھا لیا اسے اس گٹھے سے باندھ دیا گیا۔ اب اس پر اور گٹھے اور روغن نفط ڈال کر آگ لگا دی گئی اور مغیرہ تھوڑی دیر میں جل کر راکھ کا ڈھیر ہوگیا۔ (تاریخ طبری عربی ج ۴ ص ۱۷۴)

اس میں شبہ نہیں کہ اسلامی نقطہ نظر سے انقطاع نبوت کے بعد کسی کا ادعائے نبوت کوئی ایسا معمولی سا جرم نہیں جس کی سزا قتل سے کم تجویز کی جاسکے۔ لیکن جان ستانی کا جو طریقہ خالد نے اختیار کیا وہ کسی طرح مستحسن نہ تھا۔ قتل کے موزوں طریقے بھی تھے جو اختیار کیئے جاسکتے تھے۔ کسی کو آگ میں زندہ جلا دینا ایک وحشیانہ فعل ہے۔ جو جاہلیت کے عہد مظلم کی یادگار ہے۔ چنانچہ خود جناب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ارشاد سے اس کی ممانعت فرما دی ہے کہ کسی کو عذاب اللہ کے ساتھ معذب نہ کرو۔ عذاب اللہ سے یہی احراق فی النار کا عذاب مراد ہے۔ خداوند عالم کے سوا کسی کو اس کا استحقاق نہیں کہ کسی ذی روح کو آگ میں جلائے۔

باب ۹ ...... بیان بن سمعان تمیمی

بیان بن سمعان تمیمی مغیرہ بن سعید عجلی کا معاصر تھا۔ فرقہ بیانیہ جو غلاۃ روافض کی ایک شاخ ہے اسی بیان کا پیرو ہے۔ بیان نبوت کا مدعی تھا اور کہا کرتا تھا کہ میں اسم اعظم کے ذریعے زہرہ کو بلا لیتا ہوں۔ ہزارہا لوگ حسن ظن کے سنہری جال میں پھنس کر اس کی نبوت کے قائل ہو گئے۔ بیان حضرت امام زین العابدینؒ کی تکذیب کرتا تھا۔ اس نے حضرت امام محمد باقرؒ جیسی جلیل

القدر ہستی کو بھی اپنی خانہ ساز نبوت کی دعوت دی تھی اور اپنے خط میں جو عمر بن عفیف کے ہاتھ امام ممدوح کے پاس بھیجا۔ لکھا تھا کہ اسلم تسلم و ترتقی من سلم فانك لاتدری حیث یجعل الله النبوة! (تم میری نبوت پر ایمان لاؤ تو سلامت رہو گے اور ترقی پاؤ گے۔ تم نہیں جانتے کہ خدا کس کو نبی بناتا ہے۔) کہتے ہیں کہ امام محمد باقرؒ یہ خط پڑھ کر بہت خشمناک ہوئے اور قاصد سے فرمایا کہ اس خط کو لے جاؤ۔ وہ بے تامل نگل گیا اور معاً تڑپ کر جان دے دی۔ اس کے بعد امام نے بیان کے حق میں بھی بددعا کی۔ چنانچہ چند ہی روز میں خالد قسری کے ہاتھوں قتل ہو کر طعمہ اجل ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادقؒ نے بیان پر لعنت کی ہے۔ (منہاج السنہ شیخ ابن تیمیہ)

عقیدہ تناسخ و حلول میں ہنود کا اتباع

بیان ہندوؤں کی طرح تناسخ ورجعت اور حلول کا قائل تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ میرے جسم میں خدائے کردگار کی روح حلول کر گئی ہے اور اس کے متبعین اس کو اسی طرح خدا کا اوتار یقین کرتے تھے جس طرح ہندو رام چندر جی اور کرشن جی کو خدائے برتر کا اوتار گمان کرتے ہیں۔ بیان اپنے اس دعویٰ کے اثبات میں کہ ذات خداوندی ہر چیز میں حلول کرتی ہے۔ قرآن پاک کی متعدد آیتیں پیش کرتا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ آیات قرآنی سے اس قسم کا استدلال ایسا ہی انوکھا اور عجیب وغریب ہوگا جس طرح کہ آج کل کے گم کردگان راہ مرزائی بعض آیات قرآنی سے اپنا عقیدہ جریان نبوت ثابت کرنے کی مضحکہ خیز کوشش کیا کرتے ہیں۔ بیان کا دعویٰ تھا کہ مجھے قرآن کا صحیح بیان سمجھایا گیا ہے۔ اور آیات قرآنی کا وہ مطلب ومفہوم نہیں جو عوام سمجھتے ہیں۔ اسی واسطے اس کو بیان کہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ عوام سے اس کی مراد علمائے امت کی جماعت تھی۔ ورنہ عامۃ الناس تو قرآن پاک کا مطلب ومفہوم اور اس کے حقائق ومعارف سمجھنے سے قطعاً قاصر ہیں۔ اور یہ کچھ بیان پر موقوف نہیں۔ بلکہ ہر جھوٹا مدعی ازراہ خود غرضی ہمیشہ حاملین شریعت ہی کو خطا کار بتایا کرتا ہے اور خود باوجود مجسمہ جہل ہونے کے مصیب بننے کی کوشش کرتا ہے۔ اس فریب کاری کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی انتہا درجہ کا جاہل کندہ ناتراش یہ کہنے لگے کہ دنیا بھر کے نامی گرامی ڈاکٹر اور حکیم خواص ادویہ اور تشخیص امراض سے نابلد ہیں۔ البتہ میں ایک ایسا شخص ہوں جس کو علم طب میں کامل بصیرت حاصل ہے۔

دور نہ جاؤ مرزا غلام احمد قادیانی ہی کو دیکھ لو۔ علماء تو درکنار اس شخص نے تو خود حامل وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام تک کو (معاذ اللہ) خطا کار بتایا اور یہاں تک لکھ مارا کہ آنحضرت ﷺ پر مسیح بن مریم علیہ السلام اور دجال اور یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض کی حقیقت منکشف نہ ہوئی۔ (خزائن ج

۳ ص ۴۷۳، ازالہ اوہام ص ۶۹۱) اس کے یہ معنی ہوئے کہ جس چیز تک (معاذ اللہ) حضرت مہبط وحی علیہ السلام کے علم وفہم کی رسائی نہ ہوئی تھی وہ قادیانی پر منکشف ہو گئی۔

فرقہ بیانیہ کا خیال ہے کہ امامت محمد بن حنیفہؒ سے ان کے فرزند ابو ہاشم عبداللہ بن محمد کو تفویض ہوئی۔ پھر ابو ہاشم سے ایک وصیت کی بنا پر بیان بن سمعان کی طرف نقل ہو گئی۔ بیانیہ اپنے زعیم ومقتداء کے حقیقی منصب ومقام کے متعلق مختلف البیان ہیں۔ بعض تو اس کو نبی مانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے بیان نے شریعت محمدی (علی صاحبہا التحیۃ والسلام) کا ایک حصہ منسوخ کر دیا اور بعض اسے معبود برحق خیال کرتے ہیں۔ بیان نے ان سے کہا تھا کہ خدا کی روح انبیاء اور آئمہ کے اجساد میں منتقل ہوتی ہوتی ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنیف میں پہنچی۔ وہاں سے میری طرف منتقل ہوئی۔ یعنی حلولی مذہب کے بموجب خود ربوبیت کا مدعی تھا۔ اس کے پیرو کہتے ہیں کہ قرآن کی یہ آیت بیان ہی کی شان میں وارد ہوئی ہے۔ "ھذا بیان للناس وھدی و موعظة للمتقین (آل عمران: ۱۳۹) "(یہ لوگوں کے لئے بیان اور متقین کے لئے ہدایت (موعظہ ہے) چنانچہ خود بیان نے بھی کہا ہے "انا البیان وانا الھدی والموعظة" (میں ہی بیان ہوں اور میں ہی ہدایت وموعظہ ہوں۔)

امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدائی کا اعتقاد

بیان کا دعویٰ تھا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں اور اسم اعظم کے ذریعہ سے لشکر کو ہزیمت دے سکتا ہوں اور زہرہ کو بلاتا ہوں اور وہ میرے پکارنے پر جواب دیتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ معبود ازلی ایک نوری شخص ہے کہ چہرہ کے سوا جس کا تمام بدن فنا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کی ان دو آیتوں کو اپنے بیان کی تائید میں پیش کرتا تھا "کل شیء ھالك الا وجھه (قصص: ۸۹)" "کل من علیھا فان ویبقی وجه ربك ذوالجلاله والاکرام (الرحمن: ۲۶، ۲۷)" مگر ان کا یہ زعم باطل ہے۔ کیونکہ وجہ اللہ کے معنے ذات خداوندی ہے اور اگر بفرض محال خدائے برتر کے دوسرے اعضاء جسم کو فنا پذیر مان لیا جائے تو چہرہ کے فانی اور زوال پذیر ہونے میں بھی کوئی مانع نہیں ہو سکتا۔ (الفرق بین الفرق ص ۱۸۰ ام لبنان) بیان، حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کی خدائی کا یقین رکھتا تھا اور اتحاد کا قائل تھا۔ یعنی کہتا تھا کہ خالق ارض وسما کا ایک جزو علی علیہ السلام کے جسد مبارک میں حلول کر کے ان سے متحد ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان کے اندر وہی قوت الٰہی تھی جس کی بدولت انہوں نے در خیبر اکھاڑا تھا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد وہ جزو الٰہی جناب محمد بن حنیفہ کی ذات میں پیوست ہوا۔ ان کے بعد ابو ہاشم عبداللہ بن محمد کے جسم میں جلوہ گر

ہوا۔ جب وہ بھی دار الخلد کو رخصت ہو گئے تو وہ بیان بن سمعان یعنی خود اس کی ذات کے ساتھ متحد ہو گیا۔ بیان یہ بھی کہا کرتا تھا کہ آسمان اور زمین کے معبود الگ الگ ہیں۔ ہشام بن حکم کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو عبد اللہ جعفر صادقؒ سے عرض کیا کہ بیان آیت "وهو الذی فی السمآء اله وفی الارض اله" کی یہ تاویل کرتا ہے کہ آسمان کا الہ اور ہے اور زمین کا اور۔ اور آسمان کا الہ زمین کے معبود سے افضل ہے۔ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ زمین و آسمان کا معبود ایک ہی خدائے واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور بیان، دجال کذاب ہے۔ اور کتاب منہج المقال میں ہے کہ امام ابو عبد اللہ جعفر صادقؒ فرماتے تھے کہ ارشاد خداوندی "هل انبئکم علی من تنزل الشیاطین ۔ تنزل علی کل افاک اثیم" ﴿کیا میں بتلا دوں کہ شیاطین کن لوگوں پر اترتے ہیں؟۔ ہر دروغ گو بدکردگار پر﴾ سے مراد سات اشخاص ہیں۔ مغیرہ بن سعید عجلی اور بیان بن سمعان تمیمی اور اسی قماش کے پانچ اور اشخاص۔ علامہ عبد القاہر بغدادیؒ "الفرق بین الفرق" میں لکھتے ہیں کہ فرقہ بیانیہ ملت اسلام سے خارج ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بیان کو معبود یقین کرتے ہیں اور اس گروہ کے جو افراد بیان کو نبی سمجھتے ہیں۔ وہ بھی اسی شخص کی مانند ہیں۔ جو مسیلمہ کذاب کو نبی گمان کرتا ہے اور یہ دونوں فریق اسلامی فرقوں سے خارج ہیں۔ (ایضاً ص ۱۸۱) اسی پر مرزائیوں کو قیاس کر لینا چاہیے جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں۔

ہلاکت کا بھیانک نظارہ

باب سابق میں لکھا جا چکا ہے کہ خالد بن قسری عامل کوفہ نے مغیرہ بن سعید عجلی کو زندہ جلا دیا تھا۔ بیان بھی اسی وقت گرفتار کر کے کوفہ لایا گیا تھا۔ جب مغیرہ جل کر خاک سیاہ ہو چکا تو خالد نے بیان کو حکم دیا کہ سرکنڈوں کا ایک گٹھا تھام لے۔ اس نے فوراً لپک کر ایک گٹھ بغل میں لے لیا۔ یہ دیکھ کر خالد نے کہا تم پر افسوس ہے کہ تم ہر کام میں حماقت اور تعجیل سے کام لیتے ہو۔ کیا تم نے مغیرہ کا حشر نہیں دیکھا؟۔ اس کے بعد خالد کہنے لگا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اپنے اسم اعظم کے ساتھ لشکروں کو ہزیمت دیتے ہو۔ اب یہ کام کرو کہ مجھے اور میرے عملہ کو جو تیرے درپے جانستانی ہیں۔ ہزیمت دے کر اپنے آپ کو بچا لو۔ مگر وہ جھوٹا تھا۔ لب کشائی نہ کر سکا۔ آخر مغیرہ کی طرح اس کو بھی زندہ جلا کر بے نشان کر دیا گیا۔ (تاریخ طبری عربی ج ۸ ص ۱۷۵، الفرق بین الفرق ص ۱۸۱)

باب ۱۰ ...... ابو منصور عجلی

یہ شخص ابتداء میں حضرت امام جعفر صادقؒ کا معتقد اور رافضی غالی تھا۔ جب امام ہمامؒ

نے اسے عقاید رفضیہ کے باعث اپنے ہاں سے خارج کر دیا تو اس نے کبیدہ خاطر ہو کر خود دعویٰ امامت کی ٹھان لی۔ چنانچہ اخراج کے چند ہی روز بعد یہ دعویٰ کیا کہ میں امام محمد باقرؒ کا خلیفہ و جانشین ہوں اور ان کا درجہ امامت میری طرف منتقل ہو گیا ہے۔ یہ شخص اپنے تئیں خالق کردگار کا ہم شکل بتاتا تھا۔ اس کا بیان تھا کہ امام محمد باقرؒ کی رحلت کے بعد میں آسمان پر بلایا گیا۔ اور معبود برحق نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ اے بیٹا! لوگوں کے پاس میرا پیغام پہنچا دے۔ دعویٰ امامت سے پہلے تو کہا کرتا تھا کہ قرآن کی آیت "وان یروا کسفا من السمآء ساقطا یقولوا سحاب مرکوم (طور:٤٤)" میں جو کسف کا لفظ ہے۔ اس سے امیر المومنین علیؓ مراد ہیں۔ لیکن اس کے بعد یہ کہنا شروع کیا کہ اس لفظ سے میری ذات مقصود ہے۔ مرزائیوں کی طرح نصوص صریحہ کی عجیب و غریب تاویلیں کیا کرتا تھا۔ مثلاً قیامت اور جنت و دوزخ کا منکر تھا اور اس کی تاویل میں کبھی تو یہ کہتا کہ جنت سے نعیم دنیا اور دوزخ سے مصائب دنیا مراد ہیں اور کبھی یوں گوہر افشانی کرتا کہ جنت سے وہ نفوس قدسیہ مراد ہیں جن کی محبت و دوستی واجب ہے اور وہ آئمہ اہل بیت ہیں اور دوزخ سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی عداوت فرض و واجب ہے۔ مثلاً ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، معاویہؓ۔ اسی طرح کہتا تھا کہ قرآن حکیم میں فرائض سے مراد حضرت علیؓ اور ان کی اولاد مراد ہے اور محرمات سے حضرت ابوبکرؓ وغیرہ مقصود ہیں۔ ابو منصور اس بات کا بھی قائل تھا کہ نبوت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی ذات گرامی پر ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ رسول اور نبی قیامت تک مبعوث ہوتے رہیں گے۔ اور عجب نہیں کہ مرزائیوں کے مقتدا نے نبوت کے جاری رہنے کا عقیدہ اسی شخص سے حاصل کیا ہو۔ ابو منصور کی یہ بھی تعلیم تھی کہ جو کوئی امام تک پہنچ جاتا ہے۔ اس سے تمام تکلیفات شرعیہ اٹھ جاتے ہیں اور اس کے لئے شریعت کی پابندی لازم نہیں رہتی۔ اس کی تعلیمات شنیعہ میں یہ چیز بھی داخل تھی کہ جو شخص ایسے چالیس آدمیوں کو قتل کر دے جو عقاید میں ابو منصور سے مختلف الخیال ہوں تو اسے قرب خداوندی میں جگہ مل جاتی ہے۔ ابو منصور کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ جبرائیل امین نے پیغام رسانی میں خطا کی۔ انہیں حضرت علیؓ کے پاس بھیجا گیا تھا۔ لیکن وہ غلطی سے جناب محمد ﷺ کو پیغام الٰہی پہنچا گئے (غنیۃ الطالبین) اس کے کسی شاعر نے کہا ہے:

جبریل کہ آمد زبر خالق بیچوں
در پیش محمدؐ شد و مقصود علیؓ بود

علامہ عبدالقاہر نے لکھا ہے کہ ابو منصور اور اس کا گروہ قیامت اور جنت و دوزخ کا انکار کرنے کے باعث دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ علامہ عبدالقاہر کو منصور عجلی

کے اس عقیدہ کا علم نہیں ہوا کہ اس کے نزدیک نبوت جاری ہے۔ ورنہ وہ اس کے اس عقیدہ کو بھی ان عقاید کفریہ میں شامل کرتے جن کی وجہ سے ابو منصور اور اس کے پیرو دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ جب یوسف بن عمر ثقفی کو جو خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی طرف سے عراق کا والی تھا۔ ابو منصور عجلی کی تعلیمات کفریہ کا علم ہوا تو اس نے اسے گرفتار کرا کے کوفہ میں دار پر چڑھا دیا۔

(الفرق بین الفرق ص ۱۸۶)

باب ۱۱ ...... صالح بن طریف برغواطی

کہتے ہیں کہ صالح بن طریف یہودی الاصل تھا۔ اس کا نشو و نمو سرزمین اندلس کے ایک قلعہ برباطہ میں ہوا۔ وہاں سے مشرق کا رخ کیا اور عبید اللہ معتزلی سے تحصیل علم کرتا رہا۔ پھر سحر میں دستگاہ حاصل کی۔ وہاں سے سخت عسرت اور شکستہ حالی کے عالم میں تامستا کے مقام پر پہنچا جو مغرب اقصیٰ میں ساحل بحر پر واقع ہے۔ وہاں بربری قبائل کو دیکھا جو بالکل جاہل اور سراپا وحشی تھے۔ اس نے انہی لوگوں میں بود و باش اختیار کر لی۔ ان کی زبان سیکھی اور سحر اور نیرنجات سے گرویدہ بنا کر ان پر حکومت کرنے لگا۔ ۱۲۵ھ یا ۱۲۷ھ میں دعویٰ نبوت کیا۔ اس وقت خلیفہ ہشام بن عبدالملک اسلامی ممالک کا فرمانروا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں صالح کی حکومت کو وہ اوج و عروج نصیب ہوا کہ شمالی افریقہ میں اس کے کسی ہم عصر تاجدار کو وہ عظمت و شوکت حاصل نہ تھی۔ ادعائے نبوت کے علاوہ صالح کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ وہی وہ مہدی اکبر ہے جو قرب قیامت کو ظاہر ہو کر جناب مسیح بن مریم علیہ السلام کی مصاحبت اختیار کریں گے اور حضرت مسیح علیہ السلام جن کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اس شخص کے کئی نام تھے۔ عربی میں صالح کے نام سے مشہور تھا۔ سریانی میں اسے مالک کہتے تھے۔ فارسی میں اس کا نام عالم تھا اور عبرانی میں وہ روبیل اور بربری میں واربا کے ناموں سے موسوم تھا۔ واربا بربری زبان میں خاتم النبیین کو کہتے ہیں۔

صالح کا قرآن اور اس کی مضحکہ خیز شریعت

صالح کہتا تھا کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی طرح مجھ پر بھی قرآن نازل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی قوم کے سامنے جو قرآن پیش کیا۔ اس کی اسی سورتیں تھیں۔ ان میں سے بعض کے یہ نام تھے۔ سورۃ الدیک۔ سورۃ الجمل۔ سورۃ الحجر۔ سورۃ فیل۔ سورۃ آدم۔ سورۃ نوح۔ سورۃ فرعون۔ سورۃ موسیٰ۔ سورۃ ہارون۔ سورۃ ہاروت و ماروت سورۃ ابلیس۔ سورۃ الاسباط۔ سورۃ الجراد۔ سورۃ غرائب الدنیا۔ خوش اعتقادوں کے نزدیک موخر الذکر سورہ میں بے شمار اسرار حقائق

درج تھے۔ احکام حلال و حرام بھی مذکور تھے۔ اور یہی وہ صورت تھی جسے اس کے مرید نماز میں پڑھنے کے مامور تھے۔اس نے اپنا لقب صالح المومنین رکھا تھا اور کہتا تھا کہ میں وہی "صالح المومنین" جس کا ذکر محمد رسول اللہ ﷺ کے قرآن میں آیا ہے۔اب اس کی شریعت کی اعجوبہ نمائیاں ملاحظہ ہوں۔ کتاب القرطاس میں لکھا ہے کہ صالح کے پیرو رمضان کے بجائے رجب کے روزے رکھیں۔ اس نے اپنے پیرووں پر دس نمازیں فرض کی تھیں۔ پانچ دن میں پانچ رات میں ۲۱ محرم کے دن ہر شخص پر قربانی واجب کی۔ وضو میں ناف اور کمر کا دھونا بھی مشروع کیا۔ حکم دیا کہ کوئی شخص غسل جنابت نہ کرے۔ البتہ جو کوئی زنا کا مرتکب ہو۔ وہ زنا کے بعد ضرور غسل کرے۔اس کے پیرو صرف اشاروں سے نماز پڑھتے ہیں۔البتہ آخری رکعت کے اخیر میں پانچ سجدے کر لیتے ہیں۔کھانے پینے کے وقت "باسمك يا كستائی" کہتے ہیں۔ان کے زعم میں اس کی تفسیر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ صالح نے حکم دیا کہ جس عورت سے اور جتنی عورتوں سے چاہیں شادی کریں۔البتہ چچا کی بیٹی سے عقد ازدواج نہ کریں۔

کاش! اس کا فلسفہ ہمیں بھی معلوم ہو جاتا۔ ان کے ہاں طلاق کی کوئی حد نہیں۔ یہ لوگ دن میں ہزار مرتبہ طلاق دے کر بھی رجوع کر سکتے ہیں۔ بیوی ان باتوں سے ان پر حرام نہیں ہوتی۔صالح نے حکم دیا تھا کہ چور کو جہاں دیکھو قتل کر دو۔ کیونکہ اس کے خیال میں چور تلوار کی دھار کے سوا گناہ سے کسی طرح پاک نہیں ہو سکتا۔اس کی شریعت میں ہر حلال جانور کا سر کھانا حرام اور مرغی کا گوشت مکروہ تھا۔مرغ کا ذبح کرنا اور کھانا حرام قرار دیا اور حکم دیا کہ جو کوئی مرغ ذبح کرے یا کھائے وہ ایک غلام آزاد کرے اور حکم دیا کہ اس کے پیرو اپنے حکام کا لعاب دہن (تھوک) بر سبیل تبرک چاٹ لیا کریں۔ چنانچہ صالح لوگوں کے ہاتھوں پر تھوکا کرتا تھا اور وہ اسے خود چاٹ لیتے یا مریضوں کے پاس حصول شفا کی غرض سے لے جاتے۔

صالح سینتالیس سال تک دعویٰ نبوت کے ساتھ دینی اور دنیاوی امور کا کفیل و نگران حال رہا۔ آخر عمر میں تبتل و انقطاع کا اشتیاق ہوا اور اپنے کفریات کے باوجود بزعم خود کاملہ ذہاب الی اللہ کا سودا سر میں سمایا۔ چنانچہ ۱۷۴ھ میں تاج و تخت سے دست بردار ہو کر پایۂ تخت سے کہیں مشرق کی طرف جا کر عزلت گزیں ہو گیا۔ جاتے وقت اپنے بیٹے الیاس کو وصیت کی کہ میرے دین پر قائم رہنا۔ چنانچہ نہ صرف الیاس بلکہ صالح کے تمام جانشین پانچویں صدی ہجری کے اواسط تک ارث تاج و تخت کے علاوہ اس کی ضلالت اور خانہ ساز نبوت کے بھی وارث رہے۔

(الاستقصاء لاخبار دول المغرب الاقصیٰ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۵۱)

الیاس بن صالح وصیت کے بموجب اس کے تمام کفریات پر عامل و مصر رہا۔ یہاں تک کہ پنجاہ سالہ حکومت واغوا کوشی کے بعد ۲۲۴ھ میں طعمہ اجل ہو گیا۔ اس کے بعد الیاس کا بیٹا یونس حکومت پر بیٹھا۔ یہ شخص نہ صرف اپنے باپ دادا کے کفریات پر عمل پیرا رہا۔ بلکہ دوسروں کو بھی جبراً و قہراً ان کا پابند بنانے کی کوشش کی۔ یونس کا ظلم و عدوان یہاں تک بڑھا کہ اس نے تین سو اسی قصبات و دیہات کو نذر آتش کر کے خاک سیاہ کر دیا اور اس کے جرم نا آشنا باشندوں کو محض اس ''قصور'' پر موت کے گھاٹ اتار دیا کہ وہ اس کا اور اس کے آباء کا مسلک اختیار نہیں کرتے تھے۔ اس طرح اس کی تیغ جفا نے قریباً آٹھ ہزار کلمہ گوؤں کو نہنگ اجل کے حوالے کر کے دار الخلد میں پہنچا دیا۔ ان ظلم آرائیوں کے بعد یونس نے حج کا قصد کیا تھا۔ اور اس پر یہ مثل صادق آئی۔ نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی۔ اس سے پیشتر اس کے خاندان کے کسی شخص نے حج نہیں کیا تھا۔ آخر چالیس سال کی ظالمانہ حکومت کر کے ۲۶۸ھ میں ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد ابو غفیر محمد بن معاذ ملک برغواطہ کا بادشاہ ہوا۔ اس نے بھی اپنے آباء کی رسم کہن کے بموجب دعوئی نبوت کیا۔ سعید بن ہشام مصمودی نے اس کے متعلق ایک نظم لکھی تھی۔ جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ لکھتے ہیں:

وھذی امۃ حلکوا وضلوا	وعاروا الاسقواماء معینا
سیعلم الہ تامسنا اذاما	اتوا یوم القیامۃ مقطعینا
یقولون النبی ابو غفیر	فاخزی اللہ ام الکاذبینا
ھنالک یونس و بنو ابیہ	یقودون البرابر حائرینا

ابو غفیر کی چوالیس بیویاں تھیں اور شاید اتنی ہی یا اس سے کسی قدر زیادہ اولاد تھی۔ یہ شخص تیسری صدی کے اواخر میں انتیس سال حکومت کر کے ہلاک ہو گیا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا ابو الانصار عبد اللہ تخت نشین ہوا۔ اور اپنے آباؤ اجداد کا طریقہ رائج کیا۔ آخر چوالیس سال حکومت کر کے راہی ملک عدم ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو منصور عیسیٰ بائیس سال کی عمر میں باپ کا جانشین ہو کر آسمان شہرت پر نمودار ہوا۔ اس نے بھی نبوت کا دعوئی کیا۔ اس کی نبوت کو بڑا عروج نصیب ہوا۔ یہاں تک کہ ملک مغرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا۔ جس نے اس کی عظمت و شوکت کے سامنے سر انقیاد و خم نہ کیا ہو۔ اس کو ایک غنیم بلکین بن زیری بن مناد صنہاجی سے جنگ آزما ہونا پڑا۔ جس میں اس کو ہزیمت ہوئی اور ۳۶۹ھ میں اٹھائیس سال تک

دعویٰ نبوت کے ساتھ کوس لمن الملک الیوم بجا کر میدان جان ستان کی نذر ہو گیا۔ اس کے بیشمار پیرو قید ہو کر قیروان لائے گئے۔ ابو منصور عیسیٰ کے بعد غالباً ابو حفص عبداللہ ابو منصور عیسیٰ کی اولاد میں سے تھا۔ وارث تاج وتخت ہوا۔ شاید یہی وہ بادشاہ ہے کہ صالح نے جس کے عہد سلطنت میں عود کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر صالح نے نہ تو اس کے زمانہ حکومت میں کبھی اپنا جلوہ دکھایا اور نہ اس کے بعد ہی کسی کو اس کی شکل دیکھنی نصیب ہوئی۔ مگر ظاہر ہے کہ صالح کی گمراہ امت نے بھی آج کل کے مرزائیوں کی طرح شرمسار ہونے کی بجائے سخن سازی اور تاویل کاری کے ہتھیار تیز کر لئے ہوں گے۔ ابو منصور عیسیٰ کی ہلاکت کے بعد برغواطہ کے اقبال نے دامن ادبار میں منہ چھپالیا۔ چنانچہ ابو منصور عیسی کے بعد تا مستالگا تار اسی سال تک شجاعان اسلام کی یورشوں کا آماجگاہ بنا رہا۔ یہاں تک کہ مرابطون نے ۴۵۱ھ میں تسلط کر کے وہاں فرقہ حقہ اہل سنت وجماعت کی حکومت قائم کر دی۔ (الاستقصاء جلد اوّل ص ۱۰۳)

برغواطی حکمران جو مرزا قادیانی سے زیادہ عرصہ تک دعویٰ نبوت پر قائم رہے

مرزائی لوگ یہ کہہ کر ناواقفوں کو مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا مفتری نہیں گزرا جو مرزا قادیانی کی طرح ۲۳ سال کی طویل مدت تک اپنے دعویٰ پر قائم رہا ہو اور جلد ہلاک نہ ہو گیا ہو۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی سچے نبی تھے۔ اگرچہ مرزائی لوگ اپنے پیش کردہ معیار حق و باطل کو کلام الٰہی اور ارشادات نبویہ کی روشنی میں ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔ اور صادق کے صدق اور کاذب کے کذب میں کسی مدت دعویٰ کو قطعاً کوئی دخل نہیں۔ تاہم میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر مرزائیوں کی ضد پوری کر دوں۔ متذکرہ صدر واقعات سے جو کتاب ''الاستقصاء لاخبار دول المغرب الاقصی'' (جلد اول صفحات ۱۰۳،۵۱) سے ماخوذ ہیں۔

قارئین کرام اس نتیجہ پر پہنچے ہوں گے کم از کم مندرجہ ذیل تین بادشاہ مرزا غلام احمد قادیانی کی مدت دعاوی سے بھی زیادہ عرصہ تک دعویٰ نبوت کے ساتھ اپنی قوم پر حکمران رہے۔

ملاحظہ ہو:

نام مدعی نبوت	آغاز وانتہاء دعویٰ			مدت دعویٰ
صالح بن طریف	۱۲۷	سے	۱۷۴ تک	۴۷ سال
ابو غفیر محمد بن معاذ	۲۶۸	سے	۲۹۷ تک	۲۹ سال

ابو منصور عیسیٰ ۳۴۱ سے ۳۶۹ تک ۲۸ سال

باب ۱۲ ...... بہافرید زوزانی نیشاپوری

ابو مسلم خراسانی کے عہد دولت میں جو خلافت آل عباسؓ کا بانی تھا۔ بہا فرید بن ماہ فروزین نام ایک مجوسی جوزوزان کا رہنے والا تھا۔ خواف ضلع نیشاپور کے قریب سیراوند نام کے ایک قصبہ میں ظاہر ہوا۔ یہ بھی نبوت ووحی کا مدعی تھا۔

باریک قمیص سے اعجاز نمائی کا کام

بہا فرید اوائل عہد میں زوزان سے چین کی طرف گیا۔ وہاں سات سال تک قیام کیا۔ مراجعت کے وقت دوسرے چینی تحائف کے علاوہ سبز رنگ کی ایک نہایت باریک قمیص بھی ساتھ لایا۔ اس کا کپڑا اس قدر باریک تھا کہ قمیص آدمی کی مٹھی میں آجاتی تھی۔ چونکہ اس زمانہ تک لوگ زیادہ باریک کپڑوں سے روشناس نہ ہوئے تھے۔ بہا فرید نے اس قمیص سے معجزہ کا کام لینا چاہا۔ چین سے واپس آکر رات کے وقت وطن پہنچا۔ کسی سے ملاقات کئے بغیر رات کی تاریکی میں سیدھا بت خانہ کا رخ کیا۔ اور مندر پر چڑھ کر بیٹھ رہا۔ جب صبح کے وقت پجاریوں کی آمدورفت شروع ہوئی تو آہستہ آہستہ لوگوں کے سامنے نیچے اترنا شروع کیا۔ لوگ یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے کہ سات سال تک غائب رہنے کے بعد اب یہ بلندی کی طرف سے کس طرح آرہا ہے؟۔ لوگوں کو متعجب دیکھ کر کہنے لگا۔ حیرت کی کوئی بات نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خداوند عالم نے مجھے آسمان پر بلایا تھا۔ میں برابر سات سال تک آسمانوں کی سیر وسیاحت میں مصروف رہا۔ وہاں مجھے جنت اور دوزخ کی سیر کرائی۔ آخر رب کردگار نے مجھے شرف نبوت سے سرفراز فرمایا اور یہ قمیص پہنا کر زمین پر اترنے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں ابھی ابھی آسمانوں سے نازل ہو رہا ہوں۔ اس وقت مندر کے پاس ہی ایک کسان ہل چلا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے خود اسے آسمان سے نازل ہوتے دیکھا ہے۔ پجاریوں نے بھی اس کے اترنے کی شہادت دی۔ بہا فرید کہنے لگا کہ خلعت جو مجھے آسمان سے عنایت ہوا زیب تن ہے۔ غور سے دیکھو کہ کہیں دنیا میں بھی ایسا باریک اور نفیس کپڑا تیار ہو سکتا ہے؟۔ لوگ اس قمیص کو دیکھ دیکھ کر محو حیرت تھے۔ غرض آسمانی نزول اور عالم بالا کے معجزہ خلعت پر یقین کر کے ہزارہا مجوس اس کے پیرو ہو گئے۔ اب اس نے ادعائے نبوت کے ساتھ لوگوں کے سامنے نئے دین کا خوان دعوت بچھایا اور لوگ دھڑا دھڑ دام تزویر میں پھنسنے لگے۔ جس طرح ہمارے مرزا غلام احمد قادیانی نے از راہ مآل اندیشی حضرت

سید الانبیا ﷺ کی نبوت کی بھی تصدیق کی۔ اسی طرح بہا فرید نے مجوس کے مقتداء زرتشت کو سچا پیغمبر تسلیم کیا اور جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے دین اسلام میں سینکڑوں قسم کی رخنہ اندازیاں کیں۔ اسی طرح اس نے مجوس کے اکثر شرائع واحکام پر خط تنسیخ کھینچ ڈالا اور لوگوں سے بیان کیا کہ زرتشت کے تمام پیروؤں پر میری اطاعت فرض ہے۔ کہا کرتا تھا کہ میرے پاس نہایت رازداری کے ساتھ احکام الٰہی پہنچا کرتے ہیں۔

بہافریدی شریعت کی بوالعجبیاں

بہا فرید نے بیسیوں خرافات جاری کئے تھے۔ ان نے اپنی امت پر سات نمازیں فرض کیں۔ پہلی نماز خدائے برتر کی حمد و ستائش کو متضمن تھی۔ دوسری آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے متعلق تھی۔ تیسری حیوانات اور ان کے رزق کی طرف منسوب تھی۔ چوتھی دنیا کی بے ثباتی اور موت کی یاد و تذکیر پر مشتمل تھی۔ پانچویں کا تعلق بعثانہ یوم عدالت سے تھا۔ چھٹی میں ارباب جنت کی راحت اور اہل دوزخ کے مصائب کی یاد تازہ کی جاتی تھی۔ ساتویں نماز میں صرف اہل جنت کی بختاوری اور اقبال مندی کو شرح وبسط سے بیان کیا گیا تھا۔ بہا فرید نے اپنے پیروؤں کے لئے ایک فارسی کتاب بھی مدون کی اور حکم دیا کہ تمام لوگ آفتاب کو سجدہ کریں۔ لیکن سجدہ کے وقت دونوں گھٹنے زمین پر نہ لگیں۔ بلکہ ایک زانو سے سجدہ کیا جائے۔ استقبال قبلہ کے بجائے حکم تھا کہ آفتاب کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کیں جائیں۔ سورج جس رخ پر ہوتا تھا۔ اسی طرف منہ کیا جاتا تھا۔ بال کاٹنے یا مونڈنے کی ممانعت تھی۔ بلکہ حکم تھا کہ سب لوگ اپنے گیسو اور کاکل چھوڑ دیں۔ اس کی شریعت کا ایک یہ بھی حکم تھا کہ جب تک مویشی بڈھا اور لاغر نہ ہو جائے اس کی قربانی نہ دیں۔ شرب خمر کی ممانعت کی اور حکم دیا کہ چار سو درہم سے زیادہ کسی عورت کا مہر نہ باندھا جائے۔

بہا فرید کا قتل

جب ابو مسلم خراسانی نیشاپور آیا تو مسلمانوں اور مجوسیوں کا ایک وفد اس کے پاس پہنچا اور شکایت کی کہ بہا فرید نے دین اسلام اور کیش مجوس میں فساد و رخنہ اندازیاں کر رکھی ہیں۔ ابو مسلم نے عبداللہ بن شعبہ کو اس کے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ بہا فرید کو معلوم ہو گیا کہ اس کی گرفتاری کا حکم ہوا ہے۔ فوراً نیشاپور سے بھاگ نکلا۔ عبداللہ بن شعبہ نے تعاقب کر کے اسے جبل بادغیس پر جا لیا اور گرفتار کر کے ابو مسلم کے سامنے لا حاضر کیا۔ ابو مسلم نے دیکھتے ہی خنجر خارا شگاف کا وار

کیا اور سر قلم کر کے اس کی نبوت کا خاتمہ کر دیا اور حکم دیا کہ اس کے گم کردگان راہ پیرو بھی قعر ہلاک میں ڈالے جائیں۔ وہ بہافرید کی گرفتاری سے پہلے ہی بھاگ چکے تھے۔ اس لئے بہت تھوڑے آدمی ابومسلم کی فوج کے ہاتھ آئے۔ اس کے پیرو بہافریدیہ کہلاتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ان کے نبی کے خاص خادم نے انہیں اطلاع دی تھی کہ بہافرید ایک مشکیں گھوڑے پر سوار ہو کر آسمان پر چڑھ گیا تھا اور وہ کسی مستقبل زمانہ میں آسمان سے نازل ہو کر اپنے اعداء سے انتقام لے گا۔

(الآثار الباقیه عن القرون الخالیه للبیرونی ۲۱۰،۲۱۱)

باب ۱۳ ...... اسحاق اخرس مغربی

اسحاق اخرس ملک مغرب کا رہنے والا تھا۔ اہل عرب کی اصطلاح میں مغرب شمالی افریقہ کے اس حصہ کا نام ہے جس میں مراکش، تونس، الجزائر وغیرہ ممالک داخل ہیں۔ اسحاق ۱۳۵ھ میں اصفہان میں ظاہر ہوا۔ ان ایام میں ممالک اسلامیہ پر خلیفہ سفاح عباسی کا پرچم اقبال لہرا رہا تھا۔ اہل سیر نے اس کی دکان آرائی کی کیفیت اس طرح لکھی ہے کہ پہلے اس نے صحف آسمانی قرآن، توارۃ، انجیل اور زبور کی تعلیم حاصل کی۔ پھر جمیع علوم وسمیہ کی تکمیل کی۔ زمانہ دراز تک مختلف زبانیں سیکھتا رہا۔ مختلف قسم کی صناعیوں اور شعبدہ بازیوں میں مہارت پیدا کی اور ہر طرح سے باکمال اور بالغ النظر ہو کر اصفہان آیا۔

کامل دس سال تک گونگا بنا رہا

اصفہان پہنچ کر ایک عربی مدرسہ میں قیام کیا اور یہیں کی ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں کامل دس سال تک کنج عزلت میں پڑا رہا۔ یہاں اس نے اپنی زبان پر ایسی مہر سکوت لگائے رکھی کہ ہر شخص اسے گونگا یقین کرتا رہا۔ اس شخص نے اپنی نام نہاد جہالت و بے علمی اور تصنع آمیز عدم گویائی کو اس ثبات واستقلال کے ساتھ نباہا کہ دس سال کی طویل مدت میں کسی کو وہم وگمان تک نہ ہوا کہ اس کی زبان کو بھی قوت گویائی سے کچھ حصہ ملا ہے۔ یا یہ شخص ایک علامہ دہر اور یکتائے روزگار ہے۔ اسی بنا پر یہ اخرس یعنی گونگے کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ ہمیشہ اشاروں سے اظہار مدعا کرتا۔ ہر شخص سے اس کا رابطہ مودت وشناسائی قائم تھا۔ کوئی بڑا چھوٹا ایسا نہ ہو گا جو اس کے ساتھ اشاروں کنایوں سے تھوڑی بہت مذاق کر کے تفریح طبع نہ کر لیتا ہو۔ اتنی صبر آزما مدت گزار لینے کے بعد آخر وہ وقت آ گیا جب وہ مہر سکوت توڑ دے اور کشور قلوب پر اپنی قابلیت اور نطق و گویائی کا سکہ بٹھا دے۔ اس نے نہایت رازداری کے ساتھ ایک نہایت نفیس قسم کا روغن تیار

کیا۔اس روغن میں یہ صنعت تھی کہ اگر کوئی شخص اسے چہرے پر مل لے تو اس درجہ حسن و تجلی پیدا ہو کہ کوئی شخص شدت انوار سے اس کے نورانی طلعت کے دیکھنے کی تاب نہ لا سکے۔اس طرح اس نے خاص قسم کی دو رنگ دار شمعیں بھی تیار کر لیں۔اس کے بعد ایک رات جبکہ تمام لوگ محو خواب و استراحت تھے۔اس نے وہ روغن اپنے چہرہ پر ملا اور شمعیں جلا کر سامنے رکھ دیں ان کی روشنی میں چہرہ میں ایسی رعنائی، دلفریبی اور چمک دمک پیدا ہوئی کہ آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔اس کے بعد اس نے اس زور سے چیخنا شروع کیا کہ مدرسہ کے تمام مکین جاگ اٹھے۔جب لوگ اس کے پاس آئے تو اٹھ کر نماز میں مشغول ہو گیا اور ایسی خوش الحانی اور تجوید کیساتھ بآواز بلند قرآن پڑھنے لگا کہ بڑے بڑے قاری بھی عش عش کر گئے۔

صدر المدرسین اور قاضی شہر کی بدحواسی

جب مدرسہ کے معلمین اور طلبہ نے دیکھا کہ مادر زاد گونگا باتیں کر رہا ہے اور قوت گویائی کے ساتھ اسے اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور فن قراۃ و تجوید کا کمال بھی بخشا گیا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اس کا چہرہ ایسا درخشان ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہر سکتی تو لوگ سخت حیرت زدہ ہوئے۔خصوصاً صدر مدرس صاحب تو بالکل قوائے عقلیہ کھو بیٹھے۔صدر مدرس صاحب جس درجہ علم و عمل اور صلاح و تقویٰ میں عدیم المثال تھے۔اسی قدر اہل زمانہ کی عیاریوں سے ناآشنا اور نہایت سادہ لوح واقع ہوئے تھے۔وہ بڑی خوش اعتقادی سے فرمانے لگے۔کیا اچھا ہو اگر عمایدِ شہر بھی خدائے قادر و توانا کے اس کرشمہ قدرت کا مشاہدہ کر سکیں۔اب اہل مدرسہ نے صدر مدرس صاحب کی قیادت میں اس غرض سے شہر کا رخ کیا کہ اعیان شہر کو بھی خداوند عالم کی قدرت قاہرہ کا یہ جلوہ دکھائیں۔شہر پناہ کے دروازہ پر آئے تو اس کو مقفل پایا۔چابی حاصل کرنے کی کوشش کی۔لیکن ناکام رہے۔ان لوگوں پر خوش اعتقادی اور گرمجوشی کا بھوت اس درجہ سوار تھا کہ شہر کا مقفل دروازہ اور اس کی سنگین دیواریں بھی ان کی راہ میں حائل نہ رہ سکیں۔کسی نہ کسی تدبیر سے شہر میں داخل ہو گئے۔اب صدر مدرس صاحب تو آگے آگے جا رہے تھے اور دوسرے مولوی صاحبان اور ان کے تلامذہ پیچھے پیچھے۔سب سے پہلے قاضی شہر کے مکان پر پہنچے۔قاضی صاحب رات کے وقت اس غیر معمولی ازدحام اور اس کی شور و پکار سن کر مضطربانہ گھر سے نکلے اور ماجرا دریافت فرمایا۔بدنصیبی سے قاضی صاحب بھی پیرایہ حزم و دور اندیشی سے عاری تھے۔انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔سب مجمع کو ساتھ لے کر جھٹ وزیر اعظم کے دردولت پر جا پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا۔وزیر باتدبیر نے ان کی رام کہانی سن کر کہا کہ ابھی رات کا وقت ہے۔آپ لوگ جا کر اپنی اپنی جگہ آرام کریں۔دن کو

دیکھا جائے گا کہ ایسی بزرگ ہستی کی عظمت شان کے مطابق کیا کاروائی مناسب ہوگی؟۔ غرض شہر میں ہلڑ مچ گیا۔ باوجود ظلمت شب کے لوگ جوق در جوق چلے آرہے تھے اور خوش اعتقادوں نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ قاضی صاحب چند روسائے شہر کو ساتھ لے کر اس بزرگ ہستی کا جمال مبارک دیکھنے کے لئے مدرسہ میں آئے۔ مگر دروازہ کو مقفل پایا۔ اسحاق اندر ہی براجمان تھا۔ قاضی صاحب نے نیچے سے پکار کر کہا۔ حضرت والا! آپ کو اسی خدائے ذوالجلال کی قسم! جس نے آپ کو اس کرامت اور منصب جلیل سے نوازا۔ ذرا دروازہ کھولیے اور مشتاقان جمال کو شرف دیدار سے مشرف فرمایئے۔ یہ سن کر اسحاق بول اٹھا۔ اے قفل! کھل جا۔ اور ساتھ ہی کسی حکمت عملی سے کنجی کے بغیر قفل کھول دیا۔ قفل کے گرنے کی آواز سن کر لوگوں کی خوش اعتقادی اور بھی دو آتشہ ہوگئی۔ لوگ بزرگ کے رعب سے ترساں ولرزاں تھے۔ دروازہ کھلنے پر سب لوگ اسحاق کے روبرو نہایت مؤدب ہو کر جا بیٹھے۔ قاضی صاحب نے نیاز مندانہ لہجہ میں التماس کی کہ حضور والا! سارا شہر اس قدرت خداوندی پر متحیر ہے۔ اگر حقیقت حال کا چہرہ کسی قدر بے نقاب فرمایا جائے تو بڑی نوازش ہوگی۔

اسحاق کی ظلی بروزی نبوت

اسحاق جو اس وقت کا پہلے سے منتظر تھا۔ نہایت ریاکارانہ لہجہ میں بولا کہ چالیس روز پیشتر ہی فیضان کے کچھ آثار نظر آنے لگے تھے۔ آخر دن بدن القائے ربانی کا شرچشمہ دل میں موجیں مارنے لگا۔ حتیٰ کہ آج رات خدائے قدوس نے اپنے فضل مخصوص سے اس عاجز پر علم وعمل کی وہ وہ راہیں کھول دیں کہ مجھ سے پہلے لاکھوں رہروان منزل اس کے خیال اور تصور سے بھی محروم رہے تھے۔ اور وہ وہ اسرار وحقائق منکشف فرمائے کہ جن کا زبان پر لانا مذہب طریقت میں ممنوع ہے۔ البتہ مختصراً اتنا کہنے کا مجاز ہوں کہ آج رات دو فرشتے حوض کوثر کا پانی لے کر میرے پاس آئے۔ مجھے اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور کہنے لگے السلام علیک یا نبی اللہ! مجھے جواب میں تامل ہوا اور گھبرایا کہ واللہ اعلم۔ یہ کیا ابتلاء ہے؟۔ ایک فرشتہ بزبان فصیح یوں گویا ہوا۔ یا نبی اللہ! افتح فاك باسم اللہ الا زلی! (اے اللہ کے نبی! بسم اللہ کہہ کر ذرا منہ تو کھولئے۔) میں نے منہ کھول دیا اور دل میں بسم اللہ الازلی کا ورد کرتا رہا۔ فرشتہ نے ایک سفید سی چیز میرے منہ میں رکھ دی۔ یہ تو معلوم نہیں کہ وہ چیز کیا تھی؟۔ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ وہ شہد سے زیادہ شیریں، مشک سے زیادہ خوشبو اور برف سے زیادہ سرد تھی۔ اس نعمت خداوندی کا حلق سے نیچے اترنا تھا کہ میری زبان گویا ہوگئی اور میرے منہ سے یہ کلمہ نکلا۔ اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد

رسول اللہ! یہ سن کر فرشتوں نے کہا محمد ﷺ کی طرح تم بھی رسول اللہ ہو۔ میں نے کہا۔ میرے دوستو! تم یہ کیسی بات کہہ رہے ہو۔ مجھے اس سے سخت حیرت ہے۔ بلکہ میں تو عرق خجالت میں ڈوبا جاتا ہوں۔ فرشتے کہنے لگے۔ خدائے قدوس نے تمہیں اس قوم کے لیے نبی مبعوث فرمایا ہے۔ میں نے کہا جناب باری نے تو سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام روحی فداہ کو خاتم الانبیاء قرار دیا۔ اور آپ کی ذات اقدس پر نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ اب میری نبوت کیا معنی رکھتی ہے؟۔ کہنے لگے درست ہے۔ مگر محمد ﷺ کی نبوت مستقل حیثیت رکھتی ہے اور تمہاری بالتبع اور ظلی وبروزی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرزائیوں نے انقطاع نبوت کے بعد ظلی بروزی نبوت کا ڈھکوسلہ اسی اسحاق سے اڑایا ہے۔ ورنہ قرآن وحدیث اور اقوال سلف صالح میں اس چیز کا کہیں وجود نہیں۔ بلکہ خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کو امر خلافت میں جناب ہارون علیہ السلام سے جو ایک غیر شرعی اور تابع نبی تھے۔ تشبیہ دے کر آیندہ کے لئے ہر قسم کی نبوت کا خاتمہ کر دیا۔ اب ظلی بروزی نبوتوں کا افسانہ محض شیطانی اغوا ہے۔

اسحاق کے معجزات باہرہ

اس کے بعد اسحاق نے حاضرین سے بیان کیا کہ جب ملائکہ نے مجھے ظلی بروزی نبوت کا منصب تفویض فرمایا تو میں اپنی معذوری ظاہر کرنے لگا اور کہا دوستو! میرے لئے نبوت کا دعویٰ بہت سی مشکلات سے لبریز ہے۔ کیونکہ بوجہ معجزہ نہ رکھنے کے کوئی شخص میری تصدیق نہ کرے گا۔ فرشتوں نے کہا۔ وہ قادر مطلق جس نے تمہیں گونگا پیدا کر کے متکلم اور فصیح وبلیغ بنا دیا وہ خود لوگوں کے دلوں میں تمہاری تصدیق کا جذبہ پیدا کرے گا۔ یہاں تک کہ زمین وآسمان تمہاری تصدیق کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔ لیکن میں نے ایسی خشک نبوت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور اس بات پر مصر ہوا کہ کوئی نہ کوئی معجزہ ضرور چاہیے۔ جب میرا اصرار حد سے گذر گیا تو فرشتے کہنے لگے۔ اچھا معجزات بھی لیجیے۔ جتنی آسمانی کتابیں انبیاء پر نازل ہوئیں۔ تمہیں ان سب کا علم دیا گیا۔ مزید براں کئی ایک زبانیں اور کئی قسم کے رسم الخط تمہیں عطا کیے۔ اس کے بعد فرشتے کہنے لگے کہ قرآن پڑھو۔ میں نے جس ترتیب سے قرآن نازل ہوا تھا پڑھ کر سنا دیا۔ انجیل پڑھوائی۔ وہ بھی سنا دی۔ پھر تورات، زبور اور دوسرے آسمانی صحیفے پڑھنے کو کہا۔ وہ بھی سب سنا دیے۔ مگر میرے قلب منور پر جو ان کتب مقدسہ کا القاء ہوا تو اس میں کسی تحریف، تصحیف اور اختلاف قرأت کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ بلکہ جس طرح ان کی تنزیل ہوئی تھی۔ اسی طرح یہ بے کم وکاست میرے دل پر القاء کی گئیں۔ چنانچہ فرشتوں نے فوراً اس کی تصدیق کر دی۔ ملائکہ نے

صحف سماویہ کی قرأت سن کر مجھ سے کہا۔ قم انزر الناس !(اب کمر باندھ لو اور لوگوں کو غضب الٰہی سے ڈراؤ۔) یہ کہ کر فرشتے رخصت ہو گئے اور میں جھٹ نماز اور ذکر الٰہی میں مصروف ہو گیا۔ آج رات سے جن انوار و تجلیات کا میرے دل پر ہجوم ہے۔ زبان اس کی شرح سے قاصر ہے۔ غالباً ان انوار کے کچھ آثار میرے چہرے پر بھی نمایاں ہو گئے ہوں گے۔ یہ تو میری سرگذشت تھی۔ اب میں تم لوگوں کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ جو شخص خدا پر، محمد ﷺ پر اور مجھ پر ایمان لایا۔ اس نے فلاح و رستگاری پائی اور جس نے میری نبوت سے انکار کیا۔ اس نے سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کو بیکار کر دیا۔ ایسا منکر ابداً لآباد جہنم کا ایندھن بنا رہے گا۔

عساکر خلافت سے معرکہ آرائیاں

عوام کا معمول ہے کہ جونہی نفس امارہ کے کسی پجاری نے اپنے دجالی تقدس کی ڈفلی بجانی شروع کی اس پر پروانہ وار گرنے لگے۔ اسحاق کی تقریر سن کر عوام کا پائے ایمان ڈگمگا گیا اور ہزار ہا آدمی نقد ایمان اس کی نذر کر بیٹھے اور جن لوگوں کا دل نور ایمان سے متجلّی تھا۔ وہ بیزار ہو کر چلے گئے۔ حاملین شریعت نے گم کردگان راہ کو بہتیرا سمجھایا کہ اخرس دجال کذاب اور رہزن دین و ایمان ہے۔ لیکن عقیدت مندوں کی خوش اعتقادی میں ذرا فرق نہ آیا۔ بلکہ جوں جوں علمائے حق انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کا جنون خوش اعتقادی اور زیادہ بڑھتا تھا۔ آخر اس شخص کی قوت اور جمعیت یہاں تک ترقی کر گئی کہ اس کے دل میں ملک گیری کی ہوس پیدا ہوئی۔ چنانچہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے عمال کو مقہور و مغلوب کر کے بصرہ عمان اور ان کے توابع پر قبضہ کر لیا۔ بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ آخر عساکر خلافت مظفر و منصور ہوئے اور اسحاق مارا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے پیرواب تک عمان میں پائے جاتے ہیں۔ (کتاب الاذکیا، الشیخ ابن الجوزی و کتاب المختار و کشف الاسرار العلامہ عبدالرحمن بن ابی بکر الدمشقی المعروف بالجوبری)

باب ۱۴ ...... استاد سیس خراسانی

جن ایام میں اسلامی سیاسیات کی باگ دوڑ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے ہاتھ میں تھی۔ استاد سیس نام ایک مدعی نبوت ہرات باغیس، سجستان وغیرہ اطراف خراسان میں ظاہر ہوا۔ دعویٰ نبوت کے بعد عامۃ الناس اس کثرت سے اس کے دام تزویر میں پھنسے کہ چند ہی سال میں اس کے پیرووں کے تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی۔ اتنی بڑی جمعیت دیکھ کر اس کے دل میں استعمار اور ملک گیری کی ہوس پیدا ہوئی اور وہ خراسان کے اکثر علاقے دبا بیٹھا۔ یہ دیکھ کر اجثم عامل مرو روز

نے ایک لشکر مرتب کیا اور استادسیس سے جا بھڑا۔ استادسیس کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اس نے اجثم کے لشکر کا بیشتر حصہ بالکل غارت کر دیا اور خود اجثم بھی میدان جانستانی کی نذر ہو گیا۔ اجثم کے مارے جانے کے بعد خلیفہ نے اور بھی سپہ سالار فوجیں دے کر روانہ کئے۔ مگر یا تو مارے گئے یا سرکوب ہو کر واپس آئے۔ جب استادسیس نے خلیفہ کے آخری سپہ سالار کو پسپا کیا تو اس وقت خلیفہ منصور بدان کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ عساکر خلافت کی پیہم ہزیمتوں اور پامالیوں پر خلیفہ سخت پریشان ہوا۔ آخر خازم بن خزیمہ نام ایک نہایت جنگ آزمودہ فوجی افسر کو اس غرض سے ولی عہد سلطنت مہدی کے پاس نیشاپور بھیجا کہ اس کی صوابدید کے بموجب استادسیس کے مقابلے پر جائے۔ مہدی نے اسے تمام نشیب و فراز سمجھا کر چالیس ہزار کی جمیعت سے روانہ کیا۔ خازم کی اعانت کے لئے اور بھی آزمودہ کار افسر روانہ کئے گئے۔ بکار بن مسلم عقیلی نام ایک مشہور سپہ سالار بھی خازم کے ماتحت روانہ کیا گیا۔ اس وقت خازم کے میمنہ پر ہثیم بن شعبہ، میسرہ پر نہار بن حصین سعدی اور مقدمہ پر بکار بن مسلم عقیلی متعین تھا۔ جھنڈا زبرقان کے ہاتھ میں تھا۔ خازم نے میدان کارزار میں جا کر اچھی طرح دیکھ بھال کی اور غنیم کو دھوکا دینے کی غرض سے بہت سی خندقیں بنوائیں اور مورچے قائم کئے اور ہر ایک خندق کو دوسری سے بذریعہ سرنگ ملا دیا۔ ان سب کے علاوہ ایک خندق اتنی بڑی کھدوائی جس میں خازم کا سارا لشکر سما سکتا تھا۔ مؤخر الذکر خندق کے چار دروازے بنوائے۔ ہر دروازے پر ایک ایک ہزار چیدہ سپاہی کارآزمودہ سرداروں کی قیادت میں متعین کئے۔ سیس کے پیرو بھی سازوسامان سے لیس ہو کر مقابلہ کو آئے۔ ان کے ساتھ بھی پھاوڑے، کدال اور ٹوکریاں تھیں۔ انہوں نے پہلے اس دروازہ سے جنگ شروع کی۔ جس طرف بکار بن مسلم تھا۔ بکار اور اس کی فوج اس بے جگری سے لڑی کہ سیس کے دانت کھٹے کر دیئے۔ ادھر سے ہٹ کر وہ اس طرف کو جھکا جس دروازہ پر خود خازم مستعد جنگ کھڑا تھا۔ اسی طرح پیروان سیس میں سے حریش نام ایک فوجی سردار بھی اہل سجستان کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے بقصد جنگ خازم کی طرف بڑھا۔ خازم نے حریف کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ہثیم بن شعبہ کا بکار کی طرف سے نکل کر حریف پر عقب سے حملہ کرنے کا حکم دیا اور خود خازم سینہ سپر ہو کر حریش کے مقابلہ پر آیا۔ اور نہایت پامردی سے تنور حرب گرم کیا۔ اس اثنا میں حریش کے پیچھے سے لشکر ہثیم کے پھریرے ہوا میں اڑتے دکھائی دیئے۔ خازم کے لشکریوں نے جوش جہاد میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے۔ اسی طرح خازم نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا اور اپنی اجتماعی قوت سے یکبارگی ہلہ بول دیا۔ جونہی سیس اور حریش کی ہمرکاب فوجیں بقصد فرار پیچھے ہٹیں۔ ہثیم کی سپاہ نے انہیں تلواروں اور نیزوں پر رکھ لیا۔ اتنے

میں نہار بن حصین اپنی فوج کے ساتھ میسرہ سے اور بکار بن مسلم اپنی جمعیت کے ساتھ اگلی جانب سے نکل کر غنیم پر حملہ آور ہوئے اور بہت دیر تک قتل اور خونریزی کا بازار گرم رہا۔ عساکر خلافت نے دشمن پر اتنی تلوار چلائی کہ میدان جنگ میں ہر طرف مرتدین کی لاشوں کے انبار لگ گئے۔ اس معرکہ میں سیس کے قریباً سترہ ہزار آدمی کام آئے اور چودہ ہزار قید کر لئے گئے۔ سیس بقیۃ السیف تیس ہزار فوج کو پہاڑ کی طرف لے کر بھاگا اور وہاں اس طرح جا چھپا جس طرح خرگوش شکاریوں کے خوف سے کھیتوں میں جا چھپتا ہے۔ اب خازم فتح وظفر کے پھریرے اڑاتا ہوا پہاڑ پر پہنچا اور محاصرہ ڈال دیا۔ اتنے میں شاہزادہ مہدی نے ابوعون کی قیادت میں بہت سی کمک بھیج دی۔ ابوعون اپنی فوج لے کر اس وقت پہنچا جب استادسیس محصور ہو چکا تھا۔ آخر سیس نے محاصرہ سے تنگ آ کر اپنے تئیں خازم کے سپرد کر دیا۔ استادسیس اپنے بیٹوں سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ خازم نے مہدی کے پاس فوراً فتح کا مژدہ لکھ بھیجا۔ جونہی یہ بہجت افزاء خبر مہدی کے پاس پہنچی۔ اس نے اپنے باپ خلیفہ منصور کے پاس فتح ونصرت کا تہنیت نامہ لکھا۔

(تاریخ طبری عربی ج ۴ ص ۴۹۵، تاریخ ابن اثیر ج ۵ ص ۱۹۰)

یاد رہے کہ یہی مہدی خلیفہ ہارون رشید کا باپ تھا۔ کہتے ہیں کہ استادسیس خلیفہ مامون کا نانا یعنی مراجل مادر مامون کا باپ تھا اور اس کا بیٹا غالب جس نے فضل بن سہل برمکی کو قتل کیا تھا۔ خلیفہ مامون (بن رشید) کا ماموں تھا۔

باب ۱۵ ...... ابوعیسیٰ اسحاق اصفہانی

ابوعیسیٰ اسحاق بن یعقوب اصفہان کا ایک یہودی تھا۔ جوالوہیم (عابداللہ) کے لقب سے مشہور تھا۔ یہود کا ایک مذہبی گروہ جسے عیسویہ کہتے ہیں۔ اسی کی طرف منسوب ہے۔ یہ شخص نبوت کا مدعی تھا۔ یہود حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی اللہ نہیں مانتے۔ بلکہ وہ آج تک اس مسیح کی آمد کے منتظر چلے آتے ہیں، جس کے ظہور کی بشارت جناب موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ ابوعیسیٰ نے دعویٰ کیا کہ میں مسیح منتظر کا رسول ہوں۔ اس کا بیان تھا کہ مسیح منتظر سے پہلے یکے بعد دگرے پانچ رسول مبعوث ہوں گے۔ جن کی حیثیت جناب مسیح موعود کی سی ہوگی۔ یہ اس بات کا مدعی تھا کہ خالق کردگار مجھ سے ہم کلام ہوا ہے اور مجھے اس بات کا مکلف بنایا ہے کہ میں بنی اسرائیل کو غاصب قوموں اور ظالم حکمرانوں کے پنجہء بیداد سے مخلصی بخشوں۔ اس کا دعویٰ تھا کہ مسیح بنی آدم میں سب سے افضل ہے۔ اسے تمام انبیائے گذشتہ پر شرف وبرتری حاصل ہے اور اس کی

تصدیق ہر شخص پر واجب ہے۔ کہا کرتا تھا کہ میں مسیح موعود کا داعی ہوں اور داعی بھی مسیح ہوتا ہے۔ اس نے بھی اپنے پیرووں کے لئے ایک کتاب مدون کر کے اس کو منزل من اللہ بتایا۔ اس میں اس نے تمام ذبائح کو حرام قرار دیا ہے اور طیور ہوں یا بہائم علی الاطلاق ہر ذی روح کے کھانے سے منع کیا ہے۔ اپنے پیرووں پر دس نمازیں فرض کیں۔ ان کے اوقات معین کر دیئے اور ہر ایک کو قیام نماز کی سخت تاکید کی۔ اس نے یہود کے بہت سے احکام شریعت کی جو توراۃ میں مذکور ہیں مخالفت کی۔ بے شمار یہود نے اس کی متابعت اختیار کی اور حسب مصداق "پیران نمی پرند مریداں می پرانند" بے شمار آیات و معجزات کو اس کی طرف منسوب کر دیا۔ جب جمعیت بہت بڑھ چلی تو اس نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ رے میں خلیفہ ابوجعفر منصور کے لشکر سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی۔ لڑائی سے پہلے اس نے اپنے ہاتھ کی لکڑی سے زمین پر ایک خط کھینچ کر اپنے پیرووں سے کہا کہ تم لوگ اس خط پر قائم رہو اور اس سے آگے نہ بڑھو۔ دشمن کی مجال نہیں کہ اس خط سے آگے بڑھ کر تم پر حملہ آور ہو سکے۔ آخر جب رزم و پیکار کے وقت لشکر منصور پیش قدمی کرتا ہوا خط کے پاس پہنچا اور اس نے دیکھا کہ اس کے جھوٹ کا پول کھلنے والا ہے تو جھٹ اپنے پیرووں سے علیحدہ ہوا اور خط پر پہنچ کر لڑائی شروع کر دی اس کو دیکھ کر اس کے پیرو بھی خط پر آ گئے اور آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ گو مسلمان بھی بکثرت شہید ہوئے۔ لیکن انہوں نے مارتے مارتے دشمن کا بالکل ستھراؤ کر دیا۔ ابوعیسیٰ مارا گیا اور اس کے اکثر پیرو بھی علف تیغ ہو کر دنیا سے نابود ہو گئے۔

باب ۱۶ ...... حکیم مقنع خراسانی

حکیم مقنع خراسانی کے نام میں اختلاف ہے۔ اکثر مورخین نے عطا لکھا ہے اور بعض نے ہشام یا ہاشم بتایا ہے۔ حکیم کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ مرد کے پاس ایک گاؤں میں جس کو "کازہ کیمن دات" کہتے تھے۔ ایک غریب دھوبی کے گھر پیدا ہوا۔ اس کی پیدائش کے وقت کسی کو کیا خبر تھی کہ ایک دن یہی غریب دھوبی کا لڑکا تاریخ عالم کے صفحات پر شہرت دوام کا خلعت حاصل کرے گا۔ نہایت طباع و ذہین تھا۔ اپنا آبائی پیشہ چھوڑ کر علم و فضل کی طرف متوجہ ہوا۔ اپنی تمام بے سروسامانیوں کے باوجود اس نے علوم نظریہ میں وہ درجہ حاصل کیا کہ نواح خراسان میں کوئی شخص اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ خصوصاً علم بلاغت، حکمت، و فلسفہ شعبدہ و حیل، طلسمات و سحر اور نیرنجات میں سرآمد روزگار تھا۔ اس نے اپنی جودت طبع سے عجیب و غریب چیزیں

ایجادکیں اور صنائع و بدائع کے ذریعہ سے بہت جلد آسمان شہرت و ناموری پر چمکنے لگا۔ لیکن اس کی خلقت میں ایک ایسا عیب تھا جس کی وجہ سے اس کی مقبولیت میں گونہ فرق پڑتا تھا۔ وہ یہ کہ نہایت کریہہ المنظر پست قامت حقیر اور کم رو شخص تھا اور اس پر طرہ یہ کہ واحد العین تھا۔ یعنی ایک آنکھ کانی تھی۔ جسے دیکھ کر دلوں میں اس کی طرف سے نفرت پیدا ہوتی تھی۔ اس عیب کے چھپانے کے لئے وہ ہر وقت سونے کا ایک خوبصورت اور چمکدار چہرہ تیار کر کے منہ پر چڑھائے رکھتا اور بغیر اس نقاب کے کسی کو اپنی شکل نہ دکھاتا تھا۔ علامہ عبدالقاہر بغدادی نے طلائی کی جگہ ریشمین چہرہ لکھا ہے۔ عجب نہیں کہ زربفت کی قسم کا کوئی ریشمین نقاب ہو۔ بہر حال اس تدبیر سے اس نے لوگوں کی نفرت کو گرویدگی سے بدل دیا اور اسی نقاب کی وجہ سے لوگوں میں مقنع (نقاب پوش) مشہور ہو گیا۔ چہرہ چھپائے رکھنے کی اصل بنا تو یہ تھی۔ لیکن کبھی کوئی شخص اس سے نقاب پوشی کی وجہ دریافت کرتا تو کہہ دیتا کہ میں نے اپنی شکل و صورت اس لئے تبدیل کر رکھی ہے کہ لوگ میری رویت ضیا پاش کی تاب نہیں لا سکتے اور اگر میں اپنا چہرہ کھول دوں تو میرا نور دنیا و مافیہا کو جلا کر خاکستر کر دے۔

مقنع کا چاند

ابن خلدون، ابن جریر طبری اور دوسرے قابل اعتماد مورخین اسلام نے اپنی تاریخوں میں مقنع کے چاند کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ لیکن ''ماہ نخشب'' کو دنیائے ادب میں جو غیر فانی شہرت حاصل ہے اور بعض اسلامی تاریخوں میں اس کا جس شدومد سے تذکرہ موجود ہے۔ اس کی بناء پر اس کے چاند کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہتے ہیں کہ اس نے سمرقند کے قریب علاقہ نخشب میں کوہ سیام کے پیچھے کنوئیں کے اندر یہ چاند پارے اور دوسرے کیمیائی اجزاء سے تیار کیا تھا۔ یہ چاند غروب آفتاب کے بعد پہاڑ کے عقب سے طلوع کر کے آسمان پر روشن رہتا اور صبح صادق سے پہلے غروب ہو جاتا۔ اس طرح چاندنی راتوں میں دو چاند ایک دوسرے کے مقابل آسمان پر پرتو افگن رہتے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس کی روشنی پندرہ میل تک پہنچتی تھی اور بقول بعض وہ ایک مہینہ کی مسافت سے نظر آتا تھا۔ یہ چاند اسی طرح دو مہینہ تک طلوع و غروب ہوتا رہا۔ لوگ اکناف و اطراف ملک سے اس کے دیکھنے کو آتے اور دیکھ کر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ خصوصاً خوش اعتقاد مرید تو اسے اپنے مقتداء کی ربانی قوت کا تصرف اور بہت بڑا معجزہ یقین کرتے تھے۔ حالانکہ اس نے یہ عمل ہندسہ اور انعکاس شعاع قمر کے طریق پر کیا تھا۔ چنانچہ مقنع کی ہلاکت کے بعد لوگوں نے اس کنوئیں کی تہہ میں ایک بڑا طاس پارے سے بھرا ہوا پایا۔ گو یہ معلوم نہ ہو سکا

کہ وہ کونسا طریق عمل کام میں لاتا تھا اور اس ماہتاب میں اس نے کس طرح برقی روشنی پیدا کر دی تھی۔ لیکن عہد حاضر کے بعض اہل تحقیق کا خیال ہے کہ ماہ نخشب کا یہ طلوع وغروب مبالغہ آمیز ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقنع نے اس برقی چاند کو کسی بلند پہاڑ کی چوٹی پر قائم کیا ہوگا۔ جو کئی منزلوں سے نظر آتی ہوگی۔ وہ چاند اس چوٹی سے ذرا بلند ہو کر ٹھر جاتا ہوگا۔ جس میں اس قدر برقی روشنی ہوگی جو چند منزلوں سے نظر آ سکے۔ یہ چاند رات بھر یا جب تک وہ چاہتا کلہ کوہ پر طلوع کر کے قائم رہتا ہوگا۔ بہرحال عربی علمی ادب میں "ماہ نخشب" یا "بدر مقنع" کا بہت تذکرہ پایا جاتا ہے اور شعراء نے اس سے تشبیہات کا کام لیا ہے۔ حسب بیان ابن خلکان ابو العلاء معری نے ماہ نخشب کے موضوع پر ایک طویل قصیدہ لکھا تھا۔ جس کا یہ شعر مشہور ہے:

افق انما البدر المقنع راسه
ضلال وغی مثل بدر المقنع

اسی طرح ابو القاسم ہبۃ اللہ کا بھی ایک قصیدہ زبان زد عام وخاص ہے جس کا ایک شعر یہ ہے:

الیك فما بدر المقنع طالعا
باسحر من الحاظ بدر العمم

اس شعر میں شاعر ناصح سے کہتا ہے کہ جا اور اپنا کام کر۔ کیونکہ مقنع کا چاند بھی طلوع کے وقت میرے دستار بند محبوب کی نگاہ ناز سے زیادہ سحر آفرینی نہیں کر سکتا۔

مقنع کا دعویٰ الوہیت اور اس کی مشرکانہ تعلیمات

دوسرے ملاحدۂ زماں کی طرح مقنع کے ہفوات کی بنیادیں بھی زرتشتی عقاید اور بت پرست فلسفیوں کے خیالات پر قائم کی گئی تھیں۔ اس کا بدترین مذہبی اصول مسئلہ تناسخ تھا۔ جس کی بنا پر اس نے الوہیت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ حق تعالیٰ میرے پیکر میں ظاہر ہوا ہے یا یوں کہیے کہ میں خدا کا اوتار ہوں۔ چونکہ مدعی الوہیت کے لئے تصرف فی الاکوان کی حاجت ہے۔ اس ضرورت کے لئے اس نے چاند کی کرشمہ سازی دکھائی تھی۔ لیکن مقنع نے خدائی کی مسند صرف اپنے لئے ہی خالی نہیں رکھی۔ بلکہ تمام انبیاء علیہم الاسلام کو مظہر خداوندی قرار دیا اور کہا کہ خدائے قدوس سب سے پہلے آدم علیہ السلام کی صورت میں جلوہ گر ہوا اور یہی وجہ تھی کہ ملائکہ کو ان کے سجدہ کرنے کا حکم ہوا۔ ورنہ کیونکر جائز اور ممکن تھا کہ ملائکہ غیر اللہ کے سجدے کے لئے مامور ہوتے اور ابلیس اس سے انکار کرنے کی وجہ سے مستوجب عذاب اور مردود ابدی ہو

جاتا؟ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ کیونکہ بنا بر تحقیق آدم علیہ السلام فی الحقیقت مسجود نہیں تھے۔ بلکہ محض جہت سجدہ تھے۔ مقنع کہتا تھا کہ آدم علیہ السلام کے بعد حق تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی صورت میں حلول کیا۔ پھر یکے بعد دیگرے ذات خداوندی تمام انبیاء کی صورتوں میں ظاہر ہوتی رہی۔ انجام کار خدائے برتر صاحب الدولۃ ابو مسلم خراسانی کی صورت میں نمایاں ہوا اور اب رب العزۃ اسی شان سے میرے پیکر میں جلوہ فرما ہے۔ میں اس زمانہ کا اوتار ہوں۔ اس لئے ہر فرد بشر کا فرض ہے کہ مجھے سجدہ کرے اور میری پرستش کرے۔ تاکہ فلاح ابدی کا مستحق ہو۔ ہزارہا ضلالت پسند لوگ اس کے دعویٰ الوہیت کو صحیح جان کر اس کے سامنے سربسجود ہونے لگے۔ یہ شخص ابو مسلم خراسانی کو جسے خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے اس کی شوریدہ سری کی بنا پر قتل کرادیا تھا۔ حضرت سید الاولین والآخرین ﷺ سے (معاذ اللہ) افضل بتاتا تھا۔ یہ تو اس کی زندقہ شعاری کا حال تھا۔ اب اس کی تعلیمات کا اخلاقی پہلو ملاحظہ ہو۔ اس نے تمام محرمات کو مباح کردیا۔ اس کے پیرو بے تکلف پرائی عورتوں سے متمتع ہوتے تھے۔ اس کے مذہب میں مردار اور خنزیر حلال تھے۔ مقنع نے صوم وصلوٰۃ اور تمام دوسری عبادتیں برطرف کردیں۔ اس کے پیرو مسجدیں بنواتے اور ان میں مؤذن نوکر رکھتے ہیں۔ لیکن کوئی شخص وہاں نماز نہیں پڑھتا۔ البتہ اگر کوئی بھولا بھٹکا پردیسی مسلمان ان کی مسجد میں چلا جائے تو مؤذن اور مقنع کے دوسرے پیرو موقع ملنے پر اس کے خون سے ہاتھ رنگین کرکے اس کی نعش کو مستور کردیتے ہیں۔ لیکن چونکہ اسلامی حکمرانوں کی طرف سے ان پر بڑی سختیاں ہوئیں۔ اس لئے اب وہ ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔

مقنع کی ہوس استعمار اور قلعوں کی تعمیر

جب مقنع کا حلقہ مریدین بہت وسیع ہوگیا تو اس نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی تدبیریں شروع کیں۔ چنانچہ اس غرض کے لیے اس نے دو زبردست قلعے تیار کرائے۔ ایک کو دشیق کہتے تھے اور دوسرے کا نام سیام تھا۔ جو پہاڑ میں واقع تھا۔ قلعہ سیام مظبوطی میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اس کی فصیل کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سو سے زیادہ بڑی اینٹیں جو اس زمانہ میں قلعوں کی تعمیر کے لئے تیار کی جاتی تھیں دیوار کے عرض میں لگی تھیں۔ اس کے علاوہ قلعہ کے اردگرد ایک نہایت عریض خندق تھی اور قلعہ کی قوت مدافعت کا یہ عالم تھا کہ اس میں کئی سال کا سامان رسد اور اسلحہ جنگ کا بہت بڑا ذخیرہ ہر وقت مہیا رہتا تھا۔ مقنع نے اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے قلعے تعمیر کرائے اور ان میں مضبوطی سے قدم جما لئے اور نہایت بیباکی سے خراسان کے

مختلف علاقوں میں مسلمانوں کے خلاف دھما چوکڑی مچا دی۔ اس اثناء میں بخارا اور صغد میں باغیوں اور دوسرے شوریدہ سروں کی ایک جماعت پیدا ہو چکی تھی۔ جن کو مبیضہ کہتے تھے۔ گو ان لوگوں کو مقنع کی من گھڑت خدائی سے تو کوئی سروکار نہ تھا۔ لیکن اپنے سیاسی مصالح کا خیال کر کے مقنع کے ساتھ ہو گئے تھے۔ علاوہ ازیں ترکوں سے بھی مقنع کو بڑی تقویت پہنچی۔ جو اس وقت تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اسلام کے بدترین دشمن تھے اور اکثر اوقات خلافت اسلامیہ کے سرحدی علاقوں میں تاخت وتاراج کر کے بھاگ جایا کرتے تھے۔ اب مقنع اور اس کی اتحادی جماعتوں کا یہ معمول ہو گیا کہ جہاں موقع پایا مسلمانوں پر حملہ کر کے قتل وغارت کا میدان گرم کیا اور رفو چکر ہو گئے۔

پیروان مقنع سے عساکر خلافت کی صف آرائیاں

خلیفہ مہدی نے ابو نعمان جنید اور لیث بن نصر کو فوج دے کر پیروان مقنع کے مقابلہ پر بھیجا۔ لیکن اسلامی لشکر کو ہزیمت ہوئی۔ لیث کا بھائی محمد بن نصر اور اس کا برادر زادہ حسان یا تمیم اس معرکہ میں کام آئے۔ جب خلیفہ کو اس ناکامی کا علم ہوا تو اس نے ان کی کمک پر جبریل بن یحیٰ کو روانہ کیا اور باغیان بخارا و صغد کے مقابلہ میں اس کے بھائی یزید بن یحیٰ کو مامور فرمایا۔ چار مہینہ تک بخارا کے بعض قلعوں پر لڑائی ہوتی رہی۔ بالآخر عساکر خلافت مظفر ومنصور ہوئے اور بنوک شمشیر اس قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ مقنع کے سات سو پیرو نہنگ شمشیر کا لقمہ بن گئے۔ ہزیمت خوردہ لوگوں میں سے جو زندہ بچے۔ وہ بھاگ کر قلعہ سیام میں چلے گئے۔ جہاں خود مقنع موجود تھا۔ مگر جبریل نے بھی جان نہ چھوڑی۔ اعداء کا تعقب کرتا اور بھگوڑوں کو مارتا کاٹتا قلعہ سیام پر بجلی کی طرح جا کڑکا اور اس وقت تک ان کا پیچھا نہ چھوڑا جب تک وہ قلعہ میں نہ جا چھپے۔ اب خلیفہ نے ابو عون نام ایک سپہ سالار کو مقنع کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مگر جب اس نے کچھ زیادہ مستعدی اور اولوالعزمی کا ثبوت نہ دیا تو معاذ بن مسلم کو ستر ہزار فوج اور چند آزمودہ کار سپہ ساروں کے ساتھ مقابلہ کو روانہ کیا۔ معاذ بن مسلم کے مقدمۃ الجیش کا افسر اعلیٰ سعید بن عمرو حریشی تھا۔ اتنے میں ایک اور مسلمان سپہ سالار عقبہ بن مسلم بھی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ جیش موحدین میں آ شامل ہوا۔ ان دونوں نے اتفاق رائے سے طواویس کے مقام پر مقنع کے لشکر پر حملہ کیا۔ مقنع کی جمعیت پہلے ہی حملہ میں ٹوٹ گئی اور اس کے جنگ آور نہایت بے ترتیبی سے بھاگ نکلے اور سینکڑوں کھیت رہے۔ ہزیمت خوردہ فوج نے قلعہ سیام میں مقنع کے پاس جا

دم لیا۔ یہ دیکھ کر مقنع نے فوراً قلعہ بندی کی اور تمام مورچوں کو مضبوط کیا۔ معاذ بن مسلم نے پہنچتے ہی محاصرہ ڈال دیا۔ لیکن اس کے بعد خود معاذ بن مسلم اور سعید بن عمرو حریشی میں باہم سخت کشیدگی ہو گئی۔ سعید نے خلیفہ کے پاس معاذ کی شکایت لکھ بھیجی اور یہ بھی درخواست کی کہ اگر مجھے تنہا مقنع کے مقابلہ پر مامور فرمایا جائے تو میں اس کا فوراً قلع قمع کر سکتا ہوں۔ خلیفہ مہدی نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ چنانچہ سعید بن عمرو حریشی بلا مشارکت معاذ مقنع کے مقابلہ پر مستعد ہوا۔ لیکن معاذ نے پھر بھی بے نفسی سے کام لیا اور اسلامی عزت و ناموس کا لحاظ کر کے اپنے بیٹے کو سعید کی مدد پر بھیج دیا۔ کاش ہمارے مسلمان لیڈر معاذ کی مثال سے سبق آموز ہو کر اسلامی مفاد کو ذاتیات پر قربان کرنے کی عادت مذموم چھوڑ دیں۔

ملتان سے دس ہزار کھالوں کی روانگی

سعید حریشی زمانہ دراز تک اس کوشش میں منہمک رہا کہ کسی طرح اسلامی لشکر خندق کو عبور کر کے فصیل قلعہ تک پہنچے۔ لیکن کوئی کوئی تدبیر سازگار نہ ہوئی۔ مساعی تسخیر کو شروع ہوئے متعدد سال گزر گئے۔ لیکن ہنوز روز اوّل تھا۔ اس اثناء میں اسلامی لشکر کو بہت سا جانی اور مالی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ کیونکہ موسمی خرابیوں کے علاوہ سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ مقنع کے پیرو اسلامی لشکر پر جو کھلے میدان میں محاصرہ کئے پڑا تھا۔ ہر وقت قلعہ سے تیر چلاتے اور سنگ باری کرتے رہتے تھے۔ لیکن باایں ہجوم مشکلات، سعید نے ہمت نہ ہاری اور اپنی جدوجہد کو نہایت اولوالعزمی کے ساتھ جاری رکھا۔ اب اس نے لوہے اور لکڑی کی بہت لمبی لمبی سیڑھیاں بنوانے کا انتظام کیا تا کہ سیڑھیوں کو خندق کے دونوں سروں پر رکھ کر پار ہو جائیں۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ کیونکہ خندق کی چوڑائی مسلمان انجینئروں کے اندازہ سے زیادہ نکلی۔ اب سعید نے خلفیہ مہدی کو لکھا کہ ہزار جتن کئے۔ لیکن قلعہ تک رسائی نہیں ہو سکی۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ خندق کو پاٹ دیا جائے۔ ان دنوں ہندوستان میں صوبہ سندھ اور پنجاب کا جنوبی حصہ خلافت بغداد کے زیر نگین تھا۔ خلیفہ نے اپنے عامل سندھ کو لکھا کہ گائے بیل اور بھینس کی جس قدر کھالیں فراہم ہو سکیں جلد ان کے بھجوانے کا انتظام کیا جائے۔ شائد اس زمانہ میں اسلامی قلمرو میں بوریاں نہ ملتی ہوں گی۔ ورنہ ریت بھرنے کے لئے بوریاں کھالوں سے زیادہ کارآمد تھیں۔ فرمان خلافت کے بموجب ملتان سے گائے بیل اور بھینس کی دس ہزار کھالیں بھیج دی گئیں۔ سعید نے ان کھالوں میں ریت بھروا کر ان کو خندق میں ڈلوانا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد خندق پٹ گئی

اور محاصرین قلعہ کے پاس پہنچ گئے۔اب حصار شکن آلات سے کام لیا جانے لگا اور اس کے ساتھ ہی قلعہ پر حملے شروع کر دیے گئے۔ مقنع کے پیروؤں نے گھبرا کر مخفی طور پر امان طلب کی۔ سعید نے امان دے دی۔ چنانچہ تیس ہزار آدمی قلعہ کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔ اب مقنع کے پاس صرف دو ہزار جنگ آور باقی رہ گئے۔

مقنع کی خدائی کا خاتمہ

جب سعید نے محاصرہ میں زیادہ سختی کی تو مقنع نے اپنی ہلاکت کا یقین کر کے اپنے اہل وعیال کو جمع کیا اور بقول بعض مورخین جام زہر پلا پلا کر سب کو نذر اجل کر دیا اور انجام کار خود بھی زہر کا پیالہ پی لیا۔ مرتے وقت اپنے عقیدت مندوں سے کہنے لگا کہ بعد از مرگ مجھے آگ میں جلا دینا۔ تاکہ میری لاش دشمن کے ہاتھ میں نہ جائے۔ لشکر اسلام نے قلعہ میں داخل ہو کر مقنع کا سر کاٹ لیا اور خلیفہ کے پاس حلب بھیج دیا اور بعض کہتے ہیں کہ قلعہ میں جس قدر چوپائے اور مال واسباب تھا۔ پہلے اس کو جلانے کا حکم دیا۔ پھر ساتھیوں سے کہا کہ جس شخص کو اس بات کی خواہش ہو کہ میرے ساتھ خلد بریں میں پہنچ جائے۔ وہ اس آگ میں میرے ساتھ کود پڑے۔ سب خوش اعتقادوں نے حکم کی تعمیل کی اور آگ میں کود کے خاک سیاہ ہو گئے۔ جب لشکر اسلام قلعہ میں داخل ہوا تو کسی انسان یا چارپایہ کا نام ونشان نہ پایا۔ یہ ۱۶۳ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے اکثر پیرو جو اکناف ملک میں زندہ رہ گئے۔ مقنع کی تباہی اور فقدان سے اور زیادہ فتنے میں پڑے اور یہ اعتقاد کر بیٹھے کہ مقنع آسمانوں پر چلا گیا ہے۔ ماوراء النہر میں مقنع کے پیروؤں کو مبیضہ کہتے تھے۔ امید نہیں کہ آج تک ان کا کوئی اثر باقی ہوگا۔

کتاب ''صواعق محرقہ'' میں مقنع کے ہلاک ہونے کی ایک اور دلآویز حکایت لکھی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ جب مقنع محاصرے سے تنگ آ گیا تو بہت سی آگ جلائی اور اپنے ساتھیوں کو خوب شراب پلائی۔ جب وہ نشے میں مدہوش ہو گئے تو انہیں موت کے گھاٹ اتار کر آگ کے بلند شعلوں میں جھونکتا گیا۔ پھر خود ایک بڑی دیگ میں تیزاب بھر کر اس میں بیٹھ گیا اور تیزاب کی تاثیر سے تحلیل ہو کر بے نام ونشاں ہو گیا۔ محاصرین کو ابھی تک یہ گمان تھا کہ تمام محصورین قلعہ میں موجود ہیں۔ ایک عورت بیماری کی وجہ سے قلعہ کے ایک کونے میں دبکی پڑی تھی۔ جب اسے افاقہ ہوا تو قلعہ میں تنہائی سے گھبرائی اور دیوار پر چڑھ کر محاصرین کو پکارا کہ قلعہ میں میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ سپاہی سیڑھیاں لگا کر دیواروں پر چڑھ گئے اور قلعے کے دروازے کھول دیے۔ لشکر اسلام قلعے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ واقعی قلعہ خالی ہے۔ مقنع کے بعض معتقد جو

پہلی لڑائیوں میں اس سے علیحدہ ہو گئے تھے سن کر نہایت تاسف کرنے لگے کہ وہ فی الحقیقت خدا تھا۔ افسوس کہ ہم نے آخر تک اس کا ساتھ نہ دیا۔ ورنہ ہم بھی اسی کے ساتھ آسمانوں پر چڑھ جاتے۔ مقنع کی آتش فتنہ چودہ سال تک شعلہ زن رہ کر ۱۶۳ھ میں منطفی ہوئی۔

(تاریخ طبری عربی ج ۴ ص ۵۲۶، تاریخ ابن خلدون عربی ج ۳ ص ۲۱۴، الفرق بین الفرق ص ۱۹۹)

باب ۱۷ ...... عبداللہ بن میمون اہوازی

عبداللہ بن میمون اہواز کا رہنے والا تھا جو مضافات کوفہ میں ہے۔ فنون شعبدہ، سحر وطلسمات میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ نبوت ومہدویت کا مدعی تھا۔ اوائل میں حضرت امام جعفر صادقؒ اور ان کے صاحبزادہ اسماعیل کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ اسماعیل کی رحلت کے بعد ان کے فرزند محمد کے پاس رہنے لگا۔ چنانچہ ان کے ساتھ مصر بھی گیا تھا۔ اس نے محمد کے انتقال کے بعد ان کے غلام مبارک نام کو اس غرض سے کوفہ بھیجا کہ لوگوں کو مذہب اسماعیلیہ کی دعوت دے۔ وہاں وہ مذہب اسماعیلی کے داعی کی حیثیت سے مدت تک کام کرتا رہا۔ اس اثناء میں عبداللہ بھی پہلے کوہستان عراق میں اور پھر شہر بصرہ میں جا کر اسماعیلی مذہب کی اشاعت وترویج میں کوشاں رہا۔

اسماعیلیہ اور شیعہ اثنا عشریہ کا اختلاف

موقع کی رعایت سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اسماعیلیہ اور شیعہ اثنا عشریہ کا اختلاف امامت بھی بیان کر دیا جائے۔ امام جعفر صادقؒ کے دو صاحبزادے تھے۔ بڑے اسماعیلؒ جنہوں نے پدر بزرگوار کی زندگی میں امانت حیات ملک الموت کے سپرد کی۔ دوسرے امام موسیٰ کاظمؒ جو اثناء عشریہ کے نزدیک امام جعفر صادقؒ کے بعد امام ہوئے اور جن کی نسل سے شیعہ لوگ بارہ اماموں کا سلسلہ پورا کرتے ہیں۔ لیکن اسماعیلیہ امام جعفر صادقؒ کے بعد ان کے بڑے بیٹے اسماعیل کو امام برحق تسلیم کرتے ہیں۔ جب ان پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اسماعیل بن امام جعفر صادقؒ تو اپنے والد ماجد کے عین حیات رحمت الٰہی کے جوار میں چلے گئے تھے۔ ایسی حالت میں ان کی جانشینی بالکل بے معنی ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ امامت پہلے امام کی زندگی میں بھی دوسرے کی طرف منتقل ہو سکتی ہے۔ اسماعیلیہ اسماعیلؒ کے بعد محمد بن اسماعیلؒ کو امام برحق مانتے ہیں اور امام موسیٰ کاظمؒ کی امامت کے منکر ہیں۔ عبداللہ اہوازی پہلے تو کچھ مدت تک لوگوں کو خالص اسماعیلی مذہب کی دعوت دیتا رہا۔ لیکن بعد کو اس نے اس مسلک میں

کچھ ترمیمیں کر کے اس میں الحاد و بید ینی کے جراثیم داخل کر دیئے اور پھر تھوڑے عرصہ کے بعد اپنی نبوت و مہدویت کا بھی ڈھنڈورہ پیٹنے لگا۔

باطنی طریقہ کی بناو تاسیس

مشہور یہ کہ عبداللہ بن میمون ہی باطنی فرقہ کا بانی ہے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ باطنی کفریات کا بانی و موسس دراصل عبداللہ کا باپ میمون بن دیصان معروف بہ قداح اہوازی مجوسی تھا۔ جو امام جعفر صادقؒ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ یہ شخص در پردہ اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ جب اسے والئی عراق نے کسی جرم میں قید کیا تو اس نے عزم صمیم کر لیا کہ جس طرح پولس نے مسیحیت میں کفر و شرک کی آمیزش کر کے اس کو بگاڑ دیا تھا۔ اسی طرح اسلام میں بھی الحاد و زندقہ کے جراثیم داخل کر کے اس کو بگاڑ دیا جائے۔ چنانچہ اس جذبہ کے ماتحت اس نے قید خانہ ہی میں باطنی مسلک کے اصول قائم کیے۔ قید سے رہا ہونے کے بعد میمون نے اپنے بیٹے عبداللہ کو پہلے تو شعبدہ بازی اور ڈھٹ بندی کی اور پھر اپنے ملحدانہ مسلک کی تعلیم دی۔ اس سے پیشتر عبداللہ نے مسلمان ہو کر اسماعیلی مذہب اختیار کر رکھا تھا اور اسماعیلی مذہب کا نہایت سرگرم رکن تھا۔ عبداللہ کو باپ کے وضع کئے ہوئے باطنی اصول پسند آئے اور اس نے اسماعیلی مذہب کو خیر باد کہہ کر باپ کا طریقہ اختیار کر لیا اور باطنی مسلک کی دعوت و تبلیغ شروع کر دی۔ اب عبداللہ نے اپنے باطنی پیرووں کو باپ کی نسبت سے میمونیہ کہنا شروع کیا۔ لیکن وہ باطنیہ کے نام سے موسوم کئے جانے لگے اور اسی نام سے دنیا میں مشہور ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد عراق میں ان کو قرامطہ اور مزدکیہ اور خراسان میں مزدکیہ اور ملحدہ بھی کہنے لگے۔ عبداللہ نے باطنی مذہب کی ترویج کے لئے خلف نام ایک زیرک ولسان شخص کو اپنے نائب کی حیثیت سے خراسان، کاشان، طبرستان اور قم کی طرف روانہ کیا۔ خلف نے وہاں کے لوگوں کو مذہب میمونیہ کی دعوت دی اور کہا کہ اہل بیت اطہار کا یہی مسلک ہے۔ نام نہاد مسلمانوں نے اپنی طرف سے مذہب تراش لئے ہیں۔ تکلفات اور تشریعات کی تنگی میں پھنس گئے ہیں اور لذائذ و نفاس سے محروم ہو رہے ہیں۔ جب روسائے اہل سنت کو اس کی مغویانہ سرگرمیوں کا علم ہوا تو اسے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ رے کی طرف بھاگ نکلا۔ لیکن وہاں کچھ مدت تک بے تعرض اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہ کر موت سے ہم آغوش ہو گیا۔ احمد اس کا جانشین مقرر ہوا۔ احمد بن خلف نے اس زمانہ کے ایک مشہور شاعر غیاث نام کو جو علوم عقلیہ اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ چالاکی اور غداری میں بھی سر آمد روزگار تھا۔ ۲۰۲ھ میں باطنی مذہب کا داعی مقرر کر کے عراق کی طرف بھیجا۔ غیاث نے پہلے پہل اصول مذہب باطنیہ میں ایک کتاب

تصنیف کر کے اس کا نام البیان رکھا۔ اس کتاب میں باطنی مذہب کے مطابق صوم، صلوٰۃ، وضو، حج، زکوٰۃ وغیرہ احکام کے معانی بیان کر کے ان پر بزعم خود شواہد لغت قائم کیے۔ البیان میں لکھتا ہے کہ شارع علیہ السلام کی مراد وہی ہے جو باطنی بیان کرتے ہیں اور مولویوں نے جو کچھ سمجھا ہے غلط محض ہے۔ غیاث کی کوششوں سے باطنی مذہب کو بڑی رونق نصیب ہوئی۔ آزاد خیال لوگوں کو یہ نیا طریقہ جو کمال درجہ کی آزادی اور بیباکی سے ہم کنار تھا۔ بہت پسند آیا۔ ہزار ہا آدمی اس کے معتقد ہو گئے اور اطراف و اکناف ملک میں اس کی دعوت کا غلغلہ بلند ہوا۔ اس وقت سے تشیع میں الحاد و فلسفہ کی مزید آمیزش شروع ہوئی۔ سینکڑوں "خوش اعتقاد" اس کے حلقہء درس میں روزانہ شامل ہوتے تھے۔ اس نے علماء اہل سنت سے مناظرے کیے۔ مگر ہر میدان میں شکست کھائی۔ تاہم اس کی مفسدہ انگیزی روز افزوں ترقی پذیر رہی۔ اس اثناء میں کسی نے اس سے کہہ دیا کہ رؤسائے اہل سنت تجھے گرفتار کرنے کی فکر میں ہیں۔ یہ سن کر وہ مرو کی طرف بھاگ گیا اور مخفی طور پر اشاعت مذہب میں سرگرم رہا۔ مدت کے بعد پھر رے کا قصد کیا۔ لیکن راستے میں مر گیا۔ عبداللہ بن میمون اس کے مرنے کی خبر سن کر ایسا مغموم ہوا کہ بیمار ہو گیا۔ آخر جانبر نہ ہو سکا اور توسن حیات کی باگ عالم آخرت کی طرف پھیر دی۔

باطنی فرقہ کے اصول وعقاید

اسماعیلی مذہب چھوڑنے کے بعد عبداللہ بن میمون نے جس باطنی طریقہ کی دعوت کی طرح ڈالی۔ اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ نصوص کے ظاہر الفاظ پر عمل کرنا حرام اور ان کے باطن پر عمل کرنا فرض ہے۔ چونکہ تمام نصوص میں تحریف کرتا تھا۔ اس لئے حشر ونشر اور جزاء وسزا کا بھی منکر ہو گیا۔ باطنیہ کے نزدیک شرائع اسلام کے جس قدر احکام وارد ہوئے ہیں۔ ان کے ظاہری معنی قطعاً مراد نہیں۔ بلکہ وہ ہر آیت قرآنی کی اپنی مرضی کے مطابق ایسی بے ہودہ ولچر تاویل کرتے تھے جسے ظاہری الفاظ سے کوئی لگاؤ نہ ہوتا تھا۔ باطنیوں کی زندہ مثال آج کل کے مرزائی ہیں۔ لیکن مرزائیوں اور باطنیوں میں یہ فرق ہے کہ مرزائی تو عموماً انہی آیتوں اور روایتوں میں تحریف وتبدیل کرتے ہیں جو مرزائی ہفوات کے خلاف ہیں۔ بالخصوص مرزا غلام احمد قادیانی کی خانہ ساز مسیحیت پر پانی پھیرنے والی ہیں اور دوسرے مرویات کو انہوں نے بے تعرض علی حالہا چھوڑ دیا ہے اور اہل سنت وجماعت کی طرح ان کے ظاہری الفاظ سے جو معنی سمجھ میں آتے ہیں۔ زیادہ تر انہی کو واجب العمل ٹھہرایا ہے۔ لیکن باطنیوں کے نزدیک تمام احکام ماؤل ہیں اور کسی آیت وروایت سے وہ مطلب مراد نہیں جو ظاہری الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے۔ بلکہ ان سے باطنی رموز واشارات مراد

ہیں۔ جو امام معصوم کی تعلیم ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ باطنیہ کہتے ہیں کہ شریعت کا ایک ظاہر ہوتا ہے جسے منزیل کہتے ہیں اور ایک باطن ہے جو تاویل کہلاتا ہے۔ ظاہر باطن نہیں جس کا ظاہر نہیں۔ ورنہ وہ محض خیالی ہے۔ چنانچہ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ مگر ظاہر جو لغت سے مفہوم ہوتا ہے۔ ہرگز قابل اعتقاد و عمل نہیں۔ بلکہ حقیقی مقصود اور قابل اعتقاد و عمل وہی ہے جو اس کا باطن ہے۔ مثلاً نماز کا باطن امام وقت کی اطاعت ہے۔ روزہ کا باطن یہ ہے کہ اپنے مذہب و مسلک کو اغیار سے مخفی رکھا جائے اور حج کا باطن امام کے حضور میں پہنچنا ہے۔ باطنیہ نے احکام شرعی میں جو جو تحریفیں کیں۔ وہ ان کی کتابوں میں بطور مصطلحات فقہ شرح وسط سے مذکور ہیں۔ جن میں سے بعض ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

الفاظ	وہ معنی جو باطنیہ نے مراد لئے
ملائکہ	باطنی فرقہ کے داعی و مناد
جبرائیل	محمد کی عقل و فراست
شیاطین	ظاہر پر عمل کرنے والے
جن	گنوار لوگ
نبی	ناطق حق
وحی	اساس حق گوئی
قیامت	کسی چیز کا اپنی اصل کی طرف عود کرنا
جنت	جسمانی راحت
دوزخ	جسمانی تکلیف
کعبہ	محمدؐ
باب	علیؓ
تلبیہ	اجابت مدعو
طواف	آئمہ طاہرین کے گھر
میقات	وقت اجابت
صفا	محمدؐ

مردہ	وصی
نارابراہیمؑ	نمرود کے غصہ کی آگ
ذبح اسماعیلؑ	اسماعیلؑ سے جدید عہد لیا گیا۔
یاجوج ماجوج	علمائے ظاہر
طوفان نوحؑ	کثرت علم نوحؑ
کشتی نوحؑ	جزیرہ جس میں امت نوحؑ محصور ہوئی
عصائے موسیٰؑ	موسیٰ کی دلیل وحجت
اذان	لوگوں کو امام کی اطاعت پر آمادہ کرنا
نماز	امام سے موالات کرنا
نماز باجماعت	متابعت امام معصوم
حج	امام کی زیارت کے لئے جانا
روزہ	امام کا راز افشاء نہ کرنا
زکوٰۃ	دل کی صفائی اور پاکیزگی
غسل	توبہ کر کے امام سے دوبارہ عہد کرنا
وضو	امام سے آئین مذہب حاصل کرنا
تیمم	امام کی غیبت میں نقیب سے آئین مذہب حاصل کرنا
زنا	بلا عہد و میثاق افشائے سر امام باطنیہ
احتلام	نادانستہ اغیار سے افشائے راز کرنا
جنابت	بھید ظاہر کرنا
مسیح کا مردے زندہ کرنا	دلوں کو علم وہدایت سے زندہ کیا۔

(الفرق بین الفرق ص ۲۲۳)

باطنیہ نے اسی طرح سے صدہا مسائل میں ظاہر کی باطنی تاویل وتحریف کی ہے۔اس تحریف کاری نے دین حنیف کو بالکل ایک موہوم چیز اور موم کی ناک اور بچوں کا کھیل بنا دیا۔ان تحریفات سے بالکل عیاں ہے کہ ان باطنی ملاعنہ سے تو یہود ونصاریٰ ہزار درجہ اچھے تھے۔جو

ملائکہ، قیامت، جنت، دوزخ، شیاطین، وحی، نار ابرہیم، طوفان نوح، کشتی نوح، اعصائے موسیٰ وغیر ذالک من الامور! کو اسی رنگ میں تسلیم کرتے ہیں۔ جس طرح اہل ایمان کا عقیدہ ہے۔ باطنیہ کہتے تھے کہ ظاہر بمنزلہ پوست کے اور باطن بمنزلہ مغز کے ہے۔ اس لئے ہم پوست کو چھوڑتے اور اس کے مغز کو لے لیتے ہیں۔ لیکن اس زندقہ پسندی نے تمام قرآن اور مجموعہ احادیث نبویہ کو بالکل بیکار کر دیا۔ اہل سنت و جماعت کے نزدیک احکام و نصوص کے ظاہری الفاظ سے جو کچھ لغت کی رو سے سمجھ آتا ہے۔ وہ بتمامہا واجب العمل ہے۔ اہل حق کے نزدیک دین الٰہی ظاہر ہے جس کا کوئی باطن نہیں۔ باوجود اس کے رموز و اشارات بھی ہیں جو ظاہری الفاظ کے منافی نہیں۔ مثلاً موسیٰ اور فرعون کا وجود اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے اور جو واقعات ان کے باہم رونما ہوئے وہ بھی مسلم ہیں۔ باوجود اس کے اگر کوئی شخص ان وقائع سے مثلاً روح و نفس کا قضیہ مراد لے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر یہ کہنا کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا کوئی وجود ہی نہ تھا اور قرآن میں جہاں کہیں موسیٰ اور فرعون کی آویزش کا ذکر ہے۔ وہاں روح اور نفس ہی کی کشمکش مراد ہے بالکل لغو اور صریح کفر و بے دینی ہے۔

باطنیہ کے بعض دوسرے عقاید

باطنیوں نے خالق کردگار کو صفات الوہیت سے عاری قرار دے کر رب العالمین کو بالکل بیکار اور معطل بنا دیا۔ کہتے تھے کہ اگر ذات باری کو صفات سے متصف مانا جائے تو تشبیہ لازم آئے گی اور خالق، مخلوق کے مشابہ ہو جائے گا۔ پس ان کے زعم میں خدا کو مثال کے طور پر صفت وجود کے ساتھ متصف نہ کرنا چاہیے۔ یعنی اسے موجود نہ ماننا چاہیے۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ وہ معدوم نہیں ہے۔ اسی طرح اسے قادر، عالم، حی، کے صفات سے بھی موصوف نہ ماننا چاہیے۔ بلکہ یوں کہنا مناسب ہے کہ وہ عاجز نہیں۔ جاہل نہیں۔ میت نہیں اور اگر خدا کو اس لحاظ سے قادر کہا جائے کہ اس نے دوسروں کو قدرت عطا کی تو جائز ہے۔ لیکن اگر اسے اس اعتبار سے قادر کہیں کہ اس میں قدرت ہے تو ایسا کہنا شرک ہے۔ اسی طرح خدا کی طرف صفات کی نسبت محض اس وجہ سے کی جا سکتی ہے کہ اس نے مخلوق کو وہ صفتیں عطا کیں اور اگر اس عقیدہ سے یہ صفتیں اس کی طرف منسوب کی جائیں کہ اس میں وہ صفتیں پائی جاتی ہیں تو ایسی نسبت ان کے نزدیک معصیت ہے۔ باطنیہ کو معجزات انبیاء سے بھی انکار ہے۔ وہ ہنود کی طرح قیامت کے منکر اور تناسخ کے قائل ہیں۔ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے پہلے بھی بہت بشر گذر چکے ہیں۔ دنیا کو ہنود کی طرح حادث نہیں بلکہ قدیم مانتے ہیں۔ بہن بیٹی سے شادی کرتے ہیں۔ چنانچہ قروانی باطنی نے سلیمان بن حسن کو

اپنے ایک رسالہ میں لکھا کہ مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے جو صاحب عقل و خرد ہونے کا مدعی ہو اور اس کے گھر میں حسینہ و جمیلہ بہن و بیٹی ہو تو خود اس سے شادی نہ کرے اور اجنبی لوگوں کے حوالے کر دے۔ اگر یہ جاہل جانتا کہ وہ اپنی بہن یا بیٹی کا خود سب سے زیادہ مستحق ہے تو کسی اجنبی کو کبھی تفویض نہ کرتا۔ قیروانی نے یہ بھی لکھا کہ اصحاب شریعت نے لوگوں کو خواہ مخواہ نماز، روزہ، حج وغیرہ قسم کے جھمیلوں میں پھنسا رکھا ہے اور ناحق طرح طرح کی پابندیاں عائد کر کے خلق خدا کو لذات و تنعمات سے محروم کر رہے ہیں۔ (الفرق بین الفرق ص ۲۲۴، ۲۲۵)

یہ لوگ ہر عورت کو بلا نکاح حلال سمجھتے ہیں۔ جو حج کرے یا نماز پڑھے اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان عقائد و اعمال سے قارئین کرام اس نتیجہ پر پہنچے ہوں گے کہ باطنی لوگ دہریوں اور بت پرستوں سے بھی بدتر ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ بھی کسی اخلاق کے پابند ہوتے ہیں۔ لیکن باطنی ملاحدہ ساری دنیا سے گئے گذرے ہیں۔

باطنیوں کے طریق ہائے دعوت

باطنیہ نے اپنی دعوت و تبلیغ کے لئے کئی قسم کے حیلے اختیار کر رکھے تھے اور انہوں نے مرزائیوں کی طرح تمام ملک میں پروپگنڈے کا زبردست جال بچھا رکھا تھا۔ داعی کے لئے یہ لازمی شرط تھی کہ وہ فن تلبیس کا پورا ماہر ہو۔ اس میں ظاہر کو ماؤل کر کے باطن کی طرف پھیرنے کی کامل استعداد ہو۔ دعاۃ کو ہدایت تھی کہ وہ کسی ایسے گھر میں داخل نہ ہوں جہاں چراغ جل رہا ہو۔ یعنی کسی ایسی جگہ تبلیغ نہ کریں جہاں علم کلام کا کوئی عالم موجود ہو۔ کیونکہ کسی متکلم کی موجودگی میں باطنی دعوت کے پنپنے کی کوئی امید نہ تھی (کلام اس علم کا نام ہے جس میں اسلامی اصول و عقائد کو عقلی دلائل و براہین سے ثابت کیا جاتا ہے) ان کو یہ ہدیت تھی کہ بنجر زمین میں تخم ریزی نہ کریں۔ یعنی کسی ایسے ذی علم راسخ الاعتقاد مسلمان کے سامنے اپنے ملحدانہ خیالات کا اظہار نہ کریں جس کے اثر پذیر ہونے کی امید نہ ہو۔ وہ اس کے بھی مامور تھے کہ آغاز دعوت سے پہلے اس امر کی خوب تحقیق کر لیا کریں کہ ان کا زیر تبلیغ آدمی کن خیالات و عقائد کا دلدادہ ہے۔ پھر یہ دعوت اصناف بھی ایک طرح پر نہ تھی۔ جو شخص جن جذبات و امیال کا پیرو ہوتا تھا۔ اس سے انہی مسائل میں گفتگو کر کے اس کو باطنی الحاد کی ترغیب دی جاتی تھی۔ پس جس شخص کو داعی دیکھتا تھا کہ عبادات کی طرف مائل ہے تو اس پر زہد و عبادت ہی کا جال پھینکتا۔ پھر اس سے عبادات کے معانی اور فرائض کے علل و وجوہ دریافت کرتا اور اسی بحث و تمحیص میں اس کو ورطہ شبہات میں ڈال دیتا تھا اور جس کو دیکھتا کہ شوخ طبع اور بیباک ہے۔ اس سے کہتا کہ عبادت خواہ مخواہ کی زحمت بلکہ حماقت ہے۔ عقل

مند آدمی کا فرض ہے کہ حصول لذات میں کوتاہی نہ کرے اور جس کو دیکھتا کہ اسے دین کے متعلق کچھ شکوک ہیں یا معاد اور ثواب وعقاب میں کچھ خلجان ہے تو اس کے سامنے صراحتہً ان چیزوں کی نفی کرتا۔ اسے استباحت حرمات کی ترغیب دیتا اور اس کے سامنے اس قسم کے اشعار پڑھنے لگتا:

أأترک لذة الصہباء صرفا
لما وعدوه من لحم و خمر
حیاۃ ثم موت ثم نشر
حدیث خرافۃ یا ام عمرو

جس کسی کو دیکھتا کہ غلاۃ رافضہ میں سے ہے۔ مثلاً اس کا تعلق سبابیہ، بیانیہ، منصوریہ یا خطابیہ میں سے کسی جماعت سے ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا اور اس کے سامنے آیات واحادیث کی باطنی تاویلیں پیش نہ کرتا۔ کیونکہ وہ لوگ خود ہی ضلالت وکجروی کے بموجب تاویل وتحریف کے ورطہ میں پڑے ہیں۔ البتہ اگر دیکھتا کہ روافض میں سے زیدی یا امامی ہے۔ صحابہ کرامؓ پر طعن وتشنیع کرنے سے خوش ہوگا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف وشنام گوئی کی غلاظت اچھالنے لگتا۔ اس کو تاکید کرتا کہ بنی تیم اور بنی عدی کے بغض میں ثابت قدم رہے۔ (بنو تیم قریش کے ایک قبیلہ کا نام ہے جس میں امیر المومنین ابوبکرؓ پیدا ہوئے اور بنو عدی امیر المومنین عمر فاروقؓ کے قبیلہ کا نام تھا) اور اسے اسماعیل بن عباد رافضی کے یہ شعر پڑھ کر اپنی مائل طرف کرتا:

دخول النار فی حب الوصی
وفی تفضیل اولاد النبیؐ
احب الی من جنات عدن
أخلدھا بتیم او عدی

علامہ عبدالقاہر بغدادی نے ان اشعار کا یہ جواب دیا ہے:

أتطمع فی دخول جنات عدن
وانت عدو تیم او عدی
وھم ترکوک أشقی من ثمود
وھم ترکوک أفضح من دعی
وفی نار الجحیم غداً متصلے
أزا عاداک صدیق النبی

اور باطنی داعی جس کسی کو حضرات شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی طرف مائل دیکھتا تو اس پر حضرات شیخینؓ کی مدح وستائش کے پھول برسانے لگتا اور کہتا کہ تاویل شریعت میں بھی ایک خاص خط ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تاویل ہی کا علم حاصل کرنے کے لئے مکہ معظمہ سے غار تک اور غار سے مدینہ منورہ تک حضرت سید المرسلین ﷺ کی مصاحبت اختیار کی۔ اور جب شیخینؓ کا محبّ تاویل مذکور کے متعلق سوال کرتا تو وہ اس سے حلف اور عہد و میثاق لیتا کہ جو کچھ اسے بتایا جائے اسے کسی کے سامنے ظاہر نہ کرے گا۔ پھر اس پر علی التدریج بعض تاویلیں ظاہر کرتا۔ اگر وہ اس تاویل کو قبول کر لیتا۔ تو اسے باقی ماندہ تاویل بھی بتا دیتا۔ ورنہ اسی میں الجھا کر ارکان شریعت میں شکوک اور وساوس پیدا کر دیتا۔ یہاں صرف چند طرق اضلال نمونۃً عرض کئے گئے ہیں۔ جو حضرات باطنیہ کی اغوا کوشیوں کے مزید نظائر پر مطلع ہونا چاہیں۔ وہ کتاب الفرق بین الفرق صفحات ۲۲۲، ۲۲۷ کا مطالعہ فرمائیں۔

ہندوستان میں باطنیہ کی فتنہ پرور دعوت

اہل ایمان کو دین حنیف سے نافرو رمیدہ کرنے کا ایک باطنی ہتھکنڈا یہ تھا کہ وہ جس مقام پر دیکھتے کہ مسلمان کمزور اور قلیل التعداد ہیں اور کوئی اسلامی حکومت بھی ان کی فریاد رسی کے لئے موجود نہیں۔ وہاں اسلام کے مذہبی شعائر کا مضحکہ اڑاتے۔ کسی کو نماز پڑھتا دیکھتے تو اس کی نقلیں اتارنے لگتے۔ اگر کوئی مومن عازم بیت اللہ ہوتا تو ارکان حج کی نقالی کر کے اسے عزم حج سے باز رکھنے کی کوشش کرتے۔ باطنیہ کی دعوت کا جال فارس، عراق اور خراسان سے گزر کر ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا۔ ہندوستان میں شہر ملتان ان کا بڑا مرکز تھا۔ یہاں ان لوگوں کی بڑی اکثریت تھی اور مسلمان بہت اقلیت میں تھے۔ یہاں بھی باطنیہ نے مسلمانوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ کسی مسلمان کی مجال نہ تھی کہ وہ ان اعمال کو جو باطنی مشرب کے خلاف تھے انجام دے سکے یا مسلمانوں کو اتنی آزادی ہو کہ جمعہ، عیدین یا دوسرے اسلامی شعائر علانیہ ادا کر سکیں۔ آخر خداوند عالم نے سلطان محمود غزنوی کو ابر رحمت کی طرح ہندوستان بھیج دیا۔ جب سلطان نے ملتان فتح کیا اور یہاں کے باطنیوں کی چیرہ دستیاں اور ظلم آرائیاں اس کے گوش زد ہوئیں تو اس نے باطنی شیاطین دعوت کو جو خمیر مایہ فساد تھے گرفتار کر کے عفریت شمشیر کے حوالے کر دیا اور دوسرے باطنیوں کا جو ان کے معاون و شریک کار تھے بایاں بایاں ہاتھ کٹوا کر حکم دیا کہ خبردار! آئندہ کسی کے مذہب میں ایسی بے جا مداخلت نہ کرنا۔ سلطان محمودؒ ملتان کے فرمانروا ابوالفتح لودھی کو جو باطنی المشرب تھا گرفتار کر کے اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔ یہی وہ شخص تھا جس کی شہ پا کر

شعائر اللہ کی توہین کی جاتی تھی اور ملت حنیفی باطنی ملاحدہ کے ہاتھوں یتیمی اور کسمپرسی کے حصار میں گھری ہوئی تھی۔ (ایضاً ص ۲۱۹، ۲۱۷)

باب ۱۸ ...... بابک بن عبداللہ خرمی

پیدائش اور طفولیت

بابک کا باپ جسے عبداللہ کہتے تھے۔ مدائن کا ایک تیلی تھا۔ اس نے آذربیجان کی سرحد پر ایک گاؤں میں جو بلال آباد کے نام سے موسوم ہے۔ سکونت اختیار کر لی تھی۔ بابک کا باپ عالم شباب میں اپنی پیٹھ پر تیل کا برتن رکھ کر برستاق کے دیہات میں تیل بیچا کرتا تھا۔ اس اثناء میں ایک عورت سے اس کی آشنائی ہو گئی۔ اور ناجائز تعلق عرصہ دراز تک قائم رہا۔ ایک مرتبہ اس عورت کے گاؤں کی چند عورتیں اپنی بستی سے نکل کر کسی طرف جا رہی تھیں۔ راستہ میں انھیں پیاس لگی تو پانی پینے کے لئے ایک چشمہ پر گئیں۔ وہاں پہنچ کر کچھ ترنم کی سی آواز سنائی دی۔ یہ عورتیں اس آواز پر گئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ وہی تیلی ان کے گاؤں کی عورت سے رنگ رلیوں میں مصروف ہے اور پاس شراب رکھی ہے۔ یہ دفعتہً ان کے سر پر جا پہنچیں۔ تیلی بھاگ گیا۔ اس عورت کو انہوں نے بالوں سے پکڑ لیا۔ کھینچتی ہوئی اپنے گاؤں کو لائیں اور اسے بستی والوں سے بری طرح ذلیل کرایا۔ اس کے بعد تیلی نے اس کے باپ سے عقد تزویج کی درخواست کی۔ چنانچہ اس عورت سے اس کا باقاعدہ نکاح ہو گیا اور اس کے بعد بابک متولد ہوا۔ پس ظاہر ہے کہ جن مورخوں نے بابک کو ولد الزنا لکھا ہے۔ انہوں نے غلطی کی ہے۔ کیونکہ بابک کا تولد نکاح سے پہلے تعلقات کا نتیجہ نہ تھا۔ بابک کی پیدائش کے تھوڑے ہی دن بعد اس کا باپ کوہ سبلان کو گیا اور وہیں مارا گیا۔ اب بابک کی ماں دایہ گیری کا کام کرنے لگی۔ بابک نے ہوش سنبھالا تو گائیں چرانے پر نوکر ہو گیا۔ جب دس سال کا تھا تو ایک مرتبہ اس کی ماں دوپہر کے وقت اس کے پاس چراگاہ میں گئی تو دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے سویا ہے۔ لیکن کپڑا کھل جانے سے برہنہ ہو رہا ہے۔ جب اس کی ماں قریب گئی تو اس کے سینہ اور سر کے ہر بن مو کو خون آلودہ پایا۔ اس نے بابک کو بیدار کیا۔ وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ماں نے جو خون دیکھا تھا اس کا تذکرہ کیا۔ لیکن اب اس کے بالوں خون کا نام و نشان نہ تھا۔ اس کی ماں کا بیان ہے کہ میں نے اس واقعہ سے جان لیا تھا کہ میرا بیٹا بہت کچھ عروج حاصل کرے گا۔ چند سال تک مویشی چرانے کے بعد بابک برستاق کے ایک رئیس شبل بن منقی ازدی کے پاس ملازم رہا۔ اس عرصہ میں اس نے

قبل کے غلاموں سے طنبورہ بجانا بھی سیکھا۔ برستاق کو الوداع کہہ کر تبریز پہنچا اور وہاں دو سال تک محمد بن رواد ازدی نام ایک رئیس کے پاس نوکری کرتا رہا۔ وہاں سے اپنی ماں کے پاس موضع بلال آباد میں چلا آیا۔ اس وقت اس کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔

چتر حکومت کی سایہ افگنی اور آقا کی بیوی سے شادی

آذربیجان کے پہاڑوں میں ایک قصبہ بذ کے نام سے موسوم تھا۔ اس سلسلہ کوہ میں دو رئیس برسر اقتدار تھے۔ جن میں باہم رقابت تھی۔ ایک کو ابو عمران کہتے تھے اور دوسرے کا نام جاویدان بن سہرک تھا۔ کوہ بذ کی ملکیت کے متعلق ان میں ہمیشہ جھگڑے قضیے برپا رہتے تھے۔ ہر ایک کی یہی تمنا تھی کہ اس سرزمین کو اپنے حریف کے خار وجود سے پاک کر کے بلاشرکت غیرے ریاست کا مالک ہو جائے۔ ایام گرما میں دونوں ہر سال برسر پیکار رہتے۔ لیکن موسم سرما کے شروع میں جب برف پڑنے لگتی تو مجبوراً عربدہ جوئی سے دستبردار ہو جاتے۔ ایک سال جاویدان دو ہزار بکریوں کا ریوڑ لے کر بذ سے شہر زنجان کی طرف روانہ ہوا۔ جو قزوین کی سرحد پر ہے۔ وہاں بکریاں فروخت کر کے بذ کی طرف مراجعت کی۔ راستہ میں جب موضع بلال آباد پہنچا تو شدید برف باری شروع ہو گئی جس کے باعث انقطاع سفر ناگزیر تھا۔ موضع بلال آباد کے ایک آدمی سے کہا کہ کوئی ایسا مکان بتاؤ۔ جہاں ہم چندروز قیام کر سکیں۔ وہ شخص اسے بابک کی ماں کے پاس لے گیا۔ بابک اور اس کی ماں نے اس کی بڑی خاطر مدارات کی۔ جاویدان جتنے دن وہاں رہا بابک نے اپنی خدمت گذاری سے اس کو بہت خوش کیا۔ جاتے وقت جاویدان بابک کی ماں سے کہنے لگا کہ اگر تم اپنا بیٹا میری ملازمت میں دے دو تو میں پچاس درہم ماہانہ تنخواہ دوں گا اور یہ رقم ہر مہینہ تمہارے پاس پہنچ جایا کرے گی۔ (درہم قریباً چار آنے کا ہوتا تھا) بابک کی ماں رضامند ہو گئی اور بابک جاویدان کے ساتھ کوہ بذ چلا گیا۔ تھوڑے روز میں جاویدان اور ابو عمران میں پھر سلسلہ رزم و پیکار شروع ہوا۔ ابو عمران مارا گیا اور جاویدان نے اس کے تمام املاک پر قبضہ کر لیا۔

بابک ایک جوان رعنا تھا۔ جاویدان کی عورت اس پر فریفتہ ہو گئی اور دونوں میں فاسقانہ تعلقات قائم ہو گئے۔ تھوڑے عرصہ میں جاویدان مر گیا اور قبل اس سے کہ کسی کو جاویدان کے مرنے کی اطلاع ہو۔ اس کی بیوی رات کے وقت بابک سے کہنے لگی کہ جاویدان مر گیا ہے اور میری خواہش ہے کہ تمہیں برسر حکومت کر کے تم سے باقاعدہ شادی کر لوں۔ بابک کہنے لگا میں تمہارے شوہر کا ایک ادنیٰ خادم تھا۔ لوگ میری متابعت پر کس طرح رضامند ہوں گے؟ اور تمہاری قوم میرے ساتھ تمہارے عقد ازدواج کو کیونکر گوارہ کرے گی؟۔ عورت نے کہا کہ میں نے ایک حل

تجویز کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں ان لوگوں کو اپنے ڈھب پر لانے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔ بابک نے کہا تم نے کیا حیلہ تراشا ہے؟۔ بولی میں کل تمام قوم کو جمع کر کے ان سے کہوں گی کہ جاویدان نے اپنی وفات سے پہلے کہا تھا کہ آج رات میں نے مرنے کا قصد کیا ہے۔ لیکن میری روح میرے بدن سے نکلتے ہی بابک کے بدن میں داخل ہو جائے گی اور اس کی روح سے متحد ہو جائے گی۔ میرے بعد بابک ہی میری قوم کا سردار ہوگا۔ وہ جبابرہ کو ہلاک کر کے مزدکیہ کو از سرنو عروج بخشے گا اور قوم کے پسماندہ لوگوں کو آسمان عزت پر بٹھائے گا۔ یہ سن کر بابک کا ساغر دل خوشی سے چھلک گیا اور کہنے لگا۔ ہاں ہاں! کوئی ایسی ہی تدبیر کرو۔ دوسرے دن عورت نے جاویدان کے لشکر کو جمع کر کے اس کے مرنے کی اطلاع دی۔ عمائد سپاہ پوچھنے لگے کہ اس نے رحلت سے پہلے ہم کو بلا کر کیوں وصیت نہ کی؟۔ عورت بولی کہ تم لوگ دیہات میں متفرق ہو رہے تھے۔ اگر تم کو طلب کر کے اجتماع عام کا انتظام کیا جاتا تو خوف تھا کہ عربوں کی طرف سے کوئی فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔ اب جو کچھ وہ وصیت کر گیا ہے۔ اس کو سن لو۔ میں دیکھوں گی تم اس کی وصیت بجا لاتے ہو یا نہیں؟۔ سرداران لشکر کہنے لگے کہ جب ہم نے زندگی میں کبھی مخالفت نہ کی تو اب اس کے مرنے کے بعد کیا خلاف کریں گے؟۔ کہنے لگی کہ جاویدان کل بالکل صحیح وسالم تھا۔ اچانک کہنے لگا کہ میں نے دنیا کو الوداع کہنے کا عزم کر لیا ہے۔ اس لئے آج ہی رات اس سرائے فانی سے کوچ کر جاؤں گا۔ لیکن میری روح نکل کر اس نوجوان خادم بابک کے بدن میں داخل ہو جائے گی اور یہی نوجوان اس سرزمین کا مالک ہوگا۔ اور مجھے تاکید کی کہ جب میں مر جاؤں تو میری قوم کو اس کی اطلاع کر دینا اور یہ بھی جتلا دینا کہ جو شخص میری وصیت سے اعراض کرے گا اور میری عزیز ومحبوب خواہش پر اپنی رائے اور مرضی کو ترجیح دے گا۔ وہ ہمارے دین سے خارج ہو جائے گا۔ یہ سن کر سب قائدین لشکر نے سمعنا واطعنا کہہ کر گردنیں جھکا دیں اور بولے ہمیں حسب وصیت اس نوجوان کی متابعت منظور ہے۔ اب اس عورت نے ایک بیل منگوایا اور اس کو ذبح کرا کے اس کی کھال کو پھیلانے کا حکم دیا۔ اس کھال پر ایک تشت رکھا گیا جو شراب سے لبریز تھا۔ اس کے بعد روٹیاں منگوائی گئیں اور ان کے ٹکڑے تشت کے گرد جمع کر دیئے گئے۔ اب عورت نے حکم دیا کہ ایک ایک آدمی آئے اور کھال پر پاؤں رکھ کر روٹی کا ٹکڑا اٹھائے اور شراب میں ڈبو کر کھالے۔ پھر کہے کہ اے بابک کی روح! میں تجھ پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جس طرح اس سے پیشتر جاویدان کی روح پر ایمان لایا تھا۔ اس کے بعد بابک کے سامنے حاضر ہوا اور اس کا ہاتھ چوم کر اس سے بیعت کرے۔ تمام حاضرین نے اس حکم کی تعمیل کی۔ پھر سب کو کھانا کھلایا گیا۔ فراغت کے

بعد بادہ گل گوں کا دور چلا۔ اب صرف بابک سے نکاح کیے جانے کی رسم باقی تھی۔ یہ اس طرح انجام دی گئی کہ عورت نے بابک کو اپنے فرش پر بٹھایا۔ اپنا بیش قیمت لباس منگوا کر زیب تن کیا اور دلہن بن کے خود ہی رسوم نکاح ادا کرنے لگی۔ اس کی شراب وصل نے بابک کو پہلے ہی بیخود اور سرمست بنا رکھا تھا۔ جوبن کے نکھار نے اس کی آتش عشق کو اور بھی بھڑکا دیا۔ عقد نکاح یوں انجام پایا کہ عورت نے ایک گلدستہ منگوایا اور اٹھا کر بابک کے ہاتھ میں دے دیا۔ بس یہی تزویج تھی۔

(کتاب الفہرست لابن ندیم مطبوعہ لیپزگ جرمنی ،۳۴۲،۳۴۳، ۳۴۴)

معلوم ہوتا کہ کہ جاویدان اور اس کے پیرو دین مزدک (مجوس) کے پیرو تھے۔

شرمناک اخلاقی تعلیمات

اب وہ وقت تھا جبکہ بابک کا گلشن آرزو پوری بہار پر تھا اور اقبال کی کامرانی دیکھ کہ کس طرح ایک ادنیٰ سا چاکر آسمان عزت پر نمودار ہوا اور اس کا رایت عروج آناً فاناً سپہر بریں سے باتیں کرنے لگا۔ بابک پہلے اسماعیلی تھا۔ پھر مزدکی بنا۔ پھر خود ایک فرقہ کی بنا ڈالی جسے بابکیہ اخرمیہ سبعیہ حرمیہ کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ پہلے تو یہی کہتا رہا کہ مجھ میں جاویدان کی روح ہے۔ اس کے بعد یہ کہنا شروع کیا کہ خدا کی روح نے بھی میرے اندر حلول کیا ہے۔ اس نے اپنے پیرووں کو عقیدہ تناسخ کی تعلیم دی اور ہنود کی طرح کہتا تھا کہ روحیں انسانوں اور حیوانوں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ چونکہ بابک نے ہر قسم کے مذہبی اور اخلاقی قیود اٹھا کر عیش و عشرت کا بازار گرم کیا۔ پیرووں کو حرام کاری، شراب خوری اور دوسرے فواحشات کی اجازت دی۔ یہاں تک کہ ماں، بیٹی، اور دوسرے محرمات ابدیہ سے بھی عقد مناکحت جائز کر دیا۔ اس لئے اس کے پیرووں کو خرمیہ بھی کہنے لگے۔ کیونکہ خرم عیش و فرح کو کہتے ہیں۔ بابک کا معمول تھا کہ جب اسے معلوم ہوتا کہ فلاں شخص کی بیٹی یا بہن نہایت حسین ہے تو اس کے پاس طلبی کا پیغام بھیجتا۔ اگر اس نے بھیج دی تو خیر۔ ورنہ اس کو گرفتار کر کے نہنگ شمشیر کے حوالے کر دیتا اور حسینہ پر جبراً قبضہ کر لیتا۔

(تلبیس ابلیس عربی ص ۲، الابن جوزی)

ظاہر ہے کہ بابک کی اخلاقی تعلیم دنیا بھر کے فواحش کا مجموعہ اور سخت قابل نفرت تھی۔

تاہم جاویدان کی قوم کے علاوہ ویلم اور اہل ہمدان واصفہان نے بھی اپنی قسمت اس سے وابستہ کر دی۔

بابک کی پہلی مہم اور عامل موصل کی شہادت

جب بابک کے پیرووں کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی تو اس نے ۲۰۱ھ میں خلافت

اسلامیہ کے خلاف علم بغاوت وخودسری بلند کر دیا۔ ان دنوں خلیفہ مامون عباسی بغداد کے تخت خلافت پر جلوہ افروز تھا۔ تین سال تک تو بعض داخلی جھمیلوں نے بابک کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ دیا۔ اس کے بعد ۲۰۴ھ میں خلیفہ مامون نے عیسیٰ بن محمد عامل آرمینیا وآذربیجان کو حکم دیا کہ بابک کے قلع قمع کا انتظام کرے۔ لیکن بعض مجبوریوں کی بنا پر عیسیٰ بن محمد اس مہم کو سرانجام دینے سے قاصر رہا۔ ۲۰۹ھ میں خلیفہ نے علی بن صدقہ معروف بہ زریق کو آرمینا اور آذربیجان کی حکومت سپرد کی اور ساتھ ہی جنگ بابک کی تاکید فرمائی۔ زریق نے ایک تجربہ کار سپہ سالار احمد بن جنید کو بابک جمعیت کے توڑنے اور بابک کو اسیر کر لانے پر متعین کیا۔ لیکن ابن جنید بابک کو قید کرنے کے بجائے خود ہی شکست کھا کر قید ہوگیا۔ چونکہ زریق گورنری کے فرائض انجام دینے کا اہل ثابت نہ ہوا۔ اس لئے مامون نے اس کی جگہ ابرہیم بن لیث کو آرمینا اور آذربیجان کے عمل پر بھیج دیا۔ زریق نے خلیفہ کے مقابلہ میں علم خودسری بلند کر کے موصل اور آذربیجان کے درمیان تمام پہاڑی علاقہ پر قبضہ کر لیا اور اسی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ موصل پر بھی چڑھائی کر دی۔ اس معرکہ میں سید بن انس گورنر موصل مارا گیا اور زریق نے موصل پر عمل ودخل کر لیا۔ خلیفہ مامون اس خبر وحشت اثر کے سننے سے سخت برہم ہوا۔ اور ۲۱۲ھ میں محمد طوسی نے موصل کی طرف نہضت کی اور زریق کو نیچا دکھا کر موصل واپس لے لیا۔ مہم موصل سے فارغ ہو کر محمد طوسی نے بابک خرمی پر چڑھائی کی اور نہایت مستعدی وہوشیاری سے اس کو ہزیمت دیتا ہوا مضافات مقبوضہ کا انتظام کرتا ہوا دامن کوہ تک جا پہنچا اور بابک تھوڑی دیر تک دامن کوہ میں لڑ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ محمد بن حمید طوسی نے جوش کامیابی میں اس کا تعاقب کیا۔ جب کوئی تین کوس تک چڑھ گیا تو بابکیوں نے کمین گاہ سے نکل کر محمد پر دفعۃً حملہ کیا اور بابک بھی لوٹ کر معاً محمد پر ٹوٹ پڑا۔ محمد بن حمید کا لشکر گھبرا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ مگر خود اس کے قدم ثبات کو ذرا جنبش نہ ہوئی اور وہ نہایت ثابت قدمی واستقلال سے لڑتا ہوا پیچھے کو ہٹا۔ سوء اتفاق سے بابکیوں کے ایک گروہ نے محمد بن حمید کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ محمد زخمی ہو کر گرا اور تڑپ کر دم توڑ دیا۔ جب یہ خبر بارگاہ خلافت میں پہنچی تو خلیفہ مامون کو سخت صدمہ ہوا۔ خلیفہ مامون بابک کی سرکشی اور اس کی فتوحات سے آگ بگولہ ہو رہا تھا اور انتقام کے لئے ہر وقت دانت پیستا تھا۔ لیکن اتفاقات ایسے پیش آئے کہ اس کے بعد کوئی اور مہم بابک کی گوشمالی کے لئے نہ بھیج سکا اور فرشتہ موت نے پیام اجل آ سنایا۔

بابک کی پہلی دو ہزیمتیں

بابک نے شہر بذ کو اپنا ملجاء ومامن بنا رکھا تھا اور اس نے اکثر شاہی قلعہ جات کو جو

اردبیل اور آذربیجان کے مابین واقع تھے۔ ویران و مسمار کر دیا تھا۔ جب خلیفہ معتصم نے ۲۱۸ھ میں اپنے بھائی خلیفہ مامون کے انتقال پر تخت خلافت کو زینت دی تو ابو سعید محمد بن یوسف کو اس مہم پر مامور کیا۔ چنانچہ ابو سعید نے قلعہ جات کو جنہیں بابک نے ویران و برباد کر دیا تھا۔ از سرِ نو تعمیر کرایا اور انہیں فوج، آلات حرب اور غلہ کی کافی مقدار سے مضبوط و مستحکم کیا اور اس اثناء میں بابک کے کسی سریہ نے ان بلاد پر شب خون مارا۔ ابو سعید نے اس کا تعاقب کیا اور نہایت اولوالعزمی سے لوٹ کا تمام مال واپس لیا۔ بے شمار بابکیوں کا قتل اور اکثر کو گرفتار کیا اور مقتولوں کے سر اور کثیر التعداد قیدی ایک عرضداشت کے ساتھ خلیفہ معتصم کے پاس بھیج دیئے۔ یہ پہلی ہزیمت تھی جو بابکیوں کو عساکر خلافت سے نصیب ہوئی۔ دوسری ہزیمت محمد بن بعیث کے ذریعہ سے ہوئی۔ جو بابک کا معین و مددگار تھا۔ یہ شخص آذربیجان کے ایک قلعہ میں فروکش تھا اور بابک کی سرایا اور افواج کو رسد پہنچایا کرتا تھا۔ اتفاق سے واقعہ مذکورہ کے بعد بابک کا ایک سپہ سالار عصمت نام اس قلعہ کی طرف سے ہو گزرا۔ محمد بن بعیث نے اس کی دعوت کی اور اسے عزت و احترام سے ٹھہرایا۔ لیکن رات کے وقت حالت غفلت میں اس کو گرفتار کر کے خلیفہ معتصم کے پاس بھیج دیا اور اس کے تمام رفقاء کو قتل کر ڈالا۔ خلیفہ نے عصمت سے بابک کے بلاد اور قلعوں کے اسرار و خفایا دریافت کیے۔ عصمت نے تمام اسرار اور جنگی مواقع ظاہر کر دیئے۔ تاہم معتصم نے اسے رہا نہ کیا اور افشین حیدر کو جبال کی عملداری مرحمت فرما کر بابک کے مقابلہ پر بھیجا۔ افشین نے میدان کارزار میں پہنچ کر پہلے رسد کا انتظام کیا اور راستوں کو خطرات سے پاک کرنے کے خیال سے تھوڑی تھوڑی مسافت پر چوکیاں بٹھائیں اور کار آزمودہ اور تجربہ کار سپہ سالاروں کو گشت اور دیکھ بھال پر متعین کیا۔ یہ لوگ اردبیل سے اس کے لشکر گاہ تک شب و روز گشت کیا کرتے اور رسد اور اکل مایحتاج کو بحفاظت تمام معسکر میں پہنچاتے اور جب بابک کا کوئی جاسوس گرفتار ہوتا تو افشین اس سے بابک کے اخلاق برتاؤ اور احسانات کو دریافت کرتا۔ اور اس سے دو چند احسانات سے گرانبار کر کے اسے رہا کر دیتا۔

بابک کی پیہم کامیابیاں

اس کے بعد خلیفہ نے بغا کبیر کو کثیر فوج اور مال و اسباب کے ساتھ افشین کی کمک پر روانہ کیا۔ بابک یہ سن کر بغا کبیر پر شب خون مارنے کے ارادہ سے چلا۔ جاسوسوں نے افشین تک یہ خبر پہنچا دی۔ افشین نے بغا کو لکھ بھیجا کہ تم قافلہ کے ساتھ قلعہ نہر تک آؤ اور قافلہ کی روانگی کے بعد پھر اردبیل کو مراجعت کرو۔ بغا نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ بابک پھر یہ خبر پا کر کہ بغا کا قافلہ نہر کی

طرف روانہ ہو گیا ہے۔ اپنے چیدہ چیدہ سپاہیوں کا ساتھ لے کر نکل کھڑا ہوا۔ جس دن بغا سے ملنے کا وعدہ تھا۔ افشین اس روز چپکے سے نکل کر اردبیل کو چلا گیا اور بغا کو بحفاظت تمام ابوسعید کے مورچہ میں لے آیا۔ اس اثنا میں بابک قافلہ تک پہنچ گیا۔ والی قلعہ نہر بھی قافلہ کے ہمراہ تھا۔ بغا سے تو مڈبھیڑ نہ ہوئی۔ البتہ والئی قلعہ نہر سے مقابلہ ہوا۔ بابک نے ان لشکریوں کو جو قافلہ کے ساتھ تھے تہ تیغ کر کے تمام مال واسباب لوٹ لیا۔ اثناء راہ افشین کے سپہ سالاروں میں سے ہیثم نام ایک افسر سے دوچار ہو گیا۔ اس کو بھی زک دی۔ ہیثم ایک قلعہ میں جا چھپا۔ بابک نے وہاں پہنچ کر محاصرہ ڈال دیا۔ لیکن اس اثناء میں افشین اپنا لشکر لئے ہوئے آ پہنچا اور دفعتہً بابکیوں پر حملہ کر دیا۔ اس ناگہانی حملہ سے بابک بقیۃ السیف کے ہمراہ بھاگ کر ہوقان پہنچا۔ لیکن بابک وہاں سے پلٹ کر ایسی چال چلا کہ افشین کے لشکر کا راستہ کاٹ لیا۔ رسد وغلہ کا آنا موقوف ہو گیا۔ اب افشین کا لشکر رسد کے نہ آنے سے بھوکوں مرنے لگا۔ افشین نے والئی مراغہ سے رسد طلب کی۔ لیکن بدقسمتی سے اثناء راہ میں بابکیوں نے اس کو لوٹ لیا۔ یہ خبر پا کر بغا اپنا تمام مال واسباب کسی طرح بابک کے ہاتھوں سے بچا کر افشین کے لشکر گاہ میں لایا اور لشکریوں میں تقسیم کر دیا۔

عساکر خلافت کی ہزیمتیں

اب افشین نے مطمئن ہو کر اپنے سپہ سالاروں کے بابک پر حصار ڈالنے کی غرض سے بڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ قلعہ بذ سے ٦ میل کے فاصلے پر پہنچ کر مورچے قائم کئے اور بغا نے قریہ بذ میں داخل ہو کر لڑائی چھیڑ دی اور سخت کشت وخون کے بعد اپنے لشکر کا بڑا حصہ اس معرکہ کی نذر کر کے محمد بن حمید سپہ سالار کے مورچہ میں واپس آیا۔ افشین نے اس کے امداد طلب کرنے پر اپنے بھائی فضل، ابوجوشن، احمد بن خلیل اور جناح الحور کو بغا کی کمک پر روانہ کیا اور حکم دیا کہ فلاں روز فلاں وقت بابک پر یکبارگی حملہ کرنا۔ میں بھی اس دن وقت معہودہ پر اس سمت سے حملہ آور ہوں گا۔ سوء اتفاق سے بغا وغیرہ برسات اور شدت سرما کی وجہ سے یوم مقرر پر حملہ نہ کر سکے اور افشین نے تنہا حملہ کر دیا۔ تاہم بابک تاب ومقاومت نہ لا کر پیچھے ہٹا۔ افشین نے بڑھ کر اس کے مورچہ پر قبضہ کر لیا۔ دوسرے دن بغا وغیرہ کثرت باران اور شدت سرما سے تنگ آ کر کسی قائد کی رہبری سے ایک پہاڑی پر جو افشین کے لشکر گاہ کے قریب تھی چڑھ گئے۔ یہاں بھی انہیں اسی سردی اور بارش سے سابقہ پڑا۔ مزید براں برف بھی پڑ گئی۔ ہاتھ پاؤں جواب دے بیٹھے۔ دو دن اسی حالت میں گزرے۔ ادھر بابک نے موقع پا کر افشین پر شب خون مارا اور اسے لڑ کر پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔ دوسری طرف بغا کی فوج نے غلہ ورسد ٹھہر جانے کی وجہ سے شور وغل مچانا شروع کیا۔ بغا

نے مجبور ہو کر قلعہ بذ کے عزم سے اور نیز بغرض دریافت حال افشین وہاں سے کوچ کیا دور نکل آنے پر افشین کا حال معلوم ہوا۔ اب بغا بابک کے خوف سے پھر اسی پہاڑی کی طرف لوٹا اور کثرت فوج اور تنگی راہ کی وجہ سے دوسری راہ اختیار کی۔ بابک کے متجسس سپاہیوں نے تعاقب کیا۔ بغا نے ان کی طرف سے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور نہایت سرعت سے اس تنگ و دشوار گزار راستہ کو طے کیا۔ اس اثناء میں رات کی سیاہ چادر عالم کائنات پر محیط ہو گئی۔ بغا نے مال و اسباب کی حفاظت کے خیال سے دامن کوہ میں ڈیرے ڈال دیئے اور چاروں طرف سپاہیوں کو پہرہ پر مقرر کیا۔ تھکے ماندے تو تھے ہی سب کے سب سو گئے۔ بابک نے موقع پا کر چھاپہ مارا اور تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ بغا بحالت تباہ خندق اول میں چلا آیا جو اسفل کوہ میں واقع تھی۔

دارالخلافہ سے مزید افواج کی روانگی

جب خلیفہ کو عساکر خلافت کی متواتر ہزیموں اور ناکامیوں کا علم ہوا تو اس نے جعفر خیاط کی سرکردگی میں ایک فوج گراں افشین کی کمک پر روانہ کی اور ایتاخ کی وساطت سے تیس لاکھ درہم مصارف جنگ کے لئے بھیجے۔ اس فوجی اور مالی امداد سے افشین قوی دل ہو گیا اور اس کی قوت بڑھ گئی۔ چنانچہ فصل ربیع کے اوائل میں بابک سے معرکہ آراء ہونے کی غرض سے آہستہ آہستہ قلعہ بذ کی طرف بڑھنے لگا۔ رات کے وقت سپاہیوں کو پہرہ پر مقرر کرتا اور رات ہی کے وقت گشت کرنے کے لئے فوج کو بھیجتا جس کے ساتھ خود بھی جاتا۔ رفتہ رفتہ قلعہ بذ کے بالمقابل ایسے مقام پر پہنچے۔ جہاں تین پہاڑیاں ایک دوسری سے متصل واقع تھیں۔ ان تینوں پہاڑیوں کے مابین ایک وسیع میدان تھا۔ افشین نے یہیں قیام کیا اور ایک راستہ چھوڑ کر باقی تمام راہوں کو پتھروں سے چن دیا۔ انہی پہاڑیوں کے قریب بابک کا لشکر بھی پڑا تھا۔ افشین روزانہ نور کے تڑکے نماز ادا کر کے نقارہ بجواتا۔ لشکری اس نقارہ کی آواز سن کے تیار ہو جاتے۔ پھر مقابلہ شروع ہوتا۔ جب تک جدال و قتال میں مصروف رہتا نقارہ بجتا رہتا اور جب جنگ کو روکنا مقصود ہوتا۔ نقارہ بند کر دیتے اور جب پیش قدمی کا ارادہ ہوتا تو درہ کوہ پر ایک لشکر متعین کیا جاتا جو اس قدرتی قلعہ کی محافظت کرتا۔ ادھر بابک نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ جب افشین حملہ آور ہوتا تو چند آدمیوں کو اسی گھاٹی کے نیچے کمین گاہ میں بٹھا دیتا اور بابک کی عادت تھی کہ ہمیشہ معدودہ چند آدمیوں کو ساتھ لاتا اور باقی فوج کمین گاہ میں رہتی۔ افشین نے ہر چند تجسس کیا۔ مگر یہ راز نہ کھل سکا۔ افشین عموماً جعفر خیاط، احمد بن خلیل اور ابوسعید کو تین تین دستہ فوج کے ساتھ یکے بعد دیگرے میدان کارزار میں بھیجتا اور خود ایک بلند مقام پر بیٹھ کر لڑائی کا منظر دیکھتا۔ اس مقام سے بابک کا

قلعہ اور محل سرائے بھی دکھائی دیتے تھا۔ افشین نماز ظہر ادا کر کے مراجعت کرتا اور اس کے واپس ہوتے ہی اس کی فوجیں بھی یکے بعد دیگرے میدان جنگ سے ترتیب وار واپس ہوتیں۔

بابک اس طولانی جنگ سے گھبرا گیا۔ ایک روز حسب معمول لشکر اسلام واپس ہوا۔ اتفاق سے جعفر خیاط پیچھے رہ گیا۔ بابک کا لشکر میدان خالی سمجھ کر قلعہ بذ سے نکل پڑا۔ جعفر خیاط نے بڑھ کر حملہ کیا اور بآواز بلند اپنے لشکریوں کو پکارا۔ جعفر کی فوج غنیم پر لوٹ پڑی اور لڑائی دوبارہ چھڑ گئی۔ جعفر خیاط کی فوج میں سے ابو دلف کے ساتھ ایک گروہ مطوعہ یعنی رضا کاروں کا تھا۔ ان رضا کاروں نے افشین کی مرضی پائے بغیر اس شدت کا دھاوا کیا کہ دیکھنے والے یہ سمجھ رہے تھی کہ یہ لوگ کمندیں ڈال کر قلعہ پر چڑھ جائیں گے۔ جعفر نے افشین سے پانچ سو تیر اندازوں کی امداد طلب کی۔ افشین نے کہلا بھیجا کہ تم امدادی فوج کا انتظار نہ کرو۔ جہاں تک ممکن ہو آہستہ آہستہ حکمت عملی سے واپس چلے آؤ۔ کیونکہ جنگ کا عنوان خطرناک ہو رہا ہے۔ اس عرصہ میں رضا کار مجاہد حملے کرتے ہوئے قلعہ بذ تک پہنچ گئے۔ میدان جنگ فریقین کے شور وغل سے گونج رہا تھا۔ بابک کے وہ سپاہی جو کمین گاہ میں تھے یہ سمجھ کر کہ دشمن قلعہ تک پہنچ گیا کمین گاہ سے نکل آئے۔ افشین پر اس قلعہ کا سارا راز اور کمین گاہ کا حال کھل گیا۔ چونکہ لڑائی میں طول ہو گیا تھا۔ فریقین لڑتے لڑتے تھک گئے تھے اور آفتاب بھی گوشہ مغرب میں پہنچ گیا تھا۔ جعفر نے آہستہ آہستہ لڑتے لڑتے اپنے مورچہ کی طرف واپس آنا شروع کیا۔ مغرب تک لڑائی بالکل بند ہو گئی۔ دونوں حریف اپنے اپنے قیام گاہ پر آئے اور کمریں کھولیں۔

رضا کار مجاہدین کی شجاعت

جعفر نماز مغرب ادا کر کے افشین کے پاس آیا۔ افشین نے عدول حکمی اور خلاف مرضی جنگ میں اقدام کرنے سے ناراضی کا اظہار کیا۔ جعفر اپنے قائد اعظم کے امداد نہ بھیجنے پر اظہار ملال کرنے لگا۔ غرض دونوں نے معقول وجوہ پیش کیے۔ صفائی ہو گئی۔ اب رضا کاروں نے حاضر خدمت ہو کر قلت رسد و مصارف کی شکایت کی۔ افشین نے جواب دیا کہ جو شخص قلت مصارف اور گرسنگی کی تکالیف پر صبر کر سکے۔ وہ ہمارے ساتھ رہے۔ ورنہ اپنا راستہ لے۔ امیر المومنین کے لشکر میں بفضلہ تعالیٰ جنگ آوروں کی کمی نہیں۔ رضا کار مجاہد یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے کہ ہم تو قلعہ بذ کو بات کی بات میں فتح کر لیتے۔ مگر امیر عسکر ناحق التواء ڈال کر ہم لوگوں کو ثواب جہاد سے محروم کرتا ہے۔ اگر ہم کو اب بھی حملہ کا حکم دے تو ہم دشمن کو اپنی تلوار کے جوہر دکھا دیں۔ جاسوسوں نے یہ باتیں افشین کے کانوں تک پہنچائیں۔ اس نے مجاہدوں کو طلب کر کے تسلی دی اور علی

الصباح جنگ کا حکم دیا۔ جس وقت رضا کاروں نے دھاوا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا خود بھی اسی وقت حملہ کرنے کا وعدہ کیا۔ افشین نے ان لوگوں کو مال واسباب، پانی، خوراک اور آلات حرب خاطر خواہ دیا۔ زخمیوں کو میدان جنگ سے اٹھالانے کے لئے خچروں پر محملیں رکھوا دیں اور جعفر کو اسی مورچہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ جہاں تک کل بڑھ گیا تھا۔

دوسرے روز علی الصباح تیر اندازوں، نفاطوں اور نامی گرامی جنگ آزماؤں کو منتخب کر کے ایک لشکر مرتب کیا اور رضا کار مجاہدوں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے میدان جنگ میں آیا۔ بابک کے لشکر نے قلعہ سے تیر باری شروع کی۔ جعفر کی فوج اپنے آپ کو بابک کے حملوں سے بچاتی ہوئی قلعہ بذ کی فصیلوں تک پہنچ گئی۔ اب جعفر کمال مردانگی واستقلال سے دروازہ بذ پر پہنچ کر لڑنے لگا۔ یہاں تک کہ دوپہر ڈھل گئی۔ افشین نے حسب ضرورت ان لوگون کے لئے کھانا اور پانی روانہ کیا اور سفر مینا کو بھی قلعہ بذ کی فصیلوں کے توڑنے کے لئے پھاوڑے اور کدالوں کے ساتھ بھیجا۔ بابک یہ دیکھ کر قلعہ کا دروازہ کھول کر نکل آیا اور رضا کاروں کو اپنے پرزور حملہ سے قلعہ بذ کی فصیل سے پیچھے ہٹا دیا۔ حالت جنگ نہایت خطرناک تھی۔ کبھی تو بابک کا لشکر رضا کاروں کو قلعہ کی فصیل سے پسپا کر دیتا تھا اور کبھی رضا کار بابکیوں کو مار مار کر قلعہ میں بھگا دیتے تھے۔ غرض اس کشمکش میں شام ہوگئی اور رات نے اپنے سیاہ دامان سے آفتاب عالمتاب کو چھپا لیا۔ افشین نے اپنے لشکر کو مراجعت کا حکم دیا۔ دونوں حریف اپنے اپنے قیام گاہ پر واپس آئے اور لطف یہ ہے کہ اس جنگ کے بعد ہر فریق کو اپنی کامیابی کی طرف سے ناامیدی سی ہوگی اور بہت سے رضا کار اپنے اپنے شہروں کو لوٹ گئے۔

قلعہ بذ پر لشکر اسلام کا قبضہ

دو ہفتہ کے بعد افشین نے پھر جنگ کی تیاری کی۔ لشکر کو چار حصوں میں منقسم کیا۔ ایک حصہ کو جس میں ایک ہزار تیر انداز تھے۔ آدھی رات کے وقت اس پہاڑ کی طرف روانہ کیا۔ جو قلعہ بذ کے قریب تھا اور جس کے دامن میں بابک کا نامی سپہ سالار آذین صف آرا تھا اور ان کو یہ ہدایت کر دی کہ جونہی جعفر کو بذ کی طرف بڑھتے ہوئے پاؤ۔ بابک کے لشکر پر حملہ کر دو۔ دوسرے حصہ کو اس ٹیلہ کے نیچے کمین گاہ میں چھپا دیا۔ جس کی چوٹی پر بابک کے سپاہی کمین گاہ میں بیٹھا کرتے تھے۔ تیسرے دستہ فوج کو محافظت کی غرض سے لشکر گاہ میں چھوڑا اور چوتھے حصہ کو مسلح و مرتب کر کے علی الصبح اس مورچہ کی طرف آیا جہاں گذشتہ معرکوں میں ٹھہرتا تھا۔ جعفر خیاط چند نامی افسروں کے ساتھ اس پہاڑی کی طرف بڑھا جس کے دامن میں آذین سپہ سالار بابک نے صف

آرائی کی تھی۔ آذین نے جعفر کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر تیر چلانے شروع کیے۔ ادھر سے جعفر نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ دوسری طرف سے ان تیر اندازوں نے بھی آذین پر تیر باری شروع کر دی جو نصف شب سے پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھے تھے۔ آذین اس دو طرفہ مار سے بدحواس ہو گیا۔ وہاں سے وادی کی طرف بھاگا تو ٹیلہ کے نیچے سے دوسرے کمین گاہ والوں نے بھی اپنے خاراشگاف تیروں سے اس کا خوب استقبال کیا۔ بابک نے عنوان جنگ بگڑا ہوا دیکھ کر افشین سے درخواست کی کہ مجھے جنگ سے صرف اتنی مہلت دو کہ میں اپنے اہل و عیال کو کسی دوسرے مقام پر منتقل کر سکوں۔ بعد ازاں قلعہ بذ کی کنجیاں تمہارے حوالے کر دوں گا۔ افشین نے نفی یا اثبات میں کوئی جواب نہ دیا تھا کہ اتنے میں خبر پہنچی کہ عساکر اسلام نے قلعہ بذ پر قبضہ کر لیا ہے اور خدا کے فضل سے اس کے بلند میناروں پر خلیفۃ المسلمین کا جھنڈا نصب ہو گیا ہے۔ افشین سجدہ شکر بجا لا کر قلعہ بذ میں داخل ہوا اور بہت سا مال غنیمت اور قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

بابک نے اپنے اہل و عیال کو دوسرے مقام پر منتقل کر دیا تھا۔ بھاگتے وقت جس قدر مال و اسباب اٹھا سکا اٹھا لے گیا۔ افشین نے ملک آرمینا کو بابک کے فرار کا حال لکھ کر اس کی گرفتاری کے نہایت تاکیدی احکام بھیجے۔ اس کے بعد جاسوس نے آ کر یہ خبر دی کہ بابک اس وقت اس وادی میں ہے جس کا ایک کنارہ آذربیجان سے ملحق ہے اور دوسرا سرا آرمینیا تک پھیلا ہوا ہے۔ افشین نے اسی وقت چند آدمی اس کی گرفتاری پر متعین کیے۔ مگر گنجان درختوں اور پہاڑیوں نے بابک کو ان لوگوں کی نظروں سے اوجھل رکھا۔ اس اثناء میں خلیفہ معتصم نے بابک کے امان دینے کا حکم بھیج دیا۔ افشین نے اس فرمان کا بابک کے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو جو اس کے امن کا خواستگار تھا۔ حوالہ کر کے بابک کے پاس بھیجا۔ بابک بجائے اس کے کہ پروانہ امان دیکھ کر خوش ہوتا۔ الٹا جوش غضب میں آ کر افشین کے دو سپاہیوں کو قتل کر ڈالا اور اس وادی سے اپنے بھائیوں عبداللہ اور معاویہ اور اپنی ماں کو ساتھ لے کر بعزم آرمینیا نکل کھڑا ہوا۔ اتفاق سے ان محافظین میں سے اس پر کسی کی نظر پڑ گئی۔ جو گرفتاری کے لئے متعین کیے گئے تھے۔ محافظ نے اپنے سردار ابو اسفاع سے جا کے کہہ دیا کہ بابک بھاگا جا رہا ہے۔ ابو السفاع نے تعاقب کا حکم دیا۔ انہوں نے ایک چشمہ میں جا کے اسے گھیر لیا۔ بابک خود تو سوار ہو کر بھاگ گیا۔ مگر اس کی ماں اور اس کا بھائی معاویہ گرفتار ہو کر افشین کے پاس بھیج دیئے گئے۔

بابک کی گرفتاری اور ہلاکت

اب بابک آرمینیا میں جا کر روپوش ہوا۔ جاسوس اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ زادراہ ختم ہو چکا تھا۔ اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو کچھ زرنقد دیکر کھانا لانے کو بھیجا۔ اتفاق سے کسی پولیس افسر کی اس پر نظر پڑ گئی۔ چال ڈھال سے تاڑ گیا۔ سہل بن ساباط پولیس کا افسر اعلیٰ اس شخص کو لئے ہوئے بابک کے پاس آیا۔ بابک کا چہرہ پولیس کو دیکھتے ہی فق ہو گیا۔ سہل بن ساباط بابک کو بہ تملق وچاپلوسی دم پٹی دے کر اپنے قلعہ میں لایا اور چپکے سے افشین کو اس کی اطلاع کر دی۔ افشین نے دو فوجی افسروں کو بابک کی گرفتاری پر مامور کیا۔ جب یہ پہنچ گئے تو ابن ساباط نے ان لوگوں کو قلعہ کی ایک جانب چھپا دیا اور بابک کو شکار کھیلنے کے حیلہ سے میدان کی طرف لے چلا۔ ان افسروں نے موقع پا کر حالت غفلت میں بابک کو گرفتار کر لیا اور افشین کے پاس لائے۔ افشین نے اس حسن خدمت کے صلہ میں ابن ساباط کو ایک لاکھ درم اور ایک پیٹی جواہر نگار مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد افشین کی طلبی پر عیسیٰ بن یوسف بن اسطقانوس والئی بلقان نے عبداللہ برادر بابک کو جو ایک مدت سے اس کے پاس پناہ گزین تھا۔ افشین کے پاس بھیج دیا۔ افشین نے دونوں بھائیوں کو ایک ساتھ قید کر دیا اور بابک کی گرفتاری کی ایک اطلاع بارگاہ خلافت میں بھیج دی۔ خلیفہ نے ماہ شوال ۲۲۲ھ میں افشین کے نام حکم بھیجا کہ ان دونوں قیدیوں کو لے کر سامرہ آؤ۔ مرزند سے سامرہ تک ہر منزل پر خلیفہ معتصم کے حکم پر افشین کا انتہائی عزت واحترام سے استقبال کیا جاتا تھا اور خلیفہ کا خاص قاصد خلعت فاخرہ اور ایک راس عربی گھوڑا لئے ہوئے افشین سے ملتا تھا۔ جب افشین سامرہ کے قریب پہنچا خلیفہ معتصم کا بیٹا واثق باللہ اراکین سلطنت کو لئے ہوئے بغرض استقبال سامرہ سے باہر آیا اور کمال توقیر سے قصر مطیرہ میں ٹھہرایا۔ افشین نے اسی قصر میں بابک کو بھی اپنے زیر حراست رکھا۔ خلیفہ کے حکم سے افشین کے سر پر تاج رکھا گیا۔ بیش قیمت خلعت پہنایا گیا۔ بیس لاکھ درہم انعام دیئے اور دس لاکھ درہم اس کی فوج میں تقسیم کئے گئے۔ یہ واقعہ صفر ۲۲۳ھ کا ہے۔ انہی ایام میں جبکہ بابک قصر مطیرہ میں مقید تھا۔ خلیفہ معتصم محل آیا اور بابک کو سر سے پاؤں تک بنظر غور دیکھتا رہا اور چلا گیا۔ دوسرے دن خلیفہ معتصم دربار عام میں رونق افروز ہوا۔ لوگوں کو حسب مراتب دربار عام سے قصر مطیرہ تک بٹھایا اور بابک کو ہاتھی پر سوار کر کے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ کسی شخص نے بابک سے کہا کہ تم اپنی زندگی میں ایسی ایسی بدکرداریوں کے مرتکب ہوئے جو تم سے پہلے شاید کسی انسان سے سرزد نہ ہوئی ہوں گی۔ اب ان کا خمیازہ بھگتنے کا وقت آ گیا ہے۔ لیکن اب تجھے صبر سے کام لینا چاہیے۔ بابک نے کہا تو عنقریب میرے ثبات واستقلال کو دیکھے گا۔ خلیفہ معتصم نے اس کا ایک ہاتھ قطع کرنے حکم دیا۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ لیکن

بابک نے جھٹ خون سے اپنا چہرہ رنگ لیا۔ کسی نے پوچھا کہ چہرہ پر خون لگانے کی کیا وجہ ہے؟۔ کہنے لگا ایسا نہ ہو کہ خون نکلنے سے چہرہ پیلا پڑ جائے اور یہ لوگ سمجھنے لگیں کہ بابک موت سے ڈر گیا۔ اس کے بعد اس کے دوسرے اعضا قطع کیے گئے۔ اس اثناء میں اس کی طرف سے اضطراب و بے چینی کی کوئی ادنیٰ علامت بھی ظاہر نہ ہوئی۔

محاربات بابک کے مالی و جانی نقصانات

افشین آخری مہم میں بزمانہ حصار بابک غلہ اور مصارف سفر و قیام کے علاوہ جس روز میدان جنگ میں جاتا تھا۔ دس ہزار یومیہ صرف میں لاتا تھا اور جس دن اپنے مورچے میں رہتا تھا پانچ ہزار خرچ کرتا تھا۔ بابک کا فتنہ بیس سال تک ممتد رہا۔ ان معرکوں میں دو لاکھ پچپن ہزار پانسو اور دوسری روایت کے بموجب ایک لاکھ پچپن ہزار مسلمان جرعہ شہادت سے سیراب ہوئے۔ سات ہزار چھ سو مسلمان عورتیں اور بچے اس کے پنجہ ظلم سے چھڑائے گئے۔ ان سب قیدیوں کو بغداد لا کر ایک وسیع احاطہ میں ٹھرایا گیا۔ ان میں سے جس کسی کا والی و وارث آتا اس سے شہادت لی جاتی اور بعد ثبوت ولایت و وراثت اس کے حوالے کر دیا جاتا۔ (تاریخ طبری عربی ج ۵ ص ۲۲۰، تاریخ ابن خلدون عربی ج ۳ ص ۲۵۵، تاریخ ابن اثیر ج ۶ ص ۱۸، الفرق بین الفرق ص ۲۰۱)

بابکیہ کی ایک جماعت ابن جوزیؒ کے زمانہ تک موجود تھی۔ کہتے ہیں کہ اس جماعت میں سال بھر میں خوشی کی ایک رات مقرر ہے۔ اس تقریب میں تمام مرد اور عورتیں ایک مکان میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر چراغ گل کر دیے جاتے ہیں اور مرد اندھیرے میں دوڑ کر جس عورت پر قابو ملے اس کو پکڑ لیتے ہیں اور ان سے ناجائز تمتع حاصل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شکار ہے اور شکار مباح ہے۔ شاید یہ رات عید غدیر خم کے نام سے موسوم ہے۔ (تلبیس ابلیس عربی ص ۸۲، ۸۳)

باب ۱۹ ...... احمد بن کیال بلخی

احمد بن کیال بلخی فارسی اور عربی کا بہت بڑا مصنف گزرا ہے۔ بڑا فصیح و بلیغ اور بلند پایہ مقرر تھا۔ ابتداء میں لوگوں کو اہل بیت نبوت کی طرف بلاتا تھا۔ لیکن کچھ مدت کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی امام زماں ہوں۔ جونہی دعویٰ مہدویت کیا۔ ہزار ہا ارباب علم و فضل نے جن پر اس کی سحر نگاری، جادو بیانی اور مقفیٰ و مسجع گوئی کا جادو چل چکا تھا۔ اس کے دعوؤں کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ ایک مرتبہ اپنے مزعومہ مقامات مہدویت سے ترقی کرتے کرتے کہنے لگا کہ میں قائم ہوں اور بیان کیا کہ جو شخص عالم آفاق عالم علوی اور عالم انفس (یعنی عالم سفلی) کے مناہج بیان کرنے پر قادر

ہو۔اور نفس پر آفاق کی تطبیق کر سکے۔وہ امام ہے اور قائم وہ شخص ہے جو کل کو اپنی ذات میں ثابت کرے اور ہر ایک کلی کو اپنے معین جزئی شخص میں بیان کر سکے اور یاد رکھو کہ اس قسم کا مقرر سوائے احمد کے کسی زمانے میں نہیں پایا گیا۔احمد اپنے آپ کو تمام انبیاء سے افضل کہتا تھا۔اس کا بیان تھا کہ انبیاء ورسل اگرچہ پیشوا ہیں۔لیکن وہ اہل تقلید کے مقتداء ہیں۔جو اندھوں سے مماثلت رکھتے ہیں۔حالانکہ قائم (احمد) اہل بصیرت اور اصحاب دانش کا پیشرو ہے۔

کہتا تھا کہ عالم تین ہیں۔اعلیٰ،ادنیٰ،انسانی۔عالم اعلیٰ میں پانچ مکان ہیں۔ایک مکان الاماکن جو بالکل خالی اور سب کو محیط ہے۔نہ اس میں کوئی رہتا ہے اور نہ اس کی کوئی روحانی تدبیر کرتا ہے اور شرع میں عرش سے مراد یہی مکان الاماکن ہے۔اس سے نیچے مکان نفس اعلیٰ اور اس کے نیچے مکان نفس ناطقہ اور اس کے نیچے مکان نفس حیوانیہ ہے۔سب کے نیچے نفس انسانی کا مکان ہے۔نفس انسانی نے چاہا کہ عالم نفس اعلیٰ تک صعود کرے۔چنانچہ حیوانیت اور ناطقیت کو اس نے قطع کیا۔لیکن جب نفس انسانی نفس اعلیٰ کے قریب پہنچا تو وہاں تھک کر متحیر اور حسرت زدہ رہ گیا اور اس کے اجزاء متعفن ہو کر مستحیل ہو گئے۔جس سے وہ عالم سفلی میں گر پڑا۔پھر اسی حالت عفونت اور استحالہ میں ایک مدت تک پڑا رہا۔اس کے بعد نفس اعلی نے اپنے انوار کا ایک جز واس میں ڈالا۔جس سے اس عالم کی تراکیب حادث ہوئیں اور آسمان وزمین،مرکبات،نبات،حیوان اور انسان پیدا ہوئے اور ان تراکیب میں کبھی خوشی کبھی رنج کبھی سلامتی کبھی محنت واقع ہوئیں۔یہاں تک کہ قائم ظاہر ہوا۔جو اسے کمال تک پہنچا دے اور تراکیب منحل ہو جائیں اور متضادات باطل اور روحانیات جسمانیات پر غالب آ جائیں۔جانتے ہو۔وہ قائم کون ہے؟۔یہی عاجز احمد ہے۔

احمد اپنے قائم ہونے پر اس طرح استدلال کرتا تھا کہ دیکھو اسم احمد چاروں عالموں کے مطابق ہے۔الف...... نفس اعلیٰ کے مقابلے میں۔حا...... نفس ناطقہ کے مقابل۔میم...... نفس حیوانیہ کے مقابل۔اور دال...... نفس انسانیہ کے مقابل ہے۔پھر غور کرو کہ احمد کے چار حرف جیسے عوالم علویہ روحانیہ کے مقابلے میں تھے۔اسی طرح وہ سفلی جسمانی عالم کے مقابلے میں بھی ہیں۔کہتا تھا کہ میرے نام کے حرفوں میں الف انسان پر دلالت کرتا ہے۔حا حیوان پر۔میم طاہر پر اور دال مچھلی پر اور حق تعالیٰ نے انسان کو احمد کی شکل پر پیدا کیا۔قد الف،حا دونوں ہاتھ۔پیٹ میم اور پاؤں دال کی شکل پر ہیں۔باطنی فرقہ کی طرح تاویل وتحریف کا بڑا دلدادہ تھا۔

(الملل والنحل،الجزء الاول ص ۱۸۱،۱۸۲،علامہ شہرستانی)

باب ۲۰ ...... یحییٰ بن فارس ساباطی

یحییٰ بن فارس ساباطی مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح مسیح موعود ہونے کا مدعی تھا۔ خلیفہ معتز کے ایام خلافت میں ملک مصر کے اندر تنیس کے مقام میں ظاہر ہوا۔ جو شخص نصوص قطعیہ اور تصریحات نبوی ﷺ کو پس پشت ڈال کر بتاویل وتحریف مسیح بنا ہو۔ اگر وہ جناب عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کی دوسری خصوصیتوں سے عاری ہو تو اس کے لئے کم از کم اتنی قدرت تو ناگزیر ہے کہ لوگوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح کوئی مسیحائی دکھادے اور آنجناب کے جن معجزات باہرہ کو قرآن حکیم کی سند اعتبار حاصل ہے۔ ان کو منظر عام پر لا سکے۔ یحییٰ ساباطی کو زعم مسیحیت کیساتھ اس بات کا بھی دعویٰ تھا کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزے دکھا سکتا ہے۔

۱...... معجزات مسیح کا تذکرہ قرآن مجید میں

قرآن پاک میں حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کا دو مقامات پر ذکر آیا ہے۔ حضرت عیسی بن مریم علیہا السلام ردائے نبوت کے عطا کئے جانے پر اپنی قوم بنی اسرائیل کے پاس پیغام خداوندی لے کر آئے تو آپ نے جن معجزات کو اپنی نبوت کے ثبوت میں پیش فرمایا تھا۔ وہ سورہ آل عمران میں مذکور ہیں۔ اور جہاں خود خداوند عالم عزاسمہ نے مسیح علیہ السلام کو اپنی نعمتیں یاد دلا کر معجزات عیسوی کا اظہار فرمایا۔ اس کا تذکرہ سورہ مائدہ میں ہے۔ ان دو سورتوں میں خدائے قدوس کی لسان وحی نے جو معجزات عیسوی بیان فرمائے۔ ان میں سے چند یہ ہیں: (۱)...... مٹی کا پرند بنا کر اس میں پھونک مارنا اور اس کا پرواز کرنا۔ (۲)...... مردہ کو زندہ کر دکھانا۔ (۳)...... مادرزاد اندھے اور برص کے مریض کو تندرست کر دینا۔ یہاں یہ عرض کر دینا ضرور ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ضروریات وقت کے مطابق ایسے معجزات عطا کئے جاتے تھے کہ جن کے مقابلہ میں ان کے مخالفوں اور منکروں کی طاقت وصلاحیت جواب دے بیٹھتی تھی اور وہ مغلوب ومقہور ہو جاتے تھے۔ جناب مسیح علیہ السلام کے عہد مبارک میں حکمائے یونان کا دور دورہ تھا۔ جالینوس جیسے اطبائے حاذق اپنی حکمت پڑوہی اور مہارت طب کا دمامہ عظمت بجا رہے تھے۔ مسیح علیہ السلام کو ان کے طبی کمالات سے بڑھ چڑھ کر احیائے اموات اور مادرزاد اندھے اور مجذوم ومبروص کو صحیح وسالم کرنے کا معجزہ عطا ہوا۔ یہ ایسے لاعلاج مرض ہیں کہ جن پر آج تک کوئی طبیب قابو نہیں پا سکا۔ حکمائے یونان جناب مسیح علیہ السلام کے آیات بینات کے سامنے غائب وخاسرہ گئے۔ معجزات سہ گانہ مذکورہ میں سے اعجاز اول کے متعلق التماس ہے کہ مسیح علیہ السلام نے چند

مرتبہ جو مٹی کے پرند بنائے۔ وہ آپ کے اعجازی تصرف سے تھوڑی دور تک اڑے اور گر کر ہلاک ہوگئے۔ ان کو دوسرے پرندوں کی طرح پوری حیات وزیست نہیں بخشی گئی تھی۔ معجزہ ثانی کے متعلق گزارش ہے کہ آپ نے صرف تین چار مرتبہ مردوں کو ان کر قبروں میں سے زندہ برآمد کر دیا تھا۔ وہ ایک ایک دو دو دن یا چند گھنٹوں کے بعد طعمہ اجل ہو کر از سر نو زمرہ اموات میں جا شامل ہوئے تھے۔ غرض خالق کردگار نے مسیح علیہ السلام کو تخلیق وآفرینش کی قدرت دے کر اپنی صفت خالقیت میں شریک نہیں کر لیا تھا۔ بلکہ محض جزئی اور عارضی قدرت بخش کر اپنے برگزیدہ رسول کی عظمت وبرتری کا اظہار مقصود تھا۔ پس مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ اعتراض سخت لغو اور مضحکہ خیز ہے کہ:

''اگر خدا تعالیٰ اپنے اذن اور ارادہ سے اپنی خدائی کی صفتیں بندوں کو دے سکتا ہے تو بلاشبہ اپنی ساری صفتیں خدائی کی ایک بندے کو دے کر پورا خدا بھی بنا سکتا ہے۔''

(خزائن ج۳ص۲۵۲، ازالہ اوہام ص۲۹۸ حاشیہ)

نصاریٰ کا زعم باطل کہ مسیح کا احیائے اموات ان کی الوہیت کو مستلزم ہے

اسی طرح نصاریٰ کا مسیح علیہ السلام کے احیائے اموات اور دوسرے معجزات سے ان کی خدائی پر استدلال کرنا بھی باطل ہے۔ چنانچہ رب جلیل نے فرمایا ہے:

''لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھوالمسیح ابن مریم ۰ قل فمن یملك من اللہ شیأ ان ارادا ان یھلك المسیح ابن مریم وامه ومن فی الارض جمیعا ۰ وللہ ملك السموت والارض وما بینھما یخلق ما یشآء ۰ واللہ علی کل شئ قدیر'' ﴿ان لوگوں نے بلاشبہ کفر اختیار کیا جو کہتے ہیں کہ مسیح بن مریم ہی خدا ہیں۔ اے رسول ﷺ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر حق تعالیٰ مسیح اور ان کی والدہ اور تمام سکان ارض کو ہلاک وبرباد کر دینا چاہے تو کوئی نہیں جو اسے اس ارادہ سے باز رکھ سکے۔ آسمان وزمین میں سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔﴾

ان آیات میں حق تعالیٰ نے الوہیت مسیح کے عقیدہ فاسدہ کا تین دلائل سے رد فرمایا ہے۔ (۱) فمن یملك سے جمیعاً تک حضرت مسیح کے واقعہ گرفتاری اور محن کی طرف اشارہ کر کے ان کا محکوم ومنقاد الٰہی ہونا ظاہر کیا ہے۔ جو سراسر خدائی کے خلاف ہے۔ (۲) للہ ملك السموت والارض میں رب العزت اپنے غنائے ذاتی کو ظاہر فرما کر اولاد سے استغناء واستبراء کا اظہار فرماتا ہے۔ (۳) یخلق مایشاء میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بے باپ پیدا ہونے سے جن لوگوں کے دل میں ان کی الوہیت کا واہمہ پیدا ہوتا تھا۔ اس کو دور فرماتا ہے۔ یعنی یہ کوئی

مشکل بات نہیں۔ ہم جس طرح چاہیں پیدا کر سکتے ہیں۔ احیاء موتی سے جناب مسیح علیہ السلام کی خدائی پر استدلال کرنے کا اس آیت میں بھی رد فرمایا گیا ہے:

"ھوالذی یصورکم فی الارحام کیف یشآء" ﴿معبود حقیقی تو وہ ذات واحد ہے جو اپنی مشیت وارادہ کے موافق تمہیں تمہاری ماؤں کے رحم میں شکل وصورت بخشتا ہے۔﴾

یعنی مسیح علیہ السلام چند مردوں کو زندہ کر کے کسی طرح معبود نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ کیونکہ اس سے تو ہر شخص یہی سمجھے گا کہ حق تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کی عزت افزائی کے لئے معجزہ کے طور پر انہیں چند مرتبہ یہ قدرت بخش دی اور یہ حقیقت کہ ان کے احیاء اموات کو عالمگیر حیثیت حاصل نہ تھی۔ اس بات پر صراحتاً دال ہے کہ وہ الہ نہ تھے۔ کیونکہ الہ ومعبود حقیقی کی تو یہ شان ہے کہ وہ ایک چھوٹے سے قطرہ منی کو رحم مادر میں نہایت عجیب وغریب طریقہ سے انسان کی شکل میں متشکل کر دیتا ہے۔ اگر مسیح علیہ السلام کو موت وحیات پر پوری قدرت ہوتی تو وہ کم از کم ان اعداء ہی کو موت کے گھاٹ اتارتے یا کم از کم ان کا شروع کر سکتے۔ جنہوں نے حسب اعتقاد نصاریٰ جناب مسیح کو گرفتار کر کے صلیب پر چڑھایا تھا۔

ایک اور مقام پر خدائے حکیم نے اپنے لئے حی وقیوم کے الفاظ سے بھی عیسائی عقیدہ کا بطلان ظاہر فرمایا ہے۔ یعنی سچا معبود وہی ہو سکتا ہے جو حی وقیوم ہو اور ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام ان صفات سے عاری تھے۔ کیونکہ وہ شکم مادر سے پیدا ہوئے اور اکل وشرب کے محتاج تھے۔ دوسرے انسانوں کی طرح بول وبراز اور حدث میں مبتلا تھے اور نصاریٰ کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ بنی اسرائیل نے انہیں صلیب پر چڑھا کر قتل کیا اور آپ اپنے تئیں ان کے شر سے نہ بچا سکے۔ پس ثابت ہوا کہ وہ حی وقیوم اور معبود برحق نہ تھے۔

۲...... مرزا غلام احمد سے مطالبہ کہ مسیح ہو تو کوئی مسیحائی تو دکھاؤ

اہل بصیرت سے مخفی نہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی ایک فرضی اور خیالی حمل۔ کے ذریعہ عیسیٰ بن مریم بن گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کتاب کشتی نوح ص ۴۶، ۴۸ میں اپنے ابن مریم بن جانے کو نہایت مضحکہ خیز پیرایہ میں بوضاحت بیان فرمایا ہے۔ غرض جب انہوں نے اپنے عیسیٰ بن مریم بن جانے کا اعلان کیا تو بعض اہل علم حضرات کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ اگر تم عیسیٰ بن مریم ہو تو وہ اعجازی کمالات بھی دکھاؤ جو جناب عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی ذات اقدس میں ودیعت تھے۔ مرزا قادیانی کے پاس بجز سخن سازی کے رکھا ہی کیا تھا؟ اس مطالبہ کے جواب میں بساط

جرأت پر قدم رکھ کر سرے سے معجزات مسیح علیہ السلام ہی کا انکار کر دیا اور جھٹ قرآن پاک کے ارشادات پر اپنی ملحدانہ تحریف کاری کا روغن قاز ملنے لگے۔ چنانچہ لکھا کہ: ''بعض لوگ بحوالہ آیت قرآنی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح مریم انواع واقسام کے پرندے بنا کر اور ان میں پھونک مر کر زندہ کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی بنا پر اس عاجز پر اعتراض کیا ہے کہ جس حالت میں مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے تو پھر آپ بھی کوئی مٹی کا پرندہ بنا کر دکھلائے۔'' (خزائن ج۳ ص۲۵۱، ازالہ ص۲۹۶ حاشیہ) ''سو کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دیدی ہو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا کسی پھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرتا ہو۔ جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے۔ یا اگر پرواز نہیں تو پیروں پر چلتا ہو۔ کیونکہ حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ بڑھئی کا کام درحقیقت ایک ایسا کام ہے جس میں کلوں کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے بنانے میں عقل تیز ہو جاتی ہے۔ پس اس سے کچھ تعجب نہ کرنا چاہیے کہ حضرت مسیح نے اپنے دادا سلیمان کی طرح اس وقت کے مخالفین کو یہ عقلی معجزہ دکھایا ہو۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ اکثر صناع ایسی ایسی چڑیاں بنا لیتے ہیں کہ وہ بولتی بھی ہیں اور ہلتی بھی ہیں اور دم بھی ہلاتی ہیں۔ بلکہ بعض چڑیاں کل کے ذریعہ سے پرواز بھی کرتی ہیں۔'' (خزائن ج۳ ص۲۵۴، ازالہ ص۳۰۲ حاشیہ) ''عمل الترب میں جس کو زمانہ حال میں مسمریزم کہتے ہیں۔ ایسے ایسے عجائبات ہیں کہ اس میں پوری پوری مشق کرنے والے اپنی روح کی گرمی دوسری چیزوں پر ڈال کر ان چیزوں کو زندہ کے موافق کر دکھاتے ہیں۔'' (خزائن ج۳ ص۲۵۶، ازالہ ص۳۰۶ حاشیہ) ''حضرت مسیح بن مریم باذن وحکم الٰہی الیسع نبی کی طرح اس عمل الترب میں کمال رکھتے تھے۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا۔ تو خدا تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان عجوبہ نمائیوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا۔'' (خزائن ج۳ ص۲۵۷) ''مسیح اپنی روح کے ذریعہ سے جس کو روح القدس کے فیضان سے برکت بخشی گئی تھی۔ ایسے ایسے کام اقتداری طور پر دکھاتا تھا اور قرآن شریف کی آیات بھی بآواز بلند پکار رہی ہیں کہ مسیح کے ایسے عجائب کاموں میں اس کو طاقت بخشی گئی تھی اور خدا تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ وہ ایک فطرتی طاقت تھی۔ جو ہر ایک فرد بشر کی فطرت میں مودع ہے۔ مسیح سے اس کی کچھ خصوصیت نہیں۔ مسیح کے معجزات تو اس تالاب کی وجہ سے بے رونق اور بے قدر تھے جو مسیح کی ولادت سے بھی پہلے مظہر عجائبات تھا۔ جس میں ہر قسم کے بیمار اور تمام مجذوم، مفلوج، مبروص وغیرہ ایک ہی غوطہ مار کر اچھے ہو جاتے تھے۔ لیکن بعد کے زمانوں میں

جو لوگوں نے اس قسم کے خوارق دکھلائے اس وقت تو کوئی تالاب بھی موجود نہیں تھا۔"
(خزائن ج۳ ص۲۶۳، ازالہ ص۳۲۱ حاشیہ)

غرض اس لحاظ سے کہ اعجاز نمائی مرزا قادیانی کے بس کا روگ نہیں تھا۔ انہوں نے اس بکھیڑے اور جنجال سے بچنے کی یہ آسان ترکیب نکالی کہ سرے سے معجزات مسیح علیہ السلام ہی کا انکار کر دیا اور آخرکار یہاں تک لکھ مارا کہ: "عیسائیوں نے آپ (یسوع مسیح) کے معجزات لکھے ہیں مگر حق بات یہ کہ آپ سے کبھی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔ ممکن ہے کہ آپ سے معمولی تدبیر کے ساتھ کسی شب کور وغیرہ کا علاج کیا۔ ہو مگر بدقسمتی سے اسی زمانہ میں ایک تالاب بھی موجود تھا۔ اسی تالاب سے آپ کے معجزات کی پوری پوری حقیقت کھلتی ہے اور اسی تالاب نے فیصلہ کر دیا کہ اگر آپ سے کوئی معجزہ ظاہر ہوا تو وہ معجزہ آپ کا نہیں۔ بلکہ اسی تالاب کا معجزہ ہے۔ آپ کے ہاتھ میں (معاذ اللہ) سوائے مکر اور فریب کے کچھ نہیں تھا۔" (خزائن ج۱۱ ص۲۹۱، ضمیمہ انجام آتھم ۷ حاشیہ)
لیکن بوالعجبی دیکھو کہ اس کے بعد مرزا قادیانی نے کتاب نصرۃ الحق ص۳۱ میں معجزات مسیح علیہ السلام کی تصدیق کر کے اور یہ لکھ کر اپنے بیانات کی خود ہی تردید کر دی کہ: "یہود نے مسیح علیہ السلام سے کئی معجزات دیکھے۔ مگر ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔"

۳...... یحییٰ ساباطی کی اعجاز نمائیاں

مرزا غلام احمد قادیانی نے تو معجزات مسیح علیہ السلام کا انکار کر کے معترضین سے پیچھا چھوڑایا۔ لیکن یحییٰ ساباطی نے ایسا نہیں کیا تھا اور نہ مرزا قادیانی کی طرح اس میں اتنی جرأت تھی کہ مصر میں رہ کر قرآن پاک کے نصوص صریحہ کا صاف انکار کرتا۔ جہاں کے باشندوں نے مسٹر مارماڈیوک پکتھال کے انگریزی ترجمہ قرآن کا داخلہ مصر میں یہ کہہ کر بند کر دیا تھا کہ عربی ہماری مادری زبان ہے۔ ہمیں کسی ترجمہ قرآن کی ضرورت نہیں۔ یہ ملک جہاں معجزات مسیح علیہ السلام کا انکار کیا گیا۔ خراب آباد ہندوستان ہے۔ جہاں کے بعض حلقوں میں کبھی سنگریزہ کیا۔ اس سے بھی کہیں ادنیٰ وارذل چیز لعل وگہر کی قیمت پا جاتی ہے۔ یحییٰ بن فارس ایک حاذق طبیب اور فلاسفر تھا۔ اس نے سمندر کے کنارے ایک صومعہ بنا رکھا تھا۔ جب اس سے کہا گیا کہ تم مسیح موعود ہو تو مسیح علیہ السلام کے سے معجزے بھی دکھاؤ۔ تو اس نے علیٰ رغم قادیانی بیانگ دہل اس پر آمادگی ظاہر کی اور برملا دعویٰ کیا کہ میں حسب فرمائش مردہ زندہ کر سکتا ہوں۔ برص اور جذام کھو سکتا ہوں۔ پانی پر چل سکتا ہوں۔ چنانچہ علامہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر دمشقی معروف بہ جوبری کتاب المختار وکشف الاسرار میں لکھتے ہیں کہ اس شعبدہ بازی کے ذریعہ سے لوگوں کو مردہ زندہ کر کے دکھا دیا۔

(میں نے اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ حیدر آباد دکن میں دیکھا تھا۔ اس باب کے تمام اقتباسات اسی نسخہ سے ماخوذ ہیں۔ یہ کتاب دمشق میں چھپ چکی ہے۔ لیکن افسوس کہ باوجود بسیار کوشش اس پر دسترس نہ پاسکا)

مردہ قبر سے نکل کر باتیں کرنے لگا

چنانچہ ایک مرتبہ یحیٰی ایک شخص کے وارثوں سے جسے مرے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہنے لگا کہ اگر چاہو تو میں تمہاری میت زندہ کرسکتا ہوں۔ انہوں نے کہا اگر ایسا کرو تو آپ کی نوازش ہوگی۔ اس نے کہا کفن کا ایک ٹکڑا کاٹ لاؤ۔ وہ قبر کھول کر ایک ٹکڑا قطع کر لائے۔ یحیٰی نے اس کو وزن کیا اور پھر اس کا ہم وزن ناریل اور جند بیدستہ لیا۔ موخر الذکر اشیاء کو باریک کر کے تینوں کا ایک فتیلہ بنایا اور قبر پر جا کر اہل میت کے سامنے اس کو سلگایا اور کچھ پڑھنا شروع کیا۔ جب بتی سے دھواں اٹھ کر چاروں طرف پھیلنے لگا۔ تو اہل میت کو ایسا محسوس ہوا کہ گویا مردہ کفن پھاڑ کر قبر میں اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اب انہوں نے اس سے چند باتیں دریافت کیں۔ جس کا اس نے صاف لفظوں میں جواب دیا۔ اس واقعہ کے بعد ہر جگہ یحیٰی کی مسیحائی کا چرچہ ہونے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے ہر طرف سے اپنی اپنی میتوں کو اٹھائے اس کے صومعہ کا رخ کیا اور آ آ کر منتیں کرنے لگے کہ ہمارے مردہ کو بھی زندہ کر کے ہم سے ہم کلام کرا دو۔ مگر ایک مرتبہ کی کرشمہ سازی کے بعد اس نے دوبارہ احیائے میت سے انکار کر دیا۔ لیکن یاد رہے کہ مردہ کا قبر سے اٹھ کر باتیں کرنا محض تخیل تھا۔ کوئی واقعی چیز نہ تھی۔ اس کی نظیر ساحرین فرعون کی رسیاں اور لاٹھیاں ہیں جو حاضرین کو دوڑتی دکھائی دی تھی۔ چنانچہ قرآن پاک کی اس آیت میں اس کا تذکرہ ہے "فاذا حبالھم و عصیھم یخیل الیہ من سحر ھم انھا تسعیٰ (۲۰:۲۸)" ﴿ان کی نظر بندی سے ساحروں کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ علیہ السلام کی ایسی معلوم ہونے لگیں کہ گویا چلتی اور دوڑتی ہیں۔﴾

مبروص کو شفایاب کرنے کا راز

یحیٰی برص کے مریض کو شفا بخشنے کا معجزہ کام میں لاتا تھا۔ اس کی نوعیت یہ تھی کہ وہ پودینہ، ہڑتال ورقی اور تخم کرفس کو ہموزن لے کر باریک کرتا تھا اور اس سفوف کو تر گوبر میں رکھ کر اتنے دن تک زمین میں گاڑ دیتا تھا کہ اس میں سفید کیڑے پیدا ہو جاتے تھے۔ ان کیڑوں کو

کسی شیشی میں ڈال کر روغن بنالیتا تھا۔ اس روغن کی تیاری کے بعد اس کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ شہر کے کسی سر برآوردہ آدمی کو مصنوعی طور پر برص میں مبتلا کر دے۔ اس غرض کیلئے اپنے ایک راز دار ملازم کو حمام میں بھیج دیتا۔ وہ بے خبری میں کسی رئیس کے جسم پر یہ روغن ذرا سا لگا دیتا۔ رئیس کے بدن پر اسی دن برص کے داغ ظاہر ہو جاتے۔ شہر میں یحییٰ ہی مرجع خلائق طبیب تھا۔ جب مریض اس کی طرف رجوع کرتا تو وہ شیطرج ہندی نام ایک دوا جسے چیتا بھی کہتے ہیں۔ باریک پیس کر اور تیز سرکہ میں حل کر کے ان داغوں پر لگا دیتا۔ چونکہ یہ داغ بالکل تازہ اور محض عارضی حیثیت رکھتے تھے۔ شیطرج کے لگانے سے تھوڑی ہی دیر میں دور ہو جاتے۔

کوڑھیوں کو شفا بخشنے کی حیلہ گیری

یحییٰ نے جذامیوں کو شفایاب کرنے کا یہ حیلہ بنا رکھا تھا کہ بادروج (جنگلی تلسی) برگ بیلا ڈونا (لچھما پچھی) اور برگ عظلم (؟) کو ہم وزن لے کر پانی میں جوش دیتا۔ جب ربع پانی جل جاتا تو اپنے چند آدمیوں کو اس سے وضو کرا دیتا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کے چہرے اور ہاتھ اور پاؤں جذامیوں کے اعضاء کی طرح بدنما اور ماؤف سے نظر آنے لگتے۔ اب وہ دیار و امصار میں اپنے جذام کی خوب تشہیر کرتے۔ جب ہر شخص کو معلوم ہو جاتا کہ یہ اہل بلا ہیں تو ایک بڑے مجمع میں یحییٰ کے پاس آ کر درخواست کرتے کہ آپ مسیح زماں ہیں۔ ہمارا جذام دور کر دیجئے۔ یحییٰ پانی گرم کرا کر اس میں انگلیاں ڈالتا اور ان کو اس پانی سے غسل کرنے کا حکم دیتا۔ چونکہ وہ جذام محض نمائشی ہوتا تھا۔ غسل سے دوا دھل کر ہاتھ پاؤں اور چہرہ صاف اور چمکدار نکل آتا۔ لوگ یہ سمجھتے کہ حضرت مسیح موعود کی برکت و توجہ سے کوڑھی صحیح و سالم ہو گئے۔

پانی پر چلنے کا معجزہ

حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پانی پر چلنے کا معجزہ بھی عطا کیا گیا تھا۔ یحییٰ پانی پر چلنے کا معجزہ اس طرح دکھاتا تھا کہ اپنے کف ہائے پا پر ایک مصالحہ لگا کر سمندر کے کنارے پانی میں اتر تا۔ بڑی بڑی مچھلیاں اس بو پر آ کر اس کے پاؤں چاٹنا چاہتیں۔ یہ اپنے دونوں پاؤں کسی بڑی مچھلی کی پیٹھ پر رکھ دیتا۔ اب مچھلی جہاں جہاں پانی میں جاتی یہ بھی اس پر سوار رہ کر ساحل بحر کے چکر لگاتا۔ قدم اٹھتے دکھائی نہ دیتے تھے باہر کے لوگ یہی سمجھتے کہ اعجازی طاقت سے سطح آب پر چل رہا ہے۔ اس دوا کے تین اجزاء بیان کئے جاتے ہیں۔ باروج (جنگلی تلسی) سرگین آدمی اور حب العنا رز (؟) تینوں کو ہم وزن لے کر باریک کرتا اور روغن چنبیلی میں ملا لیتا۔

(کتاب المختار و کشف الاسرار للجوبری)

باب ۲۱ ...... علی بن محمد خارجی

علی بن محمد بن عبدالرحیم نام، قبیلہ عبدالقیس کا ایک شخص ورویفن مضافات رے میں پیدا ہوا۔ خوارج کے فرقہ زاراقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ ابتداء میں اس کی وجہ معاش یہ تھی کہ خلیفہ منتصر عباسی کے بعض حاشیہ نشینوں کی مدح وتوصیف میں قصائد لکھ کر کچھ انعام حاصل کر لیا کرتا تھا۔ جب امراء کی مجلسوں میں آمدورفت کرنے سے کچھ رسوخ پیدا ہوا تو اس کے دل میں سرداری اور گروہ بندی کے خیالات موجزن ہوئے۔ ۲۴۹ھ میں بغداد سے بحرین چلا گیا اور دعوئ نبوت کر کے لوگوں کو اپنے اتباع کی دعوت دینے لگا۔ اس کا بیان تھا کہ مجھ پر بھی کلام الٰہی نازل ہوتا ہے۔ اس نے اپنا ایک "صحیفہ آسمانی" بنا رکھا تھا۔ جس کی بعض سورتوں کے نام سبحان، کہف، اور ص تھے۔ کہتا تھا کہ خدائے برتر نے میری نبوت وامامت کی بہت سی نشانیاں ظاہر فرمائی ہیں۔ بعض حضرات نے علی بن محمد خارجی کی جگہ بہبود زنگی کو مدعی نبوت قرار دیا ہے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ زنگیوں کا گمراہ کرنے والا یہی علی بن محمد مدعی نبوت تھا اور بہبود زنگی اس کا امیر البحر تھا۔ بحرین کے اکثر قبائل نے علی بن محمد خارجی کی متابعت اختیار کر لی۔ وہیں اس نے ایک بڑی جمعیت بہم پہنچالی اور بحرین کے بعض عمائد اس کی فوج کے افسر مقرر ہوئے۔ قریباً پانچ سال تک بحرین میں اقامت گزین رہنے کے بعد ایک مرتبہ اپنے پیرووں سے کہنے لگا کہ مجھے خدا کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ یہاں سے بصرہ جاؤں اور وہاں کے لوگوں کو نجات اخروی کا راستہ دکھاؤں۔ چنانچہ ۲۵۴ھ میں چند پیرووں کی رفاقت میں بصرہ چلا آیا۔ بصرہ میں بنوصبیعہ کے ہاں فروکش ہوا۔ ان دنوں محمد بن رجا بصرہ کا عامل تھا اور بلالیہ وسعدیہ کے قبائل میں آتش فساد بھڑک رہی تھی۔ علی بن محمد خارجی نے فریقین میں سے ایک کے ملانے کی کوشش کی۔ راز افشاء ہو گیا۔ محمد بن رجا عالم بصرہ نے چند سپاہیوں کو اس کی گرفتاری پر متعین کیا۔ علی خارجی یہ خبر پا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کا بیٹا بیوی اور چند ساتھی گرفتار کر لئے گئے۔ علی بہزار خرابی بغداد پہنچا۔ ایک برس تک مقیم رہ کر پروپیگنڈا میں مصروف رہا۔ اس کے بعد روساء بلالیہ وسعدیہ نے متفق ہو کر محمد بن رجا عالم بصرہ کو نکال دیا اور بصرہ کے قید خانہ کا دروازہ توڑ کر قیدیوں کو رہا کر دیا۔ رفتہ رفتہ واقعات کی خبر بغداد میں علی خارجی تک پہنچی۔ اس نے میدان خالی پا کر رمضان ۲۵۵ھ میں بصرہ کی طرف مراجعت کی۔

حبشی غلاموں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرنے کی عجیب وغریب چال

بصرہ پہنچ کر علی بن محمد نے قصر قرشی میں قیام کیا اور آتے ہی اعلان کر دیا کہ جو جو حبشی

غلام میری پناہ میں آ جائیں گے میں ان کو آزاد کر دوں گا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ حبشی غلام اطراف واکناف ملک سے بھاگ بھاگ کر اس کے پاس آنے شروع ہوئے۔ ایک جم غفیر جمع ہو گیا۔ اس نے ایک پر جوش تقریر کر کے ان کو ملک و مال دینے کا وعدہ کیا۔ حسن سلوک اور احسان کرنے کی قسم کھائی ایک ریشمین ٹکڑے پر "ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ" آخر آیت تک لکھ کر رایت بنایا اور ایک بلند مقام پر نصب کرا دیا۔ زنگی غلاموں کے آقاؤں کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ ایک ایک دو دو کر کے علی کے پاس اپنے غلاموں کی نسبت کہنے سننے کو آئے۔ علی نے اشارہ کر دیا۔ زنگی غلاموں نے اپنے آقاؤں کو مارنا اور قید کرنا شروع کیا۔ شرفاء بصرہ یہ رنگ دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ آخر علی نے تمام لوگوں کو جنہیں حبشی غلاموں نے قید کر رکھا تھا رہا کر دیا۔ الغرض علی خارجی کا رایت اقبال کامیابی کی ہوا میں لہرانے لگا۔ ملک کے ہر چہار طرف سے زنگی غلام جوق در جوق اس کے جھنڈے تلے آ کر اپنے کو غلامی سے آزاد کراتے جا رہے تھے۔ یہ شخص ہر وقت ان لوگوں کو اپنی ولولہ انگیز تقریروں سے ابھارتا اور ملک و مال پر قبضہ کرنے کی تحریص کر رہا تھا۔ جب حبشی غلاموں کی ایک بڑی جمعیت اس کے جھنڈے تلے مرنے مارنے کو تیار ہو گئی تو ترکتاز کرتے ہوئے سواد، دجلہ، ایلہ اور قادسیہ کو تاخت و تاراج کیا۔ جہاں کہیں حکام نے مقابلہ کیا ہزیمت اٹھائی۔ ان واقعات سے اس کی قوت اور بھی بڑھ گئی۔ اہل بصرہ آئندہ خطرات کا لحاظ کر کے چار دفعہ علی کے مقابلہ پر آئے۔ مگر ہر مرتبہ ہزیمت اٹھائی۔ زنگیوں نے ہر دفعہ ان کے سامان جنگ اور آلات حرب چھینے اور فتوحات سے زنگی غلاموں کی جرأت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس طوفان بلا کے فرو کرنے کو دربار خلافت سے یکے بعد دیگرے دو سپہ سالار بھیجے گئے۔ مگر دونوں ہزیمت کھا کے اور مال و اسباب چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ زنگی مال و دولت سے مال و مال ہو گئے۔ اہل بصرہ نے پانچویں مرتبہ پھر مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی اور ان کے ہزار ہا آدمی کام آئے۔ اہل بصرہ نے ان واقعات سے خلیفہ کو مطلع کیا۔ دربار خلافت سے ایک ترک افسر جعلان نام ایک فوج گراں کے ساتھ اہل بصرہ کی کمک پر بھیجا گیا۔ چھ مہینہ تک جنگ و پیکار برپا رہی۔ آخر جعلان جنگ سے دست بردار ہو کر بصرہ چلا آیا۔ زنگیوں نے کامیابی کیساتھ اس کے لشکر گاہ کو لوٹا۔

علی خارجی کے فتوحات

علی خارجی نے ۲۵۲ھ میں بزور تیغ ایلہ میں گھس کر وہاں کے گورنر عبید اللہ بن حمید اور اس کی مختصر فوج کو تہ تیغ کر دیا اور شہر کو آگ لگا دی۔ ایلہ جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ اب اہواز تک

سارا علاقہ علی کے حیطہ اقتدار میں آ گیا۔ زنگیوں نے اہواز کو خاطر خواہ لوٹا اور ابراہیم بن مدبر وہاں کے عامل کو گرفتار کر لیا۔ اہل بصرہ زنگیوں کے خوف سے شہر خالی کر کے اطراف و جوانب میں بھاگ گئے۔ ۲۵۷ھ میں خلیفہ معتمد نے سعید بن صالح ایک مشہور سپہ سالار کو زنگیوں کی گوشمالی پر متعین کیا۔ سعید نے میدان جنگ میں پہنچ کر زنگیوں پر حملہ کیا اور پہلے ہی حملہ میں انہیں میدان جنگ سے بھگا دیا۔ وہ دوبارہ اپنی قوت کو مجتمع کر کے لڑنے کو بڑھے۔ سعید کو اس معرکہ میں ناکامی ہوئی اور اس کے اکثر ساتھی کام آ گئے۔ سعید خائب و خاسر دارالخلافہ سامرا (متصل بغداد) واپس چلا آیا۔

اب خلیفہ معتمد نے جعفر بن منصور خیاط کو جو بڑے بڑے معرکوں میں نام پا چکا تھا متعین فرمایا۔ جعفر نے پہلے کشتیوں کی آمدورفت روک دی۔ جس سے زنگیوں کی رسد بند ہو گئی۔ اس کے بعد زنگیوں سے جنگ کرنے کو روانہ ہوا۔ مگر شکست کھا کر بحرین چلا آیا۔ جس وقت سے جعفر دریا میں زنگیوں سے شکست کھا کر واپس چلا آیا تھا۔ ان کے مقابلے پر جانے سے جی چراتا اور کشتیوں کی اصلاح، خندقوں کی کھدائی اور مورچہ بندی پر اکتفا کر رہا تھا۔ اس اثناء میں علی بن ریان نے جو زنگیوں کا ایک سپہ سالار تھا۔ اس پر محاصرہ ڈالنے کی غرض سے بصرہ پر چڑھائی کر دی۔ آخر نصف شوال ۲۵۷ھ میں بصرہ کو بزور تیغ فتح کیا اور وہاں کے باشندوں کو نہایت سفا کی سے قتل و غارت کر کے واپس آیا۔ اس پر بھی اس کے بیرحم دل کو تسکین نہ ہوئی۔ دوبارہ سہ بارہ قتل و غارت کرتا ہوا بصرہ گیا۔ اہل بصرہ نے امان طلب کی۔ علی بن ریان نے امان دے کر لوگوں کو دارالامارۃ میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب تمام لوگ مجتمع ہو گئے تو سب کو جرعہ شہادت پلا دیا اور مسجد جامع اور اکثر محلات بصرہ کو آگ لگا دی۔

جب بصرہ کی تباہی و بربادی کی خبریں بغداد (سامرہ) پہنچیں تو خلیفہ معتمد نے ایک سپہ سالار محمد معروف بہ مولد کو ایک لشکر جرار کے ساتھ بصرہ کی جانب روانہ کیا۔ مولد رخصت ہو کر بصرہ آیا۔ لوگوں نے رو رو کر زنگیوں کے ظلم و جور کی شکایت کی۔ مولد نے ان کو اور اپنے لشکر کو مرتب کر کے زنگیوں پر دھاوا کیا۔ علی خارجی نے اپنے جنگی افسر یحییٰ بن محمد کو مولد کے مقابلہ پر بھیجا۔ دس روز تک لڑائی ہوتی رہی۔ کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ علی خارجی نے ابولیث اصفہانی کو یحییٰ بن محمد کی کمک پر بھیجا اور حالت غفلت میں شب خون مارنے کی ہدایت کی۔ غرض زنگیوں نے مولد کے لشکر پر شب خون مارا۔ رات بھر۔ صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ مغرب کے وقت مولد نے شکست کھائی۔ زنگیوں نے اس کے لشکر گاہ کو لوٹ لیا۔ زنگیوں نے جامدہ تک منہزم لشکر کا تعاقب کیا۔

شاہزادہ ابوالعباس کی روانگی اور اسلامی فتوحات

اس کے بعد مسلسل نو سال تک دارالخلافہ سے سپہ سالار فوجیں دے کر بھیجے جاتے رہے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی زنگیوں کی تاب مقاومت نہ لا سکا۔ سب کے سب تمام مال واسباب اعداء کی نذر کر کے بھاگ آتے رہے۔ آخر خلیفہ نے زنگیوں کی سالہا سال کی کامیابیوں اور عساکر سلطانی کو ہزیمتوں سے ملول ہو کر اپنے بھتیجے ابوالعباس معتضد بن موفق کو زنگیوں کی مہم پر روانہ کیا۔ ابوالعباس وہ شخص ہے جو آئندہ چل کر خلیفہ معتمد کے بعد سریر خلافت پر متمکن ہوا اور معتضد باللہ کے لقب سے مخاطب کیا گیا۔ ابوالعباس ربیع الثانی ۲۶۶ھ کو دس ہزار فوج پیادہ و سوار کی جمعیت سے زنگیوں کی طرف روانہ ہوا۔ علی خارجی نے اس مہم کے لئے بے شمار فوجیں فراہم کی تھیں۔ اس نے سن رکھا تھا کہ ابوالعباس ایک نوجوان شاہزادہ ہے۔ جسے معرکہ آرائی میں مطلق دخل نہیں ہے۔ اس سے اس نے یہ خیال قائم کر رکھا تھا کہ اول تو ابوالعباس ہماری کثرت فوج سے خائف ہو کر برسر مقابلہ نہ آئے گا اور اگر مقابلہ کرنے کی جرأت بھی کی تو ایک ہی حملہ میں اس کے دانت کھٹے کر دیئے جائیں گے کہ کبھی لڑائی کا نام نہ لے گا۔ ابوالعباس نے ایک قصبہ میں جس کا نام صلح تھا۔ پہنچ کر فریق مقابل کی خبریں لانے کے لئے جاسوس دوڑائے۔ جاسوسوں نے آ کر اطلاع دی کہ زنگیوں کا لشکر بھی آن پہنچا ہے۔ چنانچہ ان کے لشکر کا پہلا حصہ قصبہ صلح کے کنارے پڑا ہے اور آخری حصہ لشکر نشیبی واسط تک پھیلا ہوا ہے۔ ابوالعباس متعارف راستہ چھوڑ کر غیر معروف راہ سے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ اثناء راہ میں غنیم کے مقدمۃ الجیش سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ابوالعباس نے پہلے تو اپنے پرزور حملہ سے زنگیوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ مگر مصلحتاً خود پیچھے کو ہٹا۔ زنگی اس کی پسپائی سے قوی دل ہو کر بڑھ چڑھ کر حملے کرنے لگے۔ ابوالعباس نے اس سے پیشتر دریا کی راہ سے جنگی کشتیوں کا ایک بیڑا بھی روانہ کیا تھا۔ جس کی قیادت ابوحمزہ نصری کے سپرد تھی۔ چنانچہ نصیر بھی ابوالعباس کے حسب ہدایت اپنی فوجوں کو ایک طرف لئے پڑا تھا۔ جب زنگی بڑھ چڑھ کر حملہ آور ہونے لگے تو ابوالعباس نے للکار کر کہا نصیر! کیا دیکھتے ہو؟ یہ کہتے اب آگے نہ بڑھنے پائیں۔ نصیر یہ آواز سن کر ایک دوسری جانب سے جس طرف کہ زنگیوں کو کوئی وہم وگمان بھی نہ تھا۔ اپنا اپنا ٹڈی دل لئے ہوئے نکل پڑا۔ زنگی حواس باختہ ہو گئے اور کچھ سوجھائی نہ دیا کہ کیا کریں۔ عالم سراسیمگی میں دریا کی طرف بھاگے۔ ابوالعباس نے رومال یا جھنڈی کے اشارہ سے جنگی کشتیوں کی فوج کو بھی معاً حملہ کا حکم دیا۔ غرض حبشی چاروں طرف سے حملہ کی زد میں آ گئے۔ آخر گھبرا کر جدھر راستہ پایا بھاگ کھڑے ہوئے۔ عساکر خلافت نے چھ کوس تک تعاقب

کیا اور جو کچھ غنیم کے لشکر گاہ میں تھا لوٹ لیا۔ یہ پہلی فتح تھی جو شاہی فوج کو سالہا سال کی متواتر اور مسلسل ہزیمتوں کے بعد زنگیوں کے مقابلہ میں نصیب ہوئی۔

ابوالعباس نے واسط سے ایک کوس ہٹ کر پڑاؤ کیا۔ اب دونوں فریق از سر نو اپنی اپنی فوج کی اصلاح اور ضروریات حرب کی ترتیب میں مصروف ہوئے۔ ایک ہفتہ کے بعد زنگیوں کا ایک سپہ سالار سلیمان بن جامع اپنے لشکر کو تین حصوں میں منقسم کر کے تین طرف سے حملہ کرنے کی غرض سے ابوالعباس کی طرف بڑھا اور چند دستہ فوج کو کشتیوں پر سوار کر کے براہ دریا حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ابوالعباس اور نصیر نے اپنی ہمت دریائی حملہ کی روک تھام پر مبذول کی اور اس کے مقابلہ میں اپنی فوج کو خشکی پر دست بدست لڑنے کا اشارہ کیا۔ ہنگامہ کارزار گرم ہوا۔ دوپہر تک آتش حرب شعلہ زن رہی۔ ظہر کے قریب زنگی ہمت ہار بیٹھے اور نہایت افراتفری اور بے ترتیبی کے ساتھ بخوف جان بھاگنے لگے۔ ظہر کے بعد زنگیوں کے لشکر میں عام بھگدڑ مچ گئی۔ ابوالعباس لشکر غنیم کو موت کے گھاٹ اتارنے اور قید کرنے میں مشغول ہوا اور زنگیوں کی جنگی کشتیاں گرفتار کر لی گئی۔ ہزاروں زنگی موت کی گھاٹ اترے۔ ابوالعباس مظفر و منصور اپنے لشکر گاہ کو واپس آیا۔

زنگیوں نے لشکر خلافت کے راستہ میں گڑھے کھود دیئے

زنگیوں نے اپنی ہزیمت و فرار کے بعد خلیفۃ المسلمین کے لشکر کی ایذا رسانی کے لئے یہ شیطنت کی کہ آیندہ جس طرف سے لشکر خلافت کا گزر ہونے والا تھا۔ اس راستہ میں بڑے بڑے کنوئیں اور گڑھے کھود کر انہیں گھاس پھوس اور مٹی سے پاٹ دیا۔ ابوالعباس کی فوج اپنی فتح کے نشہ میں سرشار اعداء کی چالوں سے غافل تھی۔ بوقت مراجعت اسی راستہ سے ہو کر گزری۔ مگر غنیمت ہے کہ ابھی دو چار ہی سواران گڑھوں میں گرے تھے کہ متنبہ ہو گئی۔ شاہی لشکر نے اس راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کر لی۔ ابوالعباس کو زنگیوں کی اس کمینہ حرکت پر سخت طیش آیا اور نہایت ہوشیاری اور مستعدی سے کام لینے لگا۔ پہلی فتح کے بعد عساکر خلافت نے فتوحات کا دروازہ کھولا تو اس کے بعد زنگیوں کو بہت سی ہزیمتیں ہوئیں۔ جن کی تفصیل کو بخوف طوالت قلم انداز کیا جاتا ہے۔ جب علی خارجی کو اپنی ناکامیوں کا علم ہوا تو اپنے دونوں سپہ سالاروں علی بن ابان اور سلیمان بن جامع کو متفرق و منتشر ہو کر لڑنے پر ملامت کی اور دونوں کو مجموعی قوت سے ابوالعباس کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت تک ابوالعباس تنہا زنگیوں کے مقابلہ پر لڑ رہا تھا اور اس نے نصرت الٰہی کے بل پر باوجود نوعمری اور ناتجربہ کاری کے نہایت نمایاں کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ جب خلیفہ کے بھائی موفق کو عساکر خلافت کی فتوحات کا حال معلوم ہوا تو سجدہ شکر بجالایا اور جب یہ سنا کہ علی

ابن ابان اور سلیمان یکجا ہو کر اس کے بیٹے ابوالعباس پر حملہ آور ہوا چاہتے ہیں تو خلیفہ کے استصواب رائے سے بہ نفس نفیس ۲۶۷ھ میں ایک بھاری فوج کے ساتھ بغداد سے کوچ کر دیا۔ جب واسط پہنچا تو اپنے ہونہار فرزند ابوالعباس سے ملا۔ موفق نے ابوالعباس کے فوجی افسروں کو خلعت گرانبہا اور فوج کو انعامات سے سرفراز فرمایا۔ ابوالعباس باپ سے رخصت ہو کر لشکر گاہ میں واپس آیا۔ دوسرے دن موفق نے نہر شداد پر جا کر قیام کیا۔ تیسرے روز ابوالعباس نے محاصرہ کے قصد سے منیعہ کی طرف کوچ کیا۔ موفق بھی دریا کی طرف سے منیعہ کی طرف بڑھا اور ۸ ربیع الثانی ۲۶۷ھ کو دونوں باپ بیٹا نے دو طرف سے منیعہ پر دھاوا کیا۔ زنگیوں کو موفق کی خبر نہ تھی۔ دریا کی طرف سے حالت غفلت میں جھرمٹ باندھ کر ابوالعباس کے مقابلہ پر جمع ہوئے۔ آتش جنگ شعلہ زن ہوئی۔ اس اثناء میں موفق نے دریا کی طرف سے حملہ کر دیا۔ زنگی فوجیں اس اچانک اور غیر متوقع حملہ سے بدحواس ہو کر جوں ہی حفاظت شہر کی طرف مائل ہوئیں۔ ابوالعباس کے سپاہی بھی انہی کے ساتھ شہر میں گھس پڑے۔ زنگیوں کا خوب قتل عام ہوا۔ ہزاروں زنگی قید ہوئے۔ موفق اس فتح کے بعد اپنے کیمپ میں واپس آیا۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار مسلم خواتین زنگیوں کے پنجہ ظلم سے رہا کی گئیں۔ بے حساب رسد و غلہ ہاتھ آیا۔ زنگیوں کا سپہ سالار شعرانی اپنی بچی کھچی ہزیمت خوردہ فوج کو لے کر جنگل میں جا چھپا۔

منصورہ پر عساکر خلافت کا قبضہ

اس اثناء میں جاسوسوں نے موفق کی خدمت میں حاضر ہو کر گوش گزار کیا کہ سلیمان ابن جامع اس وقت حوانیت میں مقیم ہے۔ موفق یہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا۔ فوج کو فوراً تیاری کا حکم دیا۔ اپنے ہونہار فرزند ابوالعباس کو دریا کی راہ سے جنگی کشتیوں کو لے کر بڑھنے کر اشارہ دیا اور خود خشکی کی راہ سے کوچ کر کے منیعہ پہنچا۔ زنگیوں سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ شام تک ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ رات کے وقت ایک زنگی افسر نے ابوالعباس کے پاس آ کر امان کی درخواست کی۔ ابوالعباس نے امان دے کر سلیمان بن جامع کا حال دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ ابن جامع اس وقت اپنے شہر منصورہ میں مقیم ہے۔ ابن جامع نے طہشا کو منصورہ کے نام سے موسوم کر رکھا تھا۔ ابوالعباس یہ سن کر اپنے باپ موفق کی خدمت میں واپس آیا اور اسے ان واقعات سے مطلع کیا۔ موفق نے فوراً منصورہ کی طرف بڑھنے کا حکم صادر کیا اور خود بھی اس کے بعد ہی کوچ کر دیا۔ طہشا (منصورہ) کے قریب پہنچ کر دو میل کے فاصلہ پر مورچہ بندی کی۔ دوسرے دن زنگیوں سے مقابلہ ہوگیا۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ آخر مغرب کا وقت

آ گیا۔ موفق اپنے کیمپ کو واپس آیا اور زنگیوں کا لشکر منصورہ واپس گیا۔

موفق نے آخر شب میں بیدار ہو کر اپنے لشکر کو مرتب کیا اور جنگی کشتیوں کو دریا کی راہ سے منصورہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ اس اثناء میں سپیدہ صبح نمودار ہوا۔ موفق نماز صبح باجماعت ادا کر کے دیر تک مالک الملک جل سلطانہ کی جناب میں حضور قلب سے دعا کرتا رہا۔ جوں ہی افق پر سرخی نمایاں ہوئی۔ دھاوا کا حکم دے دیا۔ عساکر خلافت کا ایک دستہ شیر غران کی طرح ڈکارتا ہوا شہر پناہ کے قریب پہنچ گیا۔ ابو العباس اس دستہ کا قائد تھا۔ زنگیوں نے سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا۔ دو پہر تک بڑے زور و شور سے لڑائی ہوتی رہی۔ آخر زنگیوں کے پیر اکھڑ گئے۔ عساکر خلافت نے تعقب کیا۔ زنگیوں نے اپنی خندقوں کے پاس پہنچ کر پھر لڑائی شروع کی۔ اس اثناء میں جنگی کشتیاں دریا کی راہ سے شہر کے کنارے پر پہنچ گئیں۔ خلیفہ کی دریائی فوج نے خشکی پر اتر کر شہر کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا اور اس اثناء میں ابو العباس کا دستہ فوج خندق پر لکڑی کا ایک مختصر سا پل بنا کر عبور کر گیا۔ زنگیوں نے گھبرا کر شہر میں داخل ہونے کا قصد کیا۔ مگر ناکام رہے۔ کیونکہ ایک حصہ پر اس سے قبل خلیفہ کی فوج قابض ہو چکی تھی اور لحظہ بہ لحظہ بقیہ حصہ شہر بھی سپاہ خلیفہ کے قبضہ میں جا رہا تھا۔ غرض زنگی بری طرح منہزم ہوئے۔ ہزاروں قتل اور ہزار ہا قید کئے گئے۔ ابن جامع بقیۃ السیف کو لے کر بھاگ گیا۔ فاتح فوج نے دشمن کا تعاقب کیا۔ مگر ابن جامع بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ موفق نے کامیابی کے ساتھ شہر پر قبضہ کر لیا۔ دس ہزار مسلمان عورتوں اور بچوں کو جن میں زیادہ تر سادات کے زن و فرزند تھے۔ خارجیوں کی غلامی سے نجات دلائی گئی۔ سلیمان بن جامع کے اہل وعیال بھی گرفتار ہو گئے۔ اس کے بعد موفق اور زنگیوں میں متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں لشکر خلافت ہمیشہ مظفر و منصور رہا۔ موفق نے غنیم کے اکثر بلاد فتح کر لئے۔ ۲۹ ذی الحجہ ۲۶۷ھ کو زنگیوں کے مقابلہ میں جو فتح ہوئی۔ اس کے بعد زنگیوں کے بعض منہزمین نے امان اور جان بخشی کی درخواست کی۔ جس کو موفق نے بطیب خاطر منظور فرمایا۔ زنگیوں کا نامور سپہ سالار ریحان بن صالح مغربی بھی امان کا طالب ہوا۔

شہر مختارہ کا محاصرہ اور بہبود زنگی کی ہلاکت

اب عساکر خلافت نے شہر مختارہ کا محاصرہ کیا۔ موفق اور اس کے فرزند نے مختار کے قریب پہنچ کر دو میل کے فاصلہ پر ڈیرے ڈال دیئے۔ موفق نے رات کے وقت نقشہ جنگ اور فصیلوں کی کیفیت کا معائنہ کرنے کے لئے شہر کے اردگرد چکر لگایا۔ فصیلیں نہایت مستحکم تھیں۔ چاروں طرف چوڑی چوڑی خندقیں شہر کو اپنے آغوش حفاظت میں لئے ہوئے تھیں۔ موفق نے شہر

پناہ کی مضبوطی دیکھ کر امید وبیم کی کشمکش میں مراجعت کی۔ علی الصباح دریا کی راہ سے کشتیوں کے ساتھ ابوالعباس کو بڑھنے کا حکم دیا اور خود فوج مرتب کر کے خشکی کی راہ سے مختارہ پر دھاوا کیا۔ ابوالعباس نے نہایت چابک دستی سے اپنی جنگی کشتیوں کو شہر پناہ کی دیوار سے ملا دیا۔ قریب تھا کہ خشکی پر اتر پڑتا۔ زنگیوں نے دیکھ لیا۔ شور وغل مچاتے ہوئے دوڑ پڑے اور منجنیقوں سے سنگ باری شروع کر دی۔ موفق نے یہ رنگ دیکھ کر ابوالعباس کو واپس آنے کا اشارہ کیا۔ ابوالعباس کی کشتیوں کے ساتھ زنگیوں کی دو کشتیاں بھی ملاحوں اور سپاہیوں سمیت چلی آئیں۔ ان لوگوں نے امان کی درخواست کی۔ موفق نے نہ صرف انہیں امان دی۔ بلکہ انعام واکرام سے بھی نوازا اور مرہون منت کیا۔ اس حسن سلوک کا یہ اثر ہوا کہ طالبان امان کی آمد شروع ہو گئی۔ علی خارجی نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً دہانہ دریا پر چند آدمیوں کو مامور کیا۔ تاکہ اس کی جنگی کشتیاں حریف کے سایہ عاطفت میں جا کر طالب امان نہ ہو سکیں۔ اب علی خارجی نے اپنے امیر البحر بہبود زنگی کو دریا کی طرف سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ابوالعباس مقابلہ پر آیا۔ نہایت خون ریز جنگ کے بعد بہبود کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد بہبود نے یہ شیوہ اختیار کیا کہ ایک جنگی کشتی پر تھوڑی سی فوج لئے ہوئے دریا میں گشت کرتا رہتا تھا۔ چونکہ اس نے مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لئے اپنی کشتی پر عباسی پھریرا نصب کر رکھا تھا۔ اسلامی جنگی کشتیوں کا بیڑا یہ خیال کر کے کہ یہ بھی کوئی اسلامی کشتی ہے۔ معترض نہ ہوتا اور یہ موقع پا کر ان پر ہاتھ صاف کر جاتا تھا۔ ایک بار ابوالعباس کے کان میں بہبود کے کرتوت کی بھنک پڑ گئی اور ابوالعباس کے ہاتھ بھی لگ گیا۔ مگر کسی طرح بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد حسب معمول ایک اسلامی کشتی پر حملہ آور ہوا۔ اہل کشتی نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔ جس وقت دونوں کشتیاں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ موفق کے ایک غلام نے لپک کر اس کے پیٹ میں ایک ایسا نیزہ مارا کہ جگر کے پار ہو گیا۔ بہبود تڑپ کر دریا میں گر گیا اور ہمیشہ کے لئے دریا کے جگر میں بسیرا کر لیا۔ موفق نے اہل کشتی اور اس غلام کو انعامات دیئے۔ جس طرح بہبود کا مارا جانا موفق کے فتوحات کبریٰ کا پیش خیمہ تھا۔ اسی طرح یہ زنگیوں کے ادبار کا بھی مقدمہ تھا۔ اس شخص کے مارے جانے سے عسکر اسلامی کو بہت بڑی راحت اور عافیت نصیب ہوئی۔

مختارہ کا محاصرہ اور پچاس ہزار زنگیوں کا حلف اطاعت

۱۵ شعبان ۲۶۷ھ کو موفق نے پھر اپنی فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ پچاس ہزار عباسی فوج کا سیلاب دریا اور خشکی کی طرف سے مختارہ کی طرف بڑھا۔ اس معرکہ میں زنگیوں کی تعداد تین لاکھ تھی۔ مگر موفق نے باوجود قلت تعداد اس خوبی سے شہر کا محاصرہ کیا کہ حریف کے دانت کھٹے

کردیئے۔ موفق نے منادی کرادی کہ جس شخص کو اپنی جان عزیز ہو۔ وہ ہم سے امن کا خواستگار ہو اور جس کو اپنی جان دوبھر ہو۔ اپنے مال واسباب کو لاوارث، بچوں کو یتیم اور بیویوں کو بیوہ کرنا ہو، وہ ہماری شمشیر ہائے خاراشگاف کے مقابلہ پر آئے۔ یہ رعایت خاص وعام باشندگان مختارہ اور زنگی فوج کے لئے ہے۔ خواہ سردار ہوں یا سپاہی۔ اس مضمون کے رقعے بھی لکھ لکھ کر اور تیروں سے باندھ کر شہر میں پھنکوائے۔ چنانچہ اکثر زنگی سپاہیوں اور مختارہ کے باشندوں نے حاضر ہو کر امان کی درخواست کی۔ جنہیں موفق نے امان دینے کے ساتھ خلعت اور انعامات سے سرفراز فرمایا۔ ان نوازشات کا نتیجہ یہ ہوا کہ محاصرہ میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ بلا جدال وقتال علی خارجی کا جتھہ ٹوٹ گیا اور اس کے اکثر ساتھی اس سے علیحدہ ہو کر موفق کے لشکر میں چلے آئے۔ مختارہ محصور تھا۔ مگر موفق پھر بھی لوگوں کو اپنے احسان اور حسن سلوک سے گرانبار کر رہا تھا۔ اس حکمت عملی سے ہزار ہا زنگی آئے دن گرویدہ احسان ہو کر موفق کے لشکر میں چلے آ رہے تھے۔ چنانچہ رمضان کے اخیر تک پچاس ہزار زنگیوں نے عباسی علم کے سایہ میں آ کر حلف اطاعت اٹھایا۔

موفق مختارہ کو حالت محاصرہ میں چھوڑ کر وہاں سے ایک مقام پر خیمہ زن ہوا۔ وہاں موفقیہ نام ایک شہر آباد کرنے کا حکم دیا۔ شہر کا بنیادی پتھر اپنے ہاتھ سے رکھا۔ فوجی چھاونی اور جنگی کشتیاں بنانے کا حکم دیا۔ تھوڑے دنوں میں فوجیوں، سرداروں اور عوام کے بے شمار مکان تیار ہوگئے۔ جامع مسجد بن گئی اور دارالامارۃ کی تعمیر بھی تکمیل کو پہنچ گئی۔ تمام ممالک محروسہ میں آبادی کے لئے تجار کے نام گشتی فرمان بھیج دیئے۔ بات کی بات ہر قسم کے سامان اور مایحتاج کی دکانیں کھل گئیں۔ کھانے پینے کے ضرورتیں مہیا ہونے لگیں۔ موفق ایک مہینہ تک اسی انتظام میں مصروف رہا۔

لشکر اسلام پر حالت نماز میں حملہ کرنے کی سازش

ماہ شوال میں علی خارجی نے طول محاصرہ اور طوالت قیام بلاقتال سے مضطرب و پریشان ہو کر اپنے سپہ سالار علی بن ابان کو موفق پر حملہ کرنے کے غرض سے روانہ کیا اور ہدایت کردی کہ رات کے وقت تاریکی میں بغیر روشنی کے دریا عبور کرو اور نہایت تیزی سے چار پانچ کوس کا چکر کاٹ کر صبح صادق کے نمودار ہونے پر ایسے وقت میں کہ موفق کی فوج ادائے نماز میں مصروف ہو۔ پس پشت حملہ کردو اور جونہی تم حملہ کرو گے میں بھی معاً مقابلہ پر آ جاؤں گا۔ علی نے اس رائے کو نظر استحسان سے دیکھ کر تیاری کردی اور اس قرارداد کے بموجب آدھی رات سے پہلے دریا عبور کر گیا۔ جاسوسوں نے یہ خبر موفق تک پہنچا دی۔ موفق نے اسی وقت ابوالعباس کو علی بن ابان کی مدافعت

ومعرکہ آرائی پر روانہ کیا۔ ابوالعباس نے بیس جنگی جہاز اور پندرہ کشتیاں دریا کی حفاظت پر مامور کیں۔ تاکہ علی بن ابان بحالت ہزیمت دریا عبور نہ کر سکے اور خود ایک ہزار سواروں کی جمعیت سے اس راستہ پر جا کر کمین گاہ میں چھپ رہا جس طرف سے علی آنے والا تھا۔ جونہی علی ابن ابان اس راہ سے گذرا۔ ابوالعباس نے حملہ کر دیا۔ زنگی اس اچانک وغیر متوقع حملہ سے بے اوسان ہو کر بھاگے۔ عباسی سواروں نے تلواریں نیام سے کھینچ لیں اور زنگیوں کو اپنی شمشیر زنی کا خوب تختہ مشق بنایا۔ زنگی مخبوط الحواس ہو کر دریا کی طرف بھاگے۔ بحری فوج عبور کی راہ میں حائل ہوئی اکثر زنگی کام آئے۔ بہتیرے دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے اور بے شمار قید کر لئے گئے۔ صبح ہوتے ہوتے لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔

طلوع آفتاب کے قریب ابوالعباس نے میدان جنگ ہی میں نماز صبح ادا کی۔ پھر قیدیوں اور مقتولوں کے سروں کو لئے ہوئے اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ موفق نے اسے فرط محبت سے گلے لگالیا۔ دعائیں دیں۔ لڑائی کے حالات استفسار کیئے۔ اور دوپہر کے قریب حکم دیا کہ قیدیوں اور مقتولوں کے سروں کو کشتیوں میں بار کر کے علی خارجی کے محل سرائے کے سامنے دکھلانے کی غرض سے لے جاؤ۔ علی خارجی اور اس کے پیرووں کو اس واقعہ کی ہنوز کوئی اطلاع نہ تھی۔ تمسخر سے کہنے لگے موفق نے یہ رنگ اچھا جمایا ہے۔ زنگی دلاوروں کو خوفزدہ کرنے کی کوشش میں ان سیاہ بخت زنگیوں کو قیدی بنایا ہے جو شامت اعمال سے اس کے پاس جا کر امان کے خواہاں ہوئے اور یہ سر تمام مصنوعی ہیں۔ انسانوں کے سر نہیں۔ مگر خوب نقل اتاری ہے۔ جاسوسوں نے خارجی کا یہ مقولہ موفق کے گوش گذار کیا۔ موفق نے حکم دیا کہ ان سروں کو منجنیقوں (جنگی گوپھنوں) میں رکھ کر محصوروں کے پاس پھینک دو۔ جب ایسا کیا گیا تو ایک ہنگامہ قیامت برپا ہو گیا۔ جو دیکھتا چلانے لگتا۔ علی خارجی بھی سروں کے دیکھنے کو آیا۔ ضبط نہ کر سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اس کے بعد ابوالعباس اور زنگیوں میں متعدد دریائی لڑائیاں ہوئیں۔ سب میں ابوالعباس فتح مند رہا۔ حتیٰ کہ زنگیوں کی رسد آنا بند ہو گئی۔ اتنے میں شہر کا غلہ بھی اختتام کے قریب پہنچ گیا۔ زنگیوں کے بڑے بڑے سورما اور نامی سردار فاقہ کشی اور شدت محاصرہ سے تنگ آ کر شہر سے نکلے اور امان کی درخواست کی۔ موفق نے انہیں امان دے کر صلے دیئے اور اپنے خاص مصاحبین کے زمرہ میں داخل کر لیا۔ علی خارجی نے اپنی روز افزوں، ابتری کا احساس کر کے اپنے دو افسروں کو دس ہزار فوج کی جمعیت سے شہر کی غربی جانب سے نکل کر تین طرف سے عساکر خلافت پر حملہ آور ہونے اور رسد کی آمد بند کرنے کا حکم دیا۔ جاسوسوں نے جھٹ یہ خبر موفق کے

کانوں تک پہنچادی۔ جب زنگیوں نے دریا سے خشکی پر اترنے کا قصد کیا تو خلیفہ کے لشکر نے اچانک حملہ کر دیا۔ ہزاروں قتل ہوئے۔ سینکڑوں نے دامن دریا میں جابسیرا کیا اور باقی ماندہ گرفتار ہو گئے۔ زنگیوں کی چار سو کشتیاں گرفتار کر لی گئیں۔ اس معرکہ سے زنگیوں کی رہی سہی قوت بھی ٹوٹ گئی۔ اس پر طرہ یہ تھا کہ چونکہ موفق کے پاس پناہ گزینوں کی تعداد یوماً فیوماً بڑھتی جاتی تھی۔ اس لئے محاصرین کی قوت ترقی پذیر اور محصورین کی جمعیت رو بزوال تھی۔ علی خارجی نے دوبارہ ناکہ بندی کا انتظام کیا۔ چیدہ چیدہ سرداروں کو راستہ کی محافظت پر مامور کیا اور دو افسروں کو حکم دیا کہ موفق کے لشکر میں امان حاصل کر کے جاؤ اور اس سے کہو کہ طول حصار سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ آؤ ہم تم کھلے میدان میں لڑکر اپنی اپنی قسمت کا فیصلہ کر لیں۔

نہروں کا عبور اور فصیل شہر پر محاصرین کا قبضہ

موفق نے اس پیام پر ابوالعباس کو غربی نہر کی جانب حملہ کرنے کو روانہ کیا۔ شہر کی یہ سمت زنگی سردار علی بن ابان کے سپرد تھی۔ ہنگامہ کارزار گرم ہوا۔ شور و غل سے کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ دوپہر ہوتے ہوتے ابوالعباس کی فتح اور علی بن ابان کی شکست کے آثار ہویدا ہوئے۔ ظہر کے قریب علی بن ابان اپنے مورچہ سے بے ترتیبی کے ساتھ پیچھے کو ہٹا۔ اس اثنا میں خارجی نے سلیمان بن جامع کو ایک تازہ دم دستہ فوج کے ساتھ ابن ابان کی کمک پر روانہ کیا۔ جس سے علی کے قدم پھر جم گئے۔ شام تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ بالآخر ابوالعباس مظفر و منصور ہوا اور زنگی شہر کی طرف بھاگ نکلے۔

اب موفق نے نہر تراک کی جانب سے عام حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور حکم دیا کہ نہر کے عبور کرنے کا پورا سامان رات ہی کے وقت سے مہیا رکھا جائے۔ موفق نے افسروں سے فرمایا خدا پر توکل رکھو۔ اسلام کی عزت رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ضرور ہم کو ہمارے ارادوں میں کامیاب فرمائے گا۔ سرداران فوج حملہ کی تیاری میں مصروف ہوئے۔ علی الصباح تیار ہو کر موفق کے خیمہ کے پاس آئے اور سلامی دی۔ موفق نے لشکر کو مرتب کر کے نہر اتراک کے عبور کا حکم دیا اور خود بھی ۲۶ ذی الحجہ ۲۶۷ھ کو بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا پڑھتا ہوا لشکر کے ساتھ چلا۔ شہر کا یہ حصہ جس طرف موفق کا لشکر سیلاب کی طرح بڑھا جاتا تھا نہایت مضبوط تھا۔ موقع موقع پر منجنیقیں نصب تھیں۔ آلات حرب بھی بکثرت موجود تھے۔ علی خارجی سلیمان بن جامع اور علی بن ابان بھی اسی طرف تھے اور بظاہر یہاں کی تسخیر بالکل محال نظر آتی تھی۔

علی خارجی نے موفق کے لشکر کو اس طرف بڑھتا دیکھ کر سنگ باری کا حکم دیا۔ منجنیقیں

نہایت تیزی سے چلنے لگیں۔ تڑاتڑ پتھر برسنے لگے۔ قدر اندازوں نے روح وتن کر فیصلہ کرنے کو تیر کمانیں اٹھالیں۔ ایسی حالت میں نہر کا عبور کرنا اور پھر عبور کے بعد شہر پناہ کی دیواروں کے قریب پہنچنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ جب موفق کا لشکر نہر کے قریب پہنچا تو اس جاں ستان وزہرہ گداز منظر کو دیکھ کر آگے بڑھنے سے رک گیا۔ موفق نے للکار کے کہا۔ میرے شیرو! کیا یہ مجنیقیں جنہیں یہ سیاہ بخت زنگی چلا رہے ہیں تمہارے عزم وثبات اور مردانگی کی راہ میں حائل ہو جائیں گی؟۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری جوانمردی اور دلاوری کے مقابلہ میں ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔ یہ آواز نہ تھی بلکہ ایک برقی قوت تھی جو چشم زدن میں لشکر کی اس طرف سے دوسرے سرے تک دوڑ گئی۔ جاں نثاران ملت بے تامل بات کی بات نہر عبور کر گئے۔ نہ تیروں کی برسات کا خوف کیا۔ نہ سنگباری کی کچھ پروا کی۔ اب موفق کا لشکر شہر پناہ کی دیوار کے نیچے پہنچ کر اسے منہدم کرنے اور سیڑھیاں لگا کر اس پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ خلیفہ کے بہادر سپاہی سیڑھیاں لگا کر فصیل شہر پر چڑھ گئے اور لڑ بھڑ کر اس پر قبضہ کر لیا۔ دولت عباسیہ کا علم نصب کر دیا گیا۔ منجنیقوں اور آلات حصار شکنی میں آگ لگا دی۔ زنگیوں کا ایک جم غفیر مارا گیا۔

زنگیوں کی مزید ہزیمتیں

دوسری طرف ابوالعباس مصروف پیکار تھا۔ اس کے مقابلہ میں زنگی سپہ سالار علی بن ابان گیا ہوا تھا۔ ابوالعباس نے اس کو پہلے ہی حملہ میں شکست دی اور ہزاروں زنگی تہ تیغ ہوئے۔ علی بن ابان نے بھاگ کر شہر پناہ کا دروازہ بند کر لیا۔ ابوالعباس کا فتح مند لشکر جوش کامیابی میں دیواروں تک پہنچ گیا اور اس میں ایک روزن کر کے بزور تیغ گھس پڑا۔ سلیمان بن جامع سینہ سپر ہو کر مقابلہ پر آ گیا۔ آخر ابوالعباس اپنی فوج لے کر واپس آ گیا اور زنگی مزدوروں نے فوراً اس روزن کو بند کر دیا۔ مگر دوسری طرف موفق کی فوج نے شہر پناہ کی دیواروں میں متعدد روزن کر لئے اور خندق پر ایک ہنگامی پل بھی بنا لیا جس سے بآسانی تمام لشکر شاہی عبور کر گیا۔ یہ دیکھ کر زنگیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ شاہی فوج بعض کو قتل اور بعض کو گرفتار کرتی ویرابن سمعان تک چلی گئی اور اس پر قبضہ کر کے آگ لگا دی۔ اس مقام پر زنگی خوب جان توڑ کر لڑے۔ مگر آخرکار شکست کھا کر اپنے مقتداء کے پاس جا دم لیا۔ خارجی خود سوار ہو کر میدان کارزار میں آیا اور اپنے لشکر کو جوش دلا دلا کر لڑانے لگا۔ مگر کسی کے قدم نہ تھمتے تھے۔ ہر شخص لڑنے پر بھاگنے کو ترجیح دیتا تھا۔ آخر علی خارجی کے خاص خاص افسر بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اتنے میں رات کی تاریکی نے فتح مند فوج کو حملہ سے روک دیا اور موفق اپنی فوجوں کو لے کر واپس آ گیا۔

محرم ۲۶۸ھ میں زنگیوں کے ایک بہت بڑے معتمد علیہ اور نامور سپہ سالار جعفر بن ابراہیم معروف بہ سجان نے موفق کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت وانقیاد کی گردن جھکا دی اور امان کا خواستگار ہوا۔ موفق نے اسے امان دے کر خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا اور انعام واکرام سے گرانبار کیا۔ دوسرے دن خارجی کو دکھانے کی غرض سے اس کو ایک چھوٹی سی کشتی پر سوار کرا کر علی خارجی کے محل سرا کی طرف روانہ کیا۔ خارجی کے چند فوجی افسر محل سرا سے اس رنجیدہ منظر کو دیکھ رہے تھے۔ جس وقت سجان کی کشتی محل سرا کے قریب پہنچی۔ سجان نے ایک دلچسپ اور معنی خیز تقریر میں علی خارجی اور اس کے ساتھیوں کے معائب اور خلیفہ اور اس کے وابستگان دولت کے حسن اخلاق کو بالتفصیل بیان کیا اور واپس چلا آیا۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ زنگیوں میں باہم سرگوشیاں ہونے لگیں۔ بہت سے نامی روسا اور منتخب سردار مخفی طور پر موفق کے پاس طلب امان کے لئے کشاں کشاں چلے آ رہے تھے۔

اب موفق نے انہدام شہر پناہ کی طرف عنان توجہ پورے طور پر منعطف کی اور راستہ کے فراخ کرنے میں سرتوڑ کوشش کرنے لگا۔ اکثر خود بھی مزدوروں کے ساتھ شہر پناہ کی دیوار منہدم کرنے میں شریک ہو جاتا تھا اور کبھی جوش میں آ کر شمشیر بکف میدان جنگ میں جا پہنچتا۔ آخر کئی روز کی جنگ اور شبانہ روز جانکاہیوں کے بعد نہر سلمٰی کی جانب شہر پناہ کا بہت بڑا حصہ منہدم ہو گیا۔ شہر کی شمالی جانب دو پل تھے۔ جن پر اس وقت تک محاصرین کا قبضہ نہ ہوا تھا۔ محصورین اکثر انہی پلوں سے عبور کر کے شاہی لشکر پر آ پڑتے تھے اور نقصان کثیر پہنچا کر واپس چلے جاتے تھے۔ موفق نے ان پلوں کی حالت سے مطلع ہو کر ایسے وقت میں جبکہ زنگیوں سے گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی ایک دستہ فوج مزدوروں کی معیت میں ان کے توڑنے پر بھیج دیا۔ زنگیوں نے مزاحمت کی۔ مگر ناکام رہے۔ شاہی لشکر نے اسے دوپہر تک توڑ ڈالا۔ اس کے بعد موفق کی ہمرکاب فوج ایک اور جانب سے شہر پناہ کی دیوار توڑ کر گھس پڑی اور قتل وغارت کرتی ہوئی ابن شمعان کے مکان تک بڑھ گئی۔ جہاں علی خارجی کے دو دفاتر تھے۔ زنگیوں نے ہر چند مزاحمت کی۔ مگر کامیاب نہ ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد شہر پناہ کی دیوار منہدم ہو گئی اور فتح کے آثار نمایاں ہو چلے۔

موفق کا شدید مجروح ہونا اور معرکہ کارزار کا سہ ماہ التوا

مگر سوئے اتفاق سے ۲۵ جمادی الاول ۲۶۹ھ کو ایک معرکہ میں موفق کے سینہ پر ایک تیر آ لگا۔ چونکہ زخم بہت گہرا تھا صاحب فراش ہو گیا۔ لڑائی ملتوی ہو گئی۔ آخر تین مہینہ کے بعد زخم مندمل ہوا۔ بڑی دھوم دھام سے غسل صحت کیا اور عساکر اسلامیہ میں پھر چہل پہل نظر آنے لگی۔

لشکریوں کے دل خوش اور چہرے ہشاش بشاش ہو گئے۔ لیکن زنگیوں نے اس مدت میں شہر پناہ کی منہدم دیواروں کو پھر درست کر لیا اور حفاظت کے لئے جابجا فوجیں متعین کر دیں۔ موفق نے حصول صحت کے بعد پھر دھاوا کیا اور شہر پناہ کے توڑنے کا حکم صادر فرمایا۔ اسلامی فوجیں سیلاب کی طرح شہر پناہ کی دیواروں سے نہر سلمیٰ کے قریب جا کر ٹکر کھانے لگیں۔ جنگ کا بازار گرم ہو گیا۔ زنگی لشکر غازیان اسلام کی مدافعت پر کمر بستہ تھا اور مسلمان تھے کہ جان پر کھیل کر پلے پڑتے تھے۔ ایک دن جبکہ اس طرف جنگ جانستان نمونہ قیامت پیش کر رہی تھی۔ موفق نے جنگی بیڑے کو نشیبی نہر ابن خصیب کی جانب سے حملہ کرنے کا اشارہ کیا۔ امیر البحر نے حکم پاتے ہی اپنے بیڑہ کو اس تیزی سے وہاں پہنچا دیا کہ زنگیوں کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ وہ بے خبری میں اپنی پوری حربی طاقت سے نہر سلمیٰ کے قریب عساکر اسلامیہ سے مصروف پیکار رہے۔ ادھر بحری فوج نے زنگیوں کے ایک محل سرا کو جلا دیا۔ جو کچھ پایا لوٹ لیا۔ اور سکان محل کو گرفتار کر لیا۔ غروب کے وقت عساکر خلافت مظفر و منصور میدان کارزار سے فرودگاہ پر واپس آئے۔ اگلے دن نماز صبح ادا کر کے دھاوا کیا۔ اسلامی مقدمۃ الجیش انکلا خبیث کے محل تک قتل و غارت کرتا ہوا پہنچ گیا۔ علی بن ابان سپہ سالار نے نہروں میں جو محل سرائے کے چاروں طرف تھیں پانی جاری کرنے اور خلیفۃ المسلمین کے لشکر کے بالمقابل متعدد خندقیں کھودنے کا حکم دیا۔ تاکہ وہ انکلا کے محل تک نہ پہنچنے پائے۔

کشتیوں کی چھتوں پر مانع احراق ادویہ کا ضماد

موفق نے حریف کی اس کاروائی سے مطلع ہو کر فوراً اپنی ہمرکاب فوج کو چار دستوں میں تقسیم کر کے ایک کو خندق اور نہر کے پاٹنے پر متعین فرمایا اور دوسرے دستہ فوج کو دجلہ کی جانب سے خارجی کے قصر پر حملہ کا اشارہ کیا۔ اسی تیسرے دستہ کو للکار للکار کر لڑا رہا تھا۔ جونہی جنگی کشتیاں شہر پناہ کے قریب پہنچیں اوپر سے سنگباری اور آتشباری ہونے لگتی۔ مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑتا تھا۔ ایک شبانہ روز اسی طرح تصادم رہا۔ موفق نے یہ رنگ دیکھ کر کشتیوں کی چھتوں کو لکڑی کے تختوں سے پاٹ کر انہیں ادویہ مانع احراق سے رنگنے کا حکم دیا۔ نفاطین اور نامی جنگ آوروں کی ایک جماعت کو اس بات پر متعین فرمایا۔ جو تمام رات اہتمام جنگ میں مصروف رہنے کی وجہ سے نہ سوئی۔ موفق فوج کو بڑھاوے دیتا اور اس سے انعامات کے وعدے کرتا رہا۔ اسی رات کو علی خارجی کے سیکرٹری محمد بن شمعان نے حاضر ہو کر امان کی درخواست کی۔ موافق نے اسے خلعت سے سرفراز فرمایا اور عزت و احترام سے ٹھہرایا۔ اگلے دن صبح ہوتے ہی لڑائی چھڑ گئی۔ موفق نے زنگیوں کی جمعیت کو پراگندہ و منتشر کرنے کے خیال سے ابو العباس کو زنگی سپہ سالاروں کے

مکانات جلانے کا حکم دیا۔ اگلے دن صبح ہوتے ہی لڑائی چھڑ گئی۔ موفق نے زنگیوں کی جمعیت کو پراگندہ ومنتشر کرنے کے خیال سے ابوالعباس کو زنگی سپہ سالاروں کے مکانات جلانے کا حکم دیا۔ اس اثناء میں تمام جنگی جہازوں کی چھتوں پر ایسی ایسی دواؤں کا ضماد کر دیا گیا تھا جن پر آگ مطلقاً اثر نہ کرتی تھی۔ چنانچہ یہ بیڑہ قصر کی جانب دجلہ کی طرف سے بڑھا۔ زنگیوں نے آتشباری شروع کی۔ مگر بے نتیجہ رہی۔ جنگی بیڑہ نہایت تیزی سے آتشبازی کرتا ہوا علی خارجی کے قصر کے نیچے جا لگا۔ نفاطوں نے روغن نفت کی پچکاریاں بھر بھر کر محل پر پھینکنی شروع کیں۔ چنانچہ اس ترکیب سے قصر کی بیرونی عمارت جلا کر خاک سیاہ کر دی گئی۔ زنگی محل سرا کے اندر جا چھپے۔ دجلہ کے کنارے پر جس قدر مکانات تھے۔ اسلامی لشکر نے سب کو آگ لگا دی۔ بڑے بڑے عالیشان ایوان وقصور آگ کا ایندھن بن رہے تھے۔ کوئی فرو کرنے والا نہ تھا۔ تمام اسباب کو آگ نے چشم زدن میں نیست ونابود کر دیا اور کچھ اس عام آتشزنی سے بچ رہا۔ اسلامی فوج نے پہنچ کر لوٹ لیا۔ قریش اور سادات کی بے شمار خواتین زنگیوں کے قبضہ سے واگزار کرائی گئیں۔ زنگی سرداروں کے سر بفلک محل جل کر تودہ خاک ہو گئے۔

محصورین کی بدحالی انسان انسانوں کو کھانے لگے

علی خارجی اپنے اور اپنے سرداروں کے مکان جل جانے کے بعد نہر ابی حصیب کی شرقی جانب چلا گیا۔ تاجر اور دکاندار بھی ادھر کو اٹھ گئے۔ رسد کی آمد بالکل مسدود ہو گئی۔ شہر کے ذخائر تمام ہو گئے اور ضعف واضمحلال کے آثار نمایاں ہوئے۔ محصورین نے پہلے تو گھوڑوں اور گدھوں کا صفایا کیا۔ پھر انسانوں نے انسانوں کو کھانا شروع کر دیا۔ مگر بااین ہمہ علی خارجی کی جبین استقلال میں ذرا شکن نہ پڑی۔ موفق شرقی جانب کے منہدم کرنے میں اسی سرگرمی سے مصروف رہا جیسا کہ غربی جانب کے انہدام میں مشغول تھا۔ یہ سمت نہایت مستحکم بنی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے دھس اور نہایت بلند اور چوڑی دیواریں چاروں طرف محافظت کر رہی تھیں۔ جابجا منجنیقیں نصب تھیں۔ آلات حصار شکن بھی بکثرت موجود تھے۔ اسلامی لشکر اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ موفق نے للکارا۔ مگر بلندی کی وجہ سے نہ چڑھ سکے۔ سیڑھیاں لگائیں۔ پھر بھی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کمند ڈال کر دشمن کے پھریروں کو کھینچا۔ ان کا گرنا تھا کہ زنگی بھاگ کھڑے ہوئے۔ نفاطوں نے روغن نفط کی ہزاروں پچکاریاں خالی کر دیں۔ سارا محل لحہ بھی میں جل کر خاکستر ہو گیا۔ فوج نے اس محل کو بھی خوب لوٹا۔ خارجی کے خاص خاص مصاحب امان کے خواستگار ہوئے۔ موفق نے نہایت سیر چشمی سے انہیں امان دی۔ انعام اور صلے بخشے۔ ان لوگوں نے موفق کو ایک بہت بڑے بازار کا پتہ

بتا دیا۔ جو بہار کے نام سے آباد تھا۔ اس بازار میں بڑے بڑے تاجر اور ساہوکار رہتے تھے۔ زنگیوں کو اس سے بہت بڑی مدد ملتی تھی۔ موفق نے اس پر دھاوا کر دیا اور اسے جلا دینے کے قصد سے نفاطوں کو لے کر بڑھا۔ زنگیوں نے جی توڑ کر مقابلہ کیا۔ خلیفہ کے لشکر نے آگ لگا دی۔ سارا دن جنگ اور آتشزنی کا بازار گرم رہا۔ فریقین کے ہزار ہا آدمی کھیت رہے۔ آخر موفق نے مختارہ کی شہر پناہ کو نہر غربی تک جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس سمت میں خارجی کے ممتاز فوجی افسر ایک چھوٹے سے قلعہ میں حفاظت کا سامان کیے پناہ گزین تھے۔ جب کبھی موفق کا لشکر مصروف جدال ہوتا تو یہ دائیں بائیں سے نکل کر حملہ آور ہوتے اور سخت نقصان پہنچاتے تھے۔ موفق نے اس قلعہ کو بھی فتح کر لیا اور مسلمان عورتوں اور بچوں کے جم غفیر نے قید کی مصیبت سے نجات پائی۔

شہر پر قبضہ اور علی خارجی کا قتل

۲۷ محرم ۲۷۰ھ کو موفق نے شہر پر قبضہ کر لیا اور مسلم قیدیوں کو رہائی نصیب ہوئی۔ خلیل اور ابن ابان گرفتار ہو گئے۔ علی خارجی چند فوجی افسروں کو ساتھ لے کر نہر سفیانی کی طرف بھاگ گیا۔ اسلامی فوج تعاقب کرتی ہوئی نہایت تیزی سے اس کے سر جا پہنچی۔ گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ بہت سے زنگی افسر مارے گئے۔ کئی ایک بھاگ گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ خارجی بھی تاب مقاومت نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آخر ملتہائے نہر ابی خصیب تک بڑھتا چلا گیا۔ چنانچہ عساکر اسلامی نے اس کا تعاقب کر کے اسے جا لیا۔ اس کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا لیا۔ موفق نے سجدہ شکر ادا کیا اور مظفر منصور اپنے خرگاہ میں لوٹ آیا۔ انکلا اور مہلبی پانچ ہزار زنگیوں سمیت گرفتار ہوئے۔ موفق نے اس مہم کو سر کر کے بلاد اسلامیہ میں زنگیوں کی واپسی اور امن دینے کا گشتی فرمان نافذ کر دیا۔ اور چند روز تک امن و امان قائم کرنے کے خیال سے موفقیہ میں مقیم رہا اور ابوالعباس کو بغداد بھیج دیا۔ ابوالعباس ۱۵ جمادی الثانی ۲۷۰ھ کو بغداد پہنچا۔ اہل بغداد نے بڑی خوشیاں منائیں اور شہر میں چراغاں کیا گیا۔ زنگیوں کے خانہ ساز نبی نے آخر رمضان ۲۵۵ھ میں خروج کیا تھا۔ انجام کار اپنی حکومت کے چودہ برس چار مہینے بعد یکم صفر ۲۷۰ھ کو مارا گیا اور اس کے تمام مقبوضات از سر نو عباسی علم اقبال کے سایہ میں آ گئے۔ ابن اثیر اور ابن خلدون نے اکثر جگہ زنگیوں کے سردار کا نام حبیت لکھا ہے۔ میرے خیال میں یہ علی بن محمد ہی کا دوسرا نام یا لقب ہے۔ علی بن محمد اہل بیت نبوت کا بدترین دشمن تھا۔ خصوصاً امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے سخت عناد رکھتا تھا۔ اس عاقبت نا اندیش نے ایک تخت بنوا رکھا تھا۔ جسے جامع مسجد کے صحن میں بچھواتا اور اس پر بیٹھ کر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پر (معاذ اللہ) لعنت کرتا۔ اس کے پیرو بھی اس

شیطنت میں اس کے ہم صفیر ہوتے۔ اس نابکار نے ایک مرتبہ اپنے لشکر میں سادات عظام کی خواتین محرمہ کو دو دو تین تین درم میں بذریعہ نیلام عام فروخت کیا تھا اور ایک ایک زنگی نے دس دس سیدانیاں گھر میں ڈال رکھی تھی۔ (تاریخ کامل عربی ج ۶ ص ۲۲۶، ۲۰۶، تاریخ طبری عربی ج ۵ ص ۵۶۰، ۵۷۵، تاریخ ابن خلدون عربی ج ۳ ص ۳۰۰، ۳۲۶)

باب ۲۲ ...... حمدان بن اشعث قرمط

حمدان بن اشعث معروف بہ قرمط سواد کوفہ کے ایک چاہ کن کا بیٹا تھا۔ بیل پر سوار ہوا کرتا تھا۔ اس بنا پر اس کو کرمیط کہتے تھے۔ جس کا معرب قرمط ہے۔ شروع میں زہد و تقشف کی طرف مائل تھا۔ لیکن ایک باطنی کے ہتھے چڑھ کر سعادت ایمان سے محروم ہو گیا۔ ایک مرتبہ گاؤں کا ریوڑ دوسرے گاؤں کو لئے جا رہا تھا۔ راہ میں اس کو ایک باطنی فرقہ کا داعی ملا۔ حمدان نے باطنی سے پوچھا آپ کہاں جائیں گے؟۔ داعی نے اسی گاؤں کا نام لیا۔ جہاں حمدان کو جانا تھا۔ حمدان نے کہا آپ کسی بیل پر سوار ہو لیں۔ اس نے کہا۔ مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ حمدان نے پوچھا کیا آپ حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے؟۔ داعی نے جواب دیا۔ ہاں! میرا ہر کام حکم کے ماتحت انجام پاتا ہے۔ حمدان نے سوال کیا کہ آپ کس کے حکم پر عمل کرتے ہیں؟۔ کہنے لگا میں اپنے مالک اور تیرے اور دنیا و آخرت کے مالک کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ حمدان نے کہا کہ وہ تو اللہ رب العالمین ہے۔ اس نے کہا تو سچ کہتا ہے۔ حمدان پوچھنے لگا۔ آپ وہاں کس غرض سے جا رہے ہیں۔ بولا! مجھے حکم ملا ہے کہ وہاں کے باشندوں کو جہل سے علم، ضلالت سے ہدایت اور شقاوت سے سعادت کی طرف لاؤں۔ ان کو ذلت و ناداری کے گرداب سے نکالوں اور انہیں اتنا کچھ بخش دوں جس سے وہ تونگر ہو جائیں۔ حمدان نے کہا۔ خدا آپ کا بھلا کرے۔ مجھے بھی آپ جہالت اور ضلالت کے گرداب سے نکالئے اور مجھ پر ایسے علم کا فیضان کیجئے جس سے میں زندہ و جاوید ہو جاؤں اور جن امور کا آپ نے ذکر کیا ہے ان کی مجھے اشد ضرورت ہے۔ باطنی فریب کار کہنے لگا۔ مجھے یہ حکم نہیں ہے کہ اپنا سربستہ راز ہر شخص پر ظاہر کرتا پھروں۔ بجز اس شخص کے جس پر مجھے پورا اعتماد ہو اور پھر ایسے معتمد علیہ سے پوری طرح عہد نہ لے لوں۔ حمدان نے کہا آپ اپنے عہد کی تو تشریح فرمائیے۔ میں دل و جان سے اس کی تعمیل اور پابندی کروں گا۔ داعی نے کہا تو اس بات کا عہد کر کہ امام وقت کا بھید جو تجھ پر ظاہر کروں کسی سے نہ کہے گا۔ حمدان نے اسی طرح قسمیں کھائیں اور عہد و میثاق کو استوار کیا۔ جس طرح اس نے خواہش کی۔ اب داعی نے اس کو اپنے فنون اغواء کی تعلیم

دہی شروع کی۔ یہاں تک کہ اس کو راہ سے بے راہ کر دیا۔ اس دن سے حمدان الحاد کے سرغنہ اور باطنی فرقہ کے منادی کی حیثیت سے کام کرنے لگا۔ انجام کار اس کے باطنی پیرو اس کی نسبت سے قرمطی یا قرامطہ کہلانے لگے۔

قرمطہ عقاید واحکام

حمدان بن اشعث حسب بیان مقریزی (تلبیس ابلیس عربی ص ۸۳) ۲۶۴ھ میں اور حسب تحریر ابن خلدون ۲۷۸ھ منصۂ شہود پر ظاہر ہوا۔ اس کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باطنی فرقہ کے خلاف اس نے تاویل کاری کے باطنی اصول کے ساتھ بعض ظاہری احکام کو بھی اپنے مذہب میں داخل کر لیا تھا۔ یہ شخص امام محمد بن حنیفہؒ کے فرزند احمد کو رسول اللہ بتاتا تھا اور اس کا دعویٰ تھا کہ میں ہی مہدی ہوں جس کا زمانہ دراز سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ چونکہ زہد وتقشّف اور صلاح وتقویٰ کا اظہار کرتا تھا۔ اہل دیہات اس کے دعویٰ کو صحیح یقین کر کے اس کے گرویدہ ہو گئے اور متابعت اختیار کی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ قرمط ہی وہ شخص ہے جس کی احمد بن حنیفہؒ نے بشارت دی تھی۔ اس نے اپنے پیرووں پر رات دن میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ جب انہوں نے شکوہ کیا کہ نمازوں کی کثرت نے انہیں دنیاوی اشغال اور کسب معاش سے روک دیا ہے تو بولا۔ اچھا میں اس کے متعلق ذات باری کی طرف رجوع کروں گا۔ چنانچہ چند روز کے بعد لوگوں کو ایک نوشتہ دکھانے لگا۔ جس میں حمدان کو خطاب کر کے لکھا تھا کہ تم ہی مسیح ہو۔ تم ہی عیسیٰ ہو۔ تم ہی کلمہ ہو۔ تم ہی مہدی ہو۔ تم ہی محمد بن حنیفہ ہو اور تم ہی جبریل ہو۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ جناب مسیح بن مریم علیہما السلام میرے پاس انسانی صورت میں آئے اور مجھ سے فرمایا کہ تم ہی داعی ہو۔ تم ہی حجۃ ہو۔ تم ہی ناقہ ہو۔ تم ہی دابہ ہو۔ تم ہی روح القدس ہو۔ اور تم ہی یحییٰ بن زکریا (علیہما السلام) ہو اور بیان کیا کہ پہلے چار دفعہ اللہ اکبر۔ پھر دو مرتبہ اشہدان لا الہ الا اللہ اور پھر ایک مرتبہ یہ کلمات کہیں اشہد آدم رسول اللہ۔ اشہد ان لوطاً رسول اللہ۔ اشہدان ابراہیم رسول اللہ۔ اشہدان موسیٰ رسول اللہ۔ اشہدان عیسیٰ رسول اللہ۔ اشہدان محمد رسول اللہ۔ اشہدن احمد بن محمد بن حنیفہ رسول اللہ۔ اس نے سال بھر میں صرف دو روزوں کا حکم دیا۔ ایک روزہ ماہ مہرجان کا اور دوسرا نوروز کا، شراب کو حلال اور غسل جنابت کو برطرف کر دیا۔ تمام درندوں اور پنجے سے شکار کرنے والے جانوروں کو حلال بتایا۔ کعبہ معلیٰ کی بجائے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا۔ حکم دیا کہ مرد اور عورتیں مل جل کر نماز ادا کریں۔ جمعہ کی جگہ دوشنبہ کو تعطیل منانے کا حکم دیا اور تاکید کی کہ اس دن لوگ کام کاج سے قطعاً دست بردار رہیں۔ (کتاب الخطط مقریزی جلد ۲ ص ۱۸۴، کتاب الدعاۃ ص ۱۱۱، ۱۱۲)

نماز پڑھنے کا طریقہ

جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے قرآن کی آیات اور ان کے بعض حصوں کے سرقہ کو اپنا کلام وحی بنا لیا ہے (دیکھو کتاب حقیقت الوحی مولفہ مرزا غلام احمد ص ۱۰۷، ۱۰۸، خزائن ج ۲۲ ص ۱۰۷، ۱۸۱) اسی طرح حمدان نے بھی آیات قرآنی اور احادیث نبویہ کے الفاظ میں قطع و برید کر کے ایک سورت تیار کی تھی اور حکم دیا تھا کہ اس کے پیرو پہلے تو نماز میں تکبیر تحریمی کے بعد وہ استفتاح پڑھیں جو اس کے زعم میں احمد بن حنیفہؒ پر نازل ہوئی تھی اور اس کے بعد قرأت قرآن کی جگہ اسی سورت کو پڑھا کریں۔ وہ خود ساختہ سورت یہ تھی۔

الحمد لله بكماته و تعالى باسمه المتخذ لا ولياته باوليائه قل ان الاهله موافق للناس ظاهر ها ليعلم عدد اسنين والحساب والشهور الايام وباطنها اوليائي الذي عرفوا عبادي وسبيلي اتقوني يا اولى الالباب وانا الذي لا اسئل عما افعل وانا العليم الحكيم وانا الذي ابلوعبادي و امتحن خلقي فمن صبر علىٰ بالئي و محنتي و اختياري القية، في جنتي داخلدة، في نعمتي ومن زل عن امري و كذب رسلي اخذته، مهاناً في عذابي و اتممت اجلے و اظهرت امري علے السنة رسلي وانا الذي لم يعل علي جبار الا وضعته ولا عزيز الا ازللته وليس الذي اصرعلے امري ودام علي جهالته وقالوالن لبرح عليه عاكفين و به موقنين اولئك هم الكفرون!

خدا کی حمد و ثناء اس کے کلمہ کے ساتھ ادا کرتا ہوں۔ اس کا نام بلند و برتر ہے۔ وہ جو اپنے دوستوں کو دوستوں سے تقویت دیتا ہے۔ کہو کہ لوگوں کے لئے ہلال کے وقت مقرر کر دئے گئے ہیں۔ تاکہ ان سے ظاہر میں برسوں کی تعداد اور حساب اور مہینے اور دن معلوم ہوں اور ہلال کا باطن میرے ان دوستوں کے لئے ہے۔ جنہوں نے میرے بندوں کو میری راہ دکھائی۔ اے صاحبان عقل و خرد۔ مجھ سے ڈرو میں وہ ہوں جس سے میرے فعل پر کوئی محاسبہ نہ ہوگا۔ میں جاننے والا اور بردبار ہوں میں وہ ہوں جو اپنے بندوں کو مبتلا کرتا ہوں اور اپنی مخلوق کا امتحان کرتا ہوں جو کوئی میری بلا۔ میری محنت اور میرے اختیار پر صبر کرے گا۔ اسے اپنی جنت میں داخل کروں گا اور اپنی نعمت جاوداں عطا کروں گا۔ اور جس نے میرے حکم سے سرتابی کی اور میرے رسولوں کو جھٹلایا۔ میں اس کو ذلت کے ساتھ عذاب میں مبتلا رکھوں گا۔ میں نے اپنی اجل کا اتمام کیا ہے اور میں نے اپنے امر کو رسولوں کی زبان سے ظاہر فرما دیا ہے۔ میں وہ ہوں کہ جب کوئی سرکش تعلّی کرتا ہے تو

اسے پست کر دیتا ہوں اور کوئی جابر اور گردن فراز ایسا شخص نہیں جسے میں ذلیل نہ کر دوں۔ وہ آدمی برا ہے جو اپنے فعل پر مصر رہے اور اپنی جہالت پر اڑا رہے اور یہ کہے کہ ہم اس کام پر مصر رہیں گے۔ ایسے لوگ ہی کافر ہیں۔

حمدان نے حکم دیا تھا کہ اس سورہ کے بعد رکوع کریں اور رکوع میں دو تین مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں۔ سبحان ربی رب العزۃ و تعالی عما یصف الظالمون! پھر سجدہ میں جائیں اور کہیں اللہ اعلی اللہ اعظم اللہ اعظم!

(تاریخ کامل عربی ج ۶ ص ۳۶۳، ۳۶۶، تاریخ ابن خلدون عربی ج ۳ ص ۳۳۴)

حمدان کی گرفتاری اور حبس سے فرار

جب حمدان کی جمعیت بڑھنے لگی تو اس نے اپنے پیرووں میں بارہ آدمی نقیب مقرر کیے اور ان کو حکم دیا کہ وہ مختلف بلاد میں پھیل کر اس کے مذہب کی تبلیغ کریں اور ان سے کہا تم حواریان مسیح علیہ السلام کی مانند ہو۔ جب ہیصم عامل کوفہ کو معلوم ہوا کہ حمدان نے دین اسلام کے مقابلہ میں ایک نیا آئین جاری کیا ہے اور اس کی جمعیت دن بدن بڑھ رہی ہے تو اسے گرفتار کر لیا اس خیال سے کہ مبادا کسی حیلہ بھاگ جائے۔ قید خانہ کی بجائے اپنے پاس قصر امارت کی ایک کوٹھڑی میں بند کر کے مقفل کر دیا۔ اس کی کنجی اپنے تکیہ کے نیچے رکھ دی اور قسم کھائی کہ اس کو قتل کیے بغیر نہ چھوڑ دوں گا۔ ھیصم کے گھر کی ایک لونڈی بڑی رحمدل تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ یہ شخص قتل کیا جانے والا ہے تو اس پر رقت طاری ہوگئی۔ جب ھیصم سو گیا تو کنجی لے کر کوٹھڑی کا دروازہ کھولا اور حمدان کو آزاد کر کے کنجی اسی جگہ پر رکھ دی۔ جب صبح کے وقت ہیصم نے اس غرض سے دروازہ کھولا کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دے تو یہ دیکھ کر اس کی حیرت و استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہ غائب ہے۔ جب یہ خبر کوفہ میں مشہور ہوئی تو لوگ اس غیبوبت کی وجہ سے فتنہ میں پڑے اور اس کے پیرووں نے یہ پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ خدائے قدوس نے حمدان کو آسمانوں پر اٹھا لیا۔ لیکن اس کے بعد مضافات میں مریدوں اور بعض دوسرے لوگوں سے اس کی ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے پوچھا کہ حاکم کوفہ نے تو آپ کو مقفل کر رکھا تھا۔ آپ کس طرح نکل آئے۔ بڑے ناز و غرور سے کہنے لگا۔ کوئی شخص میری آزار رسانی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ سن کر ان کی عقیدت پہلے سے بھی دو چند ہوگئی۔ چونکہ اسے ہر دم یہ خطرہ رہتا تھا کہ دوبارہ گرفتار کر لیا جاؤں گا۔ اس لئے نواح شام کی طرف بھاگ گیا۔ کہتے کہ قرمط نے علی بن محمد خارجی کے پاس جا کر کہا تھا کہ میں ایک مذہب کا بانی اور نہایت صائب الرائے ہوں۔ اور ایک لاکھ مبارز میرے پیرو ہیں۔ آؤ ہم اور تم مذہبی

مناظرہ کر کے ایک خیال و مذہب پر متفق ہو جائیں۔ تا کہ بوقت ضرورت ایک دوسرے کے معین و مددگار رہیں۔ علی بن محمد خارجی نے اس رائے کو پسند کیا۔ چنانچہ بہت دیر تک مذہبی مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ لیکن متفق الرائے نہ ہو سکے۔ اس لئے قرمط واپس آ کر عزلت نشین ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا کوئی حال معلوم نہ ہو سکا۔ اس کے مذہب کا ایک اصول یہ تھا کہ جو شخص قرمطی مذہب کا مخالف ہو۔ اس کا قتل واجب ہے اور جو شخص مخالف ہو اور برسر مقابلہ نہ ہو۔ اس سے جزیہ لیا جائے۔ (ایضاً ص ۳۶۶)

ابو سعید جنابی اور اس کا بیٹا ابو طاہر قرمطی، زکرویہ، یحییٰ بن زکرویہ، اور علی بن فضل یمنی جنہوں نے عرصہ دراز تک عالم اسلام کے خلاف ہلچل مچائے رکھی۔ اسی قرمط کے چیلے چانٹے یا ماننے والے تھے۔ اسلام پر چند اولیں صدیوں میں جو آفتیں نازل ہوئیں اور پیروان توحید کو جن مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑا۔ ان میں سے ایک فتنہ قرامطہ بھی ہے۔ ان ملاعنہ کی قوت یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ خلفائے بنی عباس تک ان بھیڑیوں کا نام سن کر کانپ جاتے تھے۔ آخر میں تو یہ مصر کے سلاطین بنی عبید کی گرفت سے بھی آزاد ہو گئے تھے اور خراسان سے شام تک ہر شہر ان کے دست ستم سے چیخ اٹھا تھا۔ یہ لوگ یہاں تک کور باطن اور معاندین اسلام تھے کہ بیت اللہ کے ہدم پر آمادہ ہو گئے اور حجر اسود کو اکھاڑ کر عمان لے گئے جو ان کا مستقر دولت تھا۔ اس حادثہ جانگداز کی تفصیل ابو طاہر قرمطی کے تذکرہ میں آئے گی۔

ہندوستان میں قرمطی مذہب کا حدوث

باب ۱۷ میں علامہ عبدالقاہر کی کتاب "الفرق بین الفرق" کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے ملتان آ کر باطنیوں کو خوب گوشمال کیا تھا۔ لیکن تاریخ فرشتہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دراصل باطنی نہیں تھے۔ بلکہ قرمطی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یوں تو قرمطی بھی باطنیہ ہی کی ایک شاخ ہے۔ لیکن ان میں ایک بین فرق یہ ہے کہ قرامطہ نے عام باطنی مسلک کے خلاف بعض ظاہری احکام کو بھی جز مذہب بنا لیا تھا۔ اس کے علاوہ قرامطہ نے یہود اسماعیلیہ اور خوارج کے فرقہ ازارقہ کے بعض اصول بھی اپنے کیش و مذہب میں داخل کر لئے تھے۔ حمدان قرمط ۲۶۴ھ یا ۲۷۸ھ میں ظاہر ہوا تھا۔ چونکہ باطنیہ کی طرح قرمطی مناد بھی اپنے مذہب کی نہایت سرگرمی سے اشاعت کرتے رہتے تھے۔ اس لئے یہ مذہب دور دور تک پھیل گیا۔ یہاں تک کہ قریباً سوا سو سال کے بعد ہندوستان میں سندھ اور ملتان نے بھی قرمطی اثر قبول کر لیا تھا۔ تواریخ ہند کا مطالعہ کرنیوالوں کو معلوم ہو گا کہ ۳۹۶ھ میں سلطان محمود غزنوی ملتان پر لشکر کشی

کرنے کے لئے غزنی سے ہندوستان آیا تھا۔اس یورش کی وجہ یہ تھی کہ ابوالفتح داود بن نصیر قرمطی والی ملتان نے اپنی قلمرو میں قرمطی الحاد وزندقہ پھیلا رکھا تھا۔اس سے قطع نظر ابوالفتح سلطان کو بعض دوسری مہمات میں منہمک پاکر بعض ایسی حرکات ناشائستہ کا مرتکب ہوا تھا جو سلطان پر سخت شاق گزریں۔ حالانکہ ابوالفتح کا باپ نصیر اور اس کا دادا شیخ حمید امیر سبکتگین اور خود سلطان محمود سے ہمیشہ رابطہ، خلوص اور نیازمندانہ طریق ادب ملحوظ رکھتے تھے۔ابوالفتح سلطان کی آمد کی خبر سن کر سخت سراسیمہ اور بدحواس ہوا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سلطان ان حدود کو اسی کی بداعمالیوں کی سزا دینے کے لئے آ رہا ہے۔اب اس نے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ دیکھا کہ راجہ انند پال والی لاہور کو سلطان کو پیش قدمی سے مطلع کر کے اس سے مدد مانگے۔ چنانچہ راجہ نے از راہ عاقبت نااندیشی اپنے جذبات تعصب سے مغلوب ہو کر فوراً ابوالفتح کا ساتھ دینے کی ٹھان لی۔ جھٹ لاؤ لشکر لے کا عازم پشاور ہوا اور راستہ ہی میں کسی جگہ سلطان کا سدراہ ہوا۔سلطان، انند پال کی یہ جسارت دیکھ کر سخت برہم ہوا اور حکم دیا کہ زندقہ ملتان کی تو بعد میں خبر لی جائے گی۔ پہلے انند پال کو اس جرأت کی قرار واقعی سزا دی جائے۔غرض عساکر محمودی نے راجہ کی فوج کو مار مار کر اس کے پرخچے اڑا دیئے اور میدان جنگ میں ہر طرف کشتوں کے پشتے دکھائی دینے لگے۔راجہ نے بری طرح شکست کھائی اور بقیۃ السیف کو لے کر بھاگا۔لشکر سلطانی نے دریائے چناب کے کنارے قصبہ سوہدرہ تک اس کا تعاقب کیا۔ جب راجہ نے دیکھا کہ لشکر سلطانی کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتا تو لاہور کی سمت چھوڑ سراسیمہ وار کشمیر کی طرف بھاگا۔ سلطان نے یہ حکم دے کر کہ اب راجہ جدھر جاتا ہے جانے دو۔ ملتان کا رخ کیا۔ابوالفتح کے اوسان خطا ہوئے اور یہ دیکھ کر کہ آج تک جس کسی نے سلطان سے جنگ آزمائی کا حوصلہ کیا۔چاہ مذلت میں گرا اور خاک نامرادی اپنے چہرہ بخت پر ڈالی۔قلعہ بند ہو کر نہایت عجز وزاری کے ساتھ کہلا بھیجا کہ میں قرمطی مسلک سے توبہ کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ ہر سال بیس ہزار درم سرخ بطور خراج بارگاہ سلطانی میں بھیجتا رہوں گا اور الحاد وزندقہ سے احتراز واجتناب کر کے اپنی قلمرو میں احکام شرعی جاری کروں گا۔سلطان نے اس درخواست کو منظور کیا اور سات روز کے بعد محاصرہ اٹھا کر غزنی کی طرف مراجعت کی۔مگر ابوالفتح کی یہ پیشکش محض دفع الوقتی پر مبنی تھی۔ سلطان کی مراجعت کے بعد اس معاہدہ کو بالائے طاق رکھ دیا۔اس لئے سلطان ۴۰۰ھ میں فتح ونصرت کے پھریرے اڑاتا ہوا دوبارہ ملتان آیا اور قرمطی حکومت کا نام ونشان مٹا دیا۔بہت سے قرامطہ وملاحدہ تہ تیغ ہوئے۔سلطان ابوالفتح کو اس کی بدعہدی کی پاداش میں گرفتار کر کے غزنی لے گیا اور غور کے قلعہ میں قید کر دیا۔یہاں تک کہ وہ حالت حبس ہی میں

بارِ حیات سے سبکدوش ہو گیا۔ سلطان کے جانشین مدت مدید تک ملتان پر حکومت کرتے رہے۔ لیکن جب دولت غزنویہ میں زوال و انحطاط کے آثار نمایاں ہوئے تو قرامطہ پھر ملتان پر چڑھ دوڑے اور وہاں از سر نو عمل و دخل کر لیا۔ آخر سلطان معز الدین محمد سام نے انہیں منہزم کر کے علاقہ ملتان کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ جب سلطان محاصرہ ملتان سے دست کش ہو کر غزنی کو واپس گیا تو راجہ انند پال پھر لاہور آ براجا۔ انند پال کو یقین تھا کہ اب کی مرتبہ سلطان کبھی جرم بخشی نہ کرے گا۔ اس لئے بجائے عفو جرم کی درخواست کے ابھی سے حرب و قتال کی تیاریوں میں مصروف ہوا۔ جب سلطان کو اس جنگی تیاریوں کی اطلاع ہوئی تو راجہ انند پانی کو گوشمالی کے لئے پھر عنان توجہ ہندوستان کی طرف پھیری۔ یہ خبر سن کر انند پال سخت بدحواس ہوا اور دھرم کا واسطہ دے کر ہندوستان بھر کے ہندو راجاؤں سے سلطان کے مقابلہ میں مدد مانگی۔ چنانچہ اجوبن، گوالیار، کالنجر، قنوج دہلی اور بہت سی دوسری ریاستوں کے راجے اپنا اپنا لاؤ لشکر لے کر سلطان سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے پنجاب میں آ موجود ہوئے۔ لیکن تائید ایزدی سلطان کی پشت پناہ تھی۔ اس نے ہندوستان بھر کی متحدہ افواج کو فیصلہ کن شکست دی۔ اب راجہ انند پال کے حواس درست ہوئے اور نہایت تضرع و ابتہال کے سات طالب عفو درگزر ہوا۔ سلطان بڑا رحم دل بادشاہ تھا۔ اس نے راجہ کے تمام سابقہ جرائم پر خط عفو کھینچ کر اس کو پنجاب کی حکومت پر بحال کر دیا۔ لیکن اب انند پال ایسا سیدھا ہوا کہ اس کے بعد اس سے کبھی ایسی حرکت سرزد نہ ہوئی۔ جو مزاج ہمایوں کے خلاف ہوتی۔ چنانچہ جس سال سلطان نے تھانیسر کا عزم کر کے پنجاب سے گزرنے کا قصد کیا تو اس خیال سے کہ عبور راہ کے وقت راجہ کی مملکت کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ انند پال کے پاس پیغام بھیجا کہ میں تھانیسر کا عازم ہوں۔ مناسب ہے کہ تمہارے چند امراء ہمارے موکب ہمایونی میں مشایعت کریں۔ تا کہ تمہارا ملک ہماری فوج کی پامالی سے محفوظ رہے۔ راجہ انند پال اطاعت پذیری کو بقائے دولت کا ذریعہ یقین کر کے بعجلت تمام اسباب ضیافت مہیا کرنے میں مصروف ہوا اور اپنی مملکت کے تاجروں اور بقالوں کو حکم دیا کہ ہر قسم کی ضروریات اور اجناس لشکر سلطانی میں لے جا کر ایسا انتظام کریں کہ کسی چیز کی تھڑ نہ آنے پائے اور دو ہزار سوار اپنے بھائی کے ہمراہ کر کے شہنشاہ کو اکب سپاہ کے حضور میں بھیجے اور ہر طرح سے اظہار عجز و نیازی کیا۔

(تاریخ فرشتہ ص ۱۲۵، ۱۲۸ ج ۱)

ہندوستان میں بمبئی، گجرات اور دکن کے بوہرے انہی قرامطہ کی یادگار ہیں جو ایران

اورعراق سے سندھ اور ملتان میں آئے اور ان میں بعض حکمران بھی رہے اور گو ان کے اسلاف کے خیالات میں اور اسماعیلی عقاید میں بعد المشرقین تھا۔ تاہم مرور زمانہ کے ساتھ یہ لوگ آہستہ آہستہ اسماعیلی مذہب کی طرف مائل ہوتے گئے۔ چنانچہ آج کل ان لوگوں نے راسخ الاعتقاد اسماعیلیوں کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

باب ۲۳ ...... ابوسعید حسن بن بہرام جنابی قرمطی

۲۸۱ھ میں ایک شخص یحییٰ بن مہدی نام قطیف مضافات بحرین میں وارد ہو کر علی بن معلی بن حمدان کے مکان میں فروکش ہوا اور بیان کیا کہ مجھے حضرت مہدی آخرالزمان علیہ السلام نے اپنا ایلچی مقرر کر کے روانہ فرمایا ہے اور عنقریب وہ بھی خروج کیا چاہتے ہیں۔ مورخوں نے نہیں بتایا کہ یہ کس خانہ ساز مہدی کا داعی تھا۔ لیکن اغلب یہ ہے کہ یہ عبیداللہ کا پیامبر ہوگا۔ کیونکہ ان ایام میں اسماعیلی دعاۃ نے عبیداللہ کے حق میں نہایت زبردست پروپیگنڈا شروع کر رکھا تھا۔

شیعان قطیف سے جعلی مہدی کے مطالبات

یحییٰ کا میزبان علی بن معلی نہایت غالی شیعہ تھا۔ اس نے شیعان قطیف کو جمع کر کے مہدی کا خط جس کو یحییٰ نے پیش کیا تھا پڑھ کر سنایا۔ تاکہ مضافات بحرین میں اس کی خبر کی شہرت ہو جائے۔ ہم اہل سنت والجماعت بھی حضرت محمد بن عبداللہ معروف بہ مہدی علیہ السلام کی تشریف آوری کے متوقع ہیں۔ لیکن روایات صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا ظہور مکہ معظمہ میں ایسے دور آشوب میں ہوگا۔ جبکہ قیامت کی علامت قریبہ کا ظہور شروع ہو چکا ہوگا۔ اس کے برخلاف شیعہ لوگ ہر زمانہ میں حضرت مہدی علیہ السلام کے کوکبۂ جلال کے منتظر رہے ہیں۔ چنانچہ آج کل بھی وہ رات دن حضرت مہدی علیہ السلام کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کرتے ہیں۔ شیعان قطیف نے خانہ ساز مہدی کے خط کو نہایت خلوص اور اطاعت شعاری کے ساتھ سنا اور سب نے حلف اٹھایا کہ جب حضرت مہدی علیہ السلام ظہور فرما ہوں گے۔ ہم ان کے ہمرکاب اعداء سے لڑیں گے۔ ان شیعان قطیف کا سرگروہ ابوسعید جنابی تھا۔ جو خروج کے لئے بھپر رہا تھا۔ یحییٰ اس واقعہ کے بعد تھوڑے دن کے لئے غائب ہو گیا۔ دوسری مرتبہ کہیں سے ایک اور خط لے آیا جس میں فرضی مہدی کی طرف سے اہل قطیف کی اطاعت پذیری اور اقرار رفاقت کا شکریہ ادا کیا تھا اور لکھا تھا کہ ہر شیعہ چھتیس چھتیس دینار (قریباً ایک سو اسی اسی روپیہ) یحییٰ کی نذر کرے۔ بوالعجبی دیکھو کہ شیعان قطیف نے اس حکم کی بطیب خاطر تعمیل کی اور جس کسی کو اتنا زرنقد میسر نہ تھا

اس نے قرض دام کر کے جس طرح بھی بن پڑا اس مطالبہ کو پورا کیا۔ یحییٰ ہزار ہا روپیہ وصول کر کے پھر غائب ہو گیا۔ چند روز کے بعد تیسرا خط لایا جس کا یہ مضمون تھا کہ تم میں سے ہر شخص اپنے مال کا خمس (پانچواں حصہ) امام الزمان کے لئے یحییٰ کے حوالے کرے۔ شیعان قطیف کی خوش اعتقادی اور مذہبی حمیت دیکھو کہ انہوں نے اس خواہش کا بھی نہایت خندہ پیشانی اور کمال مستعدی سے خیر مقدم کیا۔ غرض یحییٰ بن مہدی آئے دن قبائل قیس میں ایک نہ ایک خط یہ ظاہر کر کے کہ یہ مہدی آخر الزمان کی جانب سے ہے برابر پیش کرتا رہا۔ انہی ایام میں حسب بیان ابراہم صائغ ایک مرتبہ یحییٰ بن مہدی سعید جنابی کے گھر آیا اور سب نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر ابوسعید گھر سے نکلا اور اپنی بیوی سے کہتا گیا کہ وہ یحییٰ کے پاس جا کر اسے اپنی طرف مائل کرے اور اگر آمادہ ہو جائے تو انکار نہ کرے۔ جب اس شرمناک واقعہ کی اطلاع حاکم قطیف کو ہوئی تو اس نے یحییٰ کو گرفتار کر کے بری طرح پیٹا اور اس کا سر اور داڑھی مونڈ دی۔ یہ دیکھ کر ابوسعید اپنے اصل وطن موضع جنابا کو بھاگ گیا اور یحییٰ بہزار ذلت و رسوائی قبائل بنی کلاب عقیل و خریس کے پاس چلا گیا۔ یہ لوگ ابوسعید کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور ابوسعید جنابی کی جمعیت بہت بڑھ گئی۔ (الکامل فی التاریخ ج۶ ص ۲۹۷)

بصرہ اور ہجر کی تسخیر اور قیدیوں کا زندہ نذر آتش کیا جانا

ظاہر ہے کہ حصول جمعیت کے بعد ابوسعید کا جذبہ خروج جو بہت دن سے عمال خلافت کے خلاف عربدہ جوئی کے لئے بھپر رہا تھا۔ کسی ہنگامہ خیزی کے بغیر کسی طرح تسکین نہیں پا سکتا تھا۔ اس لئے وہ خروج مہدی علیہ السلام کی طرف سے خالی الذہن ہو کر خود ہی ۲۸۶ھ میں دعویٰ مہدویت کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلے قرب و جوار کے قصبات و دیہات کو تاراج کیا۔ پھر عزم تسخیر بصرہ کی طرف عنان عزیمت موڑ دی۔ احمد بن محمد بن یحییٰ واسطی والئی بصرہ نے دربار خلافت میں اس قضیہ کی اطلاع کی۔ خلیفہ معتضد باللہ نے محافظت بصرہ کے خیال سے شہر پناہ بنانے کا حکم دیا۔ جس کی تعمیر پر چودہ ہزار دینار صرف ہوئے۔ جس وقت ابوسعید ۲۸۷ھ میں بصرہ کے قریب پہنچا۔ بغداد سے بھی عباس بن عمر غنوی عامل فارس دو ہزار سوار لئے ہوئے بصرہ کی مدافعت کو آ پہنچا۔ سواروں کے علاوہ مطوعہ یعنی رضاکار پیادوں اور غلاموں کا بھی جم غفیر تھا۔ بصرہ سے تھوڑے فاصلہ پر ابوسعید سے تصادم ہو گیا۔ صبح سے شام تک بڑے زور و شور سے آتش جنگ شعلہ زن رہی۔ دوسرے دن پھر لڑائی شروع ہوئی۔ جس میں ابوسعید کی فتح ہوئی۔ اور عباس غنوی گرفتار ہو گیا۔ ابوسعید کی فوج نے شاہی لشکر گاہ کو چاروں طرف سے گھیر کر لوٹ لیا اور جس قدر رسبار زہاتھ

آ سکے قید کر لئے۔ اب ابوسعید نے سینکڑوں من لکڑی جمع کرائی اور اس کو آگ دکھا دی۔ جب شعلے بلند ہوئے تو اس کی فوج ایک ایک مسلمان قیدی کو اٹھا اٹھا کر زندہ آگ میں جھونکتی گئی۔ یہاں تک کہ تمام قیدی دنیاوی آگ میں جل کر باغ جنان کو چلے گئے۔ ابوسعید نے اس جنگ سے فراغت پا کر ہجر کا عزم کیا اور بلا مزاحمت وہاں پر قبضہ کر لیا۔ (ایضاً ص ۳۹۸)

ابوسعید بڑے بڑے دعوؤں کے باوجود بڑا زندیق تھا۔ گو قرمطی مشہور تھا۔ لیکن قرامطہ کے مسلک کے خلاف باطنی طریقہ کا دلدادہ تھا۔ کہتا تھا کہ حشر ونشر اور معاد وحساب کے سارے قصے فضول اور من گھڑت ہیں اور جو شخص کسی کو صوم وصلوٰۃ وغیرہ ظاہری اعمال کی ترغیب دے۔ اس کا قتل کرنا واجب ہے۔ (کتاب المختار للجوبری وابن خلدون) یہ شخص انتہا درجہ کا سفاک تھا۔ اس نے بے شمار مسلمانوں کو جرعہ شہادت پلایا۔ بہت سی مسجدیں منہدم کیں۔ سینکڑوں مصاحف مقدس نذر آتش کئے اور بیشمار عازمان حج کے قافلے لوٹے۔ ان تمام سفاکیوں کے باوجود وحی آسمانی کا مدعی تھا۔ جب لڑائی لڑتا تو کہتا کہ مجھے ابھی ابھی فتح وظفر کا وعدہ دیا گیا ہے۔

(تلبیس ابلیس عربی ص ۸۴)

ابوسعید کا قتل

۳۰۱ھ میں ابوسعید اپنے خادم صقلبی کے ہاتھ سے حمام میں مارا گیا۔ اس کا کام تمام کر کے خادم، ابوسعید کی قوم کے ایک رئیس کبیر کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ چلئے! میرا آقا آپ کو یاد کرتا ہے۔ وہ آیا تو اس کو بھی ہلاک کر دیا۔ پھر ایک اور قرمطی رئیس کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میرے سردار نے آپ کو طلب فرمایا ہے۔ وہ آیا تو اس کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔ اسی طرح دو اور سربر آوردہ قرمطیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ ان کی جان ستانی کے بعد پانچویں کے پاس جا کر اس کو بغرض قتل بلا لایا۔ لیکن وہ آتے ہی صورت حالات کو بھانپ گیا اور صقلبی کا ہاتھ پکڑ کر چیخنے چلانے لگا۔ لوگ آ جمع ہوئے اور عورتیں رونے لگیں صقلبی اور اس پانچویں شخص میں تھوڑی دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ آخر لوگوں نے آ کر صقلبی کی گردن ماردی۔ ابوسعید نے اپنے بڑے بیٹے سعید کو اپنا ولی عہد بنا رکھا تھا۔ لیکن اس کا چھوٹا بیٹا ابوطاہر سلیمان اپنے بڑے بھائی سعید کو مغلوب کر کے باپ کا جانشین ہو گیا۔ خلافت عباسیہ میں ان دنوں کوئی دم خم باقی نہ تھا۔ خلیفہ بغداد میں اتنی سکت نہ تھی کہ اسے مغلوب ومقہور کر کے مسلمان قیدیوں کو چھڑا لے۔ ناچار قاصدوں کے ہاتھ ایک خط بھیجنے پر اکتفا کیا اور ان کو حکم دیا کہ مسلمان قیدیوں کی رہائی کی سلسلہ جنبانی کر کے اس سے مناظرہ کریں اور اس کے فساد مذہب کے دلائل پیش کریں۔ ابوسعید نے خلیفہ کی چٹھی کی طرف کوئی التفات نہ کیا

اور چٹھی قاصدوں کے ہاتھ واپس بھیج دی۔ جب قاصد ہجر سے لوٹ کر بصرہ پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ ابوسعید مارا گیا ہے اور اس کا بیٹا ابوطاہر اس کا جانشین ہوا ہے۔ قاصدوں نے بغداد آ کر خلیفہ کو اپنی ناکامی سفارت کی اطلاع دی۔ خلیفہ نے کہا کہ اب تم ابوطاہر کے پاس خط لے جاؤ۔ چنانچہ قاصد دوبارہ ہجر گئے۔ ابوطاہر نے قاصدوں کا اعزاز و اکرام کیا۔ قیدیوں کو رہا کر کے بغداد بھیج دیا اور خط کا بھی جواب لکھ بھیجا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۶ ص ۴۸۲)

ابوسعید جنابی کے مرنے کے بعد اس کے پیرؤوں نے اس کی قبر پر بڑا گنبد تعمیر کر کے اس پر گچ کا ایک پرندہ بنا دیا اور مشہور کیا کہ جب یہ پرندہ پرواز کرے گا تو ابوسعید اپنی قبر سے اٹھ کھڑا ہوگا۔ ان گم کردگان راہ نے اس کی قبر کے پاس گھوڑا باندھا اور خلعت، کپڑے اور ہتھیار رکھے۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو شخص مر جائے اور اس کی قبر کے پاس گھوڑا باندھا جائے تو وہ جب بھی اٹھے گا سوار ہوگا اور اگر گھوڑا نہ باندھا گیا ہوگا تو پا پیادہ ٹھوکریں کھاتا پھرے گا۔ ابوسعید کے پیرؤوں کے دلوں میں اس کی اتنی وقعت تھی کہ جب ان کے سامنے اس کا نام لیا جاتا تو اس پر درود بھیجتے۔ لیکن حضرت سید الاولین و آلاخرین علیہ التحیۃ والسلام کا ذکر مبارک آتا تو درود نہ بھیجتے اور کہتے کہ جب ہم رزق ابوسعید کا کھاتے ہیں تو ابوالقاسم (سید کائنات ﷺ) پر کیوں درود بھیجیں۔ (تلبیس ابلیس ص ۸۴)

باب ۲۴ ...... زکرویہ بن ماہر وقرمطی

زکرویہ بن ماہر و قرمط کا ایک داعی تھا۔ حامل وحی اور حضرت مہدی علیہ السلام کے ایلچی ہونے کا مدعی تھا۔ اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ میری سواری کا ناقہ مامور ہے جو شخص اس کے ہمراہ ہوگا وہ ہمیشہ فتح یاب ہوگا۔ یہ شخص اس امر کا احساس کر کے قرامطہ کے نیست و نابود کر دینے کی کوشش میں خلیفۃ المسلمین کی طرف سے فوجوں پر فوجیں سواد کوفہ کی طرف بھیجی جا رہی ہیں۔ دفاع کے لئے کھڑا ہوا۔ پہلے بنو اسد اور طے کے بادیہ نشینوں کے پاس گیا اور قرمطی مذہب کے نشر و توزیع کی کوشش کی۔ ان لوگوں نے اس تحریک کو نفرت و استکراہ کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اب اس نے اپنے بیٹوں کو قبیلہ کلب بن دبرہ میں بھیجا۔ انہوں نے بھی انکار کیا۔ البتہ اس قبیلہ کی ایک شاخ جسے قلیص بن ضمضم بن عدی کہتے تھے۔ اس مذہب کی طرف مائل ہوگئی اور زکرویہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی رفاقت اختیار کی۔ خلیفہ معتضد عباسی کا غلام شبل نام رصافہ کی جانب سے زکرویہ پر حملہ آور ہوا۔ لیکن زکرویہ فتحیاب ہوا اور شبل شہید ہوگیا۔ زکرویہ فتح کے شادیانے بجاتا ہوا واپس گیا۔ اب

خلافت مآب کی طرف سے احمد بن محمد طائی کے غلام نے اس کا نام بھی شبل تھا فوج کشی کی۔ زکرویہ نے اس کے مقابلہ میں اپنے ایک فوجی سردار ابوالفوارس خلف بن عثمان کو فوج دے کر روانہ کیا۔ شبل کو فتح نصیب ہوئی اور ابوالفوارس گرفتار ہو گیا۔ شبل نے اسے بغداد لا کر دربار خلافت میں پیش کیا۔

خلیفۃ المسلمین کو قیدی کا طعنہ کہ آل عباسؓ کو خلافت کا کوئی استحقاق نہیں

خلیفہ معتضد نے ابوالفوارس کو خطاب کر کے فرمایا کہ کیا تم لوگوں کا واقعی یہ اعتقاد ہے کہ حق تعالیٰ اور اس کے انبیائے کرام کی روحیں تمہارے جسموں میں حلول کر گئی ہیں۔ جس کی وجہ سے تم لوگ اپنے تئیں گناہوں اور لغزشوں سے معصوم سمجھتے ہو؟۔ ابوالفوارس نے ناک بھوں چڑھا کر جواب دیا۔ اگر ہم میں روح اللہ نے حلول کیا ہے تو اس میں تمہارا کیا نقصان ہے اور اگر روح ابلیس حلول کر گئی ہے تو اس سے تمہیں کیا فائدہ؟۔ اس کے بعد بولا۔ اس لغو بیانی کو چھوڑو اور کوئی ایسی بات کرو جو فائدہ بخش اور نتیجہ خیز ہو۔ خلیفہ معتضد نے کہا کہ اچھا تم ہی ان باتوں کو چھیڑو جن سے فائدہ اور نفع کی امید ہو۔ کہنے لگا کہ جب رسول خدا ﷺ نے اس دار فانی سے کوچ کیا تو تمہارے مورث اعلیٰ عباس بن عبدالمطلبؓ بقید حیات موجود تھے۔ مگر نہ تو خود خلافت کے متدعی ہوئے اور نہ لوگوں نے ان سے بیعت کی۔ ابوبکرؓ نے وفات پائی تو عمرؓ کو اپنا جانشین بنا گئے۔ اس وقت بھی عباسؓ زندہ تھے اور عمرؓ کے پیش نظر تھے۔ مگر عمرؓ نے نہ تو عباسؓ کو اپنا ولی عہد بنایا اور نہ انہیں ارباب حل وعقد کی جماعت میں جو چھ افراد پر مشتمل تھی داخل کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا مورث اعلیٰ امر خلافت کا مستحق نہ تھا۔ کم از کم ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) نے تمہارے مورث کو اس مہتمم بالشان ذمہ داری کا اہل نہ سمجھا۔ پھر حیرت ہے کہ تم لوگ کس استحقاق سے مدعی خلافت ہو اور خلیفہ بنے بیٹھے ہو؟۔ خلیفہ معتضد سے اس اعتراض کا کچھ جواب نہ بن پڑا۔ جلا اٹھا اور حکم دیا کہ اس کی کھال کھینچ کر جوڑ الگ کر دو۔ اس فرمان کی فوراً تعمیل ہوئی اور اس بدنصیب نے آناً فاناً زندگی کی رسوائی سے نجات پائی۔

(الکامل فی التاریخ ج۶ ص ۳۰۹،۳۱۰، ابن خلدون عربی ج۳ ص ۳۴۹،۳۵۰)

مجلس شوریٰ پر انتخاب سلیفہ کا انحصار

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ معتضد کے علمی اور تاریخی معلومات بہت محدود تھے۔ ابوالفوارس کے اعتراض کا یہ جواب تھا کہ خلفائے بنوامیہ (باستثنائے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ) نہایت ظالم اور فاسق تھے۔ بنو فاطمہ میں سے پہلے حضرت امام حسینؓ نے پھر ان کے پوتے جناب

زید بن امام زین العابدینؒ نے پھر حضرت زید کے فرزند یحییٰ بن زیدؒ نے مختلف اوقات میں بنوامیہ سے انتزاع خلافت کی کوششیں فرمائیں۔ لیکن نہ صرف ناکام رہے۔ بلکہ اپنی عزیز جانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس عہد آشوب میں ضروریات ملی زبان حال سے پکار رہی تھی کہ خدا کا کوئی ایسا بندہ یا جماعت میدان عمل میں نکلے جو اہل ایمان کو بنوامیہ کے دست بیداد سے نجات دلائے۔ بنو عباس کھڑے ہوئے اور انھوں نے بنوامیہ سے حکومت چھین کر ان سے بہتر خلافت قائم کی اور مسلمانوں کے جراحت دل پر ہمدردی کا مرہم رکھا۔ گو آل عباس کی خلافت بھی علی منہاج النبوۃ نہیں تھی۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ خلافت راشدہ کے بعد عباسی سلطنت ہی ایک ایسی حکومت تھی جو ہر اعتبار سے دین حنیف اور پیروان ملت حنفی کی پشت پناہ ثابت ہوئی۔ خلافت راشدہ کے بعد جس قدر سلطنتیں بھی اسلامی حکومتوں کے نام سے عرصہ شہود میں جلوہ گر ہوئیں۔ ان میں کوئی حکومت من حیث المجموع عدل وانصاف، خدمات ملی، اعلاء کلمۃ اللہ، نفاذ شریعت مصطفوی (علی صاحبہا التحیۃ والسلام) خدمت حرمین شریفین، علم نوازی اور معارف پروری میں خلافت بنو عباس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ خصوصاً قرامطہ، باطنیہ اور بنو عبید تو اپنے بدعات وکفریات کی وجہ سے قطعاً اس قابل نہ تھے کہ ان کی حکومتوں کو اسلامی حکومت قرار دیا جا سکے۔ چہ جائیکہ ان کا کوئی فرمانروا خلیفہ المسلمین ہو سکتا۔ اگر حضرات شیخین (رضی اللہ عنہما) نے جناب عباسؓ کو بعض دوسرے جلیل القدر صائب الرائے صحابہؓ کی موجودگی میں ارباب شوریٰ میں داخل نہ کیا یا ان کے لئے خلافت کی وصیت نہ کی۔ تو یہ ان کے نااہل ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آئندہ چل کر ان کی اولاد بھی اس صلاحیت سے عاری ہو گئی۔

بنو عباس کے اخذ بیعت کے وقت مسلمانوں میں کوئی ایسی جماعت موجود نہ تھی جن میں آل عباس سے بڑھ کر یا کم از کم ان کے برابر ہی شرائط خلافت پائے جاتے ہوں اور وہ برسر اقتدار ہو کر مسلمانوں کے سیاہ وسپید کی مالک ہوئی ہو۔ پس خلفائے بنی عباس ہی عالم اسلام کے جائز اور صحیح خلفاء تھے اور یہ مسئلہ فرقہ حقہ اہل سنت وجماعت اور شیعوں میں مختلف فیہ ہے کہ خلافت منصوص چیز ہے یا اس کا مدار مجلس شوریٰ کے فیصلہ پر ہے؟۔ ہم لوگ مجلس شوریٰ کے فیصلہ یا مسلمانوں کے اتفاق رائے یا قوم کی اطاعت پذیری کو اس کا مدار علیہ ٹھہراتے ہیں اور شیعہ اسے منصوص سمجھتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ایک روایت ہے کہ حضرت خیر البشر ﷺ نے اپنے مرض وصال میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ اپنے والد (حضرت ابو بکر صدیقؓ) اور بھائی (جناب عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ) کو میرے پاس بلا لاؤ۔ تاکہ میں تمہارے والد کے لئے ایک دستاویز

لکھ دوں۔مبادا کل کو کوئی اور شخص (خلافت کی) آرزو کرنے لگے یا اپنا استحقاق ظاہر کرے۔ حالانکہ ابوبکر صدیقؓ کے سوا کوئی دوسرا شخص مستحق خلافت نہ ہوگا۔ پھر حضور سرور کائناتﷺ نے یہ کہہ کر اس عزیمت کو فسخ فرمادیا کہ خداوند عالم (حضرت ابوبکر صدیقؓ) کے سوا دوسروں کی خلافت سے انکار کرے گا اور مومن بھی اس کو مسترد کردیں گے۔(مشکوۃ ص ۵۵۵)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رحمت عالمﷺ جناب صدیق اکبرؓ کو اپنے روبرو منصب خلافت تفویض فرمایا چاہتے تھے۔ لیکن چونکہ آپ انتخاب امامت وامارت کا ایک مستقل اصول وآئین قائم کر جانا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ نے وصیت یا دستاویز کو غیر ضروری خیال فرمایا اور ابوالعجبی دیکھو کہ شیعہ لوگ خلافت وامامت کو منصوص خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ خود امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت کی حقیقت پر یہ دلیل پیش فرمائی تھی کہ حضرات مہاجرین وانصار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے ان کو خلیفہ منتخب کیا۔ چنانچہ شیعوں کے مشہور مجتہد رضی نے کتاب ''نہج البلاغہ'' میں امیر معاویہؓ کے نام امیر المومنین علیؓ کی مندرجہ ذیل چٹھی درج کی ہے:

''اما بعد فان بیعتی یا معاویة لزمتك وانت بالشام فانه بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علیٰ مابایعوهم علیه فلم یکن للشاهدان یختارو لا للغائب ان یردوانما الشوریٰ للمهاجرین والانصار فان اجتمعوا علیٰ رجل و سموه اماماً کان لله رضے فان خرج منهم خارج بطعن اوبدعة ردوه الیٰ ما خرج منه فان ابیٰ قاتلوه علیٰ اتباعه غیر سبیل المؤمنین والاہ اللہ ماتولی واصلیه جهنم و ساءت مصیراً''

﴿اے معاویہ! ملک شام میں میری بیعت تم پر لازم ہوگئی۔ کیونکہ میرے ہاتھ پر انہی لوگوں نے بیعت کی جنہوں نے حضرات ابوبکر، عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اسی امر پر بیعت کی جس پر ان سے کی تھی۔ پس نہ تو حاضر کو اپنی مرضی پر چلنے کا اختیار رہا اور نہ غائب کے لئے مسترد کرنے کی گنجائش رہی۔ بلاشبہ شوریٰ مہاجرین وانصار کا معتبر ہے۔ پس اگر یہ حضرات کسی شخص پر جمع ہوجائیں اور اس کو امام بنالیں۔ تو خدا کے نزدیک بھی وہ پسندیدہ ہوگا اور اگر کوئی شخص ان سے بہ سبب کسی طعن یا بدعت کے علیحدگی اختیار کرے تو اس کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے۔ اگر وہ قبول نہ کرے تو اس سے قتال کیا جائے۔ کیونکہ اس نے مسلمانوں کی راہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا اور حق تعالیٰ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور اس کو دوزخ میں ڈالے گا جو بری جگہ ہے۔﴾ (تحفہ اثنا عشریہ مصنفہ شاہ عبدالعزیزؒ مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۹۹)

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو بھی مسلمان اپنا امیر بنا لیں یا قوم اس کی اطاعت کر لے وہی عنداللہ جائز امام المسلمین ہوتا ہے۔ شیعہ لوگ امیر المومنین حضرت علیؓ کے متذکرہ صدر مکتوب کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ یہ الزامی دلیل ہے۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ "فان اجتمعوا علی رجل وسموہ اماماً.......... الخ" کو الزام سے کوئی تعلق نہیں۔

یحییٰ بن زکرویہ کا قتل

زکرویہ کے قرمطی پیرو سواد کوفہ میں شبل سے شکست کھا کر ۲۹۰ھ میں شام کی طرف بھاگ گئے اور دمشق میں قتل وغارت کا بازار گرم کر دیا۔ ان ایام میں دمشق کی عنان حکومت احمد بن طولون کے غلام طغج کے ہاتھ میں تھی۔ قرامطہ سے اس کی کئی دفعہ معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ لیکن اسے ہر مرتبہ ہزیمت ہوئی۔ آخر طغج نے اپنے آقا احمد بن طولون والئی مصر سے امداد طلب کی۔ چنانچہ مصری سپاہ اس کی امداد کو پہنچی۔ میدان مبارزت ازسرنو گرم ہوا۔ زکرویہ کا بیٹا یحییٰ مارا گیا اور بقیۃ السیف نے اس کے بھائی حسین بن زکرویہ کے پاس جا پناہ لی۔ علی بن زکرویہ اپنے بھائی یحییٰ کے مارے جانے کے بعد فرات کی جانب بھاگ گیا تھا۔ قرامطہ کی منتشر جماعت اس کے پاس جمع ہونے لگی۔ جب قرامطہ کی جمعیت بڑھی تو علی نے طبریہ کی طرف پیش قدمی شروع کی اور پہنچتے ہی اسے لوٹ لیا۔ حسین بن حمدان سپہ سالار افواج بغداد نے یہ خبر پا کر علی کی گوشمالی پر کمر باندھی۔ علی یمن کو بھاگ گیا اور وہیں اپنے دعاۃ اور ہوا خواہوں کو جمع کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ یمن کے اکثر شہروں پر قبضہ کر لیا۔ آخر صنعاء کی جانب بڑھا۔ جو یمن کا صدر مقام ہے۔ والئی صنعا شہر چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ علی نے شہر کو خوب لوٹا۔ ان واقعات کے اثناء میں زکرویہ نے بنی قلیص کے پاس جنہوں نے سماوا میں مدت سے بود و باش اختیار کر لی تھی۔ عبداللہ بن سعید موسوم بہ ابو غالم کو خط دے کر بھیجا جس میں لکھا تھا کہ مجھے بذریعہ وحی معلوم ہوا ہے کہ صاحب الشامہ حسین موسوم بہ احمد اور اس کا بھائی یحییٰ موسوم بہ شیخ بہت جلد پھر آنے والے ہیں۔ بعد ازاں امام زمان ظاہر ہوں گے اور تمام روئے زمین کو عدل وانصاف سے معمور کر دیں گے۔ چنانچہ ابو غانم نے قبیلہ کلب میں پہنچ کر ان خیالات کی اشاعت کی اور ان لوگوں کو مذہبی سپاہی بنا کر شام کا رخ کیا۔ بلاد شام کو پامال کرتا ہوا دمشق پر جا پڑا۔ مگر اہل دمشق نے اسے مار بھگایا۔ اس کے بعد اردن پر جا چڑھا۔ والی اردن مارا گیا اور یہ مظفر و منصور طبریہ کی طرف بڑھا اسے بھی خوب لوٹا دربار خلافت میں ان واقعات کی خبر پہنچی تو خلیفہ مکتفی نے ایک لشکر جرار حسین بن حمدان کی سرکردگی میں بغداد سے روانہ کیا۔ ابو غانم یہ خبر پا کر سماوا کی طرف بھاگا۔ شاہی فوج نے تعاقب کیا۔ ہزار ہا قرمطی شدت تشنگی سے ہلاک ہوئے۔ غرض خلیفہ

کے سپہ سالار نے ۲۹۳ھ میں اسے قتل کر ڈالا جس سے اس کی جمعیت منتشر ہو گئی۔

حجاج پر جور و تغلب کے طوفان اور ان کی جانستانی

ان واقعات کے بعد قرمطی جمع ہو کر دریہ نام ایک موضع میں گئے۔ جہاں زکرویہ کئی سال سے بخوف جان چھپا ہوا تھا۔ قرامطہ نے یہاں اس کو ایک باولی میں مخفی کر رکھا تھا جس کے کواڑ آہنین اور نہایت مضبوط تھے۔ قرمطیوں نے باولی کے دروازے کے پاس ایک تنور بھی بنا رکھا تھا۔ جب کبھی زکرویہ کو گرفتاری کا خطرہ لاحق ہوتا تو جھٹ ایک عورت کھڑی ہو کر اس تنور میں ایندھن جلانے لگتی۔ اس تنور کر دیکھ کر لوگ اس خیال سے واپس چلے آتے کہ زکرویہ یہاں نہیں ہوگا۔ اس انتظام کے علاوہ انہوں نے ایک کمرہ بھی بنا رکھا تھا جس کے کواڑ کے پیچھے ایک بڑا سا طاق تھا۔ جب کمرے کا کواڑ کھلتا تو وہ طاق کے منہ کو ڈھک لیتا۔ اگر کوئی شخص زکرویہ کی تلاش میں اس کمرے میں آتا تو وہاں کسی شخص کو نہ پاتا۔ حالانکہ زکرویہ بسا اوقات اس طاق میں چھپا ہوتا تھا۔ قرامطہ اس کے پاس پہنچے اور اس کو دیکھ کر سر بسجود ہو گئے۔ اس کے بعد اسے ہاتھوں پر اٹھا کر باہر لائے اور اس کو ولی اللہ کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ اب اطراف و جوانب کے مناد بھی جو اس کے مذہب کی تعلیم و تلقین کرتے پھرتے تھے۔ آآ کر اس کے پاس جمع ہو گئے۔ زکرویہ نے ان پر اپنی طرف سے قاسم بن احمد کو بحیثیت نائب مقرر کیا اور انہیں اپنے حقوق و فرائض جتلائے جو ان پر واجب تھے اور یہ بھی ہدایت کی کہ ان کی دینی و دنیوی فلاح اسی میں ہے کہ وہ اپنے امیر کے دائرہ اطاعت سے ذرا بھی قدم باہر نہ نکالیں۔ ان دعویٰ کے ثبوت میں زکرویہ نے آیات قرآنی پیش کیں جن کے معانی و مطالب میں آج کل کے مرزائیوں کی طرح من مانی تاویل و تحریف کی۔ خلیفہ مکتفی نے ان کی سرکوبی کے لئے فوجیں روانہ کیں۔ لیکن قرامطہ نے انہیں سواد کوفہ میں پسپا کر دیا اور ان کے لشکر گاہ کو لوٹ لیا۔ اس کے بعد زکرویہ حاجیوں کا قافلہ لوٹنے کو بڑھا۔ حلوان کو تاخت و تاراج کرتا ہوا واقصہ کو جا گھیرا۔ وہاں والوں نے قلعہ بندی کر لی۔ قرامطہ نے مضافات کے چشموں اور کنوؤں کا پانی خراب کر دیا۔ جب دربار خلافت میں یہ خبریں پہنچیں تو خلیفہ مکتفی نے محمد بن اسحاق کے زیر قیادت قرامطہ کے استیصال کے لئے فوج روانہ کی۔ مگر یہ فوج قرامطہ کو کہیں نہ پا سکی۔ اس لئے بے نیل و مرام واپس آئی۔ اب زکرویہ نے حاجیوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ حجاج نے باوجودیکہ تین دن کے بھوکے پیاسے تھے۔ پامردی سے مقابلہ کیا۔ مگر قرامطہ کی بڑھتی ہوئی قوت کا مقابلہ نہ کر سکے۔ امان کے خواستگار ہوئے۔ زکرویہ نے پہلے تو جان بخشی کا وعدہ کر کے ان کے مال و اسباب کو لوٹا۔ لیکن پھر بد عہدی کر کے ان کو تہ تیغ کر دیا۔ ان حاجیوں کے مال

واسباب کے ساتھ سوداگروں اور بن طولون کے قیمتی اسباب بھی تھے۔ جن کو بنی طولون نے مصر سے مکہ معظمہ کو روانہ کیا تھا اور مکہ سے بغداد بھیج رہے تھے۔ اس کے بعد زکرویہ بقیۃ السیف حجاج کو حمص میں جا گھیرا۔ ہزارہا بے گناہ حجاج شہید ہوئے۔

زکرویہ کی ہلاکت

خلیفہ مکتفی نے ایک فوج گراں وصیف بن صوارتکین کے زیر قیادت روانہ کی۔ اس فوج میں نامی گرامی سپہ سالار بھیجے گئے تھے۔ یہ فوج خفان کی راہ سے روانہ ہو کر قرامطہ تک پہنچی۔ دو روزہ جنگ کے بعد قرمطی شکست کھا گئے۔ زکرویہ کے سر پر زخم کاری لگا۔ جس کی وجہ سے وہ بھاگنے میں کامیاب نہ ہوا اور گرفتار ہو کر لشکرگاہ میں لایا گیا۔ اس کے ساتھ اس کا نائب قاسم بن احمد اس کا بیٹا اور اس کا معتمد سب گرفتار ہو گئے۔ زکرویہ زخموں سے جانبر نہ ہوا۔ چھٹے روز مر گیا۔ وصیف نے اس کی نعش کو بشارت نامہ فتح کے ساتھ بغداد بھیج دیا۔ خلافت مآب کے حکم سے نعش تو صلیب پر چڑھائی گئی اور سر کاٹ کر خراسان کے ان حاجیوں کے پاس بھیج دیا گیا۔ جنہیں اس نے لوٹا اور قتل کیا تھا۔ اس واقعہ سے قرامطہ کا زور ٹوٹ گیا۔ بقیۃ السیف شام کی طرف بھاگے۔ حسین بن حمدان کی اس کی خبر لگ گئی۔ اس نے ان جان باختوں پر یورش کی اور ان کو خوب تہ تیغ کیا۔ اب تمام شام و عراق میں ان کے قتل و استہلاک کا بازار گرم ہو گیا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۶ ص ۴۲۸، ۴۳۳)

باب ۲۵ ...... یحییٰ بن زکرویہ قرمطی

ایک شخص خوزستان سے سواد کوفہ میں آ کر مدت تک ریاضات شاقہ میں مشغول رہا۔ یہاں تک کہ کثرت عبادات کی وجہ سے تمام اقران و اماثل پر اس کی فوقیت مسلم ہو گئی۔ اس کے زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ بوریا بن کر گذراوقات کرتا اور کسی سے کوئی نذرانہ و ہدیہ قبول نہ کرتا۔ اس پر مستزاد یہ کہ بڑا متبحر گو اور شیریں بیان واعظ تھا۔ یہاں تک کہ اس کے پند و نصائح سنگین دلوں کو پانی کر دیتے۔ جب کچھ عرصہ اسی حالت میں گزر گیا اور عقیدت مندوں کے دلوں کو اچھی طرح مٹھی میں لے لیا اور ان کی خوش اعتقادی کا اندازہ کر کے دیکھ لیا کہ اب ہر بات چل جائے گی تو پہلے تمہیداً تقلید کا مسئلہ چھیڑ دیا کہ دین میں آئمہ و مجتہدین امت کی پیروی ضروری نہیں۔ جب عقیدت شعاروں نے اس کو تسلیم کر لیا تو ایک دن کہنے لگا کہ اجماع بھی بے اصل ہے۔ پھر احادیث صحیحہ کی ایسی ہی تاویلیں کرنے لگا جیسی آج کل کے مرزائی کر رہے ہیں۔ جب لوگوں نے ان سب باتوں پر آمنا و صدقنا کہہ دیا تو بطور امتحان چند مسائل ایسے بیان کیے۔ جو اجماع امت

اوراحادیث نبویہ کے بالکل خلاف تھے۔عقیدت مندوں نے اسی پر عمل درآمد شروع کردیا۔اس امتحان کے بعد ایک دن یہ راز افشا کیا کہ حدیث "من لم یعرف امام زمانہ" کے رو سے امام زمانہ کو معلوم کرنا نہایت ضروری امر ہے۔مگر یادرکھو کہ امام زمان کا اہل بیت نبوت سے ہونا لازمی ہے اور وہ عنقریب ظاہر ہونے والے ہیں۔

لوگوں کا امام زمان کا مشتاق بنا کر ملک شام کو گیا۔وہاں بھی لوگوں کو اسی تدبیر سے امام زمان کا منتظر اور مشتاق جمال بنایا۔جب اطراف واکناف ملک میں ہزاروں لاکھوں آدمی اس عقیدہ پر قائم ہو گئے تو اس کے قرابت داروں میں سے ایک شخص نے جس کا نام یحییٰ بن زکرویہ قرمطی تھا۔اپنے آپ کو محمد بن عبداللہ بن محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادقؒ مشہور کر کے ۲۸۹ھ میں بعہد خلافت مکتفی باللہ مہدویت کبریٰ کا دعویٰ کیا۔حالانکہ محمد بن اسماعیل کے کسی بیٹے کا نام عبداللہ نہیں تھا۔لوگ تو پہلے ہی سے چشم براہ تھے اور معلوم ہوا کہ نام بھی وہی ہے جو احادیث میں وارد ہے۔یعنی محمد بن عبداللہ تو ان کے لئے "مہدی موعود" کے جمال سے شرف اندوز ہونا ایک نعمت غیر مترقبہ تھا۔غرض خوش اعتقادوں کا ایک لشکر عظیم جمع ہو گیا۔اور جناب "مہدی بزرگوار" نے اپنے اندھے پیروؤں کو لوٹ کھسوٹ پر لگا دیا اور کفار کی جگہ مسلمانوں کی جانستانی کا بازار گرم کیا۔رصافہ کی جامع مسجد کو جلا دیا اور جہاں کسی مسلمان کو پایا شمشیر خون آشام کے حوالے کر دیا۔آخر ۲۸۹ھ میں عساکر خلافت سے جدال وقتال کی نوبت آئی اور یحییٰ عین میدان کارزار میں اسلامیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔اس لڑائی کے بعد ملک شام اور مصر پر خلیفہ مکتفی باللہ کا از سر نو عمل ودخل ہو گیا۔ (الکامل فی التاریخ ج۶ ص۳۰۹)

باب ۲۶ ...... حسین بن زکرویہ معروف بہ صاحب الشامہ

زکرویہ کا بیٹا حسین اپنی باطنی الحاد پسندیوں کے باوجود مہدویت کا مدعی تھا۔اس نے اپنے تئیں احمد کے نام سے موسوم کر کے اپنی کنیت ابوالعباس رکھی تھی۔بادیہ نشینوں کے اکثر قبائل نے اس کو مہدی موعود یقین کرتے ہوئے اس کی پیروی اختیار کی۔اس کے چہرہ پر ایک تل تھا۔جس کی نسبت کہا کرتا تھا کہ یہ حق تعالیٰ کی ایک نشانی ہے۔اسی تل کی بنا پر صاحب الشامہ کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا۔یہ شخص اپنے تئیں مہدی امیر المومنین کے لقب سے ملقب کرتا تھا۔تھوڑے دنوں میں اس کا عم زاد بھائی عیسیٰ بن مہدی اس کے پاس آیا اس نے اس کو مدثر کا لقب دیا اور بتایا کہ تم ہی وہ مدثر ہو جس کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔اس نے عیسیٰ کو اپنا ولی عہد بنایا۔حسین نے اپنے

خاندان کے ایک لڑکے کو مطوق کا لقب دیا تھا۔ غرض کچھ عرصہ تک خاموشی کے ساتھ اپنے پیرووں کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہا۔ اس کے بعد ان کو مرتب و مسلح کر کے دمشق پر چڑھ دوڑا اور جاتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ دمشق عرصہ تک محصور رہا۔ آخر اہل دمشق نے تنگ آ کر کچھ زر نقد پیش کیا اور مصالحت کر لی۔ یہاں سے فارغ ہو کر حمص کا رخ کیا اور اس کو تسخیر کر کے منبروں پر اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ پھر حماۃ اور معرۃ النعمان پر فوج کشی کی۔ ان مقامات پر قتل و نہب کا بازار گرم کیا اور اپنی شقاوت پسندی سے عورتوں اور بچوں تک سے درگذر نہ کیا۔ یہاں سے بعلبک کی طرف عنان توجہ موڑ دی۔ وہاں پہنچ کر قتل عام کا حکم دے دیا۔ بعلبک میں یہ قیامت برابر اس وقت تک برپا رہی جب تک معدودے چند آدمیوں کے سوا شہر کی تمام آبادی بے نام و نشان نہ ہو گئی۔ یہاں سے سلمیہ کی طرف گیا۔ اہل شہر نے شہر پناہ کے دروازے بند کر لئے۔ ان کو دم دلاسہ دے کر اور امان کا وعدہ کر کے اطاعت پر آمادہ کیا۔ وہاں کے باشندوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ اس سیاہ دل نے شہر میں داخل ہوتے ہی عہد امان کو بالائے طاق رکھ دیا اور بعلبک کی طرح یہاں بھی قتل عام کا بازار گرم کر دیا۔ یہاں تک کہ مکتبوں کے صغیر سن بچے اور چوپائے بھی اس کی تیغ جفا سے نہ بچ سکے۔ اس کے بعد سلمیہ کے دیہات کا رخ کیا۔ اور بادیہ نشینوں کو قتل کرتا اور قیدی بناتا پھرا۔ آخر ۲۹۱ھ میں خلیفہ مکتفی عباسی نے بہ نفس نفیس لشکر آراستہ کر کے اس کی گوشمالی پر کمر باندھی۔ یہ اس وقت حماۃ کے باہر ایک میدان میں پڑا تھا۔ خلیفہ نے اپنی فوج کے ہراول کو بڑھنے کا حکم دیا۔ حماۃ کے باہر طرفین کی فوج صف آرا ہوئی۔ سخت جدال و قتال کے بعد حسین کو ہزیمت ہوئی۔ سینکڑوں ہزاروں قرمطی مارے گئے اور بقیۃ السیف حلب کی طرف بھاگے۔ خلیفہ نے ابن طولون کے آزاد غلام بدر کو قرامطہ کے تعاقب میں روانہ کیا۔ بدر منزل بہ منزل ان کو شکست دیتا جاتا تھا اور منہزمین کمال بے سروسامانی کے ساتھ گیدڑوں کی طرح بھاگے چلے جاتے تھے۔ اس اثناء میں خلیفۃ المسلمین نے ایک اور فوج قرامطہ کے تعاقب اور سرکوبی کو روانہ کی۔ یحییٰ بن سلیمان اس فوج کا قائد تھا۔ یحییٰ نے کاٹتے چھانٹتے ان کا بری طرح صفایا کیا۔ حسین بخوف جاں مضافات کوفہ میں روپوش ہو گیا۔ مدثر اور مطوق بھی اس کے ساتھ تھے۔ آخر حسین بہ تبدیل ہیئت رحبہ پہنچا۔ جاسوسوں نے جو سایہ کی طرح ساتھ لگے تھے والی رحبہ کو اس کی آمد کی اطلاع کر دی۔ حاکم رحبہ نے ان کو گرفتار کر کے خلیفۃ المسلمین کے پاس برقہ بھیج دیا۔ خلیفہ نے حسین صاحب الشامہ کو پہلے دو سو درے لگوائے۔ اس کے بعد صلیب پر چڑھا دیا۔ اس کے دونوں ساتھی بھی عفریت شمشیر کے حوالے کر دیئے گئے۔ خلیفہ نے اس مہم سے فارغ ہو کر اپنے لشکر ظفر پیکر کے ساتھ بغداد کو

مراجعت کی۔ (الکامل فی التاریخ ج ۶ ص ۴۱۷، ۴۲۱)

واجب الاطاعت مادر مشفقہ سے قسی القلب مرتد بیٹے کا سفاکانہ برتاؤ

جب مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی خانہ زاد مسیحیت کی ڈفلی بجانی شروع کی تو ظاہری مفارقت وانقطاع کے ساتھ ان کا دل بھی یگانوں کی مہر ومحبت سے بیگانہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی بیاہتا بیوی محترمہ حرمت بی بی کی جو خان بہادر مرزا سلطان احمد کی والدہ تھیں اور اپنے فرزند مرزا فضل احمد کی نماز جنازہ تک نہ پڑھی اور اپنی جرم ناآشنا بہو کو جو حقیقی ماموں زاد بھائی کی بیٹی تھی۔ محض اس قصور پر طلاق دلانے کی نامراد کوشش کی کہ اس کے والد مرزا علی شیر بیگ جو محترمہ محمدی بیگم کے پھوپھا تھے۔ ان کی آسمانی منکوحہ (محمدی بیگم طال عمرہا) سے شادی کرادینے کی کیوں کوشش نہیں کرتے؟۔ اور آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو مرزائیت کا بپتسمہ لینے کے بعد کس طرح مسلمانوں کے دشمن اور خویش واقارب سے نافرورمیدہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ کچھ مرزائیوں ہی پر موقوف نہیں۔ اس قماش کے جتنے لوگ بھی اسلام سے علاقہ توڑ کر کوئے ضلالت میں سرگشتہ وحیران ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں یہود ونصاریٰ سے بھی کہیں زیادہ اسلام اور اہل اسلام کی عداوت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک سیاہ دل قرمطی کا روح فرسا واقعہ لکھا جاتا ہے۔ جس نے مرتد ہونے کے بعد اپنی واجب الاطاعت ماں پر محض اس بنا پر قاتلانہ حملہ کیا تھا کہ وہ دین حنیف کی پیرو تھی۔ ابوالحسین نام ایک بغدادی طبیب کا بیان ہے کہ حسین بن زکرویہ قرمطی کی ہلاکت کے ایام میں ایک عورت میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے شانے پر بہت گہرا زخم ہے۔ میں اس لئے آئی ہوں کہ اس کا کچھ علاج کرو۔ میں نے کہا تھوڑی دیر بیٹھو۔ ابھی ایک عورت آئے گی جو عورتوں کا علاج معالجہ کرتی ہے۔ ابوالحسین کہتے ہیں کہ یہ عورت زاروقطار رو رہی تھی اور سخت محزون تھی۔ میں نے پوچھا تمہارا کیا ماجرا ہے اور یہ زخم کس طرح آیا ہے؟۔ کہنے لگی میرا بیٹا بہت مدت سے مفقود تھا۔ میں نے اس کی تلاش میں دنیا بھر کی خاک چھانی اور بہت سے شہروں اور قصبوں میں پھری۔ لیکن کوئی کھوج نہ ملا۔ آخری مرتبہ شہر رقہ سے چلی تو راستہ میں قرمطی لشکر نظر آیا۔ میں لشکر میں جا کر دیکھ بھال کرنے لگی۔ تو اتفاق سے وہیں مل گیا۔ میں نے اس کا حال دریافت کیا اور خیر خیریت نہ بھیجنے کا شکوہ کرتے ہوئے اس کے خویش واقارب کے حالات بیان کرنے لگی۔ وہ کہنے لگا۔ ان قصوں کو جانے دو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم کس دین پر ہو؟۔ میں نے کہا کیا تجھے معلوم نہیں کہ ہم دین اسلام کے پیرو ہیں؟۔ کہنے لگا جس دین پر ہم پہلے تھے وہ باطل ہے۔ سچا دین وہی ہے جس کا میں آج کل پیرو ہوں۔ یعنی قرمطی دین۔ یہ سن کر میرے ہوش

اڑ گئے اور وہ مجھے حالت استعجاب میں چھوڑ کر چل دیا۔ میں چند روز تک ایک ہاشمی خاتون کے پاس جو قرمطیوں کی قید میں تھی رہی۔ اس کے بعد میں چند آدمیوں کے ہمراہ بغداد واپس آنے لگی۔ جب تھوڑے فاصلہ پر پہنچی تو میرا ناخلف بیٹا پیچھے سے دوڑا آیا اور نہایت بے رحمی اور شقاوت قلبی سے مجھ پر تلوار کا وار کیا۔ مجھے شدید زخم آیا۔ اگر ساتھ والے دوڑ کر مجھے نہ بچا لیتے تو میری جان کی خیر نہ تھی۔ میں وہاں سے افتاں وخیزاں بحال تباہ بغداد پہنچی۔ ابھی حال میں جو قرمطی قیدی بغداد آئے ہیں۔ میں نے اس میں ناہنجار بیٹے کو بھی ان قیدیوں میں دیکھا۔ وہ لمبی ٹوپی پہنے اونٹ پر سوار تھا۔ میں نے اس سے خطاب کر کے کہا۔ خدا تیرا برا کرے اور تجھے اس قید محسن سے کبھی مخلصی نہ دے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۱ ص ۴۱۸)

باب ۲۷ ...... عبید اللہ مہدی

عبید اللہ کی جائے ولادت صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکی۔ غالباً کوفہ کا رہنے والا تھا۔ یہی مصر کے عبیدی فرمانرواؤں کا مورث اعلیٰ ہے۔ جنہیں مہدویہ، علویہ، فاطمیہ، اسماعیلیہ بھی کہتے ہیں۔

فصل :۱..... نسب، دعوائے مہدویت، بدعات وکفریات

نسب

عبید اللہ اپنے تئیں ہاشمی کہتا اور سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ زہرا ؓ کی اولاد بتاتا تھا۔ لیکن اکثر مؤرخوں نے اس کے فاطمی ہونے سے انکار کرتے ہوئے اس کے نسب پر طعن کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ حسین بن محمد بن احمد بن عبد اللہ بن میمون قداح اہوازی کا بیٹا تھا اور میمون اہوازی مجوسی تھا۔ عبید اللہ نے جب ملک مغرب میں جا کر اپنے علوی ہونے کا دعویٰ کیا تو علمائے نسب میں سے کسی نے اس کا دعویٰ تسلیم نہ کیا۔ البتہ جہلاء نے اس کے خاندان کو فاطمی کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس لئے وہ قرشی مشہور ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ بنو عبید کا پانچواں حکمران عزیز باللہ منبر پر چڑھا تو اس نے چند اشعار ایک کاغذ پر لکھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے:

''میں نے ایک مکروہ نسب آدمی کو جامع مسجد کے منبر پر دیکھا۔ اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو بتلا کہ ساتویں پشت میں تیرا بزرگ کون تھا۔ اگر تجھے اپنے قول کی تصدیق ہے تو اپنا نسب بتلا۔ انساب بنی ہاشم تو ایسے ہیں کہ بڑے بڑے طامعین کا دست تصرف بھی ان سے قاصر ہی رہا۔''

اسی عزیز نے ایک مرتبہ ایک خط اندلس (اسپین) کے اموی خلیفہ کے نام مشرہجو و دشنام لکھا۔ شاہ اسپین نے اس کے جواب میں ارقام فرمایا۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ تجھے ہمارا نسب معلوم تھا تو تو نے ہماری توہین و دشنام دہی پر قدرت پائی۔ اگر ہمیں بھی تیرا نسب معلوم ہوتا تو تیری طرح ہم بھی طعن و تشنیع کر سکتے۔ اس میں یہ تلمیح تھی کہ تو ایک گمنام خاندان کا آدمی ہے۔ عزیز کو یہ جواب شاق گذرا۔ لیکن خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ایک مرتبہ ابن طباطبا علوی نے عبیداللہ سے اس کا حسب ونسب پوچھا تو اس نے اپنی نصف تلوار میان سے کھینچ کر کہا کہ یہ میرا نسب ہے اور کچھ اشرفیاں امراء اور حاضرین دربار کی طرف پھینک کر کہا کہ یہ میرا حسب ہے۔ یہ روایتیں تاریخ الخلفاء میں منقول ہیں۔ (تاریخ الخلفا عربی ص ۱۰) لیکن ابن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں عبیداللہ کے علوی النسب ہونے کو تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر عبیداللہ اور اس کے جانشین ملحد اور شیعہ غالی تھے تو یہ تشیع والحاد ان کے صحیح النسب ہونے میں مانع نہیں ہو سکتا اور نہ حالت کفر والحاد میں کسی کا ذریہ رسولؐ ہونا اس کو کچھ نفع دے سکتا ہے۔

دعویٰ مہدویت

عبیداللہ نے ۲۷۰ھ میں مہدویت کا دعویٰ کر کے اپنے تابعین کا نام مہدویہ رکھا۔ ۲۷۸ھ میں اس نے حج کیا۔ قبیلہ بنو کنانہ کے لوگ اس کی مہدویت پر ایمان لا کر اس کے ساتھ ہولئے اور اس کے ساتھ ملک مغرب میں چلے گئے۔ اس کے پیرو عبیداللہ کے مہدی موعود ہونے کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جناب پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے "علی راس ثلثمائة تطلع الشمس من مغربها" (۳۰۰ھ کے شروع میں آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع کرے گا۔) اور کہتے تھے کہ اس حدیث میں آفتاب سے عبیداللہ مہدی کی ذات اور مغرب سے ملک مغرب مراد ہے۔ (دبستان مذاہب ص ۸۶) حالانکہ یہ روایت قطعاً موضوع اور خود ساختہ ہے اور یہ تاویل بھی سخت مہمل اور ملحدانہ ہے۔ اسماعیلیہ تو بنائے اسلام کے منہدم کرنے والے تھے۔ ان میں سے کسی کے حق میں مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام بھلا اس قسم کی پیشین گوئی کیوں فرمانے لگے تھے؟۔ عبیداللہ اپنے دعوئے مہدویت پر باون سال یعنی ۲۷۰ھ سے اپنی وفات یعنی ۳۲۲ھ تک قائم رہا اور اس نے ۲۴ سال ایک مہینہ بیس دن حکومت کی۔ ابن اثیر نے تاریخ کامل میں اس کے دعویٰ مہدویت کی مدت ۲۴ سال ایک مہینہ اور بیس روز لکھی ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ مدت اس کی حکمرانی کی ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۷ ص ۹۹) سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ عبیداللہ نے ۲۷۰ھ میں دعوئے مہدویت کیا۔ اس حساب سے اس کی میعاد دعویٰ تقریباً باون سال ہوتی ہے۔

عبیداللہ اور اس کے جانشینوں کا رفض اور علمائے اہل سنت کا قتل

گو عبیداللہ اور اس کے جانشین باطنی المشرب تھے۔لیکن رعایا کی تالیف قلوب کے لئے بعض ظاہری ارکان کو بھی بجالاتے تھے۔یہ لوگ در پردہ اپنے عقاید فاسدہ کے شیوع میں ہر وقت کوشاں تھے اور اپنے مخلص دوستوں کو مسلک باطنیہ کی تعلیم دیا کرتے تھے۔چونکہ یہ لوگ بظاہر اسماعیلی تھے۔ان کے عہد حکومت میں مصر کے اندر اسماعیلی مذہب عام طور پر پھیل گیا۔قاضی مفتی سب اسماعیلی ہوتے تھے۔جو کوئی اس مذہب کے خلاف عمل کرتا۔اسے سخت سزائیں دی جاتی تھی۔عبیداللہ صحابہ کرامؓ اور ازواج طاہراتؓ کی ہمیشہ ہجو کرتا۔دوسرے روافض کی طرح اس کا بھی مقولہ تھا کہ حضور سید عالم ﷺ کے رحلت کے بعد سوائے پانچ صحابیوں کے حضرت علی المرتضیٰ، حضرت مقداد بن اسود، حضرت سلمان فارسی، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم کے رسول خدا ﷺ کے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے تھے۔حالانکہ دشمنان اہل بیتؓ اطہار یعنی نواصب و خوارج (معاذ اللہ) ارتداد بعد رسول اللہ ﷺ کی یہی غلاظت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے حق میں اچھالتے ہیں۔افسوس رافضی خارجی اور ناصبی ترمان نصیب ان اخیار امت کے خلاف زبان طعن دراز کر کے اپنی عاقبت تباہ کر رہے ہیں۔جن کے لئے امت مابعد کو اس ارشاد خداوندی میں دعاء و استغفار کا حکم دیا گیا تھا۔

"والذین جاؤمن بعد هم یقولون ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انك رؤف رحیم (۵۹، ۱۰)" ﴿وہ لوگ جو سابقین امت کے بعد عرصہ شہود میں آئے۔وہ ان کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اور ہمارے ان اخوان ملت کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے خلاف غبار و کدورت اور جذبہ عناد نہ پیدا ہونے دے۔اے رب! تو بڑا شفیق اور رحیم ہے۔﴾

لیکن یہ اعدائے دین تحیۃ دعا و استغفار کی جگہ گالیوں کا "تحفہ" بھیجتے تھے اور بوالعجبی دیکھو کہ اس دشنام وہی کو اپنی حماقت سے عبادت و طاعت خیال کر رکھا ہے:

دشنام بمذہبے کہ طاعت باشد
مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

چونکہ علمائے اہل سنت و جماعت عبیداللہ اور اس کے اخلاف کے دجالی دعووں کی تردید کرتے تھے۔اس لئے عاملین شریعت کی جانوں کے لالے پڑے رہتے تھے۔چنانچہ منقول

ہے کہ عبیداللہ اور اس کے جانشینوں نے بے شمار علماء وصلحاء کو محض اس جرم میں جرعہ شہادت پلا دیا کہ وہ صحابہ کرامؓ سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ لیکن آفرین ہے ان کی قوت ایمانی پر کہ کسی نے اصحاب رسول ﷺ سے تبرا نہ کیا اور اپنی عزیز جانوں کو دوستداران حضرت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت پر نثار کر دیا۔ عبیداللہ کی عادت تھی کہ فقہا و محدثین کو بلا بھیجتا۔ جب وہ آجاتے تو اسی مجلس میں بھیڑ بکری کی طرح ذبح کرا دیتا۔ اس کے داعی عبیداللہ کی نسبت آپس میں کہا کرتے کہ مہدی ابن رسول اللہ اور حجۃ اللہ ہیں۔ اس کے جواب میں دوسرے کہتے کہ یہی اللہ، یہی خالق، اور یہی رازق ہیں۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان خاتون نے شاہ عزیز عبیدی کو لکھ بھیجا کہ تجھے قسم ہے اس خدا کی جس نے یہود کو میشا کے طفیل رفعت دی۔ عیسائیوں کو ابن نطور کی ذات سے عزت بخشی اور اسلام کو تیری ذات سے ذلیل کیا۔ میرے اس معاملہ کی طرف توجہ کر۔ میشا یہودی شام کا حاکم اور ابن ناطور مصر کا ایک عیسائی تھا۔ جو علمائے امت بنو عبید کی سلطنت میں قیام پذیر ہوئے۔ وہ شروع میں تو اس عزم سے ٹھہر گئے تھے کہ مسلمانوں کو ان کے عقائد شنیعہ سے بچائیں گے۔ لیکن بعد کو یا تو خود ہی ان کے خدع و فریب کا شکار ہو گئے اور ان سے بیعت کر لی یا قتل ہو گئے۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ عبیدیوں کا خاندان اسلام کے حق میں تاتاریوں سے بھی زیادہ خطرناک اور مضرت رسان ثابت ہوا۔ حسب بیان قاضی عیاض ابو محمد قیروانی مالکیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص شاہان مصر کے عقاید اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے تو کیا وہ ان کے عقائد اختیار کر لے یا قتل ہو جائے؟۔ انہوں نے جواب دیا کہ قتل کو ترجیح دے۔ کیونکہ اس میں حیات ابدی ہے اور ان کے عقاید اختیار نہ کرے۔ کیونکہ اس میں ہلاک وخسران سرمدی ہے۔ اور فرمایا کہ اگر شروع میں ان کے عقاید معلوم نہ ہوں تو انسان معذور ہے۔ لیکن ان کا علم ہو جانے پر ان کے ملک سے بھاگ جانا لابد وضرور ہے۔ اگر کوئی شخص وہیں رہ پڑا تو پھر خوف واکراہ کا عذر قابل سماعت نہ ہوگا۔ کیونکہ جہاں شریعت غراء کی توہین کی جائے۔ وہاں قیام کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

(تاریخ الخلفاء سیوطی عربی ص ۱۱)

عبیدیوں کی بعض دوسری ضلالت پسندیاں

بنو عبید کے بعض دوسرے عقاید یہ تھے کہ ہر مرد کو اٹھارہ اٹھارہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ وہ اس آیت سے تمسک کرتے تھے "فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث وربع (۴:۳)" ﴿ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں مرغوب ہوں۔ دو دو، تین تین، یا چار چار تک﴾ غرض انہوں نے جمہور امت کے خلاف سب اعداد کا مجموعہ یعنی اٹھارہ عورتوں سے

نکاح جائز کر لیا تھا۔عبیدیوں میں سے بعض کا قول تھا کہ امام حکومت وولایت کے وقت گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔گو اس سے پیشتر معصوم نہ ہو اور بعض کے نزدیک اس سے پیشتر بھی معصوم ہوتا ہے۔عبیدیوں کا یہ بھی مقولہ ہے کہ امام کا حکم مومن اور مومنہ پر واجب الاتباع ہے۔گو جانبین کی مرضی کے خلاف ہو۔پس اگر امام کسی عورت کا عقد کسی مرد کے ساتھ کر دے تو یہ عقد دونوں پر لازم ہو جاتا ہے اور ان کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔اسی طرح تمام معاملات بیع واجارہ میں بھی ان کے نزدیک امام کا حکم نافذ ہے۔ان کا یہ بھی عقیدہ ہے تھا کہ امام کا خدائے برتر کے ساتھ ہم کلام ہونا ضرور ہے۔عبیدیوں کا عقیدہ تھا کہ حق تعالیٰ نے پہلے آدم علیہ السلام کے جسم میں پھر نوح علیہ السلام کے جسد میں پھر دوسرے انبیاء کے اجساد میں اور پھر علی ابن ابی طالبؓ کے جسم میں حلول کیا۔اسی عقیدہ کے پیش نظر ایک شاعر نے کہا تھا۔

حل   بر   قادة   المسیح

حل   بھا   ادم   و   نوح

حل   بھا   اللہ   ذوالمعالیٰ

وکل   شی   سواہ   ریح

(کتاب الدعاة بحوالہ عیون التواریخ ص ۸،۲)

اسماعیلیوں کے نزدیک امام ظاہر بھی ہوتے ہیں اور باطن بھی۔شیعہ اثنا عشریہ بارہ اماموں کو مانتے ہیں۔اسماعیلی کہتے ہیں کہ بارہ کی کوئی قید نہیں۔امام بے شمار ہو سکتے ہیں۔اسماعیلیوں کا عقیدہ ہے کہ امیر المومنین علی مرتضیٰ،امام حسن مجتبیٰ،امام حسین،امام زین العابدین،امام محمد باقر،امام جعفر صادق (رضی اللہ عنہم) کے بعد جناب اسماعیل ساتویں امام تھے۔لیکن یہ سات امام ظاہر تھے۔پھر ان کے بعد تین امام باطن گذرے جو عالم کائنات میں نمودار نہیں ہوئے۔البتہ ان کے نقیب جو تعداد میں بارہ بارہ ہوتے تھے۔علانیہ ہدایت خلق میں مصروف رہے۔اسماعیلیہ کے نزدیک یہ تین امام مخفی تھے۔پہلے منصور بن محمد مکتوم،دوسرے جعفر مصدق،تیسرے حبیب۔ان کے بعد سے پھر آئمہ ظاہر کا سلسلہ شروع ہوا۔جن میں سب سے پہلا عبید اللہ مہدی۔دوسرا ابو القاسم ملقب بہ قائم بامر اللہ۔اسی طرح بارہ دوسرے خلفاء کے نام گنوا کر چودہ عبیدی فرمانرواؤں کو آئمہ دین کی حیثیت سے شمار کرتے ہیں۔عبید اللہ کے ایک جانشین معز عبیدی نے حکم دیا تھا کہ خطیب خطبوں میں یہ الفاظ کہا کریں۔اللھم صل علی محمد المصطفے وعلی علی مرتضے وعلی فاطمة البتول وعلے الحسن والحسین

سبط الرسول وصل علی الائمة آباء امیرالمومنین المعز باللہ !اوراذان میں حی علی خیر العمل ایزاد کیا گیا۔ عبیدیوں کی حکومت کے باعث مصر اور شام میں خوب رفض پھیلا۔ یہاں تک کہ منادی کی گئی کہ نماز تراویح کہیں نہ پڑھی جائے۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ عبیدیوں کی خلافت صحیح نہ تھی۔ ان کی خلافت کے غیر صحیح ہونے کا سب سے پہلا سبب یہ ہے کہ وہ زندیق و ملحد تھے۔ انہی کے عہد حکومت میں انبیائے کرام کی شان میں دریدہ دہنی کی گئی۔ شراب مباح ہو گئی اور سجدے کرائے گئے۔ عبیدی خاندان میں جو تاجدار سب سے بہتر گذرا ہے۔ وہ بھی ایسا رافضی تھا کہ جس نے پیغمبر خدا ﷺ کے اصحابؓ کو گالیاں دینے کا حکم دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی نہ بیعت جائز تھی اور نہ امامت صحیح تھی اور اگر یہ صحیح العقیدہ مسلمان ہوتے تو بھی ان کی خلافت صحیح نہیں تھی۔ کیونکہ انہوں نے ایسے وقت میں لوگوں سے بیعت لی۔ جبکہ ایک عباسی خلیفہ جس سے پہلے بیعت کی جا چکی تھی موجود تھا۔ ایک وقت میں دو اماموں کی بیعت جائز نہیں۔ جس سے پہلے بیعت ہو چکی ہو وہی جائز خلیفہ سمجھا جائے گا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی عربی ص:۱۱، ۱۲)

فصل :۲......عبیدی سلطنت کا قیام

تیسری صدی کے اواخر میں اسماعیلی جماعت کا سب سے ممتاز رکن عبیداللہ کا باپ محمد حبیب تھا۔ یہ ضلع حمص کے موضع سلمیہ کا رہنے والا تھا۔ اس کی زندگی کی عزیز ترین خواہش یہ تھی کہ کسی طرح سلطنت کی داغ بیل ڈال سکے۔ اس کا آفتاب حیات لب بام تھا اور چاہتا تھا کہ دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے عبیداللہ کو آسمان عروج پر پہنچا جائے۔ چنانچہ اس نے اسی غرض سے اسماعیلیوں میں پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ عبیداللہ مہدی موعود ہے۔ محمد حبیب دیکھ رہا تھا کہ عرب اعراق یا وسط ایشیا کے دوسرے ممالک میں قیام سلطنت کا خواب کسی طرح پورا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس کی نظریں بار بار افریقہ کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اسلامی تاریخوں میں افریقہ سے ہمیشہ شمالی افریقہ مراد ہوتا ہے۔ جس کے تین حصے ہیں۔ مغرب ادنیٰ جس میں تونیس، قیروان اور طرابلس واقع ہیں۔ مغرب اوسط جس میں تلمسان وغیرہ امصار واقع الجزائر داخل ہیں۔ مغرب اقصیٰ جس میں فاس مراکش، طوس وغیرہ کا علاقہ شامل ہے۔ محمد حبیب کو شمالی افریقہ میں قیام سلطنت کے کامیاب ہونے کی اس لئے زیادہ امید تھی کہ یہ خطہ ہمیشہ جھوٹے مدعیوں کا ملجا و ملاذ اور مذہبی اختلافات کا گہوارہ رہا ہے۔ بربریوں کی ضعیف الاعتقادی اور توہمات پسندی ہر قسم کے الحاد و زندقہ کے قبول کرنے کے لئے آمادہ پائی گئی ہے۔ تقدس و رہنمائی کے جس دکاندار کا اپنے وطن میں کوئی پرسان حال نہ ہوتا تھا۔ وہ شمالی افریقہ کے بربریوں میں جا کر قسمت آزمائی کرتا۔ وہاں

لوگ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیتے اور اس کی تحریک جدید کا نہایت گرمجوشی سے خیر مقدم کیا جاتا۔ اس کے علاوہ بربر کا علاقہ مرکز خلافت بغداد سے بہت دور تھا اور یہاں کے باشندے جنگجوئی اور شورہ پشتی میں شہرہ آفاق تھے۔ اس لئے خلفائے عباسیہ ان کی خودسری سے ہمیشہ اغماض فرماتے۔ کیونکہ شمالی افریقہ کو پوری طرح زیر اقتدار رکھنے کا خرچ اور اتلاف نفوس وہاں کے مداخل سے بدرجہا زائد رہتا تھا۔ یہی وہ اسباب تھے جن کی بنا پر لوگوں نے باہر سے جا کر وہاں بڑی بڑی خودمختار سلطنتیں قائم کر لیں۔ محمد حبیب کو کسی ایسے آدمی کی تلاش تھی جو افریقہ جا کر اس کے بیٹے عبید اللہ مہدی کے حق میں پروپیگنڈا کرے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک نہایت ذہین اور ہوشیار چالاک مرید ابو عبداللہ حسن بن احمد اس سے ملنے آیا جو صنعا کا رہنے والا تھا۔ ابو عبداللہ تمام دوسرے صفات میں یکتا تھا۔ البتہ مذہبی تعلیم کی اس میں کچھ کمی تھی۔ محمد حبیب کو یقین ہوا کہ اگر اس کی تربیت کی جائے تو اس سے مقصد براری ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اسے ایک اسماعیلی عالم ابو حوشب کے حوالے کیا۔ یہ شخص کچھ زمانہ اس کے زیر تربیت رہا۔ جب فارغ التحصیل ہو گیا تو محمد حبیب نے ابو حوشب کو حکم دیا کہ ابو عبداللہ کو تمام نشیب و فراز سمجھا کر افریقہ روانہ کرو۔ تاکہ وہاں لوگوں کو عبید اللہ کی مہدویت کی دعوت دے۔

ابو عبداللہ کا عزم افریقہ

ابو حوشب نے ابو عبداللہ کو یمنی حاجیوں کے ہمراہ مکہ معظمہ روانہ کیا اور عبداللہ بن ابو ملاحف کو بھی اس کے ساتھ کر دیا اور روانہ کرتے وقت بہت کچھ روپیہ پیسہ دیا۔ ابو عبداللہ اور عبداللہ نے موسم حج میں مکہ معظمہ پہنچ کر کتامہ کے حجاج کا پتہ لگایا اور انہی میں جا کے ٹھہرے۔ یہ لوگ ابو عبداللہ کے زہد و تقویٰ کو دیکھ کر اس کے گرویدہ ہو گئے۔ اس کی صحبت میں آ آ کر بیٹھنے لگے اور جویائے حال ہوئے۔ آخر انہوں نے پوچھا آپ کا ارادہ یہاں سے کہاں جانے کا ہے؟۔ ابو عبداللہ نے ان پر اپنا ارادہ ظاہر نہ کیا اور اپنی منزل مقصود کو مخفی رکھ کر کہنے لگا۔ مصر جاؤں گا۔ یہ جواب سن کر وہ خوش ہوئے کہ خیر مصر تک تو ایسے نیک نفس اور زاہد شخص کا ساتھ رہے گا۔ اب ابو عبداللہ ان لوگوں کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں اپنے رفیقان سفر سے باتوں باتوں میں ان کے شہروں، ان کی سرزمین، ان کے قبائل اور ان کی حکومت کے حالات پوچھتا رہا۔ ایک مرتبہ پوچھنے لگا۔ تمہارا سلطان کون ہے؟۔ اور اس کی حکومت کیسی ہے؟۔ انہوں نے کہا ہمیں سلطان کی اطاعت نہیں کرنی پڑتی۔ اس لئے کہ وہ ہم سے دس دن کی مسافت پر رہتا ہے۔ پوچھا اور تمہارے لوگ اسلحہ سے بھی کام لیتے ہیں؟۔ انہوں نے کہا اور اس کے سوا ہمارا شغل ہی کیا

ہے؟۔ الغرض ابوعبداللہ ان کے حالات پوچھتا ہوا مصر پہنچا۔ یہاں ان عقیدت کیش ہمراہوں سے رخصت ہونے لگا۔ انہوں نے پوچھا۔ آپ کس غرض سے مصر آئے ہیں؟۔ کہا طلب علم کے لئے۔ انہوں نے کہا اس غرض کے لئے تو ہمارا ملک مصر سے زیادہ موزون ہے۔ آپ وہیں چلئے۔ ہم آپ کی خدمت کریں گے۔ الغرض ابوعبداللہ نے جب ان سے خوب اصرار کرالیا تو ساتھ جانے پر راضی ہوگیا اور ان کے ہمراہ کتامہ کی راہ لی۔

کتامہ میں درود

یہ قافلہ ۱۵ ربیع الاوّل ۲۸۸ھ کو کتامہ پہنچا۔ اہل کتامہ نے اس کے آنے کا حال سنا تو مصر ہوئے کہ آپ ہماری ہی بستی میں اقامت گزیں ہوں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی رفاقت کریں گے اور جو آپ کا دشمن ہوگا اس سے لڑیں گے۔ ابوعبداللہ نے کہا۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ مقام "فج الخیار" کہاں ہے؟۔ یہ ایک غیر معروف بستی تھی جس کا کبھی کسی مغربی رفیق سفر نے اس سے ذکر نہیں کیا تھا۔ اس کی زبان سے اس بستی کا نام سن کر سب لوگ دنگ رہ گئے اور اسے اس کے کشف باطنی پر محمول کیا اور بتایا کہ فج الاخیار قبیلہ، بنی سلیمان کے علاقے میں ہے۔ ابوعبداللہ نے کہا تو میں وہیں جا کر رہوں گا۔ لیکن باری باری اور وقتاً فوقتاً تمہارے یہاں آ کے تم سے بھی مل جایا کروں گا۔ سب نے منظور کیا اور وہ ان لوگوں سے رخصت ہوکر کوہ انکجان پر پہنچا۔ جس کی ایک وادی "فج الاخیار" کی بستی واقع تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے لوگوں سے کہا۔ اس مقام کا نام فج الاخیار ہے اور محض تمہاری خوبیوں کی وجہ سے یہ نام پڑ گیا ہے۔ اخبار و آثار میں آیا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کو حضرت رسول خدا ﷺ کی طرح اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑے گی۔ اخیار لوگ ان حضرت کے ناصر و مددگار رہوں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جن کا نام لفظ "کتمان" سے نکلا ہوگا۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ انہی اخیار لوگوں کی بستی "فج الاخیار" ہوگی۔ اور وہ علاقہ "کتامہ والے" ہوں گے۔ جن کے وطن کا نام لفظ "کتمان" سے ماخوذ ہے۔ اس کی زبان سے یہ رمز سنتے ہی سب لوگ اور زیادہ اس کے گرویدہ ہوگئے اور اس نے طرح طرح کے کرشمے اور شعبدے دکھا دکھا کر ان لوگوں کو اپنا فرمانبردار غلام بنالیا۔

اور چند روز میں اس کی دینداری، نیک نفسی اور اس کے مکاشفات و کرامات کی شہرت دور دور تک ہوگئی اور اطراف و جوانب سے اہل بربر آ کے اس کے ہاتھ چومنے لگے۔ اب ابوعبداللہ اور عبداللہ نے لوگوں کو یہ تلقین شروع کی کہ رسول خدا ﷺ نے بنصوص جلیلہ وارشادات واضحہ حضرت علیؓ کے حق میں خلافت و امارت کی وصیت فرمائی تھی۔ جس سے صحابہؓ نے

(عیاذاً باللہ) اعراض وعدول کر کے علیؓ کے سوا دوسروں کو خلیفہ بنا لیا۔ اس بنا پر ان صحابہؓ سے تبراء کرنا واجب ہے جنہوں نے وصیت نبوی سے انحراف کیا۔ حالانکہ یہ صریح بہتان ہے۔ اگر خدا کے برگزیدہ رسولؐ نے حضرت علیؓ کے حق میں وصیت فرمائی ہوتی تو کس کی مجال نہیں تھی کہ اس کی خلاف ورزی کرتا۔

ابو عبداللہ نے لوگوں کو بتایا کہ علیؓ نے اپنے بیٹے حسنؓ کو پھر حسنؓ نے اپنے بھائی حسینؓ کو۔ حسینؓ نے اپنے فرزند علی معروف بہ زین العابدینؒ کو۔ زین العابدین نے اپنے فرزند محمد باقرؒ کو۔ محمد باقرؒ نے اپنے بیٹے جعفر صادقؒ کو۔ جعفر صادقؒ نے اپنے بیٹے اسماعیلؒ کو۔ اسماعیلؒ نے اپنے بیٹے محمد مکتوم کو۔ محمد مکتوم نے اپنے بیٹے محمد جعفر مصدق کو۔ جعفر مصدق نے اپنے بیٹے محمد حبیب کو اور محمد حبیب نے اپنے فرزند گرامی عبیداللہ مہدی کو اپنا وصی اور سریر خلافت کا جانشین اور وارث مقرر فرمایا تھا۔ علمائے کتامہ جمع ہو کر ابو عبداللہ سے مناظرہ کرنے کو آئے۔ اس نے مناظرہ سے انکار کیا۔ اس کے باوجود زود اعتقاد عوام اس کے بھرے میں آ گئے۔ آخر آتش فساد مشتعل ہوئی۔ مگر معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اب ابو عبداللہ اور عبداللہ نے وقت بے وقت لوگوں کو یہ بتانا شروع کیا کہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے ہم کو اسی جگہ قیام کرنے کی تلقین کی تھی اور وہ عنقریب خروج کیا چاہتے ہیں۔ ان کے معین وانصار وہ لوگ ہوں گے جو اپنے زمانہ کے اخیار ہوں گے۔ ان کے انصار کا نام لفظ کتمان سے مشتق ہے جو صاف طور سے ظاہر نہیں فرمایا۔ مگر قرینہ یہ کہتا ہے کہ غالباً یہیں اہل کتامہ ہوں گے۔ اب ابو عبداللہ کا اثر دن بدن زیادہ بڑھنے لگا۔ جب اس کے اثر واقتدار کی خبر امیر افریقہ ابراہیم بن احمد بن اغلب کو ہوئی۔ تو اس نے شہر میلہ کے عامل کو لکھ کر اس کی کیفیت دریافت کی۔ عامل نے لکھ بھیجا کہ وہ بالکل معمولی شخص ہے۔ اس قابل نہیں کہ حضور اس کا کچھ خیال فرمائیں۔ وہ موٹا جھوٹا لباس پہنتا ہے اور لوگوں کو نیکو کاری اور زہد وتقویٰ اور عبادت الٰہی کی تاکید کیا کرتا ہے۔ یہ جواب سن کر فرماں روائے افریقہ مطمئن ہو گیا۔ اب ابو عبداللہ کا اثر یہاں تک بڑھا کہ حاکم بربر کے احکام بے اثر ہونے لگے۔ لیکن اس کے بعد ایسے اسباب پیش آئے کہ اہل کتامہ میں ابو عبداللہ کے خلاف سخت جذبہ عناد پیدا ہوا اور اکثر لوگ اس کے قتل پر متفق ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر ابو عبداللہ روپوش ہو گیا۔ مگر اس کے جانے کے بعد لوگوں میں باہم سر پھٹول ہونے لگا۔ اس شورش کی اطلاع حسن بن ہارون نام ایک شخص کو ہوئی جو علاقہ کتامہ کے اکابر ومعززین میں سے تھا اور ایک دولتمند شخص تھا۔ اس نے فوراً ابو عبداللہ کو اپنی حمایت میں لے لیا اور اس کی طرف داری میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اب حسن بن ہارون اور ابو عبداللہ دونوں جا کر شہر ناصرون

میں مقیم ہوئے۔ جہاں ہر طرف سے بربر کے قبائل اس کی زیارت کو آنے لگے اور اس کی شان وشوکت دن بدن بڑھنے لگی۔ خصوصاً اس لئے کہ حسن بن ہارون کا سارئیس اس کا انیس ورفیق تھا۔

ابوعبداللہ کا عروج واقبال

ابوعبداللہ نے سب سے پہلے سواروں کا رسالہ بھرتی کرنا شروع کیا اور ان کی سپہ سالاری حسن بن ہارون کو دی۔ اب ابوعبداللہ نے روپوشی کی نقاب الٹ دی۔ میدان میں سامنے آیا اور مخالفوں کے مقابل اشتہار جنگ دے دیا۔ مختلف لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں ہمیشہ وہی فتح مند ہوتا رہا اور ان لڑائیوں میں لوٹ کا مال جمع کرتے کرتے ناصرون میں بہت سی دولت جمع کرلی۔ اب اس نے مخالفوں کے آئندہ حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے ناصرون کے گرداگرد خندق کھدوالی اور پوری طرح جنگی تیاریاں کرلیں اور از روئے معاہدہ عام اہل کتامہ و بربر کا حاکم بن گیا۔ اب وہی ابوعبداللہ اسماعیلی ایک اجنبی ملا اور شکستہ حال مسافر کی شان سے اس سرزمین میں وارد ہوا تھا۔ اپنی حکمت عملی سے ایک چھوٹا سا فرمانروا بن گیا۔ ان کامیابیوں سے اس کا ایسا حوصلہ بڑھا کہ شہر میلہ پر جو تاجدار افریقہ کے ایک نائب کا مستقر حکومت تھا حملہ کر کے اس پر قبضہ کرلیا۔ جب اس واقعہ کی خبر امیر افریقہ ابراہیم بن احمد کو ہوئی تو اپنے بہادر بیٹے احول کو قیروان سے دس ہزار فوج کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ابوعبداللہ نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی اور میدان چھوڑ کر بھاگا۔ احول نے تعاقب کیا۔ ابو عبداللہ نے یہاں سے بھاگ کر کوہ انکجان کا راستہ لیا۔ شاہی لشکر اس کے تعاقب میں چلا جاتا تھا کہ یکا یک شدید برف باری شروع ہوگئی۔ جس کے باعث احول کو تعاقب سے دست بردار ہونا پڑا۔ اس نے ابوعبداللہ کو تو پہاڑوں پر چھوڑا اور خود ابوعبداللہ کے مستقر شہر ناصرون پر چڑھ گیا۔ اس کو فتح کر کے لوٹا اور آگ لگا کر خاک سیاہ کردیا۔ اسی طرح اس کے شہر میلہ پر دھاوا کر کے اس کو غارت کیا اور جب دیکھا کہ ابوعبداللہ کا کوئی رفیق اور طرف دار نہیں ملتا تو قیروان واپس چلا گیا۔ اس معرکہ کے بعد ابوعبداللہ نے کوہ انکجان میں ایک شہر آباد کر کے اس کا نام دارالہجرۃ رکھا۔ اس اثناء میں ابراہیم بن احمد والی افریقہ نے وفات پائی اور اس کی جگہ پر ابوالعباس افریقہ کا فرمانروا ہوا۔ مگر تھوڑے ہی روز میں اس نے بھی ملک عدم کی راہ لی۔ اب زیادۃ اللہ کو افریقہ کی گورنری مرحمت ہوئی۔ زیادۃ اللہ نہایت عیاش، ہوا پرست اور امور سلطنت سے غافل تھا۔ اس بدبخت نے احول کو محض اس خیال پر کہ مبادا مخل عیش وراحت ہو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ جب احول ایک بھاری لشکر مرتب کر کے ابوعبداللہ کی گوشمالی کے لئے اس کے

قریب پڑا ہوا تھا تو زیادۃ اللہ نے اسے حیلہ و مکر سے طلب کر کے قتل کر ڈالا۔

ابو عبداللہ کی طرف سے عبید اللہ کے قدوم افریقہ کی درخواست

محمد حبیب نے اپنی وفات کے وقت امارت و امامت کی اپنے بیٹے عبید اللہ کے حق میں وصیت کی اور اس سے کہا کہ میرے نور عین! تم ہی مہدی موعود ہو۔ میرے بعد تم ہجرت بعیدہ کرو گے۔ طرح طرح کے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن صبر و استقلال کو اپنا رفیق راہ بنانا۔ غرض محمد حبیب کے انتقال کے بعد عبید اللہ کے زمام امامت اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے داعیوں کو دور دور بھیجا۔ انہی ایام میں ابو عبداللہ نے اہل کتامہ کا ایک وفد عبید اللہ کے پاس روانہ کیا اور اپنے فتوحات کی اطلاع دے کر یہ ظاہر کیا کہ ہم لوگ آپ کے قدوم میمنت لزوم کے لئے چشم براہ ہیں۔ جلد تشریف لائیے۔ رفتہ رفتہ یہ خبریں بغداد پہنچیں۔ خلیفہ مکتفی عباسی نے عبید اللہ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ عبید اللہ فرمان خلافت کی اطلاع پاتے ہی اپنے بیٹے نزار کو ساتھ لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ عبید اللہ نے سرزمین حمص سے نکل کر مغرب کا راستہ لیا۔ لڑکے کے علاوہ خدام و اصحاب کی بھی ایک جماعت ساتھ تھی۔ یہ لوگ طے منازل کر کے مصر پہنچے۔ عبید اللہ سوداگروں کا لباس پہنے سرزمین مصر میں داخل ہوا۔ ان دنوں عیسیٰ نوشری خلیفہ بغداد کی طرف سے مصر کا گورنر تھا۔ اس اثناء میں خلیفہ مکتفی باللہ عباسی کی طرف سے عبید اللہ کی گرفتاری کا فرمان بھی عامل مصر کے نام پہنچ گیا۔ اس فرمان میں عبید اللہ کا حلیہ بھی درج تھا۔ عیسیٰ نوشری نے جاسوسوں اور مخبروں کو ہر طرف عبید اللہ کی تلاش میں پھیلا دیا۔ نوشری کے کسی مصاحب نے عبید اللہ کو اس سے مطلع کر دیا۔ عبید اللہ اپنے اپنے رفقاء و خدام کو لئے ہوئے وہاں سے نکلا۔ مگر اتفاق سے خود نوشری سے ملاقات ہو گئی۔ نوشری اس کی صورت شکل چال ڈھال سے تاڑ گیا کہ ہو نہ ہو۔ عبید اللہ یہی ہے۔ فوراً گرفتار کر لیا اتنے میں دوپہر ہو گئی۔ دستر خوان بچھا۔ نوشری نے عبید اللہ کو کھانے کے لئے کہا۔ اس نے روزہ کا عذر کیا۔ نوشری نے باتوں باتوں میں عبید اللہ سے حقیقت حال دریافت کرنے کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہا۔ عبید اللہ نے اسے ایسے فقرے دیئے کہ نوشری کو اس کے بے خطا ہونے کا یقین ہو گیا۔ نوشری نے ابھی عبید اللہ کو رہا نہ کیا تھا کہ اس کا بیٹا ابو القاسم نزار اپنے شکاری کتے کو ڈھونڈتا ہوا آ پہنچا۔ نوشری نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟۔ بتلایا گیا کہ یہ عبید اللہ کا بیٹا ہے۔ نوشری نے اس سے یہ خیال قائم کیا کہ اگر یہ شخص خلافت کا مدعی ہوتا تو اس کا بیٹا شکاری کتے کی تلاش میں موت کے منہ میں نہ چلا آتا۔ عبید اللہ کو رہا کر دیا۔ عبید اللہ مصر سے بعجلت تمام طے مسافت کرنے لگا۔ راہ میں طاخونہ کے مقام پر قزاقوں سے سابقہ پڑ گیا۔ کل مال و اسباب لوٹ لے گئے جن میں چند

کتابیں بھی ملاحم کے متعلق تھیں جو اس کو اباعن جد وراثت میں ملی تھیں۔ان کتابوں کے تلف ہونے کا عبیداللہ کو سخت صدمہ ہوا۔

عبیداللہ کوچ کرتا ہوا طرابلس پہنچا۔عبیداللہ نے یہاں سے ابوالعباس برادر ابوعبداللہ کو کتامہ کی طرف روانہ کیا۔چنانچہ وہ جاتے ہوئے قیروان پہنچا۔زیادۃ اللہ گورنر افریقہ کو ابوالعباس کے پہنچنے سے قبل ہی ان واقعات کی اطلاع ہو چکی تھی۔اس نے سراغ رسانوں کی وساطت سے اسے گرفتار کر لیا۔اس سے عبیداللہ کے حالات دریافت کیے۔ابوالعباس نے بتلانے سے انکار کیا۔زیادۃ اللہ نے اسے جیل میں ڈال دیا اور عامل طرابلس کو عبیداللہ کی گرفتاری کا حکم بھیجا۔یہ خبر کسی طرح عبیداللہ تک پہنچ گئی۔طرابلس کو خیرباد کہ کر سلجماسہ کا قصد کیا۔یہاں ابن مدورا کے گروہ والے تھے۔انہوں نے عبیداللہ کی بڑی آؤ بھگت کی اور عزت واحترام سے ٹھہرایا۔اس اثناء میں حاکم سلجماسہ کے نام زیادۃ اللہ کی وساطت سے خلیفہ مکتفی کا فرمان آ پہنچا جس میں لکھا تھا کہ یہی شخص مہدویت کا مدعی ہے۔اسی کی طلبی کے خطوط کتامہ سے آ رہے ہیں۔اسے گرفتار کر کے فوراً قید خانہ میں ڈال دو۔والی سلجماسہ نے عبیداللہ کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔

ابوعبداللہ کا سلسلہ فتوحات

زیادۃ اللہ گورنر افریقہ نے پہلے تو کچھ خیال نہ کیا۔لیکن ابوعبداللہ کی بڑھتی ہوئی جمعیت اور بلاد افریقہ کو اپنے حوزہ تصرف سے نکلتے دیکھ کر ذرا چوکنا ہوا اور اپنے ایک عزیز ابراہیم بن حبشی کو امیر لشکر مقرر کر کے چالیس ہزار فوج کے ساتھ کتامہ کی طرف روانہ کیا۔اس مہم میں چیدہ چیدہ سپہ سالار اور نامور جنگجو سپاہی شامل تھے۔یہ لشکر قسطیلہ پہنچ کر ٹھہر گیا۔ابوعبداللہ یہ خبر پا کر پہاڑ کی ایک بلند چوٹی پر چڑھ گیا اور اچھی طرح مورچہ بند ہو گیا۔ابراہیم کامل چھ مہینے تک اپنا لشکر لئے ہوئے ابوعبداللہ کے اترنے کے انتظار میں دامن کوہ میں پڑا رہا۔آخر مجبور ہو کر ساتویں مہینہ شہر کرمتہ پر حملہ کر دیا۔کیونکہ یہاں بھی ابوعبداللہ کی تھوڑی سی فوج رہتی تھی۔پرچہ نویسوں نے ابوعبداللہ کو اس کی خبر کر دی۔اس نے اپنے رسالہ کو ابراہیم کے لشکر پر شبخون مارنے کو بھیج دیا۔ابراہیم ابھی کرمتہ تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ ابوعبداللہ کے سواروں نے پہنچ کر چھاپہ مارا۔ابراہیم کے ہوش وحواس جاتے رہے اور کمال بے سروسامانی سے ہزیمت اٹھا کر قیروان کی طرف بھاگا۔ابوعبداللہ نے مژدہ فتح عبیداللہ کی خدمت میں روانہ کیا۔جو اس وقت سلجماسہ کے قید خانہ میں تھا۔ابوعبداللہ نے اس خط کو اپنے ایک معتبر دوست کے ذریعہ سے سلجماسہ روانہ کیا تھا اور یہ ہدایت کر دی تھی کہ جس طرح ممکن ہو یہ خط عبیداللہ مہدی تک پہنچاؤ۔چنانچہ قاصد نے سلجماسہ پہنچ

کر قصابوں کا بھیس بدلا اور گوشت بیچنے کے حیلہ سے قید خانہ میں داخل ہو کر عبید اللہ کو ابو عبد اللہ کا خط دیا۔ ابو عبد اللہ اس مہم سے فارغ ہو کر شہر طبیہ کی طرف بڑھا اور ایک مدت تک اس کا محاصرہ رکھنے کے بعد اس کو فتح کر کے شہر بلزمہ کا رخ کیا۔ اہل بلزمہ نے مقابلہ کیا۔ ابو عبد اللہ نے اس کو بھی مسخر کر لیا۔ زیادۃ اللہ والی افریقہ نے ان واقعات سے مطلع ہو کر ایک ایک لشکر جرار ہارون طبنی کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ طبنی نے شہر دار ملوک پر فوج کشی کی۔ دار ملوک کے باشندوں نے اس سے پیشتر ابو عبد اللہ کی اطاعت قبول کر لی تھی اور اسے اپنا امیر تسلیم کر لیا تھا۔ طبنی نے دار ملوک کی شہر پناہ کو منہدم کر کے بزور شمشیر شہر پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد ابو عبد اللہ کی طرف بڑھا۔ راہ میں ابو عبد اللہ کی گشتی فوج سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ابو عبد اللہ کی گشتی فوج مرعوب ہو کر بے ترتیبی اور ابتری کے ساتھ بھاگنے لگی۔ جب ابو عبد اللہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بذات خاص پیام اجل کی طرح طبنی کے سر پر آ پڑا۔ طبنی کی فوج بے لڑے بھڑے بھاگ کھڑی ہوئی۔ اسی دار و گیر میں طبنی نے غنیم کے ہاتھ سے جام اجل پی لیا۔ ابو عبد اللہ نے کامیابی کے ساتھ شہر عیسیٰ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس واقعہ سے زیادۃ اللہ سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا اور ایک بہت بڑا لشکر مرتب کر کے ۲۹۵ھ میں ابو عبد اللہ پر حملہ کرنے کے قصد سے روانہ ہوا۔ جب اربس پہنچا تو بعض مصاحبوں نے یہ رائے دی کہ آپ بذات خاص ابو عبد اللہ کے مقابلہ پر نہ جائیے۔ کیونکہ اگر خدانخواستہ نتیجہ خاطر خواہ نہ ہوا تو ہم لوگوں کو کوئی ملجا و ماویٰ نہ رہ جائے گا۔ زیادۃ اللہ نے اس رائے کو پسند کیا اور لشکر کو اپنے ایک عزیز ابراہیم بن ابو اغلب کے ماتحت ابو عبد اللہ کے مقابلہ میں بھیج کر خود دار الحکومت قیروان کو مراجعت کی۔

سلطنت بن اغلب کا زوال

ابو عبد اللہ کو اس کی خبر لگ گئی۔ فوراً باغایہ پر دھاوا کر دیا۔ عامل باغایہ شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ابو عبد اللہ نے شہر پر قبضہ کر کے اپنی کامیابی کا پرچم گاڑ دیا۔ اس کے بعد عنان توجہ شہر مرماجنہ کی طرف پھیر دی۔ اہل مرماجنہ نے قبضہ دینے سے اعراض کیا۔ آخر لڑائی تک نوبت پہنچی اور والیٔ مرماجنہ مارا گیا۔ ابو عبد اللہ نے شہر پر عمل و دخل کر کے میقاش کی طرف قدم بڑھایا۔ اہل میقاش نے اطاعت کر کے شہر سپرد کر دیا۔ میقاش کے مفتوح ہونے پر ہر طرف سے امان کی درخواستیں آنے لگیں۔ بہت سے قبائل نے بخوف جان حاضر ہو کر گردن اطاعت جھکا دی۔ ابو عبد اللہ نے سب کو امان دی اور چند افسروں کو ان کا بلاد کا انتظام سپرد کر کے خود ایک دستہ فوج کے ساتھ مسکیانہ کا رخ کیا۔ یہاں سے تبہ، مجاز، قصرین اور رقادہ کا رخ کیا۔ یہ مقامات یکے بعد دیگرے بلا جنگ و قتال

مفتوح ہوتے گئے۔ ابراہیم بن ابی اغلب نے ان واقعات کی خبر اربس میں سنی۔ اس نے یہ خیال کر کے رقادہ میں زیادۃ اللہ والی افریقہ اقامت گزین ہے۔ لیکن اس کے پاس کوئی بڑا لشکر نہیں ہے۔ اربس سے رقادہ کی طرف رخ کر دیا۔ ابو عبداللہ رقادہ سے رخ پھیر کر قسطیلہ کی طرف بڑھا اور وہاں پہنچ کر محاصرہ ڈال دیا۔ اہل قسطیلہ نے امان حاصل کر کے شہر حوالے کر دیا۔ ابو عبداللہ نے قسطیلہ پر عمل و دخل کر کے باغایہ کی طرف مراجعت کی اور لشکر کے بیشتر حصہ کو باغایہ میں چھوڑ کر کوہ انکجان کی جانب مراجعت کی۔ ابراہیم بن اغلب جو والی افریقہ کی افواج کا افسر اعلیٰ تھا۔ میدان خالی پا کر باغایہ پہنچا اور ابو عبداللہ کی فوج کا محاصرہ کر لیا۔ ابو عبداللہ نے یہ خبر پا کر بارہ ہزار کی جمعیت سے پھر باغایہ کی طرف کوچ کیا۔ ابراہیم اپنی کامیابی سے مایوس ہو کر اربس کی طرف لوٹ آیا۔ ۲۹۶ھ میں ابو عبداللہ نے ایک لاکھ فوج کی جمعیت سے ابراہیم پر لشکر کشی کی اور چند دستہ ہائے فوج کو ابراہیم پر عقب سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اربس کے قریب ایک میدان میں نہایت گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ گو ابراہیم نے خوب داد شجاعت دی مگر اپنے افسروں کی دون ہمتی اور بزدلی سے ہزیمت اٹھائی۔ آخر بھاگنے پر مجبور ہوا۔ ابو عبداللہ نے نہایت بے رحمی سے ابراہیم کے لشکر کو پائمال کیا اور مال و اسباب جو کچھ پایا لوٹ لیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر شہر اربس میں داخل ہوا۔ اہل سنت و جماعت کی جان و مال اور ناموس کو لشکریوں پر مباح کر دیا اور وہاں ایک شبانہ روز قتل عام کا بازار گرم رہا۔

جب ان زہرہ گداز حوادث کی اطلاع زیادۃ اللہ والی افریقہ کو ہوئی تو وہ حواس باختہ رقادہ سے مصر کو بھاگا۔ اہل رقادہ نے اپنے حکمران کو بھاگتے ہوئے پایا تو انہوں نے بھی سراسیمہ وار قیروان اور سوسہ کا رخ کیا۔ بدمعاش اور آوارہ مزاج عوام نے بنی اغلب کے محل سرائے کو لوٹ لیا۔ ابراہیم بن ابو اغلب نے قیروان پہنچ کر دارالامارۃ میں قیام کیا۔ روساء شہر اور امراء مملکت جمع کر کے انہیں ابو عبداللہ کے خلاف ابھارنے کی کوشش کی اور ان سے مال و زر کی مدد مانگی۔ انہوں نے معذرت کی اور کہا کہ ہم عوام تجارت پیشہ لوگ ہیں۔ ہمارے پاس اس قدر مال و زر کہاں ہے کہ آپ کی اعانت کر سکیں؟۔ اس کے علاوہ ہم جنگ و جدل سے بھی مطلق بے بہرہ ہیں کہ دشمن سے لڑ کر ہی آپ کی مدد کر سکیں۔ ابراہیم یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ یہ لوگ دارالامارۃ سے اٹھ کر واپس آئے۔ جب اوباشوں اور بازاریوں کو اس گفتگو کا علم ہوا تو وہ دارالامارۃ پر ٹوٹ پڑے اور ابراہیم کو بات کی بات میں وہاں سے نکال دیا۔ ابراہیم نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے۔ مگر بنی اغلب کا ستارہ اقبال غروب ہو رہا تھا۔ اس لئے تمام نقش آرزو بن بن کر بگڑ گئے اور بجائے کامیابی

کے ہر طرف ذلت و رسوائی کا سامنا ہوا۔ جونہی ابو عبداللہ نے زیادۃ اللہ کے فرار کی خبر سنی۔ رقادہ کی طرف کوچ کر دیا۔ اہل قیروان ملنے کو آئے۔ ابو عبداللہ نے سب کو امان دی اور عزت و احترام سے پیش آیا۔ ابو عبداللہ نے رقادہ کے محل اور امراء دولت کے مکان اہل کتامہ پر تقسیم کر دیئے۔ لوگوں نے آتش جنگ کے فرو ہونے پر اپنے اپنے شہروں میں مراجعت کی۔ ابو عبداللہ نے تمام شہروں میں عمال مقرر کئے۔ جدید سکے مسکوک کرائے جن کی ایک طرف بلغت حجۃ اللہ اور دوسری طرف تفرق اعداء اللہ لکھوایا۔ آلات حرب پر عدۃ فی سبیل اللہ کندہ کرایا اور گھوڑوں کی رانوں پر الملک للہ۔

عبیداللہ بحیثیت مہدی امیر المومنین

جب ابو عبداللہ نے افریقہ پر کہیں تو بزور شمشیر اور کہیں حکمت عملی سے عمل و دخل کر لیا۔ تو اس کا بڑا بھائی ابوالعباس محمد اس کے پاس رقادہ آ گیا۔ ابو عبداللہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ ابو عبداللہ نے اپنے بھائی ابوالعباس اور اباز ا کی کو افریقہ میں نائب مقرر کیا اور خود فوج کو حرکت دے کر بلاد مغرب کا رخ کیا۔ ابو عبداللہ کے خروج کرتے ہی ملک مغرب میں تہلکہ مچ گیا۔ بڑے بڑے قبائل جن کا دنیا لوہا مانتی تھی ان کے دل میں ابو عبداللہ کا ایسا ہول سمایا کہ اس کے راستہ سے ادھر ادھر سرک گئے اور اکثر نے طوعاً یا کرہاً اطاعت کی گردن جھکا دی۔ ابو عبداللہ رفتہ رفتہ سلجماسہ کے قریب پہنچا جہاں عبیداللہ قید تھا۔ الیسع بن مدرار والی سلجماسہ کو ابو عبداللہ کے قریب آ پہنچنے کی خبر لگی تو قید خانہ میں جا کر عبیداللہ سے اس کے حالات دریافت کئے اور یہ بھی پوچھا کہ کیا ابو عبداللہ تمہاری اعانت کے لئے آ رہا ہے؟۔ عبیداللہ نے قسم کھائی کہ میں ابو عبداللہ کو نہیں جانتا۔ میں تو ایک تجارت پیشہ آدمی ہوں۔ اس کے لڑکے ابوالقاسم نزار سے استفسار کیا۔ اس نے بھی اپنے حالات مخفی رکھے۔ ان کے ساتھیوں سے کشف حال کی کوشش کی۔ انہوں نے بھی کانوں پر ہاتھ رکھے۔ والی سلجماسہ نے جھلا کر سب کو پٹوایا۔

اس واقعہ کی خبر ابو عبداللہ تک پہنچی اسے نہایت شاق گزرا۔ مگر چارہ کار ہی کیا تھا۔ ایک تلطف آمیز خط مشتمل بر اظہار محبت و عقیدت والی سلجماسہ کے نام روانہ کیا۔ الیسع تاڑ گیا کہ اس میں ضرور کوئی چال پنہاں ہے۔ خط کو چاک کر کے پھینک دیا اور مغلوب الغضب ہو کر قاصد کو قتل کر ڈالا۔ اس سے ابو عبداللہ کو زیادہ اشتعال پیدا ہوا اور اس نے نہایت تیزی اور شتاب زدگی سے قطع منازل کرتے ہوئے سلجماسہ پہنچ کر شہر کو محاصرہ میں لے لیا۔ والی سلجماسہ ایک خفیف سی جھڑپ کے بعد ہی ناامید ہو گیا اور اپنے اہل و عیال اور بنی اعمام کو لے کر رات کے وقت شہر سے بھاگ

گیا۔ صبح کو اہل سلجماسہ نے ابوعبداللہ کے پاس حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی۔ ابوعبداللہ ان کے ساتھ قید خانہ میں آیا۔ دروازہ کھول کر عبیداللہ اور اس کے بیٹے ابوالقاسم کو رہا کر کے انہیں گھوڑوں پر سوار کرا دیا۔ آگے آگے ابوعبداللہ تھا اور پیچھے پیچھے قبائل سلجماسہ کے امراء و روساء تھے۔ ابوعبداللہ بلند آواز سے پکارتا جاتا تھا کہ ھذا مولی کم ، ھذا مولی کم! (یعنی عبیداللہ تمہارا مولیٰ و سردار ہے۔ یہی تمہارا آقا ہے) اور فرط مسرت سے روتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ لشکر گاہ میں پہنچا۔ عبیداللہ کو خیمہ میں اتارا اور والی سلجماسہ کے تعاقب میں چند سواروں کو روانہ کیا۔ اگلے دن الیسع والی سلجماسہ گرفتار ہو کر آ گیا۔ ابوعبداللہ نے پہلے تو اسے کوڑوں سے پٹوایا اور پھر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ابوعبداللہ اور عبیداللہ اس مقصد براری کے بعد چالیس روز تک سلجماسہ میں خیمہ زن رہے۔ اکتالیسویں روز افریقہ کی طرف مراجعت کی۔ ابوعبداللہ ماہ ربیع الثانی ۲۹۷ھ میں رقادہ پہنچا اور عبیداللہ کی بیعت خلافت کی۔

انکجان میں اموال غنیمت اور مغلوب حکومتوں کے خزانے پیش کیے گئے۔ عبیداللہ نے سب اپنی تحویل میں لے لئے اور ان میں سے کسی کو پھوٹی کوڑی تک نہ دی۔ ابوعبداللہ عبیداللہ کو لئے ہوئے ماہ ربیع الآخر ۲۹۷ھ میں رقادہ پہنچا اور عبیداللہ کی بیعت خلافت کی تجدید کر کے اسے مہدی امیر المومنین کے لقب سے ملقب کیا۔ اسی تاریخ سے بنی اغلب کی حکومت افریقہ سے، دولت بنی مدرار کی سلجماسہ سے، بنی رستم کی تاہرات سے اٹھ گئی اور عبیداللہ ان تمام ممالک کا فرمانروا بن گیا۔ عبیداللہ کو رقادہ کے ایک محل میں ٹھہرایا گیا اور ابوعبداللہ نے حکم دیا کہ جمعہ کے دن تمام بلاد و امصار میں عبیداللہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔

ابوعبداللہ کا عبرتناک انجام

جب تمام لوگ عبیداللہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے اور اس کا نظام حکومت رو براہ ہو چکا تو اس نے سلطنت کے تمام کلی و جزئی امور کی باگ اپنے دست اختیار میں لے کر ابوعبداللہ اور اس کے بھائی ابوالعباس کو مسلوب الاختیار کر دیا۔ یہ دونوں بھائی جو تھوڑے ہی روز پیشتر سلطنت کے سیاہ و سپید کے مالک اور خود اختیار فرمانروا تھے۔ اب ایسے بے دست و پا ہوئے کہ کسی ادنیٰ چیز پر اسی کے عزل و نصب کا بھی انہیں اختیار نہ رہا۔ یہ دیکھ کر ابوالعباس کو بڑا قلق ہوا۔ اپنے بھائی ابوعبداللہ سے کہنے لگا کہ تم نے بلاد و امصار فتح کئے اور ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی۔ لیکن اس کے بعد عنان فرمانروائی ایسے ناقدر شناس ہاتھوں میں دے دی۔ جس نے تمہیں اور مجھے بالکل عضو معطل بنا دیا ہے۔ حالانکہ عبیداللہ کا فرض تھا کہ تمہارا حق پہچانتا اور تمہارے پیر دھو دھو کر

پیتا۔ ابوعبداللہ پہلے تو بھائی کو ٹالتا اور ایسی افتراق انگیز باتوں سے منع کرتا رہا۔ لیکن انجام کار وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اب وہ دست حسرت و تاسف ملنے لگا کہ میں نے خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری۔ آخر ایک دن یہ سوچ کر کہ شاید عبیداللہ ڈھب پر آ جائے اس کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میں کتامہ کا بڑا مزاج شناس ہوں۔ اس لئے اگر آپ قصر شاہی میں تشریف فرما رہیں اور کتامہ کے سیاہ و سپید کا اختیار بدستور میرے ہاتھ میں رہنے دیں تو اس میں آپ کا وقار بہت زیادہ ہوگا۔ مگر عبیداللہ کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلا تھا کہ اس کے بھرے میں آ جاتا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ اسے دونوں بھائیوں کی مخالفانہ گفتگو کا علم ہو چکا تھا۔ اس نے ابوعبداللہ کی ایک نہ سنی اور اسے بلطائف الحیل ٹال دیا۔ لیکن یہ ابوعبداللہ کی مآل نااندیشی تھی کہ اتنی بڑی سلطنت عبیداللہ کے حوالے کر دی اور جب اس حماقت کا ارتکاب کر بیٹھا تو اسے چاہیے تھا کہ یا تو تفویض حکومت کے بعد چپ چاپ اپنے وطن صنعاء کو واپس چلا آتا۔ یا اگر وہیں رہنا منظور تھا تو اپنے دل و دماغ کو جاہ و اقتدار کے جذبات سے یکسر خالی کر کے تادم واپسی کنج عزلت میں بیٹھ رہتا۔ اب اس کے لئے صاحب اختیار رہ کر رقادہ میں عافیت کے ساتھ بود و باش رکھنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ کیونکہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں۔

عبیداللہ سے مطالبہ کہ اپنی مہدویت کا ثبوت دو

اب ابوالعباس نے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ وہ مہدی نہیں جسے ہم واجب الاطاعت سمجھتے اور لوگوں کو اس کی متابعت کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ کیونکہ مہدی موعود علیہ السلام کی آمد پر تو حجت الٰہی ختم ہو جائے گی اور ان کے ہاتھ پر معجزات باہرہ اور آیات بینات کا بکثرت ظہور ہوگا۔ اکثر لوگ ان باتوں سے متاثر ہو گئے۔ کتامہ کا ایک شخص جو شیخ المشائخ کے لقب سے مشہور تھا۔ عبیداللہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا اگر آپ مہدی آخرالزمان ہیں تو کوئی معجزہ دکھایئے۔ کیونکہ ہمارے دلوں میں تمہاری نسبت اشتباہ پیدا ہو گیا ہے۔ عبیداللہ نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ واقعہ کسی بھیانک منظر کا اشارہ کر رہا تھا۔ اس لئے ابوعبداللہ کو اپنی ہستی بھی خطرے میں نظر آئی۔ اب ابوعبداللہ نے اس صورت حالات کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے ابوزاکی کے مکان پر اجتماع عظیم کی دعوت دی۔ چند افراد کو چھوڑ کر کتامہ کے تمام قبائل اس میں شریک ہوئے۔ ابوالعباس نے بہت سی دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا کہ عبیداللہ وہ سب خزائن جو انکجان میں اس کے روبرو پیش کئے گئے تھے۔ بے ڈکار ہضم کر گیا ہے۔ اس نے سپاہ اور فوجی عہدہ داروں کو اس میں سے ایک حبہ تک نہ دیا۔ غرض فیصلہ ہوا کہ عبیداللہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا

جائے۔ عبیداللہ کے جاسوس بھی اس اجتماع میں شریک تھے۔ انہوں نے عبیداللہ کو تمام واقعات کی اطلاع دی۔ اب عمایدِ سلطنت نے عبیداللہ کے دربار میں آنا جانا ترک کر دیا۔ عبیداللہ نے سب سے پہلے ابوزاکی کا قلع قمع ضروری خیال کیا۔ چنانچہ اس کو طرابلس کا گورنر بنا کے بھیج دیا اور ساتھ عامل طرابلس کے نام حکم بھیجا کہ جونہی ابوزاکی تمہارے پاس پہنچے اسے خوابگاہ عدم میں سلا دو۔ عامل طرابلس نے اس کو قتل کر کے اس کا سر عبیداللہ کے پاس بھیج دیا۔ اس اثناء میں عبیداللہ نے ابوعبداللہ اور ابوالعباس کو بھی ہلاک کرا کے شہر خوشان میں بھجوا دیا۔ کتامہ میں عبیداللہ کے خلاف متعدد فتنے اٹھے۔ لیکن اس نے نہایت پامردی سے ان کا مقابلہ کر کے سب کو دبا دیا۔ ان معرکوں میں بہت سے اہل کتامہ اور اہل قیروان مارے گئے۔ اب کتامہ نے ایک خوردسال لڑکے کو اپنا حکمران بنایا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہی مہدی آخر الزمان ہے۔ پھر یہ کہنے لگے کہ یہ لڑکا نبی ہے اور اس کی طرف وحی ہوتی ہے اور ابوعبداللہ کے متعلق یہ اعتقاد کر لیا کہ وہ مرا نہیں۔ اب عبیداللہ کے مقابلہ کے لئے انہوں نے زبردست حربی تیاریاں شروع کر دیں۔ عبیداللہ کو ان واقعات کا علم ہوا تو اپنے لڑکے ابوالقاسم نزار کو اس نئے مہدی کے پیروؤں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ابوالقاسم نے جا کر ان کی یورش اور ان کو ہزیمت دے کر سمندر کی طرف بھگا دیا اور وہ لڑکا بھی مارا گیا۔ جسے مہدی بنایا گیا تھا۔

اسماعیلی مذہب کی جبری اشاعت اور علمائے اہلسنت کی جانستانی

عبیداللہ نے اخذ بیعت کے بعد ہی اپنے منادوں اور مبلغوں کا جال تمام افریقہ میں پھیلا دیا۔ یہ لوگ ہر طرف مذہب اسماعیلی کی تعلیم دے رہے تھے۔ جسے برائے نام چند نفوس کے سوا کسی نے قبول نہ کیا۔ عبیداللہ نے جبر و تعدی کا حکم دیا۔ اس پر بھی جب یہ مذہب ترقی پذیر نہ ہوا تو علمائے اہل سنت و جماعت کے قتل کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ بے شمار حاملان شریعت و علمبرداران رشد و ہدایت عبیدی تیغ جفا کی نذر ہو گئے۔ ان کے مال و اسباب اور اہل و عیال کتامہ پر تقسیم کر دیئے گئے اور جن لوگوں نے اسماعیلی تحریک قبول کی۔ انہیں بڑی بڑی جاگیریں دیں اور زر و مال سے نہال کر دیا۔ ان واقعات کے بعد عبیداللہ نے شہر مہدویہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا جو تونس کے قریب ہے۔

مصر پر فوج کشی

۳۰۲ھ میں عبیداللہ نے ایک لشکر جرار اپنے نامور سپہ سالار رخفاشہ کتامی کی قیادت میں

اسکندریہ کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ خفاشہ نے اسکندریہ پر قبضہ حاصل کر کے مصر کی طرف قدم بڑھایا۔ دربارِ خلافت میں اس کی خبر پہنچی۔ خلیفہ مقتدر نے مصر کی حفاظت کے لئے اپنے خادم مونس کو ایک فوجِ گراں کے ساتھ بغداد سے روانہ کیا۔ مونس مصر کے قریب پہنچ کر خفاشہ سے معرکہ آرا ہوا۔ متعدد جنگوں اور خونریزیوں کے بعد عبیدی لشکر کو شکست فاش ہوئی اور خفاشہ بقیۃ السیف کو لے کر مغرب کی طرف بھاگ گیا۔ خلیفہ کے لشکر نے اسکندریہ پر ازسرِ نو قبضہ کر لیا۔ اس معرکہ میں سات ہزار عبیدی مقتول و مجروح ہوئے۔

عبید اللہ نے اس کے بعد ۳۰۷ھ میں پھر مصر فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اپنے بیٹے ابوالقاسم کو ایک لشکرِ گراں کے ساتھ مصر کی جانب روانہ کیا۔ ابوالقاسم ربیع الثانی ۳۰۷ھ میں اسکندریہ پہنچا اور اس پر تسلط کر کے مصر کی طرف بڑھا۔ جیرہ میں داخل ہو کر صعید پر بھی قابض ہو گیا۔ اور اہلِ مکہ معظمہ کو اسماعیلی مذہب قبول کرنے کو لکھا۔ اہلِ مکہ نے اس تحریک کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ جب بغداد میں ان واقعات کی خبر پہنچی تو خلیفہ مقتدر نے مونس خادم کو ابوالقاسم کی مدافعت پر روانہ کیا۔ فریقین میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ مونس کو فتح نصیب ہوئی۔ اس لڑائی کے بعد مونس کو دربارِ خلافت سے مظفر کا لقب دیا گیا۔ اثناء جنگ میں اسی جنگی جہاز ابوالقاسم کی کمک کو پہنچ کر اسکندریہ کے قریب لنگر انداز ہوئے۔ خلیفہ مقتدر نے طرطوس سے پچیس جہازوں کا ایک بیڑہ ابوالیمین کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ اسکندریہ کے قریب دونوں بیڑوں کا مقابلہ ہوا خلیفۃ المسلمین کے بیڑے کو باوجود قلت تعداد وقلت سپاہ فتح نصیب ہوئی۔ بنوعبید کے اکثر جہاز دورانِ جنگ میں جلا دیئے گئے۔ یعقوب کتابی اور سلیمان خادم جو عبیدی لشکر کے افسر تھے۔ گرفتار کر لئے گئے۔ سلیمان تو مصر کے قیدخانہ میں ڈالا گیا اور یعقوب پابجولاں بغداد بھیجا گیا۔ اس شکست سے عبیدیوں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور کمک کا آنا منقطع ہو گیا اور جو لشکر یہاں موجود تھا۔ اس میں وبا پھوٹ پڑی اور سینکڑوں انسان اور گھوڑے طعمہ اجل بن گئے۔ باقی ماندہ عبیدی لشکر نے افریقہ کو مراجعت کی۔ لشکرِ شاہی نے تعاقب کر کے اسے اپنے حدود سے نکال دیا۔ لیکن اس واقعہ کے قریباً پچاس سال بعد یعنی ۳۵۶ھ میں عبیدی سپہ سالار جوہر نے پھر مصر پر حملہ کیا اور وہاں کے کمسن اخشیدی فرمانروا احمد بن علی کو مغلوب کر کے مصر پر قبضہ کر لیا اور شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد شام بھی عبیدی قلمرو میں شامل ہو گیا۔ عبید اللہ ۳۲۲ھ میں مرا۔ اس کے بعد اس کی اولاد میں تیرہ فرمانروا ۵۶۷ھ تک برسرِ حکومت رہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۶ ص ۴۴۶، ۴۶۴)

باب ۲۸ ...... علی بن فضل یمنی

۲۹۳ھ میں علی بن فضل نام ایک شخص جو ابتداء میں اسماعیلی فرقہ کا پیرو تھا۔ مضافات سے صنعاء میں اس دعوئی کے ساتھ آیا کہ وہ نبی اللہ ہے۔ ان ایام میں یمن کا حاکم خلیفہ مکتفی عباسی کی طرف سے اسعد بن ابوجعفر تھا۔ علی بن فضل بہت دن تک اہل صنعاء کو اپنی خانہ ساز نبوت کی دعوت دیتا رہا۔ لیکن کوئی شخص تصدیق پر آمادہ نہ ہوا۔ جب تمام کوششیں رائیگاں ثابت ہوئیں تو اس نے کسی عقلی تدبیر سے لوگوں کو رام کرنا چاہا۔ چنانچہ ایک دوا جس کو بصرہ میں واخن اور مصر میں لسا مالدر فیل؟ کہتے ہیں حاصل کر کے اس کا گودا لیا۔ اسی طرح چھ اور اجزا چھپکلی کی چربی اور شحم جردون (جس کے خالص ہونے کی یہ پہچان ہے کہ اسے آگ پر ڈالا جائے تو آگ فوراً بجھ جاتی ہے اور کانچ کا چونہ، شنگرف، پارہ اور زرنگار فراہم کئے اور ان سب سے نصف وزن یعنی ساڑھے تین جز گائے کا گوبر اور ان اجزاء کا ربع پونے دو جز گھوڑے کی پیشانی کے بال لے کر کوفتنی دواؤں کو باریک کیا اور چربیوں کو ملا کر سرکے میں معجون تیار کی۔ پھر گولیاں بنا کر ان کو سایہ میں خشک کیا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ رات کے وقت ایک بلند مکان پر چڑھ کر یہ گولیاں دہکتے ہوئے کوئلوں پر ڈال دیں۔ ان سے سرخ رنگ کا دھواں سا اٹھنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام فضائے بسیط پر محیط ہو گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ کرہ ہوا کرہ نار بن گیا ہے۔ پھر اس نے کوئی ایسا افسوں کیا کہ دھوئیں میں بے شمار ناری مخلوق دکھائی دینے لگی۔ یہ ناری آدمی آگ کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان سواروں کے ہاتھ میں نیزے تھے اور آپس میں لڑتے اور ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے۔ یہ وحشت ناک منظر دیکھ کر لوگ گھبرا اٹھے اور ان پر واہمہ سوار ہوا کہ انہوں نے ایک نبی اللہ کی دعوت کو ٹھکرا دیا تھا۔ اس لئے خدائے شدید العقاب کی طرف سے نزول عذاب کا منظر دکھایا گیا ہے۔ یہ دیکھ کر ہزار ہا حماقت شعار تہی دستان قسمت نے اپنی متاع ایمان اس کے سپرد کر دی۔ ان سرگشتگان کوئے ضلالت میں سینکڑوں لکھے پڑھے لوگ بھی تھے۔ جنہیں علمی جہلاء کہنا زیبا ہے۔ علمائے امت نے بہتیرا سمجھایا کہ اس شعبدہ گر کے فقروں میں آ کر سعادت ایمان سے محروم نہ ہوں۔ مگر کون سنتا تھا۔ ان پر اس عیار کا پوری طرح جادو چل چکا تھا۔ بجز قلیل التعداد لوگوں کے کوئی شخص راہ راست پر نہ آیا۔ لیکن عوام کالانعام اور علمی جہلاء کی یہ کوش اعتقادی کس قدر ماتم انگیز ہے کہ جونہی کسی مسیلمہ زمان، سامری وقت نے زخارف دنیا کی تحصیل، ملت حنیفی کی خانہ براندازی اور وحدت قومی کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے اپنے الحاد و زندقہ کے طبلہ تہی پر چوب لگائی۔ زبون طالع عقیدت کیش

اپنے تمام قوائے عقلیہ کھو کر پروانہ وار اس کی طرف دوڑتے اور اس شعر کا مصداق بنتے ہیں:

کیوں وہ صیاد کسی صید پہ توسن ڈالے
خود بخود صید چلے آتے ہیں گردن ڈالے

اور دام تزویر میں پھنسنے سے پہلے اتنی زحمت گوارہ نہیں کرتے کہ وارثان علوم نبوت کے استصواب رائے سے کسی مدعی کے دعووں کو شریعت مطہرہ کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کریں۔ بلکہ یہ بندگان مسحور اپنی نادانی سے خود ہی یک طرفہ رائے قائم کر کے خسران ابدی کے حاشیہ بردار بن جاتے ہیں اور حرمان نصیبی کا کمال دیکھو کہ اگر کوئی انہیں تصویر کا دوسرا رخ دکھانا چاہے تو کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے۔ میں نے ایک مرتبہ کوشش کی کہ ایک مرزائی ملاقاتی کو مقدمہ بہاولپور کا فیصلہ پڑھنے پر آمادہ کر سکوں۔ لیکن اس نے ایک نہ سنی اور یہ کہتا ہوا میرے پاس سے بھاگ گیا کہ میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ اس فیصلہ میں ڈسٹرکٹ جج بہاولپور نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر وارتداد کے بہت سے وجوہ بیان کئے ہیں اور بدلائل ثابت کیا ہے کہ مرزائی فرقہ کا اسلام سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔

علی بن فضل کی مجلس میں ایک شخص پکار کر کہا کرتا تھا: اشھد ان علی بن افضل رسول اللہ! لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دعویٰ رسالت کے ساتھ اسے کسی حد تک خدائی کا دعویٰ بھی تھا۔ چنانچہ جب کسی اندھے پیرو کے نام کوئی تحریر بھیجتا تو عنوان تحریر اور ہوتا۔ من باسط الارض وداحیھا ومزلزل الجبالو مرسھا علی بن الفضل الی عبدہ فلان بن فلان! (یہ تحریر زمین کے پھیلانے والے اور ہانکنے والے اور پہاڑوں کے ہلانے اور ٹھہرانے والے علی بن فضل کی جانب سے اس کے بندہ فلاں بن فلاں کے نام ہے)

اس نے بھی اپنے مذہب میں تمام محرمات کو حلال کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ آب حرام (شراب) اور بیٹیوں سے عقد نکاح بھی روا تھا۔ انجام کار بعض شرفائے بغداد غیرت ملی اور ناموس اسلامی سے مجبور ہو کر اس کی ہلاکت کے درپے ہوئے۔ اور ۳۰۳ھ میں اس کو جام زہر پلوا کر قعر عدم میں پہنچا دیا۔ علی بن فضل کا فتنہ انیس سال تک ممتد رہا۔ (مذاہب اسلام بحوالہ نزہت الجلیس ومنیۃ الانیس جلد اول صفحہ ۳۰۸ و کتاب المختار و کشف الاسرار للجویریؒ) لیکن تعجب ہے کہ صنعا کے حکام نے انیس سال تک اس سے کیوں تعرض نہ کیا؟ اور لوگوں کے متاع ایمان پر ڈاکے ڈالنے کے لئے اسے اتنا طویل عرصہ کیوں کھلا چھوڑ دیا؟ مرزا غلام احمد قادیانی تو نصاریٰ کی عملداری میں تھے۔ اس لئے ان کے لئے دار دنیا میں اپنے دعووں اور زندقہ شعاریہ کا کوئی عاجل خمیازہ بھگتنے کا کوئی موقع

نہ تھا۔ لیکن جائے تعجب ہے کہ کوئی شخص اسلامی قلمرو میں رہ کر دس پندرہ روز سے زیادہ مدت تک ملت میں رخنہ اندازیاں کرتا رہے اور خدا کی عاجز مخلوق پر رحم کر کے اس کو اس کے شر سے نہ بچایا جائے؟۔ جونہی ابن فضل نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ حکام کا فرض تھا کہ اس کی رگ جان کاٹ کر اسے موت کی نیند سلا دیتے۔

باب ۲۹ ...... ابو طاہر قرمطی

جب ابو سعید جنابی ۳۰۱ھ میں اپنے خادم کے ہاتھ سے مارا گیا تو اس کا چھوٹا بیٹا ابو طاہر سلیمان قرمطی اپنے بڑے بھائی سعید کو مغلوب و مقہور کر کے باپ کا جانشین ہو گیا اور مقامات ہجر، احسا، قطیف، طائف، بحرین کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ ابو طاہر خدا کا اوتار ہونے کا مدعی تھا اور کہتا تھا کہ رب العالمین عز اسمہ کی روح میرے جسم میں حلول کر گئی ہے۔ یہ شخص اسلام اور اہل اسلام کے حق میں تاتاریوں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ ابو طاہر نے عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے دس سال بعد تسخیر بصرہ کا قصد کیا۔ ان دنوں خلیفہ المسلمین کی طرف سے سبک مفلحی بصرہ کا امیر تھا۔ ابو طاہر نے ایک ہزار سات سو آدمیوں کے ساتھ رات کی تاریکی میں بصرہ پر دھاوا کیا۔ سیڑھیاں لگا کر شہر پناہ کی دیواروں پر چڑھ گیا اور محافظوں کو تہ تیغ کر کے شہر میں گھس پڑا۔ قرمطیوں نے ابو طاہر کے حکم سے شہر کے دروازے کھول کر قتل عام شروع کر دیا۔ بیچارہ سبک نہایت افراتفری اور بے سروسامانی کے عالم میں مقابلہ پر آیا۔ لیکن عہدہ برآ نہ ہو سکا اور داد مردانگی دے کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اب قرمطیوں نے رعایا پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ اہل شہر جان کے خوف سے بھاگے۔ سینکڑوں نے بوقت فرار ہمیشہ کے لئے قعر دریا میں بسیرا کر لیا اور ہزار ہا کلمہ گو قرمطی تیغ جفا کی نذر ہو کر دار آخرت میں چلے گئے۔ ابو طاہر بصرہ میں سترہ دن تک ٹھہرا رہا۔ اس کے بعد جس قدر مال و اسباب اور عورتیں و بچے قید کر کے لے جا سکا۔ ساتھ لے کر اپنے مستقر دولت ہجر کی طرف عود کیا۔ خلیفہ مقتدر نے سبک شہید کی جگہ محمد بن عبداللہ فاروقی کو بصرہ کی امارت تفویض فرمائی۔

بیگناہ حاجیوں پر دست تطاول ہزار ہا حجاج کا مظلومانہ قتل

ابو طاہر اپنے قرمطی اور باطنی پیش رووں سے کہیں بڑھ کر اسلام کے درپے استیصال تھا۔ چونکہ خلافت بغداد ضعف و انحطاط کے ضغطہ میں مبتلا تھی۔ اس لئے اس کور باطن کو جسد اسلام پر چرکے لگانے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ بصرہ کی غارت گری کے بعد اس نے مسلمانوں کی مقدس ترین

جماعت یعنی حجاج کو قتل و غارت کر کے اسلام کے جگر میں ہاتھ ڈالا۔ چنانچہ ۳۱۲ھ میں حاجیوں کو ان کی واپسی کے وقت لوٹنے اور قتل کرنے کی غرض سے ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ ہیر کی جانب روانہ ہوا۔ یہاں پہنچ کر حاجیوں کے ایک قافلہ سے جو سب سے آگے تھا مقابل ہوا۔ اہل قافلہ کو اس کی اطلاع نہ تھی۔ حالت غفلت میں جا رہے تھے کہ دفعتہً ابوطاہر نے حملہ کر دیا۔ اہل قافلہ مدافعت نہ کر سکے۔ انہیں بری طرح لوٹا۔ جب پچھلے حاجیوں کو اس واقعہ ہائلہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے قتل و غارت کے خوف سے فید میں قیام کر دیا۔ لیکن زادراہ ختم ہو گیا۔ ابوالہیجاء بن حمدانی والی طریق کوفہ بھی اسی قافلہ میں تھا۔ اس نے اہل کوفہ کو وادی القریٰ کی طرف مراجعت کرنے کی رائے دی۔ مگر اہل قافلہ نے بہت دور نکل آنے کی وجہ سے اس تجویز کو پسند نہ کیا۔ آخر کوفہ کی راہ سے روانہ ہوئے۔ ابوطاہر نے یہ خبر پاکر ان پر بھی حملہ کر دیا۔ ابوالہیجا اور خلیفہ مقتدر کے ماموں احمد بن بدر کو گرفتار کر لیا۔ حاجیوں کا تمام مال و اسباب لوٹ کر ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا اور ہجر کی جانب مراجعت کی۔ حجاج کو اسی کف دست میدان میں عالم بیکسی میں چھوڑ دیا۔ جن میں سے اکثر نے شدت تشنگی و گرسنگی اور تمازت آفتاب کی تاب نہ لا کر امانت حیات ملک الموت کے سپرد کر دی اور باقی ماندہ حاجیوں کا اکثر حصہ بہزار خرابی و دشواری حجاز سے بغداد واپس آیا۔ بعد چندے ابوطاہر ابواہ پہنچا اور احمد کو مع ان قیدیوں کے جو اس کے پاس تھے رہا کر دیا اور خلیفہ مقتدر کو لکھا کہ بصرہ اور اہواز مجھے دے دیئے جائیں۔ خلافت مآب نے منظور نہ فرمایا۔ اس بنا پر ابوطاہر نے ہجر سے پھر بقصد تعرض حجاج کوچ کیا۔ جعفر بن ورقا شیبانی والی کوفہ و طریق مکہ اس خطرہ کو پیش نظر رکھ کر ایک ہزار فوج سے جو اسی کی قوم سے مرتب کی گئی تھی۔ قافلہ حجاج سے پیشتر روانہ ہو گیا تھا اور اسی طرح ثمال والی بحر، جنا صفوانی اور طریف لشکری بھی چھ ہزار کی جمعیت سے حفاظت کے لئے قافلہ حجاج کے ساتھ تھے۔ ابوطاہر سے جعفر بن ورقا کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ بدنصیبی سے جعفر کو ہزیمت ہوئی۔ شاہی فوج بھی بھاگ کھڑی ہوئی اور ابوطاہر کوفہ تک حجاج اور شاہی فوج کا تعاقب کرتا چلا آیا۔ دروازہ کوفہ پر نہایت خونریز جنگ ہوئی اور ہزارہا حاجی شہید ہوئے۔ شاہی لشکر کے چھکے چھوٹ گئے۔ اکثر لڑائی میں کام آئے۔ باقی ماندہ فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور جنا صفوانی گرفتار ہو گیا۔ ابوطاہر کوفہ پر قبضہ کر کے چھ روز تک شہر کے باہر پڑا رہا۔ تمام دن جامع مسجد میں رہتا اور رات کو اپنے لشکرگاہ میں جا کر قیام کرتا۔ غرض مال و اسباب فراواں لے کر ہجر کی جانب لوٹ گیا۔ ہزیمت یافتہ گروہ بغداد پہنچا تو لوگوں میں سنسنی پھیل گئی۔ چنانچہ اگلے سال کسی نے ابوطاہر کے خوف سے حج کا قصد نہ کیا۔

عساکر خلافت کے مقابلہ میں ابوطاہر کی مزید کامیابیاں

۳۱۴ھ میں خلیفہ مقتدر نے یوسف بن ابی الساج کو آزربیجان سے دارالخلافہ بغداد میں طلب فرما کر بلاد شرقیہ کی حکومت تفویض کی اور ابوطاہر سے جنگ کرنے کی غرض سے واسط کی جانب روانہ کیا۔ جب یوسف واسطہ کے قریب پہنچا تو جاسوسوں نے خبر دی کہ ابوطاہر اپنا لشکر مرتب کر کے کوفہ گیا ہے۔ چنانچہ یوسف واسط کی بجائے کوفہ کو بچانے کے لئے روانہ ہوا۔ سو اتفاق سے ابوطاہر یوسف سے ایک روز پیشتر کوفہ پہنچ گیا۔ شاہی عمال بخوف جاں کوفہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ابوطاہر نے پہنچتے ہی شہر کوفہ کے ساتھ ان تمام غلوذات اور ذخائر پر بھی قبضہ کر لیا جو حکام نے یوسف کے لئے پیشتر سے فراہم کر رکھے تھے۔ دوسرے دن یوسف پہنچا تو شہر کی حالت نہایت ابتر پائی۔ تاہم نامہ و پیام شروع کیا۔ یوسف نے ابوطاہر کو عباسی علم کی اطاعت کا پیام دیا۔ ابوطاہر نے جواب کہلا بھیجا کہ ہم پر حق تعالیٰ کے سوا کسی کی اطاعت فرض نہیں ہے۔ یوسف نے اعلان جنگ کر دیا۔ اگلے دن صبح سے رات تک فریقین میں گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ آخر یوسف کی فوج شکست کھا کر بھاگی اور یوسف مع اپنے چند سپاہیوں کے گرفتار ہو گیا۔ یوسف لڑتے لڑتے زخمی ہو گیا تھا۔ قرمطی اسے اپنے لشکر گاہ میں اٹھا لائے۔ ابوطاہر نے یوسف کے معالجہ پر ایک طبیب کو مقرر کیا۔

شاہی فوج نے کوفہ سے بھاگ کر بغداد میں جا دم لیا۔ اب ایک سپہ سالار مونس مظفر نام علم خلافت کی حمایت اور قرامطہ کی سرکوبی کے لئے کوفہ کو روانہ ہوا۔ اتنے میں یہ خبر آئی کہ قرامطہ کوفہ سے عین التمر کی جانب روانہ ہو گئے ہیں۔ اس اثناء میں مونس کی خواہش کے بموجب بغداد سے پانچ سو جنگی کشتیاں روانہ کی گئیں۔ جن میں نامور آزمودہ سپاہی تھے۔ تاکہ قرامطہ کو دریائے فرات عبور کرنے سے مانع ہوں اور انبار کی حفاظت کے لئے ایک فوج خشکی کی طرف سے بھی روانہ کی گئی۔ قرامطہ نے کوفہ سے روانہ ہو کر انبار کا رخ کیا۔ اہل انبار نے یہ خبر پا کر پل توڑ دیا اور کشتیاں ہٹا دیں۔ ابوطاہر نے فرات کے غربی ساحل پر پہنچ کر قیام کیا۔ حدیثہ سے کشتیاں منگوائیں اور تین سو قرمطیوں کو انہی کشتیوں کے ذریعہ سے خشکی پر اتار دیا۔ شاہی فوج مقابلہ پر آئی۔ مگر پہلے ہی حملہ میں شکست کھا کر بھاگی۔ قرامطہ نے انبار پر قبضہ کر لیا۔ اس اندوہناک حادثہ کی خبر بغداد پہنچی۔ خلیفہ نے نصر حاجب کو ایک فوج گراں کے ساتھ قرامطہ کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ نصر منزلیں طے کرتا ہوا مونس مظفر سے آملا۔ دونوں نے چالیس ہزار فوج سے قرامطہ پر دھاوا کر کے یوسف کی مخلصی کے لئے سخت جدوجہد کی۔ قرامطہ بھی خم ٹھونک کر مقابلہ میں آئے۔ گھمسان کی

لڑائی ہوئی۔ بالآخر شاہی لشکر شکست کھا کر بھاگا۔ جب قرمطی اسی دار و گیر میں مصروف تھے تو یوسف محافظوں کی نظر بچا کر نکل بھاگنے کی فکر میں لگا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی اشارہ و کنایہ سے بھاگ جانے کو کہا۔ مگر سوء اتفاق سے ابو طاہر اس کو بھانپ گیا۔ اس لئے یوسف کو بلا کر قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد اس نے تمام دوسرے قیدیوں کو بھی قید حیات سے سبکدوش کر دیا۔

ابو طاہر کی دوسری چیرہ دستیاں اور ظلم آرائیاں

۳۱۶ھ میں ابو طاہر انبار سے کوچ کر کے رحبہ پہنچا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ یہاں بھی شبانہ روز قتل عام کیا۔ آخر اہل شہر نے امان کی درخواست کی جسے ابو طاہر نے منظور کر لیا۔ ابو طاہر نے ایک دستہ فوج عربوں پر شبخون مارنے کو جزیرہ کی طرف روانہ کیا۔ اہل جزیرہ جان کے خوف سے بھاگ گئے اور جو بھاگ نہ سکے وہ قرامطہ کی لوٹ مار کی نذر ہوئے۔ اس قتل و نہب کے بعد انہوں نے سالانہ خراج دینا منظور کیا جو ہر سال ہجر روانہ کیا جاتا تھا۔ تھوڑے دن بعد اہل رقہ نے انحراف کیا۔ ابو طاہر نے یہ خبر پا کر لشکر کشی کر دی۔ مسلسل تین روز تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر اہل شہر نے امان کی درخواست کی۔ ابو طاہر نے منظور کر لی۔ مونس مظفر نے خلیفہ کے حکم سے از سر نو لشکر مرتب کر کے بغداد سے رقہ کی طرف کوچ کیا۔ ابو طاہر رقہ چھوڑ کر رحبہ چلا آیا اور جب مونس رقہ پہنچا تو قرمطی رحبہ سے ہیت کو چلے آئے۔ چونکہ اہل ہیت نے قلعہ بندی کر لی تھی اور حفاظت کا انتظام مکمل ہو چکا تھا۔ اس لئے قرامطہ کا دست تعدی اہل ہیت تک نہ پہنچ سکا۔ اپنا سا منہ لے کر کوفہ کی طرف لوٹ آئے۔ جب ان واقعات کی دربار خلافت میں خبر پہنچی تو خلیفہ نے نصر حاجب، ہارون بن غریب اور ابن قیس کو بڑی فوج کے ساتھ قرامطہ کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ اس اثناء میں قرمطی لشکر قصر بن ہبیرہ پہنچ گیا۔ نصر سپہ سالار لشکر علیل ہو گیا۔ اس لئے احمد بن کیغلغ کو اپنا نائب مقرر کر کے واپس ہوا اور اثناء راہ میں رہگزائے عالم آخرت ہو گیا۔ خلیفہ نے فوج کی قیادت، ہارون بن غریب کے سپرد کی۔ لیکن اس اثناء میں ابو طاہر اپنے شہر کو واپس چلا گیا اور ہاورن بن غریب نے ۳۱۶ھ بغداد کی جانب معاودت کی۔ کچھ دن کے بعد قرامطہ واسط، عین التمر اور سواد کوفہ میں جمع ہوئے اور ہر جماعت نے اپنے میں سے ایک ایک شخص کو سردار مقرر کیا۔ واسط کی جماعت پر حریث بن مسعود متعین ہوا۔ عین التمر کے گروہ پر عیسیٰ بن موسیٰ مامور ہوا۔ عیسیٰ نے کوفہ کی جانب کوچ کیا اور سواد پہنچ کر عمال خلافت کو نکال دیا اور اخراج و مال گذاری خود وصول کرنے لگا اور حریث موفق کے علاقہ کی طرف بڑھا اور اس پر قابض و متصرف ہو کر وہاں ایک مکان بنوایا۔ جس کا نام

دارالہجرۃ رکھا۔ اب قرمطی آئے دن لوٹ مار سے کام لیتے اور بلاد اسلامیہ کو تہ و بالا کرتے جاتے تھے۔

قرامطہ کی پہلی ہزیمت

خلیفۃ المسلمین کی طرف سے واسط کی سپہ سالاری کا منصب ابن قیس کو مفوض تھا۔ وہ لشکر آراستہ کر کے قرامطہ سے معرکہ آراء ہوا۔ مگر ان کی ترقی پذیر قوت سے عہدہ برآ نہ ہو سکا۔ شکست کھا کر بھاگا۔ خلیفہ مقتدر نے ہارون بن غریب کو ایک لشکر جرار کے ساتھ ابن قیس کی کمک پر بھیجا اور ان قرامطہ کی سرکوبی کو جنہوں نے کوفہ کی طرف رخ کیا تھا صافی بصری کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ ان سپہ سالاروں نے قرامطہ کو ہر طرف سے گھیر کر آتش حرب مشتعل کی۔ قرمطی شکست کھا کر بھاگے۔ لشکر شاہی نے تھوڑی دور تک ان کا تعاقب کیا۔ یہ پہلی شکست تھی جو ابوطاہر کے پیرؤوں کو تخت بغداد کے مقابلہ میں ہوئی۔ عساکر خلافت نے ان کے پھریرے چھین لئے۔ یہ پھریرے سفید رنگ کے تھے اور ان پر یہ آیت لکھی تھی "ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلهم أئمة ونجعلهم الوارثين (القصص:۵)" ﴿اور ہمیں یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کو سرزمین (مصر) میں ضعیف کیا جا رہا تھا ہم ان پر یہ احسان کریں کہ انہیں دین کا پیشوا اور ملک کا مالک بنا دیں۔﴾

جس وقت یہ لشکر ظرف پیکر مظفر و منصور ان پھریروں کو سرنگوں کئے ہوئے بغداد میں داخل ہوا۔ تو وہاں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ خواص و عام جوش مسرت سے نعرے بلند کر رہے تھے۔ اس شکست کے بعد قرامطہ کا وہ پہلا ساز و رہل نہ رہا اور سواد کوفہ سے ان کا عمل و دخل بالکل اٹھ گیا۔

مکہ معظمہ میں قتل عام

ابوطاہر نے شہر ہجر کو دارالحکومت بنانے کے بعد وہاں ایک نہایت عالیشان مسجد تعمیر کرائی تھی۔ اس مسجد کو اس نے دارالہجرت کے نام سے موسوم کیا۔ اب اس پر یہ خبط سوار ہوا کہ لوگ کعبہ کا حج اور طواف چھوڑ کر اس کے دارالہجرۃ کا حج کیا کریں۔ لیکن اس مقصد کے حصول کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس لئے اس کے طاغوت آشیاں دماغ نے اسے یہ نادر المثال ترکیب سوجھائی کہ حجر اسود کو مکہ معظمہ سے منتقل کر کے دارالہجرت میں نصب کر دیا جائے۔ چنانچہ اس غرض کی تکمیل کے لئے اس نے ۳۱۹ھ میں مکہ معظمہ کی طرف کوچ کیا۔ اس سال منصور دیلمی بغداد سے لوگوں کو حج کرانے کے لئے آیا تھا۔ حجاج بخیر وعافیت صحیح وسلامت مکہ معظمہ پہنچ گیا۔ لیکن یوم

ترویہ کو ابوطاہر بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مکہ معظمہ آ پہنچا اور گھوڑے پر سوار ہو کر تیغ برہنہ مسجد حرام میں داخل ہوا۔ یہاں آ کر شراب منگوا کر پی اور اپنے گھوڑے کے سامنے سیٹی بجائی تو اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ اس وقت بعض حجاج بیت اللہ کے طواف میں اور بعض نماز میں مصروف تھے اور جامہ احرام کے سوا ان کے تن پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ قرمطیوں نے ابوطاہر کے حکم سے زائرین کعبہ پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ جس کسی کا مال واسباب پایا لوٹ لیا۔ جس کو دیکھا موت کے گھاٹ اتار دیا۔ شہر کے علاوہ مسجد حرام اور خانہ کعبہ میں بھی قتل عام ہوتا رہا۔ ہزار ہا جرم نا آشنا زائرین حرم قرمطی تیغ جفا کا نشانہ بن گئے۔ شہر میں ہر طرف دجلہ خون روان تھا۔ خاص بیت اطہر میں ایک ہزار سات سو طائف اور محرم جام شہادت سے سیراب ہوئے۔ علی بن بابویہ بھی اس دار و گیر میں موجود تھا۔ اس نے ہمہ گیر قتل و غارت کے باوجود طواف بیت اللہ قطع نہ کیا اور یہ شعر پڑھا:

ترى المحبين صرعى في ديارهم
كفتية الكهف لايدرون كم لبثوا

علی بن بابویہ پر چاروں طرف سے تلواریں پڑنے لگیں اور اس کا طائر روح آنا فانا قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ چاہ زمزم اور مکہ معظمہ کے متعدد دوسرے کنوئیں اور ندی نالے اور گڑھے شہداء کی لاشوں سے پٹ گئے۔ شہداء کی کوئی تجہیز و تکفین عمل میں نہ آئی۔ اس کے بعد ابوطاہر نے کعبہ معلیٰ کے دروازے کو اکھڑوا دیا اور نہایت متکبرانہ لہجہ میں جس سے اس کا دعویٰ خدائی بھی ثابت ہوتا تھا۔ بولا:

انا بالله و بالله انا
يخلق الخلق و يفنيهم انا

اور حجاج کو پکار کر کہنے لگا۔ اے گدھو! تم کہتے ہو "من دخله كان امنا" ﴿جو کوئی بیت اللہ میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے﴾ اب وہ امن کیا ہوا؟ ہم نے جو چاہا کیا۔ جس کو چاہا زندہ رکھا۔ جس کو چاہا ہست سے نیست کر دیا۔ ایک شخص نے اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہنے لگا اس آیت شریفہ کا یہ مفہوم نہیں جو تم سمجھے۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ جو شخص اس میں داخل ہو جائے اسے امن دو۔ ابوطاہر نے اس کی طرف التفات نہ کیا اور وہ اس کے فتنہ سے مامون رہا۔ ابومحلب امیر مکہ نے دیکھا کہ قرمطی جور و تغلب کا طوفان کسی طرح نہیں تھمتا تو وہ شرفائے مکہ کا ایک وفد لے کر حجاج اور اہل مکہ معظمہ کی سفارش کے لئے ابوطاہر کے پاس گیا۔ اس

سیاہ دل نے قبول شفاعت کی بجائے اپنی فوج کا ان پر اشارہ کر دیا۔ وہ ان نا کردہ گناہوں پر ٹوٹ پڑے۔ یہ دیکھ کر ابومحلب نے بھی مقابلہ کیا۔ مگر چند آدمیوں سے کیا ہو سکتا تھا۔ سب کے سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔ ابوطاہر نے میزاب جو سونے سے مرصع تھا۔ اکھڑوانا چاہا۔ اس غرض کے لئے اس نے ایک آدمی کو کعبہ معلیٰ پر چڑھایا۔ محمد بن ربیع بن سلیمان کا بیان ہے کہ میں اس وقت تھوڑی دور کھڑا دیکھ رہا تھا۔ میرے دل کو سخت ٹھیس لگی۔ میں نے کہا "یارب ما احلمك" (الٰہی تیری بردباری کی کوئی حد نہیں) میرا یہ کہنا تھا کہ قرمطی سرنگوں گر کر ہلاک ہو گیا۔ ابوطاہر نے اس کی جگہ دوسرے آدمی کو چڑھنے کا حکم دیا۔ وہ بھی گر کر طعمۂ اجل ہو گیا۔ اب تیسرے کو چڑھنے کے لئے کہا۔ لیکن وہ اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اسے اوپر چڑھنے کی کسی طرح جرأت نہ ہوئی۔ یہ دیکھ کر ابوطاہر وہاں سے علیحدہ ہو گیا۔ قرمطیوں نے غضب آلود ہو کر بیت اللہ کا دروازہ توڑ ڈالا۔ ابوطاہر نے غلاف کعبہ کو اتروا کر ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا اور اس کے پارچے لشکر میں تقسیم کر دیئے اور بیت اللہ کے خزانہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس سال باستثنائے قدر قلیل حجاج عرفات میں نہ ٹھہرے اور بغیر امام کے ہی حج ادا کر لیا۔

حجر اسود کو مکہ مکرمہ سے منتقل کرنیکا خوفناک اقدام

ابوطاہر اس پتھر کو مکہ معظمہ سے ہجر لے جانا چاہتا تھا۔ جس پر جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کا نقش پا تھا۔ لیکن خادمان کعبہ نے اسے مکہ معظمہ کی گھاٹیوں میں چھپا دیا۔ اس وجہ سے اس پر دسترس نہ پا سکا۔ لیکن حجر اسود کو اس کی جگہ سے نکال لے گیا۔ یہ ہولناک واقعہ بروز دو شنبہ ۱۴ ذی الحجہ ۳۱۷ھ کو رونما ہوا۔ چونکہ قرمطی ملاحدہ اصنام پرستوں سے بھی زیادہ بے دین تھے اور انہوں نے کعبۃ اللہ سے منحرف ہو کر بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنا لیا تھا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ ابوطاہر کے دل میں بیت اللہ کی کوئی وقعت نہ ہو سکتی تھی۔ بلکہ وہ اپنی شقاوت سے کعبہ معلیٰ کو بیت اللہ ہی نہ سمجھتا تھا۔ اسی بنا پر اس نے کہا تھا:

فلو کان هذا البیت الله ربنا
لصب علینا النار من فوقنا صبا
لانا حججنا حجة جاهلیة
محللة لم تبق شرقا ولا غربا

وانا تركنا بين زمزم والصفا
جنائز لاتبغی سوی ربها ربا

لیکن وہ اس حقیقت حال سے بے خبر تھا کہ خدائے شدید العقاب ابوطاہر جیسے گردن فراز جبابرہ کو عموماً مہلت دیتا اور ان کے کفر، طغیان اور حق فراموشی کو دراز کر دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

''فذرنی ومن یکذب بهذا الحدیث ۰ سنستدرجهم من حیث لایعلمون ۰ واملی لهم ان کیدی متین (القلم: ٤٤، ٤٥)'' ﴿اے رسول! نزول عذاب کی تاخیر سے ملول نہ ہوجیئے اور تکذیب کرنے والوں کو ہمارے ذمے رہنے دیجئے۔ ہم ان کو ساعت بساعت جہنم کی طرف اس طرح لئے جا رہے ہیں کہ ان کو اس کا کچھ احساس نہیں۔ ہم ایسے لوگوں کو مہلت دیتے ہیں اور ہماری یہ تدبیر بڑی زبردست ہے۔﴾

ابوطاہر نے قبہ زمزم کو مسمار کرا دیا اور چھ یا گیارہ روز تک مکہ معظمہ میں اقامت کر کے ہجر کو لوٹ گیا۔ ابوطاہر نے حجر اسود کو ہجر کی جامع مسجد کی غربی جانب آویزاں کر دیا اور مکہ معظمہ میں حجر اسود کی جگہ خالی رہ گئی۔

عبیداللہ کا خط ابوطاہر کو

مکہ معظمہ سے مراجعت کرنے کے بعد ابوطاہر نے اپنی قلمرو میں حکم دیا کہ عبیداللہ مہدی کے نام کا خطبہ پڑھا جائے اور عبیداللہ کو اطلاع دی کہ ہم نے اپنی مملکت میں آپ کے نام کا خطبہ جاری کر دیا ہے اور بہت کچھ اظہار عقیدت واخلاص کے بعد لکھا کہ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ میں نے مکہ میں (معاذ اللہ) ''پیروان ضلالت اور اہل فساد'' کا خوب قلع قمع کیا۔ یہاں تک کہ مکہ کی سرزمین ان کے خون سے لالہ زار بن گئی۔ عبیداللہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ ہماری طرف خط بھیج کر اپنی بداعمالیوں کی داد چاہنا سخت حیرت انگیز ہے۔ بلد اللہ الامین میں تو نے کیا کچھ حرکتیں نہ کیں؟ تو نے بیت اللہ کی جو ازل سے جاہلیت واسلام میں ہمیشہ محترم رہا، بے حرمتی کی۔ اس بقعہ مقدسہ میں مسلمانوں کے خون بہائے۔ حجاج اور معتمرین کو ہلاک کیا اور خانہ خدا میں اس قدر جسارت کا اظہار کیا۔ حجر اسود کو اکھاڑ لے گیا۔ حالانکہ حجر اسود بسیط ارض پر یمین الٰہی ہے اور لکھا کہ تمہاری اس حرکت کی وجہ سے ہماری جماعت اور ہماری سلطنت کے دعاۃ پر کفر والحاد کا اطلاق متحقق ہوگیا ہے اور لطف یہ ہے کہ ان تمام شناعتوں اور بدکرداریوں کے باوجود تجھے اس بات کی توقع ہے کہ ہم تمہاری حرکتوں پر تمہیں خوشنودی خاطر کا تمغہ عطا کریں گے؟۔ فلعنك الله ثم لعنك

اللہ والسلام علی من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ ! جب ابو طاہر کو یہ خط ملا تو سانپ کی طرح پیچ وتاب کھانے لگا اور عبیداللہ کی اطاعت سے منحرف ہو گیا۔

دہ سالہ انقطاع کے بعد حج کا اجراء

معلوم ہوتا ہے کہ حج کعبہ ۳۱۷ھ سے ۳۲۷ھ تک یعنی دس سال تک موقوف وملتوی رہا۔ چونکہ امن طریق بھی فرضیت حج کی لازمی شرط ہے اور ابو طاہر کی وجہ سے امن طریق مفقود ہو چکا تھا۔ اس لئے عازمیں حج بحالی امن کے منتظر رہے۔ انہیں ہر سال مایوس ہونا پڑتا تھا۔ دس سال کی طویل مدت اسی انتظار میں گزر گئی۔ آخر ۳۲۷ھ میں بوعلی عمر بن یحییٰ علوی نے جو ابو طاہر کا دوست تھا اس کو لکھا کہ ہر حاجی سے پانچ دینار فی شتر محصول لے کر حج کی اجازت دے دو۔ چنانچہ اس نے اس کو منظور کر لیا اور لوگوں کا امن واطمینان کے ساتھ حج کرنا نصیب ہوا اور یہ پہلا ہی موقع تھا جبکہ حاجیوں کو حج کا محصول ادا کرنا پڑا۔ اس کے بعد خلیفہ کے حاجب محمد بن یاقوت نے ابو طاہر کو ایک خط لکھا کہ اگر تم حجاج سے تعرض کرنا چھوڑ دو اور حجر اسود واپس کر دو تو خلیفۃ المسلمین وہ تمام بلاد جو تمہارے زیر نگیں ہیں تمہارے پاس ہی برقرار رہنے دیں گے۔ ابو طاہر نے جواب دیا کہ آئندہ حجاج سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ لیکن حجر اسود کی واپسی کے متعلق اس نے نفیاً یا اثباتاً کوئی جواب نہ دیا۔ اس دن سے قرامطہ نے حجاج سے تعرض کرنا چھوڑ دیا۔

حجر اسود کی واپسی

ابو طاہر نے بہتیری کوششیں کیں کہ لوگ حجر کی بدولت ہجر کی طرف حج کو آئیں۔ لیکن خدائے بزرگ برتر نے اس کی کوششوں کو بار آور نہ ہونے دیا۔ کوئی شخص ہجر کی طرف مائل نہ ہوا۔ تو تحویل حج سے مایوس ہو گیا۔ خلیفہ وقت مقتدر باللہ نے پچاس ہزار درم اس کے عوض میں پیش کئے تھے۔ لیکن ابو طاہر نے دینے سے انکار کیا تھا۔ آخر جب دیکھا کہ اس سے کوئی مطلب براری نہ ہوئی۔ تو خلیفہ مطیع اللہ کے عہد خلافت میں تیس ہزار دینار لے کر واپس کر دیا۔ اور بعض روایتوں میں لکھا یہ ہے کہ انہوں نے کچھ نہ لیا۔ بلکہ کہنے لگے کہ ہم نے اسے خدا ہی کے لئے لیا اور خدا ہی کے نام پر واپس کرتے ہیں۔ شبیر بن حسین قرمطی سہ شنبہ ۱۰ محرم ۳۳۹ھ کو حجر اسود لے کر مکہ معظمہ پہنچا اور کعبہ معلیٰ میں پھر اپنی جگہ پر نصب کیا گیا۔ اب اس کے گرد چاندی کا حلقہ جس کا وزن تین ہزار سات سو ستتر (نصف درم، قریباً چودہ سیر) تھا چڑھا دیا گیا۔ حجر اسود قرامطہ کے قبضہ میں چار روز کم بائیس سال رہا۔ کہتے ہیں کہ جب قرامطہ حجر اسود لے گئے تو ہجر تک پہنچتے پہنچتے چالیس اونٹ اس کے نیچے دب کر مر گئے اور جب واپس لائے تو ایک ہی اونٹ نے مکہ معظمہ تک پہنچا دیا۔

ابوطاہر اس واقعہ کے بعد مرض چیچک میں مبتلا ہوا۔ اس مرض نے اس کا ایسا برا حال کر دیا کہ جسم ریزہ ریزہ ہو گیا۔ آخر گٹھڑ کے گٹھڑ گناہ لے کر بصد حسرت دانددہ اپنے اصلی مستقر کو چلا گیا۔

(الکامل فی التاریخ ج ۷ ص ۱۷،۱۵۴،۲۲۳، تاریخ ابن خلدون عربی ج ۴ ص ۳۷۶،۳۷۸)

تحفظ مذہب کے لئے تلوار کی اہمیت

ابوطاہر اور اس کے پیشرو اور پس رو باطنی وقرمطی دشمنان دین نے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف جس شقاوت وسیاہ دلی کا ثبوت دیا۔ اس کی یاد ایک مومن قانت کا کلیجہ پاش پاش کر دیتی ہے۔ یہ دردناک واقعات ان حقیقت ناآشنا افراد کی آنکھیں کھول دیں گے۔ جو مذہب کے تحفظ وبقا کے لئے سیاسی قوت کو غیر ضروری خیال کرتے ہیں۔ چونکہ خلافت اسلامیہ کے بازو کمزور ہو رہے تھے اور اس وقت تک کوئی اور پرشکوہ اسلامی سلطنت بھی عالم وجود میں نہ آئی تھی جو ابوطاہر اور اس قماش کے دوسرے اعدائے ملت کو کیفر کردار تک پہنچا سکتی۔ اس لئے اسلام کا مرکز ومحور بھی اعداء کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکا اور دین کی بنیادیں ہل گئیں۔ شریعت اور سلطنت کا تعلق دراصل روح اور قالب کا تعلق ہے۔ ان کے انفکاک کی صورت میں دونوں کا وہی حال ہوتا ہے جو وجود انسانی کا روح وقالب کے انفکاک سے متصور ہے۔ مذہب نام ہے مجموعہ قوانین کا اور یہ مجموعہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا۔ جب تک انسانی ضروریات کے سب اسباب اس میں شامل نہ ہوں۔ ان کا اجتماع ہوتا ہے تو حکومت اور سلطنت کی شکل پیدا ہوتی ہے۔ سلطنت کے بازو تلوار سے قوت پکڑتے ہیں اور تلوار قانون مذہب کی حفاظت اور اس کے اجراء کا حق ادا کرتی ہے۔ کامل اور مکمل مذہب کے ہمیشہ دو رنگ ہوتے ہیں۔ ظاہر اس کا سلطنت ہے اور باطن اس کا روحانیت۔ اس کا ایک پہلو دنیا ہے اور دوسرا دین۔ ابنائے تعلیم جدید کا گمان ہے کہ مذہب اور سیاست دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ لیکن ایسا خیال سخت جہالت ہے۔ باوجودیکہ آج یورپ اس امر کا مدعی ہے کہ اس نے سلطنت کو مذہب کی بندش سے نکال لیا۔ لیکن کیا دول یورپ عیسائیت کے علو کے متمنی نہیں ہیں؟۔ کیا تہذیب وتمدن کو مسیحیت کا مترادف قرار نہیں دیا گیا؟۔ کیا پادری لوگ مسیحی شریعت کی ترویج کے لئے دنیا کے مختلف حصوں میں جاتے ہیں تو ان کے پیچھے مسیحی تعلیم کی تشریح کے لئے توپوں اور بمبار طیاروں کا خوفناک سلسلہ نہیں بندھ جاتا؟۔ کیا مسیحیت کے پیغام صلح کی تفسیر آگ کی روشنائی اور تپتے ہوئے گولوں کے قلم سے ہلاکت وبربادی کے حروف میں صفحہ عالم پر نہیں لکھی جاتی؟۔ کیا آج دنیا کو تعلیم مسیح کا پیام سترہ سترہ انچ دہانہ کی توپوں کی زبان سے نہیں مل رہا ہے جو ۳۱،۳۱ من کے گولے پھینکتی ہیں؟۔ اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہے تو اس حقیقت

کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ شعائر اللہ کا تحفظ بدون کسی زبردست سلطنت کی عون و نصرت کے محال ہے۔ یورپ کا مفتون امن کے پیچھے لٹھ لئے پھرتا ہے۔ لیکن اتنا نہیں جانتا کہ امن کہتے کسے ہیں؟۔ اس کی تو عمارت ہی کشت و خون کی بنیادوں پر قائم ہوتی ہے جس کے مصالحہ کی تیاری میں لاکھوں گردنیں کٹ جاتی ہیں۔ ہزار ہا خاندان تہس نہس ہو جاتے ہیں۔ دشمن ہر وقت موقع کی تاک میں لگا رہتا ہے۔ موقع ہاتھ آنے سے پہلے اس کا سر نہ کچل دیا جائے تو اپنی جان و مال عزت و ناموس کی خیر نہیں۔ فتنہ کو زور پکڑنے سے پہلے ہی دبا دینا عقلمندی ہے۔ جاہل اس کو تعدی سمجھتا ہے۔ لیکن یہ تحفظ کی لازمی شرط ہے۔ اگر قرمطی اور باطنی اشقیاء کو بڑھنے اور پنپنے کا موقع نہ دیا جاتا اور اس فتنہ کو نشوونما سے پہلے ہی پامال کر دیا جاتا تو مسلمانوں کو عموماً اور سلاطین اسلام کو خصوصاً ان زہرہ گداز حوادث سے سابقہ نہ پڑتا۔ جن میں ان کو ناچار گذرنا پڑا۔

باب ۳۰ ...... حامیم بن من اللہ محکسی

۳۱۳ھ میں ابو محمد حامیم بن من اللہ محکسی نے سرزمین ریف واقع ملک مغرب میں دعویٰ نبوت کیا اور اپنی فریب کاریوں کا جال پھیلا کر ہزار ہا زود اعتقادی بربری عوام کو اپنا پیرو بنا لیا۔ اس نے اپنے پیروؤں کے لئے ایک نیا آئین جاری کیا جو اسلامی شریعت سے بہت کچھ بعد رکھتا تھا۔ صرف دو نمازوں کا حکم دیا۔ پہلی طلوع آفتاب کے وقت اور دوسری غروب کی ساعت میں پڑھی جاتی تھی۔ اس نے ماہ رمضان کے روزے اڑا دیئے۔ ان کی جگہ رمضان کے آخری عشرے کے تین، شوال کے دو اور ہر بدھ اور جمعرات کو دوپہر تک کا روزہ متعین کیا۔ جو شخص اس آئین کی خلاف ورزی کرتا۔ اس سے چھ راس مویشی کفارہ یا تاوان وصول کر کے بیت المال میں داخل کیا جاتا۔ اس نے اپنی امت سے حج، زکوٰۃ اور وضو ساقط کر دیا۔ خنزیر کو حلال بتایا اور مچھلی حلال کی۔ لیکن بدیں شرط کہ اس کے خانہ ساز شرعی طریقہ سے ذبح کی گئی ہو۔ تمام حلال جانوروں کے سر اور انڈے کھانے کی مخالفت کی۔ چنانچہ اور علاقہ کے بربر قبائل آج تک انڈوں کو حرام سمجھ کر ان سے احتراز کرتے ہیں۔ اس کی پھوپھی جس کا نام تجیت یا تابعیت تھا۔ کاہنہ اور ساحرہ تھی۔ یہ بھی نبیہ متصور ہوتی تھی اور اس کا نام نمازوں میں لیا جاتا تھا۔ اسی طرح اس کی بہن دوجوع نام بھی کاہنہ اور ساحرہ تھی۔ خانہ ساز نبوت کے درجہ پر فائز تھی۔ اس نے اپنے پیروؤں کی رہنمائی کے لئے بربری زبان میں ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ جسے کلام الٰہی کی حیثیت سے پیش کیا کرتا تھا۔ اس کتاب کے جو الفاظ نماز میں پڑھے جاتے تھے ان کا نمونہ ملاحظہ ہو:

''اے وہ جو آنکھوں سے پنہاں ہے مجھے گناہوں سے پاک کر دے۔ اے وہ جس نے موسیٰ (علیہ السلام) کو دریا سے صحیح وسلامت پار کر دیا۔ میں حامیم پر اور اس کے باپ ابو خلف من اللہ پر ایمان لایا ہوں۔ میرا سر اور میری عقل میرا سینہ اور میرا خون اور میرا گوشت و پوست سب ایمان لائے ہیں۔ میں حامیم کی پھوپھی تابعیت پر بھی جو ابو خلف من اللہ کی بہن ہے ایمان لایا ہوں۔''

حامیم کے پیرو امساک باران کے وقت اور ایام قحط میں حامیم کی پھوپھی اور اس کی بہن کے توسل سے دعا مانگتے تھے۔ حامیم ایک لڑائی میں مارا گیا جو ۳۱۹ھ یا ۳۲۹ھ میں تبخیر کے پاس احواز میں قبیلہ مصمودہ سے ہوئی۔ لیکن جو مذہب وہ قائم کر گیا۔ وہ ایک زمانہ دراز تک عبرت کدہ عالم میں موجود رہا۔ حامیم ہی کے خاندان مین عاصم بن جمیل بھی ایک جھوٹا نبی گذرا ہے۔ اس کے حالات غیر ضروری سمجھ کر قلم انداز کر دیئے گئے ہیں۔

باب ۳۱ ...... محمد بن علی شلغمانی

ابو جعفر محمد بن علی معروف بہ ابن ابی العزاقر، شلغمان کا رہنے والا تھا جو واسط کے مضافات میں ایک گاؤں ہے۔ خدائی کا مدعی تھا۔ ابتداء میں شیعہ امامیہ کے فقہائے اکابر میں شمار کیا جاتا تھا اور اس کے مذہب کے اصول پر کتابیں لکھی تھیں۔ لیکن جب ابو القاسم حسین بن روح سے جس کو شیعہ لوگ اس خیال سے باب کہتے تھے کہ وہ امام محمد بن حسن عسکریؒ کی طرف سے ان کی غیبوبیت صغریٰ کے زمانہ میں وکیل تھا۔ اس کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تو اس نے خود امام مختفی کے ''باب'' ہونے کا دعویٰ کیا اور شیعوں میں ایک ایسا مذہب و مسلک پیدا کیا۔ جس کی بنیادیں انتہائی غلو اور تناسخ وحلول ذات باری کی سطح پر قائم تھیں۔ شیعیت سے ترقی کرنے کے بعد اس نے یہ عقیدہ اختیار کیا کہ اللہ عزوجل کی روح آدم علیہ السلام کے جسد میں حلول کر گئی اور ان کے بعد شیث علیہ السلام کے جسم میں داخل ہوئی۔ اسی طرح ایک ایک کر کے انبیاء واوصیا اور آئمہ کے جسموں میں حلول کرتی رہی۔ یہاں تک کہ اس نے حسن بن علی عسکری کے جسم میں حلول کیا۔ ان کے بعد خود اس میں حلول کر گئی۔ ۳۴۰ھ میں شلغمانی بغداد آیا۔ اس وقت خلیفہ قاہر باللہ آل عباس کے تخت خلافت پر متمکن تھا۔ شلغمانی کہتا تھا کہ میں ہی ظاہر و باطن اول وآخر اور قدیم ہوں۔ رزاق اور تام ہوں اور تام سے مراد وہ ذات ہے جو ہر صفت سے موصوف ہو سکے۔

سابق وزیر اعظم کو شلغمانی ربوبیت کا اعتراف

بغداد کے ہزار ہا آدمی اس کے گرویدہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ کئی ایک ذی اقتدار اور صاحب اثر افراد بھی اس کی ربوبیت کا اقرار کر لیا۔ جن میں حسن بن قاسم جیسا زیرک و فرزانہ روزگار مدبر بھی جو اس سے پیشتر خلیفہ مقتدر باللہ کا وزیر اعظم رہ چکا تھا داخل تھا۔ اسی طرح بسطام کے دونوں بیٹے ابو جعفر اور ابو علی جو امرائے بغداد میں سے تھے وہ بھی (معاذ اللہ) اس کی خدائی پر ایمان لے آئے۔ مگر کسی دور دست مقام پر یا کسی نصرانی حکومت کے زیر حکومت رہ کر خدائی کا یہ جال پھیلاتا تو اس سے کچھ تعرض نہ کیا جاتا اور مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح اسے یہ کہنے کا موقع ملتا کہ چونکہ تیئیس سال کی طویل مدت سے بلا مزاحمت اپنے دعویٰ خدائی پر قائم ہوں۔ اس لئے سچا خدا ہوں۔ مگر اسلامی سلطنت بالخصوص دار الخلافہ میں اس کی خدائی دیرپا نہیں رہ سکتی تھی۔ جب شلغمانی کا فتنہ حد سے بڑھ چلا اور لوگ جوق در جوق اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے لگے تو حکومت کو اس کی طرف سے تردد لاحق ہوا۔ خاقانی وزیر اعظم نے اس کے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر شلغمانی کو اس کی اطلاع ہو گئی اور وہ بغداد میں روپوش ہو کر خاموشی کے ساتھ موصل چلا گیا۔ حکومت نے دیکھا کہ یہ فتنہ اب دب دبا گیا ہے۔ اس کی گرفتاری کا کچھ اہتمام نہ کیا۔ لیکن ڈیڑھ دو سال کے بعد اس نے پھر بغداد میں آ کر سر اٹھایا۔ خلیفہ الراضی باللہ نے جو اسی سال خلافت عباسیہ کی مسند پر رونق افروز ہوا تھا۔ اس کی گرفتاری کا مؤکد حکم جاری کر دیا۔ اس وقت ابن مقلہ وزیر اعظم تھا۔ اس نے بیدار مغزی اور حکمت عملی سے کام لے کر اس نئے "پروردگار عالم" کو گرفتار کر لیا اور قید خانے میں ڈال دیا۔ اس کے گھر کی تلاشی لی گئی تو اس کے مومنین و معتقدین کے بہت سے خطوط اور رقعات برآمد ہوئے۔ جن میں شلغمانی کو ایسے القاب سے یاد کیا تھا۔ جن کا اطلاق و استعمال بجز ذات رب العالمین کے بشر خاکی کی نسبت ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ ابن مقلہ نے علماء کو جمع کیا اور شلغمانی کے سامنے وہ خطوط پیش کئے۔ اس نے تسلیم کیا کہ یہ تمام خطوط میرے ہی نام پر بھیجے گئے تھے۔ لیکن تقیہ کر کے کہنے لگا کہ میں بالکل بے قصور ہوں۔ میرے عقیدے وہی ہیں جو دوسرے شیعوں کے ہیں۔ میں نے اپنی زبان سے یہ بات کبھی نہیں کہی کہ میں معبود اور رب العالمین ہوں اور ان لوگوں نے جو میری نسبت ایسے تعریفی الفاظ استعمال کئے تو یہ ان کی غلطی ہے۔ دوسروں کی غلطی کا الزام مجھ کو نہیں دیا جا سکتا۔ انہی خطوط کی بنا پر اس کے دو معتقد بھی گرفتار کئے گئے۔ جو بغداد کے معززین میں سے تھے۔ ایک ابن ابی عون اور دوسرا ابن عبدوس۔

شلغمانی اور اس کے غاشیہ بردار دربار خلافت میں

اب یہ دونوں غاشیہ بردار اور خود شلغمانی، خلیفہ راضی باللہ کے دربار میں پیش کیے گئے۔ خلیفہ نے ان دونوں مریدوں کو حکم دیا کہ اگر تم شلغمانی سے اپنی براءۃ ظاہر کرتے ہو تو دونوں زور سے اس کے منہ پر تھپڑ مارو۔ پہلے تو اس حکم کی تعمیل سے گریزاں رہے۔ لیکن جب مجبور کیے گئے تو جبراً وقہراً آمادہ ہوئے۔ ابن عبدوس نے ہاتھ بڑھا کر تھپڑ مار دیا۔ مگر ابی عون نے جیسے ہی ہاتھ بڑھایا اس کا ہاتھ کانپ گیا اور ساتھ ہی دلی عقیدت کا جوجوش ہوا تو بڑھ کر شلغمانی کے سر اور داڑھی کا بوسہ لیا اور بے اختیار اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا: الٰہی! وسیدی ورازقی! (اے میرے معبود! میرے سردار اور میرے رازق) اب کیا تھا خلیفہ کو ایک حجت وبرہان ہاتھ آ گئی۔ بولا تم تو کہتے تھے کہ مجھے دعویٰ الوہیت نہیں تو اس شخص نے تجھے ایسے الفاظ سے کیوں مخاطب کیا؟۔ اس نے جواب دیا کہ قرآن میں ہے۔ ولا تزر وازرة وزر اخریٰ! (حق تعالیٰ ایک گناہ کا مواخذہ دوسرے سے نہیں کرتا) میں نے اپنی زبان سے یہ بات کبھی نہیں کہی کہ میں معبود اور رب الارباب ہوں۔ اس پر ابن عبدوس جس نے تھپڑ مارا تھا۔ بولا۔ ہاں یہ الوہیت کے مدعی نہیں۔ ان کا تو یہ دعویٰ ہے کہ امام منتظر کے باب ہیں اور ابن روح کی جگہ پر ہیں۔ لیکن اس امر کی متعدد قابل وثوق شہادتیں پیش ہوئیں کہ ماخوذین کا انکار محض دفع الوقتی اور خوف قتل پر مبنی ہے۔ ورنہ شلغمانی بالقطع خدائی کا مدعی ہے اور یہ کہ جب کبھی اس کے پیرووں نے اسے ذات خداوندی سے متصف ومخاطب کیا ہے۔ اس سے اس نے انکار نہیں کیا۔ بااین ہمہ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کے خیالات وعقائد کی مزید تفتیش کی جائے۔ آخر معلوم ہوا کہ اس شخص نے ایک نیا دین اور نیا آئین بنا کر لوگوں کی متاع دین وایمان پر بری طرح ڈاکہ ڈالا ہے۔

مشرکانہ وملحدانہ اصول وعقاید

اس کے دین کا پہلا اصول یہ تھا کہ شلغمانی ہی وہ الٰہ الٰہیت ہے جو حق کو ثابت کرتا ہے۔ وہی جس کی جانب الفاظ اول، قدیم، ظاہر، باطن، سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق یہ اعتقاد نہ تھا کہ وہ ہر چیز میں اس کے ظرف وتحمل کے بموجب حلول کرتا ہے اور جب کسی پیکر ناسوتی میں داخل ہوتا ہے تو اس سے ایسی قدرت اور ایسے معجزات ظاہر ہوتے ہیں جو اس کے خدا ہونے کی دلیل ہوتے ہیں۔ دوسرا مسئلہ الٰہی یہ تھا کہ اس نے ہر چیز کے لئے ایک ضد اس بنا پر ظاہر کی جس کی ضد ہے وہ ثابت ہو جائے۔ پس ضد ہی ہر حق کی دلیل ہے۔ اور دلیل حق خود حق سے افضل وبرتر ہوتی ہے۔ ہر چیز کے ساتھ جو چیزیں موافق ومشابہ ہوتی ہیں۔ بمقابلہ ان کے اس

چیز کی ضد اس سے زیادہ قریب ہوتی ہے اسی کا مظہر یہ ہے کہ جب رب العالمین نے ابوالبشر آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی تو جس طرح وہ خود آدم میں حلول کر کے نمایاں ہوا۔ اسی طرح آدم کے ابلیس یعنی ان کی ضد میں حلول کر کے بھی خود نمودار ہوا اور گو بہ ظاہر دونوں ایک دوسرے کے خلاف نظر آتے تھے۔ مگر دراصل دونوں پیکروں میں خود وہی تھا۔ پھر جب آدم (علیہ السلام) صفحہ ہستی سے غائب ہو گئے تو لاہوت (خدائے برتر) متفرق و منتشر ہو کر پانچ ناسوتیوں میں جدا جدا ظاہر ہوا اور اسی طرح ابلیس پانچ ابلیسوں میں سٹ گیا۔ اب لاہوتیت ادریس علیہ السلام کے پیکر میں جمع ہو گئی۔ یعنی مکمل خدا نے ادریس علیہ السلام میں حلول کیا۔ اس طرح وہ ضد بھی پانچ ابلیسوں میں سٹ کر ادریس علیہ السلام کی ضد یعنی ان کے مخالف و معاصر ابلیس میں مجتمع ہو گئی۔ ادریس علیہ السلام اور ان کے معاصر ابلیس کے بعد پھر الوہیت دونوں ضدوں کی حیثیت سے ناسوتیوں اور ابلیسیوں میں منتشر ہوئی اور چند روز بعد نوح علیہ السلام اور ان کے معاصر ابلیس میں جمع ہوئی پھر منتشر ہوئی۔ چند روز کے بعد ہود علیہ السلام اور ان کے ضد ابلیس میں جمع ہوئی۔ اس کے بعد حسب معمول منتشر ہو کر صالح اور ان کے ابلیس یعنی عاقر ناقہ میں جمع ہوئی۔ بعد ازاں چند روز منتشر رہ کر ابراہیم علیہ السلام اوران کے ابلیس (نمرود) میں جمع ہوئی۔ پھر منتشر ہو کر ہارون اور ان کے معاصر ابلیس (فرعون) میں جمع ہوئی۔ اب لاہوتیت داود علیہ السلام اور ان کے ابلیس جالوت میں جمع ہوئی۔ اس کے بعد جو منتشر ہوئی تو اس نے سلیمان علیہ السلام اور ان کے ابلیس کے پیکروں کو حلول ہونے کے لئے منتخب کیا۔ اس کے بعد منتشر ہو کر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ابلیس میں مجتمعاً ظاہر ہوئی۔ عیسیٰ کے بعد وہ حواریوں میں تقسیم ہو گئی اور چند روز گزار کر حضرت علی مرتضیٰؓ اور ان کے معاصر ابلیس میں نمودار ہوئی۔ اور اب وہی الوہیت خود شلغمانی اور اس کے معاصر ابلیس میں نمایاں ہے۔ شلغمانی کی یہ بھی تعلیم تھی کہ خدائے برتر اپنے آپ کو ہر چیز، ہر پیکر اور ہر معنی میں ظاہر کرتا ہے اور ہر دل میں جو خیالات موجزن رہتے ہیں اور یہ حالت ہوتی ہے کہ گویا آنکھوں کے سامنے ہیں۔ یہ وہی خدا ہے۔ خدا دراصل ایک معنی کا نام ہے اور لوگ جس کسی کے محتاج ہوں۔ وہ اس کا الہٰ (خدا) ہے۔ چنانچہ اس لحاظ سے ہر شخص خدا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جس سے کسی کو نفع پہنچے وہ اس کا رب ہے۔ ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ میں فلاں شخص کا رب ہوں۔ وہ میرا رب ہے۔ فلاں فلاں کا رب ہے اور فلاں میرے رب کا رب ہے۔ یہاں تک کہ ربوبیت کا سلسلہ شلغمانی تک پہنچ جاتا اور وہ دعویٰ کرتا کہ میں رب الارباب ہوں۔ کیونکہ اس کے زمانہ میں (معاذ اللہ) اس سے بڑی اور کوئی ربوبیت نہ تھی۔

بدترین رفض والحاد

شلمغانی کا بدترین رفض اور حضرت علیؓ کی محبت کا غلو یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ جناب موسیٰ کلیم اور جناب محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو (معاذ اللہ) خائن بتاتا تھا اور کہتا تھا کہ ہارون نے موسیٰ کو اور حضرت علیؓ نے جناب محمد (ﷺ) کو لوگوں کی طرف بھیجا کہ ہماری شریعت کی دعوت دو۔ مگر ان دونوں نے ان کے ساتھ خیانت کی اور لوگوں کو غرض ومفوض کی طرف بلانے کی جگہ اپنی دعوت دینی شروع کی۔ اس کے ساتھ ایک عجیب بات یہ تھی کہ شلمغانی کے نزدیک جناب امام حسنؓ اور جناب امام حسینؓ حضرت علیؓ کے فرزند نہ تھے۔ کیونکہ اس کے اعتقاد کے رو سے حضرت علی الٰہ العالمین تھے اور اس کے زعم میں جس پیکر میں ربوبیت مجتمع ہو کر نمودار ہوتی ہے۔ اس کا نہ کوئی باپ ہوتا ہے اور نہ کوئی بیٹا۔ وہ تو خدا ہے اور خدا کی شان لم یلد ولم یولد ہے۔ شلمغانی کی تعلیم کے بموجب جنت اور دوزخ کا کوئی وجود نہیں۔ بلکہ اس کے مذہب کے ماننے اور اس کی معرفت کا نام جنت تھا۔ اور اس کے مذہب سے انکار کرنے اور اس کے اصول سے جاہل رہنے والے کا نام دوزخ۔ ملائکہ سے اس کے زعم میں ہر وہ شخص مراد تھا جو عارف حق اور اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو۔ شلمغانی کہتا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی دوست کی مخالفت کرے اور اس سے مقابلہ کرتا رہے وہ ماجور ہے۔ کیونکہ ولی کے فضائل کا اظہار اس کے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتا کہ اس کا کوئی دشمن اس پر لعن طعن کرے۔ چنانچہ جب ولی ہدف اعتراضات بنایا جاتا ہے اور لوگ ان اعتراضوں کو سنتے ہیں تو اس کے حالات کی جستجو کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں یہی مخالفت ظہور فضائل وکمالات کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اس لئے مخالف ولی سے افضل ہے۔ اسی بنا پر وہ جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام سے فرعون کو اور حضرت سرور کائنات ﷺ سے (معاذ اللہ) ابوجہل کو اور حضرت علیؓ سے حضرت معاویہؓ کو افضل بتاتا تھا۔

شلمغانی شریعت کے شرمناک احکام

یہ تو شلمغانی کے عقاید تھے۔ اب ذرا اس کے آئین مذہب کی شان ملاحظہ ہو۔ اس کا اعتقاد تھا کہ علیؓ نے جناب محمد (ﷺ) کو رسول بنا کر کبراء قریش اور جبابرہ عرب کے پاس بھیجا۔ ان کے دل ٹیڑھے تھے۔ محمد ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ رکوع وسجود کریں۔ نماز پڑھیں۔ علیؓ نے محمد ﷺ کو اصحاب کہف کی مدت خواب یعنی ساڑھے تین سو سال تک مہلت دے دی اور اس بات کی اجازت مرحمت فرمائی کہ اتنا زمانہ تک محمد ﷺ کی شریعت ہی پر عمل کیا جائے۔ لیکن اس مدت کے گزرتے ہی ان کی شریعت مسترد ہو جائے گی اور اس کی جگہ نئی شریعت عرصہ وجود میں آئے گی۔

مگر ساڑھے تین سو سال کی مدت کے پورے ہونے میں ابھی اٹھائیس سال باقی تھے کہ دربار خلافت نے الوہیت کا وہ سارا کھیل ہی بگاڑ دیا جو شلغمانی صاحب کے پیکر ناسوت میں سے عجیب وغریب قسم کی ابلیسی صدائیں بلند کر رہی تھی۔ شلغمانی کے مسائل شریعت یہ تھے کہ غسل جنابت اور نماز روزہ بالکل چھوڑ دیا جائے۔ یہ تکلیف محمد ﷺ نے عربوں کو ان دنوں دی تھی۔ لیکن عہد حاضر میں اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ موجودہ دور میں تو یہ تکلیف لوگوں کے مناسب حال ہے کہ اغیار کو اپنی بیوی سے ہم بستر ہوتے دیکھیں اور غصہ نہ آئے۔ چنانچہ عورتیں مطلقاً ہر شخص کے لئے حلال طیب ہیں۔ بندے پر اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اس کے لئے دو لذتیں جمع کر دیں۔ پس ہر انسان اپنے ذوی الارحام اور محرمات ابدیہ تک کے ساتھ مقاربت کر سکتا ہے۔ بلکہ اہل حق (شلغمانی کے پیروؤں) کو چاہیے کہ ہر شخص جو دوسرے سے افضل ہو اپنے سے کم درجہ والوں کی عورتوں سے حسبۃً للہ مقاربت کرے۔ تاکہ ان میں اپنا نور پہنچائے اور جو کوئی اس سے انکار کرے گا۔ وہ کسی آئندہ زندگی میں عورت کے پیکر میں پیدا کیا جائے گا۔ شلغمانی نے اس شرمناک موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کا نام کتاب الحساسہ السادسہ رکھا تھا۔ غرض شلغمانی شہوت پرستی کے رواج دینے میں اپنے کسی پیش رو سے کم نہیں تھا۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس آئین کے رائج کرنے میں اس نے مزدک کے بھی کان کاٹ لئے تھے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس ناہنجار نے فعل خلاف وضع یعنی عمل قوم لوط کو بھی جائز کر رکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوگا کہ یہ شخص محض زندیق ہی نہیں تھا بلکہ اوّل درجہ کا شہوت پرست اور بدمعاش بھی تھا۔ جس کا نصب العین یہ تھا کہ دنیا شہوت پرستی، زناکاری اور اغلام بازی کا گہوارہ بن جائے۔ گو حضرت علیؓ خود بھی ابن ابی طالب تھے۔ لیکن اس لحاظ سے کہ آل ابوطالب میں سے اکثر نے امامت کے دعویٰ کئے تھے۔ شلغمانی کے نزدیک تمام طالبیوں اور عباسیوں کا قتل کرنا موجب ثواب تھا۔ خلاصہ یہ کہ اس شخص نے دین اسلام اور خلافت آل عباس کے استیصال کے لئے بارود بچھانے میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

شلغمانی کا قتل

شلغمانی اور اس کے اخص پیروؤں کے مقدمہ کی تحقیقات خاص خلیفہ باللہ کے دربار میں ہوا کرتی تھی۔ ان صحبتوں میں فقہاء وقضاۃ کے علاوہ بعض سپہ سالار بھی شریک ہوتے تھے۔ آخر فقہا نے فتویٰ دے دیا کہ شلغمانی اور اس کا رفیق ابن ابی عون مباح الدم ہیں اور ان کی فرد قرارداد جرم میں برأت کا کوئی پہلو نہیں نکل سکتا۔ چنانچہ شلغمانی اور ابی عون بروز سہ شنبہ ۲ ذی قعدہ

۳۲۲ھ کو مصلوب کیئے گئے۔ جب صلیب پر دونوں کی زندگی کا خاتمہ ہو چکا تو لاشیں اتار کر جلا دی گئیں۔ ان کے پیرو بجائے اس کے کہ اٹھائیس سال گذرنے کے بعد اس دن کا جلوہ دیکھیں جس دن (معاذ اللہ) شریعت مصطفوی علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام کو مٹانے کا شلغمانی خواب پورا ہوتا اور اس کی جگہ شلغمانی شریعت جاری ہوتی۔ بھاگ بھاگ کر منہ چھپانے لگے۔ لیکن باوجود اس کے ان کے یقین واذعان میں کوئی فرق نہ آیا۔ شلغمانی کے مصلوب ہوتے وقت اس کا معزز تبع حسن بن قاسم سابق وزیر اعظم شہر رقہ میں تھا۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم بھیج دیا اور اس کا سر عبرت روز گار بننے کے لئے بغداد لایا گیا۔ ابن ابی عون جس نے تھپڑ مارنے کے عوض شلغمانی کی داڑھی چوم کر اس کو اپنا خالق اور رازق بتایا تھا۔ بہت بڑا ادیب اور بلند پایہ مصنف تھا۔ کتاب النواحی والبلدان، کتاب الجوابات المسکتہ، کتاب التشبیہات، کتاب بیت مال السرور، کتاب الدواوین۔ کتاب الرسائل اس کی مشہور تصنیفیں ہیں۔ (الکامل فی التاریخ ج ۷ ص ۱۰۳، ۱۰۵، معجم الادباء لیاقوت حموی مطبوعہ لندن ص ۲۹۶، ابن خلدون ج ۱ ص ۱۹۰)

باب ۳۲ ...... عبدالعزیز باسندی

عبدالعزیز موضع باسند علاقہ صغانیان کا رہنے والا تھا۔ اس نے ۳۲۲ھ میں دعویٰ نبوت کر کے ایک پہاڑی مقام میں دام تزویر بچھایا۔ یہ شخص بڑا شعبدہ باز تھا۔ پانی کے حوض میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالتا تو مٹھی سرخ دیناروں سے بھری ہوتی تھی۔ اس قسم کی شعبدہ بازیوں اور نظر بندیوں نے ہزار ہا تہی دستان قسمت کے ایمان کو متلاطم کر دیا۔ لوگ پروانہ وار اس کی طرف دوڑے اور اس کی خاک پا کو سرمہ چشم بنانے لگے۔ علمائے امت صدائے انا لہ لحافظون کے بموجب لبیک کو دوڑے اور گم کردگان راہ میں سے ان لوگوں کو جو صحیح الدماغ اور سلیم الفطرت واقع ہوئے تھے گرداب ہلاک سے باہر نکال لائے۔ لیکن جو لوگ شقی القلب اور دلدادگان زیغ وضلال تھے۔ وہ قبول ہدایت کے بجائے الٹا علمائے حق کو اسی طرح گالیاں دینے لگے جس طرح آج کل کے مرزائی حاملین شریعت اور دوسرے ارباب صدق وصفا کے خلاف زبان طعن وتشنیع دراز کیا کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضرت مخبر صادق ﷺ نے ان نفس پرست علمائے مکروخدیعہ کو ''شر تحت ادیم السماء'' (زیر گردوں بدترین مخلوق) قرار دیا ہے۔ جو مرزائی مولویوں کی طرح دنیا کی خاطر لوگوں کے دین وایمان پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ مرزائی علما سوء نے دسٹرکٹ جج بہاولپور کی عدالت میں بھی حسب معتاد ان علمائے حق کی شان میں دریدہ دہنی کی۔ جنہوں نے ان

کے مقتداء مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر و ارتداد کی شہادت دی تھی اور الٹا ان وابستگان اسوہ محمدی ﷺ کو شر تحت ادیم اسماء بتایا۔ اس کے متعلق ڈسٹرکٹ جج نے اپنے فیصلہ مقدمہ میں کیا خوب لکھا کہ گواہان مدعیہ (علمائے اہل سنت و جماعت) پر مدعا علیہ (مرزائی) کی طرف سے کنایۃً اور بھی کئی ذاتی حملے کئے گئے ہیں۔ مثلاً انہیں علماء سو کہا اور یہ بھی کہا کہ رسول ﷺ نے خود ہی ایسے مولویوں کو جو ذریۃ البغایا میں مخاطب ہیں بندر اور سور کا لقب دیا ہے اور دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ وہ آسمان کے نیچے سب سے بدتر مخلوق ہوں گے۔ لیکن ملاحظہ مسل سے ہر عقلمند آدمی اندازہ لگا سکتا ہے کہ طرفین کے علماء میں ان احادیث کا صحیح مصداق کون ہے؟۔

(فیصلہ مقدمہ بہاولپور ص ۱۴۲)

باسندی کی صدائے دعوت اس نظام اور بلند آہنگی سے اٹھی کہ اہل شاش اور بہت سے دوسرے لوگوں نے متابعت اختیار کر کے اپنی قسمت اس کے ساتھ وابستہ کر دی۔ اب اس نے ان اہل حق کے خلاف ستیزہ کاری شروع کر دی جو اس کو نبی نہ تسلیم کرتے تھے۔ ہزارہا مسلمان اس کی ظلم رانی کے قتیل ہو کر روضہ رضوان کو چلے گئے۔ جب حکومت کو اس کی فتنہ جوئیوں اور اس کی روز افزوں جمعیت کی طرف سے خطرہ پیدا ہو چلا تو وہاں کے حاکم ابو علی بن محمد بن مظفر نے اس کی سرکوبی کے لئے ایک جیش روانہ کیا۔ باسندی بلند پہاڑ پر چڑھ کر متحصن ہو گیا۔ لشکر اسلام نے محاصرہ ڈال دیا۔ کچھ مدت کے بعد جب سامان رسد اختتام کو پہنچ گیا تو محصورین کی حالت دن بدن ابتر ہونے لگی اور طاقت جسمانی جواب دے بیٹھی۔ آخر لشکر اسلام پہاڑ پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور طاغوتیوں کو مار مار کر ان کے دھوئیں بکھیر دیئے۔ باسندی کے ہزارہا پیرو نذر اجل ہو گئے۔ خود باسندہ بھی قعر ہلاکت میں پہنچ گیا۔ اسلامی سپہ سالار نے اس کا سر کاٹ کر ابو علی کے پاس بھیج دیا۔ یہ شخص کہا کرتا تھا کہ مرنے کے بعد میں لوٹ کر دنیا میں آؤں گا۔ مدت طویل تک اس کے پیرو مرزائیوں کی طرح اسلام کے شارع عام سے الگ رہ کر کوچہ ضلالت میں سرگشتہ و حیران رہے۔ آخر آہستہ آہستہ اسلام میں مدغم ہو گئے اور یہ فرقہ صفحہ ہستی سے بالکل نابود ہو گیا۔

(الکامل فی التاریخ ج ۷ ص ۱۰۲)

باب ۳۳ ...... ابو الطیب احمد بن حسین متنبی

ابو الطیب احمد بن حسین اوائل ریعان سے مدعی نبوت تھا۔ ۳۰۳ھ میں کوفہ کے محلہ کندہ میں پیدا ہوا۔ ابوالحسن علی علوی کا بیان ہے کہ ابو الطیب کا باپ سقہ تھا جو عیدان کے لقب سے

مشہور تھا۔ وہ ہمارے محلّہ والوں کا پانی بھرا کرتا تھا۔ اسی بنا پر کسی شاعر نے متنبی کی ہجو میں کہا ہے:

ای فضل الشاعر بطلب الفضل
من الناس بکرۃ و عشیا
عاش حینا یبیع بالکوفۃ الما
وحینا یبیع ماء المحیا

البتہ متنبی کی داوی صحیحۃ النسب ہمدانیہ تھی۔ وہ ہماری ہمسایہ اور کوفہ کی صالحات میں سے تھی۔ متنبی اپنے نسب کو چھپانے کی کوشش کرتا تھا اور جب کبھی اس نے نسب کے متعلق سوال ہوتا تو کہہ دیتا کہ بھئی! میں ایک اخبط القبائل شخص ہوں اور اس سے مامون نہیں ہوں کہ کوئی شخص میری جانستانی کا قصد کرے۔ (سراج العیون ص ۳۰ تاریخ ابن خلکان جلد اول ص ۳۵) لیکن جب اسے قبیلہ کلب میں جا کر کچھ مدت رہنے کا اتفاق ہوا تو ان دنوں وہ علوی (امیر المومنین علیؓ کی اولاد) ہونے کا مدعی تھا۔ (طبقات الادباء ص ۳۶۹) ابوالطیب آغاز شباب میں وطن مالوف کو الوداع کہہ کر شام چلا آیا اور فنون ادب میں مشغول رہ کر درجہ کمال کو پہنچا۔ اسے لغات عرب پر غیر معمولی عبور تھا۔ بالکل متروک اور غیر مانوس لغات بھی از بر تھے۔ جب کبھی اس سے لغات کے متعلق کوئی سوال کیا جاتا تو نظم و نثر میں کلام عرب کی بھر مار کر دیتا۔ چنانچہ شیخ ابوعلی فارسی صاحب الایضاح والتکملہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اس سے دریافت کیا کہ فعلےٰ کے وزن پر کتنی جمعیں آتی ہیں؟ متنبی نے معاً جواب دیا کہ دو۔ حجلی اور ظربیٰ۔ شیخ ابوعلی کا بیان ہے کہ میں اس کے بعد برابر تین دن تک کتب لغت کی ورق گردانی کرتا رہا۔ مگر مجھے ان دو کے سوا اس وزن کی کوئی اور جمع نہ مل سکی۔ حجلی حجل کی جمع ہے۔ حجل عربی میں چکور کو کہتے ہیں۔ اور ظربیٰ ظربان کی جمع ہے۔ جو بلی کی قسم کے ایک سخت بدبودار جانور کا نام ہے۔ ابوالطیب شعر و سخن کا امام تھا۔ اس کا دیوان متنبی کے نام سے مشہور ہے۔ ہندوستان کے مدارس عربیہ کے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔ چونکہ یہ دیوان ہر جگہ موجود ہے۔ اس لئے ابوالطیب متنبی کے کلام کا نمونہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس کے دو شعر جو شیخ تاج الدین کندی سے مروی ہیں اور دیوان متنبی میں نہیں پائے گئے درج کئے جاتے ہیں۔ ان دو شعروں کی لطافت و غرابت ملاحظہ ہو۔ کہتا ہے:

ابعین مفتقر الیک نظرتنی
ناھنتنی وقذ فتنی من حالق

لست الملوم انا الملوم لانني
انزلت مآلی بغیر الخالق

(تاریخ ابن خلکان جلد اول ص ۳۶)

دعویٰ نبوت اور امساک باران کا معجزہ

مرزا قادیانی نے ازراہ نادانی اپنے رسالہ ''اعجاز المسیح'' کو معجزہ کی حیثیت سے پیش کر کے علمائے امت سے اس کا جواب لکھنے کا مطالبہ کیا تھا۔ اس چیلنج کے جواب میں قاضی ظفر الدین صاحب مرحوم جو ہمارے ضلع گجرانوالہ کے رہنے والے تھے اور مولانا اصغر علی صاحب روحی اور بعض دوسرے علماء نے اس سے کہیں بہتر عربی قصائد لکھ کر شائع کر دیئے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ نے دوسرے علمائے حق کی طرح کوئی قصیدہ تو نہ لکھا۔ البتہ ایک مہتم بالشان کارنامہ یہ انجام دیا کہ کتاب سیف چشتیائی میں ''اعجاز المسیح'' کے اغلاط اور مسروقات کا انبار لگا کر مرزائی عربی دانی کی دھجیاں بکھیر دیں۔ (سیف چشتیائی ص ۷۰، ۷۳) اور بدلائل ثابت کر دیا کہ مرزائی کتاب قطعاً اس قابل نہیں ہے کہ اس کا جواب لکھ کر وقت ضائع کیا جائے۔ مرزا قادیانی کے پاس پیر صاحب کے علمی اعتراضات کا تو کوئی جواب نہ تھا۔ اس لئے حسب عادت رسالہ ''نزول المسیح'' اور بعض دوسری تالیفات میں پیر صاحب کی شان میں وریدہ دہنی کر کے اپنی آتش انتقام کے منطفی کرنے کو کوشش کی۔ مرزا قادیانی نے اہل مصر پر اپنی عربی دانی کا سکہ جمانے کے لئے رسالہ ''اعجاز احمدی'' کے چند نسخے مصری جریدہ نگاروں کے پاس بھی بھجوائے تھے۔ وہ لوگ اہل زبان اور جوہر کلام کے صراف ہیں۔ ظاہر ہے کہ محاسن و معائب کلام کو ان سے بڑھ کر کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ انہوں نے مرزا قادیانی کے کلام خرافات التیام کا بری طرح مذاق اڑایا۔ مرزا ''مسیح موعود'' قادیانی نے ان کا جواب بھی گالیوں ہی سے دیا اور بدگوئی کے نشتر سے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ لئے۔ ان دلچسپ واقعات کی تفصیل انشاء اللہ العزیز کتاب ''رئیس قادیاں'' میں جو خاکسار راقم الحروف کی تالیف ہے۔ قارئین کرام کی نظر سے گزرے گی۔

ابوالطیب احمد عربی کا بے بدل شاعر اور ادب و انشاء میں سرآمد روزگار تھا۔ چنانچہ اسی شعر و سخن اور فصاحت و بلاغت نے اس کو دعویٰ نبوت کی تحریک کی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس نے مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح اپنے کلام کو معجزہ بتانے کی کبھی جرأت نہ کی۔ البتہ بارش روکنے کا ایک ٹوٹکہ جسے عربی زبان میں ''صدحۃ المطر'' کہتے ہیں۔ کہیں سے سیکھ لیا تھا۔ اسی کو ایک مرتبہ معجزہ کی حیثیت سے پیش کیا۔ ابوالطیب متنبی کے ایک پیرو ابوعبداللہ لاذقی کا بیان ہے کہ ابوالطیب

۳۲۰ھ میں جبکہ اس کا آغاز شباب تھالاذقیہ آیا۔ مجھے اس کی فصاحت و بلاغت کا علم ہوا تو میں ازراہ قدر شناسی عزت و احترام سے پیش آیا۔ جب راہ ورسم بڑھی تو ایک دن میں نے اس سے کہا کہ تم ایک لائق نوجوان ہو۔ اگر کسی جلیل القدر والئی ملک کی وزارت تمہیں تفویض ہو تو اس منصب کی عزت و شرف پر چار چاند لگ جائیں۔ بولا واہ! تم نے اچھا کیا۔ اجی وزارت کی کیا حقیقت ہے؟۔ میں تو نبی مرسل ہوں۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ شاید مذاق کر رہا ہے۔ میں نے کہا آج سے پیشتر میں نے تمہاری زبان سے ہزل و تحریت کی کوئی بات کبھی نہ سنی تھی۔ کہنے لگا نہیں واقعہ میں نبی مرسل ہوں۔ میں نے پوچھا تم کس کی طرف بھیجے گئے ہو؟۔ کہنے لگا۔ اس گمراہ امت کی طرف۔ میں نے کہا کہ تمہارا لائحہ عمل کیا ہوگا؟۔ بولا جس طرح بسیط زمین ظلم وعدوان سے مملو ہے اسی طرح اس کو عدل و انصاف سے معمور کر دوں گا۔ میں نے پوچھا حصول مقصد کی نوعیت کیا ہوگی؟۔ بولا اطاعت شعاروں کو انعام واکرام سے سرفراز کروں گا اور سرکشوں کی گردنیں اڑا دوں گا۔ میں نے کہا خوف ہے کہ اس مبادرت پر تم خود ہی قعر عدم میں نہ پہنچا دیئے جاؤ۔ یہ سن کر ابوالطیب نے فی البدیعہ یہ اشعار کہے:

ایا عبد الالہ معاذاتی
خفی عنك فی الهیجا مقامی
ذکرت جسیم مطالبی وانی
اخاطر فید بالحج الجسام
امثلی تاخذ النکبات منه
ویجزع من ملاقاة الحمام
دلوبرزالزمان الیّ شخصا
لخضب شعر مفرقه حسامی
اذاامتلات عیون الخیل منی
فویل فی التیقظ والمنام

میں نے کہا تمہارا بیان ہے کہ میں اس امت کی طرف نبی مبعوث ہوا ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم پر کوئی وحی بھی نازل ہوئی ہے؟۔ کہنے لگا بیشک۔ اس کے بعد اس نے اپنا کلام جسے وہ کلام وحی بتاتا تھا پڑھا۔ میں اس کی فصاحت و بلاغت پر عش عش کر گیا۔ میں نے کہا اب تک یہ کلام کتنا نازل ہو چکا ہے؟۔ بولا ایک سو چودہ عبرے۔ میں نے پوچھا عبرہ کتنا ہوتا ہے؟۔ بولا قرآن کی

بڑی آیت کے برابر۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ تم پر کتنی مدت میں یہ کلام نازل ہوا؟۔ کہنے لگا سب دفعتہً بھیجا گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنے کلام کا کچھ اور حصہ جس کو وہ وحی الٰہی سے تعبیر کرتا تھا سنایا۔ میں نے کہا ان عبارتوں میں یہ بھی ہے کہ آسمان تمہارا مطیع ہے۔ اس اطاعت کی حقیقت کیا ہے؟۔ کہنے لگا۔ میں فاسقوں اور سرکشوں کا رزق بند کرنے کے لئے نزول باران کو روک دیتا ہوں۔ میں نے کہا کیا واقعہ تم امساک باران پر قادر ہو؟۔ کہنے لگا ہاں فاطر السموات کی قسم! میں بارش کو روک سکتا ہوں۔ میں نے کہا اچھا مجھے کسی دن یہ کرشمہ دکھاؤ۔ اگر تم یہ دکھا سکے تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا۔ چند روز کے بعد مجھ سے کہنے لگا۔ کیا واقعتہً تمہاری خواہش ہے کہ تمہیں وہ معجزہ دکھاؤں جس کا چند روز پیشتر ذکر آیا تھا؟۔ میں نے اثبات میں اس کا جواب دیا۔ بولا اچھا میں اس غلام کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔ تم فوراً سوار ہو کر میرے پاس پہنچ جانا۔ لیکن تنہا آنا۔ چند روز کے بعد مطلع ابر آلود ہوا۔ سرما کا موسم تھا۔ اس کا غلام میرے پاس آیا اور کہنے لگا میرا آقا کہتا ہے کہ آپ حسب قرارداد جلد سوار ہو کر آ جائیے۔ میں فوراً سوار ہو کر اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ میں نے غلام سے پوچھا کہ تمہارا آقا کہاں ہے۔ بولا صحرا کی طرف گیا ہے۔ اس کے بعد غلام کہنے لگا کہ جلدی کریں تا کہ ہم وہاں پہنچ کر بارش سے محفوظ ہو جائیں۔ وہ اس وقت ٹیلے پر ہمارے انتظار میں کھڑا ہے اور بارش سے بالکل محفوظ ہے۔ میں نے پوچھا کہ تمہارے آقا نے بارش سے محفوظ رہنے کے لئے کوئی عمل کیا ہے؟۔ بولا ہاں۔ جب سیاہ بادل چاروں طرف محیط ہوئے تو ہاتھ میں ایک کوڑا لے کر کچھ پڑھتا ہوا گھر سے نکلا اور شہر سے نصف فرسنگ دور جا کر فلاں ٹیلے پر جدھر ہم جا رہے ہیں۔ چڑھا، پیچھے پیچھے میں بھی چلا گیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ہر جگہ موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ لیکن اس جگہ پر برسات کا کوئی اثر نہیں۔ ابو عبداللہ لاذقی کا بیان ہے کہ ہم دونوں اس کی طرف گئے۔ اس وقت بارش بڑے زوروں پر تھی۔ پانی میرے گھوڑے کے گھٹنوں تک چڑھ آیا تھا۔ لیکن وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ ٹیلے کے چاروں طرف سو سو گز تک بارش کا ایک قطرہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ میں نے اس کے پاس پہنچ کر سلام کیا اور کہا ہاتھ بڑھائیے۔ آپ واقعی رسول اللہ ہیں۔ ابو الطیب نے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی طرف سے اقرار نبوت کی بیعت کی۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ شام کا ہر شہر ابو الطیب کی نبوت کا قائل ہو کر حلقہ ارادات میں داخل ہو چکا ہے۔

(مقدمہ دیوان متنبی مرتبہ مولانا محمد اعزاز علی صاحب بحوالہ الصبح المنبی)

دعوی نبوت سے قطع نظر بعض نوادر اور شعبدے بھی تھے جو ابو الطیب کے ہاتھ پر ظاہر

ہوئے اور جن کی بنا پر لوگوں نے اسے متنبی کہنا شروع کیا۔ مثلاً ایک مرتبہ اس سے کہا گیا کہ یہاں ایک اونٹ ہے جو کسی کو سوار نہیں ہونے دیتا۔ اگر تم اس پر سواری کر دکھاؤ تو ہم تمہیں مرسل مان لیں گے۔ کہنے لگا بہتر۔ میں دکھادوں گا کہ کس طرح اس پر سوار ہوتا ہوں۔ چنانچہ ایک دن پیچھے سے جا کر اس پر سوار ہو لیا۔ تھوڑی دیر تو ناقہ نے شوخی اور شرارت کی۔ لیکن پھر سیدھا ہو گیا اور ابوالطیب نے اسے چاروں طرف خوب چکر دلائے۔ متنبی کے لقب سے مشہور ہونے کی یہ وجہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ابوالطیب ایک آدمی کے ساتھ کہیں جا رہا تھا۔ ایک کتا ان پر حملہ آور ہوا۔ ابوالطیب اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ ہم واپسی کے وقت اس کتے کو مرا ہوا پائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ انہوں نے مراجعت کے بعد دیکھا کہ واقعتہً وہ مرا پڑا تھا۔ (شرح العیون ۱۵،۱۶)

دعویٰ نبوت سے توبہ

بہت کم متنبی ایسے گذرے ہیں۔ جنہیں دعویٰ نبوت سے توبہ کرنے کی توفیق نصیب ہوئی ہو۔ ابوالطیب ان بلند طالع افراد میں سے تھا جنہیں جاذبہ لطف الٰہی نے دجل وزور سے تائب ہونے کی سعادت کرامت فرمائی۔ جب ابوالطیب نے ساوہ (ملک شام) میں نبوت کا دعویٰ کیا اور بنوکلب وغیرہ قبائل نے اس کی متابعت اختیار کی اور اس کی جمعیت یوماً فیوماً بڑھنے لگی تو امیر لولوٗ کی جو اخشید یہ کی طرف سے حمص کا حاکم تھا۔ اس کی طرف سے فکر پیدا ہوئی۔ اس لئے از راہ مآل اندیشی ضروری جمعیت فراہم کر کے نہایت خاموشی اور راز داری کے ساتھ اس کے سر پر جا پہنچا اور اس کو قید کر لیا۔ بنوکلب، بنوکلاب اور دوسرے قبائل اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر کنارہ کش ہو گئے۔ اس کے بعد وہ طویل عرصہ تک قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرتا رہا۔ جب اس کی زبون حالی حد سے بڑھ گئی اور صبر وثبات جواب دے بیٹھا تو قید خانہ میں ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے:

ایـــا خـــدد اللّٰه ورد الـــخـــد ود
وقـــد قـــد ود الـــحـــسان الـــقـــدود

اس قصدہ میں یہ اشعار بھی تھے:

دعـــوتك لـــمـــا بـــرا نـــى البـــلـــى
واوهـــن رجـــلـــى ثـــقـــل الـــحـــديد
وقـــدكـــان مشيهـــمـــا فـــى الـــنـــعـــال
فـــقـــد صـــارمشيهـــمـــا فـــى الـــقـــيـــود

وكـنـت مـن الـنـاس فـى مـحـفـل
فهـا انـا فـى مـحـفـل من قـرود
تـعـجـل فـى وجـوب الـحـدود
وحـدى قبـل وجـوب الـسـجـود

(میں نے تم کو اس وقت پکارا جبکہ طول مکث نے مجھے پارہ پارہ کر دیا اور میرے پاؤں بیڑیوں کے بوجھ سے مضمحل ہو گئے۔ یہ پاؤں جوتیوں میں چلا کرتے تھے۔ مگر اب انہیں بیڑیوں میں چلنا پڑتا ہے۔ میں آدمیوں کی محفل میں رہا کرتا تھا۔ لیکن اب ہر وقت بندروں کی محفل نصیب ہے۔ تو حد جاری کرنے میں عجلت کر رہا ہے۔ حالانکہ مجھ پر حد ابھی واجب نہیں ہوئی یعنی حد بالغ پر واجب ہوتی ہے اور میں طفل نابالغ ہوں۔ جس پر ہنوز نماز ہی فرض نہیں ہوئی)

ان اشعار پر امیر لولو کو رحم آ گیا اور متنبی سے کہنے لگا۔ بہتر ہے کہ تائب ہو کر قید سے رہا ہو جاؤ۔ اس نے توبہ و انابت کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا۔ آخر اس کی طرف سے ایک دستاویز لکھی گئی جس میں بیان کیا کہ میں اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹا تھا۔ نبوت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی ذات گرامی پر ختم ہو گئی۔ اب میں توبہ کر کے از سر نو اسلام کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اس وثیقہ پر متعدد سر برآوردہ لوگوں کی شہادتیں ثبت ہوئیں اور متنبی کو قید محن سے مخلصی نصیب ہوئی۔ اس شخص نے اپنا ایک قرآن بھی بنا رکھا تھا جس میں بہت سی سورتیں تھیں۔ لیکن تائب ہونے کے بعد اس کو خود ہی تلف کر دیا۔ ایک دن سیف الدولہ کی مجلس میں اس کے خانہ ساز قرآن کا ذکر آیا تو وہ اس کے وجود سے بالکل مکر گیا۔ اور صاف صاف کہہ دیا کہ مجھ پر کبھی ایک حرف بھی نازل نہیں ہوا۔ ایک مرتبہ ابن خالویہ نحوی اس سے سیف الدولہ کی مجلس میں کہنے لگا کہ بھائی ابو الطیب سخت جاہل آدمی ہے۔ ورنہ متنبی کہلانا کبھی گوارہ نہ کرتا۔ کیونکہ متنبی جھوٹے نبی کو کہتے ہیں اور جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ لوگ اسے جھوٹا کہتے رہیں۔ وہ جاہل ہے۔ ابو الطیب بولا میں تو متنبی کہے جانے پر خوش نہیں ہوں۔ جو لوگ مجھے اس لقب سے یاد کرتے ہیں۔ وہ میری توہین کی نیت سے ایسا کہتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں ایسے لوگوں کی زبان پر پہرے نہیں بٹھا سکتا؟۔

امراء کی قصیدہ خوانی

ابو الطیب نے مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح نبوت کی دکان تو کچھ کھانے کمانے اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کی خاطر کھولی تھی۔ مگر حالات نے مساعدت نہ کی۔ یہ دکانداری گلے کا ہار بن گئی اور متوقع عیش و طرب کی جگہ مجلس کا خوفناک بھوت چشم نمائی کرنے

لگا۔ اس لئے ابوالطیب نے قید سے نجات حاصل کرنے کے بعد نکبت و ادبار میں مبتلا ہونے کے باوجود اس کاروبار کو نسیاً منسیاً کر دیا اور اس کی جگہ امراء و اعیان کی مدح سرائی کر کے بسر اوقات کی ٹھان لی۔ چنانچہ مختلف امرائے شام کی ثنا و منقبت کے راگ الاپتا اور انعام و اکرام سے مالا مال ہوتا۔ ۳۳۷ھ میں حلب پہنچا اور وہاں کے حکمران امیر سیف الدولہ علی بن حمدان عدوی کی مداحی اور حاشیہ نشینی اختیار کی۔ سیف الدولہ نے اس کی بڑی قدر و منزلت کی۔ جاگیر اور خلعتوں اور متفرق ہدایا کے علاوہ تین ہزار دینار سالانہ نقد وظیفہ مقرر فرمایا۔ (دینار اس زمانہ میں چونی کے برابر ایک طلائی سکہ ہوتا تھا) ابوالطیب قریباً نو سال تک حلب رہا۔ اس مدت میں بخت رسا نے خوب یاوری کی اور شادمانی و کامرانی کی فضا برابر محیط رہی۔ لیکن اس کے بعد حالات نے پلٹا کھایا۔ ابوالطیب اور ابن خالویہ نحوی میں رشک و رقابت کے انگارے بھڑکنے لگے۔ سیف الدولہ کے دولت کدہ پر رات کے وقت علماء اور دوسرے اہل کمال کی ایک مجلس منعقد ہوا کرتی تھی۔ ابوالطیب اور ابن خالویہ میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ ابن خالویہ نے متنبی کے سر پر کنجی مار دی۔ یہ کنجی بہت بڑی ہو گی۔ کنجی نے سر پھاڑ دیا اور منہ بھی زخمی ہوا۔ ابوالطیب لہولہان ہو گیا۔ کبیدہ خاطر ہو کر حلب کو الوداع کہا اور ۳۴۶ھ میں مصر چلا آیا۔ کیونکہ کافور اخشیدی والئی مصر نے اس سے وعدہ کر رکھا تھا کہ میں تمہیں کسی جگہ کا عامل بنا دوں گا۔ یہاں کافور اخشیدی اور انوجور بن اخشید کی مدح سرائی کا مشغلہ اختیار کیا۔ جب کافور نے اس کی تعلیاں اور لن ترانیاں سنیں تو ایفائے عہد سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ جس شخص نے جناب خاتم النبیین سیدنا محمد ﷺ کی بعثت کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس سے کچھ بعید نہیں کہ وہ کل کو کافور کی مملکت میں شریک و سہیم ہونے کا بھی دعویٰ کرے۔ جب کافور اس طرف سے ناامید ہوا تو ۳۵۰ھ کے اواخر میں مصر سے فارس کا رخ کیا۔ اور کافور کی ہجو کر کے اپنے جذبہ انتقام کو تسکین دی۔ اب فارس پہنچ کر عضد اللہ بن بویہ ویلمی کی عظمت اور جلالت قدر کا نغمہ چھیڑ دیا اور صلہ و انعام سے سرفراز ہوا۔ تین چار سال تک وہیں اقامت گزیں رہا۔

(ابن خلکان جلد اول ۳۶، ۳۷)

قتل

لوگوں کی توہین و تفضیح کرنا شعراء کا عام شیوہ ہے۔ کسی کی طرف سے دل میں ذرا بھی غبار کدورت پیدا ہوا۔ جھٹ اس کو آسمان عزت سے اتار کر قعر مذلت میں گرانے کی سعی نامشکور میں منہمک ہوئے۔ ابوالطیب نے ایک قصیدہ میں ضبہ بن یزید عینی نام ایک شخص کے خلاف دشنام

طرازی کی غلاظت اچھالی تھی۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ تھا:

ما انصف القوم ضبہ وامہ طرطبہ

(قوم نے ضبہ سے اور اس کی ماں سے جو لٹکے ہوئے پستان والی ہے انصاف نہیں کیا)

یہ سارا قصیدہ ہجو و دشنام کا طومار ہے۔ ابوالطیب نے اس میں اپنی گندہ ذہنی کا مظاہرہ کر کے ضبہ اور اس کے اقرباء کے دلوں میں ناسور ڈال دیئے۔ جب ضبہ کے ماموں نے جس کی ہمشیر کے خلاف دشنام دہی کی گندگی بکھیری گئی تھی۔ یہ قصیدہ سنا تو اس کا دل پارہ پارہ ہو گیا۔ اور اس نے انتقام جوئی کا عزم مصمم کر لیا۔ ابونصر محمد علی کا بیان ہے کہ ضبہ کے ماموں کو ابوجہل فاتک اسدی کہتے تھے۔ وہ میرا دوست تھا۔ ایک دن میرے پاس آ کر ابوالطیب کا پتہ دریافت کرنے لگا۔ میں نے کہا تم اس کے متعلق بہت کچھ پوچھا پاچھی کر رہے ہو۔ آخر تمہارا ارادہ کیا ہے؟۔ کہنے لگا کوئی برا ارادہ نہیں۔ میں نے کہا تم اس کے قتل کا قصد رکھتے ہو۔ لیکن خونریزانہ اقدام کسی طرح تمہاری شان کے لائق نہیں ہے۔ فاتک کہنے لگا۔ واللہ! جس طرح ممکن ہوگا میں اس کا نقش ہستی مٹا کر رہوں گا۔ ہاں! اگر کوئی ایسی چیز درمیان میں حائل ہو جائے کہ جس کا دفعیہ میرے امکان سے خارج ہو تو پھر مجبوری ہے۔ میں نے کہا برائے خدا اس خیال کو جانے دو اور اس کا فیصلہ منتقم حقیقی کے عدل وانصاف پر چھوڑ دو۔ کسی شعر کی بنا پر شاعر کی جان لینا کسی طرح روا نہیں۔ عہد جاہلیت میں ملوک کی اور اسلامی خلفاء کی ہمیشہ ہجو کی جاتی رہی۔ لیکن کبھی سننے میں نہیں آیا کہ کوئی شاعر ہجو کی بنا پر موت کی گھاٹ اتار گیا ہو۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے:

هجوت زهيراً ثم انّى مدحته

وما زالت الاشراف تهجى اوتمدح

کہنے لگا اچھا جو خدا کو منظور ہوگا وہ ہو کے رہے گا۔ اب فاتک ہر وقت ابوالطیب کی مراجعت کے انتظار میں چشم براہ تھا۔ آخر جب معلوم ہوا کہ کوفہ کی طرف واپس آ رہا ہے تو فاتک اسدی رمضان ۳۵۴ھ میں اپنے اقرباء کی رفاقت میں اس کی جان لینے کے ارادہ سے چل کھڑا ہوا۔ متنبی کے ساتھ بھی بہت سے آدمی تھے۔ راستہ میں مڈبھیڑ ہو گئی۔ فاتک کی جماعت غالب رہی۔ جب ابوالطیب نے دیکھا کہ دشمن نے غلبہ پا لیا اور اس کی جماعت منہزم ہو چلی تو بھاگ کر جان بچانے کا قصد کیا۔ اس کے غلام نے کہا۔ دیکھئے آپ کا یہ شعر بہت مشہور ہے:

فالخيل والليل والبيداء تعرفني

والحرب والضرب والقرطاس والقلم

(گھوڑے، رات، دشت و بیابان، حرب و ضرب، کاغذ اور قلم سب مجھے پہچانتے ہیں)
اور اب آپ بھاگ رہے ہیں۔ لیکن اطمینان رکھئے۔ میں کسی سے فرار کا تذکرہ نہیں کروں گا۔ یہ سن کر ابو الطیب فرار کا ارادہ فسخ کر کے از سر نو مقابلہ پر آ ڈٹا اور زخم کھا کر قید حیات سے آزاد ہو گیا۔ اس طرح اس کا شعر ہی اس کی ہلاکت کا باعث بن گیا۔ اس کے بعد فاتک کی انتقام جوئی نے اس کے بیٹے اور غلام کی زندگی کا بھی چراغ گل کر دیا۔ متنبی کی موت پر ابو القاسم بن علی طبسی نے ایک درد انگیز مرثیہ کہا۔ جس کے یہ اشعار بھی تھے: (تاریخ ابن خلکان جلد اول ص ۳۷)

لا رعى الله سرب هذا الزمان
اذ دهانا فی مثل ذاك اللسان
ما رأى الناس ثانی المتنبی
ای ثان یری لبکر الزمان
کان من نفسه الکبیره فی جیش
وفی کبریاء ذی سلطان
هو فی شعره نبی ولکن
ظهرت معجزاته فی المعانی

باب ۳۴ ...... ابو علی منصور ملقب بہ الحاکم بامر اللہ

۱......حاکم کے ذاتی حالات

ابو علی منصور ساڑھے گیارہ سال کی عمر میں مصر کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور حاکم بامر اللہ کا خطاب اختیار کیا۔ یہ شخص شاہان بنو عبید کا چھٹا فرمانروا تھا۔ جو ۳۸۶ھ سے ۴۱۱ھ تک برسر حکومت رہا۔ علم نجوم میں اسے دخل تام تھا اور اس کے احکام و تاثیرات کو دل سے مانتا تھا۔ ظلم و جور کا خوگر تھا۔ سخت گیر اس درجہ کا تھا کہ ارکان سلطنت اس کی ہیبت و جلال سے لرزتے رہتے تھے۔ اس کے عہد سلطنت میں بہت سے شرفاء و اعیان بخوف جان و آبرو شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ سیوطی نے اس کو ''سرتاج زندیقان'' کا خطاب دیا ہے اور بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ فرعون کے بعد مصر کے تخت سلطنت پر حاکم سے بدتر کوئی فرماں روا نہیں بیٹھا۔ فرعون کی طرح اس نے بھی ربوبیت کا دعویٰ کیا اور لوگوں سے اپنے تئیں سجدے کرائے۔ اس نے حکم دیا تھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ بسم اللہ الحاکم الرحیم لکھا کریں۔ حاکم نے بہت سے تملق شعار حاشیہ نشین اپنے گرد جمع کر لئے تھے

جو اسے خدا کہہ کر پکارتے اور اس کی شان میں "یا واحد یا احد یا محیی یا ممیت" کا وظیفہ جپتے۔ اس کے ایک خوشامدی محمد بن اسماعیل نے ایک کتاب تالیف کی جس میں بیان کیا کہ ابوالبشر آدم علیہ السلام کی روح سب سے پہلے علی علیہ السلام کے جسم مبارک میں منتقل ہوئی۔ اس کے بعد حاکم کے جسم پاک میں داخل ہوئی۔ چنانچہ شاہ حاکم خداوند جل وعلا کا ایک مظہر کامل ہے۔ یہ کتاب جامع قاہرہ میں پڑھی گئی۔ اور ممالک محروسہ میں اس کی خوب اشاعت کی گئی۔ ۳۹۲ھ میں حاکم نے حکم دیا کہ جہاں کہیں میرا نام لیا جائے بازار ہو یا کوئی اور مقام سننے والا کھڑا ہو کر معا سربسجود ہو جائے۔ اسی طرح حکم دیا کہ جب خطیب منبر پر میرا نام لے تو تمام لوگ میرے نام کی عظمت اور احترام کے لئے سروقد کھڑے ہو جائیں اور صفیں باندھ کر سر سجدے میں رکھ دیں۔

(سنین الاسلام جلد ۲ ص ۱۰۱، ۱۰۲)

صحابہ کرامؓ کو گالیاں اور علمائے اہل سنت و جماعت کی جانستانی

حاکم کو رفض میں بڑا غلو تھا۔ اس نے نماز تراویح پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ مساجد کے دروازوں اور شارع عام پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالیاں لکھوا کر آویزاں کیں۔ اپنے عمال کو حکم دیا کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کو علی رؤس الاشہاد گالیاں دی جایا کریں۔ اس نے ۳۰۲ھ میں ملوخیہ نام ایک میوہ اور جرجیر (ترہ تیزک) کے کھانے کی ممانعت کر دی اور اس نہی کی علت یہ قرار دی کہ امیر معاویہؓ کو ملوخیہ کھانے کی رغبت تھی اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا میلان طبع جرجیر کی طرف تھا۔ حاکم نے ان مچھلیوں کے کھانے سے بھی لوگوں کو جبراً روک دیا جن پر چھلکے نہ ہوں اور اس حکم کے بعد جن دکانداروں نے ایسی مچھلیاں فروخت کیں انہیں قتل کرا دیا۔ علمائے حق سے سخت عناد رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک مکان آراستہ کر کے علمائے اہل سنت و جماعت کو مدعو کیا۔ جب تمام حضرات تشریف لائے تو مکان منہدم کرا دیا۔ تمام فقہاء و محدثین (کثر اللہ امثالہم) دب کر روضہء رضوان کو چلے گئے۔ ۳۹۳ھ میں حاکم کے عامل دمشق اسود نام نے اہل سنت و جماعت کے ایک نامور عالم کو جو مغربی کے لقب سے مشہور تھے۔ گرفتار کیا اور انہیں گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں تشہیر کیا۔ ایک منادی ان کے آگے آگے ندا کرتا جا رہا تھا کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھے۔ اس تشہیر کے بعد تیغ خون آشام سے ان کو بکری کی طرح ذبح کر دیا گیا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۸ ص ۲۶، تاریخ الخلفاء عربی سیوطی ص ۳۳۸ تذکرہ القادر باللہ) رب ذوالمنن شہید کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہمیں ان کے قدموں میں اٹھائے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آغاز شباب کا عالم ہی اس ظلم آرائی اور خون آشامی کا

جواب دہ تھا۔ ورنہ اس کے بعد جوں جوں عمر اور تجربہ میں پختگی پیدا ہوتی گئی۔ اس قسم کی بیداوگری اور خفیف الحرکتی میں انحطاط پیدا ہوتا گیا۔ چنانچہ چند سال کے بعد جب ایک مرتبہ اس سے شکایت کی گئی کہ روافض نے اہل سنت و جماعت سے نماز تراویح اور نماز جنازہ پڑھنے کی حالت میں تعرض کیا اور پتھر برسائے ہیں۔ تو اس نے اسی وقت ایک فرمان لکھوایا جو آئندہ جمعہ کو جامع مصر میں پڑھا گیا۔ اس فرمان کا خلاصہ یہ ہے کہ اے گروہ مسلمانان! ہم لوگ آئمہ ہیں اور تم امت ہو۔ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں سے میل جول کرو۔ جو لوگ توحید و رسالت کا اقرار کریں اور دو شخصوں میں نفاق نہ ڈالیں۔ وہ سب اسی اخوت اسلامی میں داخل ہیں۔ گذشتہ واقعات کو نسیاً منسیا کر دیا جائے۔ صائم اپنے حساب سے روزے رکھیں اور افطار کریں۔ اہل روایت روزہ دار ہونے کی وجہ سے افطار کرنے والوں سے تعرض نہ کریں۔ نماز چاشت اور نماز تراویح سے کوئی مانع نہ ہوگا۔ نماز جنازہ پر پانچ تکبیریں کہنے والے، پانچ کہیں۔ اور چار تکبیریں کہنے والے، چار سے نہ روکے جائیں۔ مؤذن اذان میں حی علے خیر العمل پکاریں اور جو مؤذن اذان میں یہ کلمہ نہ کہے اسے ستایا نہ جائے۔ اصحاب کو گالیاں نہ دی جائیں اور ان کی تعریف کرنے والوں سے مواخذہ نہ کیا جائے۔ اور اس بارہ میں جو شخص ان کا مخالف ہے وہ مخالف رہے۔ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے اعتقادات میں دست اندازی نہ کرے۔ (تاریخ الخلفاء)

ایک حق پرست عالم کی حق گوئی

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ حاکم انتہا درجہ کا متکبر اور جابر تھا۔ لیکن عجائب روزگار دیکھو کہ پختگی عمر کے ساتھ ساتھ تکبر و جور کا دریائے جوش بھی سنجیدگی اور رواداری کے بہت سے نشان نیچے اتر آیا۔ قاضی ابن خلکان ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ اعیان دولت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ایک خوشامدی حاشیہ نشین نے قرآن پاک کی آیت "فلا وربك لا يؤمنون حتىٰ يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما" ﴿اے رسول! مجھے اپنی ربوبیت کی قسم ہے کہ یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام معاملات ونزاعات میں آپ کو حکم نہ بنائیں اور پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں۔ اس میں کسی قسم کی ناگواری بھی محسوس نہ کریں۔ بلکہ کما حقہ اس کو تسلیم کر لیں﴾ اور اس اثناء میں آیت کا پڑھنے والا حاکم کی طرف اشارہ کرتا جا رہا تھا۔ جب وہ آیت پڑھ چکا تو ایک حق پرست عالم جنہیں ابن مشجر کہتے تھے کھڑے ہو گئے اور اس خیال کی تردید میں یہ آیت پڑھنے لگے "ان الذين تدعون

من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا له ۰ وان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منه ۰ ضعف الطالب والمطلوب ۰ ماقدروا اللہ حق قدرہ ۰ ان اللہ لقوی عزیز'' ﴿تم لوگ خدا کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو۔ وہ بلاشبہ اپنی اجتماعی قوت سے ایک ادنیٰ سی مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے (وہ تو ایسے عاجز و درماندہ ہیں کہ) اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو اس کو واپس نہیں لے سکتے۔ ایسے عابد و معبود دونوں ہی ضعیف و بے بس ہیں۔ ان لوگوں نے خدائے ذوالجلال کا اجلال و احترام ملحوظ نہیں رکھا۔ حق تعالیٰ قوی اور سب پر غالب ہے ۲۲:۳:۷۳،۷۴) یہ سن کر حاکم کا چہرہ متغیر ہو گیا اور ابن مشجر کو سودینار انعام دینے کا حکم دیا اور خوشامدی کو کچھ نہ دیا۔ اس کے بعد ابن مشجر کے ایک دوست نے اس کو رائے دی کہ تمہیں حاکم کے اخلاص کا علم ہے۔ گو اس وقت تم سے اس نے مواخذہ نہیں کیا بلکہ الٹا انعام دیا ہے۔ لیکن اس کے دل میں تمہاری طرف سے بغض و کینہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس لئے اغلب ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی حیلہ بنا کر تمہیں آزار پہنچائے گا۔ پس قرین صواب یہ کہ یہاں سے کسی دوسری جگہ چل دو۔ ابن مشجر نے فوراً حج کی تیاری کر دی۔ جب جہاز سوار ہو کر جا رہے تھے تو راستہ میں غرق ہو گئے۔ ان کے دوست نے انہیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا حال ہے؟۔ کہا کہ خدائے غفار نے جمیل نیت اور حسن قصد کی برکت سے میری مغفرت فرما دی۔ (تاریخ ابن خلکان جلد۲ ص ۱۲۷)

حاکم کا فرقہ دروز اور اس کے عقائد کفریہ

اوپر لکھا گیا ہے کہ محمد بن اسماعیل نام ایک شخص نے یہ عقیدہ اختراع کیا تھا کہ شاہ حاکم خالق کردگار کا مظہر کامل ہے اور اس کی ذات میں الہیت کی شان پائی جاتی ہے۔ یہ خوشامد آمیز عقیدت حاکم کو کچھ ایسی پسند آئی کہ اپنی رعایا میں سے بعض لوگوں کو داد و دہش سے اور بعض کو اپنی بادشاہی کے زور سے اس مشرکانہ عقیدہ کا پابند بنانے لگا۔ اس طرح جو لوگ محمد بن اسماعیل کے ہم عقیدہ بنائے گئے ان کو دروز کا خطاب دیا گیا۔ آہستہ آہستہ یہ لوگ اسی عقیدہ پر راسخ ہو گئے۔ وادی تیم میں آج تک بہت سے ایسے دیہات پائے جاتے ہیں جو حاکم کی رجعت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ حاکم لوٹ کر آئے گا اور روئے زمین کی بادشاہت کرے گا۔

دروز اپنے لئے موحد کا لقب زیادہ پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ توحید کو ان کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکا۔ ۴۰۸ھ میں حاکم کو حمزہ بن علی نام ایک اچھا ایرانی داعی مل گیا۔ یہ شخص نہایت فصیح و بلیغ اور بڑا فطرتی شخص تھا۔ حاکم نے اس کی ذات مین غیر معمولی قابلیت کے جوہر دیکھ کر اسے اپنا وزیر بنا لیا۔ اس نے حاکم کے دعوؤں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اس کی

کوششوں سے شام کے بہت سے لوگ حاکم کو مظہر الٰہی یقین کرنے لگے۔حمزہ کے مکتوبات کا ایک مجموعہ یورپ میں چھپ چکا ہے جو کتاب الدروز کے نام سے مشہور ہے۔فرقہء دروز میں یہ مجموعہ قرآن حکیم سے زیادہ مستند اور مقبول ہے۔حمزہ نے دروز کے سامنے جو اصول وعقاید پیش کئے۔ ان میں بعض یہ تھے۔خداوند عالم نے اپنے آپ کو دنیا میں مختلف اوتاروں کی صورت میں ظاہر کیا جن کی تعداد ستر ہے۔ان میں علی مرتضیٰؓ بھی شامل ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ شامل نہیں ہیں۔ ان ستر اوتاروں میں سے آخری اوتار حاکم بامر اللہ ہے۔اب کوئی نیا اوتار ظاہر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ذات خداوندی نے حاکم کی صورت میں آخری مرتبہ دنیا میں اپنا جلوہ دکھایا۔لیکن جب اہل عالم کی پریشانیاں اور مشکلات غایت قصوی کو پہنچ جائیں گی۔تو حاکم دنیا پر حکومت کرنے اور اپنے مذہب کو رائج کرنے کے لئے دوبارہ ظاہر ہوگا اور ابدالآباد فرمان روائی کرے گا۔اس وقت تمام مذاہب کے پیرو اس کے تابع فرمان ہوں گے۔مخالف طاقتیں پابجولاں حاضر کی جائیں گی اور ان کو جزیہ دینے پر مجبور کیا جائے گا۔دروز ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد بن عبداللہ (حضور سید کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے بعد ایمان کو اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جناب محمد ﷺ (معاذ اللہ) صرف قرآن کی تنزیل۔یعنی ظاہری اور لغوی معنی کو سمجھ سکے تھے اور اس کے حقیقی اور مرادی معنی صرف حاکم بامر اللہ سمجھا تھا جس میں شان الوہیت پائی جاتی تھی۔گو دروز مسلمان کہلاتے ہیں۔لیکن اسلامی شعار سے ان کو بہت کم حصہ ملا ہے۔وہ حضرت سید الاولین و آخرین ﷺ سے کچھ زیادہ حسن عقیدت نہیں رکھتے۔صوم وصلوٰۃ سے نا آشنا ہیں۔لحم خنزیر اور شراب بے تکلف کھاتے پیتے ہیں ان کے نکاح وازدواج میں اسلامی رسوم کی کوئی جھلک نہیں دکھائی دیتی۔البتہ ختنہ کا رواج پایا جاتا ہے۔ (سنین اسلام مطبوعہ لاہور جلد ۲ ص ۱۰۱، ۱۰۲ وغیرہ)

قتل

حاکم کے قتل کے متعلق روایتیں مختلف ہیں۔ایک یہ ہے کہ اس نے اپنی ہمشیر بنت الملک پر الزام لگایا کہ سپہ سالار سے اس کی آشنائی ہے اور اس کو ڈانٹا اور گالیاں دیں۔بہن نے اس کے قتل کا عزم مصمم کر لیا۔چنانچہ حاکم ایک رات سوار ہو کر ستاروں کی تحقیق وتشخیص کے لئے اور بقول خود احکام خداوندی حاصل کرنے کی غرض سے کوہ مقطم پر گیا۔دفعتہً بنت الملک کے دو حبشی غلاموں نے وہاں پہنچ کر اسے قعر ہلاک میں ڈال دیا اور لاش بنت الملک کے پاس اٹھا لائے۔اس نے لاش اپنے صحن خانہ میں گاڑ دی۔ابن خلدون اور بعض دوسرے مورخوں نے اس کے حادثہ قتل کو یوں لکھا ہے کہ حاکم کے کانوں تک خبر پہنچی کہ اس کی بہن کے پاس اجنبی مرد آمدورفت رکھتے

ہیں۔اس بناء پر حاکم نے اپنی بہن کو دھمکایا۔اس نے ناراض ہوکر ابن دواس سپہ سالار کو بلا بھیجا اور اس سے کہنے لگی کہ میرا بھائی بدعقیدہ ہو گیا ہے اور اس کی بداعتقادی سے مسلمانوں کے قدم ڈگمگا رہے ہیں۔اس لئے بہتر ہے کہ اس کو ٹھکانے لگا دو۔لیکن خبردار کہ یہ راز افشانہ ہونے پائے۔ ورنہ تیری اور میری دونوں کی خیر نہیں۔ابن دواس جو پہلے ہی سے کھٹکا ہوا تھا بے تامل اس کام پر مستعد ہو گیا اور دو شخصوں کو اس کی جانستانی پر متعین کر دیا۔حاکم عموماً رات کے وقت گدھے پر سوار ہو کر شہر کا چکر لگایا کرتا تھا۔چنانچہ ۷ا شوال ۴۱۱ھ کو حسب معمول رات کے وقت اپنے گدھے پر سوار ہو کر نکلا۔دو سوار ساتھ لئے۔اس نے دونوں سواروں کو یکے بعد دیگرے واپس کر دیا۔اس کے بعد پھر کبھی لوٹ کر نہ آیا۔چند روز تک ارا کین سلطنت اس کی آمد کے منتظر رہے۔بالآخر قاضی مظفر صقلی اور بعض دوسرے مصاحب تلاش کو نکلے اور جب کوہ مقطم پر چڑھے تو اس کی سواری کے گدھے کو دیکھا کہ ہاتھ پاؤں کٹا مردہ پڑا ہے۔آگے بڑھے تو حاکم کا پھٹا کپڑا ملا۔جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ چھریوں کے زخم لگائے گئے ہیں۔جب اس کے قتل میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہا تو ارکان دولت جمع ہو کر اس کی بہن بنت الملک کے پاس گئے جو امور سلطنت میں بہت کچھ دخیل تھی۔پھر ابن دواس حاضر ہوا۔

بنت الملک کی رائے سے حاکم کے خوردسال بیٹے علی نام کو سریر سلطنت پر متمکن کیا گیا۔علی بن حاکم نے بیعت لینے کے بعد ''الظاہر لاعزاز دین اللہ'' کا خطاب اختیار کیا۔بیعت کے دوسرے دن ابن دواس سپہ سالار دوسرے فوجی سرداروں کے ساتھ بنت الملک کے پاس حاضر ہوا۔بنت الملک نے اپنے خادم کو اشارہ کر دیا۔اس نے لپک کر ابن دواس کو تلوار پر اٹھا لیا اور انہی عہدہ داروں کی موجودگی میں قعر عدم میں پہنچا دیا۔بنت الملک برابر کہتی جاتی تھی کہ یہ حاکم کے خون کا بدلہ ہے۔یہ حاکم کے خون کا بدلہ ہے کسی نے دم نہ مارا۔

لیکن علامہ مقریزی نے بہن یا سپہ سالار کی شرکت قتل کو بالکل غلط اور بے بنیاد ٹھہرایا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ محرم ۴۱۵ھ میں قبیلہ بنوحسین کا ایک آدمی گرفتار ہوا۔جس نے اقرار کیا کہ ہم چار آدمیوں نے جو مختلف بلاد میں منتشر ہو گئے تھے۔حاکم کی جان لی تھی۔اس نے حاکم کے جسم کے بعض خشک لوتھڑے بھی نکال کر دکھائے۔اس سے دریافت کیا گیا کہ تم نے اسے کیوں قتل کیا؟۔تو کہنے لگا کہ اس کی بے دینی کی بنا پر مجھے اللہ اور اسلام کی خاطر غیرت آ گئی۔پھر پوچھا گیا کہ تم نے اسے کس طرح قتل کیا تھا؟۔تو اس نے ایک چھری نکالی اور کہنے لگا۔دیکھو میں نے اس کو یوں قتل کیا تھا۔یہ کہہ کر اس نے چھری اپنے پیٹ میں گھونپ لی اور خودکشی کر کے ہلاک ہو گیا۔یہ

واقعہ نقل کر کے مقریزی لکھتے ہیں کہ قتل حاکم کا صحیح واقعہ یہی ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ اس کی بہن نے اسے قتل کرایا بالکل بے اصل اور غیر صحیح ہے۔ علی بن حاکم کی تخت نشینی کے بعد بنت الملک کے مہام سلطنت کی نگران ہوئی اور چار برس تک زمام حکومت اپنے دست اختیار میں رکھ کر رہگزرائے عالم آخرت ہوگئی۔ (الکامل فی التاریخ ج ۸ ص ۱۲۸، ۱۳۱)

۲.....عبیدی قلمرو پر عباسی پرچم

عبیداللہ اور اس کی اولاد و احفاد میں سے تیرہ بادشاہ دو سو ستر سال ۲۹۷ھ سے ۵۶۷ھ تک شمالی افریقہ اور مصر کے فرمانروا رہے۔ جن میں سے حاکم بامراللہ چھٹا تھا۔ حاکم کے بعد آٹھ اور تاجدار برسر حکومت رہے۔ خلیفہ مستضئی باللہ عباسی کے آغاز خلافت میں دولت بنو عبید کا ٹمٹماتا ہوا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا اور ۵۲۷ھ میں خلیفہ عاضد لدین اللہ کے عہد سلطنت میں تمام اختیارات جہانبانی وزیر شاور کے ہاتھ میں تھے اور بادشاہ محض وزیر کے ہاتھ کی کٹ پتلی بنا ہوا تھا۔ اتفاق سے ضرغام نام ایک شخص ۵۵۸ھ میں مصر پر چڑھ آیا اور شاور کو منہزم کر کے خود وزیر بن بیٹھا۔ ضرغام نے عنان وزارت سنبھالتے ہی رعایا پر دست تعدی دراز کیا اور بہت سے امراء اعیان دولت کو اس خیال سے قعر ہلاک میں ڈال دیا کہ کوئی شخص اس سے منازعت کرنے والا باقی نہ رہے۔ لیکن اس نے شاہ عاضد سے کچھ تعرض نہ کیا۔ کیونکہ وہ محض وزیر کے ہاتھ کا کھلونا تھا۔

شاور مصر سے بھاگ کر شام پہنچا۔ ان دنوں سلطان نورالدین محمود بن زنگی خلافت مآب کی طرف شام و حلب کا فرمانروا تھا۔ شاور، سلطان نورالدین سے بصد منت التماس کرنے لگا کہ اگر آپ اپنے لشکر کی مدد سے مجھے مصر کی وزارت پر بحال کرادیں تو میں فوجوں کی تنخواہ وضع کرنے کے بعد مصر کے مداخل کا تیسرا حصہ آپ کی نذر کیا کروں گا اور آپ کے فوجی افسر سیدالدین شیرکوہ کو مصری افواج کا سپہ سالار بنا دوں گا۔ ان ایام میں اسدالدین شیرکوہ اور اس کا بھائی نجم الدین ایوب اور بھتیجا صلاح الدین بن ایوب سلطان نورالدین کی سرکار میں مختلف عہدوں پر ممتاز تھے۔ صلیبی لڑائیاں برپا تھیں اور فرنگیوں نے بلاد اسلامی میں سخت دھما چوکڑی مچا رکھی تھی۔ سلطان نورالدین کی خواہش نہ تھی کہ مصری معاملات میں دخل دے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر کہ اگر شاور کی درخواست مسترد کردی تو یہ فرنگیوں سے مدد مانگے گا اور وہ جا کر مصر پر متسلط ہو جائیں گے۔ عون و نصرت کا وعدہ کرلیا۔ چنانچہ جمادی الاولی ۵۵۹ھ میں اسدالدین شیرکوہ کو مصر روانہ کیا اور خود فوج لے کر اس احتمال پر دمشق کے مضافات میں چلا گیا کہ اگر فرنگی شیرکوہ سے تعرض کریں تو ان کو مار ہٹائے۔

شاور کی بحالی وزارت اور عہد شکنی

جب ضرغام کو معلوم ہوا کہ شاور سلطان نورالدین کی فوج لا رہا ہے تو اس نے اپنے بھائی ناصرالدین کو مصری فوج کے ساتھ مدافعت کے لئے روانہ کیا۔ شیرکوہ فوج لئے شہر بلبیس پہنچا تو ادھر سے ناصرالدین بھی آموجود ہوا۔ دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی اور ناصرالدین نے منہزم ہو کر قاہرہ میں جادم لیا۔ شیرکوہ نے قاہرہ میں پہنچ کر مصری فوج کو دوبارہ ہزیمت دی اور شاور کو کرسی وزارت پر متمکن کر دیا۔ لیکن اس کے بعد شاور نے بدعہدی اور بے وفائی کی اور جو وعدے سلطان نورالدین سے کر آیا تھا۔ ان سے تخلف کیا اور جب شیرکوہ نے وعدے یاد دلائے تو جواب تک سے پہلوتہی کی۔ اس وقت یورپ کے صلیبیوں نے سواحل مصر و شام پر قبضہ جما رکھا تھا۔ اس کے قریب و جوار کے صوبوں کو بھی دبا لیا تھا اور مصری مقبوضات میں بھی نفوذ کر رہے تھے۔ جب شاور نے دیکھا کہ شیرکوہ شام واپس جانے کے لئے تیار نہیں بلکہ ان وعدوں کے ایفا پر مصر ہے جو اس نے سلطان نورالدین سے کئے تھے۔ تو اب یہ احسان فراموش فرنگیوں کے سامنے کچھ شرطیں پیش کر کے ان سے درخواست کرنے لگا کہ وہ آ کر شیرکوہ کو مصر سے نکال دیں۔ اہل یورپ جو مداخلت کے مواقع خود تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اس درخواست پر بہت خوش ہوئے۔ اس سے قطع نظر فرنگیوں کو معلوم تھا کہ اگر شیرکوہ نے مصر میں قدم جما لئے تو مصر پر عمل و دخل کرنے کے مسیحی منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ اس دعوت کو لبیک کہا اور جھٹ ایک لشکر جرار لے کر دمیاط آ پہنچے۔ شیرکوہ کی جمعیت بہت قلیل تھی۔ اس لئے وہ شہر بلبیس چلا گیا۔ فرنگی اور مصری فوجیں بلبیس پہنچیں اور جا کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ باوجودیکہ نہ کوئی خندق تھی اور نہ شہر پناہ شیرکوہ نے اس بہادری سے مقابلہ کیا کہ ان کے دانت کھٹے کر دیئے۔ جب محاصرہ کو تین مہینے گذر گئے تو محاصرین کے پاس خبر آئی کہ حارم کے مقام پر سلطان نورالدین سے فرنگیوں نے جو معرکہ شروع کر رکھا تھا اس میں فرنگیوں کو ہزیمت ہوئی اور سلطان حارم پر قبضہ کر کے قلعہ بانیاس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ فرنگیوں کو یقین ہوا کہ اب سلطان نورالدین ضرور کمک بھیجے گا یا مدد کے لئے خود آئے گا۔ اس سے قطع نظر انہیں یہ بھی خطرہ تھا کہ سلطان نورالدین حارم کی لڑائی سے فارغ ہو کر کہیں فرنگی مقبوضات پر ہلہ نہ بول دے۔ ان وجوہ و اسباب کی بنا پر محاصرہ اٹھا کر واپس جانے کا قصد کیا اور شیرکوہ کو پیغام بھیجا کہ اگر تم اہل مصر سے کوئی تعرض نہ کرو اور چپ چاپ شام کو واپس چلے جاؤ تو ہم محاصرہ اٹھا لیتے ہیں۔ چونکہ سامان رسد اور ذخائر ختم ہو چکے تھے اور شیرکوہ کو معلوم نہ تھا کہ سلطان نورالدین نے شام میں فرنگیوں کو ہزیمت دی ہے۔ اس لئے فرنگیوں کی شرط منظور کر لی اور اسدالدین شیرکوہ نے شام کی

طرف مراجعت کی۔ (الکامل فی التاریخ ج ۹ ص ۲۶۰، ۲۶۷)

فرنگیوں کی ہزیمت

شام پہنچ کر اسد الدین شیر کوہ برابر مصر رہا کہ اسے مصر پر تاخت کرنے کے لئے روانہ کیا جائے۔ لیکن سلطان نور الدین رضامند نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ خود شام کے اردگرد اہل صلیب سے معرکے برپا تھے۔ آخر ۵۶۲ھ میں سلطان نے شیر کوہ کو دہ ہزار سوار دے کر مصر آنے کی اجازت دی۔ شیر کوہ نے خشکی کا راستہ اختیار کیا اور فرنگی دیار کو داہنی طرف چھوڑ کر غربی جانب سے دریائے نیل کو عبور کیا۔ جب شاور کو معلوم ہوا کہ اسد الدین شیر کوہ آ رہا ہے تو اس نے فرنگیوں کو بلا بھیجا۔ وہ اس خوف سے کہ مبادا شیر کوہ مصر پر قبضہ نہ کر لے اور ان کی دیرینہ آرزوئیں طاق اہمال پر رکھی رہ جائیں۔ فوجیں لے کر روانہ ہوئے اور ۲۵ جمادی الاخر ۵۶۲ھ کو شیر کوہ کے سامنے صف آرا ہوئے۔ شیر کوہ نے جاسوس بھیج کر دشمن کی جمعیت معلوم کرنی چاہی تو بتایا گیا کہ فرنگی افواج کی تعداد کا کوئی حد و حصر نہیں ہے۔ شیر کوہ اپنی قلت سپاہ کو دیکھ کر سوچنے لگا کہ مقابلہ کرنا چاہیے یا نہیں؟۔ آخر اپنی فوج سے مشورہ کیا۔ اکثر نے یہ رائے دی کہ دریائے نیل کو شرقی جانب سے عبور کر کے شام واپس چلے جائیں۔ کیونکہ یہاں کسی کمک کے پہنچنے کی کوئی امید نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ہم مغلوب ہو گئے تو پھر بھاگ کر جان بچانے کی بھی کوئی جگہ نہیں۔ یہ سن کر شرف الدین بزغش نام ایک فوجی افسر جو سلطان نور الدین کا مملوک تھا۔ کہنے کہ جو شخص قتل یا قید ہونے سے ڈرتا ہے اسے گھر میں بیوی کے پاس رہنا چاہیے تھا۔ اس کے یہاں آنے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی۔ اس کے بعد کہنے لگا۔ اگر ہم واپس چلے گئے تو سلطان نور الدین کو کیا منہ دکھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ تم مصر کو فرنگیوں کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ آئے؟۔ شیر کوہ نے کہا یہی رائے صائب ہے اور میں اسی پر عمل کروں گا۔ شیر کوہ کے بھتیجے صلاح الدین نے بھی جو بعد کو سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس کے نام نامی سے مشہور ہوا۔ شرف الدین کی رائے کو پسند کیا اور سب لوگ اسی رائے پر متفق ہو گئے کہ نبرد آزما ہوئے بغیر واپس نہ جانا چاہیے۔ شیر کوہ نے جھٹ لشکر کو آراستہ کیا۔ فوج میں جس قدر شجاع اور جنگ آزمودہ سوار تھے۔ ان کو اپنے لئے الگ کر لیا۔ صلاح الدین کو عقب لشکر پر متعین کیا اور اس کو سمجھا دیا کہ مصری اور فرنگی یہ سمجھ کر کہ میں قلب میں ہوں قلب پر حملہ آور ہوں گے۔ لیکن تم مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کر دینا۔ جب میں دیکھوں گا کہ دشمن زد میں آ گیا ہے تو کمین گاہ سے نکل کر ہلہ بول دوں گا۔ اس وقت تم بھی پلٹ کر دشمن پر حملہ کر دینا۔ یہ کہہ کر شیر کوہ کار آزمودہ جنگجوؤں کو ساتھ لے کر کمین گاہ میں چلا گیا۔ غرض لڑائی

چھڑی۔ فرنگی اور مصری یہ یقین کر کے کہ شیر کوہ قلب لشکر میں ہوگا۔ قلب ہی پر حملہ آور ہوئے۔ صلاح الدین نے برائے نام مقابلہ کر کے نہایت ترتیب کے ساتھ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ فرنگی اس کے تعاقب میں بڑھے۔ یہ دیکھ کر اسد الدین شیر کوہ نے اچانک حملہ کر دیا۔ فرنگی اس غیر متوقع حملہ سے بدحواس ہو گئے۔ ادھر سے صلاح الدین کی فوج نے بھی پلٹ کر شمشیر زنی شروع کر دی۔ غرض مسلمانوں نے فرنگیوں کر مار مار کر ان کے دھوئیں بکھیر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فرنگیوں کو ہزیمت ہوئی۔ بے شمار فرنگی عرصہ کارزار کی نذر ہوئے اور سینکڑوں قید کر لئے گئے۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ اتنی قلیل فوج کا اس قدر کثیر التعداد دشمن کو ہزیمت دینا تاریخ میں بالکل نادر وعدیم مثال ہے۔

(الکامل فی التاریخ ج ۱۰ ص ۴۰۳)

اسکندریہ پر عمل ودخل

فرنگیوں اور مصریوں کو بھگا کر اسد الدین شیر کوہ اسکندریہ پہنچا۔ لوگوں نے پر جوش خیر مقدم کیا۔ شیر کوہ نے اسکندریہ پر قبضہ کر کے صلاح الدین کو وہاں چھوڑا اور خود صعید پر تسلط کر کے سارا رمضان وہاں گزارا۔ ادھر ہزیمت خوردہ فرنگی اور مصری قاہرہ پہنچے۔ فوج کو از سر نو آراستہ کیا اور اسکندریہ جا کر صلاح الدین کا محاصرہ کر لیا۔ صلاح الدین نے سامان رسد وذخائر تھڑ جانے کے باوجود نہایت شجاعت وجانبازی کے ساتھ حفظ ودفاع کا حق ادا کیا۔ جب محاصرہ کو چار مہینے گزر گئے تو صلاح الدین کے عم محترم اسد الدین شیر کوہ نے صعید سے بغرض کمک اسکندریہ کا رخ کیا۔ فرنگیوں نے گھبرا کر مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع کر دی اور کہلا بھیجا کہ آپ کو جو بے شمار مال غنیمت مل چکا ہے۔ ہم اس پر پچاس ہزار دینار مستزاد کرتے ہیں۔ شیر کوہ نے کہا کہ میں دو شرطوں پر اس پیشکش کو منظور کرتا ہوں۔ ایک تو اسکندریہ ہمارے پاس رہنے دیا جائے۔ دوسرے فرنگی کسی ادنیٰ گاؤں پر قبضہ کئے بغیر مصر سے چلے جائیں۔ فرنگیوں نے ان شرائط کو منظور کیا اور محاصرہ اٹھا کر چلے گئے۔ شیر کوہ سالم وغانم ۱۸ ذی القعدہ ۵۶۲ھ کو دمشق پہنچا۔ مراجعت سے پہلے فرنگیوں نے شاور سے یہ شرطیں منظور کرالیں کہ قاہرہ کا کوتوال فرنگی ہوگا۔ شہر قاہرہ کے دروازوں کی نگرانی فرنگی سوار کریں گے اور اہل فرنگ کو خزانہ مصر سے ایک لاکھ دینار سالانہ ملتے رہیں گے۔ اس معاہدہ کے بعد فرنگی اپنے چیدہ چیدہ سوار قاہرہ میں چھوڑ کر چلے گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ شرطیں فرنگیوں کے قبضہ مصر کی تمہید تھی اور اس طرح دولت بن عبید کا چراغ فرنگی ہوس رانیوں کی پھونکوں سے گل ہوا چاہتا تھا۔ ان تمام مفاسد کا محرک اصلی وہی احسان فراموش شاور تھا۔ اس نابکار کی ساری تباہ کاریاں اس خوف پر مبنی تھیں کہ مبادا اسد الدین شیر کوہ اس کی بدعہدی کے انتقام میں مصر

کے عہدہ وزارت پر مستولی ومتغلب ہو جائے۔ فرنگی کوتوال اور فرنگی سواروں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ انواع واقسام کے ظلم کرنے شروع کئے اور اہل شہر تھوڑے ہی روز میں بلبلا اٹھے۔ اب ان فرنگیوں نے بیت المقدس کے فرنگی فرمانروا کو جس کا نام مرے تھا ترغیب دی کہ فوجیں بھیج کر مصر پر قبضہ کر لیا جائے اور لکھا ہے کہ مسیحی لشکر بلا مزاحمت مصر پر قبضہ کر لے گا۔ کیونکہ ہر قسم کے موانع وعوائق اٹھ چکے ہیں۔ مرے نے فوجیں بھیج دیں۔ فرنگی افواج شہر بلبیس پر آ اتریں اور جبراً وقہراً وہاں قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد قتل وغارت کا بازار گرم کر دیا۔ بہتوں کو تہ تیغ کیا اور بے شمار مسلمان قید کر لئے گئے۔ جب اہل قاہرہ نے سنا کہ فرنگیوں نے بلبیس میں کچھ تعدیاں اور ظلم آرائیاں کی ہیں تو انہیں اپنی جان ومال اور عزت وناموس کا خطرہ محسوس ہوا۔ فرنگی فوج ۱۰ صفر ۵۵۴ھ کو مصر پہنچی اور آتے ہی قاہرہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس مرتبہ فرنگی شاور کی دعوت پر نہیں آئے تھے۔ بلکہ از خود مصر پر عمل ودخل کا تہیہ کر کے ادھر کا رخ کیا تھا۔ شاور نے فرنگیوں کے قابض ہو جانے کے خوف سے شہر مصر میں آگ لگوا دی اور اہل شہر کو حکم دیا کہ سب لوگ قاہرہ کو منتقل ہو جائیں۔ شہر میں بھاگڑ مچ گئی اور لوٹ مار شروع ہو گئی۔ لوگ بالکل تباہ ہو گئے۔ جائداد منقولہ لٹ گئی اور غیر منقولہ آگ کی نذر ہو گئی۔ ہزارہا خانماں برباد کھلے میدانوں میں پڑے تھے۔ چون دن تک مصر کی عمارتیں نذر آتش رہیں۔

سلطان نور الدین سے شاہ مصر کی درخواست کہ مصر کو فرنگیوں سے بچایئے

ان دردناک حالات کا مشاہدہ کر کے شاہ عاضد نے سلطان نور الدین کے پاس پیغام بھیجا کہ مسلمان تباہ حال ہیں۔ ان میں فرنگیوں کے اندفاع کی طاقت نہیں اور ساتھ ہی ایک چھٹی زنانہ بال ملفوف کر کے لکھا کہ یہ بال میری بیویوں کے ہیں جو حرم شاہی سے بھیجے گئے ہیں۔ وہ آپ سے استغاثہ کرتی ہیں کہ از برائے خدا فرنگیوں کے دست بیداد سے بچایئے۔ اب فرنگیوں نے محاصرہ میں بڑی سختی کر دی۔ شاور نے فرنگی سپہ سالار کے پاس پیغام بھیجا کہ میں نے پہلے بھی آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا اور اس وقت بھی میں آپ کا تابع فرمان اور ہر طرح سے بہی خواہ ہوں۔ البتہ مجھے نور الدین اور عاضد کی طرف سے کھٹکا ہے۔ اس لئے از راہ کرم! آپ میری قدیم دوستی کا لحاظ کرتے ہوئے محاصرہ اٹھا لیجئے۔ فرنگیوں کو اس وقت روپیہ کی اشد ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ دیکھ رہے تھے کہ اہل مصر ان کے قبضہ سے ناخوش ہیں اور اگر بالفرض جبراً وقہراً عمل دخل کر لیا تو بھی سلطان نور الدین انہیں مصر سے نکال دے گا۔ اس لئے مطالبہ کیا کہ اگر ایک لاکھ دینار تاوان دو تو ہم محاصرہ اٹھا کر چلے جاتے ہیں۔ شاور نے کہلا بھیجا کہ خزانہ بالکل خالی ہے اور

اتنی بڑی رقم کا فوری انتظام قطعاً ناممکن ہے۔اس لئے اگر آپ محاصرہ اٹھالیں تو میں اس رقم کی فراہمی کا انتظام کروں۔فرنگی محاصرہ اٹھا کر شہر سے تھوڑے فاصلے پر چلے گئے اور شاور نے اہل قاہرہ سے زرنقد وصول کرنا شروع کیا۔مگر اہل مصر میں سے جتنے سرمایہ دار اور آسودہ حال لوگ تھے وہ سب لٹ چکے تھے اور جائیدادیں تباہ ہو چکی تھیں۔یہاں تک کہ نان شبینہ تک کے محتاج ہو گئے تھے اور قاہرہ میں زیادہ تر اہل فوج اور غلام لوگ رہتے تھے جن سے کچھ حاصل ہونے کی امید نہ تھی۔شاور نے فراہمی زر کی بہت کوشش کی۔مگر پانچ ہزار دینار بھی جمع نہ کر سکا۔اس سے پہلے عمائد و اعیان مصر و قاہرہ نے شاور کی بے خبری میں سلطان نورالدین کو لکھ بھیجا تھا کہ اگر آپ ہمیں نصاریٰ کی دستبرد سے بچائیں تو مصر کے تہائی شہر آپ کی نذر کئے جائیں گے۔اور شیر کوہ کو مصری افواج کا قائد اعظم بنادیا جائے گا۔سلطان نورالدین کو شاہ عاضد کی چھٹی حلب میں پہنچی۔سلطان نے اسدالدین کو مصر آنے کا حکم دیا اور فوجی ملبوسات، سواری اور اسلحہ کے علاوہ لاکھ دینار نقد عطا فرمائے اور چھ ہزار گھڑ چڑھے بہادر ساتھ کئے اور اپنی طرف سے ہر سوار کو بیس بیس دینار انعام دیئے اور اسدالدین شیر کوہ کے برادرزاد صلاح الدین یوسف بن ایوب اور بعض دوسرے نامی گرامی اعیان سلطنت کو بھی ساتھ کر دیا۔شیر کوہ فتح و اقبال مندی کے پھریرے اڑاتا ہوا مصر کی طرف بڑھا۔جب قریب پہنچا تو فرنگی اس کے آنے کی خبر سن کر بھاگ کھڑے ہوئے۔شیر کوہ ۷ جمادی الآخر ۵۶۴ھ کو قاہرہ پہنچا اور شاہ عاضد سے ملاقات کر کے ایک گرانبہا خلعت پیش کیا۔شیر کوہ کی آمد پر اہل مصر نے بڑی خوشیاں منائی۔اس نے اہل شہر کے زخمی دلوں پر مرہم رکھا اور مصری فوج کو انعام و اکرام سے نوازا۔چونکہ شیر کوہ کے ساتھ بڑی جمعیت تھی۔شاور کسی طرح دم نہ مار سکا اور جب اسے معلوم ہوا کہ شیر کوہ عاضد اور امراء دولت کی طلبی پر آیا ہے تو تملق و چاپلوسی کا شیوہ اختیار کیا۔ہر روز سوار ہو کر شیر کوہ کے پاس جاتا اور بہت دیر تک بیٹھا رہتا۔اب شاور نے ارادہ کیا کہ اسدالدین شیر کوہ اور اس کے ساتھیوں کی دعوت کر کے ان کو اسیر کرے اور پھر شامی فوج کو مصری فوج میں شامل کر لے اور اس متحد سپاہ کی مدد سے فرنگیوں کو مار بھگائے۔شاور کا بیٹا بڑا غیور مسلمان تھا۔اس نے باپ کو سمجھایا کہ اس سودائے خام کو دل سے نکال دو۔شیر کوہ تمہارے دھوکے میں نہیں آئے گا اور اگر وہ اس فریب میں آ گیا اور تم نے اس پر قابو پا کر نذر اجل کر دیا تو پھر اہل فرنگ آکر مصر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور تمہیں بجائے لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔شاور نے کہا بیٹا! اگر میں ایسا نہ کروں تو شیر کوہ ہم سب کو ہلاک کر دے گا۔بیٹے نے کہا بجا ہے۔لیکن اگر ہم مسلمان ہونے کے باوجود بلاد اسلامی میں قتل ہو جائیں تو یہ اس سے کہیں اچھا

ہے کہ ہم شیرکوہ اور اس کے ساتھیوں کی جان لے کر فرنگیوں کو مصر کا مالک بنا دیں۔ جونہی فرنگیوں کو خبر لگے گی کہ تم نے شیرکوہ کو قید کر لیا ہے تو وہ فوراً آ دھمکیں گے۔ ایسی حالت میں اگر خود شاہ عاضد بھی جا کر نورالدین سے ہزار منت سماجت کرے گا تو ایک سوار بھی بھیجنے پر رضامند نہ ہوگا۔ غرض بیٹے کے سمجھانے سے شاور اس خیال خام سے درگذرا۔ اب صلاح الدین یوسف اور بعض دوسرے شامی افسروں نے صلاح کی کہ شاور کا قصہ پاک کر دیا جائے۔ لیکن شیرکوہ نے انہیں اس اقدام سے روک دیا۔ ایک مرتبہ شاور حسب معمول اسدالدین کے لشکر میں گیا اور دیکھا کہ شیرکوہ خیمہ میں نہیں ہے۔ شاور نے اس کے متعلق دریافت کیا تو صلاح الدین یوسف اور بعض دوسرے سرداروں نے بتایا کہ وہ امام شافعیؒ کے مزار مبارک کی زیارت کرنے گیا ہے اور ہم بھی وہیں جا رہے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ شاور بھی ساتھ ہو لیا۔ ان لوگوں نے راستہ میں شاور کو قید کر لیا۔ شاور کے اردلی بھاگ گئے۔ جب شاہ عاضد کو معلوم ہوا کہ شاور قید کر لیا گیا ہے تو بہت خوش ہوا اور شیرکوہ کے پاس پیغام بھیجا کہ شاور کو قتل کر کے اس کا سر میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ شاور کو ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد شیرکوہ قصر شاہی میں گیا۔ شاہ عاضد نے خلعت اور قلمدان وزارت پیش کیا اور ''الملک المنصور امیر جیوش'' کا خطاب دے کر تمام سیاہ وسپید کا مالک بنا دیا۔

(الکامل فی التاریخ ج ۱۰ص ۱۱، ۱۵)

صلاح الدین یوسف کی وزارت مصر

مگر افسوس ہے کہ چشم فلک کو شیرکوہ کی یہ کامرانی ایک آنکھ نہ بھائی اور اس نے دو مہینے اور پانچ دن کی وزارت کے بعد ۲۲ جمادی الآخر ۵۶۴ھ کو امانت حیات ملک الموت کے سپرد کر دی۔ شاہ عاضد نے اس حادثہ کے بعد اس کے لائق برادر زادہ صلاح الدین یوسف بن ایوب کو وزارت عظمیٰ کے منصب پر مامور کر دیا اور ملک ناصر کا خطاب دیا۔ صلاح الدین اور اس کا چچا اسدالدین شیرکوہ اپنے تئیں سلطان نورالدین ہی کے نائب تصور کرتے تھے۔ جس نے ان دونوں کو مصر بھیج کر یہیں اقامت گزیں ہونے کی ہدایت کی تھی۔ صلاح الدین یوسف کا باپ نجم الدین ایوب اور اسدالدین شیرکوہ کرد تھے۔ اوائل میں بغداد آ کر مجاہد الدین بہروز کوتوال کے پاس نوکر ہوئے تھے۔ مجاہد الدین نے نجم الدین ایوب کو فہم وذکا اور حسن سیرت میں ممتاز پا کر قلعہ تکریت کا محافظ مقرر کر دیا اور شیرکوہ کو بھی ساتھ کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دونوں بھائی سلطان نورالدین کے پاس آ ملازم ہوئے۔ یہاں تک کہ ترقی کرتے کرتے مقربین سلطانی میں داخل ہو گئے۔ الغرض جب صلاح الدین کا قدم استقلال مصر میں اچھی طرح جم گیا تو مخالفوں کی کمر

ہمت ٹوٹ گئی اور شاہ عاضد کے قوائے حکمرانی بالکل مضمحل ہو گئے۔ اس وقت صلاح الدین یوسف تو سلطنت کے سیاہ وسپید کا مالک تھا اور اس کا نائب قراقوش خصی تھا اور امرائے اسدیہ کے اعیان میں سے تھا۔ شاہ عاضد کے محل سرائے پر قابض ومتصرف تھا۔ ان ایام میں سلطان نورالدین زنگی نے شام سے یہ پیام بھیجا کہ شاہ عاضد کا خطبہ برطرف کر کے دولت عباسیہ کے نامور تاجدار خلیفہ مستضئی باللہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ صلاح الدین یوسف اس خوف سے کہ مبادا اہل مصر سرتابی کریں اور اس حکم میں لیت ولعل کرنے لگا۔ لیکن جب سلطان نورالدین نے اسے ایک عتاب آمیز چٹھی لکھی تو صلاح الدین نے امتثال امر کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا۔ حسن اتفاق سے انہی دنوں عاضد کا مزاج اعتدال سے منحرف ہوا اور وہ یکبارگی صاحب فراش ہو گیا۔ صلاح الدین نے اس معاملہ میں امراء واعیان دولت سے مشورہ کیا۔ بعض نے موافقت اور بعض نے مخالفت کی۔ اتفاق سے امیر العالم نام ایک عجمی شخص وہاں آ گیا۔ یہ لیت ولعل دیکھ کر کہنے لگا۔ لو سب سے پہلے میں اس کار خیر کا افتتاح کرتا ہوں۔ چنانچہ پہلے ہی جمعہ میں خطبہ سے پہلے منبر پر چڑھ گیا اور خلیفہ مستضئی باللہ عباسی کے حق میں دعائے خیر کرنے لگا۔ کسی نے چوں وچرا نہ کی۔ دوسرے جمعہ میں سلطان صلاح الدین نے خطیبوں کو حکم دیا کہ عاضد کے بجائے خلیفہ بغداد مستضئی باللہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ کسی شخص نے مخالفت کی جرأت نہ کی۔ عاضد کا مرض دن بدن اشتداد پکڑتا گیا۔ آخر عاشورہ کے دن داعئ اجل کو لبیک کہہ کر راہی ملک بقا ہوا اور دولت بنو عبید منقرض ہو گئی۔ سلطان صلاح الدین نے قصر شاہی اور اس کے تمام ذخائر ونفائس پر قبضہ کر لیا۔ شاہی خزانہ اور قصر شاہی میں اس قدر بیش قیمت اسباب تھا کہ بقول ابن خلدون نہ آج تک آنکھوں نے دیکھا اور نہ کانوں سے سنا۔ یاقوت، زمرد، طلائی زیورات، طلائی ونقرئی ظروف، بیش قیمت ملبوسات کی بڑی بہتات تھی۔ ان سب کے علاوہ ایک لاکھ بیس ہزار کتابیں ملیں۔ خلیفہ بغداد کے نام کا خطبہ پڑھا جانا کہ دولت عبیدیہ کے آثار نیست ونابود کر دیئے گئے۔ اور خلافت عباسیہ کا پرچم فضائے مصر پر لہرانے لگا۔ اس زمانے سے مصر میں حکومت ایوبیہ کی داغ بیل پڑی۔ (الکامل فی التاریخ ج ۱۰ ص ۱۶، ۱۷، ۳۳، ۳۴)

نوید کامرانی بارگاہ خلافت میں

سلطان نورالدین نے یہ خبر پا کر شہاب الدین مظفر بن علامہ شرف الدین کو اس نوید کے ساتھ بغداد بھیجا اور عبید کاتب کو حکم دیا کہ ایک تہنیت نامہ لکھے جو دار الخلافہ بغداد اور تمام دوسرے بلاد اسلامیہ میں پڑھا جائے۔ اس کا مضمون یہ تھا۔ وہ خداوند ذوالجلال جو حق کو سربلند اور

باطل کر سرنگوں فرماتا ہے۔صد ہزار حمد و شکر کا مستوجب ہے کہ جس کے فضل واحسان نے ان بلاد میں اب کوئی ایسا منبر نہیں چھوڑا جس پر مولانا امام مستضئی باللہ عباسی کے اسم گرامی کا خطبہ نہ پڑھا گیا ہو۔تمام مسجدیں عبادت کرنے والوں کے لئے کھل گئیں۔ بدعت کے مرکز ٹوٹ گئے۔کفر کے مستقر ویران ہو گئے۔ اور جو مقامات قریباً ڈھائی سو سال سے جھوٹے مدعیوں اور کفر پرور دجالوں کے رفض والحاد کا جولانگاہ بنے ہوئے تھے۔ان پر آل عباس کی خلافت حقہ قائم ہو گئی جو سنت نبوی کے سچے حامی اور رفض و بدعت کے دشمن ہیں۔الغرض ہمارے تیشہ عدل و دواد نے ظلم و بیداد کی جڑیں کاٹ دیں اور انصاف و دادرسی کا پرچم فضائے مصر پر از سر نو لہرانے لگا۔جب یہ پیام سعادت قیام مدینہ اسلام بغداد میں پہنچا تو لوگ جوش انبساط سے پھولے جامہ میں نہ سماتے تھے۔ ہر طرف خوشی کے چہچہے تھے۔ بڑا شاندار جشن منایا گیا۔تمام بازار سجائے گئے۔ بغداد ایک طلسم حیرت بنا ہوا تھا۔خلیفہ نے سلطان نور الدین کو خلعت وتشریفات اور صلاح الدین کو علم و پرچم سے سرفراز فرمایا اور خطیبوں کو بھی انعام و اکرام سے سربلند کیا۔علامہ ابن جوزی نے ''النصر علی مصر'' اسی واقعہ کے متعلق ایک مستقل تصنیف کی ہے۔تھوڑے دن کے بعد باطنیوں اور خاندان بنی عبید کے ہواخواہوں نے از سر نو عبیدی سلطنت کی داغ بیل ڈالنی چاہی اور مصر کے چند امراء بھی اس سازش میں شریک ہو گئے۔ لیکن سلطان صلاح الدین کو اس سازش کی بروقت اطلاع مل گئی۔اس نے تمام بدسگال سازشیوں کو قصرین کے درمیان دار پر چڑھا دیا اور اس طرح تمام خرخشے ہمیشہ کے لئے مٹ گئے۔ (تاریخ الخلفاء حالات مستضئی بامر اللہ ص ۳۶۲)

سلطان صلاح الدین کا عروج اقبال اور سلسلہ فتوحات

یہاں ضمناً یہ بتا دینا بھی مناسب ہے کہ شاہ عاضد کی موت کے بعد سلطان صلاح الدین کو خود مختار بادشاہ کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ جب اقبال یاوری کرتا ہے تو ترقی کے اسباب خود بخود جمع ہو جاتے ہیں۔ چند ہی روز میں حجاز کے مقامات مقدسہ سلطنت مصر کے حیطہ اقتدار میں آ گئے۔

۵۶۸ھ میں صلاح الدین نے طرابلس کو نارمنوں کے قبضہ سے چھوڑایا۔ ۵۶۹ھ میں اپنے بھائی توران شاہ کو یمن کا گورنر مقرر کیا۔ اس کے بعد اپنے آقائے سابق سلطان نور الدین کے انتقال پر شام اور حلب پر بھی قبضہ کر لیا۔ ۵۸۱ھ میں موصل فتح کیا۔اور بہت سے چھوٹے چھوٹے تاجداروں نے طوق اطاعت گلے میں ڈالا۔اس طرح سلطان صلاح الدین ان تمام ممالک کا جو آب فرات سے دریائے نیل تک پھیلے ہوئے ہیں۔ باستثناء ان قلعہ جات

کے جو فرنگیوں کے ہاتھ میں تھے فرمانروا بن گیا۔ ۵۸۳ھ میں سلطان نے فرنگیوں کو بڑی بڑی ہزیمتیں دیں۔ بہت سے شہر جن پر انہوں نے قبضہ جما رکھا تھا چھین لیے۔ خصوصاً بیت المقدس جو اکانوے سال سے فرنگیوں کے قبضہ میں چلا آتا تھا۔ ان کو بے دخل کر دیا۔ نصاریٰ نے بیت المقدس میں جو کنیسے بنا لئے تھے۔ ان سب کو گرا دیا اور ان کی جگہ دینی مدارس جاری کر دیئے۔ البتہ قمامہ کے گرجا کو محض امیر المومنین فاروق اعظمؓ کے اسوہ پر عمل کرتے ہوئے بحال رہنے دیا۔ دول یورپ کو بیت المقدس کے ہاتھ سے نکل جانے کا بڑا صدمہ ہوا۔ چنانچہ اس نقصان کی تلافی کے لئے رچرڈ اول شاہ انگلستان اور فلپ اگسٹس شاہ فرانس بڑی زبردست تیاریاں کر کے بیت المقدس کے چھوڑانے کے لئے روانہ ہوئے۔ ڈیڑھ سال تک بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے۔ لیکن ناکام و نامراد واپس جانا پڑا۔ ۵۸۹ھ میں سلطان صلاح الدین نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ خدائے برتر اس نیک نہاد بادشاہ پر اپنی رحمت کاملہ نازل فرمائے۔ باوجود عالمگیر بادشاہت وحکمرانی کے سلطان صلاح الدینؒ نے انتقال کے وقت ایک گھوڑا، ایک زرہ اور ایک دینار اور ۳۳ درم زر نقد چھوڑا۔ اس کے سواء اس سلطان البر والبحر کا کوئی اور ترکہ نہیں تھا۔ سلطان کی رحلت پر ایک بیٹا عماد الدین عثمان مصر کا بادشاہ ہوا۔ دوسرا بیٹا نور الدین علی شام میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ تیسرے غیاث الدین غازی نے حلب کی عنان فرمانروائی ہاتھ میں لی۔ ایضاً سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوبؒ نے جس عظیم سلطنت کی بنا ڈالی۔ اس کو ایوبیہ کہتے ہیں۔ اس کے نو بادشاہ مصر میں۔ تیرہ فرمانروا شام میں اور تین تاجدار حلب میں بادشاہی کرتے رہے۔

۳...... صحابہ کرامؓ کے فضائل

اوراق ماسبق میں عموماً اور اس باب کی پہلی فصل میں خصوصاً آپ نے پڑھا ہو گا کہ کس طرح مسبوقین کے خبیث النفس افراد نے سابقین امت رضوان اللہ اجمعین کی توہین و تفضیح کر کے اپنے اندر کی غلاظت اور گندگی کا مظاہرہ کیا۔ پاکوں پر ناپاکیوں کے حملے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تاہم کوئی غیور کلمہ گو ایسا نہیں جو اس گندہ ذہنی کو سن کر دل قابو میں رکھ سکتا ہو اور کوئی بے حس سے بے حس مومن قانت ایسا نہ ملے گا جس کا خون اسلاف کرامؓ کی توہین و تشنیع پر ابلنے نہ لگے۔ لیکن اس خیال سے کہ بعض لوگ بے خبری کے عالم میں بدنفس وسینہ سیاہ اعدائے دین کے شاتمانہ پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر راہ حق کی جبل متین کو ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ جو خیر البشر ﷺ کے دست و بازو تھے۔ ان کے فضائل مشتے نمونہ خروارے بیان کر دیئے

جائیں۔ پیغمبر خدا ﷺ کے برگزیدہ دوستوں نے خدمت دین اور نصرت رسول امین علیہ التحیہ والسلام میں جو مالی اور جانی قربانیاں کیں اور ایثار و مواخاۃ کے عملی نمونے پیش کئے ان کو میں کتاب ''شمائل النبی'' میں جو زیر تالیف ہے بوضاحت بیان کر چکا ہوں۔ یہاں ان کے صرف وہ فضائل و محامد مختصراً سپرد قلم کرنا چاہتا ہوں جو خود خدائے عزیز و برتر کی لسان وحی نے بیان فرمائے یا حضرت مہبط وحی ﷺ نے امت کی رہنمائی کے لئے ان کی شرح فرمائی۔

صحابی کی تعریف

شیخ ابن حجر عسقلانیؒ کے الفاظ میں صحابی وہ ہے جس نے حالت ایمان میں پیغمبر خدا ﷺ سے ملاقات کی ہو اور اسلام پر وفات پائی ہو۔ خواہ مجالست کثیر رہی ہو یا قلیل۔ آپ سے کوئی حدیث روایت کی ہو یا نہ کی ہو۔ آپ کی رفاقت میں غزا کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ یا وہ جس کو آپ کا شرف رویئت حاصل ہو۔ لیکن مجالست میسر نہ ہوئی ہو۔ ایمان لانے کے بعد بے بصری یا کسی دوسرے مانع کی وجہ سے جمال مبارک کی زیارت نہ کر سکا ہو۔ (مقدمہ اصابہ عربی ص ۷) شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ طول صحبت اور آپ سے اخذ علم اور غزوات میں آپ کی رفاقت کو بھی صحابیت کی شرط ٹھرایا ہے اور صحبت کی اقل مدّت چھ مہینے قرار دی ہے۔ لیکن معلوم نہیں کہ ۶ ماہ کی تعیین کی کیا دلیل ہے؟۔ بہرحال ظاہر ہے کہ وہ اصحاب ان صحابہ کرام کے درجہ کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے جنھوں نے حضور سرور دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمیشہ نصرت اور رفاقت کی اور غزوات میں آپ کے شریک حال رہے۔ (اشعۃ اللمعات جلد چہارم) صحابہ کرامؓ کی جمیع تعداد سوا لاکھ سے کچھ کم ہے۔ بعض حضرات نے ایک لاکھ دس ہزار بتائی ہے۔ شیخ ابن حجر عسقلانیؒ نے کتاب ''الاصابہ فی تمیز الصحابہ'' میں ان میں سے بارہ ہزار دو سو اناسی صحابہؓ کے وقائع حیات درج کئے ہیں۔

پیروان ابن سبا کی حماقت

ابن سبا یہودی کی امت صحابہ کرام پر لعن طعن کرنے کی عادی ہے۔ ابوزرعہ رازیؒ نے فرمایا ہے کہ جب کسی کو دیکھو کہ وہ اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی کی عیب گیری کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے۔ (مقدمہ اصابہ ج ۱ ص ۱۰) زندیق شریعت کی اصطلاع میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کا زبانی دعویٰ تو اسلام کا ہو۔ لیکن اس کے عقائد کفر و شرک سے ہمکنار ہوں۔ قرآن عزیز میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ جناب سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے لشکر کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہنے لگی کہ اپنے سوراخوں میں گھس چلو۔ ایسا نہ کہ سلیمان علیہ السلام

کالشکر نادانستہ ہم کو پائمال کردے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

"حتیٰ اذا اتوا علی واد النمل قالت النملة یا ایها النمل ادخلوا مسکنکم لایحطمنکم سلیمان وجنوده وهم لایشعرون (۲۷:۱۸)" ﴿جب سلیمان علیہ السلام چیونٹیوں کے ایک میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو۔ ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اوران کالشکر تمہیں بے خبری میں کچل ڈالے۔﴾

امام فخرالدین رازیؒ نے اس آیت سے ایک عجیب استدلال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کی چیونٹی آج کل کے رافضی سے زیادہ عقلمند تھی۔ کیونکہ اس نے کہا تھا کہ سوراخوں میں گھس چلو کہ کہیں پیغمبر خدا کالشکر یعنی ان کے اصحاب نادانستہ روند نہ ڈالیں۔ پس چیونٹی کے نزدیک یہ بات محال تھی کہ نبی اللہ کے رفقاء کسی پر عمداً ظلم کریں گے۔ لیکن رافضی کہتے ہیں کہ اصحاب سید المرسلین ﷺ نے دانستہ حضرت علیؓ کا حق پامال کیا اور اہل بیت پیغمبر پر صریح ظلم کیا۔ لیکن روافض اتنا نہ سمجھ سکے کہ پیغمبر علیہ السلام کے اصحابؓ کا ظلم و بیداد پر متفق ہو جانا بالکل محال ہے۔ اب ان نفوس قدسیہ کے فضائل پہلے قرآن مجید سے اور پھر احادیث نبویہ سے مختصراً قلمبند کئے جاتے ہیں۔

فضائل صحابہؓ ازروئے قرآن

مہاجرین سید کائنات ﷺ کے وہ تارکان وطن اصحاب ہیں۔ جنہوں نے کفار قریش کے مجبور کرنے پر اپنے آقا و مولیٰ حضرت سید المرسلین کی رفاقت میں اپنے آبائی وطن مکہ مکرمہ کو خیر باد کہا اور مدینہ منورہ میں جا کر سکونت اختیار کی۔ اور انصار مدینہ طیبہ کی وہ مقدس جماعت ہے جس نے مہاجرین کو اپنے یہاں ٹھہرایا اور ہر طرح سے ان کی مالی اور اخلاقی امداد کی۔ رب جلیل نے مہاجرین وانصار کی شان میں فرمایا ہے:

"والسابقون الاولون من المهاجرین و الانصار والذین اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه واعدلهم جنات تجری تحتها الانهر خالدین فیها ابدا ۔ ذلك الفوز العظیم (سورة توبه: ۱۰۰)" ﴿جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (امت مابعد کے) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں۔ اللہ ان سب سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغات (جنت) مہیا کر رکھے ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جن

میں وہ ابدالآباد تک مقیم رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی اور فوز وفلاح ہے۔﴾

مہاجرین اولین وہ حضرات ہیں۔ جنہوں نے مکہ معظمہ میں پیغمبر ﷺ پر ایمان لا کر آپ کے ساتھ (یا جنگ بدر سے پہلے) مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ جن ۷۳ (تہتر) صحابہ رضوان اللہ علیہم نے رحمت عالم ﷺ کے ساتھ مدینۃ الرسول کو ہجرت فرمائی۔ میں نے ان کے اسماء گرامی کتاب ''شمائل النبی'' میں درج کر دیئے ہیں اور انصاری رضی اللہ عنہم کے نام لکھ دیئے۔ جنہوں نے ان کی میزبانی کی۔ حضرات مہاجرین اولین میں خلفائے اربعہ اور عشرہ مبشرہ میں سے باقی ماندہ چھ حضرات خاص طور پر ممتاز ہیں۔ اس آیت سے جو اوپر درج ہوئی ثابت ہوا کہ خدائے کردگار نے صرف تمام مہاجرین اولین سے خوش ہے۔ بلکہ ان کے پیروؤں سے یعنی فرقہ اہل سنت وجماعت سے بھی اظہار خوشنودی فرماتا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرات مہاجرین وانصار جن کو رافضی لوگ گالیاں دیتے ہیں۔ مغفور اور جنتی ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ جس جماعت بلند وبالا کو خود خدائے قدوس اپنی رضامندی کا تمغہ بخشتا اور اس کے جنتی ہونے کی بشارت دیتا ہو۔ اس برگزیدہ جماعت کی شان پاک میں دریدہ دہنی کرنا اور (معاذ اللہ) ایمان سے خارج بتانا اسی حرمان نصیب کا کام ہوسکتا ہے جو خود فاقد الایمان ہو۔

۲...... حضرات مہاجرین رضی اللہ عنہم مکہ معظمہ میں عموماً مالدار تھے۔ کفار قریش نے ان کو ہجرت کے وقت لوٹ کر اور زر ومال چھین کر بالکل مفلس وقلاش بنا دیا۔ رب ذوالمنن ازراہ نوازش ان حضرات کی شان میں فرماتا ہے:

''للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله ۰ اولئك هم الصادقون (سورہ حشر: ۸)'' ﴿ان نادار مہاجرین کا بالخصوص حق ہے جو اپنے گھروں سے (جبراً وظلماً) خارج اور مال وزر سے محروم کر دیئے گئے۔ یہ لوگ خدائے کردگار کے فضل ورحمت اور اس کی رضامندی کے طالب ہیں۔ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی صادق لوگ ہیں۔﴾

اس آیت سے ثابت ہوا کہ (۱) حضرات مہاجرین واقعی قبول ایمان نصرت دین مبین اور تائید رسول امین کے جرم میں ہر قسم کی جائداد منقولہ غیر منقولہ سے محروم کر دیئے گئے۔ (۲) اعدائے اسلام نے ان کو لوٹ کر بالکل مفلس ونادار بنا دیا۔ (۳) حضرات مہاجرینؓ کی زندگی کا واحد نصب العین مالک الملک عز اسمہ کی رضاجوئی تھا۔ (۴) یہ حضرات صادق تھے اور صادق وہ

ہے جو اپنے ہر قول وفعل میں سچا اور حق پرست ہو۔ اب ظاہر ہے کہ جس برگزیدہ جماعت کی عدیم المثال دینی خدمات، حسن کردار اور صدق وصفا کا خود خداوند عالم مدح خواں ہو۔ اس پر تشنیع کی غلاظت اچھالنا اسی شقی کا کام ہو سکتا ہے جو خدا اور اس کے رسول کا اور اور اس کے دین کا دشمن ہو۔ یہاں ناظرین کی بصیرت افروزی کے لئے مہاجرین اولین میں سے چند حضرات کے نام درج کئے جاتے ہیں۔ (۱) امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ مع اہل وعیال وخدام (۲) امیر المومنین عمر فاروقؓ مع اہل وعیال (۳) امیر المومنین عثمان ذوالنورینؓ مع اہل وعیال وخدام (۴) امیر المومنین علی مرتضیٰؓ (۵) پیغمبر خدا ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن عوامؓ مع اپنی بیوی حضرت اسماء ذات النطاقینؓ کے جو امیر المومنین صدیق اکبرؓ کی بڑی صاحبزادی تھیں (۶) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۷) حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ (۸) حضرت سعید بن زیدؓ (۹) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (۱۰) حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ (۱۱) حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ (۱۲) امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے بھائی حضرت زید بن خطابؓ (۱۳) حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد منافؓ۔

۳...... روافض اور اس قماش کے دوسرے اعداء اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم اور دوسرے جلیل القدر صحابہؓ جنہوں نے فی سبیل اللہ ہجرت کی اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر کافروں سے جہاد کئے۔ یا وہ انصار مدینہ جنہوں نے پیغمبر خدا ﷺ اور حضرت علیؓ اور دوسرے مہاجرین کو اپنے ہاں جگہ دی اور میزبانی کا حق ادا کیا ان کو (معاذ اللہ) ایمان واسلام سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ ایسے سینہ سیاہ اعدائے دین کی تردید میں رب العزت فرماتا ہے:

”والذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین آووا ونصروا اولیك ھم المومنون حقا۰ لھم مغفرۃ ورزق کریم (انفال: ۷٤)“ ﴿جو لوگ ایمان لائے اور (ہجرت نبویہ کے زمانہ میں) ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے اور جن افراد نے (ان مہاجرین) کو اپنے یہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی۔ یہی لوگ اصل مومن ہیں۔ ان کے لئے آمرزش اور باعزت روزی (دنیا میں مال غنیمت اور آخرت میں نعیم جنت) ہے۔﴾

۴...... ایک اور آیت میں خدائے قدوس نے رفض وسبائیت کی ان الفاظ میں تردید فرمائی ہے:

"محمد رسول الله ۰ والذین معه اشدآء علے الکفار رحمآء بینهم ۰ تراهم رکعاً سجداً یبتغون فضلا من الله و رضوانا ۰ سیماهم فی وجوههم من اثر السجود ۰ ذلك مثلهم فی التوراة و مثلهم فی الانجیل (فتح: ۲۹)" ﴿محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کفار کے حق میں سخت گیر اور آپس میں شفیق و مہربان ہیں۔ تم انہیں اس حال دیکھو گے کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سربسجود ہیں۔ یہ لوگ حق تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے جویاں ہیں۔ ان (کے صلاح وفلاح) کی علامت ان کے چہروں پر (نور کی شکل میں) نمایاں ہے جو سجدوں کی تاثیر ہے (ظاہر ہو رہی) ہے۔ ان کے یہ اوصاف تورات میں بھی مذکور ہیں اور انجیل میں بھی۔﴾

اس فرمان خداوندی نے (۱) روافض کے اس قول کی تردید کر دی کہ حضرت علیؓ حضرات شیخین (رضی اللہ عنہما) سے (معاذ اللہ) بغض و عناد رکھتے تھے۔ (۲) اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اصحاب رسول ﷺ کا مطمح نظر ہر کام میں رضائے خداوندی تھا۔ (۳) یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ ہر وقت عبادت الٰہی اور توجہ الی اللہ میں منہمک و سرگرم تھے۔ (۴) قرآن حکیم کی طرح تورات اور انجیل میں بھی ان کی مدح و ستائش مذکور ہے۔

۵...... ایک آیت میں خدائے برتر، صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے ان الفاظ میں ان کے ایمان و تقویٰ پر مہر توثیق ثبت فرماتا ہے:

"ولکن الله حبب الیکم الایمان و زینه فی قلوبکم وکره الیکم الکفر والفسوق والعصیان ۰ اولٓئك هم الراشدون (حجرات:)" ﴿حق تعالیٰ نے تم کو ایمان کا عشق و شغف بخشا۔ اس کو تمہارے دلوں کی زینت بنایا اور تمہیں کفر، فسق، معصیت سے نافر و رسیدہ کر دیا۔ ایسے ہی لوگ خدا کے فضل و انعام سے راشد و ہدایت یافتہ ہیں۔﴾

۶...... سرور کائنات ﷺ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو ایک سفارت پر مکہ معظمہ روانہ فرمایا تھا۔ چند روز کے بعد آپ کے لشکر میں یہ ہوائی اڑی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ آپ کو یہ خبر سن کر بڑا صدمہ ہوا۔ آپ اس وقت سفر میں تھے۔ آپ نے اہل مکہ سے انتقام لینے کا عزم صمیم کر کے فرمایا کہ اب میرے لئے ان سے لڑنا حلال ہو گیا۔ کیونکہ پہل انہوں نے کی ہے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے حضور رسالت مآبؐ نے ایک درخت کے نیچے صحابہؓ سے جان سپاری اور فداکاری کی بیعت لی۔ مگر بعد کو یہ خبر جھوٹی نکلی۔ اس واقعہ کی تفصیل "شمائل النبی" میں درج کر چکا ہوں۔ اس بیعت کو بیعت الرضوان کہتے ہیں۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ کو اس پر رضوان

الٰہی کا مژدہ جان بخش سنایا گیا تھا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

''لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذیبا یعونك تحت الشجرة فعلم مافی قلوبهم فانزل السکینة علیهم واثابهم فتحاً قریباًومغانم کثیرة یاخذونها(فتح :۱۸) '' ﴿حق تعالیٰ مومنوں سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں کی (خوشگوار ایمانی) کیفیت بھی خدا کو معلوم تھی۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ان پر اطمینان قلب کا فیضان فرمایا اور انہیں فتح عاجل اور غنیمت وافر کی کامیابی بخشی۔ جسے وہ (عنقریب) حاصل کریں گے۔﴾

حدیث صحیح میں ہے کہ بیعت الرضوان کے مبایعین میں سے کوئی شخص داخل جہنم نہ ہوگا۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور تمام وہ جلیل القدر مہاجرین اور انصار جن کے خلاف ابن سبا کی امت لعن وطعن کی غلاظت اچھالتی ہے۔ بیعت الرضوان میں داخل تھے

صحابہ کرامؓ کی افضلیت از روئے حدیث

اب یہاں مخبر صادق ﷺ کے چند ارشادات گرامی درج کیے جاتے ہیں۔ جن سے قارئین کرام پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہو جائے گی کہ فخر انبیا ﷺ کے دامن فیض میں تربیت پانے والے حضرات امت بابعد کے تمام افراد سے افضل وبرتر ہیں۔

صحابی کے لئے ثواب کی بشارت

صحابہ کرامؓ کی افضلیت کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ جتنا ثواب کسی عمل پر مسبوقین امت کو ملتا ہے۔ اس سے لاکھوں کروڑوں درجہ زیادہ اصحاب پیغمبر خدا ﷺ کو اسی عمل پر ملتا تھا۔ چنانچہ سرور دو جہاں علیہ التحیہ والسلام نے فرمایا کہ میرے اصحاب کو برا نہ کہنا۔ اگر دوسرے لوگوں میں کوئی شخص راہ خدا میں کوہ احد کے برابر سونا بھی کیوں نہ خرچ کر دے۔ تو بھی کسی حالت میں میرے کسی صحابیؓ کے ایک مد بلکہ نصف مد کے انفاق کی بھی برابری نہیں کر سکتا (بخاری ج ا ص ۵۱۸) مد غلہ ناپنے کا ایک پیمانہ ہے۔ جس میں قریباً گیارہ چھٹانک گیہوں آتا ہے۔ تفاوت ثواب کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے براہ راست شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علم حاصل کیا تھا۔ یہ حضرات ہر وقت کے حاضر باش تھے۔ حضور سرور کائنات ﷺ کے فیض صحبت نے ان کے دلوں میں خلوص خشیت الٰہی، عشق خداوندی اور تعلق باللہ کی وہ کیفیت پیدا کر دی تھی کہ دوسروں کو ہزار ہا ریاضتوں اور مجاہدوں سے بھی میسر نہیں آ سکتی۔ چنانچہ شیخ ابو طالب مکی نے فرمایا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے جمال مبارک کی ایک جھلک کا یہ اثر تھا کہ دوسروں کو

ہزاروں چلوں اور ریاضات شاقہ کے بعد بھی وہ دلی کیفیت نصیب نہیں ہو سکتی اور ایمان اعیانی اور یقین شہودی جو صحابہ کرامؓ کو حاصل تھا۔ اس میں امت کا کوئی دوسرا شخص ان کا شریک وسہیم نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اصحاب رضوان اللہ علیہم نے اس وقت راہ خدا میں اپنا مال صرف کیا۔ جبکہ اسلام ابتداء نہایت ضعف اور یتیمی وکسمپرسی کے عالم میں تھا۔ ان نفوس قدسیہ نے خود پیٹ پر پتھر باندھ کر اپنا مال ضروریات دین پر خرچ کیا۔ ان حضرات کی جانفشانی، ایثار اور انفاق فی سبیل اللہ ہی کا اثر تھا کہ دین حنیف کا غلغلہ تھوڑے ہی روز میں اقصائے عالم تک پہنچ گیا اور دنیا تشنگی سعادت سے سیراب ہونے کے لئے ہمہ تن متوجہ ہوئی۔

صحابہ کرامؓ سمائے ہدایت کے کواکب درخشاں تھے

جس طرح آسمان دنیا پر آفتاب جہاں تاب ضیاء پاش ہے۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ سمائے ہدایت وروحانیت کے نیر اعظم اور آپ کے اصحاب اس کے کواکب درخشان تھے۔ چنانچہ حضرت سید الاولین والآخرین ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے ان اختلافات کے متعلق دریافت کیا جو میرے وصال کے بعد میرے اصحاب میں رونما ہوں گے۔ رب العزت نے مجھے وحی بھیجی کہ اے محمدؐ! میرے نزدیک آپ کے اصحاب آسمان کے ستاروں کا حکم رکھتے ہیں۔ گو بعض ستارے دوسروں سے زیادہ روشن ہیں۔ لیکن ہر ایک نجم و درخشاں ضیا پاشی کر رہا ہے۔ پس جس کسی نے ان کے اختلافی مسائل پر عمل کیا۔ وہ میرے نزدیک راہ ہدایت پر ہے اور آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے اصحاب بمنزلہ روشن ستاروں کے ہیں۔ ان میں سے جس کسی کی پیروی کرو گے۔ منزل ہدایت پر پہنچ جاؤ گے۔ (رزین) علماء نے لکھا ہے کہ ہر صحابی کا سینہ علم دین اور نور ہدایت سے مزین ومنور تھا۔ لیکن اگر کبھی کسی سے از راہ بشریت کچھ غلطی ہو گئی تو اس غلطی کا اقتداء درست نہیں۔ کیونکہ ان کی غلطی بالکل خارج از بحث اور ناقابل التفات ہے۔

اصحابؓ امت کے امن عافیت کا باعث تھے

دین حنیف قرون ثلاثہ یعنی اصحاب کرامؓ کے عہد سعادت میں اور اس کے بعد تابعین اور اتباع تابعین کے قرنہائے خیر میں ہر قسم کے بدعات ومحدثات سے محفوظ رہا۔ اس کے بعد دین میں فتنہ انگیزیاں اور رخنہ انگیزیاں شروع ہو گئیں۔ اسی حیثیت سے سردار دو جہاں ﷺ نے فرمایا:

''خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم'' یعنی بہترین امت میرے اصحابؓ ہیں۔ ان کے بعد وہ لوگ ہیں جو اصحاب سے متصل ہیں (تابعین اور ان

کے بعد بہترین امت اس قرن کے لوگ ہیں تابعین سے متقارب و متقارن ہیں۔ (بخاری، مسلم)

اسی طرح فرمایا کہ میرے اصحاب کا اکرام کرو۔ کیونکہ وہ تم میں سب سے زیادہ افضل و برگزیدہ ہیں۔ ان کے بعد وہ لوگ خیار امت ہیں جو ان سے قریب تر ہیں۔ پھر جو ان سے متصل ہیں ان کے بعد دروغ (بدعات و محدثات) کا ظہور ہوگا۔ یہاں تک کہ انسان بغیر قسم دیئے جانے کے قسمیں کھائے گا اور بغیر اس کے کہ اس کی شہادت مطلوب ہو۔ شہادت دیتا پھرے گا۔ لیکن جو شخص وسط جنت کے قیام سے بہرہ اندوز ہونا چاہتا ہے۔ اس پر لازم ہے کہ وہ مسلمانوں کی جماعت اہل سنت والجماعت کا التزام کرے۔ کیونکہ شیطان تنہا آدمی کی رفاقت اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن دو آدمیوں سے نسبتاً دور رہتا ہے۔ یاد رہے کہ ان احادیث کا یہ مطلب نہیں کہ قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد سلامتی ایمان اور صحت عقاید بالکل اٹھ جائے گی۔ کیونکہ حضرت خیر البشر ﷺ کے ارشاد گرامی کے بموجب خیر الامۃ کا گمراہی پر مجتمع ہونا بالکل محال ہے اور کما حقہ اہل سنت و جماعت کا قیامت تک موجود رہنا بھی لوازمات سے ہے۔ بلکہ ان احادیث کا یہ مفہوم ہے کہ تین ازمنۂ خیر تک اتنی غالب رہے گی۔ اس کے بعد شرور و فتن کا غلبہ ہوگا۔ اور سلامتی نسبتاً کم ہو جائے گی۔ اور یہ بھی مخبر صادق ﷺ کا ایک معجزہ تھا جس کی آپ نے پیشین گوئی فرمائی۔ اسی طرح حرف بحرف ظہور میں آیا۔

یہاں یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ صحابہ کرامؓ کا عہد مبارک ۱۱۰ھ تک، تابعین کا قرن ۱۷۰ھ تک اور اتباع تابعین کا زمانہ ۲۶۰ھ تک باقی رہا۔ اس کے بعد بدعتیں نفوذ کرنے لگیں۔ فلاسفہ نے سر اٹھایا۔ معتزلہ نے زبان درازی شروع کی، باطنیہ اور قرامطہ کی فتنہ انگیزیوں کا طوفان عالم پر محیط و متسلط ہوا اور سنت سنیہ کا شغف روبہ زوال ہوا۔

صحابہؓ کا وجود فتح وظفر کا کفیل تھا

صحابہ کرامؓ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ نہ صرف خود ان کا بلکہ ان کے دیکھنے والوں کا وجود بھی فتح وظفر کا کفیل تھا۔ چنانچہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب کہ مسلمانوں کی ایک جماعت مصروف غزا ہوگی۔ اس وقت ان سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی موجود ہے۔ جسے پیغمبر خدا ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی؟۔ کہا جائے گا ہاں موجود ہے۔ پس اصحاب پیغمبر ﷺ کی برکت و شوکت سے مجاہدوں کو فتح و نصرت نصیب ہوگی۔ اسی طرح پھر ایک زمانہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد فی سبیل اللہ کا علم بلند کرے گی۔ اس وقت

سوال کیا جائے گا کہ تمہارے اندر کوئی ایسا متنفس بھی موجود ہے۔ جسے اصحاب رسول ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی ہو؟۔ اس کا جواب اثبات میں دیا جائے گا۔ حق تعالیٰ ان (تابعین) کی برکت سے عسا کر اسلام کو مظفر و منصور کرے گا۔ اس کے بعد ایک موقع پر مسلمانوں کی ایک جماعت (اعلاء کلمتہ اللہ کی خاطر) جہاد کرے گی۔ اس وقت یہ سوال ہوگا کہ کیا لشکر اسلامی میں کوئی شخص ایسا بھی موجود ہے جسے اصحاب رسول ﷺ کے دیکھنے والوں کی صحبت نصیب ہوئی ہو؟۔ جواب ملے گا ہاں موجود ہیں۔ پس حق تعالیٰ ان نفوس قدسیہ (یعنی اتباع تابعین) کی برکت سے مسلمانوں کو فتح دے گا۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں حدیث خیر القرون کے اندر چہار گانہ مراتب بیان کئے گیے ہیں۔ یعنی اتباع تابعین کے دیکھنے والوں کی بھی فضیلت مذکور ہے۔

صحابیؓ کے پاس دفن ہونے کی سعادت

بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی صحابی کے پاس دفن ہونے والا مسلمان مغفور ہوگا۔ مخبر صادق ﷺ نے فرمایا کہ میرا کوئی صحابی ایسا نہیں جو کسی جگہ رحلت کرنے کے بعد قیامت کے دن اس سرزمین کے لوگوں کی (جنت کی طرف) رہنمائی نہ کرے گا اور ان کے حق میں نور نہ ہوگا۔ (ترمذی) ایک اور حدیث سے اصحاب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت شان یہاں تک ثابت ہوتی ہے کہ ان کے دیکھنے پر دوزخ کی آنچ حرام کردی گئی۔ چنانچہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضرت خیر البشر ﷺ نے فرمایا کہ اس مسلمان کو آگ نہ چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے (اصحابؓ) کو دیکھا۔ (ترمذی ج۲ص ۲۲۵)

ان احادیث سے ہر شخص بادنیٰ تامل سمجھ سکتا ہے کہ فردائے قیامت کو ان تہی دستان قسمت کا کیا حال ہوگا۔ برگزیدہ حضرات پر زبان دشنام دراز کرنے کو جزو عبادت گمان کرتے ہیں۔ جن کے رخ انور کی طرف حسن عقیدت سے دیکھنا بھی آتش جہنم کو حرام کردیتا تھا۔

صحابہ کا احترام ملحوظ رکھنے کے متعلق سردار دو جہاں کی وصیت

پیغمبر ﷺ کو معلوم تھا کہ ایک ایسی بدسگال جماعت اٹھ کھڑی ہوگی جو میرے اصحاب پر سب و شتم کرے گی۔ اس لئے آپ نے امت کی رہنمائی کے لئے بطور وصیت فرمایا کہ میرے اصحاب کے حق میں خدا سے ڈرنا (یہ الفاظ آپ نے تین مرتبہ فرمائے) انہیں میرے بعد ہدف ملامت نہ بنانا۔ جو کوئی ان کو دوست رکھتا ہے۔ وہ میری محبت کی وجہ سے ان کو دوست رکھتا ہے۔ اور جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے۔ وہ میرے ساتھ دشمنی رکھنے کے باعث ان سے عناد رکھتا ہے۔ جس نے انہیں رنجیدہ کیا۔ اس نے مجھے رنجیدہ و ملول کیا۔ جس نے مجھے ستایا۔ اس نے خدا کو

ایذا دی اور جو کوئی خدائے برتر کی ایذا رسانی کا باعث ہوا۔ خدائے قہار اسے بہت جلد عذاب میں گرفتار کرے گا۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۲۵) اور روافض کی فتنہ انگیزی کے متعلق پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب تم ایسے لوگوں کو پاؤ جو میرے اصحاب کو گالی دیتے ہیں تو کہو کہ تمہاری شر انگیزی پر خدا کی لعنت ہو۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۲۵)

امام محی الدین نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ صحابہؓ کو برا کہنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ گو ان میں سے بعض باہم معرکہ آراہی کیوں نہ ہوئے ہوں۔ کیونکہ وہ رزم خواہ ہونے میں مجتہد تھے اور مجتہد کی خطا عنداللہ معاف ہے۔ جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ رافضی کو اس کی بدگوئی کی سزا دی جائے۔ لیکن قتل نہ کیا جائے۔ اور علامہ علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک صحابہ کو برا کہنے والا واجب القتل ہے۔ شیخ ابن حجر مکی شافعیؒ نے بھی کتاب صواعق میں یہی فتوی دیا ہے۔

توہین صحابہؓ کے خلاف ریاض آباد کا ایک مقدمہ

لکھنؤ کے رسالہ النجم میں ایک مرتبہ ایک مقدمہ کی دلچسپ روداد شائع ہوئی تھی۔ لکھنؤ میں مقبول احمد نام شیعوں کا کوئی تبرائی واعظ تھا۔ اس نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان پاک میں دریدہ دہنی کر کے فتنہ کی آگ لگائی۔ ایک دفعہ اس جرم میں اس پر فیض آباد میں مقدمہ قائم ہوا۔ مقبول احمد نے عدالت میں بیان کیا کہ اصحاب پر تبرا کہنا ہمارا مذہبی شعار ہے۔ پس جس طرح تمام دوسرے لوگوں کو اپنے مذہبی فرائض بجالانے کی پوری آزادی ہے۔ ہمیں بھی علی الاعلان تبرا کی آزادی ملنی چاہیے۔ اس کے جواب میں مسٹر محمد علی بیرسٹر رائے بریلی نے جو اہل سنت و جماعت کی طرف سے مقدمہ کی پیروی کر رہے تھے۔ عدالت سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جناب ان کا مذہبی فریضہ پیغمبر خدا ﷺ کے احباب و رفقاء کو گالیاں دینا ہے اور ہمارا مذہبی فریضہ یہ ہے کہ تبرا کرنے والے کو قتل کر دیں۔ اور اس کے ثبوت میں صواعق محرقہ کی ایک حدیث پیش کی کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا جو کوئی میرے اصحاب کو برا کہے۔ اس کو قتل کر دو۔ لہذا ملزم کو اسی کے مذہبی فریضہ کی اجازت دی جائے اور ہم کو ہمارے مذہبی فریضہ کی۔ بات نہایت معقول تھی۔ مقبول احمد سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ اور عدالت نے اس بدلگام کو سزا دے دی۔ اس سزا کی اپیل در اپیل ہوتے ہوتے مقدمہ چیف کورٹ لکھنؤ میں پہنچا۔ لیکن سزا آخر تک بحال رہی۔ النجم نے کلکتہ کا یہ واقعہ بھی لکھا واجد علی شاہ والی اودھ لکھنؤ سے نظر بند ہو کر جب مٹیا برج (کلکتہ) پہنچا تو واجد علی شاہ کے زیر اہتمام ایک کتاب چھپی جس میں حضرت سالار

انبیا علیہ السلام کے دوستوں کے خلاف دشنام دہی کی غلاظت بکھیری تھی۔ ان دنوں کلکتہ میں حمید اللہ خان نام ایک بڑے تاجر تھے۔ وہ اس کتاب کو لئے ہوئے وائیسرائے کے پاس چلے گئے اور کہا کہ ابھی تدارک کیجئے۔ ورنہ کلکتہ میں بڑا خون خرابہ ہوگا۔ وائیسرائے نے شاہ اودھ کو ایک چٹھی لکھی کہ جلد سے جلد مسلمانان کلکتہ سے معافی مانگو اور اس کتاب کو تلف کر دو اور آئندہ کے لئے احتیاط رکھو کہ اس قسم کی کوئی حرکت سرزد نہ ہو۔ چنانچہ واجد علی شاہ نے حمید اللہ خان کے نام ایک خط بزبان فارسی لکھا جس میں اپنی غریب الوطنی کا واسطہ دے کر بڑی عاجزی کے ساتھ مسلمانوں سے معافی مانگی اور یہ مصرعہ بھی لکھا: ع بزرگان مسافر بجان پرورند۔

ایران میں بھی تبرّا جرم ہے

النجم کا بیاں ہے کہ خود ایران جو تمام دنیا میں شیعیت کا مرکز مانا جاتا ہے۔ وہاں بھی صحابہ کرامؓ کی شان میں دریدہ دہنی کرنے کو جرم قرار دیا گیا ہے۔ ناصر الدین شاہ کے وزیر سلطنت نے ایران کے شاہی قانون پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام "کتاب الآثار والمآثر" ہے۔ اس میں ایک خاص باب اس عنوان سے درج ہے "منع شدید و نهی اکیداز بابت خلفائے راشدین" اس باب میں بڑی سختی سے شیعوں کے مذہبی مراسم کو جرم قرار دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ نویں ربیع الاوّل کو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کو جو عید ان کے یہاں ہوتی ہے۔ اس کو بھی ممنوع قرار دیا ہے۔ اس عید کا اور اس کے خرافات کا تذکرہ کر کے لکھا ہے کہ: بارے بادشاہ اسلام پناہ ایران این فعل جاهلانه از قلمرو خویش!

(النجم لکھنؤ جلد ۱۰ نمبر ۱، بابت محرم ۱۳۵۱ھ ص ۷، ۸)

بانئ رفض کی عداوت اسلام

ابن عقیل نے یہ بہت صحیح کہا ہے کہ جس شخص نے رافضی مذہب کی بناء ڈالی۔ اس کا مطمع نظر اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ دین محمدی پر طعن کر کے اس سے (معاذ اللہ) لوگوں کو متنفر کر دے۔ ظاہر ہے کہ ہم نے بذات خود حضرت خیر الوریٰ ﷺ کا جمال مبارک نہیں دیکھا اور آپؐ سے براہ راست علم دین کی تحصیل نہیں کی۔ پس آپ کی تعلیمات حقہ کا سارا مدار صحابہ کرامؓ کی روایات پر اور زائرین طلعت مبارک سید الاولین والآخرین ﷺ کی جودت نظر پر ہے۔ لیکن رافضی مذہب کے بانی نے مسلمانوں کو یہ بتایا کہ جن لوگوں پر تم اعتماد کرتے ہو۔ انہوں نے پیغمبر علیہ السلام کے وصال کے بعد ایک تو امر خلافت میں اہل بیت نبوت سے بے انصافی کی۔ دوسرے حضور ﷺ کی صاحبزادی کو میراث سے محروم رکھ کر اپنی بیدادگری کا ثبوت دیا۔ اور ان

من گھڑت دعوؤں سے اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ان لوگوں (صحابہ کرامؓ) نے جس ذات برتر کو اس کے عین حیات نبی مانا تھا۔ اس سے فی الحقیقت کچھ حسن اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ مصلحتاً رفاقت اختیار کر رکھی تھی۔ لیکن جب آپ کا وصال ہو چکا تو (معاذ اللہ) ان کا نفاق ظاہر ہو گیا۔ پس جبکہ بانی رفض نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کو (معاذ اللہ) ظالم وحق ناشناس ٹھہرایا تو اس شرانگیزی سے اس کی حقیقی غرض یہ تھی کہ جو شریعت مطہرہ مسلمانوں کو صحابہ کرامؓ کے توسط سے پہنچی ہے۔ وہ کسی طرح شائستہ اعتماد نہیں ہے۔ (تلبیس ابلیس عربی ص ۹۷) غرض رافضی فرقہ کا بانی فی الحقیقت صحابہ کرامؓ سے عناد نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ دراصل خود اسلام کا ایک خطرناک دشمن تھا اور اس کی یہ خواہش تھی کہ اسلام کی جڑیں کھوکھلی کر دے اور لوگ دین حنیفہ سے علاقہ توڑ کر کفر و زندیقہ کے آغوش میں چلے جائیں۔

بانئ رفض و شیعیت کی اغواکوشیاں

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کرام کی بصیرت افروزی کے لئے رافضی فرقہ کے بانی دموسس عبداللہ ابن سبا کے حالات وواقعات بھی مختصراً عرض کر دیئے جائیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ جب خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کے عہد سعادت میں یہود و نصاریٰ، مجوس اور بت پرستوں کے بلاد وامصار عنایت الٰہی سے صحابہ کرامؓ اوران کے تابعان عظام کے ہاتھ فتح ہوئے اور کفار نگونسار کو قتل۔ اسیری اور نہب وتاراج کی ذلت میں گرفتار ہونا پڑا تو یہ لوگ غیظ وغضب کے عالم میں ماردم بریدہ کی طرح پیچ وتاب کھاتے تھے۔ لیکن کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ حضرات شیخین یعنی امیر المومنین ابوبکر صدیق اور امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے آدان سعید میں انہوں نے غلبہ حمیت اور شدت عصبیت کی وجہ سے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے اور لڑائیاں کیں۔ لیکن چونکہ نصرت الٰہی ہر وقت ملت موحدین کی پشت پناہ تھی۔ ذلت وخسران کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ ناچار خلیفہ ثالث امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے ایام خلافت میں مکر وحیلہ کے اسلحہ سے مسلح ہونے لگے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بعض اعدائے دین نے کلمہ اسلام پڑھ کر منافقانہ اسلام قبول کیا اور مار آستین بن کر مسلمانوں میں تفرقہ اندازی اور بغض کی آگ مشتعل کرنی شروع کی۔

اس فتنہ گر جماعت کا سرکردہ ایک نہایت عیار شخص عبداللہ بن سبا نام یمن کا ایک یہودی تھا۔ اس کے سلسلہ تلبیس کی سب سے پہلی کڑی یہ تھی کہ خاندان نبوت اور دودمان مصطفوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے انتہائی محبت کا اظہار کیا اور اپنی ساری ہمت اس کوشش میں صرف کر دی کہ لوگ اہل بیت اطہار سے محبت کریں اور ان کی عون ونصرت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔

چونکہ یہ تحریک اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تھی۔ اس لئے کافہ اہل اسلام میں بہت مقبول ہوئی اور ہر خاص وعام نے گمان کیا کہ جو کچھ کہ کہتا ہے خلوص اور خیر خواہی کی راہ سے کہتا ہے۔ لیکن اہل حق کو معلوم نہ تھا کہ وہ اسلام کا نہایت خطرناک دشمن ہے اور مسلمانوں کے خلاف نہایت خوفناک جال بچھا رہا ہے۔ جب عبداللہ بن سبا لوگوں کو اس دام فریب میں گرفتار کر چکا تو اب اس نے لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ جناب علی مرتضیٰؓ افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔ حضور سید عالم ﷺ کی جناب میں انہیں سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا۔ اب وہ ان احادیث کے ساتھ جو امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کی شان میں وارد ہیں اپنی طرف سے بہت سی موضوع ومخترع روایتیں شامل کر کے ان کو شہرت دینے لگا۔ اور جب دیکھا کہ اس کے دام افتادہ لوگ خلفائے ثلاثہ پر حضرت علیؓ کی افضلیت کے قائل ہو گئے تو اس نے اپنے احباب خاص کی ایک جماعت کو اپنے اس راز سربستہ کی تعلیم دینی شروع کی کہ جناب علی مرتضیٰؓ پیغمبر خدا ﷺ کے وصی تھے۔ آنحضرتؐ نے انہیں بنص صریح خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ لیکن صحابہؓ نے غلبہ پا کر اور (معاذ اللہ) مکروحیلہ سے وصیت نبوی سے بے اعتنائی کی۔ خدا اور رسول کی اطاعت سے منہ موڑ کر علی مرتضیٰؓ کا حق غصب کر لیا اور طمع دنیاوی سے مغلوب ہو کر دین سے برگشتہ ہو گئے۔ اس کے ساتھ اس نے فدک کے متعلق اس گفتگو میں جو امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ اور سیدۃ النساء جناب فاطمہؓ میں ہوئی اور انجام کار صفائی اور حسن اسلوب سے طے ہو گئی تھی۔ رنگ آمیزی شروع کی اور اپنے مخصوص احباب کو تاکید کر دی کہ اس راز کو فاش نہ ہونے دیں اور سمجھا دیا کہ اگر احیاناً لوگوں سے اس قسم کی گفتگو ہو تو میرا نام ہرگز ظاہر نہ کرنا۔ کیونکہ اس جدوجہد سے میری غرض محض اظہار حق ہے۔ نہ کہ نام ونمود۔

ابن سبا کا بصرہ سے اخراج

ابن سبا نے مدینہ منورہ میں اپنی حق فراموش جماعت تیار کرنے کے بعد دوسرے اسلامی بلاد میں جا کر فتنہ انگیزی اور فساد پروری کا قصد کیا۔ ۳۳ھ میں بصرہ پہنچا اور مسلمانوں کو راہ حق سے منحرف کرنے کی جہدوجہد میں مصروف ہوا اور ان دنوں جناب عبداللہ بن عامر امیر المومنین عثمانؓ کی طرف سے بصرہ کے عامل تھے۔ انہوں نے سبائی فتنہ انگیزی کے حالات سنے تو ابن سبا کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟۔ کہنے لگا میں یہودی تھا۔ لیکن اب دین اسلام کو برحق یقین کر کے مسلمان ہو گیا ہوں۔ ابن عامر نے کہا میں نے تمہاری نسبت ایسی ایسی باتیں سنی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم بڑے مفسد اور عدوئے اسلام ہو۔ اس لئے مناسب ہے کہ میرے حدود عمل سے جلد نکل جاؤ۔ ورنہ میں تمہاری گردن ماردوں گا۔ اب ابن سبا نے بصرہ سے کوفہ کا

عزم کیا۔ وہاں سے بھی اپنی مغویانہ سرگرمیوں کی وجہ سے نکالا گیا۔ کوفہ سے مصر کی راہ لی۔ وہاں پہنچ کر اس نے ایک نیا مسئلہ یہ اختراع کیا کہ جناب مسیح (علیہ الصلوٰۃ السلام) کی طرح حضرت سرورِ دو جہان علیہ التحیہ والسلام بھی دوبارہ تشریف لانے والے ہیں اور کہتا تھا کہ مجھے ان لوگوں کی عقل و فہم پر حیرت ہے۔ جو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا رجوع کرنے کو مانتے ہیں۔ لیکن انہیں جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی رجعت سے انکار ہے اور ساتھ ہی یہ کہنا شروع کیا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور محمد ﷺ کے وصی علیؓ ابن ابو طالب ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو علیؓ ابن ابو طالب کو پیغمبر خدا کا وصی نہیں مانتا۔ اس کے بعد یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ عثمان بن عفانؓ نے (معاذ اللہ) بلا استحقاق خلافت رسول اللہ پر قبضہ جما رکھا ہے۔ دنیا میں بیوقوفوں اور شرارت پسندوں کی کمی نہیں۔ مصر میں بھی اس نے اوباش قسم کے لوگوں کو جمع کر کے ایک جماعت بنا لی۔ خلیفہ رسول ﷺ کے خلاف نشریہ کرنے کے لئے منادتیار کئے اور ان کی مختلف دیار وامصار میں بھیجتے وقت ہدایت کی کہ جہاں جاؤ سب سے پہلے عامۃ الناس کا دل ہاتھ میں لینے کے لئے بظاہر امر معروف و نہی منکر کا طریقہ اختیار کرو۔ اور جب عوام کی ہمدردی حاصل کر چکو تو امر معروف و نہی منکر کی آڑ میں حضرت عثمانؓ کے عمال کے خلاف بے پناہ پروپیگنڈا شروع کرو۔ اسی کے ضمن میں خلیفہ ثالث کے خلاف بھی عام جذبہ منافرت پیدا کرتے رہو۔ یہ مناد بصرہ، کوفہ، شام، مصر ہر جگہ پھیل گئے اور امر معروف و نہی منکر کی آڑ میں حکام کے خلاف منافرت پھیلانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام بڑے بڑے شہروں کے باشندے ۳۵ھ میں اپنے اپنے عمال کی شکائتیں لے کر مدینہ منورہ پہنچے اور اہل مدینہ کے پاس اپنی نام نہاد مظلومی کے ٹسوے بہانے لگے۔ یہ دیکھ کر امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے تفتیش حالات کے لئے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بصرہ حضرت عمار بن یاسرؓ کو مصر، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو شام اور حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو کوفہ روانہ فرمایا۔ یہ حضرات تحقیق حالات کے بعد مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے اور آ کر بتایا کہ تمام شکائتیں بے بنیاد اور جھوٹی تھیں۔ ہماری تحقیق کی رو سے کوئی معاملہ ایسا پیش نہیں آیا۔ جو قابل اعتراض ٹھہر سکے۔

(کتاب الخطط علامہ مقریزی جلد ۴ ص ۱۴۶، ۱۴۷)

امیر المومنین علیؓ کی زبان مبارک سے حضرت شیخینؓ کی ثنا و منقبت

قضائے کردگار سے امیر المومنین عثمان ذوالنورینؓ کے آخری دور خلافت میں مصر کی ایک شوریدہ سر جماعت نے امیر المومنین کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ ابن سبا نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر آگ پر تیل ڈالنا شروع کیا۔ اور دوسرے دشمنان ملت کو بھی جو کوفہ اور نواح عراق

میں پھیلے ہوئے تھے۔ مدینہ منورہ میں بلا لیا۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے فتنہ انگیزی کے وہ ہتھیار جنہیں صولت اسلام کی وجہ سے استعمال نہ کر سکتے تھے۔ تیز کرنے شروع کیے اور خلیفہ برحق جناب عثمان ذوالنورینؓ کو جرعہ شہادت پلوا کر دم لیا۔ جب امیر المومنین علی مرتضیٰؓ نے اورنگ خلافت کو زینت بخشی تو ان منافقوں نے اپنے تئیں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ کے محبین مخلصین کو جماعت میں لا کھڑا کیا اور اپنے آپ کو شیعان علیؓ (گروہ علیؓ) کے نام سے ملقب کرنے لگے۔ اب ابن سبا نے اپنے خبث باطن کو بے کھٹکے ظاہر کرنا شروع کیا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ امیر المومنین علیؓ نے کسی مصلحت سے اپنا دارالخلافہ مدینہ منورہ سے کوفہ کو منتقل کر لیا تھا۔ ابن سبا کے وابستگان دامن بھی عسکر خلافت میں شامل ہو کر کوفہ پہنچ گئے۔ اور سبائی تعلیمات کا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ چند روز کے بعد خود ابن سبا بھی کوفہ پہنچ گیا۔ یہاں اس نے سب سے پہلے اس مسئلہ کی تبلیغ شروع کی کہ صحابہؓ میں حضرت علی مرتضیٰؓ سب سے افضل ہیں۔ جب ابن سبا نے دیکھا کہ کوفہ کے فوجی سپاہی مسئلہ کو سمع قبول سے سننے لگے ہیں تو اس نے امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ و امیر المومنین عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہما کیخلاف دریدہ دہنی کا شیوہ اختیار کیا اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اور دوسرے اصحاب رسول ﷺ کے خلاف جذبہ نفرت پھیلانے لگا۔ حضرت سوید بن غفلہؓ کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ کے لشکر گاہ میں چند آدمی دیکھے جو حضرات شیخینؓ پر طعن و تشنیع کر رہے تھے۔ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ امیر المومنینؓ! میں آپ کی فوج میں گیا تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں ایسی باتیں کہہ رہے تھے جو ان دونوں بزرگوں کے شایان شان نہیں اور عجب نہیں کہ ان کی یہ جسارت اس خیال پر مبنی ہے کہ آپ کے دل میں بھی شیخینؓ کی طرف سے کچھ غبار کدورت ہے۔ ورنہ کبھی ممکن نہ تھا کہ حضرات شیخینؓ کی شان میں یوں علانیہ دریدہ دہنی کی جاتی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ ان حضرات کی طرف سے میرے دل میں کدورت کا کوئی ادنیٰ شائبہ ہو۔ میرے باطن میں دونوں حضرات کا وہی جذبہ محبت موجود ہے جو خود سرور عالم و عالمیان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا موجزن ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ خدا اس پر لعنت کرے جس کے دل میں ان حضرات کے متعلق حسن ظن کے سوا کوئی اور جذبہ مخفی ہو۔ یہ دونوں تو پیغمبر خدا ﷺ کے بھائی اور وزیر تھے۔ خدا ان پر اپنی رحمت کا مینہ برسائے۔ (تلبیس ابلیس عربی ۸۰) اس کے بعد امیر المومنین علیؓ نے پیروان ابن سبا کی فتنہ انگیزیوں کے خلاف متعدد خطبے دیئے۔ اور اس جماعت کے خلاف ہر طرح سے نفرت و بیزاری کا اظہار فرمایا۔ باوجودیکہ آپ نے بعض فتنہ

انگیزوں کو جسمانی سزائیں دیں اور وقتاً فوقتاً مسلمانوں کی سبائی فتنہ سے دامن کش رہنے کی تاکید فرمائی۔ تاہم یہ مفسد جماعت اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہی۔

ابن سبا کے پیرو زندہ آگ میں جلا دیئے گئے

جب ابن سبا نے دیکھا کہ ہزارہا لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی اور بہت سے مسلمان فاسد العقیدہ ہو چکے تو اب اس نے یہ کہہ کر فتنہ انگیزی شروع کی کہ جناب علی مرتضیٰؓ سے ایسے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو مقدور بشری سے خارج ہیں اور بتایا کہ خوارق عادات، قلب اعیان، اخبار غیب، احیائے اموات، بیان حقائق الٰہیہ وکونیہ، محاسبات دقیقہ، جوابات حاضرہ، بلاغت عبارت، فصاحت الفاظ، زہد وتقویٰ، شجاعت مفرطہ وغیرہ امور آپ سے اس کثرت وتنوع سے صادر ہوتے ہیں کہ جن کا مبنیٰ انسان کے مبلغ فہم سے بالاتر ہے۔ اس کے بعد ایک مجلس خاص میں جناب علی مرتضیٰؓ کے مناقب میں بہت کچھ رنگ آمیزیاں کیں اور حفظ اسرار کی تاکید کرتے ہوئے اپنے دام افتادوں کو بتایا کہ یہ تمام باتیں جو آپ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ آپ کی الوہیت کے خواص ہیں اور لاہوت ناہوت کے لباس میں جلوہ فرما ہیں۔ اس دن سے پیروان ابن سبا حضرت علی مرتضیٰؓ کو (معاذ اللہ) خدا کہنے لگے۔ جب امیر المومنین علیؓ کو اس سبائی شر انگیزی کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ابن سبا اور اس کے پیرووں کی گرفتاری کا حکم دیا۔ کچھ تو بھاگ گئے اور جو مل سکے ان کو آپ نے عبرت روزگار بننے کے لئے زندہ آگ میں جلا دیا۔ چنانچہ اسی معنی سے آپ نے فرمایا ہے:

لما رایت الامر امر منکراً
احججت ناری و دعوت قنبراً

(کتاب الخطط جلد ۴ ص ۱۸۲)

یہ حرماں نصیب کوفہ سے بھاگ کر مدائن پہنچے۔ لیکن وہاں بھی اپنی مفسدہ پردازی سے باز نہ آئے۔ سبائی منادآ ذربنجان اور عراق میں پھیل گئے۔ چونکہ امیر المومنین اس وقت مہمات خلافت کے علاوہ خوارج کی سرکوبی اور شامیوں کی لڑائی میں الجھے ہوئے تھے۔ اس بنا پر ان اشرار کی طرف توجہ نہ فرما سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابن سبا کا مذہب ان علاقوں میں جڑ پکڑ گیا اور انجام کار اس نے شیعہ مذہب کے نام سے اپنے تئیں روشناس کرایا۔

لشکر مرتضوی کی چہار گانہ تقسیم

انجام کار امیر المومنین علیؓ کے لشکر سبائی تعلیمات کے رد وقبول کی وجہ سے چار فرقوں میں

تقسیم ہو گئے۔ اول شیعہ مخلصین یعنی اہل سنت و جماعت جو تمام اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے محبت رکھتے اور ازواج طاہرات سے خلوص عقیدت رکھتے ہیں۔ ان کا آئینہ دل اکابر امت کے غبار کینہ سے بالکل پاک ہے۔ جناب امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کی روش پر قائم اور ان کے سچے پیرو ہیں۔ ان کا دامن سبائی خبث کی نجاست سے پاک رہا۔ جناب امیر المومنین علیؓ نے اپنے خطبوں میں ان حضرات کی مدح و تحسین فرمائی اور ان کی روش کو پسند فرمایا۔ دوسرے شیعہ تفضیلیہ جو جناب علی مرتضیٰؓ کو تمام صحابہؓ پر تفضیل دیتے تھے۔ گو اس فرقہ نے ابن سبا کا اثر پوری طرح قبول نہ کیا۔ تاہم اس کی پیروی کر کے اہل حق کے زمرہ سے خارج ہو گئے۔ جناب علی مرتضیٰؓ نے ان کو ہمیشہ تنبیہ کی کہ اگر کسی شخص کی نسبت معلوم ہوگا کہ وہ مجھے شیخین (یعنی امیر المومنین ابوبکر صدیق اور جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہما) سے افضل کہتا ہے تو میں اس افتراء کی حد اسی کوڑے لگاؤں گا۔ تیسرا فرقہ شیعہ یعنی دشنام گو جنہیں تبرائی بھی کہتے ہیں۔ یہ بدنصیب فرقہ تمام صحابہؓ کو ظالم اور غاصب بلکہ کافر و منافق یقین کرتا ہے اور اس نے تمام اکابر صحابہؓ کو اپنے ناپاک سہام طعن کا ہدف بنا رکھا ہے۔ جب کبھی اس گروہ کے خیالات امیر المومنینؓ کے سمع مبارک تک پہنچتے تو آپ خطبہ دیتے۔ ایسے ناپاک خیالات کی تشنیع فرماتے اور ان لوگوں سے بیزاری کا اظہار کرتے۔ چوتھا فرقہ غلات شیعہ ہیں۔ یہی ابن سبا کے شاگرد رشید ہیں۔ یہ لوگ امیر المومنین علیؓ کی خدائی کے قائل ہیں۔ جب مخلصین شیعہ یعنی اہل سنت و جماعت نے ان لوگوں پر بدلائل و براہین ثابت کر دیا کہ جناب علی مرتضیٰؓ میں بے شمار ایسے آثار و دلائل موجود ہیں جو الوہیت کے منافی اور آپ کی بشریت کو مستلزم ہیں تو بعض غلاۃ نے صریح الوہیت کے عقیدہ سے برگشتہ ہو کر یہ بے ہودہ خیال پیدا کر لیا کہ روح لاہوتی نے جناب علی مرتضیٰؓ کے بدن ناسوتی میں حلول کیا ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۴، ۷)

باب ۳۵ ...... اصفر بن ابوالحسین تغلبی

اصفر بن ابوالحسین تغلبی راس عین کا رہنے والا تھا۔ جو حران اور نصیبین کے درمیان ایک شہر ہے۔ اس نے ۴۳۹ھ میں نبوت کا دعویٰ کیا اور کہنا شروع کیا کہ کتابوں میں جس موعود کے آنے کی پیشین گوئی ہے۔ وہ میں ہی ہوں۔ اس سے اس کی مراد غالباً مسیح موعود ہوگی۔ اصفر نے دعویٰ نبوت کے بعد طرح طرح کے شعبدے دکھا کر لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانا چاہا۔ بے شمار جہلاء اور تعلیم یافتہ لوگ اس کے حلقہ مریدین میں داخل ہو گئے۔ جب جمعیت بڑھنے لگی تو دل میں ملک

گیری کا شوق سر سرایا اور حرب وضرب کی تیاریوں میں مصروف ہوا۔ اصفر سے پہلے جتنے جھوٹے مدعی گذرے۔ وہ اپنی حربی قوت کو ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام ہی کے خلاف استعمال کرتے رہے۔ لیکن اصفر نے اپنے پیش رووں کا طریقہ چھوڑ کر اپنی سرگرمیوں کا رخ نصاریٰ کی طرف پھیر دیا۔ چنانچہ اس کا لشکر بڑے تزک واحتشام سے رومیوں کے مقابلہ میں روانہ ہوا۔ روم کی سرحد پر بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ جس میں رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اصفر بے شمار مال غنیمت لے کر واپس آیا۔ اور اس کی عظمت کا جھنڈا بڑی شان وشوکت سے اڑنے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد اصفر نے نصاریٰ کے خلاف پھر علم عربدہ جوئی بلند کیا۔ اور رومیوں کو منہزم کر کے واپس آیا۔ کچھ دن کے فصل سے پھر عنان عزیمت روم کی طرف موڑی اور رومیوں کو پامال کر کے اتنے مال غنیمت کے ساتھ مراجعت کی کہ جس کی کوئی حد ونہایت نہ تھی۔ ایک مرتبہ اس کی فوج اس کثرت سے رومی عورتوں کو قید کر لائی کہ اس کے لشکر میں بڑی بڑی حسین لڑکیاں تھوڑے پیسوں میں فروخت ہوئیں۔ جب شاہ روم نے دیکھا کہ اصفر ہر مرتبہ چپ چاپ روم پر آچڑھتا ہے اور اس کے پیشتر کہ مدافعت کے لئے کوئی زبردست فوجی اجتماع عمل میں لایا جا سکے سرحدی شہروں کو تاخت وتاراج کر جاتا ہے تو اس نے نصر الدولہ بن مروان حاکم دیار بکر وسیافارقین کے پاس پیغام بھیجا کہ تم سے ہمارے مراسم اتحاد استوار تھے۔ لیکن اصفر نے تمہاری مملکت میں رہ کر کئی مرتبہ خونریزانہ اقدام کیا ہے اور جو جو ستیزہ کاریاں اور ظلم آرائیاں کی ہیں۔ وہ تم سے مخفی نہیں ہیں۔ اگر تم پیمان مودت واتحاد سے دست بردار ہو چکے ہو تو ہمیں اس سے مطلع کر دو۔ تاکہ ہم بھی اپنی صوابدید پر عمل کریں۔ ورنہ اس شخص کا کچھ تدارک کرو۔ جس وقت شاہ روم کا ایلچی نصر الدولہ کے پاس پہنچا تو اتفاق سے ٹھیک اسی وقت اصفر کا قاصد بھی ایک خط لے کر نصر الدولہ کے پاس آیا۔ جس میں رومیوں کے خلاف اس کے ترک غزا پر اعتراض کیا تھا۔ نصر الدولہ نے دیکھا کہ اگر رومیوں کی شکایت کا کوئی مداوانہ ہوا تو وہ اس کی مملکت پر چڑھ دوڑیں گے۔ اس کے علاوہ از راہ مآل اندیشی اس مسئلہ پر بھی غور کرنے لگا کہ اگر ابھی سے اصفری فتنہ کا سدباب نہ کیا گیا تو یہی شخص جو آج رومیوں کو پریشان کر رہا ہے۔ کل کو ہمارے گلے کا ہار بن جائے گا۔ یہ سوچ کر بن نمیر کے چند آدمیوں کو بلایا اور انعامات وافرہ سے ممنون احسان کر کے کہنے لگا کہ اصفر نے رومیوں کو ہمارے خلاف برانگیختہ کر دیا ہے اور ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ان سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ اس لئے جس طرح بن پڑے۔ اس کو جا کر ٹھکانے لگا دو یا زندہ گرفتار کر لاؤ۔ بنو نمیر کے جوان اصفر کے پاس جا کر اس کے مریدوں میں داخل ہو گئے اور حاشیہ نشینی اختیار کر کے تھوڑی مدت میں غیر معمولی تقرب حاصل کر لیا۔ ایک

مرتبہ اصفر سوار ہو کر ان کے ساتھ ہولیا۔ چلتے چلتے ایک ایسی جگہ پر پہنچے جہاں بنو نمیر کے جوانوں کے سوا اس کے ساتھ کوئی اور شخص نہ تھا۔ انہوں نے موقع پر پا کر اس کو گرفتار کر لیا اور پا بجولاں نصر الدولہ کے پاس لے آئے۔ نصر الدولہ نے اس کو زندان میں ڈال کر شاہ روم کو اس کی اطلاع دے دی۔ (الکامل فی التاریخ ج ۸ ص ۲۷۹) اس کے بعد اس کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا۔ قرینہ یہ ہے کہ حالت بحبس میں اس سرائے فانی سے منقطع ہو کر دار آخرت کو چلا گیا ہوگا۔

باب ۳۶ ...... ابو عبداللہ ابن شباس صیمری

۴۵۰ھ میں ایک شخص جسے ابو عبداللہ ابن شباس کہتے تھے قصبہ صیمرہ میں ظاہر ہوا۔ جو ولایت بصرہ میں ہے۔ خدائی کا مدعی تھا۔ اس کے اباطیل نے نہ صرف عوام کالانعام کو خیرہ سر کر دیا۔ بلکہ اچھے اچھے تعلیم یافتہ اور صحیح العقل انسان بھی ماؤف دماغ ہو گئے۔ خصوصاً اہل صیمرہ تو اس کو (معاذ اللہ) خالق کردگار سمجھ کر اس کی پرستش کرتے تھے۔ علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں میں نے کتاب ''المبدء والمآل'' میں ابن شباس کے حالات مفصل درج کئے ہیں۔ (معجم البلدان یاقوت حموی جلد ۵ ص ۴۰۶) لیکن افسوس ہے کہ خاکسار راقم الحروف اس کتاب پر دسترس نہ پا سکا۔ غالباً یہ کتاب آج کل ناپید ہے۔ ابن شباس کا باپ ابو محمد علی بن حسین بغدادی معروف بہ شباس ایک مشہور کبوتر باز تھا۔ جس طرح ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے نمائندے ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں سے خبریں بھیجتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ابن شباس کے آدمی بھی تمام بڑے بڑے اسلامی شہروں میں موجود تھے۔ جو نامہ بر کبوتروں کے ذریعہ سے اپنے اپنے شہر کے واقعات لکھ کر ابن شباس کے پاس بھیجتے تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایسوسی ایٹڈ نمائندے صرف اہم خبریں بھیجتے ہیں۔ لیکن ابن شباس کے گماشتے بالکل غیر اہم امور کی بھی اطلاع دیا کرتے تھے۔ مثلاً جب کوئی شخص ان کے پاس آیا تو انہوں نے جھٹ کاغذ کے ایک پرزہ پر اطلاع لکھ کر فلاں شخص مجھ سے ملنے آیا ہے کسی کبوتر کو اڑا دیا۔ ادھر صیمرہ میں یہ انتظام تھا کہ نامہ بر کبوتر اپنے شہر سے اڑ کر ابن شباس کے مکان کی چھت پر آ بیٹھتے۔ شباس کا ایک خادم وہاں ہر وقت موجود رہتا۔ وہ کبوتر کے پاؤں سے رقعہ کھولتا اور نیچے آ کر چپ چاپ ابن شباس کو دے جاتا۔ اسی طرح سارا دن کبوتروں کی ڈاک لگی رہتی تھی۔ اور ابن شباس دعویٰ غیب دانی کے ساتھ دن بھر حاضرین کو بلاد و امصار کی خبریں سنایا کرتا اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اچانک پکار اٹھتا کہ فلاں شہر میں یہ حادثہ رونما ہوا۔ فلاں فلاں مقام پر یہ واقعہ پیش آیا۔ چونکہ بعد کو یہ اطلاعیں ہمیشہ صحیح

ثابت ہوتی تھیں۔ اس لئے لوگ اس کو علام الغیوب اور رب العالمین یقین کرتے تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوا کہ ابن شباس کے کسی نمائندے نے اس کے پاس اپنے شہر سے اطلاع بھیجی کہ فلاں فلاں افراد یا قبائل میں نزاع ہو گئی ہے۔ ابن شباس متخاصمین کے نام ایک ایک چٹھی لکھ کر نامہ بر کبوتر کے ذریعہ سے اپنے نمائندہ کے پاس بھیج دیتا۔ ان چٹھیوں میں لکھا ہوتا تھا تم لوگ آپس میں مصالحت کر لو۔ ورنہ تم پر میرا صاعقہ عذاب نازل ہوگا۔ ابن شباس کا نمائندہ یہ چٹھیاں متخاصمین کے پاس پہنچا دیتا۔ وہ اپنے خانہ ساز خدا کا فرمان پڑھ کر مرعوب ہو جاتے۔ اور یہ خیال کر کے کہ اگر اپنے ''خالق و رزاق'' کا امتثال امر نہ کریں گے تو ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ آپس میں صفائی کر لیتے۔ (کتاب الدعاۃ مطبوعہ مصر ص ۲۷، ۲۸) مگر معلوم نہیں کہ کسی مسلمان حکمران کی شمشیر خارا شگاف نے اس کی خدائی کا خاتمہ کیا تھا یا نہیں؟۔

باب ۳۷ ...... حسن بن صباح حمیری

۱......ابن صباح کے ابتدائی حالات

حسن بن صباح جو مہبط وحی ہونے اور خدا برتر سے احکام پانے کا مدعی تھا۔ ایک ایسے خوفناک فرقہ کا بانی ہے کہ جس کی خفیہ سازشوں اور جانستانیوں کا تصور بدن پر رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ یہ شخص شہر طوس میں جو علاقہ خراسان میں ہے میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ علی اسماعیلی مذہب کا پیرو اور شہر رے میں بود و باش رکھتا تھا۔ جو عراق و عجم کا ایک شہر ہے۔ علی کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ علی بن احمد بن جعفر بن حسن بن صباح حمیری۔ چونکہ حسن کا مورث اعلیٰ صباح ایک مشہور آدمی ہو گزرا تھا۔ اس نے حسن بن علی کہنے کی بجائے حسن بن صباح کہلانا پسند کیا۔ حسن کا باپ علی بڑا شریر اور عیار آدمی تھا۔ ان ایام میں رے کی حکومت ابومسلم رازی کے ہاتھ میں تھی جو ایک نہایت سلیم الفطرت اور متدین حاکم تھا۔ چونکہ علی اپنے خبث باطن اور رفض و زندقہ میں بدنام تھا۔ ابومسلم رازی کو جو فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت کا پیرو تھا۔ اس سے نفرت تھی اور علی ہر وقت ابومسلمؒ کے سامنے اپنے عقاید کی صفائی ظاہر کرتا اور جھوٹی قسمیں کھا کر اسے یہ باور کرانے کی کوشش کیا کرتا کہ میں ایک صحیح العقیدہ مسلمان ہوں اور مذہب حق اہل سنت و جماعت کا پیرو ہوں۔ ان ایام میں اہل سنت و جماعت کے ایک بڑے عالم امام موفق نیشاپور میں مسند درس و افاضہ پر متمکن تھے اور اطراف و اکناف ملک کے لوگ ان کے حلقہ درس میں شریک ہو کر چشمہ علوم و فنون سے سیراب ہو رہے تھے۔ علی نے اپنے رفض والحاد کا الزام دور کرنے کے لئے اپنے بیٹے حسن کو نیشاپور لے جا

کرامام موفق کے درس میں داخل کرادیا۔ حسن اس سے پیشتر کئی سال تک عبدالملک بن عطاش نام ایک اسماعیلی سے تحصیل علم کرتا رہا تھا۔ امام موفق کی تعلیم وتربیت میں خدائے برتر نے یہ خوبی رکھی تھی کہ ان کے شاگرد عموماً کسی نہ کسی درجہ پر پہنچ جایا کرتے تھے اور یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ امام موفق کا تلمذ جاہ وحشم کا ضامن ہے۔

کتب کا معاہدہ

خواجہ حسن طوسی (جو بعد کو سلجوقی سلطنت کا وزیر اعظم ہو کر نظام الملک کے لقب سے ممتاز ہوا) اور حکیم عمر خیام نیشاپوری بھی حسن بن صباح کے ہم درس تھے۔ ان تینوں میں باہم الفت تھی۔ تینوں ایک ساتھ رہتے اور باہم مل کر سبق کی تکرار کیا کرتے تھے۔ ایک دن حسن بن صباح اپنے دوستوں سے کہنے لگا۔ یہ مشہور بات ہے کہ امام موفق کے شاگرد بڑے رتبہ پر پہنچتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ہم تینوں جاہ ودولت کے مرتبہ پر نہ پہنچیں تو ہم میں سے ایک نہ ایک ضرور پہنچے گا۔ اس لئے آپس میں عہد کریں کہ ہم میں سے حق تعالیٰ جس کو معزز وبامراد کرے اور عزت وجاہ کے درجہ پر پہنچائے۔ وہ اپنے دونوں رفیقوں کو بھی اپنی دولت میں برابر کا شریک کرے اور کسی معاملہ میں اپنی ذات کو دوسروں پر ترجیح نہ دے۔ تینوں نے یہ معاہدہ بڑی گرمجوشی سے قبول کیا اور باہم عہد وپیان ہو گئے۔ کچھ مدت کے بعد یہ رفقاء فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ سے چلے گئے۔ (دبستان مذاہب ص ۲۸۶) حسن بن صباح اپنے باپ کے پاس رے پہنچا۔ تھوڑے دن کے بعد ابو مسلم کو معلوم ہوا کہ ابن صباح کے پاس مصر کے عبیدی فرمانرواؤں کے داعیوں کی ایک جماعت آئی تھی۔ ابومسلم نے ابن صباح کی گرفتاری کا حکم دیا۔ پولیس نے بہتیری تلاش کی۔ لیکن اس کا کہیں سراغ نہ مل سکا۔ ابو مسلم نے بطریق فراست فرمایا کہ یہ شخص عنقریب ضعفائے عوام کو گمراہ کرے گا۔ (الکامل فی التاریخ ج۹ ص ۳۹) چنانچہ آگے چل کر قارئین کرام کو معلوم ہوگا کہ یہ پیشین گوئی کس طرح حرف بحرف پوری ہوئی۔ نیشاپور سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہر شخص قسمت آزمائی کے میدان وسیع میں نکل کر سمند تدبیر پر سوار ہوا۔ خواجہ حسن بمقام مرو سلطان ملک شاہ کے دادا چغری بیگ سلجوقی کے دربار میں پہنچا اور رسائی حاصل کر کے ترقی کے زینے طے کرتے کرتے سلجوقیوں کا وزیر اعظم ہو گیا۔ اس طرح دنیا کی ایک عظیم الشان سلطنت کی باگ ہاتھ میں رکھ کر نظام الملک طوسی کے معزز لقب سے دنیا میں چمکا۔

سلاطین آل سلجوق

چونکہ اکثر احباب تاریخ آل سلجوق سے ناآشنا ہیں۔ اس لئے یہاں مختصراً یہ بتا دینا

ضرور ہے کہ سلجوقیوں کا عہد حکومت مسلمانوں کے نہایت عروج واقبال کا زمانہ تھا۔ چنانچہ جب خلافت بغداد کا ڈھچر ڈھیلا پڑ گیا تو دولت سلجوقیہ ہی خلافت بنی عباس کا نعم البدل ثابت ہوئی۔ خاندان مذکور سلجوق بن یکاک کی نسل سے تھا۔ سلجوق مسلمان ہونے سے پہلے خان ترکستان کے ہاں نوکر تھا۔ خدمت ترک کر کے بخارا چلا گیا۔ جہاں اس نے اور اس کی تمام آل واحفاد نے خلوص دل سے اسلام قبول کیا۔ اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے ہی ان کندہ، ناتراش، وحشی اور غیر مہذب ترکوں کی کایا پلٹ گئی۔ گنوار عرصہ تہذیب شائستگی کے شہسوار بن گئے اور خانہ بدوشی مدنیت سے بدل گئی۔ لیکن جس طرح اسلام نے ان کو نعمت ایماں سے مستعد کر کے اور تہذیب وسلیقہ شعاری کے تخت پر بٹھا کر ان پر احسان کیا۔ اسی طرح خود اسلام کو بھی اپنے ان حدیث العہد پیرووں کے وجود سے بڑا فائدہ پہنچا۔ خدائے قدوس اپنے دین کا خود حافظ وناصر ہے۔ توحید ورسالت کا اقرار کرنے کے بعد ہی اس ذات بے ہمتا نے ان نو مسلم ترکوں کو وہ قوت وسطوت عطا کی کہ انہوں نے اسلام کی کشتی کو جو تباہی کے ساحل پر پہنچ رہی تھی۔ غرق ہونے سے بچا لیا۔ آل سلجوق برق وباد کی سی تیزی کے ساتھ بڑھے اور ایران، الجزیرہ، شام اور ایشیا کوچک پر چھا گئے۔ جس ملک نے ان کی مزاحمت کی اسے تاراج کر ڈالا اور جس سلطنت سے مڈبھیڑ ہوئی اسے بیخ وبن سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ اس سیل فتوحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ اسلامی ایشیا جہاں خلافت آل عباس کی کمزوری کے باعث ایک قسم کی طوائف الملوکی پھیل گئی تھی۔ افغانستان کی مغربی سرحد سے لے کر بحیرہ روم تک ازسر نو واحد بادشاہ کے قبضہ اقتدار میں آ گیا۔ جو اجزائے سلطنت بکھر گئے تھے۔ وہ ایک مرتبہ پھر ایک رشتہ میں منسلک ہو گئے۔ انہی ترک جنگجوؤں نے یورپ کی پیش قدمی کو روکا اور صلیبی مجاہدوں کی ہزیموں اور ناکامیوں کا باعث بھی بہ نسبت کسی اور سلطنت کے زیادہ تر یہی پرجوش نو مسلم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سلاجقہ کو تاریخ اسلام میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ طغرل بیگ محمد اور چغرا بیگ داود دونوں سلجوق کے پوتے تھے۔ چونکہ دونوں بھائیوں میں بیحد محبت تھی اور دونوں کامل اتحاد کے ساتھ مہام سلطنت کو سرانجام دیتے تھے۔ اس لئے دونوں کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ لیکن اخیر دور حکومت انتظاماً چغر بیگ نے مرد (ترکستان) کو اور طغرل بیگ نے نیشاپور (خراسان) کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا۔ جن حضرات کو تاریخ آل عباس پر عبور ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جب ۴۵۰ھ میں بساسیری نے بغداد پر حملہ کر کے خلیفہ قائم بامر اللہ کو قید کر لیا تھا تو خلیفہ نے طغرل بیگ سلجوقی سے مدد مانگی تھی۔ طغرل بیگ نے بسامیری پر یورش کر کے اس کو شکست دی۔ خلیفہ کو قید محن سے چھڑایا اور بسامیری کا سر کاٹ کر خلیفہ کے پاس بغداد بھیج دیا۔ اس واقعہ کے

چار سال بعد خلیفہ قائم نے اپنی بیٹی کی شادی طغرل بیگ سے کر دی۔ حالانکہ اس سے پیشتر کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔ کوئی عباسیہ کسی غیر سے بیاہی گئی ہو۔ حتیٰ کہ بنی بویہ کو بھی اس کی آرزو ہی رہی۔ مگر ان کی آرزو کبھی پوری نہ ہو سکی۔

طغرل بیگ۔ الپ ارسلان اور ملک شاہ میں سے ہر ایک بذات واحد اپنی وسیع سلطنت پر مدت تک حکمران رہے۔ لیکن ملک شاہ کے انتقال پر اس کے دو بیٹوں محمد اور برکیارق میں خانہ جنگی شروع ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلجوقیوں کی متعدد شاخوں نے اس وسیع و عریض سلطنت کے مختلف حصوں میں علیحدہ علیحدہ خود مختار حکومتیں قائم کر لیں۔ چنانچہ نیشا پور اور مرو کے علاوہ اس خاندان کے گیارہ بادشاہ کرمان میں، چار تاجدار شام میں، نو فرمانروا عراق و کردستان میں اور انیس ملوک ایشیا کوچک میں ۷۰۰ھ تک نہایت شان و شوکت سے حکمرانی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ فضائے روم میں ترکان آل عثمان کا پر غرور جھنڈا لہرایا اور سلجوقی اقبال کے نقش مٹ کر حکومت کے بعض حصے عثمانی علم اقبال میں آ گئے۔

حکیم عمر خیام

حکیم عمر خیام نیشاپوری جو ایران کا ایک نامور مہندس، ایک زبردست فلسفی اور نہایت بلند پایہ فلسفی شاعر اور مؤرخ گذرا ہے اور جس کی مقبول عالم فارسی رباعیات یورپ کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ قوم کا جولاہا تھا اور جامہ بافی اس کا خاندانی پیشہ تھا۔ چنانچہ خاقانی نے جو حکیم عمر خیام کا برادر زادہ ہے۔ اس بات کی تصریح کی ہے کہ ہمارے آبا و اجداد نور باف تھے۔ لیکن بعض روایتیں اسبات پر دلالت کرتی ہیں کہ حکیم عمر کے باپ عثمان نے بافندگی کا پیشہ ترک کر کے خیمہ دوزی اختیار کر لی تھی۔ اس وجہ سے جو وہ خیام مشہور ہو گیا اور گو حکیم عمر کو جودت طبع اور جوہر خداداد نے اسے ایک دن بھی جامہ بافی یا خیمہ دوزی میں مشغول ہونے کی اجازت نہیں دی۔ تاہم اس نے اپنے باپ کے حرفہ کا لحاظ کرتے ہوئے اپنا تخلص خیام یعنی خیمہ دوز رکھ لیا تھا۔

نظام الملک وزیر اعظم

معاہدہ طفلی کے کوئی بیس بائیس برس بعد خواجہ نظام الملک طوسی سلطان الپ ارسلان سلجوقی کا مستقل وزیر اعظم ہو گیا۔ جب اس کی وزارت کا شہرہ ایران میں پھیلا تو اس کے رفقاء اور ملاقاتی اکناف ملک سے اس کے پاس آنے لگے۔ حکیم عمر اس وقت تک بیکار گھر میں پڑا تھا۔ اسے نظام الملک سے عہد طفولیت کا عہد و پیمان یاد آیا۔ چنانچہ وہ بھی نظام الملک کی ملاقات کے لئے

مرو پہنچا۔ خواجہ نظام الملک اسے بڑے تپاک سے ملا اور دل میں ایفائے عہد کا پختہ ارادہ کرلیا۔ آخر ایک موقع پر حکیم سے کہا کہ آپ صاحب فضل وکمال ہیں۔ اس لئے آپ کو بھی سلطان کی ملازمت اختیار کرنی چاہیئے۔ کیونکہ امام موفق کے درسگاہ میں ہمارا جو معاہدہ ہوا تھا۔ اس کے رو سے میرے منصب میں تمھیں بھی سہیم و شریک کار ہونا چاہیے۔ میں تمہارا فضل و درایت اس طرح بادشاہ کے ذہن نشین کردوں گا کہ آپ بھی میری طرح رکن سلطنت اور بادشاہ کے معتمد علیہ ہو جائیں گے۔ اس کے جواب میں حکیم نے کہا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا۔ وہ آپ کی کریم النفسی اور بلندی فطرت پر دلالت کرتا ہے۔ ورنہ یہ خاکسار اس اعزاز و اکرام کا کہاں اہل ہے۔ جو وزیر اعظم کے طرف سے عمل میں آیا؟۔ میں آپ کے احسانات سے گراں بار ہو رہا ہوں اور اگر ان کا شکریہ ادا کرنا چاہوں تو اس سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ لیکن جس منصب جلیل کے لئے ارشاد ہوا وہ خاکسار کے مناسب حال نہیں ہے۔ ہاں! آپ کی عنایت و التفات سے یہ چاہتا ہوں کہ گوشہ عزلت میں بیٹھ کر علمی تحقیقات میں مشغول رہوں اور آپ کی ترقی عمر و دولت کے لئے دست بدعا رہوں۔ نظام الملک نے اس یقین کے بعد کہ حکیم جو کچھ کہہ رہا ہے تکلف و تصنع سے پاک ہے۔ اس کے لئے خزانہ عامرہ سے بارہ سو مثقال سونا (جس کی قیمت آج کل کے حساب سے قریباً سولہ ہزار روپیہ ہوتی ہے) سالانہ وظیفہ مقرر کردیا اور حکیم نیشاپور کو رخصت ہوا۔

جب حکیم عمر خیام اپنے رفیق مکتب کی فیاضی کی بدولت فکر معاش سے مطمئن ہو گیا تو وطن مالوف پہنچ کر علمی تحقیقات میں مصروف ہوا اور چند سال کی محنت شاقہ کے بعد جبر و مقابلہ میں ایک بے مثال کتاب تصنیف کی اور اظہار عقیدت و شکریہ کے لئے اس کتاب کو خواجہ نظام الملک کے نام نامی سے معنون کیا۔ اس کے کچھ مدت بعد ایک اور کتاب علم المساحۃ والمکعبات میں اور پھر اقلیدس کے بعض نہایت متہم بالشان مسائل کے حل میں ایک بے بہا تصنیف زیب رقم کی۔ ان مصنفات نے حکیم کو سارے ایران کی آنکھ کا تارا بنا دیا اور اب سے وہ خراسان میں بوعلی سینا کا ہمسر سمجھا جانے لگا۔ خواجہ نظام الملک عمر خیام کے علمی مصنفات کا مطالعہ کر کے نہایت محظوظ ہوا اور ایک موقع پر بسبیل تذکرہ سلطان ملک شاہ سے خیام کے علم و فضل کا تذکرہ کیا۔ ملک شاہ ارباب علم اور اہل نظر کا قدر دان تھا۔ خواجہ کو حکم دیا کہ خیام نیشاپور سے طلب کیا جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی اور دار السلطنت میں حکیم کو اصلاح تقویم کا دفتر سپرد کیا گیا۔ اس نامور مہندس نے تقویم میں جو اصلاحیں کیں اور نیز اس کے ذاتی حالات چونکہ موضوع کتاب سے خارج ہیں۔ اس لئے انہیں قلم انداز کیا جاتا ہے۔

حسن بن صباح اور نظام الملک

جب حسن صباح مدرسہ میں ہم مکتبوں سے عہد و پیان کر کے باہر نکلا تو کچھ مدت تک معاش کی خاطر ملک کے مختلف مقامات میں غریب الوطنی کی خاک چھانتا پھرا۔ مگر کسی جگہ کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا اور نہ کوئی ایسا مشغلہ سمجھ میں آیا جو اس کی اولوالعزمی کا کفیل ہو۔ آخر سخت حرمان و یاس کے عالم میں اپنے ہم مکتب نظام الملک کی نسبت سنا کہ وہ خلعت وزارت سے آراستہ ہو کر سلجوقیوں کے سیاہ و سپید کا مالک ہو رہا ہے۔ فوراً وہاں پہنچ کر قسمت آزمائی کی ٹھان لی۔ چنانچہ حسن بن صباح خواجہ کے پاس ۴۶۵ھ میں نیشاپور آیا۔ نظام الملک نے اس کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا اور بساط میزبانی کو اتنی بلندی پر جا بچھایا کہ اس سے رفیع متصور نہ تھا۔ ایک دن حسن بن صباح خواجہ سے کہنے لگا کہ آپ اصحاب یقین اور ارباب تحقیق میں سے ہیں اور خوب جانتے کہ دنیا ایک متاع قلیل ہے۔ اس لئے مجھے خوف ہے کہ آپ حظوظ فانیہ کے جال میں پھنس کر وعدہ خلافی پر نہ اتر آئیں اور "ینقضون عهد الله" کے مرتکب نہ ہوں۔ نظام الملک نے کہا حاشا و کلا میں نقض عہد نہ کروں گا۔ نہ صرف جاہ و منصب بلکہ میرے تمام املاک میں بھی تم برابر کے حصہ دار ہو۔ غرض نظام الملک نے اس کی بادشاہ سے ملاقات کرائی اور اس کی عقل و دانش اور فضل و کمال کی تعریفیں کر کے اسے سلطان ملک شاہ کا معتمد خاص مقرر کرا دیا۔ نظام الملک کی نیک نفسی دیکھو کہ اس نے اپنے عہد کا کس قدر پاس کیا اور عہد بھی ایسا جو مذاق کے طور پر عالم طفلی میں ہم مکتبوں میں ہو گیا تھا۔ جبکہ انسان پر کوئی تکلیف اور ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ نظام الملک نے جو عہدہ ابن صباح کو دلایا۔ وہ اختیار و اعتبار میں وزارت سے کم نہ تھا۔ لیکن حسن تو ایسے اختیارات چاہتا تھا۔ جن میں کسی دوسرے کی شرکت نہ ہو۔ اس لئے اس بات کی تمنا ہوئی کہ خواجہ الملک اسے کسی طرح اپنی وزارت میں شریک کرے۔ تاکہ موقع پا کر خود بلا شرکت غیرے وزیر اعظم بن جائے۔ لہٰذا یہ بد سرشت محسن کشی پر اتر آیا اور ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہنے لگا کہ کسی طرح نظام الملک کو سلطان کی نظروں سے گرا کر خود اوج حشم پر پہنچ جائے۔

حساب بار برداری

ایک مرتبہ سلطان حلب گیا۔ وہاں ایک قسم کا سنگ رخام پیدا ہوتا تھا جس کے برتن بنائے جاتے تھے۔ سلطان نے حکم دیا کہ پانسو من سنگ رخام اصفہان پہنچایا جائے۔ حلب کے افسر نقل و حمل نے دو عربوں سے جو اونٹوں کے ساتھ اصفہان جا رہے تھے۔ کہا کہ پانسو من سنگ رخام اصفہان لے جاؤ۔ ان میں سے ایک کے چھ اور دوسرے کے چار اونٹ تھے۔ انہوں نے

پانسومن پتھر باہم تقسیم کرلیا۔(وہاں کا من چالیس تولہ آٹھ ماشہ کا ہوتا ہے) لیکن ان دونوں پر پہلے بھی پان پانسومن اسباب لدا تھا۔ جب پتھر اصفہان آ گیا تو سلطان نے اس بات پر خوش ہو کر کہ اونٹ والے بہت جلد پتھر لے آئے۔ انہیں ایک ہزار دینار انعام دیئے۔ انہوں نے نظام الملک سے درخواست کی کہ وہ دونوں میں انعام تقسیم کردے۔ چنانچہ نظام الملک نے چھ اونٹ والے کو چھ سو اور چار والے کو چار سو دینار دے دیئے۔ جب ابن صباح کو اس تقسیم کی اطلاع ہوئی تو کہنے لگا کہ نظام الملک نے تقسیم انعام میں سخت غلطی کی ہے۔ چھ اونٹ والے پر ظلم ہوا ہے۔ کیونکہ اسے آٹھ سو اور چار اونٹ والے کو دو سو دینار ملنا چاہیے تھا۔ رفتہ رفتہ یہ خبر سلطان تک پہنچی۔ اس نے نظام الملک کو طلب کیا اور اسے دیکھ کر مسکرایا۔ اور ابن صباح سے کہا کہ تقسیم انعام کی توجیہہ کرو۔ ابن صباح نے کہا کہ جہاں پناہ کل اونٹ دس ہیں اور کل وزن پندرہ سو من ہے۔ اس لئے ڈیڑھ سو من وزن ہر اونٹ کے حصہ میں آیا۔ اب جس کے چھ اونٹ ہیں وہ نو سو من لایا جس میں سے پانچ سو من اس کا اپنا اور سو من سرکاری ہے۔ اور ہزار دینار پانسو من کے لئے دیا گیا ہے۔ پس دو سو دینار فی سو من کا صلہ ہوا۔ اس حساب سے چھ اونٹ والے کو آٹھ سو دینار اور چار والے کو دو سو دینار ملنا چاہیے۔ سلطان کے دل میں نظام الملک کی بڑی وقعت تھی اور نہ چاہتا تھا کہ وہ ملول اور کبیدہ خاطر ہو۔ اس لئے سلطان نے اس بات کو مذاق میں اڑا دیا۔ لیکن نظام الملک سمجھ گیا کہ ابن صباح کی اس فتح نے سلطان کے دل پر کیا اثر ڈالا ہے؟۔

دربار بادشاہی سے اخراج

ایک مرتبہ ابن صباح ارکان سلطنت کے درمیان بیٹھا ہوا مختلف امور پر مبادلہ خیالات کر رہا تھا۔ اس دوران میں کہنے لگا کہ حضرت سلطان المعظم بیس سال سے حکمران ہیں۔ انہیں چاہیے کہ ممالک محروسہ کے جمع وخرچ سے بھی واقف ہوں۔ یہ آواز شدہ شدہ سلطان ملک شاہ کے کان تک پہنچی۔ اس بنا پر سلطان نے ایک دن نظام الملک سے پوچھا کہ ایک ایسا مکمل چٹھا کتنے دن میں تیار ہو سکتا ہے۔ جس سے تمام سلطنت کے بست سالہ محاصل و مخارج کی تفصیل معلوم ہو سکے؟۔ نظام الملک کہنے لگا۔ خداوند نعمت! حضور کی سلطنت کاشغر سے لے کر روم اور مصر تک پھیلی ہوئی ہے۔ اگر میں بڑی کوشش کروں تو دو سال میں مرتب کر سکتا ہوں۔ حسن بن صباح حصول تفوق کا یہ موقع غنیمت جان کر کہنے لگا کہ جہاں پناہ میں ایسی فہرست صرف چالیس روز میں پیش کر سکتا ہوں۔ بشرطیکہ دفتر وزارت اور اس کا تمام عملہ میرے سپرد کر دیا جائے۔ ملک شاہ کو تعجب ہوا اور نظام الملک جس نے اس مار آستین کو خود اپنے آغوش عاطفت میں پالا تھا۔ ابن صباح کی

اس مکرر محسن کشی اور غداری پر خون جگر کھاتے ہوئے خاموش رہ گیا اور سلطان نے امتحاناً یہ خدمت ابن صباح کے سپرد کر دی۔ چالیس دن کے بعد حسن تمام مسودات لے کر حاضر دربار ہوا۔ نظام الملک بیچارہ اسوقت عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔ وہ ایک کونے میں سہا ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ چٹھا پسند آ گیا تو میں عہدہ وزارت سے معزول کر دیا جاؤں گا۔ ملک شاہ نے مسودات کی ورق گردانی کر کے بعض جزئیات کے متعلق حسن سے سوالات کرنے شروع کئے۔ اور ایسی ایسی موشگافیاں کیں کہ ابن صباح ان کا بالکل جواب نہ دے سکا اور مضطربانہ بادشاہ کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ خواجہ نظام الملک موقع کو غنیمت سمجھ کر آگے بڑھا اور عرض کیا۔ خداوند عالم انہی مشکلات کو ملحوظ خاطر رکھ کر اس خاکسار نے دو سال کی مدت مانگی تھی۔ اتنی بڑی وسیع و عریض شہنشاہی کا جمع و خرچ چالیس دن میں صحت کے ساتھ کیونکر مرتب ہو سکتا ہے؟۔ ملک شاہ جو پہلے بھی ابن صباح کے خلاف متعدد شکائتیں سن چکا تھا اور اس سے متنفر سا ہو رہا تھا۔ سخت برہم ہوا اور ارادہ کیا کہ اسے زندان کے عبرت گاہ میں بھیج کر اس کی نانجاریوں کی قرار واقعہ سزا دے۔ مگر نظام الملک کی سفارش سے اتنے ہی پر اکتفا کیا کہ سخت بے آبروئی کے ساتھ دربار سے نکلوا دیا۔ لیکن سلطان نہیں جانتا تھا کہ یہی شخص آگے چل کر اس کے حق میں کس قدر خوفناک دشمن ثابت ہوگا۔ ورنہ اسے مطلق العنان نہ چھوڑ دیتا۔

''دستور الوزراء'' میں خواجہ نظام الملک نے خود لکھا ہے کہ حسن بن صباح نے حقیقت میں بڑا کمال کیا تھا کہ اتنی قلیل مدت میں تمام ممالک محروسہ کا حساب آمد و خرچ مرتب کر لیا۔ مگر چونکہ اس نے ازراہ حسد و نقض عہد یہ سب کاروائی کی تھی۔ اس لئے خدا کے فضل و کرم سے بادشاہ کے سامنے اسے خجلت اٹھانی پڑی اور اگر وہ خدانخواستہ ملک شاہ کو مطمئن اور شاد روح کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو مجھے وزارت سے یقیناً سبکدوش کر دیا جاتا۔ لیکن دلبستان مذاہب میں لکھا ہے کہ خواجہ نظام الملک نے کسی ترکیب سے حسن بن صباح کے یہاں سے کاغذات منگا کر اوراق کو بے ترتیب کر دیا تھا۔ اور صاحب تذکرہ دولت شاہی کا بیان ہے کہ نظام الملک کے رکابدار نے حسن بن صباح کے نوکر کو گانٹھ کر حساب کے اوراق منتشر کرا دیئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ابن صباح سلطان کے کسی سوال کا صحیح جواب نہ دے سکا۔

ابن صباح مصر میں

حسن ابن صباح کا سلجوقی دربار سے ذلت آمیز اخراج گو اس کے لئے نہایت ہمت شکن تھا۔ لیکن حقیقت میں یہی واقعہ اس کی آئندہ کامیابیوں کا پیش خیمہ تھا۔ ہر چند کہ ابن صباح

کی رقیبانہ حوصلہ مندیوں نے اسے نظام الملک کے مقابلہ میں سخت ذلیل کیا۔ لیکن اس واقعہ نے اس کو نظام الملک اور دولت سلجوقیہ کا دشمن بنا دیا۔ دربار سے نکل کر وہ اصفہان پہنچا اور سلطان ملک شاہ اور نظام الملک کے خوف سے اپنے دوست ابوالفضل اصفہانی کے مکان پر پناہ گزین ہوا۔ ابوالفضل نے میزبانی کا حق ادا کیا اور اس کی دل جوئی اور مدارات میں حتی الامکان کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ایک مرتبہ دوران گفتگو میں ابن صباح ابوالفضل سے کہنے لگا اگر مجھے دو موافق دوست مل جائیں تو ابھی اس ترک (ملک شاہ) کی سلطنت اور اس کے وزیر کی وزارت کا خاتمہ کردوں۔ ابوالفضل سمجھا کہ میرے دوست کو سفر کو صعوبتیں اٹھاتے کسی قدر مالیخولیا ہو گیا ہے۔ دستر خوان پر ایسی غیر معمولی چرب غذائیں لانے کا حکم دیا کہ جن سے دل و دماغ کو تقویت پہنچے۔ ابن صباح اپنے دوست کا مطلب تاڑ گیا اور اصفہان سے چلتا بنا۔ (دبستان مذاہب ۲۸۶، ۲۸۸، سنین اسلام ص ۱۰۴، ۱۰۸) حسن اصفہان سے نکل کر عازم رے ہوا۔ رے پہنچ کر ا۔ سے معلوم ہوا کہ اسماعیلی مذہب کا داعی الکبیر یہیں رہتا ہے جو اسماعیلی مذہب کی تبلیغ واشاعت کے لئے مبلغ نوکر رکھتا اور اطراف واکناف ملک میں بھیجتا ہے۔ داعی الکبیر سے مل کر درخواست کی کہ مجھے تبلیغ کی خدمت مفوض فرمائی جائے۔ داعی الکبیر نے اسے ذی استعداد دیکھ کر اس خدمت پر مامور کر دیا۔ کچھ مدت کے بعد داعی الکبیر نے اس کو مصر بھیجا۔ وہاں ان دنوں عبیدیوں کی سلطنت تھی۔ جو بظاہر اسماعیلی اور در پردہ باطنی تھے۔ حسن کی وہاں بہت قدر ومنزلت ہوئی۔

مصر سے اخراج

لیکن کچھ دنوں کے بعد وہاں ایک سازش میں ملوث پایا گیا۔ اس بنا پر امیر الجیوش نے اس کو قلعہ دمیاط میں قید کر دیا۔ اتفاق سے اسی دن قلعہ کا ایک نہایت مضبوط برج گر پڑا۔ لوگوں نے اس کو حسن کے باطنی تصرف پر محمول کیا۔ یہ دیکھ کر امیر الجیوش برافروختہ ہوا اور اس کو قلعہ سے نکال کر چند عیسائیوں کے ہمراہ ایک جہاز پر بٹھلایا اور افریقہ کی طرف خارج کر دیا۔ اتفاق سے سمندر میں طوفان آ گیا۔ تمام مسافر عالم سراسیمگی میں موت کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن حسن کے چہرہ پر خوف وہراس کا کوئی اثر نہ تھا۔ جہاز کپتان نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے کہ اور مسافر تو طوفان کی دہشت انگیزیوں سے بے اوسان ہو رہے ہیں۔ تم بالکل مطمئن بیٹھے ہو؟ حسن نے جواب دیا کہ مجھے خدا نے اطلاع دی ہے کہ جہاز اور اس کے مکینوں کو کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔ تھوڑی دیر میں واقعی سمندر پرسکون ہوا اور طوفان جاتا رہا۔ لوگ حسن کے بڑے گرویدہ ہوئے۔ کپتان بھی بڑا معتقد ہو گیا۔ اور حسن کی خواہش کے بموجب افریقہ لے جانے کے بجائے اسے ساحل شام پر ہی

اتار دیا۔ حسن نے فی الحقیقت یہ سوچ کر پیشین گوئی کر دی تھی کہ اگر جہاز غرق ہو گیا تو پھر یہ اعتراض کرنے والا کوئی نہ رہے گا کہ تمہاری پیشین گوئی جھوٹی نکلی اور اگر اتفاق سے سچی ہو گئی تو اپنے تعلق باللہ کی دھاک بیٹھ جائے گی۔ جہاز سے اتر کر وہ حلب، بغداد، خوزستان ہوتا ہوا اصفہان پہنچا اور ان تمام بلاد وامصار میں اسماعیلی مذہب کی دعوت دیتا رہا۔

شاہ ور اور بعض دوسرے قلعوں پر باطنیوں کا قبضہ

اس اثناء میں حسن بن صباح کا استاد زادہ اور بعض دوسرے باطنی چند مضبوط قلعوں پر قابض ہو گئے۔ یہ لوگ سب سے پہلے جس قلعہ پر متصرف ہوئے وہ فارس کے قریب تھا۔ جب یہاں ان کی جمعیت بڑھنے لگی تو انہوں نے قافلوں کو لوٹنا شروع کیا۔ چند ہی روز میں ان کی چیرہ دستیاں ان اطراف میں عام ہو گئیں۔ پھر باطنیوں نے قلعہ اصفہان کو دبا لیا۔ اس قلعہ کو شاہ ور کہتے تھے۔ اسے سلطان ملک شاہ نے تعمیر کروایا تھا۔ احمد بن عطاش باطنی نے حاکم قلعہ سے جو سلطان ملک شاہ کی طرف سے وہاں متعین تھا۔ غیر معمولی راہ ورسم پیدا کی اور اسی کے پاس قلعہ میں رہنے لگا۔ احمد کا باپ عبدالملک بن عطاش ابن صباح کا استاد اور فرقہ باطنیہ کا پیشوا تھا۔ باطنیہ کے دل میں احمد کی اس کے باپ کی وجہ سے بڑی عزت تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے بہت سارا روپیہ جمع کر کے اس کی نذر کیا تھا۔ اور نہایت گرمجوشی سے اسے اپنا مقتداء بنایا تھا۔ احمد کی نمایاں خدمات کی وجہ سے والئ قلعہ کی آنکھوں میں اس قدر عزیز ومحترم ہوا کہ اس نے اس کو تمام سیاہ وسپید کا مالک بنا دیا۔ جب حاکم قلعہ کا انتقال ہوا تو احمد بن عطاش قلعہ شاہ ور کا والی ہو گیا۔ اس نے وہاں عمل دخل کرتے ہی اپنے تمام ہم مذہب جنہیں حکومت نے اس جگہ قید کر رکھا تھا رہا کر دیئے۔ ان لوگوں کی آزادی کے بعد ملک کا امن وامان مفقود ہو گیا۔ قافلے دن دیہاڑے لٹنے لگے۔

۲......ابن صباح کی سیاسی سرگرمیاں

قلعہ الموت

حسن بن صباح نے اصفہان آنے کے بعد اپنے چند مناد اس غرض سے قلعہ الموت کی طرف بھیج دیئے تھے کہ اس کے گردونواح میں اسماعیلی مذہب کا نشر یہ کریں۔ قلعہ الموت (بروزن جبروت) شہر قزوین اور دریائے خزر کے مابین واقعہ ہے اور یہ علاقہ طالقان کے نام سے مشہور ہے۔ الموت کی وجہ تسمیہ کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ دیلمی سلاطین میں سے کسی نے شکار کے لئے عقاب اڑا دیا تھا۔ عقاب شکار مار کر بہت بڑی بلندی پر جا گرا۔ جب بادشاہ اور اس کے

مصاحب شکار کے تعاقب میں اوپر چڑھے تو اس کو ایک نہایت موزوں اور محفوظ مقام سمجھ کر یہاں ایک عالیشان قلعہ تعمیر کروایا اور اس کا نام آلہ موت رکھا جو کثرت استعمال سے الموت ہو گیا۔ دیلمی زبان میں آلہ موت کے معنی "عقاب کی تعلیم گاہ" کے ہیں۔ (الکامل فی التاریخ ج ۹ ص ۳۸)

قلعہ الموت پر قبضہ

اسماعیلی مناد قلعہ الموت کے چاروں طرف نہایت زبردست نشر یہ کر رہے تھے اور خود حسن بن صباح الموت کے قریب قیام کر کے لوگوں کے دلوں پر اپنے ریاکارانہ زہد و اتقاء کا سکہ جما رہا تھا۔ ان کوششوں کے ساتھ میں بہت سے لوگ حسن کے تابع و منقاد ہو گئے۔ ہزار ہا آدمیوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب حسن کی جمعیت زیادہ ترقی پذیر ہوئی۔ تو حاکم علاقہ اس سے بہت متردد ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ رات کے وقت قلعہ سے ایک دستہ فوج نکلا اور رات کی تاریکی میں اچانک حسن کو زیر حراست کر کے قلعہ میں لے گیا۔ لیکن ابن صباح قلعہ میں داخل ہونے کے بعد ایک ایسی چال چلا کہ حاکم علاقہ جسے مہدی علوی کہتے تھے۔ قلعہ الموت سے بے دخل ہو گیا۔ یہ سرزمین جعفری نام ایک امیر کے زیر حکومت تھی جس نے ایک علوی کو اپنی نیابت پر سرفراز کر رکھا تھا۔ ابن صباح علوی سے کہنے لگا کہ میرے نزدیک دوسرے شخص کی مملوکہ زمین پر عبادت جائز نہیں ہے اور یہ مقام گوشہ عافیت میں واقع ہونے کی وجہ سے مجھے بہت مرغوب ہے۔ اس لئے درخواست ہے کہ عبادت الٰہی کے لئے اس قلعہ کی صرف اتنی زمین میرے نام بیچ کر دو جس پر بیل کا ایک چرسہ محیط ہو سکے۔ میں اس کے لئے تین ہزار دینار سرخ آپ کی نذر کر سکتا ہوں۔ وہ شخص طمع نفسانی سے فریب میں آ گیا اور یہ دیکھ کر ایک کھال منگوا کر اس کی نہایت باریک دھجیاں اور تسمے کاٹ کر ان کو باہم جوڑ دیا اور اتنا بڑا حلقہ بنایا کہ جس نے سارے قلعہ کو احاطہ میں لے لیا۔ قلعہ دار یہ پیمائش دیکھ کر حیرت زدہ ہوا اور کہنے لگا یہ تم کیا کر رہے ہو؟۔ میں نے صرف نماز کے مصلی بچھانے کی خاطر صرف اتنی زمین فروخت کی ہے جو ایک چرسہ کے اندر آ جائے۔ حسن نے کہا کہ نہیں چرسہ سے یہی مراد تھی کہ جس شکل میں بھی چرسہ جتنی جگہ پر محیط ہو سکے۔ وہ سب اس بیع میں داخل ہے۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ میں کوئی ایسا احمق نہیں تھا کہ گز ڈیڑھ گز جگہ کے لئے تین ہزار دینار زر سرخ دینے کو تیار ہوتا۔ قلعہ گیر فوج کے بہت سے سپاہی جو در پردہ حسن کے مرید ہو چکے تھے۔ تائید کے لئے کھڑے ہو گئے اور قلعہ دار سے کہنے لگے اتنی بڑی بزرگ ہستی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی۔ آپ نے یقیناً اتنی رقم میں سارے قلعے کا سودا کیا ہو گا۔ الغرض مہدی علوی کو بادل ناخواستہ خاموش ہونا پڑا۔ اب زر ثمن کے لئے حسن نے اپنے ایک مرید مظفر نام کو جو اصفہان

کا حاکم اور در پردہ باطنی تھا۔ لکھ بھیجا کہ میں نے یہ قلعہ مہدی علوی سے تین ہزار دینار میں خرید لیا ہے۔ آپ مہدی کو تین ہزار دینار دے دیجئے۔ چنانچہ مظفر نے قیمت ادا کر دی اور مظفر اور حسن کے دوسرے مریدوں کی کوشش سے قلعہ خالی کرا لیا گیا۔ مہدی کے اس چکمہ میں آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ مہدی حسن کے خیالات معلوم کرنے کے لئے باتوں ہی باتوں میں کہنے لگا کہ شرع میں بوقت ضرورت حیلہ کرنا جائز ہے۔ حسن نے جواب دیا کہ شریعت مصطفوی علیہ التحیہ والسلام کا مدار راستی پر ہے۔ اس لئے حیلہ حالت مجبوری میں بھی جائز نہیں اور جو لوگ شریعت میں حیلہ کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں قیامت کے دن اسی طرح مبتلائے محن کرے گا جس طرح دوسرے مجرم کیفر کردار کو پہنچیں گے۔ اس اظہار خیال کی بنا پر مہدی کو حسن کی طرف سے پوری طرح اطمینان تھا کہ اس کے مزاج میں کسی قسم کے شر اور حیلہ وفریب کو دخل نہیں۔ (دبستان مذاہب ص ۴۹۰) حالانکہ حسن نے یہ اظہار خیال محض ریاکارانہ اور مہدی کو دام فریب میں پھانسنے کی غرض سے کیا تھا۔ جب ابن صباح کو الموت جیسا مستحکم اور محفوظ قلعہ مل گیا۔ تو اس نے صوبہ رودبار اور قزوین میں بڑے استقلال سے اپنے مذہبی خیالات کی تبلیغ شروع کی۔ اس صوبہ کے بہت سے لوگ بطیب خاطر اور بہت سے جبراً وقہراً داخل مذہب کئے گئے اور مذہب کی آڑ میں تمام صوبہ رودبار اور کوہستان میں حسن صباح کی حکومت قائم ہو گئی۔ حسن نے قرب وجوار کے بے مصرف قلعوں کو مرمت کرایا۔ بعض مقامات پر جدید قلعے تعمیر کرائے۔ قلعہ الموت کو بحیثیت مستقر حکومت خوب مستحکم کیا اور اس کے چاروں طرف عالیشان محل تعمیر کرائے اور باغات لگوائے۔

ابن صباح کی جنت

قلعہ الموت اور اس کے گرد وپیش میں قوت واستقلال حاصل کر لینے کے بعد ابن صباح پر ہر وقت یہ دھن سوار تھی کہ کسی طرح سلطان ملک شاہ اور اپنے محسن نظام الملک طوسی کا قلع قمع کر دے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی سوچتا تھا کہ ایسے جلیل القدر دشمنوں کا استیصال عام مادی اسباب کے ذریعہ سے بالکل محال ہے۔ اس لئے بہت دن تک کسی ایسی تدبیر پر غور کرتا رہا جو حصول مقصد کی کفیل ہو۔ چنانچہ اس نے جانبازوں کی ایک جماعت تیار کی اور اپنے دعاۃ کے ذریعہ سے ان کی لوح دل پر یہ بات مرتسم کرا دی کہ شیخ الجبل یعنی حسن بن صباح تمام دنیا کا مالک اور دار دنیا میں بڑا قادر متصرف اور فعال لما یرید ہے۔ اس تعلیم وتلقین کے علاوہ اس نے ایک ایسی تدبیر کی جس کی وجہ سے اس جماعت کو جان سپاری پر آمادہ کرنا بالکل چٹکی بجانے کا کام تھا۔ اس نے قلعہ الموت کے اردگرد نظر فریب مرغزاروں اور خوشنمائی، باغوں اور مرغزاروں کی نزہت وتر وتازگی دیکھنے

والے کے دل پر جادو کا اثر کرتی تھی۔ ان کے بیچوں بیچ جنت کے نام سے ایک نہایت خوش سواد باغ بنوایا جس میں وہ تمام سامان مہیا کئے جو انسان کے لئے موجب تفریح ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اشیائے بدیعہ، ہر قسم کے میوہ دار درخت، پھول، چینی کے خوبصورت ظروف، بلوری، طلائی اور نقرئی سامان، بیش قیمت فرش و فروش، یونان کے اسباب تعیشات پر تکلف سامان خورد و نوش، چنگ و چغانہ نغمہ و سرور۔ جنت کی دیواروں پر نقش و نگار کا نہایت نازک کام بنوایا۔ نلوں کے ذریعہ سے محلات میں پانی، دودھ، شراب اور شہد جاتا تھا۔ ان سب لذائذ و نعائم کے علاوہ دل بہلانے کے لئے پری تمثال کمسن نازنینیں موجود تھیں۔ ان ماہ وش اچھوتیوں کی سادگی، وضع اور ان کے حسن و جمال کی دلربائی معاد دیکھنے والے کو یہ یقین دلاتی تھی کہ یہ عالم سفلی کے سوا کسی اور ہی عالم کے نورانی پیکر ہیں۔ کوشش کی گئی تھی کہ داخلہ کے بعد زائر کے دل پر فرحت و انبساط کا ایسا شیریں اثر پیدا کیا جائے کہ وہ اس فرحت و مسرت کو دنیاوی نہیں بلکہ اخروی یقین کرے۔ یہاں کے حور و غلمان کا تمام کاروبار بالکل رازداری سے انجام پاتا تھا۔ ہر وہ چیز جس کے باہر سے مہیا کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اس حسن اسلوب سے فراہم کی جاتی تھی کہ کسی کو کبھی سراغ نہ لگ سکتا تھا۔ حسن نے اپنے مریدوں کو تین جماعتوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک تو داعی و مناد تھے۔ جو دور دراز ممالک میں خفیہ خفیہ لوگوں کو اس کے مذہب کی دعوت دیتے تھے۔ دوسرے رفیق جن کو حسن کا معتمد علیہ ہونے کی عزت حاصل تھی۔ تیسرا گروہ فدائیوں کا تھا۔ جس کے لئے یہ جنت بنائی گئی تھی۔

ابن صباح علاقہ لالقان اور رودبار وغیرہ کے خوبصورت تندرست اور قوی ہیکل نوجوان جو سادہ لوح ہوتے اور ان میں ہر بیان کے باور کرنے اور جلد ایمان لانے کی صلاحیت نظر آتی۔ فدائیوں کی جماعت میں بھرتی کرتا۔ ان کا عام لباس یہ تھا۔ سفید پوشاک سرخ دستار اور کمر بند، ہاتھ میں تیر یا چھڑی اور کمر میں چھری۔ یہ وہ لوگ تھے جو حسن کے ہر ایک حکم کی بلا عذر آنکھیں بند کر کے تعمیل کرتے تھے۔ بھنگ جسے عربی میں حشیش کہتے ہیں۔ شاید ان ایام میں ایک غیر معلوم چیز تھی۔ اور غالباً حسن بن صباح ہی پہلا شخص ہے جس نے اپنی دانشمندی سے بھنگ سے وہ کام لیا جو اس سے پہلے شاید کسی نے نہ لیا ہوگا۔ جب فدائی سپاہی امیدواری کا دور ختم کر لیتا تو حسن اسے بھنگ کے اثر سے بیہوش کر کے جنت میں بھجوا دیتا جہاں وہ جہان پرور حوروں کی گود میں آنکھ کھولتا اور اپنے آپ کو ایسے عالم میں پاتا۔ جہاں کی خوشیاں اور مسرتیں شاید بڑے بڑے شاہان عالم کو بھی نصیب نہیں۔ یہاں وہ انواع و اقسام کی نزہت گاہوں کی سیر کرتا۔ حوروں کے حسن سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا۔ ان کی صحبت اس کی جانستانی کرتی۔ ان ماہ وشوں کے جھرمٹ میں بیٹھ

کر مے ارغوانی کے جام اڑاتا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ غذائیں اور بہترین قسم کے میوے کھاتا اور ہر طرح کے تعیشات میں ڈوبا رہتا۔ ہفتہ عشرہ کے بعد جب ان محبت شعار حوروں کی الفت کا نقش اس کے دل پر اتنا گہرا پڑ لیتا کہ پھر مدت العمر کبھی مٹ نہ سکے۔ تب وہی حوریں بھنگ کا ایک جام پلا کر اسے شیخ الجبل کے پاس بھجوا دیتیں۔ جہاں آنکھ کھول کر وہ اپنے تئیں شیخ کے قدموں پر پاتا۔ اور جنت کے چند روزہ قیام کی خوشگوار یاد اس کو سخت بے چین کر دیتی۔ ابن صباح اس کو جنت میں بھیجے جانے کی امید دلاتا اور کہتا کہ جنت کے دائمی قیام کی لازمی شرط جانستانی و جاں سپاری ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ شخص جس کے دل پر گزرے حظوظ و لذات کا اثر اتنا مضبوط پڑ چکا تھا اور حوروں کی ہم نشینی کی تصویر ہر وقت اس کی آنکھوں کے سامنے پھرتی رہتی تھی۔ حسن کے احکام کی تعمیل میں کس طرح کوتاہی کر سکتا تھا؟۔ چنانچہ جب ابن صباح کو کسی دشمن کا قتل کرانا منظور ہوتا تھا تو ایک نوجوان کو حکم دیتا کہ جا فلاں شخص کو قتل کر کے قتل ہو جا۔ مرنے کے بعد فرشتے تجھے جنت میں پہنچا دیں گے۔ فدائی امتثال امر میں اپنے حوصلہ سے بڑھ کر سرگرمی اور مستعدی دکھاتا تاکہ کسی طرح جلد جنت میں پہنچ کر وہاں کی مسرتوں سے ہمکنار ہو۔

یہی وہ خطرناک لوگ تھے جن سے خون آشامی کا کام لیا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو جس کے قتل کا اشارہ ہوتا۔ وہ وہاں کوئی روپ بھر کر جاتے رسائی اور آشنائی پیدا کرتے۔ اس کے معتمد علیہ بنتے اور موقع پاتے ہی اس کا کام تمام کر دیتے۔ یہی وہ فدائی تھے جن کی وجہ سے دنیا بھر کے امراء وسلاطین ابن صباح کے نام سے کانپتے تھے۔ ان کی قساوت قلبی اور خونخواری کی ایک وجہ یہ تھی کہ ان کو بلی کا گوشت کھلایا جاتا تھا۔ بلی غضب کے وقت آپے میں نہیں رہتی اور مخالف پر سخت بے جگری کے ساتھ حملہ کرتی ہے۔ یہی حال فدائین کا تھا کہ جس کے قتل کا ایک دفعہ حکم مل جاتا تھا۔ اس کو کبھی زندہ نہ چھوڑتے تھے۔ (تلبیس ابلیس ص ۸۷، ۸۸)

میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ فدائیوں کے علاوہ ابن صباح کی دو اور جماعتیں بھی تھیں۔ داعی اور رفیق جس طرح فدائیوں کو بلی کو گوشت کھلایا جاتا تھا۔ اسی طرح رفیقوں کو بادام، شہد اور کلونجی کا ناشتہ تیار کرایا جاتا۔ جب یہ چیزیں کھا کھا کر رفیقوں کا دماغ گرما جاتا تو ابن صباح ان سے کہتا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے اہل بیت پر ایسا ایسا ظلم ہوا ہے۔ پھر ان کو اہل بیت اطہار کی مظلومی کے سچے جھوٹے قصے سنا کر جوش دلایا جاتا۔ اس کے بعد کہا جاتا کہ خارجیوں کے فرقہ ازارقہ نے بنو امیہ کے قتال میں اپنی جانیں فدا کیں تو کوئی وجہ نہیں کہ تم برسر حق ہو کر جان دینے میں بخل کرو اور جان پر کھیل کر اپنے امام کی مدد نہ کرو۔ یہ رفیق بھی فدائیوں کی طرح ہر وقت

جانبازی کے لئے کمربستہ رہتے تھے۔ دونوں جماعتوں میں فرق یہ تھا کہ جہاں تیغ وسنان کی لڑائی ہوتی وہاں رفیق جاکر اپنے امام کی رفاقت کا حق ادا کرتے اور جہاں دھوکے سے جان ستانی مقصود ہوتی وہاں فدائیوں کو بھیج کر مطلب براری کی جاتی۔

سلطان ملک شاہ کی سفارت

جب حسن بن صباح نے قلعہ الموت پر قبضہ کرکے گردوپیش کے شہروں پر اپنا اقتدار قائم کرلیا اور اس کے پیرووں کی جمعیت بھی دن بدن بڑھنے لگی تو سلطان ملک شاہ اور خواجہ نظام الملک کو لامحالہ اپنی توجہ ادھر معطوف کرنی پڑی۔ لیکن نظام الملک نے فوج کشی کے بجائے حکمت عملی سے کام نکالنا چاہا اور اس کی یہ تدبیر کی کہ ۴۸۳ھ میں سلطان کی طرف سے ایک سفارت ابن صباح کے پاس بھیجی گئی۔ جس کا یہ منشاء تھا کہ حسن کو سلطان کی شاہانہ سطوت سے ڈرا کر اطاعت پر آمادہ کیا جائے۔ ایلچی نے الموت پہنچ کر حسن سے گفتگو کی اور اس کو تمام نشیب وفراز سمجھایا۔ مگر وہ اطاعت پر کسی طرح آمادہ نہ ہوا۔ جب ایلچی بے نیل مرام واپس جانے لگے۔ تو حسن نے ایلچی کو مخاطب کرکے کہا کہ آپ جاکر ملک شاہ سے کہہ دیجئے کہ ہم کو نہ ستائے اور اس حقیقت کو نظر انداز نہ کرے کہ ہمارے لشکر کا ہر سپاہی جانبازی میں فرد ہے۔ اس کے نزدیک دوسرے کی جان لینا اور اپنی جان دینا ایک معمولی بات ہے۔ یہ کہہ کر حسن نے ایلچی کے سامنے اپنے دعویٰ کا عملی ثبوت پیش کرنا چاہا۔ چنانچہ ایلچی کی موجودگی میں اس قطار سے جو سامنے کھڑی تھی خطاب کرکے کہا میں چاہتا ہوں کہ تمہیں مولیٰ کے پاس بھیج دوں۔ تم میں سے کون شخص اس کے لئے آمادہ ہے؟۔ ان میں سے ہر نوجوان جلدی سے آگے بڑھا اور اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں اس کے لئے آمادہ ہوں۔ سلطان کا ایلچی سمجھا کہ شاید وہ ان کے ہاتھ کوئی پیغام بھیجے گا۔ اب اس نے ایک فدائی سے کہا کہ اپنے آپ کو ہلاک کردو۔ اس نے معاً چھری نکال کر اپنے دل پر ماری اور مردہ ہو کر گر پڑا۔ دوسرے سے کہا کہ اپنے تئیں قلعہ کی فصیل پر سے گرادو۔ وہ قلعہ سے نیچے کود پڑا اور پاش پاش ہوگیا۔ تیسرے سے کہا کہ پانی میں ڈوب مرے۔ اس نے بھی فوراً حکم کی تعمیل کی۔ غرض تینوں فدائی ایلچی کے دیکھتے دیکھتے جان سپاری کرکے شیخ الجبل پر قربان ہوگئے۔ جب ایلچی یہ ہیبت ناک منظر دیکھ چکا تو حسن نے اس سے سوال کیا کہ کیا ملک شاہ کی فوج میں ایک سپاہی بھی ایسا مل سکے گا جو میرے بیس ہزار فدائیوں کی طرح اس درجہ جان نثار ہو؟۔ ایلچی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن وہ حسن کے پیرووں کی جان بازی پر سخت حیرت زدہ تھا۔ اتنے میں خود حسن کے دو بیٹے کسی مذہبی حکم کی خلاف ورزی کرنے کے الزام میں حسن کے سامنے پیش کئے گئے۔ حسن نے

حکم دیا کہ ان کے کوڑے لگاؤ۔ معاً اس حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ دونوں اس صدمہ سے ایلچی کے سامنے تڑپ تڑپ کر طعمۂ اجل ہو گئے۔ جب ایلچی نے واپس جا کر یہ ہولناک چشم دید واقعات ملک شاہ اور خواجہ نظام الملک سے بیان کئے تو انہوں نے دو سال کے لئے فوج کشی کا خیال ترک کر دیا۔ انہی ایام میں اٹھارہ آدمیوں نے ساوہ کی عیدگاہ میں نماز عید پڑھی۔ یہ مقام اصفہان کے قریب ہے۔ کوتوال شہر نے بھانپ لیا کہ یہ باطنی ہیں۔ ان کو گرفتار کر کے محبس میں ڈال دیا۔ لیکن جب ان کے خلاف کوئی جرم ثابت نہ ہو سکا تو ان کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے ساوہ کے ایک مؤذن کو جو اصفہان میں تھا اپنے مذہب کی دعوت دی۔ اس نے اس دعوت کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ باطنیوں نے اس خوف سے کہ یہ جا کر حکام سے شکایت لگائے گا اس کو قتل کر دیا۔ جب خواجہ نظام الملک وزیر اعظم کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے کوتوال کو تاکید کی کہ جس طرح ممکن ہو قاتل کا سراغ لگاؤ۔ آخر ایک باطنی جو بڑھئی کا کام کرتا تھا۔ گرفتار ہوا۔ اس کا نام طاہر تھا۔ جب جرم ثابت ہو گیا تو اس کو قصاص میں قتل کر دیا گیا۔ اس اثناء میں ابن صباح کے پیرووں نے قین کے پاس ایک اور قلعہ پر قبضہ کر کے اس کو مضبوط کر لیا۔ ان ایام میں کرمان کا ایک بہت بڑا قافلہ قائن کی طرف آیا۔ باطنیوں کو اس کا پتہ چل گیا۔ باطنی قلعہ سے نکل کر اس پر حملہ آور ہوئے۔ قتل ونہب کا بازار گرم کیا۔ تمام اہل قافلہ کو موت کے گھاٹ اتار کر تمام مال واسباب قلعہ میں لے آئے۔ اہل قافلہ میں صرف ایک آدمی بچ نکلا جس نے اس واقعہ ہائلہ کی اطلاع قائن میں آ کر دی۔ (الکامل فی التاریخ ج ۹ ص ۳۷، تلبیس ابلیس عربی ص ۸۷)

خواجہ نظام الملک کا حادثۂ شہادت

یہ دیکھ کر نظام الملک نے ۴۸۵ھ میں ایک لشکر جرار ابن صباح کی پامالی کے لئے روانہ کیا۔ جب حسن کو اس فوجی نقل وحرکت کا علم ہوا تو اس نے ایک فدائی بھیجا کہ نظام الملک کی جان لے لے۔ نظام الملک سلطان ملک شاہ کے ساتھ بغداد جا رہا تھا۔ جب نصف مسافت طے ہو گئی تو ملک شاہ نے چند روز کے لئے نہاوند میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ خواجہ الملک نے روزہ افطار کر کے مغرب کی نماز ادا کی اور حسب معمول نماز کے بعد فقہاء وعلماء سے باتیں کرتا رہا۔ اثناء گفتگو میں نہاوند کا تذکرہ شروع ہوا۔ خواجہ نے فرمایا کہ یہ مقام ۲۰ھ میں امیر المومنین عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں فتح ہوا تھا۔ پھر ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے حالات بیان کئے جنہوں نے معرکۂ نہاوند میں جام شہادت پیا تھا۔ اس گفتگو کے بعد خواجہ نے نماز تراویح پڑھی اور بعد فراغ ایک محفہ پر سوار ہو کر حرم سرا کو روانہ ہوا۔ جب قیام گاہ پر پہنچا تو فرمایا کہ

یہی وہ مقام ہے جہاں ارباب ایمان کی ایک کثیر جماعت جرعہ شہادت پی کر روضہ رضوان کو چلی گئی تھی۔ ''فطوبی لمن کان معہم'' ابھی سویا ہی تھا کہ اتنے میں ایک دیلمی نوجوان محفہ کی طرف بڑھا اور مستغیث کی حیثیت سے اپنی عرضی پھینکی۔ جب خواجہ عرضی اٹھا کر پڑھنے لگا تو دیلمی نے خواجہ کے دل میں چھری جھونک دی۔ حملہ کے ساتھ ہی تمام لشکر میں کہرام مچ گیا۔ جب یہ غلغلہ سلطان ملک شاہ کے سمع مبارک تک پہنچا تو وہ سخت غم زدہ ہوا۔ روتا ہوا آیا اور خواجہ کے سرہانے بیٹھ گیا۔ قاتل جس کا نام ابوطاہر تھا۔ حملہ کر کے ایک خیمہ کی آڑ میں چھپ گیا تھا۔ خواجہ کے غلاموں نے اس کو گرفتار کر لیا۔ خواجہ نے حکم دیا کہ اس کو میرے قصاص میں قتل نہ کرنا۔ لیکن غلاموں نے اس کی گردن ماردی۔ تھوڑی دیر میں خواجہ نے بھی وادی مرگ میں قدم رکھ دیا۔ بغداد کا شہرہ آفاق مدرسہ نظامیہ جس میں امام محمد غزالی بھی مدرس رہ چکے ہیں۔ اسی نظام الملک مرحوم کا بنوایا ہوا تھا۔ ۴۵۹ھ میں اس مدرسہ کی تکمیل ہوئی تھی۔ خواجہ نظام الملک کے حادثہ قتل پر باطنیہ کی بن آئی اور وہ اس کامیاب تجربہ پر بہت خوش ہو رہے تھے کہ سلاطین اور ارباب اقتدار کے پنجہ تشدد سے محفوظ رہنے کا بہترین ذریعہ یہی ہے کہ فوجوں سے معرکہ آرا ہونے کے بجائے خود فوجیں بھیجنے والے کی جان لے لی جائے۔

قلعہ الموت پر لشکر کشی

خواجہ نظام الملکؒ کے واقعہ شہادت سے پہلے قلعہ الموت پر فوج بھیجی جا چکی تھی۔ امیر ارسلان سپہ سالار نے قلعہ کا محاصرہ کر کے اہل قلعہ کو بہت نقصان پہنچایا۔ اس وقت قلعہ میں حسن کے پاس صرف ستر آدمی تھے اور قریب تھا کہ وہ گرفتار ہو جائے۔ لیکن اسی وقت ابوعلی نے قزوین سے تین سو باطنی سپاہیوں کی ایک جمعیت بطور کمک روانہ کر دی۔ انہوں نے امیر ارسلان کی فوج پر شبخون مارا۔ لشکر سلطانی کو بہت نقصان پہنچا اور باطنیوں نے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ جب سلطان ملک شاہ کو اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو اس نے ایک اور سپہ سالار قزل ساروق کو ایک زبردست فوج کیساتھ روانہ کیا۔ قلعہ کے باہر لڑائی ہوئی اور قریب تھا کہ اہل قلعہ حسن کو تنہا چھوڑ کر فرار ہو جائیں۔ مریدوں کی بدحواسی دیکھ کر ابن صباح نے کہا کہ وحی الٰہی نے حکم دیا ہے کہ کوئی شخص قلعہ سے باہر جانے کا قصد نہ کرے۔ مریدوں نے باہر جانے کا خیال چھوڑ دیا اور از سر نو مدافعت کرنے لگے۔ اسی اثناء میں سلطان ملک شاہ کا پیمانہ بھی آب فنا سے لبریز ہو گیا اور جام مرگ نوش کر کے اس سرائے فانی سے رخصت ہوا۔ ایک روایت یہ ہے کہ ابن صباح کے ایک فدائی نے زہر دے کر بادشاہ کو شہید کیا تھا۔ ایسی حالت میں جنگ کا جاری رہنا اور قلعہ کو مسخر کرنا مشکل تھا۔ فوجیں

واپس آ گئیں۔ اور یہ مہم ناکام رہی۔ (سنین الاسلام مطبوعہ لاہور جلد ۲ ص ۱۱۳)

باطنیہ کا مزید قلعوں پر عمل و دخل

اس کے بعد قلعہ ملاذ خان پر بھی باطنیہ کا قبضہ ہو گیا۔ یہ قلعہ جو فارس اور خوزستان کے مابین واقع تھا۔ مدت سے رہزنوں اور مفسدوں کا مامن و ملجا بنا ہوا تھا۔ قزاق قافلے لوٹ کر اس میں پناہ گزین ہو جایا کرتے تھے۔ آخر عضد الدولہ بن بویہ نے اس قلعہ کو سر کیا اور جس قدر ڈاکو یہاں سکونت پذیر تھے۔ سب کو تہ تیغ کر دیا۔ جب یہ قلعہ سلطان ملک شاہ کے حیطۂ تصرف میں آیا تو اس نے ایک رئیس میرانز کو بطور جاگیر مرحمت فرمایا تھا۔ میرانز نے اپنی طرف سے ایک افسر کو اس قلعہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ باطنیوں نے حاکم قلعہ سے مراسم پیدا کئے۔ اور قلعہ کے فروخت کر ڈالنے کی تحریک کی۔ لیکن جب اس نے بیچ سے انکار کیا تو باطنیہ نے خدع کا جال پھیلانا چاہا۔ چنانچہ کہلا بھیجا کہ ہم چند علماء کو آپ کے پاس بھیجتے ہیں۔ تاکہ تم پر ہمارے مذہب کی حقیقت آشکار ہو۔ حاکم قلعہ نے یہ درخواست منظور کر لی۔ باطنیوں نے چند جانثار رفیقوں کو علماء کے لباس میں اس کے پاس بھیجا۔ انہوں نے قلعہ میں داخل ہو کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کلید بردار پر یک بیک ٹوٹ پڑے اور قلعہ کی کنجیاں چھین لی۔ اس کے بعد اچانک والی قلعہ کو بھی جا دبوچا اور اسے گرفتار کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کامیابی کے بعد ابن صباح نے قلعہ طبس پر تصرف کر لیا۔ پھر قہستان کے دو مشہور قلعوں کی تسخیر کے درپے ہوا۔ قدرت نے کامیابی کا سامان بھی خود ہی مہیا کر دیا۔ حاکم قہستان فاسق اور زانی واقع ہوا تھا۔ اس نے منور نام وہاں کے ایک رئیس کی نہایت حسینہ و جمیلہ ہمشیر کو جبراً گھر میں ڈال لینے کا قصد کیا۔ منور نے ابن صباح سے مدد مانگی۔ باطنی تو آج کل کے فرنگیوں کی طرح خدا سے چاہتے تھے کہ کہیں مداخلت کا حیلہ ملے، باطنی وہاں اچانک جا پہنچے اور قہستان کے قلعوں پر اپنی کامیابی کا جھنڈا گاڑ دیا۔ اسی زمانہ میں قلعہ خالنجاں پر بھی قابض ہو گئے۔ اس قلعہ کا حاکم ایک ترک سردار تھا۔ ابن صباح کے دو تعلیم یافتہ گرگے حاکم قلعہ کے پاس گئے اور بڑی مستعدی و تن دہی سے اس کی چاپلوسی اور خدمت گذاری اختیار کی۔ رفتہ رفتہ اس قدر رسوخ بڑھا لیا کہ حاکم قلعہ کے دل و دماغ پر پوری طرح حاوی ہو گئے۔ مآل نااندیش حاکم نے قلعہ کی کنجیاں ان کے حوالے کر دیں۔ انہوں نے ابن صباح کو اطلاع دی۔ ابن صباح اپنے استاد زادہ احمد بن عطاش کے پاس پیغام بھیجا کہ جا کر قلع پر بحالت غفلت قبضہ کر لو۔ احمد لشکر لے کر آ پہنچا۔ حاکم قلعہ اس اچانک حملہ سے بدحواس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ابن عطاش نے قلعہ پر قبضہ کر کے تمام قلعہ گیر فوج کو تہ تیغ کر دیا۔ اس قلعہ

پر قبضہ ہو جانے کے بعد باطنیہ کی قوت بہت بڑھ گئی۔ اہل اصفہان اس سے دبنے لگے۔ یہاں تک کہ باطنیہ کو خراج دینا قبول کیا۔

باطنیہ کے دوسرے قتل

خواجہ نظام الملک کی جانستانی میں ابن صباح کو جو کامیابی ہوئی۔ اس نے اس کے لئے کامرانیوں کا دروازہ کھول دیا۔ اس شخص نے اعداء کو نیچا دکھانے کے لئے اس ذلیل و شرمناک طرق سے قتل کو نہایت کارگر پایا۔ چنانچہ جب اور جہاں کسی نے ذرا مخالفت کی کسی فدائی کی چھری نے اسے حوالہ اجل کر دیا۔ اس طرح مسلمان سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں فدائی خون آشامی کی نذر ہونے لگے۔ ان لوگوں کی اذیت تمام ممالک اسلامیہ میں عام ہو گئی۔ کیونکہ ان کا مذہبی اعتقاد یہ تھا غیر مذاہب کے پیرووں کو قتل کرنا بڑا کار ثواب ہے۔ اس بناء پر باطنی اشقیاء دنیا کی ممتاز ترین ہستیوں کو صفحہ عالم سے معدوم کرنے لگے۔ اس مقصد کے لئے باطنیوں کا ایک گروہ مکانوں کی دہلیزوں میں چھپا رہتا اور جب موقع ملتا اپنا شرمناک مقصد حاصل کر لیتا۔ یہ لوگ عامۃ المسلمین سے کہیں زیادہ ملت اسلام کے علماء، قضاۃ، وزرا اور والیان ملک کی جان کے لاگو تھے۔ چنانچہ ۴۸۹ھ میں ابو مسلم رازی حاکم رے کو خون ہلاک سے گلگوں کیا۔ اسی سال امیر انر ملک شامی، امیر بخش اور امیر سیاہ پوش کو بھی خاک و خون میں تڑپا کر خلد آباد کو بھیج دیا۔

۴۹۰ھ میں طغرل بک کے ندیم امیر یوسف اور سلطان ملک شاہ کے غلام امیر ارغش، سلطان برکیارق کے وزیر عبد الرحمٰن سمیری، طغرل بک کے ندیم برمق، سلطان برکیارق کے دوسرے وزیر ابو الفتح دہستانی، امیر عمر زین ملک شامی اور ہادی علی گیلانی کی جان لی۔ ۴۹۱ھ میں سنقر قہ والی دہستان اسکندر یہ صوفی قزوینی اور عبد المظفر مجید فاضل اصفہانی باطنی ستم آرائی کا نشانہ بنے۔ ۴۹۲ھ میں پیروان ابن صباح نے اتابک مودود حاکم دیار بکر، ابو جعفر شاطبی رازی، ابو عبید مستوفی، ابو القاسم کرخی، ابو الفرح قراتگین کو قتل کیا۔ ۴۹۳ھ میں قاضی کرمان، امیر بلکا بک سر مرا اصفہانی اور قاضی عبد اللہ اصفہانی کو دار الآخرت میں بھیجا۔ ان جانستانیوں کے لئے باطنی فدائی بہ تبدیل لباس و وضع جاتے اور موقع پا کر اپنے مشار الیہ کو قتل کر کے جھٹ خودکشی کر لیتے۔ ایک چال یہ بھی تھی کہ باطنی کسی امیر کے پاس جا کر ملازمت اختیار کرتا اور جونہی موقع ملتا حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیتا۔ باطنیوں نے عساکر اسلامی کے سپہ سالاروں کو بھی دھمکیاں دیں کہ تم لوگ اسماعیلیہ کی مخالفت میں اقدام نہ کرنا۔ ورنہ تمہارا حشر بھی وہی ہو گا۔ جو فلاں فلاں کا ہوا۔ اس بنا پر افسران فوج شب و روز حتیٰ کہ بستر خواب پر بھی مسلح رہنے لگے۔

سلطان ملک شاہ کے تین بیٹے تھے۔ برکیارق، محمد اور سنجر۔ سلطان کے آنکھیں بند کرتے ہی بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ آخر ۴۹۲ھ میں علماء نے مداخلت کر کے برکیارق اور محمد میں مصالحت کرادی۔ شام، عراق، موصل آذربیجان اور آرمینیا کی مملکت محمد کے حصہ میں آئی اور بقیہ ممالک برکیارق کے حیطہ تصرف میں آئے۔ ان خانہ جنگیوں کی وجہ سے حسن بن صباح اور زیادہ زور پکڑ گیا۔ چنانچہ وہ آٹھ دس سال میں تمام رودبار، قہستان، خور، خوسف، زوزن اور تون پر قابض و متصرف ہوگیا۔ جب سلطان ملک شاہ کے فرزند اکبر سلطان برکیارق کو خانہ جنگی سے فرصت ملی تو اس نے علماء اور عامہ برایا کی شکایت پر ۴۹۴ھ میں باطنیہ کے قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ باطنی لوگ ہر جگہ قتل کئے جانے لگے۔ ابن صباح نے سلطان کا یہ حکم سنا تو سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا اور حکم دیا کہ مسلمانوں کے قتل میں پہلے سے زیادہ مستعدی کا اظہار کیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایک باطنی کے عوض دس دس مسلمانوں کی جانیں لی گئیں۔ تب بھی ابن صباح کا کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ یہ زمانہ نہایت خوفناک تھا۔ شیخ الجبل کے جاسوس ہر شہر بلکہ ہر مسلمان خاندان میں پہنچ کر خون خرابہ کر رہے تھے۔ کوئی مخالف ایسا نہیں تھا جس کا نام شیخ الجبل کی فہرست مقتولین میں لکھا گیا ہو اور وہ بچ رہا ہو۔ امراء عبا کے نیچے زرہ پہننے لگے۔ یہاں تک کہ خود سلطان نے عمائد سلطنت کو اجازت دے دی کہ وہ دربار میں اسلحہ لگا کر آیا کریں۔ خوف و ہراس کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص تنہا گھر سے باہر نہ نکلتا اور اگر کوئی شخص مقررہ وقت پر گھر نہ پہنچتا تو یقین کرلیا جاتا کہ وہ باطنی خون آشامی کا شکار ہوگیا اور لوگ عزاداری کے لئے اس کے مکان پر جمع ہوتے۔

ایک دفعہ ایک مؤذن کو اس کے باطنی ہمسایہ نے پکڑ لیا۔ مؤذن کے گھر کی عورتیں چیخنے چلانے لگیں۔ باطنی اسے چھری دکھا کر گھر کی چھت پر لے چڑھا۔ مؤذن دیکھ رہا تھا کہ اس کے گھر کی عورتیں واویلا کر رہی ہیں۔ لیکن برہنہ چھری نے اتنا مرعوب کر رکھا تھا کہ ذرا بھی اس کی زبان جنبش نہ ہوئی۔ اتنے میں پولیس ابر رحمت کی طرح آ پہنچی اور باطنی کو گرفتار کر کے مؤذن کو اس کے پنجہ ظلم سے بچایا۔ اصفہان میں اس فرقہ نے سب سے زیادہ دھاچوکڑی مچا رکھی تھی۔ یہ لوگ مسلمانوں کو اچک کر قتل کر دیتے۔ اور نعش کو کھتے میں ڈال دیتے۔ اصفہان میں مسلمان مفقود ہوتے رہتے تھے۔ لیکن ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔ آخر اہل اصفہان نے ان مقامات کا کھوج لگانا چاہا۔ جہاں باطنی فرقہ نے یہ اندھیر مچا رکھا تھا۔ آخر ایک مکان میں ایک عورت پائی گئی جو ہر وقت ایک بوریا پر بیٹھی رہتی تھی اور دن بھر وہاں سے ٹلتی نہیں تھی۔ آخر لوگوں نے اسے گھسیٹ کر وہاں سے الگ کیا اور بوریا اٹھا کر دیکھا تو نیچے ایک گڑھا پایا۔ جس میں مسلمانوں کی چالیس نعشیں

تھیں۔لوگوں نے عورت پر ہلہ بول دیا اور اسے دارالبوار میں بھیج کر گھر میں آگ لگا دی۔

(تلبیس ابلیس ص ۸۷،۸۸)

اسی طرح کسی باطنی کے مکان پر کسی اجنبی کے کپڑے پائے گئے۔ دیکھنے والے لوگوں نے اس کا تذکرہ کر دیا۔ ہر شخص کو یقین ہوا کہ کسی مقتول مسلمان کے کپڑے ہیں۔ شہر میں ہلڑ مچ گیا اور ہر مسلمان انتقام کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک جم غفیر نے اس شخص کے مکان پر دھاوا بول دیا اور اندر جا کر دیکھا کہ ایک کنواں لاشوں سے پٹ رہا ہے۔ آخر تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کوچہ میں باطنی لوگ بود و باش رکھتے ہیں۔ باہر پھاٹک پر ایک اندھا بیٹھا رہتا تھا۔ جب وہ محسوس کرتا کہ کوئی شخص آ رہا ہے تو آنے والے سے کہتا کہ ذرا میری لاٹھی پکڑ کر کوچے میں پہنچا دو۔ وہ اسے کوچے میں لے جاتا۔ باطنی بھیڑیے جھٹ اندر کھینچ کر اس کا کام تمام کر دیتے اور لاش کنوئیں میں پھینک دی جاتی۔ یہ دیکھ کر شیخ مسعود بن محمد خجندی شافعی انتقام پر آمادہ ہوئے۔ ایک جم غفیر ہتھیار لے کر ساتھ ہو لیا۔ خجندی صاحب نے شہر سے باہر گڑھے کھدوائے۔ ان میں آگ جلائی گئی۔ باطنی پکڑ پکڑ کر لائے جاتے اور آگ کے گڑھوں میں دھکیل دیئے جاتے۔ شہر ابہر کے قریب قلعہ دسم کوہ پر بھی باطنیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ یہاں کے کاربند فدائی قلعہ سے نکل کر مسلمانوں کو قتل و غارت کر جاتے اور لوٹ کا مال لے کر قلعہ میں چلے جاتے۔ مظلوموں نے سلطان برکیارق سے فریاد کی۔ سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کیا اور آٹھ مہینہ کی جدوجہد کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔

(الکامل فی التاریخ ج ۹ ص ۳۷،۳۸)

عراق میں بھی باطنیوں نے بڑی دھا چوکڑی مچا رکھی تھی۔ انہوں نے بے شمار کلمہ گوؤں کو خاک ہلاک میں تڑپا دیا۔ ان شہداء میں اہل سنت و جماعت کے ایک مشہور امام شیخ الشافعیہ ابوالفرج رازی ردیانیؒ صاحب ابحر تھے۔ جنہیں ایک سیاہ دل باطنی نے جامع دارالخلافہ بغداد میں جرعہ شہادت پلایا۔ غرض عالم اسلام میں ہر شخص ان کے اچانک حملوں سے خوفزدہ تھا۔ امراء کی طرح اب عامۃ المسلمین نے بھی کپڑوں کے نیچے زرہیں پہننی شروع کر دیں۔

(تاریخ الخلفاء عربی ص ۳۴۹)

۴۹۸ھ میں باطنیہ طرشیث سے نکل کر رے پہنچے اور حجاج کے قافلہ کو جس میں خراسان، ماوراء النہر اور ہندوستان کے زائرین حرم تھے لوٹ لیا۔ اس کے بعد مضافات رے میں عام غارت گری شروع کر دی۔ اس تاخت و تاراج میں کثیر التعداد مسلمان کام آئے اور بقیۃ السیف کا تمام

مال واسباب لوٹ لیا۔ (ایضاً ج ۹ ص ۸۴) ۴۹۹ھ میں ایک باطنی ملحد نے قاضی ابوالعلا صاعد بن محمد نیشاپوری کو جامع مسجد اصفہان میں شہید کیا۔

وزیر فخر الملک کا واقعہ شہادت

حسن بن صباح نے ۴۸۵ھ میں اپنے محسن خواجہ نظام الملک طوسی کی جان لی تھی۔ اس کے قریباً پندرہ سال بعد یعنی ۵۰۰ھ میں خواجہ مرحوم کے فرزند اکبر فخر الملک ابوالمظفر علی کی زندگی کا چراغ گل کیا جو سلطان سنجر بن ملک شاہ سلجوقی کا وزیر تھا۔ عاشوراء کے دن فخر الملک نے روزہ رکھا اور صبح کے وقت اپنے احباب سے کہا کہ آج رات میں نے حضرت حسین بن علیؓ کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ مجھ سے ارشاد فرماتے ہیں کہ جلدی سے آؤ۔ تاکہ ہمارے پاس پہنچ کر ہی روزہ افطار کرو۔ اور قضائے کردگار سے چارہ نہیں جو کچھ اس ذات برتر نے مقدر کیا ہے لامحالہ اس کا ظہور ہوگا۔ حاضرین نے کہا خدا آپ کو سلامت رکھے۔ مصلحت وقت یہ ہے کہ آج دن رات کو گھر سے باہر کہیں نہ جائیں۔ خواجہ فخر الملک اس روز برابر نماز اور تلاوت قرآن میں مصروف رہا اور بہت سا مال صدقہ و خیرات میں خرچ کیا۔ عصر کے وقت مردانہ مکان سے نکل کر حرم سرائے میں جانے کا قصد کیا۔ باہر نکلا تو ایک شخص دردناک آواز میں چلایا کہ بس مسلمان ختم ہو گئے۔ کوئی ایسا نہیں رہا جو مجھ مظلوم کی فریادرسی کرے۔ فخر الملک نے از راہ مرحمت اس کو اپنے پاس بلا کر استفسار فرمایا کہ تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟۔ اس نے ایک تحریری عرضداشت نکال کر فخر الملک کے ہاتھ میں دے دی۔ جب اس کا مطالعہ کرنے لگا تو اس نمائشی دادخواہ نے جو ایک باطنی سفاک تھا پیٹ میں چھری گھونپ دی۔ وزیر نے اسی وقت جرعہ مرگ پی لیا۔ سلطان سنجر کو اس حادثہ ہائلہ کا سخت صدمہ ہوا۔ باطنی گرفتار کر لیا گیا۔ اب اس باطنی نے دیکھا کہ میں تو مارا ہی جاؤں گا کیوں نہ چند اور مسلمانوں کو بھی لے مروں۔ جب سلطان سنجر کے سامنے پیش ہوا تو کہنے لگا کہ مجھے تو آپ کے مصاحبوں میں سے فلاں فلاں نے قتل کی ترغیب دی تھی۔ سلطان نے عالم آشفتگی میں پہلے ان جرم ناآشنا مصاحبوں کی جان لی اور پیچھے اس باطنی کو ہلاک کرایا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۹ ص ۱۰۰)

باطنیہ کی بدحالی اور باطنی قلعہ کا انہدام

ابن صباح کے اسماعیلی استاد کا نام عبدالملک بن عطاش تھا۔ اس کا بیٹا احمد بن عبدالملک قلعہ شاہ ور کا حکمران تھا۔ احمد نے بھی مسلمانوں کے خلاف بڑا اودھم مچا رکھا تھا۔ یہ دیکھ کر سلطان محمد نے ۵۰۰ھ میں قلعہ شاہ ور پر جو اصفہان کے قریب واقع تھا بہ نفس نفیس یورش کی۔ اس قلعہ اور پہاڑ کا دور چھ کوس تھا۔ ابن صباح نے اس جگہ کو بہت مضبوط کر رکھا تھا۔ سلطان محمد نے

امراء لشکر کو باری باری جنگ پر متعین کیا اور نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ مدت تک حملے کرتا رہا۔ باطنی طول جنگ اور شدت محاصرہ سے گھبرا گئے اور فقہائے اہل سنت و جماعت کے پاس اپنے متعلق ایک استفتاء روانہ کیا۔ جس کا مضمون یہ تھا:

''کیا فرماتے ہیں سادات فقہاء ائمہ دین اس گروہ کی بابت جو حق تعالیٰ پر، قیامت پر، اس کی کتابوں پر اور رسولوں پر ایمان رکھتا ہے اور ماجاء بہ رسول اللہ ﷺ کو حق جانتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے۔ لیکن محض مسئلہ امامت پر اختلاف کرتا ہے۔ کیا سلطان وقت کو اس کی موافقت اور رعایت جائز ہے اور اگر وہ فرقہ اطاعت کرے تو کیا اس کی اطاعت قبول کرنا اور اسے ہر اذیت سے بچانا شرعاً روا ہے؟۔ اکثر علمائے اہل سنت نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا اور بعض نے توقف اختیار کیا۔ آخر فقہائے اہل سنت و جماعت ایک مجلس میں جمع ہوئے۔ شیخ ابوالحسن علی بن عبدالرحمٰن سجانی نے جو شافعی مذہب کے بڑے عالم تھے۔ قتل باطنیہ کے وجوب کا فتویٰ دیا۔ اور برملا کہہ دیا کہ اس فرقہ کی طرف سے محض اقرار بلسان اور تلفظ بالشہادتین کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ جب ان سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ اگر تمہارا امام ایسے امور مباح کردے جسے شریعت اسلام نے حرام قرار دیا ہے یا ایسی چیزوں کو ناجائز کہے جسے شریعت مطہرہ حلال اور جائز ٹھہراتی ہے تو کیا تم شریعت کا حکم مانو گے یا اپنے امام کا؟۔ تو وہ صاف لفظوں میں جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنے امام کے حکم کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں باطنیہ کا قتل بالاتفاق مباح ہوجاتا ہے۔ اب باطنیوں نے سلطان سے درخواست کی کہ آپ اپنے علماء کو ہمارے مذہبی پیشواؤں سے گفتگو کرنے کے لئے روانہ فرمایئے۔ سلطان نے قاضی ابوالعلاء صاعد بن یحییٰ شیخ الحنفیہ کو جو اصفہان کے قاضی تھے چند دوسرے علماء کے ساتھ روانہ فرمایا۔ مگر چونکہ باطنیہ کا حقیقی مقصد محض قضیہ کو طول دینا تھا۔ اس لئے حیلے حوالے کرنے لگے اور علماء واپس چلے آئے۔ (ایضاً ج۹ ص۱۰۸،۱۰۹)

مسئلہ تکفیر ملحدین

حقیقت یہ ہے کہ فتویٰ ہمیشہ سوال کے تابع ہوتا ہے۔ جن علمائے حق نے باطنیہ کی اذیت کو ناجائز بتایا یا وہ حاملین شریعت، جنہوں نے توقف اختیار کیا، انہیں سوال کی نوعیت نے ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔ کیونکہ جو شخص کہے کہ میں خالق کردگار، اس کے رسولوں پر، اس کی کتابوں پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہوں۔ نافیٔ ایمان دلائل کا فقدان اس کے مومن قرار دیئے جانے پر مجبور کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرے تو ایسی حالت میں توحید و رسالت کا اقرار اور ملائکہ کتب سماوی بعث بعد الموت کا اذعان اس کے لئے کچھ بھی فائدہ

بخش نہ ہوگا۔ مثلاً ختم نبوت کا اقرار ضروریات دین میں داخل ہے۔ اگر کوئی شخص توحید و رسالت کے اقرار کے ساتھ ختم نبوت کا منکر یا مدعی نبوت ہو تو وہ بالاجماع خارج از اسلام ہے۔ چنانچہ علامہ علی قاریؒ لکھتے ہیں:

''دعوی النبوة بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع''

﴿ہمارے نبی حضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بالاجماع کفر ہے۔ (شرح فقہ اکبر مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۲۰۲)﴾

مرزائیوں نے بھی مقدمہ بہاولپور میں جو ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۵ء تک رہا۔ یہی عذر لنگ پیش کیا تھا کہ ہم خدا پر اور اس کے رسولوں، کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ بہاولپور کے فاضل جج نے دلائل فریقین پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے کس طرح امت مرزائیہ اور اس کے بانی کو مرتد و خارج از اسلام قرار دیا؟۔ باطنیہ اور مرزائیہ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ جس طرح باطنی زنادقہ حسن بن صباح کے قول کو حکم شریعت پر ترجیح دیتے تھے۔ اسی طرح مرزائی ملاحدہ بھی اپنے مقتداء کے اوہام باطلہ کے مقابلہ میں حضور سید الاولین و آخرین ﷺ کے ارشادات مبارکہ کو کوئی وقعت نہیں دیتے۔ چنانچہ بانی فرقہ مرزا غلام احمد قادیانی نے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ جو حدیث رسول اللہ میرے (شیطانی) الہام کے خلاف ہو اسے میں (معاذ اللہ) ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتا ہوں۔

(اعجاز احمدی ص ۳۰ خزائن ج ۱۹ص ۱۴۰، تحفہ گولڑویہ ص ۱۰ خزائن ج ۱۷ ص ۵۱)

الغرض جو شخص خدا اور اس کے ملائکہ و رسل، کتب سماویہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ مسلمان ہے بشرطیکہ اس کے دوسرے عقاید حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قطع الثبوت والدلالۃ تعلیمات حقہ کے خلاف نہ ہوں ورنہ خارج از اسلام ہوگا۔ کیونکہ ''نؤمن ببعض و نکفر ببعض'' کے اصول پر عمل کرنے والا دائرہ اسلام میں داخل نہیں رہ سکتا۔ میں نے مسئلہ تکفیر ملحدین کو اپنی زیر تالیف کتاب ''فلسفہ اسلام'' میں شرح و بسط سے لکھ دیا ہے۔

ابن صباح کے استاد زادہ کی گرفتاری اور ہلاکت

علماء کی مراجعت کے بعد سلطان محمد محاصرہ میں شدت کرنے لگا۔ بالآخر باطنی امان کے خواستگار ہوئے اور درخواست کی کہ اس قلعہ کے عوض میں انہیں قلعہ خالنجان مرحمت ہو اور قلعہ مذکور سے نکل کر قلعہ خالنجان میں منتقل ہونے کے لئے ایک مہینہ کی مہلت مانگی۔ یہ قلعہ اصفہان سے دس کوس کے فاصلہ پر تھا۔ ایک مرتبہ باطنی اس پر قابض ہوگئے تھے۔ لیکن بعد کو انہیں بے دخل

کر دیا گیا تھا۔ سلطان محمد نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ باطنی مال واسباب سمیٹنے میں مصروف ہوئے۔ ہنوز مدت مقررہ پوری نہ ہوئی تھی کہ چند باطنیوں نے سلطان محمد کے ایک افسر پر حملہ کر دیا۔ مگر حسن اتفاق سے یہ امیر ان کے حملہ سے بچ گیا۔ سلطان محمد کو اس کی خبر لگی تو اس نے ازسرنو محاصرہ کر لیا۔ باطنی اپنی حرکت پر سخت متاسف ہوئے۔ اظہار ندامت کے بعد عفو تقصیر کی التجاء کی اور اس درخواست کے ساتھ قلعہ ناظر وطبس چلے جانے کی اجازت چاہی کہ سلطان محمد اپنے چند فوجی دستے ہمارے ایک حصہ فوج کو قلعہ ناظر پہنچانے پر مامور کر دے۔ اور باقی ماندہ اشخاص کو ایک گوشہ میں نظر بند ومحبوس رکھے۔ جب یہ فوج قلعہ ناظر میں پہنچ جائے تو دوسرے حصہ کو جو قلعہ میں محبوس ہے حسن بن صباح کے پاس قلعہ الموت میں بھیج دے۔ سلطان محمد نے اپنی فراخ دلی سے ان کی یہ درخواست منظور فرمائی۔ چنانچہ باطنیوں کا پہلا دستہ فوج شاہی لشکر کی نگرانی میں قلعہ ناظر وطبس کو روانہ ہوا۔ سلطان نے قلعہ کے مسمار کرنے کا حکم دیا۔ شاہی فوج نے اس حکم کی نہایت مستعدی سے تعمیل کی۔

ابن صباح کے استاد زادہ کی ہلاکت

حسن بن صباح کے استاد کا بیٹا احمد بن عطاش قلعہ کے ایک برج میں چھپ رہا۔ بعض سپاہی دوڑ کر سلطان کے پاس آئے اور اس محفوظ مقام کا جہاں احمد بن عطاش متمکن وروپوش ہو گیا تھا پتہ بتایا۔ ایک افسر سلطان کے ایماء سے چند سپاہیوں کو لے کر اس برج پر چڑھ گیا اور جس قدر باطنی وہاں ملے سب کو قتل کر ڈالا۔ مقتولوں کی تعداد اسی بیان کی جاتی ہے۔ جب احمد گرفتار ہو کر سامنے لایا گیا تو سلطان نے کہا۔ تم نے تو پیشین گوئی کر رکھی تھی کہ عوام وخواص میرے گرد جمع ہوں گے اور اصفہان میں میری عظمت وشوکت کا نقارہ بجے گا۔ لیکن وہ پیشین گوئی جھوٹی ہوئی۔ احمد نے جواب دیا کہ میری پیشینگوئی صحیح ہوئی۔ لیکن نہ بطریق حکومت بلکہ بطریق فضیحت۔ سلطان ہنس پڑا۔ آخر اصفہان کے کوچہ وبازار میں گشت کرا کر اس کو ہلاک کر دیا۔ اس کے ساتھ اس کا جوان بیٹا بھی مارا گیا۔ دونوں کے سر اتار کر دار الخلافہ بغداد بھیجے گئے۔ احمد کی بیوی نے یہ حالت دیکھ کر اپنے آپ کو ایک بلند مقام سے نیچے گرا دیا اور ہلاک ہو گئی۔ (ایضاً) سلطان محمد کا وزیر سعد الملک جو در پردہ احمد کا معین ومددگار تھا۔ سلطان کے قتل کی سازش میں ملوث پایا گیا۔ اس لئے اس کو بھی پھانسی دی گئی۔ غالباً وہ باطنی المشرب ہوگا۔ سعید الملک کی ہلاکت کے بعد سلطان نے قلمدان وزارت خواجہ نظام الملک مرحوم کے خلف ابو نصر احمد کے سپرد کر دیا۔ ۵۰۳ھ میں ابو نصر بذات خود فوج لے کر قلعہ الموت پر یلغار کرنے کے لئے بڑھا۔ لیکن بوجہ شدت سرما واپس آنے پر

مجبور ہوا۔(ایضاج ۹ص ۱۳۷) آٹھ سال کے بعد ۵۱۱ھ میں قلعہ الموت پر مکرر فوج کشی ہوئی۔اس مہم کا قائد امیر نوشتگین شیر گیر تھا۔ برابر ایک سال تک محاصرہ جاری رہا۔(ایضاج ۹ص ۱۶۸،۱۶۹) جب رسد تھڑ گئی اور اہل قلعہ کی بدحالی ناگفتہ بہ حالت تک پہنچ گئی تو ابن صباح نے عورتوں اور بچوں کو درخواست امان کے ساتھ سلطان محمد کی خدمت میں بھیجا۔لیکن ابن صباح کی فرد قرارداد جرم کچھ ایسی مختصر وخفیف نہ تھی کہ وہ کسی رعایت کا مستحق ہوسکتا۔سلطان نے اس درخواست کو مسترد فرمایا۔ لیکن چونکہ قضاوقدر کی قوت قہرمان نے تسخیر قلعہ سے پہلے ہی سلطان محمد کو آغوش لحد میں سلا دیا۔ فوج محاصرہ اٹھا کر واپس چلی آئی۔اور قلعہ بدستور ابن صباح کے عمل ودخل میں رہ گیا۔

سلطان سنجر کے سرہانے ابن صباح کا خنجر اور خط

سلطان محمد کے انتقال کے بعد ۵۱۲ھ میں اس کا چھوٹا بھائی سلطان سنجر صاحب تاج وتخت ہوا۔سلطان ملک شاہ کے بعد یہ بادشاہ اپنے دونوں بھائیوں سے زیادہ شجاع اور صاحب اقتدار تھا۔ وسعت ملک اور حربی قوت میں بھی ان پر فائق تھا۔سلطان سنجر نے ارادہ کیا کہ تسخیر الموت کا جو کام ہر مرتبہ تشنۂ تکمیل رہ جاتا ہے۔اس کو انجام تک پہنچائے۔چنانچہ تجہیز لشکر کا حکم دیدیا۔اور بذات خود فوج لے کر روانہ ہوا۔یہ سن کر ابن صباح گھبرایا۔کیونکہ شاہی لشکر کا مقابلہ اس کے حیطۂ امکان سے خارج تھا۔اس کے فدائی تو چوروں اور رہزنوں کی طرح صرف چھریاں مارنا جانتے تھے۔لہٰذا حسن بن صباح نے یہ چالاکی کی کہ کسی خاص غلام یا حرم کو گانٹھ کر سلطان کی خواب گاہ کے سرہانے ایک خنجر زمین میں گاڑ دیا۔علی الصباح جب سلطان نے ایک خنجر زمین میں پیوست پایا تو پریشان ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟۔دستہ خنجر کے اوپر ابن صباح کا ایک خط بھی بندھا ہوا ملا جس میں لکھا تھا:

''ہاں!سلطان سنجر به پرهیز که اگر ء رعایت خاطر تو منظور نه بودے دستے که خنجرے برزمین سخت فرو برد و سینه نرم تو سهل تربود که فرد برد ''(اے سلطان سنجر!ہماری اذیت سے باز آؤ۔اگر تمہارے پاس خاطر منظور نہ ہوتا تو سخت زمین میں خنجر پیوست کرنے کی نسبت تمہارے نرم سینہ میں اس کا چبھو دینا زیادہ آسان تھا)

خنجر اور خط کو دیکھ کر سلطان یہ سمجھا کہ میری فوج اور میرے پہرہ داروں میں ضرور ایسے لوگ موجود ہیں۔جنہیں ابن صباح سے نسبت ارادت حاصل ہے۔ورنہ کس کی مجال تھی کہ میری خواب گاہ میں قدم رکھتا؟۔سلطان سنجر خط پڑھنے کے بعد دل ہی دل میں کانپ رہا تھا۔وہ اس واقعہ سے اس قدر مرعوب ہوا کہ کسی طرح فوج لے کر پیش قدمی کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔اس

دن ابن صباح کا قاصد بھی لشکر گاہ میں آ پہنچا اور صلح کا خواستگار ہوا۔ سلطان پہلے ہی مرعوب ہو چکا تھا۔ لہٰذا جان کے خوف سے جنگ پر صلح و آشتی کو ترجیح دی اور ان معمولی شرطوں پر صلح ہوگئی: (۱) اسماعیلی فرقہ کوئی جدید فوجی عمارت کا اضافہ نہ کرے (۲) جدید اسلحہ اور منجنیقیں نہ خریدے۔ (۳) آئندہ اس فرقہ میں کوئی نیا شخص مرید نہ کیا جائے۔

(نظام الملک طوسی بحوالہ نامۂ خسروان ص ۱۰۸ احالات حسن بن صباح)

لیکن ابن صباح کے لئے یہ شرطیں کسی حیثیت سے بھی مضرت رساں نہ تھیں۔ کیونکہ اس وقت تک پچاس سے زائد قلعے باطنیوں کے قبضے میں آ چکے تھے۔ جو سب مستحکم اور کارآمد تھے۔ اس بناء پر ابن صباح کو کسی مزید تعمیر و تشئید کی ضرورت نہ تھی۔ دوسری شرط بھی مضر نہ تھی۔ کیونکہ ابن صباح کے باطنی پیروؤں کے لئے صرف ایک چھری کافی تھی جو ہر وقت کمر میں رہتی تھی۔ اور اس معاہدہ کے بعد بھی رہ سکتی تھی۔ تیسری شرط گو بظاہر سخت تھی لیکن فی الحقیقت اس میں بھی کچھ مضائقہ نہ تھا۔ حسن کا خود پہلے اس پر عمل درآمد تھا۔ کیونکہ اسماعیلی داعی ہر شخص سے مخفی بیعت لیتے تھے۔ جس کا حال کسی پر کھل نہیں سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اگر اس دفعہ کی پابندی کی جاتی تو بھی کچھ نقصان نہ تھا۔ کیونکہ اس وقت تک باطنی فوج کی تعداد جو قرب و جوار میں پھیلی ہوئی تھی۔ ستر ہزار تک پہنچ چکی تھی۔

ایک باطنی سفاک کے ہاتھوں وزیر ابو طالب کا قتل

۵۱۶ھ میں سلطان محمود بن سلطان سنجر کا وزیر ابو طالب کمال سمیری باطنی ستم آرائی کا نشانہ بن کر دار آخرت کو چلا گیا۔ ابو طالب کمال ہمدان جانے کے لئے سلطان کے ساتھ نکلا تھا۔ بہت بڑا لشکر ساتھ تھا۔ وزیر نے مدرسہ کے راستے سے نکلنے کا ارادہ کیا۔ چونکہ راستہ بہت تنگ تھا۔ سوار اور پیادے آگے بڑھ گئے ایک باطنی موقع پا کر وزیر پر حملہ آور ہوا۔ پیٹ میں چھری گھونپ دی۔ اور بہت سے زخم لگا کر بڑی تیزی سے دجلہ کی طرف بھاگا۔ سپاہیوں نے اس کا تعاقب کیا اتنے میں ایک اور مسلمان نے اس کو چھری سے ہلاک کر دیا۔ جب سپاہی واپس آ رہے تھے تو دو باطنیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ یہ سپاہی ان سے بچ کر واپس آئے تو وزیر کو دیکھا کہ بکری کی طرح مذبوح پڑا ہے۔ اور اس پر تیس سے زیادہ زخم ہیں۔ اس کے بعد تمام باطنی گرفتار ہو کر چاہ ہلاک میں ڈال دیئے گئے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۹ ص ۲۱۵، ۲۱۶)

موت

ان واقعات کے بعد ابن صباح نے ۲۸ ربیع الآخر ۵۱۸ھ کو جام مرگ نوش کر لیا۔ اس

وقت اس کی عمر ۹۰ سال کی تھی۔ پینتیس سال تک قلعہ الموت پر نہایت کامیابی سے حکومت کرتا رہا۔ ابن صباح کے پیروؤں کو جو ترقی نصیب ہوئی۔ تاریخ آل سلجوق اصفہانی میں اس کا باعث محکمہ جاسوسی کا فقدان بتایا ہے اور لکھا ہے کہ سلطان ویلم اور ان سے پیشتر جو حکمران تھے ان کا معمول تھا کہ تمام ملک میں خبر رسانی کے لئے جاسوس مقرر کرتے تھے اور ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس کے صحیح واقعات دمبدم سلطان کے گوش زد نہ ہوتے رہتے ہوں۔ مگر سلطان الپ ارسلان نے جو سلطان ملک شاہ کا باپ تھا۔ اپنے عہد میں یہ محکمہ توڑ دیا تھا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ فرقہ باطنیہ کو اندر ہی اندر ترقی کرتا گیا اور سلطنت کو اس کی سازشوں اور خفیہ کارستانیوں کا اس وقت علم ہوا جب ابن صباح نے قزوین اور رودبار وغیرہ کے قلعوں پر پوری طرح قبضہ کر لیا۔ ابن صباح نے اپنے عہد حکومت میں قریباً دوسو قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ جن میں سے یہ گیارہ قلعے نہایت عظیم الشان تھے (۱) الموت (۲) گردکوہ (۳) لامسر (۴) شاہ ور (۵) دسمکوہ (۶) خالنجان (۷) استون آوند (۸) آردھن (۹) الناظر (۱۰) طنبور (۱۱) خلاد خان۔ ان میں سے چوتھا قلعہ اصفہان کے پاس تھا۔ پانچواں شہر ابہر کے متصل۔ چھٹا اصفہان سے پانچ فرسنگ کے بعد پر۔ ساتواں شہر رے اور امل کے مابین۔ نواں خوزستان میں۔ دسواں شہر آرجان کے متصل اور گیارہواں فارس اور خوزستان کے مابین واقع تھا۔ ان کے علاوہ صوبہ دوبار اور قہستان وغیرہ میں بہت سے چھوٹے چھوٹے قلعے تھے۔ جن کو ملا کر مجموعی تعداد سو کے قریب بنتی ہے۔

ابن صباح بحیثیت بانئ فرقہ

ان اسماعیلی فرقوں کی تعداد جنہوں نے مختلف ملکوں اور وقتوں میں مختلف ناموں سے خروج کیا۔ کم از کم اکیس تک پہنچتی ہے۔ جن میں سے حسن بن صباح کا فرقہ حسنی سب سے آخری مسلم آزار فرقہ ہے۔ جس سے عالم اسلام کو سابقہ پڑا۔ پہلا فرقہ ملقب بہ اسماعیلی تو اصل ہے۔ باقی اس کی شاخیں ہیں جو اپنے دعاۃ کی طرف منسوب ہو کر یا کسی عقیدے کے ماتحت کسی نام سے شہرت پذیر ہوئیں۔ دوسرا امبارکی جو محمد بن اسماعیل کے غلام مبارک کی طرف منسوب ہوا۔ جس نے کوفہ میں اسماعیلی مذہب کی اشاعت کی۔ تیسرا بابکی جو بابک خرمی کا پیرو ہے۔ چوتھا محمرہ جو سرخ لباس پہننے کے باعث اس نام سے مشہور ہوا۔ پانچواں میمونی جو عبداللہ بن میمون قداح اہوازی کا پیرو تھا۔ چھٹا خلفی جو عبداللہ بن میمون کے نائب خلف کی طرف منسوب ہوا۔ ساتواں قرمطی جو حمدان اشعث معروف بہ قرمط کی طرف منسوب ہے۔ آٹھواں برقعی جو محمد بن علی برقعی سے نسبت رکھتا ہے۔ برقعی نے ۲۵۵ھ میں بمقام اہواز خروج کیا۔ اور خوزستان اور

بصرہ پر قبضہ کر کے ہزار ہا لوگوں کو داخل مذہب کرلیا۔ آخر ۳۰۷ھ میں خلیفہ معتضد باللہ کے حکم سے اسے سولی دی گئی۔ اس نے اپنے عقائد میں مزدکی اور بابکی اصول بھی شامل کر لئے تھے۔ نواں جنابی جو ابوسعید جنابی کی طرف منسوب ہے۔ دسواں مہدوی جو عبیداللہ مہدی بانی دولت بنوعبید کی طرف منسوب ہے۔ اس فرقہ کو سعیدی بھی کہتے ہیں۔ گیارہواں فضلی جو علی بن فضل یمنی کی طرف منسوب ہوا۔ بارہواں بیغیہ جو ملک شام میں اس نام سے مشہور ہوا۔ تیرہواں حسنی جو حسن بن صباح کی طرف منسوب ہوا۔ اسی طرح اسماعیلیوں کے یہ نام بھی مشہور ہوئے۔ (۱۴) تعلیمیہ (۱۵) فدائیہ (۱۶) حشاشین (۱۷) باطنیہ (۱۸) صباحیہ (۱۹) حمیریہ (۲۰) ملاحدہ (۲۱) نزاریہ۔ چونکہ عبیدی فرمانروا المستعلی والی مصر کے عہد حکومت میں اس کے بیٹے نزار نے اس سے بیعت نہ کرنے پر اسماعیلیہ کے ہوا خواہوں کو قتل کیا تھا اور حسن بن صباح نے جو اس کے پاس رہتا تھا۔ اس کے بعد کے اسماعیلی آئمہ کی امامت سے مصر میں انکار کیا تھا۔ اس بناء پر اس کا گروہ نزاریہ کے نام سے موسوم ہوا۔

۳......ابن صباح کے جانشین

ابن صباح کی موت کے بعد قلعہ الموت میں اس کے سات جانشین ایک سو چھتیس سال یعنی ۶۵۴ھ تک حکمران رہے۔ جن کی مختصر کیفیت درج ذیل ہے۔

۱......کیا بزرگ امید

ابن صباح کی وصیت کے بموجب کیا بزرگ امید جو اس کا رفیق تھا۔ ۵۱۸ھ میں شیخ الجبل ہوا۔ ابوعلی اس کا وزیر قرار پایا اور حسن قصرانی سپہ سالار متعین ہوا۔ اس کے عہد میں بہت سے حکمرانوں نے باہم اتفاق کر کے ارادہ کیا کہ باطنی فتنہ کا خاتمہ کر دیں۔ چنانچہ سلطان سنجر کا چچا اور جانشین سلطان محمود قلعہ الموت پر چڑھ گیا اور اس کو فتح کر کے باطنیوں کو بری طرح پامال کیا۔ مگر سلطان محمود کے انتقال کے بعد کیا بزرگ امید پھر الموت پر قابض ہو گیا اور اس کی حکومت قزوین تک پھیل گئی۔ اس کے عہد میں تین جلیل القدر بادشاہ باطنی خون آشامی کا شکار ہوئے اور بہت سے دوسرے اکابر ملت بھی عفریت اجل کے حوالے کر کے آغوش لحد میں سلا دیئے گئے۔

شاہ موصل کی شہادت

۵۱۹ھ میں قاضی ابوسعد محمد بن نصیر بن منصور ہروی کو ایک باطنی نے ہمدان میں غدر

اجل کیا۔اس کے بعد ایک باطنی نے قسیم الدولہ آق سنقر برسقی شاہ موصل کو اس وقت جامع مسجد موصل میں جام شہادت پلایا۔ جبکہ وہ عامۃ المسلمین کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے گیا تھا۔ بادشاہ نے شہادت کی رات خواب دیکھا کہ کتے اس پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ چند کتوں کو تو اس نے ہلاک کر دیا ہے۔ لیکن بعض آ کر زخمی کر گئے ہیں۔ بادشاہ نے صبح کو یہ خواب اپنے مصاحبوں سے بیان کیا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ چند روز تک محلسرائے سے باہر نہ نکلئے۔ بادشاہ نے کہا کہ آج جمعہ ہے۔ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ میں نماز جمعہ نہیں چھوڑوں گا۔ عمائد سلطنت نے بہتیرا سمجھایا کہ آپ نماز جمعہ کے لیے نہ جائیے۔ محل ہی میں نماز ظہر ادا کر لیجئے۔ مگر چونکہ پیمانہ حیات لبریز ہو چکا تھا۔ بادشاہ نے منظور نہ کیا اور تلاوت کے لئے مصحف مقدس لے کر بیٹھ گیا۔ جب قرآن مجید کھولا تو سب سے پہلے اس آیت پر نظر پڑی "وکان امر اللہ قدرا مقدورا" ﴿امر الٰہی پہلے سے مقدر ہوتا ہے۔﴾ سمجھ گیا کہ اب میرا وقت پورا ہو چکا۔ تلاوت کے بعد حسب عادت سوار ہو کر جامع مسجد گیا۔ بادشاہ کا ہمیشہ معمول تھا کہ شروع وقت میں جاتا اور پہلی صف میں بیٹھتا۔ اس زمانہ میں مسلمان والیان ملک اور ان کے امراء و وزراء عموماً خدا پرست، متشرع اور دین دار ہوتے تھے اور ان کے دل میں یہ اعتقاد راسخ تھا کہ موت وقت معہود سے مقدم و موخر نہیں ہو سکتی۔ اس بنا پر وہ اپنی حفاظت جان کے لئے کوئی اہتمام نہ کرتے تھے۔ جونہی بادشاہ جامع مسجد میں جا کر بیٹھا اچانک اسی قدر باطنی چاروں طرف سے حملہ آور ہوئے جس قدر کتے بادشاہ نے خواب میں دیکھے تھے۔ ان کی تعداد دس سے کچھ زیادہ تھی۔ بادشاہ نے بھی مدافعت کی اور تین حملہ آوروں کو زخمی کیا۔ لیکن انہوں نے اتنے زخم پہنچائے کہ بادشاہ گر پڑا اور دم بھر میں دم توڑ کے جان دے دی۔ اس وقت جامع مسجد میں خون کا دریا بہہ رہا تھا۔ یہ بادشاہ بڑا عابد متقی تھا۔ پانچوں وقت نماز باجماعت ادا کرتا۔ تہجد بھی قضا نہ کرتا۔

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں کہ شاہ شہیدؒ کے ایک خادم نے میرے والد مرحوم سے بیان کیا تھا کہ یہ بادشاہ رات کا اکثر حصہ عبادت الٰہی میں گزارتا تھا۔ میں نے ایام سرما میں بارہا دیکھا کہ بستر سے اٹھ کر چپ چاپ ایک کملی اوڑھتا اور لوٹا لے کر پانی کے لئے دریائے دجلہ پر جاتا۔ میں اصرار کرتا کہ میں پانی لا دیتا ہوں۔ مگر مجھے ہر دفعہ یہ کہہ کر سلا دیتا کہ دیکھو اس وقت موصل میں کتنی سردی پڑ رہی ہے۔ میں سو جاتا اور وہ خود ہی جا کر پانی لایا کرتا۔ جب بادشاہ نے عالم آخرت کا سفر کیا تو اس وقت شاہزادہ عزالدین مسعود فرنگیوں سے حلب میں لڑ رہا تھا۔ کیونکہ ان دنوں عالم اسلام میں صلیبی لڑائیاں برپا تھیں۔ بادشاہ کے مصاحبوں نے اس کے پاس حلب خبر

بھیجی۔ شاہزادہ حلب کا انتظام کر کے موصل پہنچا۔ اور تخت نشین ہوا۔ اب عزالدین مسعود نے قاتلوں کا سراغ لگانے کا حکم دیا۔ ان کا تو کچھ پتہ نہ چلا۔ البتہ یہ ثابت ہوا کہ قاتل فلاں باطنی کے مکان پر آ کر ٹھہرے ہوئے تھے۔ باطنی کو گرفتار کر کے اس سے بہتیرا پوچھا گیا کہ قاتل کون تھے اور کہاں ہیں؟۔ اس نے مرنا قبول کیا۔ مگر اپنی قوم کا راز افشاء کرنا گوارہ نہ کیا۔ اس سے انعام و اکرام کے بھی وعدے کیے گئے۔ لیکن اس نے کچھ نہ بتایا۔ آخر اس کی گردن ماردی گئی۔ کاش ہندوستان کے وہ مسلمان اس واقعہ سے سبق آموز ہوں جنہیں خوف و امید کی ادنیٰ ادنیٰ تحریکات قوم فروشی پر آمادہ کر دیتی ہیں۔ اور کفر کی خاطر اسلام کو زخمی کرتے ہوئے خدا سے نہیں شرماتے۔ اور بوالعجبی دیکھو کہ ان فرنگی افسروں کو جو حلب میں شاہزادہ عزالدین مسعود سے برسرپیکار تھے۔ شاہ موصل کے واقعہ شہادت کا پہلے ہی سے علم تھا۔ والیٔ انطاکیہ نے ان سے سن کر عزالدین مسعود کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارے والد محترم پر ایک سخت حادثہ گزرا ہے یا گزرنے والا ہے۔ اس کے بعد موصل سے بھی اس واقعہ ہائلہ کی اطلاع پہنچ گئی۔ (الکامل فی التاریخ ج ۹ ص ۳۳۶، ۳۳۷)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فرنگی اور باطنی ہمراز تھے۔ اور مسلمانوں کو بیک وقت دو خون آشام دشمنوں کا مقابلہ درپیش تھا۔ ایک یورپ کے صلیبیوں کا۔ دوسرے باطنی ملحدین کا۔ کچھ دنوں کے بعد سراغ رسانوں نے شاہ موصل کے آٹھ حملہ آوروں کا پتہ لگا لیا اور آٹھوں گرفتار ہو گئے۔ سات فدائی مارے گئے۔ مگر ایک بھاگ کر بچ گیا۔ اس کی ماں کو پہلے اس کے قتل کیے جانے کی خبر ملی تھی جس پر اس نے بڑی خوشیاں منائیں۔ لباس فاخرہ پہن کر خوشبو لگائی اور عید کے سے ٹھاٹھ کے ساتھ بیٹھی ہی تھی کہ معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہے۔ فوراً بال نوچ ڈالے۔ کپڑے پھاڑ کر پھینک دیئے اور سر پر راکھ ڈال کر کہنے لگی افسوس میرا بیٹا درجہ شہادت سے محروم رہا۔ اس کے بعد رو رو کر کہتی تھی کہ ہائے میری کوکھ سے اپنا نالائق فرزند پیدا ہوا جسے شہادت سے جان پیاری ہے۔ اس سے ظاہر ہے فریب خوردگان باطنیت اپنے خیالات میں کس درجہ راسخ تھے اور شیخ الجبل نے ان سحر زدگان ضلالت پر اپنی مطلب براری کا کیسا افسوں پھونک رکھا تھا۔ کاش ہماری ماؤں بہنوں میں بھی خدمت ملی کا وہ جذبہ پیدا ہوتا جو ایک باطل پرست عورت کے دل میں موجزن تھا۔

(سنین اسلام جلد ۲ ص ۱۱۶ وغیرہ)

سلطان سنجر کے وزیر اور دوسرے امراء کی جانستانی

۵۲۰ھ میں سلطان سنجر کے وزیر ابونصر احمد بن فضل نے باطنیہ کے خلاف غزا کرنے کا حکم دیا اور فرمان جاری کیا کہ جہاں کہیں کسی باطنی پر قابو ملے اسے نہنگ شمشیر کے حوالے کر دیں۔

اور اس کا مال ومتاع لوٹ لیں۔ ابو نصر احمد نے ایک لشکر تو طریثیت کی طرف بھیجا جو باطنیوں کا اہم مرکز تھا اور ایک جیش ضلع نیشا پور کے موضع بیہق کے خلاف روانہ فرمایا۔ جو باطنیوں کا ایک قصبہ تھا اور جہاں کا سردار حسن بن سمین نام ایک نہایت بند باطن باطنی تھا۔ وزیر نے دونوں لشکروں کو حکم دیا کہ جو باطنی بھی کہیں مل سکے۔ اسے زندہ نہ چھوڑو۔ دونوں لشکر اپنی اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر اسلام نے بیہق پہنچ کر وہاں خوب قتل عام کیا۔ حسن بن سمین قصبہ سے نکل کر باہر کی طرف بھاگا۔ لیکن جب یقین ہوگیا کہ وہ لشکر اسلام سے کسی طرح بچ نہیں سکتا تو ایک مسجد کے مینار پر چڑھ کر زمیں پر کود پڑا اور گرتے ہی پاش پاش ہوگیا۔ اسی طرح طریثیت والے لشکر نے بھی وہاں پہنچ کر باطنیوں کو خوب قتل کیا اور بہت سا مال غنیمت لے کر واپس آئے۔

اس واقعہ کے پر باطنیوں کی آتش انتقام شعلہ زن ہوئی۔ ابو نصر احمد کی زندگی کا چراغ گل کرنے کی ناپاک کوششیں شروع ہوگئیں۔ آخر ۵۲۱ھ کے اواخر میں باطنیوں کو وزیر ممدوح کی جانستانی کا موقع مل گیا اور وزیر ممدوح کو درجہ شہادت پر فائز ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ (ایضاً ج۹ ص ۲۴۴) ۵۲۳ھ میں باطنی فدائیوں نے شیخ عبداللطیف بن خجندی اصفہانی کو جو شافعی مذہب کے ایک ممتاز عالم تھے۔ قتل کر کے اپنی بداعمالیوں میں اضافہ کیا۔ ۵۲۴ھ میں انہوں نے مصر کے عبیدی تاجدار ابوعلی آمر باحکام اللہ کو خود اس کے دارالسلطنت قاہرہ میں عالم فنا میں پہنچا دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن صباح کے پیرو اسے اسماعیلیہ کا جائز وارث وامام تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ نزار کی امامت کے معتقد تھے۔ جیسے بعض سازشوں کی بنا پر مصر کی خاندانی سلطنت حاصل نہ ہوسکی تھی۔ ۵۲۶ھ میں بنو فاطمہ میں سے ابوہاشم نام ایک بزرگ نے شہر گیلان میں امامت کا دعویٰ کیا۔ بہت سے آدمیوں نے اس کی متابعت کی۔ کیا بزرگ نے انہیں کہلا بھیجا کہ میری موجودگی میں اس قسم کا دعویٰ تمہیں کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ اس لئے بہتر ہے کہ اس خطرناک دعویٰ سے باز آجاؤ۔ ابوہاشم نے اس پیغام کا جواب درشت لہجہ اور عتاب آمیز الفاظ میں دیا۔ کیا بزرگ نے ان پر لشکر کشی کی اور شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ باطنی بھیڑیوں نے ان کی مشکیں کس لیں۔ اور زندہ آگ میں جلا دیا۔ (سنین اسلام جلد ۲ ص ۱۱۳) اسی سال قاضی ابوسعید ہروی باطنیوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ۵۲۷ھ میں علامہ حسن گورگان بھی ذبح کر دیئے گئے۔ ان کے باطنی قاتل کا نام ابومنصور ابراہیم خیر آبادی تھا۔ ۵۲۸ھ میں ابوعبداللہ نام ایک باطنی نے سید دولت شاہ علوی حاکم اصفہان کو نہنگ اجل کے حوالے کیا۔ اسی سال شمس تبریزی نام ایک عالم نے دو باطنیوں کے ہاتھ سے جن کو ابوسعید قائنی اور ابوالحسن فرمانی کہتے تھے۔ جرعہ مرگ نوش فرمایا۔

نصاری کو دمشق پر قبضہ دلانے کی باطنی سازش

بہرام نام ایک سیاہ دل باطنی بغداد میں اپنے حقیقی مسلمان ماموں ابراہیم اسد آبادی کو جام شہادت پلا کر شام بھاگ گیا تھا۔ وہاں جا کر وہ اسماعیلی مذہب کے مناد کی حیثیت سے کام کرنے لگا اور ادھر ادھر کے اوباشوں اور لفنگوں کو جمع کر کے اپنی ایک جماعت بنالی۔ چونکہ باطنیوں کا معمول تھا کہ ذرا کسی مسلمان سے ان بن ہوئی اور اہل ایمان کے خلاف جور و تطاول کا طوفان برپا کر دیا۔ اس لئے حلب کے حاکم ایلغازی کو مسلمانوں کی جان و مال کے تحفظ کی اس کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ بہرام کو دشمن بنانے سے احتراز کرے اور میل ملاقات کا سلسلہ قائم رکھے۔ اسی خیال کے ماتحت ایلغازی نے بہرام سے درخواست کے بموجب طغتگین عامل دمشق کے پاس سفارش کر دی کہ وہ بہرام کو دمشق میں قیام کرنے کی اجازت دے۔ طغتگین نے بہرام کو دمشق آنے کی اجازت دی۔ ابو طاہر بن سعد مرغینانی نے بھی بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کے بجائے بہرام اور اس کے پیرووں کو ہر طرح کی اخلاقی اور مالی امداد دی۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہرام بڑا زور پکڑ گیا اور اس کی جمعیت پہلے سے دو چند ہو گئی۔ گو حکام نے بہرام اور اس کی جماعت کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ لیکن عامۃ المسلمین جو فرقہ اہل سنت و جماعت کے پیرو تھے۔ باطنیوں کی آمد سے سخت کبیدہ خاطر تھے۔ مسلمانوں نے باطنیوں کا مقاطعہ کر کے ان کا بری طرح قافیہ تنگ کر رکھا تھا اور یہ اعداء اللہ انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔ بہرام نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے مقاطعہ اور عدم تعاون نے باطنیوں کو بہت کچھ پریشان کر رکھا ہے۔ تو طغتگین سے کہنے لگا کہ ازراہ کرم مجھے شہر سے باہر کوئی قلعہ دے دو۔ تاکہ میں اور میرے پیرو اس میں اطمینان کی سانس لے سکیں۔ طغتگین نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ قلعہ بانیاس باطنیہ کو دے دیا جائے۔ بہرام دمشق میں اپنے مذہب کی دعوت کے لئے ایک باطنی کو جسے مزدقانی کہتے تھے۔ چھوڑ کر قلعہ بانیاس میں چلا گیا۔ قلعہ میں پہنچ کر اس کی قوت اور شوکت میں مزید ترقی ہوئی اور گرد و نواح کے تمام باطنی اس قلعہ میں آ جمع ہوئے۔ تھوڑے دن کے بعد بہرام نے پہاڑی علاقہ میں قدموس اور بعض دوسرے قلعوں پر بھی قبضہ جمالیا۔ بعلبک کے مضافات میں وادی تیم کے اندر ایک بڑی آبادی تھی۔ جس میں نصیریہ، دروس، مجوس وغیرہ مختلف مذاہب و ادیان کے لوگ آباد تھے۔ ان کے امیر کا نام ضحاک تھا۔ جب بہرام کی جمعیت بڑھ گئی تو وہ ۵۲۲ھ میں ضحاک پر چڑھ دوڑا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ بہرام مارا گیا اور اس کے پیرو بری طرح ہزیمت کھا کر سخت بدحالی کے ساتھ قلعہ بانیاس میں واپس آئے۔ اب اسماعیل نام ایک باطنی اس کا جانشین ہوا۔ مزدقانی نے اسماعیل کی ہر طرح سے اعانت

کی۔ اس اثناء میں مزدقانی نے بھی دمشق میں بہت سے جہلائے مذہب کو مرتد کر کے بہت بڑا جتھا بنالیا۔ اور شہر میں بڑا اثر ورسوخ پیدا کیا۔ یہاں تک کہ تاج الملوک حاکم دمشق سے بھی اس کا حکم فائق رہتا تھا۔ یہ وہ دن تھے جبکہ صلیبی لڑائیاں برپا تھیں۔ اور یورپ نے ہر ملک سے فوجوں کے بادل اٹھ اٹھ کر اسلامی ممالک کی طرف بڑھ رہے تھے۔ فرنگی بہت دفعہ دمشق پر حملہ آور ہوئے۔ مگر ہر دفعہ مار مار کر ہٹا دیئے گئے۔ اب مزدقانی کی شیطنت دیکھو کہ اس مار آستین نے فرنگیوں سے ساز باز کر کے ان سے کچھ قول واقرار لیا۔ اور وعدہ کیا کہ تم چپ چاپ دمشق آ جاؤ۔ میں تم کو یہاں قابض کرادوں گا۔ نصرامہ عمل ودخل کے لئے جمعہ کا دن مقرر ہوگیا۔ اب مزدقانی نے یہ انتظام کیا کہ شہر کی باطنی جمعیت کے علاوہ قلعہ بانیاس سے بھی بہت بڑی جمعیت طلب کی اور کہلا بھیجا کہ باطنی لوگ نماز جمعہ کے وقت چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں منقسم ہو کر تمام دروازوں سے شہر میں آ جائیں۔ تجویز یہ کی کہ جب مسلمان نماز جمعہ کے لئے شہر کی جامع مسجدوں میں جا چکیں تو باطنی تمام مسجدوں کا محاصرہ کرلیں۔ اتنے میں نصاریٰ آ کر شہر پر قبضہ کرلیں۔ اتفاق سے تاج الملوک کو اس سازش کو اطلاع ہوگئی۔ اس نے مزدقانی کو بلا بھیجا اور تخلیہ میں لے جا کر اس کی گردن ماردی اور اس کے سر کو قلعہ کے دروازہ پر لٹکا کر منادی کرادی کہ جو باطنی ملے اسے موت کی گھاٹ اتار دیا جائے۔ مسلمان پہلے ہی باطنی اعدائے دین کے خلاف دانت پیس رہے تھے۔ باطنیوں کا قتل عام شروع ہوگیا۔ اس دن سات ہزار باطنی عالم فنا میں پہنچائے گیے۔ یہ دیکھ کر اسماعیل باطنی حاکم قلعہ کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ مسلمان قلعہ بانیاس پر چڑھ دوڑیں گے اور باطنیوں کو ہلاک کر کے قلعہ چھین لیں گے۔ اس نے نصاریٰ کے پاس پیغام بھیج کر قلعہ بانیاس ان کے حوالے کر دیا اور خود اپنی جمعیت لے کر کسی دوسری جگہ چلا گیا۔ اب فرنگی شہر دمشق سے بالکل قریب آ گئے اور شہر پر حملہ کرنے کے لئے بہت بڑی جمعیت فراہم کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر تاج الملوک نے عربوں اور ترکمانوں کو مقابلہ کے لئے جمع کیا۔ آٹھ ہزار سواروں کی جمعیت فراہم ہوئی۔ نصاریٰ ماہ ذی الحجہ میں شہر کی طرف بڑھے۔ اور دمشق کو محاصرہ میں لے لیا۔ لیکن مسلمانوں نے انہیں بہت جلد شہر سے مار بھگایا۔ بیشمار فرنگی ہلاک ہوئے۔ تھوڑے دن کے بعد قلعہ بانیاس بھی ان سے چھین لیا گیا۔

(الکامل فی التاریخ ج۹ص۲۵۰)

خلیفہ بغداد کا جاں گسل حادثہ شہادت

باطنی چیرہ دستیوں کا سب سے ہولناک منظر خلیفہ مسترشد باللہ عباسیؒ کا حادثہ قتل ہے۔
یہ خلیفہ ۵۱۲ھ میں مسند آرائے خلافت ہوا۔ بڑا جری، پرشکوہ، باہیبت اور صاحب الرائے تاجدار

تھا۔ امور خلافت کو نہایت حسن اسلوب سے انجام دیا۔ ارکان شریعت کو مضبوط اور سنن نبویہ کا احیاء فرمایا۔ خود بہ نفس نفیس شریک جنگ ہوتا تھا۔ ابتداء میں بہت موٹا لباس پہنتا تھا۔ نہایت عابد و زاہد تھا۔ اپنے محل سرائے میں عبادت کے لئے ایک جگہ بنا رکھی تھی۔ جونہی امور خلافت سے فارغ ہوتا عبادت خانہ میں آ کر یاد الٰہی میں مصروف ہو جاتا۔ اس کے علم و فضل کی نسبت اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ علامہ ابن الصلاح اور امام تاج الدین سبکی نے اس کو کتاب طبقات الشافعیہ میں زمرہ علماء میں شمار کیا ہے۔ شیخ ابوبکر شاشی نے فقہ شافعیؒ میں ایک کتاب تصنیف کر کے خلیفہ مسترشدؒ کے نام نامی سے معنون کی اور عمدۃ الدنیا والدین کا خطاب پایا۔ نہایت خوشخط تھا۔ اس فن میں تمام خلفاء بنوعباس سے گوئے سبقت لے گیا۔ اکثر کاتبوں کو اصلاح دیا کرتا اور رعایا کا بڑا محبوب تھا۔ اس کی جرأت، ہیبت، شجاعت اور اس کے حملے مشہور ہیں۔ ۵۲۹ھ میں خلیفہ اور سلطان مسعود ابن سلطان محمد بن سلطان ملک شاہ میں کسی بات پر ان بن ہوئی اور یہاں تک مخالفت بڑھی کہ حرب و قتال تک نوبت پہنچی۔ وایبرج کے مقام پر دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ خلیفہ کی فوج کے بڑے بڑے سپہ سالار سلطان سے مل گئے۔ فوج نے نمک حرامی کی اور اکثر نے ساتھ چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ کو ہزیمت ہوئی۔ لیکن خلیفہ میدان جنگ میں نہایت پامردی سے ڈٹا رہا۔ بھاگ کر جان بچانا قطعاً گوارہ نہ کیا۔ آخر خلیفہ اور قاضی القضاۃ علماء اور عمائد سلطنت گرفتار ہو گئے۔ اور ہمدان کے پاس ایک قلعہ میں قید کر دیئے گئے۔ جب یہ وحشت ناک خبر بغداد پہنچی تو اہل شہر اپنے سروں پر خاک ڈالتے اور نالہ و شیون کرتے ہوئے نکلے اور عورتیں سر کے بال کھولے اپنے محبوب اور ہردلعزیز خلیفہ کے لئے بین کرتی پھریں۔ اس روز اضطراب کا یہ عالم تھا کہ بغداد کی کسی مسجد میں نماز باجماعت ادا نہ ہوئی۔ اس روز عراق میں سخت زلزلہ آیا۔ لوگ اس سے اور بھی خوف زدہ ہوئے۔ اس کے بعد پانچ چھ مرتبہ زلزلہ کے زبردست جھٹکے محسوس ہوتے رہے۔ سلطان سنجر نے اپنے بھتیجے سلطان مسعود کو لکھا کہ اس خط کے پہنچتے ہی تم خود خلیفہ کے پاس جاؤ اور زمین خدمت چوم کر اس سے عفو تقصیر کی درخواست کرو اور اپنے آپ کو مجرم اور گنہگار ظاہر کرو۔ جس روز سے تم نے خلیفہ کو قید کیا۔ آندھی، بجلی اور زلزلے برپا ہیں۔ فوجوں میں سخت تشویش ہے۔ بلاد و امصار میں انقلاب عظیم رونما ہے۔ یہ ایسی ارضی و سماوی علامتیں ہیں کہ جن کے دیکھنے کی مجھ میں تاب نہیں۔ مجھے خدائے قہار کی طرف سے اپنی اور تمہاری جان کا خوف ہے۔ پھر بغداد کی جامع مسجدوں میں نماز جمعہ کا ادا نہ کیا جانا اور خطبوں کا موقوف رہنا کتنا بڑا غضب ہے۔ میں اس بار عظیم کا کسی طرح متحمل نہیں ہو سکتا۔ بہتر ہے کہ تم اپنی غلطی کی فوراً تلافی کرو اور خلیفہ المسلمین کو نہایت عزت

واحترام کے ساتھ ان کے مقام پر پہنچاؤ اور جیسا کہ ہمارے آباؤ اجداد کا معمول رہا ہے۔ خلیفہ کے سامنے جا کر زانوئے ادب تہ کر دو۔ سلطان مسعود نے اپنے چچا کے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ خلیفہ کے پاس جا کر زمین خدمت چومی اور گڑگڑا کر معافی مانگی۔ اتنے میں سلطان سنجر نے امیر قزان کو ایک دستہ فوج کے ساتھ اس غرض سے سلطان مسعود کی طرف روانہ کیا کہ وہ سلطان مسعود کو سمجھا بجھا کر خلیفہ کی واپسی کی کوشش کرے۔ باطنی لوگ بہت دن سے خلیفۃ المسلمین کی جان کے درپے تھے۔ لیکن کوئی موقع نہ ملتا تھا۔ اس فوج میں جو سلطان سنجر نے روانہ کی۔ چودہ یا سترہ باطنی بھی شامل ہو گئے۔ سلطان مسعود نے خلیفہ اور اس کے ارکان سلطنت کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ سوار کرا کے بغداد کی طرف روانہ کرنے کا انتظام کیا۔ ابھی چلنے ہی والے تھے کہ اتنے میں خبر پہنچی کہ امیر قزان سلطان سنجر کے قاصد کی حیثیت سے آ رہا ہے۔ خلیفہ نے اس کی آمد کے انتظار میں تھوڑی دیر کے لئے روانگی ملتوی کر دی۔ سلطان مسعود اور اس کے امراء امیر قزان کی ملاقات میں مصروف ہو گئے۔ خلیفہ کا خیمہ لشکر سے الگ ایستادہ تھا۔ باطنی خیمہ میں گھس کر خلیفہ پر حملہ آور ہوئے اور چاروں طرف سے چھریوں کے وار کرنے لگے۔ خلیفہ شہید ہو گیا۔ ان نابکاروں نے نہایت بے رحمی سے خلیفہ کی جان لے لی۔ اس کے بعد اپنی بہیمیت کا یہ ثبوت دیا کہ ناک اور کان بھی کاٹ لئے اور خلیفہ کو برہنہ چھوڑ دیا۔ یہ خوفناک حادثہ ۱۷ ذوالقعدہ ۵۲۹ھ کے دن رونما ہوا۔ لشکر کو اس حادثہ کی اس وقت اطلاع ہوئی جب وہ اپنا کام کر چکے تھے۔ آخر سب حملہ آور گرفتار ہو کر قتل کر دیئے گئے۔ سلطان مسعود تعزیت کے لئے بیٹھا۔ لوگ اتنا روئے کہ شور وواویلا سے ہنگامہ قیامت برپا ہو گیا۔ جب یہ ہولناک خبر بغداد پہنچی تو وہاں کہرام مچ گیا۔ ارباب ایمان پر بار الم ٹوٹ پڑا۔ لوگ پا برہنہ کپڑے پھاڑتے اور عورتیں بال بکھیرے گالوں پر طمانچے مارتی ہوئی نکلیں اور شہر میں ہر جگہ صف ماتم بچھ گئی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۵۲ حالات مسترشد باللہ)

خلیفہ مسترشد باللہ کی شہادت کے بعد اس کے فرزند راشد باللہ نے فوج لے کر باپ کا انتقام لینے کے لئے ۵۳۱ھ میں قلعہ الموت پر چڑھائی کی۔ لیکن اثنائے راہ میں دوپہر کے وقت جبکہ وہ اپنے خیمہ میں استراحت فرما تھا۔ چار فدائیوں نے خیمہ میں گھس کر اس کا کام تمام کر دیا۔ قلعہ الموت میں آٹھ روز تک اسی قتل کی خوشی منائی گئی۔ شب وروز ڈھول اور جھانجھیں بجا کیں۔ (الکامل فی التاریخ ج ۹ ص ۳۰۵) انہی ایام میں دو باطنیوں نے جو محمد کرخی اور سلیمان قزوینی کے نام سے موسوم تھے۔ شہر قزوین کے مفتی اعظم شیخ حسن ابوالقاسم کرخی کو شہید کر کے شہر خموشاں میں بھجوا دیا۔ (ایضاً ج ۹ ص ۳۱۵) کیا بزرگ چودہ برس دو مہینہ حکومت کر کے ۵۳۲ھ میں مر گیا۔

۲.....محمد بن کیا بزرگ امید

کیا بزرگ کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا محمد جانشین ہوا۔ یہ بالکل جاہل و ناخواندہ تھا۔ لیکن باطنی الحاد و زندقہ کی پیروی میں ابن صباح اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ اس کے عہد میں بھی خونریزی علیٰ حالہا جاری رہی۔ فدائی لوگ جہاں کہیں کسی مسلمان کو پاتے اس کو لوٹ کر قتل کر دیتے۔ لیکن یہ لوگ مقتولین کے مال و متاع پر خود ہرگز تصرف نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جو کچھ ہاتھ لگتا۔ شیخ الجبل کے خزانہ عامرہ میں پہنچا دیتے تھے۔ اور یہ الفاظ ہر وقت ان کی زبان پر تھے کہ ہم دنیائے فانی اور اس کی لذات فانیہ کے خواہشمند نہیں ہیں۔ بلکہ ہم طالب مولیٰ ہیں۔ صفحہ ہستی کو مخالفوں کے خار وجود سے پاک کرنا ہمارا نصب العین ہے۔ چونکہ قہستان کے قاضی صاحب ہمیشہ باطنیہ کے کفر کے فتوے لکھا کرتے تھے اس لئے ۵۳۳ھ میں ابراہیم دامغانی نام ایک باطنی نے ان کو وحشت سرائے دنیا سے عالم عقبیٰ میں بھیج دیا۔ تھوڑے دن کے بعد اسی باطنی نے دارالسلطنت جارجیا (گرجستان) کے قاضی تفلیس کو جام شہادت پلایا۔ ۵۴۴ھ میں ایک باطنی اسماعیل خوارزمی نے ہمدان کے قاضی صاحب کی جان لی۔ رحمہم اللہ۔

باطنی مقتولین کی کھوپڑیوں کا منارہ

۵۳۴ھ میں باطنیوں نے سلطان سنجر کے خادم خاص جوہر کو قتل کر کے شرف شہادت پر مشرف کیا۔ جوہر کو سلطنت میں بڑے بڑے اختیارات حاصل تھے۔ تمام فوجی افسر اس کی خدمت کرتے تھے۔ بڑے بڑے امراء و رؤساء اس کے دروازے پر کھڑے رہتے تھے۔ سلطان نے اپنی مملکت کا بہت سا حصہ اس کی ملک کر دیا تھا۔ عباس حاکم رے جوہر ہی کا غلام تھا۔ چند باطنی زنانہ لباس پہن کر مستغیث کی حیثیت سے جوہر کے دولت کدہ پر آئے۔ جوہر ان کو ستم رسیدہ عورتیں سمجھ کر فریاد رسی کے لئے کھڑا ہو گیا۔ وہ موقع پا کر پل پڑے اور چھریاں مار کر ٹھکانے لگا دیا۔ جوہر کا غلام عباس فوج لے کر باطنیوں پر چڑھ دوڑا۔ جو باطنی ملا۔ اس کو ہلاک و پامال کیا۔ عباس نے باطنیہ کے قلع قمع میں جو کام کیا شاید اس سے بڑھ کر کسی دوسرے سے بن پڑا ہوگا۔ عباس نے اپنے آقا کے قتل کئے جانے کے بعد باطنیوں کی سرکوبی و پامالی ہی کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے لیا۔ چنانچہ تادم واپسی انہی کے خلاف غزا میں مصروف رہا۔ عباس نے ان کی آبادیوں کو لوٹ کر ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ (ایضاج ۹ ص ۳۱۵)

ایک روایت میں ہے کہ امیر عباس نے ہزارہا باطنی قتل کئے اور ان کی کھوپڑیوں کا مینار بنوایا۔ جس پر مؤذن اذان دیتا تھا۔ اسی سال باطنیوں نے عین الدولہ خوارزم شاہ کی جان لی۔

۵۳۵ھ میں ایک باطنی نے جس کو حسین کرمانی کہتے تھے۔ امیر ناصر الدولہ بن مہلہل کو خون ہلاک سے گلگوں کیا۔ ۵۳۷ھ میں امیر کرشاشب والی کرمان کر جرعہ شہادت پلایا۔ ۵۳۸ھ باطنیوں نے سلطان محمد کے پوتے شاہزادہ داود بن سلطان محمود کو چھریاں مار مار کر مار ڈالا۔

امرائے اسلام کے ہاتھوں باطنیوں کی رسوائی و بربادی

محمد بن کیا بزرگ کے آخری ایام میں دولت ہی میں باطنی ترقی کا دور ختم ہو گیا اور زوال وانحطاط نے اس کی جگہ لے لی۔ ماہ ربیع الآخر ۵۴۹ھ میں سات ہزار اسماعیلی قہستان سے عازم خراسان ہوئے اور وہاں کے حکمران فرخ شاہ بن محمود کاشانی سے چھیڑ خانی شروع کر دی۔ امیر فرخ شاہ نے اپنی حربی کمزوری کا احساس کر کے امیر محمد بن انز کے پاس جو خراسان کے اکابر امراء میں ایک بڑا بہادر حکمران تھا۔ باطنیہ کے قلع قمع میں اشتراک عمل کرنے کا پیغام بھیجا۔ محمد بن انز اپنی فوج لے کر آ پہنچا۔ اب فرخ شاہ اور ابن انز نے مل کر باطنیوں کا مقابلہ شروع کیا اور مارتے مارتے ان کا بری طرح صفایا کیا۔ باطنیہ کے تمام سردار مارے گئے اور لشکر بھی تباہ ہو گیا۔ بقیۃ السیف میں اکثر باطنی قید کر لئے گئے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۹ ص ۳۹۹)

اسی طرح ۵۵۲ھ میں رستم بن علی شاہ مازندران نے اپنی فوج کے ساتھ کوچ کر دیا۔ لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ کہاں کا قصد ہے؟ شاہ مازندران تنگ راستوں اور غیر معروف وادیوں میں ہوتا ہوا قلعہ الموت کے پاس جا پہنچا۔ اور باطنیوں کی آبادی میں پہنچ کر قتل ونہب کا بازار گرم کر دیا۔ باطنی مقابلہ پر آئے۔ لیکن ذلیل ہو کر پسپا ہو گئے۔ رستم شاہ کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس کے علاوہ باطنی عورتیں اور بچے بھی قید کر لئے اور ان سب کو طبرستان لا کر برسر بازار فروخت کیا۔ لیکن اسی سال عالم اسلام میں اس ہولناک خبر سے سناٹا چھا گیا کہ باطنیوں نے کراسان کے عازمان حج کو نہایت بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حاجیوں کا قافلہ خراسان سے روانہ ہوا تھا۔ جب یہ حضرات بسطام سے آگے بڑھے تو باطنیوں کی ایک زبردست جمعیت سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ باطنی کثیر التعداد اور سامان جنگ سے آراستہ تھے۔ انہوں نے بے دریغ عازمان حج کو قتل کرنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر حجاج نے بھی مقابلہ کیا۔ بہت دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ جانبین سے بے شمار آدمی مارے گئے۔ آخر عازمان حج مغلوب ہو گئے اور بقیۃ السیف نے امان مانگی۔ باطنیوں نے ہتھیار لے کر ان کو قید کر لیا۔ پھر ایک ایک کر کے ان قیدیوں کی گردن مارنی شروع کی۔ چند آدمی بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔ باقی سب عفریت اجل کے حوالے کر دیئے گئے۔ اس لڑائی میں خراسان کے بہت سے علماء صلحاء اور زہاد جرعہ شہادت پی کر

ریاض الفردوس کو چلے گئے۔ اس میدان میں جہاں شہداء بے گوروکفن پڑے تھے۔ دوسرے دن ایک پیر فانی آیا اور مقتولین و مجروحین میں چکر لگا کر کہنے لگا۔ اے ایمان دارو! اے حاجیو! میں مسلمان ہوں۔ ملحد و بے دین لوگ چلے گئے۔ جو کوئی پانی پینا چاہے۔ اسے پلا سکتا ہوں اور ہر طرح خدمت کو حاضر ہوں۔ ان میں سے جو جو ایسے مجروح جن میں کچھ رمق باقی تھی اس سے ہم کلام ہوئے۔ اس بڈھے بھیڑیے کی تیغ جفا کا نشانہ بن گئے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۹ ص ۲۱۷)

باوجودیکہ باطنی اشقیاء امرائے اسلام کے ہاتھوں ہر جگہ ذلیل و پامال ہو رہے تھے۔ لیکن شر انگیزی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی اور جانستانی ان کی زندگانی کا اہم ترین مقصد تھا۔ اس لئے فتنہ و فساد سے کسی طرح باز نہیں آتے تھے۔ ان کی فتنہ انگیزی کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔ قہستان میں ترکمانوں کا ایک قبیلہ بود و باش رکھتا تھا۔ ۵۵۳ھ میں ایک ہزار سات سو باطنی اپنے قلعوں سے نکل کر اس قبیلہ پر حملہ آور ہوئے۔ اتفاق سے قبیلہ کا کوئی مرد اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ باطنیوں نے وہاں پہنچ کر خوب لوٹ مچائی۔ جس قدر اموال کو منتقل کر سکتے تھے۔ ان کو لے چلے اور باقی ہر چیز کو آگ لگا دی اور قبیلہ کی تمام عورتوں اور بچوں کو قید کر کے مراجعت کی۔ جب ترکمان واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ نہ کوئی مکان ہے نہ مکین اور نہ مال مویشی ہیں اور نہ اثاث البیت۔ آخر معلوم ہوا کہ باطنی آکر لوٹ مار کر گئے۔ ترکمان ان کے تعاقب میں چلے اور ان کو ایسے وقت میں جا لیا۔ جبکہ باہم مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے۔ ترکمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کر کے ہلہ بول دیا اور اس قدر تلوار چلائی کہ باطنیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ سترہ سو میں سے صرف نو باطنی بچے۔ باقی سب علف تیغ اہل اسلام بن گئے۔ ترکمان اپنے اہل و عیال اور مال و منال کو لے کر مراجعت فرما ہوئے۔ (ایضاً ج ۹ ص ۲۲۵، ۲۲۶) محمد بن کیا بزرگ چوبیس برس آٹھ مہینے حکومت کر کے ۵۵۶ھ میں راہی ملک عدم ہوا۔

۴...... حسن بن محمد معروف بہ حسن ثانی

محمد بن کیا بزرگ کے بعد اس کا بیٹا حسن محمد بن معروف بہ حسن ثانی نے تاج حکمرانی سر پر رکھا۔ یہ شخص چالاکیوں میں ابن صباح کا ہم پایہ تھا۔ فرقہ اسماعیلیہ میں حسن ثانی کی اتنی عزت تھی کہ اس کا نام زبان پر لانا بے ادبی خیال کیا جاتا تھا۔ اس لئے نام کی جگہ ''علی ذکرہ السلام'' کہتے تھے۔ اس نے مسند نشینی کے بعد ۱۷ رمضان ۵۵۷ھ کو دربار عام کرنے کا اعلان کیا اور ان امراء اور ممتاز لوگوں کے نام جو اس کی قلمرو میں سکونت پذیر تھے۔ حکم بھیجا کہ تمام لوگ بلدۃ الاقبال میں جمع ہوں۔ (باطنیوں نے قلعہ الموت کا نام بلدۃ الاقبال رکھ دیا تھا) چنانچہ دور و نزدیک کے تمام

بڑے بڑے باطنی جمع ہوئے۔ قلعہ کی عیدگاہ میں ایک منبر رکھا گیا۔ منبر کی چاروں طرف چار علم سرخ، سبز، زرد، اور سفید رکھے گئے۔ حسن ثانی نے منبر پر چڑھ کر ایک خط نکالا اور کہنے لگا کہ یہ خط امام مستور حضرت امام مہدی علیہ السلام نے میرے نام بھیجا ہے۔ اس خط کا مضمون یہ تھا کہ:

''حسن ہمارا نائب، ہمارا ایلچی، ہمارا وزیر ہے۔ جو لوگ ہمارے مذہب کے پیرو ہیں وہ ہر بات میں اس کی اطاعت کریں۔ خواہ وہ بات روحانی ہو یا جسمانی۔ اس کے حکم کو حکم خدا اور وحی منطوق یقین کریں۔ جس امر سے باز رکھے۔ اس سے اجتناب کریں۔ جس کام کا حکم دے۔ اس کی بلا تامل تعمیل کریں۔ اس کے امر و نہی کو یوں سمجھیں کہ گویا ہم بذات خود امر و نہی کر رہے ہیں۔''

یہ نامہ پڑھ کر حسن کہنے لگا کہ ان لوگوں پر فضل و رحم کے دروازے کھل گئے ہیں جو میری اقتداء و امتثال امر کریں گے۔ میں امام زمان ہوں۔ میں نے آج کے دن سے تمام تکالیف شرعیہ کو خلق خدا سے اٹھا دیا ہے۔ احکام شریعت نابود کر دیئے ہیں۔ یہ زمانہ قیام قیامت کا ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ باطن میں خدا کی محبت رکھیں اور ظاہر میں جو چاہیں کریں۔ کوئی پابندی نہیں۔ حسن بن صباح نے اپنے باطنی مسلک میں بعض ظاہری احکام بھی داخل کر رکھے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ روزہ رکھتے تھے۔ حسن ثانی نے منبر سے اتر کر فریضہ صوم توڑ دیا۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس کی پیروی میں روزہ افطار کر دیا۔ تمام شرعی قیود اٹھ گئے۔ عید کی سی خوشی منائی گئی اور اس دن کا نام عید القیام رکھا گیا۔ اکثر مؤرخوں کے قول کے بموجب یہ وہی دن تھا جس میں امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے کوفہ میں ابن ملجم شقی کے ہاتھ سے جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ باطنیہ کے نزدیک حضرت علی مرتضیٰؓ کا یوم شہادت بڑا خوشی کا دن تھا۔ کیونکہ ان کے زعم میں قید خانہ دنیا سے چھوٹ کر عالم عقبیٰ میں جانا ارواح کاملہ کی لذت اور خوشی کا باعث ہے۔ باطنی لوگ قیود مذہب سے پہلے ہی آزاد تھے۔ اس دن سے بالکل مطلق العنان ہو گئے۔ سب لوگوں نے سارا دن طرح طرح کی آزادیوں اور شہوت پرستیوں میں بسر کیا۔ چونکہ ہر قسم کی مذہبی پابندیاں اٹھ چکی تھیں۔ باطنیہ میں فسق و فجور کی گرم بازاری ہوئی۔ شراب اور زنا کاری گھر گھر پھیل گئی۔ باطنی لوگ حسن ثانی کو قیامت سے بھی تعبیر کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے اعتقاد میں قیامت اسی وقت قائم ہو گی۔ جبکہ رسوم شرعیہ اٹھ جائیں گی اور حسن ثانی نے تمام تکلیفات شرعیہ کا برطرف کر دیا تھا۔ چنانچہ کسی باطنی شاعر کا قول ہے:

برداشت غل شرع بتائید ایزدی
مخدوم روزگار علیٰ ذکرہ السلام

حسن ثانی چار برس حکومت کر کے ۵۵۹ھ میں اپنے سالے حسن نامور کے ہاتھ سے
مارا گیا۔ (سنین اسلام جلد ۲ص ۱۲۰،۱۲۳)

۴.....محمد ثانی بن حسن

محمد ثانی بن حسن ثانی نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے باپ کے قصاص میں قاتل اور اس کے خاندان کے تمام زن و مرد کو ہلاک کرا دیا۔ اس کے عہد کا ایک قصہ مشہور ہے کہ امام فخر الدین رازیؒ وعظ میں فرمایا کرتے تھے۔ خلافا للاه لاسما عيليه لعنهم الله وخذلهم الله! (اسماعیلی اس مسئلہ کے خلاف ہیں۔ خدا ان پر لعنت کرے اور ان کو ذلیل کرے) جب یہ خبر محمد ثانی کو پہنچی تو اس نے ایک فدائی کو رے بھیجا۔ یہ فدائی امام صاحب کے حلقہ درس میں شامل ہو گیا اور برابر سات مہینہ تک دوسرے طلبہ کی طرح درس میں شریک ہوتا رہا۔ سات مہینہ کے بعد اس نے ایک دن امام کو تنہا پایا۔ گرا کر سینہ پر چڑھ بیٹھا اور خنجر گلے پر رکھ دیا۔ امام صاحب سخت پریشان تھے کہ میرے شاگرد نے یہ کیا حرکت کی اور کیوں کی؟۔ امام نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔ آخر تم کیا چاہتے ہو؟۔ باطنی فدائی نے کہا سیدنا محمد حسن بعد سلام فرماتے ہیں کہ عوام کے کسی مخالفانہ قول کی ہم کو کچھ پروا نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ عامۃ الناس کی باتیں نقش بر آب کا حکم رکھتی ہیں۔ مگر آپ جیسے فاضل یگانہ کا ایک ایک مخالفانہ لفظ ہمارے لئے تیر و نشتر ہے۔ کیونکہ آپ کا کلام صفحہ روزگار پر ہمیشہ باقی رہے گا۔ دوسرے ہمارے بادشاہ نے آپ سے التماس کی ہے کہ آپ ہمارے قلعہ الموت میں تشریف لا کر ملاقات فرمائیں۔ امام فخر الدینؒ نے فرمایا کہ میں قلعہ تو نہیں جا سکتا۔ البتہ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کوئی کلمہ تمہارے بادشاہ کے خلاف میری زبان پر نہ آئے گا۔ اس کے بعد فدائی امام صاحب کے سینہ سے اترا اور گلے سے خنجر ہٹا کر کہنے لگا کہ تین سو مثقال سونا اور دو یمنی چادریں میرے حجرے میں رکھی ہیں وہ آپ منگا لیں۔ سیدنا محمد بن حسن کی طرف سے یہ ایک سال کا وظیفہ ہے اور آئندہ بھی اسی قدر تنخواہ رئیس ابوالفضل کے توسط سے آپ کو ملتی رہے گی۔ یہ کہہ کر حجرے سے نکلا اور چلا گیا۔ امام رازیؒ نے آخر تک اس عہد کو نباہا۔ باطنیہ کے متعلق امام صاحب کے طرز عمل میں جو غیر معمولی تغیر رونما ہوا۔ اس نے لوگوں میں اشتباہ پیدا کر دیا۔ آخر ایک شاگرد نے اس تغیر کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں ان لوگوں کو برا کہنا پسند نہیں کرتا جن کے دلائل خاردار اور ارادے بہت تیز ہیں۔ (نظام الملک بحوالہ نگارستان صفحہ ۲۴۳)

لیکن میرے خیال میں یہ قصہ بالکل جھوٹ، افترا اور من گھڑت ہے۔ اس کا واضع امام رازیؒ کا کوئی عدو یا اہل حق کا دشمن ہے۔ جس نے اکابر اسلام کو بدنام کرنے کے لئے ایسا مضحکہ خیز

افسانہ تراشا۔ ہمارے آئمہ مہتدین ایسے کمزوردل نہیں تھے کہ جان بچانے کی خاطر باطل سے دب جاتے۔ان مقتدایان ملت پر ایسی بدگمانی کرنا سخت معصیت ہے۔جن کی تعلیم وتربیت نے سلطان صلاح الدین جیسے ناموران اسلام پیدا کیئے۔

ہاں! مرزا غلام احمد قادیانی یا اس قماش کا کوئی اور مدعی تقدس ہوتا تو اس قسم کا واقعہ بالکل قرین قیاس تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ مسٹر ڈوئی ڈپٹی کمشنر گورداسپور نے جو مرزا قادیانی کو نیلی پیلی آنکھیں دکھائیں تو انہوں نے عدالت میں یہ اقرار نامہ لکھ دیا کہ آئندہ کسی کے خلاف دل آزار پیشین گوئی نہ کروں گا۔ کسی کو کافر، دجال اور مفتری اور کذاب نہیں کہوں گا۔ (مجموعہ اشتہارات ج۳ص۱۳۴) اور ڈپٹی کمشنر کے سامنے یہ بھی وعدہ کیا کہ آئندہ کسی کے حق میں سخت الفاظ بھی استعمال نہیں کروں گا۔ (ایضاج۲ص۴۷۰)

وزیر نظام الملک مسعود کی جانستانی

چونکہ باطنیوں کی سرسبزی اسلام اور اہل اسلام کے زوال وانحطاط کو مستلزم تھی۔اس لئے شاہان اسلام ان دشمنان دین کے قلع قمع کا کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کرتے تھے۔ ۵۹۶ھ میں سلطان خوارزم شاہ نے جو خوارزم، رے، خراسان اور شہرستان کے ان پہاڑی علاقوں کا بادشاہ تھا۔ جو نیشاپور اور خوارزم کے درمیان واقع ہیں۔ باطنیوں سے قتال کرنے کا عزم فرمایا۔قزوین کے پاس باطنیوں کا ایک بڑا قلعہ تھا۔ جسے ارسلان کشاہ کہتے تھے۔اس کو فتح کر کے قلعہ الموت کی تسخیر کے لئے روانہ ہوا۔ باطنیوں نے اس کے انتقام میں علامہ صدرالدین محمد بن وزان کو جو رے میں شافعی مذہب کے ایک بڑے امام تھے۔ جام شہادت پلا دیا۔ بادشاہ علامہ ممدوح سے بڑا مانوس تھا۔ خوارزم شاہ کو اس واقعہ ہائلہ کا اتنا صدمہ ہوا کہ الموت کا عزم فسخ کر کے خوارزم چلا گیا۔ باطنیوں نے اس کے ساتھ ہی خورزم شاہ کے وزیر نظام الملک مسعود بن علی پر حملہ کر کے اس کو خلد آباد کی طرف روانہ کر دیا۔ بادشاہ نے وزیر کے بیٹے قطب الدین کو حکم دیا کہ وہ فوج لے کر جائے اور باطنیوں سے اپنے باپ کا انتقام لے۔ قطب الدین نے چھوٹتے ہی ان کے ایک قلعہ ترشیش کو جا گھیرا۔ جب باطنی محاصرہ سے تنگ آئے تو مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع کی۔ بہت دن تک نامہ و پیام ہوتا رہا۔ لیکن قطب الدین نے کسی شرط کو منظور نہ کیا۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ اگر محاصرہ اٹھالو تو ایک لاکھ دینار حاضر کرتے ہیں۔ چونکہ اس اثناء میں قطب الدین کو خود ہی واپس جانے کی بعض مجبوریاں پیش آگئیں۔ اس لئے ایک لاکھ دینار لے کر چلا گیا۔

(الکامل فی التاریخ ج۱۰ص۲۶۲)

وزیر نظام الملک مسعود بن علی بڑا صالح و متقی اور حسن سیرت میں یگانہ روزگار شافعی المذہب تھا۔ پہلے شہر مرو میں صرف حنفی مذہب کی ایک عظیم الشان مسجد تھی۔ جسے جامع حنفیہ کہتے تھے۔ وزیر الملک نے ایک شافعی مسجد بھی تعمیر کرائی۔ وزیر ممدوح نے خوارزم میں بھی ایک جامع مسجد اور شان دار مدرسہ تعمیر کرایا۔ جس کے ساتھ ایک بہت بڑا کتب خانہ بھی وقف کیا۔ (ایضاً ص ۲۶۷) خوارزم شاہ کے حملہ کے چار سال بعد یعنی ۶۰۰ ھ میں سلطان شہاب الدین غوری نے علاؤ الدین محمد بن ابو علی کو جو بلاد غوریہ کا حاکم تھا۔ باطنیوں کے تہس نہس کا حکم دیا۔ علاؤ الدین نے باطنیوں کے شہر قائن پر تاخت کی اور شہر کو محاصرہ میں لے لیا۔ محصورین کی حالت دن بدن مخدوش ہونے لگی۔ لیکن جب علاؤ الدین نے سلطان شہاب الدین غوری کے انتقال کی خبر سنی تو ساٹھ ہزار دینار لے کر صلح کر لی۔ یہاں سے محاصرہ اٹھا کر باطنیہ کے قلعہ کاخک پر جا پڑا اور اس کو فتح کر کے بہت سا مال غنیمت اور باطنی قیدیوں کے ساتھ مراجعت کی۔ (الکامل فی التاریخ ج ۱۰ ص ۲۸۸) یاد رہے کہ یہ سلطان شہاب الدین وہی سلطان شہاب الدین محمد غوری ہے۔ جس نے ۱۱۹۳ء میں راجہ پرتھی راج والی دہلی و اجمیر کو شکست دے کر ہندوستان میں اسلامی سلطنت قائم کی تھی۔

ایلتمش اور سلطان جلال الدین کے ہاتھوں باطنی ملاحدہ کی سرکوبی

جب سلاطین آل سلجوق کے نظام حکومت میں اختلال راہ پذیر ہوا اور ایلتمش نے رے اور ہمدان میں چتر حکومت سر پر رکھا تو اس نے سب سے پہلے اپنی عنان عزیمت باطنی ملاحدہ کی سرکوبی کی طرف معطوف فرمائی۔ چنانچہ ۶۰۲ ھ میں باطنیوں کے ان قلعوں پر جو قزوین کے قرب و مجاورت میں تھے۔ لشکر کشی کی۔ بے شمار ملاحدہ کو قتل کیا اور پانچ قلعوں کو بزور تیغ فتح کر کے قلعہ الموت کا قصد کیا۔ مگر اتفاق سے ایسے عوائق و موانع حائل ہوئے کہ جن کی وجہ سے قلعہ مذکور مسخر نہ ہو سکا۔ اس کے بعد سلطان جلال الدین بن علاء الدین خوارزم شاہ نے ہندوستان سے واپس جا کر ۶۲۴ ھ میں باطنیوں پر فوج کشی کی اور جس طرح اس گمراہ فرقہ نے امرائے اسلام کی جان لی تھی۔ اسی طرح اس نے بھی اس فرقہ کے سرداروں کو خوب تہ تیغ کیا اور ان کے آباد شہروں اور قلعوں کو تاخت و تاراج کیا۔ قلعہ الموت کے قرب و جوار کے قلعے اور نیز وہ باطنی قلاع جو خراسان میں تھے جلال الدین کے پیہم حملوں سے تباہ و ویران ہو کر کھنڈروں میں تبدیل ہو گئے۔ جس زمانہ سے تاتاریوں نے خروج کیا تھا۔ انہی ایام سے فرقہ باطنیہ نے بلاد اسلامیہ کی طرف قدم بڑھائے

تھے۔ مگر جلال الدین ان کی سرکوبی کے لئے پردہ غیب سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جس کے پیہم حملوں نے باطنیوں کی کماحقہ گوشمالی کر دی اور جسم اسلام کے اس تکلیف ناسور کا قرار واقعی مداوا ہو گیا۔

(الکامل فی التاریخ ج ۱۰ ص ۳۱۹، ۴۷۲)

۵......جلال الدین محمد ثانی ملقب بہ حسن ثالث

حسن ثانی بڑا عیاش اور فاسق حکمران تھا۔ اس لئے اس کے بیٹے جلال الدین محمد ثانی نے اس کو زہر دے کر نذر اجل کر دیا اور ۶۰۵ ھ میں خود قلعہ الموت میں تخت نشین ہوا۔ اس حکمران نے مسند حکومت سنبھالتے ہی باطنی طریقہ چھوڑ کر مذہب حق اہل سنت و جماعت کی پیروی اختیار کی۔ اسی بناء پر یہ تاریخ میں جلال الدین نومسلم کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن بعض لوگوں کا بیان ہے کہ جلال الدین اوائل ہی سے فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت کا پیرو تھا اور باپ کی بد اعتدالیوں ہی نے اسے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو تخت حکومت کو ایک لامذہب اور فاسد العقیدہ حکمران کے وجود سے پاک کر دے۔ اس نے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی اپنے سنی المذہب ہونے کا اعلان کیا اور علمائے اہل سنت کو قلعہ الموت میں مدعو کر کے ان کی خدمت گذاری کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اس کے عہد حکومت میں مسجدیں آباد ہوئیں۔ تلاوت قرآن کا چرچہ ہوا۔ تعلیم قرآن کے لئے مدارس و مکاتب جاری ہوئے۔ جلال الدین نے اپنے ہمعصر سلاطین کے پاس ایلچی بھی بھیج کر اطلاع دی کہ میں باطنی طریقہ اور اسماعیلی مسلک سے بیزار اور شریعت اسلامیہ کا سچا پیرو ہوں اور اسی مسلک حق کو اپنی قلمرو میں رائج کر رہا ہوں کہ حضور سید عالم ﷺ نے جس کو دنیا کے سامنے پیش کیا تھا بعض علمائے قزوین کو شک ہوا کہ شاید یہ شخص اس اعلان سے مسلمانوں کو دھوکا دے رہا ہو۔ جب جلال الدین کو اس کا علم ہوا تو اس نے علمائے قزوین کو قلعہ میں بلوایا اور مجمع عام میں حسن بن صباح کی تمام کتابیں جن میں کفر و زندقہ بھرا ہوا تھا جمع کر کے آگ میں جلوا دیں۔ یہ خدا پرست حکمران جس طرح خود نماز اور دوسرے ارکان اسلام کا پابند تھا۔ اسی طرح دوسروں کو بھی پابند بنانے میں کوشاں رہا۔ اس نے اپنی والدہ کو سمجھا بجھا کر مسلمان کیا اور والدہ اور بیوی کو اپنے قافلہ کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ روانہ کیا۔ بغداد کے عباسی خلیفہ الناصر لدین اللہ نے اس قافلہ کی یہاں تک عزت کی کہ قلعہ الموت کا علم شاہ خوارزم جیسے زبردست بادشاہ کے جھنڈے سے بھی آگے کر دیا۔ یہ قافلہ جس قلمرو سے بھی گذرتا وہاں کے حکمران بڑے اعزاز سے اس کا خیر مقدم کرتے۔ اس کے بعد خود جلال الدین نے اسلامی بلاد

وامصار کی سیاحت کی۔ ڈیڑھ سال کی مدت اسی سیاحت کی نذر کر دی۔ دوران سفر میں جس ملک میں گیا بڑی عزت کی گئی۔ اس کی اسلام پرستی اور دینداری پر دنیائے اسلام کو تو خاص مسرت تھی۔ لیکن باطنی لوگ دشمن ہو گئے۔ تاہم گیارہ سال تک نہایت شان وشوکت سے حکومت کرتا رہا۔ آخر ۶۱۶ھ میں زہر دے کر دارالجنان میں بھجوا دیا گیا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۱۰ ص ۳۵۷) جلال الدین کا عہد حکومت عالم اسلام کے لئے پیام امن تھا۔ چنانچہ اس کے یازدہ سالہ ایام حکمرانی میں کوئی مسلمان کسی باطنی کے ہاتھ سے نذر اجل نہیں ہوا۔

۶......علاؤالدین محمد ثالث

علاؤالدین محمد بن جلال الدین ملقب بہ محمد ثالث بعمر نو سال حکمران ہوا۔ ایک دفعہ اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں سخت بیمار ہوا۔ کسی ناتجربہ کار طبیب نے فصد تجویز کی۔ فصد میں اتنا خون لے لیا گیا کہ علاؤالدین کو مالیخولیا کی بیماری عارض ہوئی۔ اس بناء پر لہو ولعب اور بے فکریوں میں پڑ گیا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص مہمات سلطنت کے متعلق ایک لفظ بھی زبان پر لاتا تو فوراً خاک ہلاک پر ڈال دیا جاتا۔ اس وجہ سے عنان حکومت ارکان سلطنت کے ہاتھ میں تھی۔ عمایدِ سلطنت نے جلال الدین مرحوم کے انتقال کے بعد شریعت اسلامی کی جگہ از سر نو باطنی آئین ورسوم جاری کئے۔ ۵۲۴ھ میں باطنیوں نے سلطان جلال الدین بن خوارزم شاہ کے ایک امیر کبیر کو شہید کر دیا۔ سلطان جلال الدین نے اس امیر کو شہر کنجہ اور اس کے مضافات کی حکومت بخش رکھی تھی۔ یہ امیر حسن سیرت اور نیک کرداری میں سر آمد روزگار تھا۔ سلطان جلال الدین کو ہمیشہ مصیبت اور برائی سے باز رہنے کی تلقین کیا کرتا۔ سلطان جلال الدین کو اس کے مارے جانے کا بڑا صدمہ ہوا اور اس کا انتقام لینے کے لئے علاقہ گردکوہ پر جا چڑھا جو خراسان میں باطنیوں کا مرکزی علاقہ تھا۔ سلطان نے وہاں پہنچ کر ہزاروں باطنیوں کو تہ تیغ کیا۔ ان کے بلاد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور بے شمار باطنی عورتوں اور مردوں کو قید کر کے مراجعت کی۔ (الکامل فی التاریخ ج ۱۰ ص ۳۶۲) علاؤالدین قریباً پینتیس سال تک برسر حکومت رہا۔ ۶۵۲ھ میں اس کے ایک خادم حسن ماژندرائی نے اس کو قتل کر دیا۔

۷......رکن الدین خورشاہ

رکن الدین خورشاہ باپ کی ہلاکت کے بعد ۶۵۲ھ میں حکمران ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں باطنی اقتدار نے آغوش ادبار میں منہ چھپایا اور بغداد کی عباسی خلافت کا آفتاب

اقبال بھی غروب ہوا۔ ان ایام میں بغداد اور الموت دونوں جگہ کی سفارتیں شیعی وزیروں کے ہاتھ میں تھیں۔ خلافت آل عباس کی وزارت ابن علقمی کو مفوض تھی اور قلعہ الموت کا قلمدان وزارت خواجہ نصیر الدین طوسی کے ہاتھ میں تھا۔ ان دونوں حکومتوں کا خود ان کے وزیروں ہی کی سازشوں سے خاتمہ ہوا۔ رکن الدین خورشاہ کو سریر حکومت پر بیٹھے قریباً ڈیڑھ سال ہی گذرا تھا کہ ۶۵۴ھ میں تاتاری افواج کا ٹڈی دل قلعہ الموت پر چڑھ آیا۔ ان دنوں تاتاریوں کا بادشاہ منقو خان تھا۔ منقو خان نے اپنے بھائی ہلاکو خان کو فوج گراں کے ساتھ باطنیوں کی پامالی کے لئے روانہ کیا۔ ہلاکو خان نے آکر قلعہ الموت فتح کیا اور رکن الدین خورشاہ شیخ الجبل کو گرفتار کر کے منقو خان کے پاس روانہ کر دیا۔ لیکن اثناراہ میں کسی شخص نے اس کو قتل کر ڈالا۔ تاتاریوں نے قلعہ کے تمام ذخائر جو ابن صباح کے زمانہ سے جمع ہو رہے تھے، لوٹ لئے۔ الغرض تاتاریوں نے باطنیہ کی ایرانی حکومت کا ایک سو اکہتر سال کے بعد خاتمہ کر دیا اور ان کے قریباً سو قلعے مسمار کئے۔ اس معرکہ میں بارہ ہزار باطنی قتل ہوئے۔ اسی طرح شام اور مصر میں سلطان ملک الظاہر اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے باطنیوں کا قلع قمع کر دیا اور خدا کا ملک کاربند فدائیوں کی شر انگیزیوں سے مامون ہوا۔ بیان کیا گیا ہے کہ بمبئی کے خوجوں کے امام ہز ہائی نیس سر آغا خاں بالقابہ اسی رکن الدین خورشاہ کی اولاد سے ہیں۔

باب ۳۸......رشید الدین ابوالحشر سنان

محمد ثانی بن حسن ثانی باطنی کے عہد حکومت میں شام کے اسماعیلیوں نے الموت سے قطع تعلق کر کے رشید الدین ابوالحشر کو جو سنان کے لقب سے مشہور تھا اپنا سردار بنا لیا تھا۔ سنان نے خود نبوت کا دعویٰ کیا اور ایک الہامی کتاب بھی معتقدین کے سامنے پیش کی۔ یہ شخص اپنے آپ کو ایک اوتار اور مظہر ایزدی بتاتا تھا۔ باطنی لوگ اس کے بڑے معتقد تھے۔ ایک مرتبہ سنان نے اپنا ایک سفیر بیت المقدس کے عیسائی فرمانروا شاہ اموری کے پاس بھیجا۔ لیکن وہاں ایسی بدنظمیاں پھیل رہی تھیں کہ سفیر متعصب عیسائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ سنان نے قاتل کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ لیکن اس سے بھی انکار کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شام کے باطنیوں اور فلسطین کے عیسائی حکمرانوں میں بگڑ گئی۔ اس سے پیشتر باطنی لوگ مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کا ساتھ دیا کرتے تھے۔ اب عیسائیوں کے بھی دشمن ہو گئے اور فدائیوں کی چھریاں ان پر تیز ہونے لگیں۔ اس سلسلہ میں فرانس کا ایک بڑا حاکم کنتراڈ نام ایک فدائی کے خنجر کا نشانہ بنا۔ اسی طرح یورپ کا ایک نامی گرامی فرمانروا

فریڈرک جب کہ شمالی اٹلی کے شہر میلان کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ ایک فدائی کی چھری سے مارا گیا۔ کنراڈ کی ہلاکت کے دو سال بعد کاؤنٹ شامپین فلسطین کے سفر کو گیا اور اثنائے راہ میں شہر مصیات میں سنان کا مہمان ہوا۔ سنان نے اسے قلعہ کے دھس اور برج دکھائے۔ ایک برج جو سب سے بڑا تھا اس کے ہر زینہ پر دو دو سپاہی ادب سے کھڑے ہوئے تھے۔ فوجی جمعیتوں کے تذکرہ پر سنان نے اپنے مسیحی مہمان سے کہا کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ہمارے جیسے اطاعت شعار اور جانثار سپاہی دنیا کی کسی قوم کو نصیب نہیں۔ یہ کہہ کر سنان نے اپنے دعویٰ کا عملی ثبوت پیش کرنا چاہا اور جھٹ برج کے ایک زینہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس اشارہ کے ساتھ ہی دو سپاہی جو وہاں کھڑے تھے نیچے کی طرف کود پڑے اور زمین پر گرتے ہی ہلاک ہوگئے۔ یہ عبرتناک تماشہ دکھا کر سنان بولا کچھ انہی پر منحصر نہیں۔ یہ جتنے سپاہی سفید لباس میں کھڑے ہیں۔ اشارہ کروں تو سب کے سب گر گر کر جانیں دے دیں گے۔ یہ نظارہ دیکھ کر نصرانی حکمران انگشت بدنداں رہ گیا اور کہنے لگا مجھ پر کیا موقوف ہے۔ واقعی دنیا کے کسی تاجدار کو ایسی جانباز رعایا نصیب نہ ہوگی۔ جب کاؤنٹ شامپین مصیات سے رخصت ہونے لگا تو سنان اس سے کہنے لگا اگر آپ کا کوئی دشمن ہو تو بتا دیجئے۔ میرے فدائی بہت جلد اس کو ٹھکانے لگا دیں گے۔ یہ فدائی سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدسؒ کی جان ستانی میں بہت کوشاں رہے۔ لیکن خدائے عزیز و برتر نے انہیں کبھی کامیاب نہ ہونے دیا۔ ملک شام میں سلطان صلاح الدینؒ کے فتوحات نے باطنیوں کی قوت کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ اس لئے ان کے نزدیک سلطان ان کے مذہب کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ ایک مرتبہ فدائی خنجر باندھ کے سلطان کی جان لینے کو روانہ ہوئے۔ شہر حلب کے باہر جب کہ سلطان اپنے کیمپ میں قیام فرما تھا۔ یکے بعد دیگرے چار فدائی خنجر لے کر جھپٹے۔ لیکن حق تعالیٰ نے ان کو اس ناپاک کوشش میں نامراد رکھا۔ بعض تو ایک مرتبہ بالکل سلطان کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ لیکن سلطان نے ان کے ہاتھ پکڑ لئے۔ بہر حال یہ سلطان صلاح الدین کی کرامت سمجھنی چاہئے۔ ورنہ یہ خونخوار فدائی جس کے پیچھے پڑتے، جان لئے بغیر چین نہ لیتے تھے۔ سلطان صلاح الدین کو فرنگیوں کی جنگ سے فرصت نہ تھی۔ تاہم جب سیاہ دل باطنیوں نے اس کی جان لینے کی کوشش کی تو سلطان نے فرنگیوں کی طرف سے عنان توجہ پھیر کر باطنیوں کی سرکوبی کا قصد فرمایا۔ چنانچہ جاتے ہی باطنیوں کے شہروں کو لوٹ کر ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس کے بعد قتل و غارت کرتا اور ان کی آبادیوں کو خاک سیاہ کرتا مصیات پہنچا اور قلعہ کا

محاصرہ کر لیا۔ قلعہ مصیات الموت کے بعد باطنیوں کا سب سے بڑا قلعہ تھا۔ سلطان نے محاصرہ کر کے منجنیقیں نصب کر دیں۔ جب محاصرہ نے طول کھینچا اور محصورین کی حالت زیادہ ابتر ہونے لگی تو سنان نے سلطان صلاح الدین کے ماموں شہاب الدین حارمی والی حماۃ کے پاس پیغام بھیجا کہ از راہ کرم تم سلطان کے پاس ہماری شفاعت کرو اور بیچ بچاؤ کر کے محاصرہ اٹھوا دو۔ حارمی نے اس درخواست کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس بے التفاتی پر باطنی قاصد نے حارمی کو قتل کی دھمکی دی اور بولا ہمارا سردار سنان کہتا ہے کہ اگر سلطان صلاح الدین ہماری ایذا رسانی سے باز نہ آیا تو جس طرح بن پڑا ہم اس کے ماموں کی جان لے لیں گے۔ حارمی ان فقروں میں آ گیا اور سلطان صلاح الدین کو پیغام بھیجا کہ خدا کے لئے تم ان کا پیچھا چھوڑ دو ورنہ میری جان کی خیر نہیں۔ ماموں کی منت سماجت پر سلطان کا دل نرم ہو گیا اور محاصرہ اٹھا کر مصر چلا گیا۔

باب ۳۹ ...... محمد بن عبداللہ بن تومرت حسنی

فصل :۱ ...... مسئلہ ظہور مہدی علیہ السلام

محمد بن تومرت مہدی موعود ہونے کا مدعی تھا۔ چونکہ بعض لوگ ظہور مہدی علیہ السلام سے انکار کرتے ہیں۔ اس لئے یہاں اس مسئلہ کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ امام محمد بن عبداللہ معروف بہ مہدی علیہ السلام کا ظہور اوائل اسلام سے آج تک ایک مسلم الثبوت مسئلہ چلا آتا ہے اور علمائے اعلام ائمہ مجتہدین اور محدثین مہتدین میں سے کسی نے ان کے عقیدۂ قدوم کی صحت سے انکار نہیں کیا۔ محمد بن حسن اسنوی کتاب مناقب شافعیؒ میں لکھتے ہیں کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور اور آپ کے حضرت فاطمہ زہراؓ کی اولاد ہونے کے متعلق حضرت خیر البشر ﷺ سے جو حدیثیں مروی ہیں وہ درجہ تواتر تک پہنچتی ہیں اور رسالہ توضیح میں لکھا ہے کہ قاضی محمد بن علی شوکانی سے بعض علماء نے دریافت کیا کہ وہ حدیثیں جو ظہور مہدی علیہ السلام کے متعلق وارد ہیں متواتر ہیں یا نہیں؟ قاضی شوکانی نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضرت مہدی کی حدیثیں بلا شک وشبہ متواتر ہیں۔ کیونکہ جہاں تک تتبع وتلاش کو دخل ہے ان کی تعداد پچاس تک پہنچتی ہے۔ بلکہ اصطلاحات مجردۃ فی الاصول کے بموجب اس سے کم تعداد کے لئے بھی تواتر کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان پچاس حدیثوں میں صحیح حسن، ضعیف ہر قسم کی روایتیں پائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ آثار صحابہؓ بھی جن میں ظہور مہدی آخر الزمان کی تصریح ہے۔ کثیر التعداد ہیں۔ یہ لکھ کر قاضی شوکانی نے ایک ایک اثر کو گنوایا ہے اور ان کی تعداد اٹھائیس تک پہنچا کر لکھا ہے کہ یہ آثار بھی احادیث مرفوعہ کے حکم

میں ہیں۔ کیونکہ واقعات مستقبل کے متعلق اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں۔ (حجج الکرامہ ص ۲۹۸،۲۹۹)

غرض حضرت مہدی علیہ السلام کے حق میں جو احادیث وارد ہیں۔ وہ باوجود اختلاف روایات جمہور کے نزدیک مسلم ہیں۔ کافہ اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اخیر زمانہ میں یقیناً اہل بیت نبوت میں سے ایک جلیل القدر ہستی ظاہر ہوگی۔ جس کا نام نامی محمد بن عبداللہ ہوگا۔ وہ ملت اسلام کی تائید کریں گے۔ تخت عدل وانصاف پر بیٹھیں گے۔ ممالک اسلامیہ پر انہیں غلبہ حاصل ہوگا اور روئے زمین کے مسلمان ان کی متابعت کریں گے۔ البتہ ابن خلدون مورخ نے احادیث مہدی میں کلام کیا ہے اور بہت سے علماء نے ان کا جواب دیا ہے اور گو ابن خلدون نے اپنے مقدمۂ تاریخ میں ظہور امام سے صراحۃً انکار نہیں کیا۔ تاہم ان کے طرز انتقاد سے ان کا مسلک نمایاں صورت میں واضح ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ابن خلدون کا انکار اس مسئلہ کے صحیح یا غلط ہونے پر اثر انداز ہے یا نہیں؟ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر فن اپنی بحث ونظر کے لئے ایک خاص جماعت رکھتا ہے اور ہر عالم ومصنف کی علمی حیثیت کا ایک خاص دائرہ ہوتا ہے اور اس سے باہر اس کی وہ حیثیت باقی نہیں رہتی۔ امام مالکؒ محدث وفقیہ تھے۔ لیکن مؤرخ نہ تھے۔ پس کسی تاریخی مسئلہ میں انکا قول بمقابلہ مؤرخ ارجح نہ ہوگا۔ امام غزالیؒ فلسفہ وکلام کے ماہر، شریعت طاہرہ کے رازدان، تصوف وسلوک کے بہترین معبر تھے۔ لیکن محدث نہ تھے۔ اس لئے محدثین اور ارباب نقد کے مقابلہ میں ان کا کوئی پایہ نہیں۔ پس فن تاریخ کی بحث ہو تو، ہمیشہ مؤرخین کی سند لائیے۔ ادب کے مسائل میں ائمہ ادب کی طرف رجوع کیجئے۔ اگر کوئی مسئلہ علم حدیث سے متعلق ہو تو اس کی تحقیق وتنقید کے لئے ائمہ، حدیث کا منت کش ہونا پڑے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ مسئلہ تو حدیث کا ہو اور اس کے لئے فراد یا سیبویہ کے اقوال تلاش کئے جائیں یا بحث تو منطق وفلسفہ کی ہو اور آپ اس کے لئے امام بخاری ومسلم کی سند تلاش کرتے پھریں۔ بعض لوگ اس نکتہ کو نظر انداز کر جاتے ہیں اور پھر سخت مہلک غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ابن خلدون انشاء وادب اور خصوصاً تاریخ نویسی میں نہایت بلند پایہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر آپ بزم تاریخ میں داخل ہوں گے تو وہ آپ کو ہزارہا شرکائے مجلس میں صدر نشین نظر آئیں گے۔ لیکن باوجود اس کمال فن کے انہیں علم حدیث ورجال میں کچھ بھی درجہ امتیاز حاصل نہیں۔ چنانچہ امام سخاویؒ الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع میں ترجمہ ابن خلدون میں لکھتے ہیں: ’’لم یکن ماھراً بالعلوم الشرعیۃ‘‘ ابن خلدون علوم شریعت میں مہارت نہ رکھتے تھے۔

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں ظہور امام کے متعلق لکھا ہے: "اعلم ان المشھور بین الکافة من اھل الاسلام علیٰ ممر الاعصار انه لا بد فی اٰخر الزمان من ظھور رجل من اھل البیت یؤید الدین ویظھر العدل ویتبعه المسلمون ویستولی علی الممالك الاسلامیة ویسمی بالمھدی ویکون خروج الدجال وما بعده من اشر الساعة الثابتة فی الصحیح علیٰ اثرہ وان عیسیٰ ینزل من بعده فیقتل الدجال اوینزل معه فیساعده علیٰ قتله ویأتم المھدی فی صلوته ویحتجون فی الباب باحادیث اخرجھا الائمة وتکلم فیھا المنکرون لذالك "مؤرخ کی اس تحریر سے جب یہ بات آشکارا ہوگئی کہ ظہور مہدی علیہ السلام کا مسئلہ آغاز اسلام سے متوارث چلا آتا ہے تو اب یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ہر قول وفعل جو کافۂ اہل اسلام اور اجماع سلف کے خلاف ہو وہ نا قابل التفات ہے۔ ابن خلدون نے ظہور مہدی علیہ السلام کے متعلق چند احادیث نقل کر کے ان میں سے اکثر حدیثوں کے راویوں پر بعض شبہات پیدا کر دیئے ہیں۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ ایسے شبہات تو بخاری ومسلم کے بعض رواۃ پر بھی پیدا ہوئے ہیں تو خود ہی اس کا یہ جواب دیا ہے کہ شیخین کے رجال پر ایسے جروح شبہات مضر نہیں۔ کیونکہ ان کی حدیثوں کو قبول عام حاصل ہے۔ اس بیان سے مؤرخ کا ایک مسلمہ اور کلیہ قاعدہ یہ نکل آیا کہ اجماعیات میں راویوں کا مجروح ہونا مضر نہیں۔ جس طرح بخاری ومسلم کی حدیثیں اجماعی ہیں۔ اسی طرح ظہور مہدی علیہ السلام کا عقیدہ بھی اجماعی ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ پس احادیث مہدی علیہ السلام پر جروح وشکوک ہرگز مضر نہیں اور جروح بھی ایسے جو محض ظنی واختلافی ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ کوئی حدیث بھی جرح سے نہ بچ سکے۔ لیکن حضرت صاحب الزمان علیہ السلام کے بارہ میں جو احادیث وارد ہیں۔ ان میں کئی ایک ایسی بھی ہیں جن پر ابن خلدون باوجود کوشش وجستجو کے کوئی اعتراض نہیں کر سکے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ: "وھی کمارایت لم یخلص منھا من النقد الا القلیل "حضرت مہدی علیہ السلام کی احادیث میں سے ایسی حدیثیں قلیل ہیں جو تنقید سے بچ سکی ہوں۔

گو اس ادعائے قلت سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم ابن خلدون کے ان الفاظ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی اور انہوں نے خود اس کا اعتراف کر لیا کہ بعض حدیثیں اس پایہ کی بھی ہیں جو جرح کی کسی طرح متحمل نہیں۔ رہا رئیس قادیان مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ بیان کہ صحیحین

میں حضرت مہدی کے نام کی تصریح نہیں۔اس لئے حضرت مہدی کا ظہور ایک ظنی چیز ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ ظہور مہدی علیہ السلام کی خبر بخاری اور مسلم سے پیشتر صحابہ میں شائع ہو چکی تھی اور قدمائے امت حضرت رسول اکرم ﷺ کی اس پیشین گوئی پر بھی ایسا ہی ایمان واعتقاد رکھتے تھے۔ جیسا کہ دوسرے معتقدات ایمانیہ پر۔اس سے ثابت ہوا کہ اگر بالفرض بخاری و مسلم احادیث مہدی سے بالکل سکوت اختیار کرتے تو بھی کچھ مضائقہ نہ تھا۔حالانکہ ظہور مہدی علیہ السلام کی روایتیں بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں اور گو نام سے ساکت ہیں۔لیکن ان میں خلیفۂ آخر الزمان کے صفات مذکور ہیں کہ وہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ظاہر ہوں گے اور جناب مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں ان کا اقتداء کریں گے اور نام کا مذکور نہ ہوتا تو کوئی ایسی بات نہیں کہ جس کے لئے ظہور امام سے انکار کیا جائے اور شک وشبہ کی گنجائش ہو۔کیونکہ نام تو کسی ضعیف یا غیر مرفوع روایت سے بھی معلوم ہو جاتا تو کافی تھا۔لیکن باوجود اس کے خود احادیث صحیحہ میں جو ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کی ہیں۔آپ کا اسم گرامی محمد بن عبداللہ مصرح موجود ہے۔ غرض نام تو کہیں بھی مذکور نہ ہوتا تو بھی یہ عقیدہ اسی طرح مسلم الثبوت اور یقینی تھا۔جس طرح اب نام کی تصریح کے ساتھ ہے۔دیکھو جناب یوسف صدیق علیہ السلام کے جمال جہاں آراء کی قوت جہانگیری نے زلیخا کو کس طرح مغلوب ومقہور کیا تھا۔اس داستان عشق ومحبت کو وہ غیر معمولی شہرت ونمود حاصل ہے کہ قرآن حکیم جیسی روحانی وآسمانی کتاب بھی اس کے تذکرہ سے خالی نہیں۔برہان مقدس میں عاشقہ،خستہ جگر کو امرأۃ العزیز (عزیز کی بیوی) کہہ کے یاد کیا گیا ہے۔زلیخا یا راعیلا نام نہیں بتایا۔کیا قرآن کی اس عدم تصریح کی وجہ سے زلیخا کے وجود سے انکار کر دو گے؟

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا رسالہ ''مؤخرۃ الظنون عن مقدمۃ ابن خلدون'' ایک نہایت بیش بہا تصنیف ہے۔جس میں ابن خلدون کے ہر استدلال کا باحسن وجوہ بطلان ثابت کیا ہے۔مولانا ممدوح اس رسالہ میں لکھتے ہیں:''محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی امر متن یا سند میں مبہم ہو اور دوسری حدیث میں کوئی مفسر موجود ہو اور قرائن قویہ سے دونوں حدیثوں کا متحد اور مترادف ہونا ثابت ہوتا ہو تو مبہم کو مفسر پر محمول کریں گے۔پس ایسی حالت میں کہ صحیحین کی احادیث میں امام کے صفات تو موجود ہیں۔نام مذکور نہیں۔تو غیر صحیحین کی حدیثوں سے جن میں حضرت مہدی علیہ السلام کے صفات کے ساتھ آپ کے نام کی بھی تصریح ہے نام کا بھی علم ویقین ہو جائے گا اور صحیحین اور غیر صحیحین کی حدیثیں ایک دوسری کا عین سمجھی جائیں گی۔علاوہ

بریں محدثین کرام کا ان مبہم حدیثوں کو باب المہدی میں ذکر کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بھی بخاری و مسلم کی احادیث غیر مصرحہ باسم المہدی حضرت مہدی علیہ السلام ہی سے متعلق ہیں۔ چنانچہ خود ابن خلدون نے کسی محدث کا قول بھی نقل کیا ہے۔ "وقد یقال ان حدیث الترمذی وقع تفسیرً المارواہ مسلم فی صحیحہ"

مہدی علیہ السلام کے علامات مختصہ

مہدی علیہ السلام کے بھی علامات مختصہ ہیں۔ جن کے ذریعہ سے وہ جھوٹے مہدیوں سے ممیز ہوتے ہیں۔ احادیث صحیحہ کے رو سے سچے مہدی علیہ السلام کی جو علامتیں اور خصوصیتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔

۱...... ان کا اسم گرامی محمد اور ان کے والد محترم کا نام نامی عبداللہ ہوگا۔

۲...... خاندان نبوت کے چشم و چراغ ہوں گے۔ یعنی حضرت فاطمہ زہراؓ کی اولاد میں سے ہوں گے۔

۳...... عرب کے حکمران ہوں گے۔

۴...... ان کا ظہور مکہ معظمہ میں ہوگا۔ مسجد الحرام میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی جائے گی۔

۵...... بسیط ارض کو عدل و انصاف سے معمور کر دیں گے۔

۶...... سات سال تک مسند آرائے خلافت رہیں گے۔

۷...... ان کے عہد مبارک میں اسلام کا بول بالا ہوگا اور سطوت اسلام منتہائے عروج کو پہنچ جائے گی۔

۸...... داد و دہش میں بے مثل اور ضرب المثل ہوں گے۔ گنتی کئے بغیر مال و زر تقسیم کریں گے۔

۹...... ان کے آخری ایام دولت میں مال و زر کی اتنی فراوانی ہوگی کہ کوئی شخص زکوٰۃ کا قبول کرنے والا بھی نہ مل سکے گا۔

۱۰...... شہر قسطنطنیہ کو جو اس سے پیشتر نصاریٰ کے عمل و دخل میں چلا گیا ہوگا۔ نصاریٰ سے واپس لیں گے۔

۱۱...... یورپ کی مسیحی طاقتوں کے خلاف ان کی بہت سی لڑائیاں ہوں گی۔ جن میں وہ مظفر و منصور رہیں گے۔

۱۲...... حضرت مسیح بن مریم (علیہما السلام) بعد از نزول ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

فصل :۲...... دعوائے مہدویت اور استعماری سرگرمیاں

محمد بن عبداللہ بن تومرت ۴۸۵ھ میں سوس میں پیدا ہوا۔ جو بلاد مغرب کا ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ حضرت امام حسن مجتبیٰؓ کی اولاد واحفاد میں سے تھا۔ عالم وفاضل فصیح وبلیغ اور علوم عربیہ کا ماہر تھا۔ عبادت الٰہی میں راغب اور تقشف وانقطاع میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ زہد وتبتل کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ کی چھڑی اور چھوٹے سے مشکیزے کے سوا کوئی چیز اس کی ملک میں نہ تھی۔ باوجود ورع وتقویٰ کے ۵۱۴ھ میں اس نے مہدویت کا دعویٰ کر دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرہیزگاری اور عبادت گذاری کا مقصد ہی یہی تھا کہ حب اوج وعروج کو زہد واتقاء کے دامن میں چھپا کر سرسبز کرے۔ حضرت مہدی علیہ السلام کے علامات مختصہ میں سے جو بارہ مشہور علامتیں فصل سابق میں مذکور ہوئیں۔ مرزاغلام احمد قادیانی کی ذات میں ان میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ بساط جرأت پر قدم رکھ کر مہدی آخرالزمان بن بیٹھے اور نہایت دیدہ دلیری سے لکھ مارا کہ: ”وہ آخری مہدی جو تنزل اسلام کے وقت تقدیر الٰہی میں مقرر کیا گیا تھا۔ جس کی بشارت آج سے تیرہ سو برس پہلے رسول کریم ﷺ نے دی تھی وہ میں ہی ہوں۔“

(تذکرۃ الشہادتین ص۲، خزائن ج۲۰ ص۴۰۳)

تو پھر ظاہر ہے کہ محمد بن عبداللہ بن تومرت جس کا نہ صرف اپنا اور باپ کا نام ہی حضرت مہدی علیہ السلام اور ان کے والد محترم کے ناموں سے ملتا تھا۔ بلکہ حضرت مہدی علیہ السلام کی طرح اسے بنو فاطمہ میں پیدا ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ وہ بھلا دعویٰ مہدویت سے کیونکر باز رہ سکتا تھا؟ مرزاغلام احمد قادیانی نے محض تنگ دستی اور مفلوک الحالی سے مجبور ہوکر تقدس واتقاء کی دکان کھولی تھی اور اس دکان آرائی سے بجز شکم پری اور زراندوزی کے ابتداء کوئی بلند مقصد ان کے پیش نظر نہ تھا اور وہ بیچارے مدت العمر (۱) خودستائی۔ (۲) انگریز کی خوشامد۔ (۳) حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زمرہ اموات میں شامل کرنے کی ناکام کوشش۔ (۴) علمائے امت کے خلاف سب وشتم۔ (۵) خواہشات نفسانی کی تکمیل کے سوا کوئی تعمیری کام نہ کر سکے۔ لیکن بعض جھوٹے مدعی اپنے دعوؤں کی بدولت بڑے عروج کو پہنچے ہیں۔ چنانچہ عنقریب آپ کو معلوم ہوگا کہ محمد بن تومرت نے دعوائے مہدویت ہی کے صدقہ سے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی جو اسلامی تاریخوں میں سلطنت موحدین کے نام

سے مشہور ہے۔ بعض لوگوں نے ابن تومرت کو امام ابو حامد محمد غزالیؒ کا شاگرد بتایا ہے اور لکھا ہے کہ جب امام غزالی مدرسہ نظامیہ بغداد میں مسند درس وافادہ پر سعادت افروز تھے تو ابن تومرت ان کے حلقہ درس میں پہنچا اور تین برس تک آپ کی صحبت میں رہا۔ لیکن علامہ ابن اثیر نے اس بیان کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ امام غزالیؒ سے اس کی ملاقات ہی ثابت نہیں۔

(الکامل فی التاریخ ج ۹ ص ۱۹۵)

ابن خلکان کا بیان ہے کہ طالب العلمی کے ایام میں ابن تومرت کو علم جفر کی ایک کتاب مل گئی۔ جس کا اس نے نظر تعمق سے مطالعہ کیا۔ جب اس کتاب کے قواعد واحکام پر پوری طرح حاوی ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ سوس میں ایک شخص پیدا ہوگا جو خاندان بنو فاطمہ کا چشم و چراغ ہوگا۔ وہ داعی الی اللہ ہوگا اور اس کا مستقر ایک ایسا مقام قرار پائے گا جس کے نام میں حروف "ت ی ن م ل (تینمل)" ہوں گے۔ اسے ایک شخص کی رفاقت حاصل ہوگی۔ جس کے نام میں حروف "ع ب د م و م ن (عبدالمومن)" ہوں گے۔ اس اطلاع کے بعد وہ اس شہر میں اس نام کے آدمی کی تلاش میں ہمہ تن انتظار بنا رہا۔ ابن تومرت مضافات سوس میں پیدا ہوا تھا اور اس کی آرزو تھی کہ کسی طرح وہی وہ شخص ہو جو سوس میں پیدا ہونے والا اور فاطمی النسل ہوگا۔

قاہرہ سے اخراج، جہاز رانوں نے سمندر میں لٹکا دیا

محمد ابن تومرت نے اپنے مقاصد کی تکمیل کا راز امر معروف ونہی منکر (نیکی کی ترغیب دینا اور برائی سے روکنا) میں مضمر دیکھا اور یہ عمل کچھ تصنع وریاء پر موقوف نہیں تھا۔ بلکہ یہ چیز ابتداء ہی سے فطرۃً اس کے مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ابن تومرت معاصی ومنکرات کو دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ ذرا سی غیر مشروع بات پر ارباب ذی الاقتدار اور وابستگان حکومت سے لڑ بیٹھتا۔ بڑے بڑے صاحبان جبہ و دستار سے الجھ جاتا۔ اپنے جذبات کے اظہار میں اس قدر جری تھا کہ نہ کسی والی ملک کا خوف اس کو مرعوب کرتا تھا اور نہ کسی بڑے سے بڑے فاضل کا پاس ولحاظ مانع تھا۔ حکومت مصر نے اسے اسی قسم کی آزادانہ خودسریوں کی بدولت خارج البلد کیا۔ جہاں جاتا ملامتیں سنتا۔ گالیاں کھاتا۔ مگر اپنے کام سے باز نہ آتا۔ عربی میں نہایت فصیح وبلیغ تقریر کرتا تھا۔ جہاں کہیں اس کی مخالفت کا شور ہوتا تھا۔ وہاں ہزارہا حامیان شریعت اس کے طرفدار بھی ہو جاتے تھے۔ متاع دنیوی سے اس درجہ فارغ تھا کہ سفر میں ایک چھڑی اور ایک چھوٹے سے مشکیزے کے سوا کوئی چیز ساتھ نہ ہوتی تھی۔ قاہرہ سے نکالا گیا تو اسکندریہ کی راہ لی۔ وہاں بھی امر

معروف ونہی منکر کے سلسلہ میں کئی واقعات پیش آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ متولی اسکندریہ نے اسے ان بلاد سے خارج کر دیا۔ وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر مغرب کا رخ کیا۔ جہاز میں بھی احکام شرع کے نافذ کرنے میں لوگوں سے اکثر مار پیٹ کی نوبت آئی۔ جہاز میں بہت کم لوگ ایسے تھے جو فریضہ صلوٰۃ کے پابند ہوں۔ ابن تومرت نے ان سے ترک صلوٰۃ پر لڑنا شروع کیا۔ آخر جہاز رانوں نے تنگ آ کر اسے سمندر میں لٹکا دیا اور وہ نصف یوم تک پانی میں لٹک کر سمندر کی نیلگوں موجوں سے دو چار رہا۔ مگر قدرت الٰہی سے اسے کوئی گزند نہ پہنچا۔ اہل جہاز نے یہ دیکھا کہ ایک خلاصی کو پانی میں اتارا۔ وہ ابن تومرت کو پھر جہاز میں کھینچ لایا۔ لوگوں نے اس امر کو کرامت پر محمول کیا اور اہل جہاز کے دلوں پر اس کی عظمت و بزرگی کا سکہ جم گیا اور ایسا رعب بیٹھا کہ کسی کو علانیہ مخالفت کی جرأت نہ رہی اور جو کچھ خفیف سی ناراضیاں باقی رہیں وہ بھی آناً فاناً دب گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس روز یہ مہدیہ کے ساحل پر اترا ہے تو جہاز میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو نماز کا پابند نہ ہو یا کسی دن تلاوت قرآن میں ناغہ کرتا ہو۔

مہدیہ میں ورود اور شہر میں ہلچل

ان ایام میں امیر یحیٰی ابن تمیم مہدیہ کا حاکم تھا۔ ابن تومرت نے ایک مسجد میں قیام کیا جو شہر کی ایک سڑک کے کنارے واقع تھی۔ اب اس نے یہ وتیرہ اختیار کیا کہ مسجد کے ایک جھروکے میں جو سڑک کی طرف تھا بیٹھ جاتا۔ گذرنے والوں کی طرف دیکھتا رہتا اور جہاں کسی کو کسی نامشروع فعل کا مرتکب دیکھتا فوراً اتر کر اس سے دست و گریباں ہو جاتا۔ دو تین دن کے بعد کوچہ و بازار میں آمد و رفت شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز کے اندر بہتوں کی ڈھولکیں پھاڑ ڈالیں۔ بہتوں کے قرنا توڑے اور بے شمار تنبورے چھین چھین کر زمین پر دے مارے۔ سیکڑوں شراب کے خم اور دوسرے ظروف چکنا چور کیے۔ غرض سارے شہر میں ایک آفت مچا دی۔ ان اولوالعزمیوں سے اس کی شہرت ہو گئی۔ لوگ معتقد ہونے لگے۔ عامۃ المسلمین ازراہ قدر شناسی آنکھوں پر بٹھانے لگے۔ چند ہی روز میں دھوم مچ گئی کہ ایک بڑے عالم تبحر وارد مہدیہ ہوئے ہیں۔ طلبہ نے چاروں طرف سے ہجوم کیا۔ سلسلہ درس و تدریس شروع ہو گیا۔ شدہ شدہ اس کی شہرت حاکم کے کان تک پہنچی۔ اس نے دربار میں بلوایا۔ بڑی قدر و منزلت کی اور بہت کچھ حسن عقیدت کا اظہار کر کے رخصت کیا۔ ابن تومرت کو ایک جگہ قرار نہ تھا۔ کیونکہ وہ تو دراصل علم جفر کے بتائے ہوئے رفیق اور شہر کا متلاشی تھا۔ غرض کچھ عرصہ کے بعد مہدیہ کو الوداع

کہہ کر بجایہ میں پہنچا۔ وہاں بھی تعلیم و تدریس اور وعظ و تلقین کا سلسلہ شروع کر دیا اور امر معروف و نہی منکر پر بڑی سختی سے کاربند ہوا۔ دن بدن جمعیت بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ حاکم بجایہ کو اس کی جمعیت نے بہت کچھ خوف زدہ کر دیا۔ ان دنوں ارباب حکومت ان لوگوں سے عموماً خوف زدہ رہتے تھے۔ جو مرجع انام ہو جاتے تھے۔ حاکم بجایہ نے اسے وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ وہاں سے نکل کر مغرب کی راہ لی اور ملالہ نام ایک گاؤں میں اترا۔ یہیں عبدالمؤمن سے اس کی ملاقات ہوئی۔ جو طلب علم کے لئے مشرق کی طرف جا رہا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ عبدالمؤمن سے اس مقام پر ملا تھا جسے فنزارہ کہتے ہیں۔

عبدالمؤمن کی شخصیت

عبدالمؤمن کی پیدائش موضع تاجرہ میں ہوئی۔ جو تلمستان کے مضافات میں ساحل بحر پر واقع ہے۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ عبدالمؤمن کا باپ علی کمہار تھا جو مٹی کے برتن بنا کر بسر اوقات کرتا تھا۔ ایک مرتبہ عبدالمؤمن ایام طفلی میں سو رہا تھا اور اس کا باپ برتن بنانے میں مصروف تھا۔ اس اثناء میں علی نے اوپر کی طرف بھنبھناہٹ سی سنی۔ سر اٹھا کر کیا دیکھا ہے کہ سیاہ بادل کے چھوٹے سے ٹکڑے کی شکل میں شہد کی مکھیوں کا جھنڈ ٹھیک اس کے مکان کی طرف آ رہا ہے۔ مکھیوں نے نیچے آ کر عبدالمؤمن کو اس طرح ڈھانپ لیا کہ وہ بالکل نظر نہیں آتا تھا۔ عبدالمؤمن کی ماں یہ دیکھ کر چیخنے چلانے لگی۔ علی نے اس کو خاموش کیا اور کہا کچھ خطرے کی بات نہیں۔ بلکہ میں تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہوں کہ یہ کیا کرشمۂ قدرت ہے؟ پھر اس نے مٹی اتار کر ہاتھ دھوئے اور کپڑے پہن کر یہ دیکھنے کے لئے کھڑا ہو گیا کہ مکھیوں کی آمد کا کیا انجام ہوتا ہے؟ تھوڑی دیر میں مکھیاں اڑ گئیں اور علی نے لڑکے کو بیدار کیا۔ وہ بالکل صحیح سالم تھا۔ اس کے بعد علی اپنے ایک ہمسایہ کے پاس جو بڑا عالم تھا گیا اور لڑکے پر مکھیوں کی آمد کا ذکر کیا۔ اس عالم نے بتایا کہ کسی دن تمہارا لڑکا بڑا عروج حاصل کرے گا اور جس طرح شہد کی مکھیوں نے اس کے گرد ہجوم کیا ہے۔ اسی طرح اہل مغرب اس کی اطاعت پذیری پر مجتمع ہوں گے۔ (ابن خلکان ج ا ص ۳۶۰)

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب عبدالمؤمن بڑا ہوا تو فنزارہ میں سے تین لڑکوں کے پڑھانے کی خدمت تفویض ہوئی۔ ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ وہ امیر المسلمین علی بن یوسف کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھا رہا ہے۔ عبدالمؤمن کا بیان ہے کہ میں علی سے زیادہ دیر تک کھاتا رہا اور میں نے محسوس کیا کہ میرا نفس بسیار خوری کی طمع کرتا ہے۔ چنانچہ وہ پیالہ میں سے اس کا

کے سامنے سے اچک لیا اور تنہا کھانا شروع کیا۔ جب بیدار ہوا تو وہاں کے ایک مشہور عالم عبدالمنعم بن عشیر سے وہ خواب بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ اہل خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم کسی دن امیر المسلمین پر دھاوا کر کے اس کے کچھ حصہ ملک میں اس کے شریک ہو جاؤ گے اور بعد میں تمام ملک کو مسخر کر کے بلاشرکت غیرے اس کے فرمانروا ہو گے۔ جب ابن تومرت ملالہ پہنچا تو وہاں ایک خوش جمال نوجوان کو سڑک پر جاتے دیکھا۔ جس کے چہرے پر ذہانت وذکاوت کے علاوہ دولت واقبال کا ستارہ بھی چمکتا نظر آیا۔ اس نوجوان کی شکل وصورت میں کچھ ایسی دلفریبی تھی کہ محمد بن تومرت اپنے جذبات کو کسی طرح مخفی نہ رکھ سکا۔ بے اختیار اس کے قریب گیا اور کہا میاں صاحبزادے! تمہارا نام کیا ہے؟ خوش جمال نوجوان نے جواب دیا۔ ''عبدالمؤمن'' اس نام کے سنتے ہی وہ بے اختیار چونک پڑا اور دل میں کہنے لگا۔ اسی ورشاہوار کی تلاش میں مدتوں سے سرگردان ہوں۔ ابن تومرت کو عبدالمؤمن کی دید سے اتنی خوشی ہوئی کہ گویا دونوں جہان کی دولت مل گئی اور اب اسے متوقع دولت وسلطنت کے حصول کا کامل وثوق ہو گیا۔ اب اس نے عبدالمؤمن سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ جواب ملا غریب خانہ کومیہ میں ہے۔ پھر دریافت کیا کہ کہاں کا قصد ہے؟ اس نے بتایا کہ علم کے شوق میں بغداد وغیرہ مشرقی ممالک کو جا رہا ہوں۔ ابن تومرت نے کہا صاحبزادے! علم وفضل، دولت وثروت سب چیزیں تمہارے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہیں۔ خدا نے تمہیں دین ودنیا کی دولت بخشی ہے۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔ عبدالمؤمن اس سے پیشتر خواب بھی دیکھ چکا تھا۔ جس سے اسے یقین تھا کہ میں کسی دن حکومت وثروت سے ہم کنار ہوں گا۔ ابن تومرت کی باتوں کو نہایت توجہ اور دلچسپی سے سننے لگا۔ ابن تومرت نے کہا تم میرے ساتھ چلو۔ میں وہ باطنی رموز تم پر ظاہر کروں گا کہ تم کو میرے کہنے کا یقین آ جائے گا۔ اس کے بعد ابن تومرت نے عبدالمؤمن کو یقین دلایا کہ وہ عنقریب بہت بڑا بادشاہ ہونے والا ہے۔ الغرض عبدالمؤمن نے اپنی تقدیر اس سے وابستہ کر کے اس کی رفاقت اختیار کی۔

بادشاہ کو ابن تومرت کے قتل کر دینے کا مشورہ

کچھ دنوں تک ملالہ میں تعلیم وتدریس اور دعوۃ الی الخیر کا سلسلہ جاری رہا۔ ان دنوں کئی آدمی اس کے مرید ہوئے۔ اب اس نے مراکش کا قصد کیا۔ یہی وہ سلطنت تھی جس کو شکار بنانے کا عزم تھا۔ کیونکہ ان دنوں سرزمین مغرب میں اس سے بڑھ کر کوئی پرشکوہ سلطنت نہ تھی۔ حتیٰ کہ اس عہد کے فرمانروایان اسپین بھی مراکش کی عظمت کے سامنے سر جھکاتے تھے۔ محمد بن تومرت اپنے

رفقاء سمیت تلمسان پہنچا جو اس زمانہ میں مراکش کا دارالسلطنت تھا۔ یہاں اپنی عادت کے موافق شہر سے باہر ایک مسجد میں قیام کیا۔ جس کو مسجد عباد کہتے تھے اور اپنی عادت کے بموجب علماء وفضلاء اور حکومت کے عہدہ داروں پر شرعی نکتہ چینیاں شروع کر دیں اور اس کے ساتھ ہی وعظ میں بادشاہ ابوالحسن علی بن یوسف بن تاشفین پر بھی جو نہایت نیک نفس تاجدار تھا۔ لعن وطعن کا دروازہ کھول دیا۔ یہ بادشاہ نہایت صالح، خدا ترس، قائم اللیل اور صائم النہار تھا۔ یہاں تک کہ بادشاہ کی کثرت عبادت اسے مہمات سلطنت کے سرانجام دینے کی ہی مہلت نہ دیتی تھی۔ اسی بناء پر کچھ دنوں سے نظام حکومت میں قدر اختلال پیدا ہو گیا تھا۔ جب محمد بن تومرت کی سرگرمیاں اور اس کے اقوال ومزعومات مالک ابن وہیب اندلسی وزیراعظم کے گوش زد ہوئے تو اپنے جودت طبع سے ابن تومرت کے دلی ارادوں کا حال معلوم کر لیا اور امیر المسلمین کو اس کے قتل کا مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ شخص خمیر مایۂ فساد معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مکروفریب سے بے خوف نہ رہنا چاہئے۔ مگر خدا ترس بادشاہ نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ پھر وزیر باتدبیر نے بادشاہ سے کہا کہ اچھا اگر آپ اس شخص کے قتل پر رضامند نہیں ہیں تو اس شخص کو مدت العمر نظر بند رکھا جائے۔ ورنہ یقین ہے کہ یہ شخص بہت جلد سلطنت میں انقلاب کر دے گا۔ بادشاہ نے کہا ہم کسی شخص کو اس وقت تک نعمت آزادی سے کیونکر محروم کر سکتے ہیں۔ جب تک اس کا جرم ثابت نہ ہو؟ اس کے بعد جمعہ کا دن آیا تو محمد بن تومرت مع اپنے مریدوں کے مسجد جامع میں پہنچا۔ اس کے مرید تو ادھر ادھر بیٹھ گئے۔ مگر خود خاص اس جگہ پر جا کے کھڑا ہوا جو بادشاہ کے لئے مخصوص تھی۔ وہ عہدہ دار جس کے ہاتھ میں مسجد کا انتظام تھا۔ ابن تومرت کے پاس جا کر کہنے لگا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ یہ جگہ صرف شاہ اسلام کے لئے مخصوص ہے؟ اس پر ابن تومرت نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور کہا "ان المساجد للہ" (مسجدیں صرف اللہ کی ہیں) حاضرین اس جسارت پر انگشت بدنداں رہ گئے۔ اب ابن تومرت نے لوگوں کی طرف رخ کر کے ایک پرجوش تقریر شروع کر دی۔ جس میں نامشروع باتوں کی خوب تردید کی۔ یہ تقریر ہو ہی رہی تھی کہ بادشاہ آ گیا اور لوگ حسب معمول آداب شاہی بجا لانے لگے۔ یہ دیکھ کر محمد بن تومرت بادشاہ کی جگہ پر جہاں کھڑا تھا بیٹھ گیا۔ بادشاہ نہایت عادل اور نیک نفس تھا۔ اس نے اس بات کی کوئی پروا نہ کی اور دوسرے جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ لی۔ نماز کے اختتام پر جیسے ہی امام نے سلام پھیرا ابن تومرت کھڑا ہو گیا اور بادشاہ کو خطاب کر کے کہنے لگا۔ "اے بادشاہ! رعایا پر جو مظالم ہو رہے ہیں۔ ان کی خبر لے۔ مانا کہ ان کی آواز

تیرے کان تک نہیں پہنچی۔ مگر فردائے قیامت کو اس احکم الحاکمین کے سامنے تجھے رعایا کے متعلق ہر قسم کی جواب دہی کرنی پڑے گی اور تو یہ کہہ کر ہرگز نہ چھوٹ سکے گا کہ مجھے خبر نہ تھی۔ تو غریبوں اور بیکسوں کی جان و مال کا ہر طرح سے ذمہ دار ہے۔" بادشاہ نے اس کی تقریر سے خیال کیا کہ شاید کوئی عالم ہے اور کچھ حاجت رکھتا ہے۔ اس بناء پر جاتے وقت حکم دیا کہ اس عالم سے دریافت کرو۔ اگر کوئی غرض ہو تو پوری کی جائے۔ مقروض ہے تو قرض ادا کیا جائے۔ نادار ہے تو بیت المال سے امداد کی جائے۔ بادشاہ کو اس وقت تک معلوم نہیں تھا کہ یہ وہی شخص ہے جس کے قتل کرنے کا وزیر نے مشورہ دیا تھا۔ جب محمد بن تومرت کو بادشاہ کے اس حکم کی اطلاع ملی تو کہنے لگا کہ بادشاہ تک میرا پیغام پہنچا دو کہ میری غرض دنیائے دنی نہیں۔ میرا نصب العین تو مسلمانوں کی بھلائی اور اسلام کی خدمت ہے۔

شاہزادی اور اس کی لونڈیوں کو زدو کوب

ان ایام میں مراکش میں شاہزادیاں بہت کم پردے کی پابند تھیں۔ اس کی شاید یہ وجہ تھی کہ اسپین کے نصاریٰ کا مسلمانان مراکش کے ساتھ بکثرت اختلاط رہتا تھا۔ لیکن کتاب الدعاۃ میں اس چہرہ کشائی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس زمانہ میں وہاں یہ دستور تھا کہ مرد چہروں پر نقاب ڈالے رہتے تھے اور عورتیں بے پردہ پھرتی تھیں۔ گو یہ بات قرین قیاس نہیں ہے۔ مگر ممکن ہے کہ صحیح ہو۔ بہر حال ایک دن بادشاہ علی بن یوسف کی بہن اپنی لونڈیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار بے نقاب شہر کی کسی سڑک پر گذری۔ محمد بن تومرت کی غیرت بھلا اس بے حجابی کو کیونکر گوارا کر سکتی تھی۔ اپنے مریدوں کے جھرمٹ میں سے نکل کر عورتوں کے غول پر باز کی طرح جھپٹا اور اکثر لونڈیوں کو مار پیٹ کر زخمی کر دیا۔ مارتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ مسلمان عورتیں اور یوں بے پردہ سیر کرتی پھریں ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ خود شہزادی کے گھوڑے پر اتنے ڈنڈے پڑے کہ وہ بہت زیادہ بھڑکا اور شہزادی اس کی پیٹھ پر سے گر کر زخمی ہو گئی۔ ابن تومرت تو ان کو مار پیٹ کے چل دیا اور لوگ مجروح شہزادی کو اٹھا کر محل سرائے شاہی میں لے گئے۔ یہ خبر بجلی کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی اور لوگ ابن تومرت کی جرأت و دلیری پر عش عش کرنے لگے۔ جب بادشاہ کو ابن تومرت کی ان ستیزہ کاریوں کا علم ہوا تو اسے دربار میں بلا بھیجا اور کہا صاحب! آپ نے یہ کیا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ ابن تومرت نے کہا کہ میں ایک مسکین شخص ہوں۔ آخرت کا طلب گار ہوں۔ امر معروف اور نہی منکر میرا مشغلہ ہے۔ اے بادشاہ! امر معروف اور نہی منکر یوں تو ہر مسلمان پر فرض ہے۔ لیکن آپ

اس کے سبب سے زیادہ مامور ہیں۔ کیونکہ کل قیامت کے دن آپ سے اس کے متعلق سخت باز پرس ہوگی اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی مملکت میں بدعات ومنکرات کا شیوع ہے۔ اس لئے آپ پر فرض ہے کہ احیاء سنت کریں اور بدعت کو مٹا دیں۔ چنانچہ خود خداوند عالم نے تارکین امر معروف ونہی منکر کے حق میں فرمایا ہے: "کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ماکانوا یفعلون (۵:۸۰)" ﴿اس برائی سے جس کے وہ مرتکب ہوتے تھے۔ ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ ان کا یہ فعل بہت برا تھا۔﴾

بادشاہ ان کلمات سے بڑا متاثر ہوا اور حکم دیا کہ تمام سربرآوردہ فقہاء اور اصحاب حدیث جمع کئے جائیں۔ جب علمائے دربار جمع ہوئے تو کہا کہ اس سے میرے سامنے مناظرہ کرو۔ تاکہ معلوم ہو کہ ان ہنگامہ خیزیوں سے اس کی کیا غرض ہے۔ محمد بن تومرت دوبارہ دربار شاہی میں بلایا گیا۔ قاضی محمد بن اسود نے ابن تومرت سے کہا کیا یہ صحیح ہے جو مشہور ہو رہا ہے کہ تم بادشاہ کو برا بھلا کہتے پھرتے ہو؟ اور بادشاہ بھی وہ جو عدل گستر رعایا پرور، نیک نفس، تقویٰ شعار خواہشات نفسانی کا دشمن اور احکام خداوندی کا پابند ہے؟ اس کے جواب میں ابن تومرت نے کہا۔ واقعی میں نے بادشاہ کے خلاف ایسے کلمات کہے۔ باقی رہا یہ کہ بادشاہ متقی پرہیزگار اور خداترس ہے۔ میں اس کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا۔ کیا وہ بادشاہ بھی متقی کہلا سکتا ہے۔ جس نے تمہاری باتوں کا اعتبار کرلیا اور جو کچھ تم لوگ کہہ دیتے ہو اسی کو وحی الٰہی سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ خوب جانتا ہے کہ وہ سلطنت کے ہر عیب اور خرابی کا جواب دہ ہے۔ کل قیامت کو بادشاہ یہ کہہ کر نہ چھوٹ جائے گا کہ مجھے اس کی اطلاع نہیں ہوئی۔ اس کے بعد ابن تومرت نے کہا قاضی صاحب! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اسلامی عملداری میں خنزیر مارے مارے پھرتے ہیں۔ شراب فروخت کی جارہی ہے۔ یتیموں کے مال پر دست تطاول دراز ہے۔ سیکڑوں بیوائیں رات کو بھوکی سوتی ہیں۔ بے شمار یتیم ہیں جن کے سر پر دست شفقت پھیرنے والا کوئی نہیں؟ یہ تقریر ایسی مؤثر اور دل دوز تھی کہ بادشاہ نے آبدیدہ ہو کر خجلت وندامت سے سر جھکا لیا اور دل میں کہا واقعی یہ سچ کہتا ہے۔

مراکش سے اخراج

اب ابن تومرت کو تو رخصت کر دیا گیا اور علماء ارا کین سلطنت میں مشورہ ہونے لگا کہ اس شخص کی شوریدہ سری کا کیا علاج کیا جائے۔ علامہ مالک بن وہیب وزیر اعظم نے بادشاہ سے کہا کہ اس شخص کی باتوں سے بوئے بغاوت آتی ہے۔ اس لئے اس کی طرف سے بے اعتنائی نہیں

برتنی چاہئے اور اگر اس کا قتل خلاف مصلحت ہے تو کم سے کم اسے حراست میں رکھا جائے اور اس کے مصارف کے لئے ایک دینار سرخ روزانہ مقرر کر دیا جائے۔ خطرہ ہے کہ کہیں اس کا ہاتھ شاہی خزانہ تک نہ پہنچ جائے۔ ایک اور وزیر نے یہ رائے دی کہ اس کو خارج البلد کر دینا کافی ہے۔ بادشاہ نے آخری رائے سے اتفاق کیا اور کہا میں اس سے زیادہ کوئی سزا نہیں دے سکتا۔ خصوصاً ایسے صاحب علم ناصح کو جس کی ہر بات از روئے انصاف حق وصدق پر مبنی ہے۔ غرض فرمان شاہی کے بموجب ابن تومرت اپنے پیرووں سمیت مراکش سے خارج کر دیا گیا۔ تلمسان سے نکل کر یہ چھوٹا سا قافلہ شہر اغمات میں پہنچا۔ یہ شہر بھی مراکش ہی کی علمداری میں واقع تھا۔ ابن تومرت یہاں چند روز اقامت گزیں رہا۔ اس جگہ عبدالحق بن ابراہیم نام ایک شخص سے جو شہر کا ایک بڑا رئیس تھا دوستی ہو گئی۔ اس نے مشورہ دیا کہ اگر تم سلطنت کے خلاف کچھ کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اغمات میں نہیں رہنا چاہئے۔ یہ شہر کسی طرح تمہاری حفاظت نہ کر سکے گا۔ ایسی کارروائیوں کے لئے موزوں ترین مقام ایک کوہستانی قصبہ ہے جو پہاڑوں کے دشوار گذار دروں میں واقع ہے اور یہاں سے ایک دن کی راہ ہے۔ ابن تومرت نے اس قصبہ کا نام پوچھا تو رئیس نے بتایا کہ اس کو تین مل کہتے ہیں۔ تینمل کا نام سنتے ہی ابن تومرت کی باچھیں کھل گئیں اور مارے خوشی کے اچھل پڑا۔ کیونکہ یہی اس شہر کا نام تھا جو علم جفر کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا تھا۔ اب اسے حصول مقصد کا یقین ہو گیا۔ فوراً کوچ کیا اور تینمل کی راہ لی۔

مہدویت کا دعویٰ

اہل تینمل نے محمد بن تومرت اور اس کے پیرووں کو علماء اور درویشوں کے لباس میں دیکھ کر ان کی بڑی تعظیم وتکریم کی اور خاطر مدارت سے پیش آئے۔ یہاں لوگوں کا بکثرت رجوع ہوا۔ قبیلہ المصامدہ کے تمام سردار چند ہی روز کے اندر اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ ابن تومرت نے مقامی زبان میں جس میں وہ فصیح ترین شخص مانا جاتا تھا۔ وعظ وتذکیر کا سلسلہ شروع کیا۔ یہاں تک کہ اس کی بزرگی ومشیخت کا سکہ بیٹھ گیا۔ اسی کے ساتھ تعلیم وتدریس کا سلسلہ بھی شروع کرایا۔ جب دیکھا کہ باشندگان تینمل اور اہل مضافات پر اس کا جادو چل چکا تو آغاز دعوت کا عزم کیا اور اپنے منادبیرونی قبائل کی استمالت قلوب کے لئے روانہ کئے۔ ابن تومرت کے مبلغ تمام کوہستان میں پھیل گئے۔ یہ لوگ وہاں کے باشندوں کے سامنے ہر وقت امام منتظر حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کی روایتیں بیان کر کے ان کی آتش شوق کو مشتعل کرتے اور کہتے کہ

حضرت مہدی علیہ السلام بہت جلد ظہور فرمائیں گے۔ جب یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو ابن تومرت نے جامع مسجد میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں وہی محمد بن عبداللہ المعروف مہدی ہوں جس کے ظاہر ہونے کی صدیوں پہلے جناب خاتم الانبیاء ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی اور میرے سوا کوئی نہیں جس کی ذات پر احادیث مہدی صادق آسکیں۔ یہ سنتے ہی عبدالمومن وغیرہ دس خاص مرید تائید کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے حضور! مہدی آخرالزمان کے تمام صفات آپ کی ذات میں مجتمع ہیں۔ آپ حضرت فاطمہ زہراء کی اولاد ہیں۔ نام بھی محمد ہے۔ اب آپ کے سوا کون ہے جو مہدی منتظر ہو سکے۔ یہ کہہ کر ابن تومرت سے مہدویت کی بیعت کرنے لگے۔ دوسرے لوگ بھی بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ ہر شخص بیعت کو ذریعۂ نجات وفلاح دارین یقین کر کے پروانہ وار گرتا تھا۔ اس دن سے ابن تومرت لوگوں سے اپنی مہدویت اور امامت کبریٰ کی بیعت لینے لگا۔ آغاز بیعت کے بعد ابن تومرت اور اس کے منادوں نے جوز بردست پروپیگنڈا کیا اس سے لوگوں کو یقین آ گیا کہ ابن تومرت ضرور مہدی موعود ہے۔ چنانچہ تمام قبائل نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور بہت کم لوگ ایسے رہ گئے جنہوں نے اس کو مہدی موعود تسلیم نہ کیا ہو۔ ابن تومرت نے کہا میں اس چیز پر بیعت لیتا ہوں جس پر حضور سید الخلق ﷺ نے اصحاب اخیار سے بیعت لی تھی۔ پھر ان کے لئے اپنی دعوت کے متعلق بہت سے رسالے تالیف کئے۔ وہ اکثر مسائل کلامیہ میں امام ابوالحسن اشعری کا پیرو تھا۔ مگر مسئلہ اثبات صفات باری تعالیٰ کی نفی اور چند دیگر مسائل میں معتزلہ کا ہمنوا تھا۔ ابن تومرت اپنے پیروؤں کو موحدین کے لقب سے یاد کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ دنیا میں تمہارے سوا کوئی موحد نہیں ہے۔ ان کی دس مختلف جماعتیں قائم کی تھیں۔ جن میں سے اولین جماعت مہاجرین کی تھی جنہوں نے اس کی دعوت کو بلاتوقف لبیک کہا تھا۔ ان کا نام الجماعت رکھا۔ ایک جماعت کو خمسین کہتے تھے۔ یہ تمام طبقے کسی ایک قبیلہ سے مرتب نہ کئے تھے۔ بلکہ مختلف قبائل پر مشتمل تھے۔ ابن تومرت اپنے پیروؤں کو مؤمنین کہا کرتا تھا اور اس کا بیان تھا کہ سطح ارض پر تمہارے برابر کوئی شخص کامل الایمان نہیں۔ تم ہی وہ جماعت ہو جس کی مخبر صادق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس حدیث میں خبر دی تھی کہ میری امت کا ایک نہ ایک گروہ حق کی حمایت میں قتال کر کے غالب آتا رہے گا اور اسے کوئی ضرر نہ پہنچ سکے گا۔ یہاں تک کہ امر خداوندی آ پہنچے۔ تم ہی وہ جماعت ہو جس کے ذریعہ سے حق تعالیٰ کانے دجال کو قتل کرائے گا۔ تم ہی میں وہ امیر ہے جو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی سی عبادت

کرتا ہے۔ غرض مصامدہ روز افزوں اعتقاد کے ساتھ ابن تومرت کے مطیع ہوتے گئے۔ ان کے دلوں میں اس کا ادب واحترام اس درجہ راسخ ہوا کہ اگر وہ ان میں سے کسی کو اس کے باپ یا بھائی یا فرزند عزیز کے قتل کرنے کا بھی حکم دیتا تو وہ بے دریغ اس کی تعمیل کرتا۔

ابن تومرت کا ایک دلچسپ معجزہ

جن ایام میں ملالہ کے مقام پر ابن تومرت عبدالمؤمن سے ملاقی ہوا۔ انہی دنوں عبداللہ ونشریسی نام ایک ذی علم آدمی بھی اس کا شریک حال ہوا تھا۔ کتاب الاستقصاء میں کا نام ابو محشر بشیر ونشریسی لکھا ہے۔ لیکن عبداللہ ونشریسی زیادہ مشہور ہے۔ ونشریسی بڑا ذہین فصیح و بلیغ لغات عرب واہل مغرب کا ماہر اور قرآن مجید اور مؤطا امام مالکؒ کا حافظ تھا۔ ابن تومرت اس کی ذہانت اور جودت طبع دیکھ کر عش عش کرتا تھا اور سوچا کرتا تھا کہ اس شخص کی قابلیت سے کوئی کام نکالنا چاہئے۔ چنانچہ جب دیکھا کہ ونشریسی ہر طرح سے محرم راز ہو گیا تو اس سے کہا کہ وہ لوگوں کے سامنے گونگا بن جائے اور اپنی علمی اور ذہنی قابلیت اس وقت تک ظاہر نہ کرے جب تک کہ بطور معجزہ اس کے اظہار کی ضرورت نہ ہو۔ ونشریسی انتہاء درجہ کا مستقل مزاج تھا۔ اس نے اپنے مخدوم ومطاع کا منشاء معلوم کر کے ایسی چپ سادھی کہ لوگ اسے جاہل مطلق گونگا بلکہ دیوانہ خیال کرتے تھے۔ یہ شخص میلے کچیلے کپڑے پہنے رہتا اور ایسی مکروہ وضع وہیئت بنا رکھی تھی کہ کوئی شخص پاس بیٹھنے کا روادار نہ تھا۔ ابن تومرت کی خواہش تھی کہ تینمل اور اس کے گردونواح میں کوئی شخص ایسا نہ رہ جائے جو اس کی مہدویت کا منکر ہو اور اس آبادی کو ان تمام لوگوں کے خار وجود سے پاک کر دیا جائے۔ جو وحدت قومی کی راہ میں حائل ہیں۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے ایک دن ونشریسی سے کہنے لگا اب تمہارے انشائے کمال کا وقت آ گیا اور اسے سب تدبیر سمجھا دی۔ چنانچہ جب ابن تومرت نماز صبح کے لئے مسجد میں آیا کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص نہایت فاخرہ لباس زیب تن کئے محراب مسجد میں کھڑا ہے اور اس کی خوشبو سے مسجد مہک رہی ہے۔ اس وقت سیکڑوں کا مجمع تھا۔ پوچھنے لگا حضرت آپ کون ہیں؟ کہنے لگا کہ یہ خاکسار عبداللہ ونشریسی ہے۔ پوچھنے لگا آپ کو یہ درجہ کیونکر ملا؟ تم تو گونگے اور مجنون تھے۔ کہا درست ہے لیکن الحمدللہ آج خدائے قدیر نے مجھے تمام جسمانی وروحانی نقائص سے پاک کر دیا۔ رات کو ایک فرشتہ آسمان سے اتر کر میرے پاس آیا۔ اس نے میرا سینہ شق کر کے ساری کثافتیں اور سارے نقصان نکال ڈالے اور مجھے ملائکہ مقربین کی طرح بالکل معصوم بنا کر میرے دل کو علوم وحکمت سے بھر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں جو کل تک جاہل مطلق اور گونگا تھا۔

آج ایک زبردست عالم، کلام پاک اور موطائے مبارک کا حافظ ہوں۔ یہ سن کر ابن تومرت مصنوعی آنسو بہا کر کہنے لگا میں کس زبان سے اس ارحم الراحمٰن کا شکریہ ادا کروں کہ اوروں کو تو دعائیں مانگنے اور ایڑیاں اور گھٹنے رگڑنے سے کچھ ملتا ہے۔ لیکن خدائے رحیم و دود اس عاجز کی تمام خواہش بلا طلب پوری فرماتا ہے۔ چنانچہ اس عاجز کی جماعت میں ایسے برگزیدہ لوگ بھی شامل کئے ہیں جن پر ملائکہ مقربین آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور جس طرح ہمارے آقا و مولیٰ جناب احمد مختار ﷺ کا سینہ مبارک شق کر کے اس کو علوم و حکمت سے معمور فرمایا گیا۔ اسی طرح اس عاجز کی جماعت کے ایک فرد کا سینہ بھی شق کیا گیا اور رسول پاک ﷺ کی طرح اس کا خزینۂ دل بھی قرآن اور حکمت اور علوم لدنیہ سے مالا مال کیا گیا۔ اس کے بعد اپنی سحر بیانی سے کام لیتے ہوئے ونشریسی سے کہنے لگا۔ بھائی! یہ دعویٰ ایسا نہیں کہ بے تحقیق اور بلا دلیل مان لیا جائے۔ اس کا کوئی ثبوت ہونا چاہئے۔ حاضرین نے بھی اس کی تائید کی۔ اب اس سے امتحاناً چند سورتیں پڑھنے کو کہا گیا۔ اس نے یہ سورتیں نہایت تجوید و ترتیل کے ساتھ سنا دیں۔ اسی طرح موطا وغیرہ کتب حدیث کا امتحان لیا گیا۔ ونشریسی سب میں کامیاب نکلا۔ تمام لوگ جو ونشریسی کو اس کے آغاز قدوم سے برابر گونگا اور دیوانہ اور جاہل مطلق یقین کرتے آ رہے تھے۔ اس فوق العادۃ واقعہ پر محو حیرت ہوئے اور اس کو مہدی موعود (ابن تومرت) کے معجزہ کا اثر تسلیم کرنے لگے۔

تین رازدار فرشتوں کا کوئیں میں بٹھایا جانا

اب ابن تومرت نے ونشریسی سے کہا اے بزرگ! یہ تو بتا دے کہ میں سعید ہوں یا شقی؟ ونشریسی نے جواب دیا کہ اے ابن تومرت! آپ مہدی قائم بامر اللہ ہیں۔ جو آپ کی پیروی کرے گا وہ سعید اور جو مخالفت کرے گا وہ شقی ازلی اور جہنمی ہے۔ اس کے بعد فاضل ونشریسی نے کہا کہ واہب العطایا نے حضور کے تصدق سے اس خاکسار کو ایک اور نعمت بھی عطاء کی ہے۔ پوچھا وہ کیا؟ عرض کیا کہ خاکسار کے باطن میں ایک ایسا نور رکھ دیا ہے کہ جس سے اہل جنت اور اصحاب نار کو فوراً پہچان لیتا ہوں اور خدائے غیور نے اس نور کے عطاء کرتے وقت یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس مقدس جماعت میں دوزخیوں کا شامل رہنا قطعاً ناروا ہے۔ لہٰذا ارشاد ہوا کہ دوزخیوں میں سے ہر ایک کو فرداً فرداً پہچان کر ہلاک کر دو اور چونکہ اتلاف و استہلاک کا معاملہ نہایت نازک اور قابل احتیاط تھا۔ اس لئے خدائے برتر نے تین فرشتے میری تصدیق کے لئے نازل فرمائے ہیں۔ جو اس وقت فلاں کوئیں میں موجود ہیں۔ یہ سن کر مہدی نے کوئیں پر جانے کا ایک وقت مقرر کر دیا

اوراس غرض کے لئے پہلے سے اپنے تین راز دار مرید اس میں بٹھا دیئے۔ان ارباب ایمان کے اسماء گرامی کی ایک فہرست پہلے سے مرتب کر لی گئی تھی۔ جنہیں ابن تومرت کی مہدویت سے انکار تھا یا اس کی مخالفت کرتے تھے۔ابن تومرت وقت معہود پر سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کے ساتھ کوئیں کی طرف گیا۔ یہ کنواں ایک وسیع میدان میں واقع تھا۔لوگ ایسی حالت میں کوئیں کی طرف جا رہے تھے کہ چہروں کا رنگ فق تھا۔دل امید وبیم کی کش مکش میں مبتلا تھے اور ہر شخص اس خیال سے خوف زدہ تھا کہ دیکھیں آج کون شخص ذلت ورسوائی سے قتل ہو کر ننگ خاندان ٹھہرتا اور جہنم کے عذاب خلد میں جھونکا جاتا ہے۔وہ میدان اس وقت عرصۂ قیامت بنا ہوا تھا۔ ہر شخص نفسی نفسی پکار رہا تھا۔نہ باپ کو بیٹے کی خبر تھی اور نہ بیٹے کو باپ یا بھائی کی اطلاع۔ادھر قبائل میں کہرام مچا ہوا تھا کہ دیکھیں کوئی مرد اپنے گھر کی خبر گیری کے لئے واپس بھی آتا ہے یا سب دوزخ کو جا آباد کرتے ہیں۔غرض تمام لوگ کوئیں پر پہنچے۔مہدی نے پہلے دوگانہ نماز ادا کیا۔اس کے بعد ان تین فرشتوں سے جو کوئیں کی تہ میں اترے ہوئے تھے۔باآواز بلند کہا اے ملائکہ! عبداللہ ونشریسی کا دعویٰ ہے کہ خدائے برتر نے مجھے جنتی اور دوزخی میں امتیاز کرنے کی صلاحیت عطاء کر کے حکم دیا ہے کہ تمام دوزخی چن چن کر قتل کر دیئے جائیں۔کیا یہ بیان صداقت پر مبنی ہے؟ ان تینوں چاہ نشین مریدوں نے پکار کر کہا کہ عبداللہ نہایت صادق البیان ہے۔اس جواب سے لوگوں کا اعتقاد اور بھی راسخ ہو گیا۔ابن تومرت نے دیکھا کہ عالم سفلی کے یہ فرشتے اوپر آ گئے تو افشاء راز کا احتمال رہے گا۔اس لئے ان کو عالم بالا میں بھیج دینا مناسب ہے۔ونشریسی وغیرہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ یہ کنواں نزول ملائکہ کی وجہ سے مقدس مقامات میں داخل ہو گیا ہے اور اگر یوں ہی کھلا چھوڑ دیا گیا تو اس میں ناپاک چیزوں کے گرنے اور اس کے نجس ہونے کا خطرہ رہے گا اور اگر کبھی ایسا ہوا تو قوم پر قہر الٰہی نازل ہوگا۔اس لئے اس کو پاٹ دینا مناسب ہے۔چنانچہ سب نے اس خیال کی تائید کی اور سب کے اتفاق رائے سے وہ کنواں فوراً پاٹ دیا گیا جو چاہ بابل کے مفروضہ ملائکہ کی طرح ان بے گناہ فرشتوں کا دائمی محبس قرار پایا۔معلوم نہیں کہ تینوں راز دار مریدوں کی ہلاکت ان کی رضا مندی سے معرض عمل میں آئی۔ یا ان سے ظلماً وخدعاً ایسا سلوک کیا گیا۔ بصورت اوّل مریدان صادق الاعتقاد کا اس طرح سے جان دینا کچھ تعجب انگیز نہیں۔ چنانچہ حسن بن صباح کے باطنی فدا کاروں کے کارنامے اس حقیقت کے گواہ ہیں۔اب قتل واستہلاک کا خون آشام ہنگامہ شروع ہوا۔ونشریسی جس کے پاس منکرین ومخالفین مہدی کی فہرست موجود تھی۔میدان میں کھڑا

ہو گیا اور بہشتیوں اور دوزخیوں کے نام پکارنے لگا۔ یہ شخص اپنے موافقوں اور ہم مشربوں کو جنتی قرار دے کر داہنی طرف کھڑا کرتا اور فہرست سے مخالفوں کے نام دیکھ دیکھ کر انہیں جہنمی کا لقب دیتا اور بائیں جانب کھڑا کرتا۔ کئی جلاد تیغ برہنہ کھڑے تھے جو اصحاب الشمال کو فوراً قتل کر دیتے تھے۔ کئی دن تک یہ قیامت برپا رہی۔ یکے بعد دیگرے ایک ایک قبیلہ بلایا جاتا اور ارباب ایمان جہنمی کے کردار الخلد کو بھیج دیئے جاتے۔ غرض سیکڑوں ہزاروں عاشقان حق تہ تیغ کئے گئے۔ بقیۃ السیف اس کے پکے جان نثار اور مخلص مرید تھے۔

شاہی تحصیل داروں کا قتل عام

اب ابن تومرت نے یہ وتیرہ اختیار کیا کہ ہر وقت سلاطین وقت کو خاطی، ظالم، نابکار اور دشمنان دین وملت ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف رہتا اور کہتا کہ انہوں نے احکام الٰہی کے اجراء میں کوتاہی کی ہے۔ اس لئے نہ صرف ان کی اطاعت حرام ہے۔ بلکہ ان کے خلاف غزاد جہاد فرض ہے اور برملا کہتا کہ میں سلطنت مراکش کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا اور یہ کہ جو کوئی دنیا اور عقبیٰ میں سرفراز وکامگار رہنا چاہتا ہے وہ اس جہاد میں میرا ساتھ دے گا۔ اس تحریک کا یہ اثر ہوا کہ ہزارہا عقیدت مند جان بازی وسرفروشی پر آمادہ ہو گئے۔ اب ابن تومرت سلطان مراکش کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے لئے حیلہ تلاش کرنے لگا۔ وہ اکثر دیکھتا تھا کہ خود تو اہل کوہ سانولے ہیں اور ان کی بعض اولاد گربہ چشم اور بھورے رنگ کی ہے۔ ایک دن ان سے دریافت کرنے لگا کہ اولاد اور والدین کے اختلاف رنگ کی کیا وجہ ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے سکوت کیا اور ندامت سے سر جھکا لئے۔ جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ سلطان کے غلام ہر سال تحصیل خراج کے لئے ان پہاڑوں پر آتے ہیں جو عموماً یونانی رومی اور افرنجی ہیں۔ بادشاہ کو تو غالباً اس کی خبر نہ ہوگی۔ مگر وہ لوگ ہماری بڑی رسوائی کرتے ہیں۔ آتے ہی ہمیں ہمارے گھروں سے خارج کر دیتے ہیں اور ہماری عورتوں کو بے عزت کر ڈالتے ہیں اور ہمیں ان کی دست برد سے بچنے کی قدرت نہیں۔ اسی وجہ سے ہماری عورتوں کی بعض اولاد ان غلاموں کے رنگ پر ہوتی ہیں۔ ابن تومرت طیش میں آکر کہنے لگا تمہارے لئے ایسی شرمناک زندگی سے مر جانا بہتر ہے اور مجھے حیرت ہے کہ تمہارے ایسے شجاع وجانباز لوگ ایسی بے عزتی اور بے غیرتی پر کیوں کر خاموش رہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں بھلا لشکر سلطانی سے مقابلہ کرنے کا کیونکر حوصلہ ہو سکتا تھا۔ کہنے لگا اچھا اگر کوئی شخص اس بارہ میں تمہاری دادرسی کرے تو اس کا ساتھ دو گے۔

انہوں نے کہا ساتھ دینا کیسا ہم اس کے حکم پر اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ مگر ایسا فریاد رس کہاں مل سکتا ہے؟ ابن تومرت تو خدا سے یہی چاہتا تھا ان سے وعدہ کیا کہ میں تم کو اس مصیبت سے نجات دلاؤں گا۔ انہوں نے اس کی سرپرستی نہایت شکریہ کے ساتھ قبول کی۔ ابن تومرت نے ان کو سمجھایا کہ اب کی مرتبہ جب بادشاہ کے غلام یہاں آئیں اور تمہاری عورتوں سے اختلاط کا قصد کریں تو تم ان کے پاس شراب کی بوتلیں رکھ دینا اور جب وہ پی کر نشہ میں سرشار ہو جائیں تو مجھے اطلاع دینا۔ غرض جب بادشاہ کے غلام حسب معمول خراج سلطنت کی تحصیل کے لئے آئے تو انہوں نے ان کو خوب شراب پلائی۔ جب بدمست ہو گئے تو ابن تومرت کو خبر کی۔ اس نے حکم دیا کہ سب کو قتل کر ڈالو۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی۔ سب غلام مار ڈالے گئے۔ البتہ ایک غلام جو حسن اتفاق سے کسی کام کے لئے اپنی فرودگاہ سے باہر گیا تھا باہر ہی خبردار ہو گیا اور بھاگ کھڑا ہوا اور دارالسلطنت میں پہنچ کر بادشاہ کو صورتحال سے مطلع کیا اور یہ بھی بتایا کہ وہی محمد بن تومرت جو یہاں سے نکالا گیا تھا وہاں پہنچ کر سب کا پیشوا بنا ہوا ہے اور اسی کے حکم سے یہ کارروائی عمل میں آئی ہے۔ اب بادشاہ کی آنکھیں کھلیں۔ اپنی مال ناندیشانہ رواداری اور سہل انگاری پر بہت پچھتایا اور تسلیم کیا کہ مالک بن وہیب کی رائے واقعی نہایت صائب تھی۔

شاہی فوج کی ہزیمت

ابن تومرت کو یقین تھا کہ شاہی فوج انتقام کے لئے ضرور آئے گی اس لئے اس نے یہ ہوشیاری کی کہ اپنے پیرووں کی ایک زبردست جمعیت پہاڑوں پر دروں کی دونوں طرف بٹھا دی اور حکم دیا کہ جیسے ہی بادشاہی فوج آئے تم لوگ پوری قوت اور شدت کے ساتھ پتھر لڑھکانا شروع کر دینا اور اتنی سنگ باری کرنا کہ ایک شخص بھی زندہ سلامت واپس نہ جا سکے۔ ابن تومرت کا یہ خیال صحیح نکلا۔ چنانچہ بادشاہ نے اس خونریزی کی سزا دینے کے لئے ایک لشکر جرار روانہ کیا جو فوراً مراکش سے چل کر تینمل کی گھاٹیوں میں گھسا۔ جونہی شاہی فوج دروں میں سے گزرنے لگی اوپر سے اتنی سنگ باری ہوئی کہ ہزارہا سوار پتھروں کے نیچے کچل کچل کر ہلاک ہو گئے۔ اسی حالت میں رات کی سیاہ چادر نے اس ہنگامہ آرائی کو موقوف کر دیا اور بچی کھچی فوج نہایت بے ترتیبی کے ساتھ بھاگ کھڑی ہوئی۔ جب یہ ہزیمت خوردہ لشکر دارالسلطنت میں پہنچا اور بادشاہ کو اس شکست کی اطلاع ہوئی تو سخت بدحواس ہوا اور اپنی عافیت اسی میں نظر آئی کہ آئندہ ابن تومرت سے کوئی مزاحمت نہ کی جائے۔ اس شاندار فتح نے موحدین کے دل بڑھا دیئے اور انہیں بیش از پیش اس

بات کا یقین ہوا کہ واقعی ان کا مقتداء سچا مہدی موعود ہے۔ اب ابن تومرت نے موحدین کا ایک لشکر جرار مرتب کیا اور ان سے کہا کہ ان کافروں اور دین مہدی کے منکروں کی طرف جاؤ جن کو مرابطون کہتے ہیں۔ ان کو بدکرداری سے اعراض، اعمال حسنہ کے احیاء، ازالہ بدعت، قیام سنت اور اپنے مہدی معصوم کے اقرار کی دعوت دو۔ اگر تمہاری دعوت کو قبول کریں تو تمہارے بھائی ہیں ورنہ ان کے خلاف جہاد کرو۔ سنت نبوی ﷺ نے ان کے خلاف جہاد کرنا تم پر فرض کر دیا ہے۔ اس نے عبدالمؤمن کو سر عسکر بنا کر کہا تم موحدوں کے امیر ہو۔ اس دن سے عبدالمؤمن کو امیر المؤمنین کہنے لگے۔ یہ تمام لشکر مراکش کی طرف روانہ ہوا۔ پرچہ نویسوں نے موحدین کی نقل و حرکت کا سارا حال دارالسلطنت کو لکھ بھیجا۔ چنانچہ ابھی دارالسلطنت سے دور ہی تھے کہ بھیرہ نام ایک مقام پر مرابطون کی ایک فوج گراں آتی دکھائی دی۔ بادشاہ کا بیٹا زبیر بن علی اس کا سر عسکر تھا۔ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو عبدالمؤمن نے اپنے مہدی کے حکم سے تمام امور کی دعوت کے لئے اپنا قاصد بھیجا۔ مگر شاہی لشکر نے اس دعوت کو سخت نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اب عبدالمومن نے امیر المسلمین علی بن یوسف کو دعوت مہدی کے موضوع پر ایک مراسلہ بھیجا۔ امیر المسلمین نے اس کے جواب میں مسلمان بادشاہ کی عدول حکمی اور تفرقہ جماعت کی وعیدیں جو احادیث نبویہ میں وارد ہیں۔ لکھ بھیجیں اور خونریزی و فتنہ انگیزی کے بارہ میں خدا یاد دلایا۔ مگر عبدالمؤمن ان باتوں کو کچھ خاطر میں نہ لایا۔ بلکہ اس جواب کو امیر المؤمنین کی کمزوری پر محمول کیا۔ اب جانبین نے ہتھیار سنبھالے اور لڑائی شروع ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ موحدوں کو سخت ذلت آفرین شکست ہوئی۔ عبدالمؤمن اور چند دوسرے آدمی چھوڑ کر موحدین کا سارا لشکر تہ تیغ ہو گیا۔ جب اس ہزیمت کی خبر ابن تومرت کو ہوئی تو اس نے اپنے مقتولوں کو جنت الفردوس کی بشارت دی اور جب عبدالمؤمن پہنچا تو اس سے کہنے لگا کہ لڑائی میں شکست ہوئی تو کوئی مضائقہ نہیں۔ معرکہ ہائے جنگ میں ہمیشہ یہی رہا ہے کہ آج کوئی غالب ہے اور کل کوئی اور۔ مگر انجام کار تم ہی غالب رہو گے۔

مردوں سے ہم کلام ہونے کا معجزہ

اب ابن تومرت نے موحدین کو پھر منظم کرنا شروع کیا اور اس کی جمعیت از سر نو بڑھنے لگی۔ آخر دس ہزار موحدین کے لشکر کے ساتھ بذات خود مراکش پر دھاوا کرنے کا قصد کیا۔ لیکن چونکہ پہلی لڑائی میں شکست ہوئی تھی اور موحدین کی بہت بڑی تعداد میدان جانستان کی نذر ہوئی تھی۔ اس لئے بہت سے لوگ خصوصاً تینمل کے روساء ساتھ جاتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ یہ

دیکھ کر ابن تومرت نے کہا کہ جس کسی کو اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر ہمارا ساتھ دینا منظور ہو وہ ہماری موافقت کرے ورنہ خدا خود حزب اللہ اور مددگار ہے۔ خدائے مہیمن اس مرتبہ ہمیں ایسی عظیم الشان فتح دے گا کہ متخلفین بعد کو عدم رفاقت کی وجہ سے سخت شرمسار ہوں گے اور اب کی مرتبہ میدان جنگ میں جا کر ہر شخص خود اپنے کانوں سے سنے گا کہ مردے قبروں میں سے ہمیں فتح کی بشارت دیتے ہیں۔ یہ سن کر وہ لوگ بھی ساتھ چلنے پر آمادہ ہوئے جنہیں شریک جنگ ہونے میں تأمل تھا۔ اب ابن تومرت نے یہ انتظام کیا کہ اس میدان جنگ کے پاس جا کر پڑاؤ ڈالا۔ جہاں اس سے پیشتر اس کے لشکر کو شکست ہوئی تھی اور عبدالمومن کے ذریعہ سے چند قبریں کھدوا کر اپنے بعض رازدار پیرووں کو ان میں زندہ دفن کرادیا اور ہوا کی آمد و رفت کے لئے قبروں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ رکھوا دیئے اور ان سے کہہ دیا کہ جب تم سے تمہارا حال دریافت کیا جائے تو کہہ دینا کہ جن امور کا خدائے برتر نے وعدہ فرما رکھا تھا سب باتیں پوری ہوئیں۔ تم لوگ دشمن کے جہاد میں جانیں لڑادو۔ غرض قبریں کھدوا کر اپنے خاص رازداروں کو دفن کرادیا اور ان سے وعدہ کیا کہ اس کے بعد تمہیں قبروں سے نکال لیا جائے گا اور تمہیں اس خدمت کی وجہ سے بہت بڑا تقرب حاصل ہوگا۔ جب سپیدۂ صبح نمودار ہوا تو ابن تومرت نے اپنے لشکر کو خطاب کر کے کہا اے گروہ موحدین! تم اللہ کا لشکر دین الٰہی کے انصار اور حق کے معاون ہو۔ عنقریب فتح و نصرت تمہارے قدم چومے گی اور اگر تمہیں کچھ تردد ہو تو چلو اپنے ان اہل قبور بھائیوں سے جو پچھلی مرتبہ درجہ شہادت پا کر یہاں دفن ہوئے دریافت کر لیں کہ ان پر خدائے قدوس نے کیا، کچھ نوازش فرمائی؟ یہ کہہ کر قبروں پر آیا اور کہنے لگا اے گروہ شہداء! تم لوگوں نے منجانب اللہ کیا کچھ مشاہدہ کیا؟ قبروں میں سے آواز آئی خدا نے ہمیں نوازا اور اتنا بڑا اجر عطاء فرمایا کہ نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال ہی گذرا اور اگر تم لوگ بھی ان مدارج علیاء پر فائز ہونا چاہتے ہو تو امام مہدی کی متابعت کرو۔ یہ سن کر دام افتادگان مہدویت کو یقین آ گیا کہ واقعی شہداء ان سے ہم کلام ہوئے ہیں۔ اس بناء پر ہر شخص جانبازی پر آمادہ ہوا اور سربکف لڑنے کو نکلا۔ ۳ رشعبان ۵۱۶ھ کو وہاں زبردست لڑائی ہوئی۔ جس میں ابن تومرت کو فتح ہوئی اور بہت سامال غنیمت موحدین کے ہاتھ آیا۔

سلسلۂ فتوحات اور ابن تومرت کا سفر آخرت

جب دارالسلطنت میں اس تخت و تاراج کا علم ہوا تو بادشاہ نے ایک زبردست کمک

روانہ کی۔ لیکن شاہی فوج کو مکرر شکست ہوئی۔ موحدین نے شاہی فوج کا تعاقب کیا اور اس کو مارتے کاٹتے دارالسلطنت کے قریب تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد شہر تلمسان کے قریب جبل کیلو پر حملہ کیا۔ یہ ایک نہایت مضبوط پہاڑی قلعہ تھا۔ ابن تومرت نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ نے تین سال تک یعنی ۵۱۶ھ سے ۵۱۹ھ تک طول کھینچا۔ آخر ابن تومرت محاصرہ اٹھا کر واپس آ گیا۔ لیکن واپسی پر متعدد شہر فتح کر لئے۔ ان مہموں سے فارغ ہو کر ابن تومرت اس غرض سے تینمل چلا آیا کہ لشکر آرام کرے۔ دو مہینہ تک ستانے کے بعد ابن تومرت از سر نو تیس ہزار فوج کے ساتھ شہر ہزرجہ کی طرف بڑھا۔ اس کو فتح کیا اور خدا کی سیکڑوں بے گناہ مخلوق کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہاں سے اہل درن کا رخ کیا۔ اس سرزمین کے سارے قلعے اور حصون فتح کر لئے اور وہاں کے تمام قبائل نے ابن تومرت کی اطاعت کر لی۔ اس کے بعد ابن تومرت تینمل کو واپس چلا آیا تا کہ فوج استراحت کر لے۔ ان تمام معرکوں میں ابن تومرت کا یہ معمول تھا کہ جہاں کہیں کوئی مسلمان نظر آتا اسے محض اس جرم میں گرفتار کر لیا جاتا کہ وہ مہدی موعود کا منکر ہے اور اس پر اس وقت تک رحم نہ کرتا۔ جب تک وہ اس کی مہدویت کو تسلیم نہ کر لیتا اور اگر وہ کسی طرح نہ مانتا تو اسے جرعہ مرگ پلا دیا جاتا۔ اس کے بعد ابن تومرت نے عبدالمومن کے زیر قیادت ایک اور زبردست فوج مراکش پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کی۔ بادشاہ کا بیٹا ابوبکر بن علی مقابلہ پر آیا۔ لیکن ہزیمت کھائی۔ اس کے بعد موحدین نے جا کر دارالسلطنت کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن آٹھ روز کے بعد محاصرہ اٹھا کر تینمل چلے آئے۔ جب ۵۲۴ھ میں یہ لشکر مظفر و منصور واپس آیا تو ابن تومرت نے کہا کہ اب میرا پیمانہ حیات لبریز ہو چکا ہے۔ میں اسی سال رفیق اعلیٰ سے جاملوں گا۔ یہ سن کر سب لوگ رونے لگے۔ چنانچہ تھوڑے دن کے بعد مرض موت میں گرفتار ہوا۔ عبدالمومن کو اپنا جانشین اور امام صلوٰۃ مقرر کیا اور دنیائے رفتنی وگذشتنی کو الوداع کہہ کر امانت حیات ملک الموت کے سپرد کر دی۔ اس نے مرنے سے پہلے عبدالمومن کو یہ مژدہ سنایا کہ اقلیم مراکش عنقریب تمہارے عمل و دخل میں آئے گی اور تم تمام اسلحہ و خزائن سلطانی کے مالک ہو گئے۔

ابن تومرت کی قبر پر ایک مرید کی قصیدہ خوانی

ابن تومرت کی موت کے بعد اس کے ایک فراق زدہ مرید نے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر ایک قصیدہ پڑھا جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

سلام علیٰ قبر الامام الممجد
سلالة خیر العالمین محمد

اس صاحب مسجد امام کی قبر پر سلام ہو جو تمام عالموں کے بہترین فرد محمد ﷺ کی اولاد میں سے ہے۔

مشبـه فـی خـلـقـه ثم فـی اسـمـه
وفـی اسم ابیـه والـقـضـاء الـمسـدد

اپنے اخلاق، اپنے نام، اپنے باپ کے نام میں اور اپنی قضاء محکم میں ان کے مشابہ ہے۔

ومـحییی عـلـوم الـدیـن بعد مماتها
ومـظهـر اسـرار الـکـتـاب الـمسـدد

جو علوم دین کی موت کے بعد ان کو حیات تازہ بخشنے والا اور کتاب محکم کے اسرار کو ظاہر کرنے والا ہے۔

اثبـنـابـه البشریٰ بـان یملأ الدنیا
بـقسـط وعـدل فی الانـام مخلـد

ہمیں اس سے یہ خوشخبری ملی ہے کہ وہ مخلوق میں اپنے عدل وانصاف پائندہ سے دنیا کو معمور کر دے گا۔

ویـفتـح الامـصـار شـرقـاً ومـغـربـاً
ویـمـلـك عـربـاً من مـغیـر ومـنـجـد

وہ مشرق ومغرب میں ہر طرف کے شہروں کو فتح کرے گا اور عرب کے تمام نشیب وفراز کے باشندوں کا مالک ہوگا۔

فـمـن وصـفـه اقـنـیٰ واجـلـیٰ وانـه
عـلامـاتـه خـمـس تبین لمهتـدی

وہ جس کی تعریف میں اقنیٰ واجلیٰ کہا گیا ہے۔ اس کی پانچ علامتیں ہیں جو ہر ایک طالب ہدایت کے لئے ظاہر ہیں۔

زمـان واسـم الـمـکـان ونسبة
وفـعـل لـه فـی عـصـمة وتـایـد

زمانہ، نام، مکان، نسب اور اس کا وہ فعل جو گناہ سے مبرا اور خدا کی مدد سے بہرور ہے۔

ویلبث سبعا اوفتسعاً یعیشها
کذاجاء فی نص من النقل مسند

صحیح حدیثوں میں لکھا ہے کہ وہ یعنی مہدی سات یا نو سال تک امر حکومت پر قائم رہے گا۔

فقد عاش تسعاً مثل قول نبینا
فذالکم المهدی باالله یهتدی

چنانچہ وہ ہماری نبی ﷺ کے قول کے بموجب نو سال تک رہا۔ تمہارا وہ مہدی یہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھا۔

وتتبعه للنصر طائفة الهدی
فاکرم بهم اخوان ذی الصدق احمد

اس کی مدد کے لئے ارباب ہدایت کی ایک جماعت اس کی پیرو ہے۔ یہ اہل صدق کس قدر قابل ستائش ہیں؟

هی الثلة المذکور فی الذکر امرها
وطائفة المهدی بالحق تهتدے

یہی وہ جماعت ہے جس کا امر قرآن میں مذکور ہے۔ یہی مہدی کا گروہ ہے جو حق سے ہدایت کرتا ہے۔

ویقدمها المنصور والناصر الذی
له النصر حزب اذیروح ویغتدے

اور جس کا امام وہ منصور و ناصر شخص ہے کہ فتح و نصرت شام و پگاہ اس کے ہمرکاب ہے۔ (منصور اور ناصر اس کے مقدمۃ الجیش ہیں)

هو المنتقے من قیس عیلان مفخرا
ومن مره اهلا الجلال الموظد

وہ بنی قیس عیلان اور اہل جلال بنی مرۃ میں ایک برگزیدہ ہستی ہے اور اس بات پر اسے فخر ہے۔

خلیفة مهدی الا له وسیفه
ومن قد غدا بالعلم والحلم مرتدی

وہ مہدی خدا کا خلیفہ اور اس کی تلوار ہے۔ جس نے علم وحلم کی چادر اوڑھ رکھی ہے۔

بهم يقمع الله الجبارة الالىٰ

يصدون عن حكم من الحق مرشد

انہی کے ذریعہ سے خدا ان جابروں کا قلع قمع کرے گا جو ایک مرشد برحق کے حکم احکام کی پیروی سے روکتے ہیں۔

ويفتتحون الروم فتح غنيمة

ويقتسمون المال بالترس عن يد

وہ روم کو غنیمت کے طور پر فتح کریں گے اور اپنے ہاتھ سے ڈھال بھر بھر کر مال تقسیم کریں گے۔

ويغدون للدجال يغزونه ضحا

يذيقونه حد الحسام المهند

وہ دجال سے دن دہاڑے جنگ کریں گے اور دجال کو ہندی تلوار کا مزا چکھائیں گے۔

وينزل عيسىٰ فيهم واميرهم

امام فيدعوهم لمحراب مسجد

عیسیٰ علیہ السلام ان میں نازل ہوں گے اور ان کا امام انہیں محراب مسجد کی طرف بلائے گا۔

يصلي بهم ذاك الامير صلاتهم

بتقديم عيسى المصطفىٰ عن تعمد

مسلمانوں کا امیر مسیح علیہ السلام کی تقدیم کے ساتھ لوگوں کو نماز پڑھائے گا۔

ويقتله في باب لد وتنجلي

مشكوك امالت قلب من لم يوحد

وہ اسے باب لد میں قتل کریں گے اور کفار کے وہ شکوک مٹ جائیں گے جو ان کے دلوں میں موجزن ہیں۔

وما ان يزال الا مرفيه وفيهم

الىٰ آخر الدهر الطويل المسرمد

مسیح علیہ السلام اور مسلمانوں کی یہ حالت آخر دہر تک ایسی ہی رہے گی۔

ابن تومرت کے اخلاق و عادات

محمد بن تومرت فضائل اخلاق کا مجسمہ تھا۔ مال غنیمت، بیت المال اور قومی محاصل و مداخل میں سے اس نے مدت العمر ایک حبہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہ کیا۔ بسر اوقات کی یہ صورت تھی کہ اس کی بہن چرخہ کاٹ کر سوت بیچا کرتی تھی۔ اسی پر بھائی بہن دونوں کی گذر اوقات کا مدار تھا۔ ابن تومرت اٹھ پہر میں ایک ہلکی سی روٹی پر اکتفاء کرتا۔ جس کے ساتھ تھوڑا سا مکھن یا روغن زیتون ہوتا تھا۔ جب فتوحات کی کثرت ہوئی اور اس کے سامنے مال غنیمت اور محاصل کے ڈھیر لگے رہتے تھے تو اس وقت بھی اس نے اپنی سابقہ غذا میں کچھ اضافہ نہ کیا۔ مدت العمر حصور رہا اور شادی نہ کی۔ ایسا زاہد اور تارک الدنیا تھا کہ جب اسے ابتداء میں ایک شاندار فتح ہوئی اور اس کے پیروؤں نے امیرانہ ٹھاٹھ بنانا چاہا تو بہت ناخوش ہوا اور تمام مال غنیمت جمع کر کے نذر آتش کر دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ جو کوئی دنیا کا طالب اور حظوظ فانی کا دلدادہ ہے وہ یہاں سے چلا جائے۔ یہاں صرف آخرت ہے جس کا نفع عاقبت میں ملے گا۔ ابن تومرت سنت اولٰی کی طرح حدود شرعی کی نگرانی میں تشدد پر تلا رہتا تھا۔ شراب خوری پر نہایت سخت سزائیں دیتا۔ ایک مرتبہ ایک شخص حالت بدمستی میں ابن تومرت کے پاس لایا گیا۔ اس نے سزا کا حکم دیا۔ ایک ذی عزت حاشیہ نشین یوسف بن سلیمان نے کہا حضور والا! اگر اس پر اس وقت تک برابر سختی کی جائے جب تک یہ نہ بتادے کہ اس نے کہاں سے شراب لی تو یقین ہے کہ اس فتنہ کا استیصال ہو جائے گا۔ یہ سن کر ابن تومرت نے منہ پھیر لیا۔ یوسف نے مکرر یہی کہا تو پہلے کی طرح پھر روگردانی کی۔ جب اس نے تیسری مرتبہ ایسا ہی کہا تو ابن تومرت نے جواب دیا کہ اگر بالفرض ملزم نے یہ کہہ دیا کہ میں نے یوسف بن سلیمان کے گھر سے شراب پی ہے تو پھر کیا کرو گے؟ یہ سن کر یوسف نے سر جھکا لیا۔ لیکن بعد کو یہ راز فاش ہونے پر سب کو حیرت ہوئی کہ یوسف ہی کے نوکروں نے اسے شراب پلائی تھی۔ چنانچہ اس واقعہ کو مہدی (ابن تومرت) کے کشف و کرامت پر محمول کیا گیا۔ ابن تومرت میں جہاں بیسیوں خوبیاں تھیں۔ وہاں دعوائے مہدویت سے قطع نظر اس میں ایک بڑا عیب یہ تھا کہ اس نے اپنے مقصد کے حصول کی خاطر ہزارہا بے گناہ کلمہ گوؤں کو تیغ بے دریغ کے سپرد کر دیا اور یہی وجہ ہے کہ ابن قیم نے اسے حجاج بن یوسف سے بھی زیادہ سفاک اور جفاکیش لکھا ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ اس نے جو جانشین چھوڑے وہ عدل و انصاف کا پیکر اور ترویج

اسلام میں حضرات خلفائے راشدینؓ کا دھندلا عکس تھے۔ ابن تومرت نے متعدد کتابیں تصنیف کی تھیں۔ ایک توحید اور عقائد پر مشتمل تھی جس کا نام مرشدۃ تھا۔ ایک کا نام کنز العلوم تھا۔ ایک اعز ما یطلب کے نام سے موسوم تھی۔ مؤخر الذکر کتاب الجزائر میں چھپ چکی ہے۔

عبدالمؤمن کی خلافت

کسی داعی کی وفات کے بعد اس کے پیروؤں کو سب سے پہلی مشکل جو پیش آتی ہے وہ انتخاب خلیفہ کا مسئلہ ہے۔ ابن تومرت کے مرنے پر یہ خطرہ شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا کہ اس کی جماعت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ وابستگان اسوۂ محمدی (ﷺ) میں عشرۂ مبشرہ سب سے زیادہ جلیل القدر و عظیم المرتبہ اصحاب ہیں۔ اسی تعداد کا لحاظ کرتے ہوئے ابن تومرت نے بھی اپنے دس بڑے حواری بنا رکھے تھے۔ اس کے مرنے کے بعد ان دس ممتاز حواریوں میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ وہ خلیفہ بن جائے۔ یہ سب مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں اپنی اپنی خلافت کے متعلق ''رسہ کشی'' شروع ہوئی۔ ہر امیدوار کا قبیلہ اپنے آدمی کی تائید پر تلا ہوا تھا اور کوئی قبیلہ غیر قبیلہ کی خلافت واطاعت پر راضی نہ تھا۔ آخر بہت سی کش مکش کے بعد عبدالمؤمن پر سب کا اتفاق ہوگیا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ان کا مہدی اس کو اپنے مرض موت میں نماز کا امام مقرر کر گیا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عبدالمؤمن غریب الدیار تھا۔ قبائل کی باہمی آویزش سے یہی بہتر سمجھا گیا کہ ایک ایسے شخص کو خلیفہ بنا دیا جائے جس کا تعلق کسی قبیلہ سے نہ ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عبدالمؤمن نے اپنے خلیفہ بنائے جانے کے متعلق حیلہ سازی سے بھی کام لیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اس نے ایک طوطا اور شیر پال رکھا تھا۔ طوطے کو اس نے یہ سبق پڑھا رکھا تھا کہ جونہی ایک لکڑی اس کے سامنے کھڑی کی جائے وہ یوں کہنے لگے۔ ''النصر والتمکین لعبد المؤمن امیر المؤمنین'' (نصرت وتمکین امیر المؤمنین عبدالمؤمن کے ساتھ ہے) اور شیر کو یہ سکھا رکھا تھا کہ جونہی عبدالمؤمن کو دیکھے دم ہلانے اور اس کے پیر چاٹنے لگے۔ جب ابن تومرت کے سپرد خاک کیے جانے کے بعد اس کے تمام پیرو ایک مقام پر جمع ہوئے تو عبدالمؤمن نے ایک خطبہ دیا۔ جس میں موحدین کو اختلاف وانزاع کے خوفناک عواقب ونتائج سے متنبہ کرتے ہوئے محبت وآشتی کی تلقین کی۔ جب عبدالمؤمن خطبہ دے رہا تھا تو اس کے ایماء کے بموجب اس کا سائیس وہاں طوطا اور شیر لے آیا۔ سائیس نے لکڑی اٹھائی تو طوطا عبدالمؤمن کی نصرت وتمکین کی رٹ لگانے لگا اور شیر دم ہلاتا ہوا عبدالمؤمن کی طرف بڑھا اور اس کے پیر چاٹنے شروع کر دیئے۔ یہ دیکھ کر حاضرین

کو سخت حیرت ہوئی اور عبدالمؤمن کی یہ کرامت دیکھ کر سب لوگ اس کی خلافت پر متفق ہو گئے۔

حصہ دوم ...... بقیہ تذکرہ محمد بن عبداللہ بن تومرت حسنی

عبدالمؤمن کے فتوحات اس کی بادشاہی اور سلطنت موحدین

ابن تومرت کی موت کے بعد عبدالمؤمن مدت تک تجہیز لشکر میں مصروف رہا۔ جب تیاریاں مکمل ہوچکیں تو ۵۲۴ھ میں دوبارہ مراکش پر حملہ آور ہوا۔ اس لڑائی میں موحدین کا پلہ بھاری رہا۔ اس وقت سے عبدالمؤمن کے فتوحات کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ ۵۳۷ھ میں اس نے سپاہ مرابطین کو منہزم کر کے سلطان یوسف بن علی کی زندگی کا چراغ گل کر دیا اور دو سال کے بعد اور ان تلمسان فیض، سیوٹ غمات اور سالی پر قابض ہو گیا۔ ۵۴۱ھ میں مراکش کا دوبارہ محاصرہ کر کے خاندان مرابطین کی شاہی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ اس خاندان کا آخری تاجدار اسحاق بن علی بن یوسف موحدین کے ہاتھ سے دار البقا میں جا پہنچا۔ ۵۴۰ھ میں عبدالمؤمن نے ایک لشکر ہسپانیہ (اسپین) بھیجا اور پانچ سال کی مسلسل جنگ آزمائی کے بعد سارا اسپین اس کے علم اقبال میں آ گیا۔ مراکش اور ہسپانیہ پر قابض و متصرف ہو کر اس نے اپنی عنان توجہ مشرقی مہمات کی طرف پھیر دی۔ ۵۴۷ھ میں الجزائر کا حماد یہ خاندان بھی عبدالمؤمن کے ہاتھوں تخت و تاج سے محروم ہوا۔ ۵۵۲ھ میں اس نے زیدی خاندان کے جانشین نارمنوں کو ٹیونس (تونس) سے نکال دیا۔ اس کے بعد طرابلس الغرب کو مسخر کیا۔ اس فتح کے بعد سرحد مصر سے لے کر بحر اکاہل کے تمام ساحلی ممالک اور ہسپانیہ پر اس کا پھریرا اڑانے لگا۔ غرض اب عبدالمؤمن سے بڑا کوئی بادشاہ افریقہ میں موجود نہ تھا۔ حضرات! نیرنگ ساز قدرت کی اعجوبہ نمائیاں دیکھئے کہ یہ عبدالمؤمن اسی غریب کمہار کا لڑکا ہے۔ جو مٹی کے برتن بنا کر اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ پالا کرتا تھا۔

عبدالمؤمن نے ۵۴۷ھ میں ابن رشد اندلسی کو قاضی القضاۃ کا عہدہ تفویض کیا۔ اندلس سے مراکش تک کے تمام علاقے اس کے حدود قضا میں داخل تھے۔ عبدالمؤمن نے ابن تومرت کی موت کے بعد اس کی مہدویت کے سارے افسانے طاق نسیان پر رکھ دیئے اور اپنی سلطنت کو منہاج نبوت پر قائم کر کے خالص اسلامی سلطنت بنا دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابن تومرت کی مہدویت کا دل سے کبھی قائل نہ تھا۔ عبدالمؤمن کے عہد سلطنت میں اور اس کے بعد بھی موحدین کا دربار ہمیشہ فقہا و محدثین کے ہاتھ میں رہا اور تمام ممالک محروسہ پر اسی مقدس گروہ کے خیالات محیط تھے۔

مصحف عثمانی مراکش میں

عبدالمؤمن نے ۵۲۸ھ ہی سے امیر المؤمنین کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ یہ لقب صدر اسلام میں صرف مشرق کے خلفائے بنو امیہ اور بنو عباس کے حق میں استعمال کیا جاتا تھا۔ سب سے پہلے عبید اللہ مہدی نے اس لقب میں مزاحمت کی اور خلفائے بنو امیہ و بنو عباس کی طرح امیر المؤمنین کہلانے لگا۔ عبید اللہ کے بعد عبدالمؤمن نے یہ لقب اختیار کیا۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے اپنے عہد خلافت میں قرآن عزیز کی چار نقلیں کرا کر مکہ معظمہ، بصرہ، کوفہ اور شام میں بھجوا دی تھیں۔ ان میں سے شامی نسخہ قرطبہ اسپین چلا گیا تھا۔ جب عبدالمؤمن نے اسپین پر عمل و دخل کیا تو ۱۱ رشوال ۵۵۲ھ کو یہ نسخہ مراکش لے آیا۔ چونکہ ایک مرتبہ عبدالمؤمن کی جان لینے کی کوشش کی گئی اور قلمرو میں کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جو اس کی حمایت کا دم بھرتا۔ اس لئے اس نے اسی دن ارادہ کر لیا کہ اپنے تمام قرابت داروں کو اپنے دار السلطنت میں بلا لے۔ چنانچہ ۵۵۷ھ میں نہ صرف اس کے دور نزدیک کے تمام رشتہ دار بلکہ ہزارہا اہل وطن بھی تینمل چلے آئے۔ عبدالمؤمن کو ان کی وجہ سے بڑی تقویت ہوئی۔ لیکن اس سے اگلے سال بتیس سال بادشاہی کر کے آغوش لحد میں جا سویا اور تینمل میں ابن تومرت کی قبر کے پاس دفن کیا گیا۔ اس بادشاہ کے اقبال و تجمل کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سیکڑوں شہر فتح کئے۔ بیسیوں لڑائیاں لڑیں۔ بڑی بڑی فوجوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ بجز پہلی شکست کے جو ابن تومرت کی زندگی میں کھائی تھی۔ کبھی ہزیمت کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ عبدالمؤمن کی اولاد میں بارہ بادشاہ قریباً ایک سو گیارہ سال تک سریر سلطنت پر متمکن رہے۔ جن میں سب سے پہلا حکمران عبدالمؤمن کا بیٹا یوسف تھا۔ جس نے قریباً بائیس سال تک سلطنت کر کے ۵۸۰ھ میں انتقال کیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا منصور اورنگ زیب شہنشاہ ہوا۔ منصور بھی اپنے دادا کی طرح نہایت عالی حوصلہ اور اولوالعزم بادشاہ تھا۔ موحدین کی سلطنت اس کے عہد حکومت میں منتہائے عروج کو پہنچ گئی تھی۔ یہ بادشاہ سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس کا ہم عصر تھا۔ اس کی طبیعت میں عجب و خود پسندی کا مادہ اس درجہ سرایت کر گیا تھا کہ بعض اوقات اس کے عزم اور عقل و فہم پر بھی غالب آ جاتا تھا۔ چنانچہ جن ایام میں شاہان یورپ نے متفق ہو کر بیت المقدس کو اسلام کے اثر سے آزاد کرانا چاہا اور یورپ کے تمام ملکوں سے فوجوں کا سیلاب عظیم بیت المقدس کی طرف امنڈ آیا تو سلطان صلاح الدین نے اسلام کی اخوت عمومی کا لحاظ کرتے ہوئے منصور کو بھی شرکت جہاد کی دعوت دی اور لکھ بھیجا کہ سارا یورپ اسلام کی مخالفت میں اٹھ کھڑا

ہوا ہے۔ اس لئے ضرورت کہ تم اپنا لاؤ لشکر لے کر اسلام کی حمایت میں بیت المقدس کی طرف بڑھو۔ گو منصور ہر طرح سے امداد کے قائل تھا اور مدد دینا بھی چاہتا تھا لیکن اتنی سی بات پر برہم ہو کر خدمت اسلام اور تائید ملت سے محروم رہا کہ سلطان صلاح الدین نے اپنے خط میں اس کو امیر المومنین کے لقب سے مخاطب نہیں کیا تھا۔

باب ۴۰ ...... ابن ابی زکریا طمامی

ابن ابی زکریا طمامی ایک فاسق فاجر نوجوان تھا۔ جس نے ربوبیت کا دعویٰ کیا۔ بیرونی نے اس کے کچھ حالات لکھے ہیں۔ مگر نہ زمانہ بتایا ہے اور نہ مقام خروج ہی پر کچھ روشنی ڈالی ہے۔ ابن ابی زکریا کو دعوائے خدائی کے بعد بہت بڑی کامیابی ہوئی۔ بہت لوگ اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر اس کو معبود برحق یقین کرنے لگے۔ اس نے جو آئین جاری کیا اس میں حکم تھا کہ تمام مرنے والوں کے شکم چاک کر کے اندر خوب صاف کریں اور اس میں شراب بھر کر سی دیں۔ اس کے مذہبی قوانین کا بانکپن ملاحظہ ہو کہ اس نے آگ بجھانے کی ممانعت کر دی تھی۔ حکم تھا کہ جو کوئی آگ کو ہاتھ سے بجھائے اس کا ہاتھ قطع کیا جائے اور جو پھونک مار کر بجھائے اس کی زبان کاٹی جائے۔ اس کے مذہب میں اغلام یعنی لواطت جائز تھی۔ مگر حکم تھا کہ کوئی شخص اس فعل میں مبالغہ و شدت سے کام نہ لے۔ جو شخص اس فعل میں غیر محتاط ثابت ہوتا اسے زمین پر لٹا کر منہ کے بل بیس گز تک گھسیٹا جاتا تھا اور اس کے آئین مذہب میں لواطت نہ صرف جائز تھی بلکہ واجبات میں داخل تھی اور اس کا تارک قتل کا مستوجب تھا۔ چنانچہ اگر کسی شخص کی نسبت ثابت ہو جاتا کہ وہ اغلام سے پہلو تہی کرتا ہے تو اسے قصاب سے ذبح کرا دیا جاتا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ شخص دنیا کو بے حیائی اور فحش کاری کا گہوارہ بنانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے پیروؤں کو آگ کی پرستش اور تعظیم کی بھی تاکید کر رکھی تھی۔ اس شخص کی شیطنت کا ایک نہایت دل آزار پہلو یہ تھا کہ انبیاء سلف اور ان کے اصحاب پر (معاذ اللہ) لعنت کرتا اور کہتا تھا کہ وہ سب گم کردگان راہ اور (عیاذ اًباللہ) پرفن دعیار تھے۔ بیرونی لکھتے ہیں کہ اس قسم کے اس کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔ جن کی شرح کتاب اخبار المبیضہ والقرامطہ میں کر چکا ہوں۔ ان بداعمالیوں کو شروع ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ خدائے شدید العقاب نے اس پر ایک ایسے شخص کو مسلط کیا جس نے اس پر قابو پاتے ہی بکری کی طرح ذبح کر دیا اور اس طرح اس کی سیہ کاریوں کا شجر خبیث کشت زار عالم سے بالکل مستاصل ہو گیا۔ اس کے بعد اس کے

پیرو بھی خاک ہلاک پر ڈال کر کیفر کردار کو پہنچا دیئے گئے۔

باب ۴۱ ...... حسین بن حمدان خصیبی

حسین بن حمدان ایک خانہ ساز نبی تھا جو خصیب نام عراق کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ کتاب الدعاۃ میں اس شخص کا زمانہ متعین کرنے میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ پہلے تو یہ لکھا ہے کہ دولت عباسیہ کے اواخر میں ظاہر ہوا۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا ظہور ساتویں صدی کے اوائل یا وسط میں ہوا۔ کیونکہ بغداد کا آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ تاتاری غارتگروں کے ہاتھوں ۶۵۶ھ میں وحشت سرائے عالم سے رخصت ہوا تھا۔ آگے چل کر بتایا ہے کہ امیر سیف الدولہ ابن حمدان نے اس کو قید کیا۔ حالانکہ احمد بن حسین متنبی شاعر کے ممدوح امیر سیف الدولہ بن حمدان نے حسب بیان ابن خلکان ۳۴۸ھ میں انتقال کیا تھا۔ غرض دونوں مدتوں میں قریباً تین سو سال کا بعد ہے۔ صاحب کتاب الدعاۃ نے حسین بن حمدان کو فرقہ نصیریہ کا موسس بتایا ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ صواعق محرقہ کے بیان کے بموجب فرقہ نصیریہ کا بانی ایک شخص محمد بن نصیر فہری تھا۔ بہرحال خصیبی کے مختصر حالات یہ ہیں کہ یہ شخص ایک غالی شیعہ تھا۔ اس نے مدعی نبوت ہونے کے بعد بغداد اور بصرہ سے اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ حکام نے اس پر سختی شروع کی۔ اس لئے بھاگ کر پہلے سوریہ اور پھر دمشق چلا گیا۔ موخر ذکر مقام پر بھی اپنی من گھڑت نبوت کی ڈفلی بجانی شروع کی۔ حکام نے اس کو پکڑ کر قید خانہ میں ڈال دیا۔ مدت تک قید و بند کی صعوبتیں اٹھاتا رہا۔ اس دوران میں اس نے داروغۂ جیل پر ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ آخر اسے اپنے ڈھب پر لانے میں کامیاب ہوگیا۔ یہاں تک کہ داروغہ اس کی نبوت پر ایمان لا کر ہر وقت اس کا کلمہ پڑھنے لگا۔ پھر یہاں تک گرویدہ ہوا کہ نوکری تک چھوڑ دی اور یہ دونوں بھاگ کر حلب چلے گئے۔ ان دنوں حلب امیر سیف الدولہ بن حمدان کے زیر حکومت تھا۔ یہاں بھی اس نے اپنی دعوت کی طرح ڈالی۔ لیکن سیف الدولہ نے اسے زیادہ دن تک اغوا کوشیوں کی مہلت نہ دی۔ چند ہی روز کے بعد گرفتار کر کے جن میں ڈال دیا حالت قید میں ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ سیف الدولہ کو معلوم ہوا کہ یہ ایک غیر معمولی قابلیت کا انسان ہے۔ قید سے نکال کر اپنے مداحوں اور حاشیہ نشینوں میں داخل کر لیا۔ اس کے بعد خصیبی نے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام ہدایہ رکھا اور اس کو سیف الدولہ کے نامی ہز معنون کیا۔ کتاب الدعاۃ میں اس کے جو حالات درج ہیں ان سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ سیف الدولہ بھی انجام کار اس کے متنبیانہ ہتھیاروں کا گھائل ہوگیا تھا۔ یا کم از کم اس کی اغوا کوشیوں میں

مداہنت کرتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف شہر و مضافات حلب میں اس کا مذہب جڑ پکڑ گیا۔ بلکہ کوہ حماہ اور لاذقیہ میں بھی اس کو بڑی مقبولیت نصیب ہوئی۔ یہاں تک کہ اس کے مرنے سے پہلے اس کے پیرووں کی تعداد تین لاکھ سے بھی متجاوز ہوگئی۔ اس کی موت کے بعد اس کے پیرو بڑھتے بڑھتے پانچ لاکھ تک پہنچ گئے۔ کتاب الدعاۃ میں لکھا ہے کہ اس کے پیرو آج بھی دمشق، حماہ، حلب، عراق، سوریہ اور کیلیکیہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے پیشرووں کی طرح اس کی تعلیمات بھی الحاد و زندقہ سے ہمکنار ہیں۔ اس نے حج کی فرضیت اڑادی اور بتایا کہ اولاد علیؓ کے سوا کسی کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ میرے پیرو میری تعلیمات کا علی الاعلان اظہار نہ کریں۔ بلکہ نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ اس کی تبلیغ کریں اور بوالعجبی دیکھو کہ اس نے عورتوں کو اوامردین سے مطلع کرنا حرام کر دیا تھا۔

باب ۴۲ ...... ابوالقاسم احمد بن قسی

ابوالقاسم احمد بن قسی شروع شروع میں جمہور مسلمین کے مذہب و مسلک پر کاربند تھا۔ لیکن پھر مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح تاویل بازی کی خاک اڑانی شروع کردی اور عام زندیقوں کی طرح نصوص پر اپنی نفسانی خواہشات کا روغن قاز ملنے لگا۔ آخر بڑھتے بڑھتے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ بہت لوگوں نے اس کی متابعت کی۔ جب علی بن یوسف بین تاشفین شاہ مراکش کو اس کا علم ہوا تو اس نے اسے بلا بھیجا۔ وہاں جا کر صاف لفظوں میں اپنی نبوت کا اقرار نہ کیا۔ بلکہ سخن سازی سے کام لے کر بادشاہ کو مطمئن کر کے چلا آیا۔ اس کے بعد اس نے شلبہ کے پاس ایک گاؤں میں مسجد تعمیر کرائی اور اپنے اباطیل کو شہرت دینے لگا۔ جب جمعیت زیادہ ہوئی تو مقامات شلب الیلہ اور مزیلہ پر قبضہ کرلیا۔ لیکن تھوڑے دن کے بعد خود اس کا ایک فوجی سردار محمد بن وزیر نام اس کا مخالف ہوگیا اور فوج لے کر اس نے فرنگیوں سے مدد مانگی۔ اس لئے تمام پیرو اس سے برگشتہ ہوگئے اور اس کے قتل و استہلاک پر اتفاق کرلیا۔ ان ایام میں مراکش کی حکومت علی بن یوسف کے ہاتھ سے نکل کر عبدالمؤمن کے عنان اختیار میں چلی گئی تھی۔ یہ شخص بھاگ کر عبدالمؤمن کے پاس پہنچا۔ عبدالمؤمن نے کہا میں نے سنا ہے کہ تم نبوت کے مدعی ہو؟ کہنے لگا کہ جس طرح صبح صادق بھی ہوتی ہے اور کاذب بھی اسی طرح نبوت بھی دو طرح کی ہے صادق و کاذب، میں نبی ہوں۔ لیکن نبی کاذب ہوں۔ ذہبی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمؤمن نے اس کو قید کر دیا۔ اس کے سوا اس کا کچھ حال معلوم نہیں ہوسکا۔ ابن قسی ۵۵۰ھ اور ۵۶۰ھ کے درمیان کسی سال مرا

ہے۔ شیخ ابوالحسن سقہ کا بیان ہے کہ میرے دل میں شیخ ابوالقاسم احمد بن قسی کے خلاف غبار کدورت تھا۔ اس کے مرنے کے بعد ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے ابن قسی کو زدوکوب کرنے کے لئے ہاتھ اٹھایا ہے۔ یہ دیکھ کر ابن قسی نے کہا مجھے چھوڑ دے۔ کیونکہ خدا نے مجھے دو وجہوں سے بخش دیا ہے۔ میں نے پوچھا وہ وجوہ کیا ہیں؟ کہنے لگا ایک تو میں ظلماً قتل ہوا دوسرے کتاب خلع النعلین تصنیف کی۔ اگر یہ بیان صحیح ہے اور خواب بھی سچا تھا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن قسی تائب ہو کر مرا تھا۔

باب ۴۳ ...... علی بن حسن شمیم

ابوالحسن علی بن حسن بن عنبر معروف بہ شمیم مشہور شاعر، ادیب اور نحوی الوہیت کا مدعی تھا۔ اس کا مولد ومشا معلوم نہیں۔ بغداد آ کر ابو محمد بن خشاب وغیرہ ادیبوں سے علم ادب کی تحصیل کی۔ اس کو اشعار عرب بکثرت یاد تھے۔ خود بھی شعر خوب کہتا تھا۔ حسب بیان ذہبی ایک ادیب کا بیان ہے کہ میں ۵۹۴ھ میں آمد کے مقام پر پہنچا اور دیکھا کہ وہاں کے لوگ اس کے بڑے گرویدہ ہیں۔ میں اس کے پاس پہنچا اور دیکھا کہ بڑا ضعیف العمر ہے اور جسم بالکل نحیف ہو چکا ہے۔ اس کے سامنے کتابوں کا ایک جزدان رکھا تھا۔ جس میں سب اسی کی تصنیفات تھیں۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا اور کہا کہ میں اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کے علوم میں سے کچھ اقتباس کروں۔ کہنے لگا۔ تمہیں کون سا علم مرغوب ہے؟ میں نے کہا ادب۔ بولا ادب میں میری تصانیف بکثرت ہیں اور حالت یہ ہے کہ پہلے لوگوں نے تو اپنی کتابوں میں دوسروں کے اقوال بھر لئے۔ لیکن میری کتابوں میں جو کچھ درج ہے وہ میرے ہی نتائج فکر ہیں۔ اس کے بعد متقدمین پر طعن تشنیع کرتے ہوئے خودستائی کرنے لگا۔ پہلے لوگوں کے شعر پڑھ پڑھ کر کہتا کہ فلاں گدھے نے یوں بکا اور فلاں کتا اس طرح بھونکا۔ غرض دوسروں کی تفضیح اور اپنی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ میں نے کہا اچھا کچھ اپنا کلام بھی سنایئے۔ اس نے اپنے اشعار پڑھے۔ میں نے خوب داد دی اور تحسین میں بہت مبالغہ کیا۔ چین بجبیں ہو کر کہنے لگا کہ بجز استحسان کے تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے کہا اچھا کیا کروں؟ کہنے لگا یوں کرو اور اٹھ کر رقص کرنے لگا۔ آخر تالیاں بجاتے اور ناچتے ناچتے تھک گیا۔ پھر بیٹھ کر کہنے لگا کہ کائنات میں صرف دو خالقوں کا وجود ہے اور بس۔ ایک خالق آسمان میں ہے اور ایک زمین پر۔ آسمان پر تو اللہ ہے اور زمین پر میں۔ پھر بولا کہ عوام میری خالقیت کو ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن حقیقت یہ

ہے کہ کلام کے سوا میں کسی چیز کی تخلیق پر قادر نہیں ہوں۔ ابن النجار کہتے ہیں کہ شمیم بڑا ادیب شاعر اور علوم عربیہ کا ماہر تھا۔ لیکن ساتھ ہی پرلے درجے کا احمق اور بے دین تھا اور لطف یہ کہ مجسمۂ حمق ہونے کے باوجود ہر شخص کا مذاق اڑاتا تھا اور اس کا یہ اعتقاد تھا کہ دنیا میں نہ کبھی میری مثل کوئی پیدا ہوا اور نہ ابدالآباد تک پیدا ہوگا۔

باب ۴۴ ...... محمود واحد گیلانی

جو معاندین اسلام و دشمنان دین خاک ایران سے اٹھے۔ ان میں محمود واحد گیلانی ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ یہ شخص موضع مسجوان علاقہ گیلان کا رہنے والا تھا۔ اس نے دعویٰ مہدویت کے ساتھ ۶۰۰ھ میں ظہور کیا۔

ایرانی شجر عناد کا ایک نفرت انگیز ثمر

محمود اپنی ذات کو شخص واحد اور تمام انبیائے کرام یہاں تک کہ مفخر موجودات حضرت سید الاولین والآخرین ﷺ سے بھی افضل بتاتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ جناب محمد ﷺ کا دین منسوخ ہوگیا۔ اب یہ محمودی دور ہے۔ ارض وسما میں محمود ہی کا دین چلتا ہے۔ کہتا تھا کہ عربوں کے لئے جناب محمد ﷺ کی ذات گرامی باعث صد فخر و مباہات تھی اور اس فضیلت کی وجہ سے اہل عرب کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ لیکن میری بعثت پر عرب کا وہ فخر ایک قصۂ پارینہ ہوگیا۔ چنانچہ بڑے ناز وتبختر سے کہا کرتا تھا۔

رسید نوبت رندان عاقبت محمود
گزشت آں کہ عرب طعنہ برعجم مے زد

لیکن یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ محمود گیلانی جیسے ہزاروں بوالہوس آسمان شہرت پر نمودار ہوئے اور شہاب ثاقب کی طرح چمک کر آناً فاناً غائب ہوگئے اور بعض ہرزہ درایان کوئے نادانی کسی قدر اوج وعروج سے بھی ہمکنار ہوئے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو کوئے محمد ﷺ کے کتوں کی بھی برابری کر سکتا۔ گو محمود خود ستائیوں اور ژاژ خائیوں میں مرزا غلام احمد قادیانی سے بھی گوئے سبقت لے گیا تھا۔ لیکن اس کی شہرت اور بقائے دوام کا یہ عالم ہے کہ کوئی شخص اس کے نام تک سے آشنا نہیں۔ لیکن اسی محمود کے ایک ہم وطن حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر گیلانیؒ کو حضور سید کائنات ﷺ کے در کی غلامی اور آپ کی کفش برداری کے طفیل وہ مقبولیت عام اور شہرت دوام نصیب ہوئی کہ آٹھ نو صدیاں گذر جانے کے باوجود عرب وعجم میں ان

کی عظمت کا ڈنکہ بج رہا ہے اور ان کے مقابلہ میں کسی شخص کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ محمود گیلانی کس کھیت کی مولی تھا؟ کب پیدا ہوا اور کب مرا؟ محمود کا وجود اور اس کا مذہب دراصل اس قدیم مخالفت وعداوت کا ایک مظہر تھا جو ایرانیوں کو عربوں کے ساتھ تھا۔ علی العموم چلی آتی ہے۔ محمود نے علانیہ کوشش کی کہ عرب کی فوقیت پر خط تنسیخ کھینچ کر ایران کو دنیا کا مذہبی مرجع بنا دے۔ اس تحریک کی بنیاد مذہب شیعہ نے جس کا گہوارہ سرزمین ایران ہے۔ پہلے ہی ڈالنی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ نجف وکربلا کو حرمین شریفین پر اور آب فرات کو آب زم زم پر فضیلت دے دی گئی۔ جیسا کہ مستند شیعی مجتہدوں کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے۔

محمود کے دوسرے خرافات

اب دوسری محمودی خرافات ملاحظہ ہوں۔ کہتا تھا کہ جب جسد محمد ﷺ کمال کو پہنچ گیا تو میں پیدا ہوا۔ چنانچہ قرآن کی آیت "عسیٰ ان یبعثك ربك مقاماً محمودا" (اے محمد! آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔) میں میری ہی بعثت کا ذکر ہے۔ لیکن سنا جاتا ہے کہ میاں محمود احمد قادیانی خلیفۂ قادیان بھی آج کل اپنے تئیں اس آیۃ کا مصداق ٹھہرا رہے ہیں۔ لیکن انہی دو پر کیا موقوف ہے۔ معلوم نہیں ابھی قیامت تک کتنے اور زندیق اپنے آپ کو اس آیۃ کا مصداق ٹھہراتے رہیں گے۔ محمود گیلانی اپنے دعویٰ کی تشریح یہ کرتا تھا کہ عناصر میں قوت پیدا ہوتی ہے تو اسے معدنی صورت حاصل ہوتی ہے۔ پھر اس کی استعداد مزید ترقی کرتی ہے تو اس پر صورت نباتی فائض ہوتی ہے۔ پھر قوت کو اور ترقی ونمو حاصل ہوتا ہے تو اسے صورت حیوانی ملتی ہے۔ پھر ان عناصر کی قوت اس سے بھی اور آگے ترقی کرتی ہے تو اسے انسانی صورت بخشی جاتی ہے۔ پھر ان عناصر نے جن کو صورت انسانی حاصل ہو چکی تھی ایسی ترقی کی کہ اس سے انسان کامل ظہور میں آیا۔ اسی طرح جسد انسانی کے اجزاء حضرات ابوالبشر آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ترقی میں تھے۔ یہاں تک کہ ان کو درجہ محمدی عطاء ہوا۔ اس کے بعد جب یہ اجزاء صاف وشفاف ہو کر انتہائی کمال کو پہنچ گئے تو محمود کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ اسی دعویٰ کی بناء پر کہتا تھا۔

از محمدؐ گریز در محمود
کاندراں کاست واندریں افزود

محمود کا بیان تھا کہ سرور عالم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا "انا وعلی من نور واحد" (میں اور علیؓ ایک ہی نور سے پیدا ہوئے ہیں) اور یہ بھی علیؓ سے فرمایا تھا "لحمك

لحمی وجسمك جسمی "(اے علیؓ! تمہارا اور میرا گوشت اور تمہارا اور میرا جسم ایک ہی ہیں)
یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کے اجزائے اجساد کی صفوت و قوت مل گئی تو اس سے محمد ﷺ اور علی کرم اللہ وجہہ کا جسم تیار ہوا۔ پھر ان دونوں بزرگوں کے اجزائے جسم جمع ہوئے تو ان سے جسم محمود بنا۔ محمود خاک کو نقطہ کہتا تھا۔ اس کے نزدیک تمام عناصر خاک سے پیدا ہوئے اور نقطۂ خاک ہی واجب اور مبداء اوّل ہے۔ اس کا یہ بھی قول تھا کہ سورج آگ ہے اور چاند پانی اور آسمان ہوا ہے۔

محمود ہنود کی طرح تناسخ کا قائل تھا اور اس کا اعتقاد تھا کہ آدم اور عالم کے دورے چونسٹھ چونسٹھ ہزار سال میں تمام ہوتے رہیں گے اور کہتا تھا کہ جب ذی روح مر کر مٹی میں مل جاتا ہے تو اس کے بدن کے اجزاء نباتات یا جمادات کی صورت میں ظہور کرتے ہیں اور وہ نباتات انسانی یا جانور کی غذا بن کر پھر وہی حیوان یا انسان پیدا ہوتا ہے اور جب کوئی جسم انسانی سے حیوانی میں اور حیوانی سے نباتی میں اور نباتی سے جمادی میں یا اس کے برعکس تناسخ کرتا ہے تو اس کے اگلے جنم کی باتیں دوسرے جنم میں پہچان لی جاتی ہیں اور اس شناخت کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کے پچھلے جسم میں اس کے جو عادات ہوتے ہیں۔ ان سے اگلے جنم کی عادات معلوم ہو جاتے ہیں۔ واحدیہ کی اصطلاح میں ایسی شناخت رکھنے والے آدمی کو محصی کہتے ہیں اور اسی بناء پر انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی مجلس میں آئے اور موالید ثلثہ میں سے جس چیز کا نام اس شخص کے منہ سے نکلے تو سمجھ لینا چاہئے کہ پہلے جنم میں وہ ہی چیز تھا۔ کہتا تھا کہ پیدائش اوّل میں امام حسینؓ، حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے اور یزید فرعون تھا۔ اس جنم میں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو رود نیل میں غرق کر دیا۔ اس پیدائش میں حضرت موسیٰ علیہ السلام امام حسینؓ ہو گئے اور فرعون یزید بنا اور یزید نے امام حسینؓ کو فرات کا پانی نہ دیا اور انہیں شہید کر دیا اور کہتا تھا کہ کتا پہلی پیدائش میں قزلباش تھا اور اس کی ٹیڑھی دم تلوار ہے۔ اس کے نزدیک لذّت کا کمال کو پہنچ جانا یہ ہے کہ اس سے کوئی نبی یا ولی شہید کیا جائے اور کہتا تھا کہ تمام فریب پیشہ حاجی جو عبائی کربلائی (ایک قسم کا دھاری دار کپڑا) پہنے پھرتے ہیں اور مکر و تزویر ان کا خاصہ ہے۔ جب مریں گے تو آئندہ جنم میں اگر جسم انسانی میں منتقل ہوں گے تو گلہری بنائے جائیں گے اور اگر جسم نباتی میں انتقال کیا تو دھاری دار تربوز بنیں گے اور اگر پتھر کے جسم میں منتقل ہوئے تو سنگ سلیمانی بنائے جائیں گے۔ کہتا تھا کہ کرم شب تاب یعنی جگنو مشعلچی ہے جو بتدریج نزول کر کے اس جسم میں آیا ہے۔ اس کا

دعویٰ تھا کہ حیوانات نباتات اور جمادات میں سے جن کا رنگ کالا ہے۔ وہ پہلے سیاہ فام تھے اور جواب سفید ہیں۔ وہ عجیب رو آدمی تھے۔ محمود نے تمام آیات قرآنی کی تاویل و تحریف کر کے اپنے مذہب پر استدلال کیا اور مرزائیوں کی طرح نصوص کی ایسی رکیک اور لچر تاویلیں کیں کہ جن سے سلف اور خلف کے کان ہرگز آشنا نہ تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کی ملحدانہ جسارت ہر دروغ باف مدعی کا خاصہ شاملہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اہل ضلالت کے مذہب کی بنیاد ہی ان بعید تاویلوں پر قائم ہے۔ کیونکہ اگر وہ قرآن و حدیث کے مطلب و مفہوم کے بگاڑنے سے احتراز کریں تو ان کی دکانداری ایک دن بھی نہیں چل سکتی۔

واحدی لوگ گو خال خال دنیا کے بہت سے حصوں میں پائے جاتے ہیں۔ مگر ایران میں زیادہ ہیں۔ یہ لوگ اپنے تئیں مخفی رکھتے ہیں۔ ان کا قبلہ آفتاب ہے۔ اس لئے وہ آفتاب کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ ان میں ایک دعا رائج ہے جسے آفتاب رو ہو کر پڑھتے ہیں۔ انکا سلام اللہ اللہ ہے۔ اس فرقہ کے ممتاز آدمی امین کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ درویش صفا، درویش بقائے واحد، درویش اسمٰعیل، میرزا تقی، شیخ لطف اللہ، شیخ شہاب، تراب اور کمال اس فرقہ کے مشہور امین تھے۔ بلکہ جتنے علماء و صلحائے امت محمود کے عہد میں تھے یا جو اس کے بعد ہوئے ان سب کو بھی واحدی لوگ افتراء محمود ہی کے پیرو بتاتے ہیں۔ ایک واحدی کا قول ہے کہ خواجہ حافظ شیرازیؒ کا بھی (معاذ اللہ) یہی مذہب تھا۔ چونکہ محمود زیادہ تر ساحل رود ارس پر رہتا تھا۔ خواجہ حافظ نے اپنے اس شعر میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے ۔

اے صبا گر بگذری بر ساحل رود ارس
بوسہ زن بر خاک آں وادی و مشکیں کن نفس

شاہ عباس صفوی کے ہاتھوں فتنہ واحدیہ کا قلع قمع

جب واحدیوں کی شر انگیزیاں زیادہ وسعت پذیر ہوئیں تو شاہ عباس بن شاہ خدابندہ صفوی نے دار و گیر کا سلسلہ شروع کیا اور ان میں سے ہزاروں کو دار البوار پہنچا دیا۔ واحدی کہتے ہیں کہ باوجود اس اخذ و بطش کے شاہ عباس نے بھی تراب اور کمال سے یہ مذہب حاصل کر لیا تھا۔ مگر پھر دنیاداری اور شہرت کی غرض سے ان دونوں کو مروا ڈالا۔ شاہ عباس اپنے آپ کو پہچان گیا۔ لیکن کامل نہیں تھا۔ کیونکہ اس نے دنیا کی خاطر اور اپنے آپ کو آشکارا کرنے کی غرض سے واحدیوں کو قتل کرا دیا۔ لیکن اس کے برخلاف ایک واحدی امین کا مقولہ تھا کہ شاہ عباس امین کامل تھا۔ وہ جس

کسی کو دیکھتا کہ دین واحد میں پوری طرح رسائی نہیں حاصل کر سکتا۔ اسے ہلاک کرا دیتا۔ امین مذکور کا بیان ہے کہ شاہ عباس میری صحبت میں رہا۔ ایک مرتبہ کہنے لگا کہ میں آپ کو اصفہان لے چلوں گا۔ میں نے اصفہان جانا پسند نہ کیا تو مجھے سفر ہند کا زادراہ اور توشہ دے کر رخصت کر دیا۔ واحدی کہتے ہیں کہ جب شاہ عباس پیادہ مشہد آیا تو تراب سے کہنے لگا کہ مجھے پیدل چلنے کی وجہ سے بہت تکلیف پہنچ رہی ہے۔ تراب نے جواب دیا کہ یہ تمہاری دنارت طبع ہے۔ کیونکہ یہ امام جس کے لئے تم جادہ پیا ہو۔ اگر پیوستہ بحق ہے تو اسے اس کے مزار میں ناحق تلاش کرتے ہو اور اگر حق سے پیوستہ نہیں تو تم اس سے کیا توقع رکھ سکتے ہو؟ اس سے بہتر یہ ہے کہ تم زندہ امام کی خدمت میں پہنچو۔ شاہ عباس پوچھنے لگا زندہ امام کہاں ہے۔ کمال نے کہا زندہ امام میں ہوں۔ شاہ عباس بولا اچھا میں تجھے نشانہ بندوق بناتا ہوں۔ اگر گولی نے کوئی اثر نہ کیا تو میں تمہاری طرف رجوع کر لوں گا۔ تراب نے جواب دیا کہ تمہارے امام رضا ایک دانہ انگور سے جاں بحق ہو گئے تھے۔ میں بندوق کی گولی کھا کر کیونکر زندہ رہ سکتا ہوں؟ شاہ عباس نے تراب کو گولی کا نشانہ بنا کر نذر اجل کر دیا اور چونکہ کمال نے بھی تراب کی ہمنوائی اختیار کی تھی اس کو بھی اسی کے ساتھ ملحق کر دیا۔

(دبستان مذاہب ص ۳۰۰، ۳۰۲)

باب ۴۵ ...... عبدالحق بن سبعین مرسی

قطب الدین ابو محمد عبدالحق بن ابراہیم بن محمد بن نصر بن محمد بن سبعین مرسی نبوت کا مدعی تھا۔ اس کے پیرو سبعینیہ کہلاتے ہیں ملک مغرب کے ایک قصبہ مرسیہ میں ظاہر ہوا۔ اکابر صوفیہ کی طرح اس کا کلام بھی بڑا غامض ودقیق تھا۔ چنانچہ امام شمس الدین ذہبی ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ قاضی القضاۃ تقی الدین بن دقیق العید چاشت سے لے کر ظہر تک ابن سبعین کے پاس بیٹھے رہے۔ اس اثناء میں وہ مسلسل گفتگو کرتا رہا۔ علامہ تقی الدین اس کلام کے مفرد الفاظ تو سمجھتے تھے۔ لیکن مرکبات ان کے مبلغ فہم سے بالاتر تھے۔ عبدالحق ایک کلمہ کفر کے باعث ملک مغرب سے خارج کر دیا گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ امر نبوت میں بڑی وسعت اور گنجائش تھی۔ لیکن ابن آمنہ (حضرت خاتم الانبیاء ﷺ) نے ''لا نبی بعدی'' (میرے بعد کوئی نبی نہ بنایا جائے گا) کہہ کر اس میں بڑی تنگی کر دی۔ امام سخاویؒ لکھتے ہیں کہ یہ شخص اسی ایک کلمہ کی بناء پر ملت اسلام سے خارج ہو گیا تھا۔ حالانکہ رب العالمین کی ذات برتر کے متعلق اس کے جو خیالات تھے وہ کفر میں اس سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ یہ تو عقائد کا حال تھا۔ اعمال کے متعلق امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ: ـــــ

ایک صالح آدمی نے جو سبعینیوں کی مجلسوں میں رہ چکا تھا۔ بیان کیا کہ یہ لوگ نماز اور دوسرے مذہبی فرائض کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے۔ جب عبدالحق وطن سے نکلا تو اس وقت اس کی عمر تیس سال کی تھی۔ اس وقت طلبہ اور اس کے پیروؤں کی ایک جماعت بھی اس کے ہمراہ تھی۔ جن میں بڑھے بڑھے آدمی بھی داخل تھے۔ جب دس دن کی مسافت طے ہو چکی تو مرید اسے ایک حمام میں غسل کے لئے لے گئے۔ حمام کا خادم ان کے پیر ملتے وقت پوچھنے لگا کہ آپ لوگ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مرسیسہ کے۔ خادم نے کہا وہی مرسیسہ جہاں ابن سبعین نام ایک زندیق ظاہر ہوا ہے؟ ابن سبعین نے اپنے مریدوں کو اشارہ کر دیا کہ کوئی شخص اس سے ہم کلام نہ ہو۔ ابن سبعین نے کہا ہاں ہم اسی مرسیسہ کے رہنے والے ہیں۔ اب یہ خادم ابن سبعین کو گالیاں دینے اور اس پر لعنتیں برسانے لگا۔ ابن سبعین نہایت ضبط و تحمل کے ساتھ خادم سے باتیں کرتا جاتا تھا اور وہ اسے گالیاں دیئے جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر عبدالحق کے ایک مرید کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور عالم غیظ میں کہنے لگا۔ تیرا برا ہو تو اسی شخص کو گالیاں دے رہا ہے کہ جس کی تو خدمت میں مشغول ہے اور حق تعالیٰ نے تجھے ایک ادنیٰ غلام کی حیثیت سے اس کے پیروں کے نیچے ڈال رکھا ہے۔ یہ سن کر خادم شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا اور کہنے لگا۔ استغفر اللہ! ابن سبعین میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ محتاجوں کا مربی اور مسکینوں کا خدمت گذار تھا اور یتیموں اور بیواؤں کی کفالت میں اسے بڑی دلچسپی تھی۔ زندگی کے آخری دور میں ابن سبعین مکہ معظمہ چلا گیا۔ حاکم مکہ کو کوئی مرض تھا۔ ابن سبعین کے علاج معالجہ سے وہ تندرست ہو گیا۔ اس لئے وہ اس کی بہت کچھ عزت و توقیر کرنے لگا۔ شیخ صفی الدین ہندی کا بیان ہے کہ ۶۶۶ھ میں اس سے مکہ معظمہ میں میری ملاقات ہوئی۔ علم فلسفہ میں باہم گفتگو رہی۔ مجھے کہنے لگا کہ تمہیں مکہ جیسے مقدس مقام میں نہیں رہنا چاہئے۔ میں نے کہا پھر تم یہاں کیوں اقامت گزیں ہو؟ بولا کہ یہاں کا قیام میرے مقدر ہو چکا ہے۔ کیونکہ حاکم مجھے چاہتا ہے اور شرفائے مکہ سے میرے مراسم قائم ہیں اور حاکم یمن بھی میرا معتقد ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص سیمیا اور کیمیا جانتا تھا اور اس نے سونا بنا بنا کر اسی ہزار دینار اہل مکہ پر خرچ کئے تھے۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً (۱) کتاب الاحاطہ۔ (۲) لابد للعارف منہ۔ (۳) رسالۃ العہد۔ (۴) مجلدۃ فی الجوہر۔ ان کتابوں کے الفاظ فصیح اور معنی بلیغ تھے۔ ۶۶۸ھ میں اس نے فصد کھلوایا۔ لیکن خون کو بند نہ کیا۔ آخر اتنا خون نکل گیا کہ جانبر نہ ہو سکا۔

(فوات الوفیات لمحمد بن شاکر ج ۱ ص ۲۴۷، دائرۃ المعارف ج ۱ ص ۵۰۶)

باب ۴۶ ...... احمد بن عبداللہ ملثم

ابوالعباس احمد بن عبداللہ بن ہاشم معروف بہ ملثم رمضان ۶۵۸ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوا۔ جب بڑا ہوا تو ابتدائی تعلیم کے بعد شیخ تقی الدین بن دقیق العید کی خدمت میں فقہ شافعیؒ کی تحصیل اور سماع حدیث میں مشغول ہوا۔ بیس سال تک شیخ تقی الدین کے حلقۂ درس میں حدیث نبوی سنتا رہا۔ علاوہ ازیں انماطی سے صحیح مسلم اور شیخ تقی الدین بن دقیق العید سے متعدد بڑی بڑی کتابیں سنیں۔ ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد اس نے عبادت وریاضت کا طریقہ اختیار کیا۔ جو شخص ریاضت کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ ابلیس کی طرف سے اس کو اپنا آلۂ کار بنانے کی کوششیں شروع ہو جاتی ہیں۔ جنود ابلیس مختلف نوری شکلوں میں رونما ہوتا ہے اور طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر اور مدارج علیا کے مژدے سنا کر راہ حق سے پھیرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر کسی مسیحا نفس مرشد کا ظل عاطفت سر پر پرتو افگن ہو تو عابد شیطانی دام تزویر سے محفوظ رہتا ہے۔ ورنہ وہ ایسی بری طرح پٹخنی دیتے ہیں کہ عابد صراط مستقیم کی حبل متین کو ہاتھ سے چھوڑ کر ہلاکت کے اسفل السافلین میں جا پڑتا ہے۔ اگر عابد کسی ہادی طریقت کے برکت انفاس سے محروم ہو تو جنود ابلیس سے محفوظ رہنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ کتاب وسنت اور مسلک سلف صالح کی میزان حق کو مضبوطی سے تھامے رہے۔ ہر چیز کو اسی عینک سے دیکھے اور اپنے تمام انکشافات کو منجانب اللہ یقین کرنے سے پہلے اس کسوٹی پر کس کر دیکھ لیا کرے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ بہت سے عابد نوری شکلیں دیکھتے اور طرح طرح کی دل آویز صدائیں سنتے ہیں۔ تو تمام قوائے عقلیہ کھو بیٹھتے ہیں اور کتاب وسنت اور مسلک سلف صالح کے معیار حق کو طاق نسیان پر رکھ کر اپنی بدبختی سے شیاطین کے آگے کٹ پتلی کی طرح ناچنے لگتے ہیں۔ جب احمد پر شیاطین نے حسب معتاد پنجۂ اغوا مارا تو عامۂ عباد کی طرح اس کا مزاج بھی اعتدال سے منحرف ہو گیا۔ چنانچہ ۶۸۹ھ میں بڑے لمبے چوڑے دعوے کر دیئے۔ پہلے تو کہنے لگا کہ میں نے بارہا خداوند عالم کو خواب میں دیکھا ہے۔ یہ تو خیر کچھ بعید نہ تھا۔ کیونکہ اہل اللہ رب العالمین کو خواب میں بے کیف دیکھا کرتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد اس نے یہ رٹ لگانی شروع کی کہ مجھے حالت بیداری میں ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ میں آسمانوں کو عبور کر کے سدرۃ المنتہیٰ تک اور وہاں سے عرش اعظم تک پہنچا۔ اس وقت جبریل امین اور ملائکہ کا ایک جم غفیر میرے ساتھ تھا۔ خدا تعالیٰ مجھ سے ہم کلام ہوا اور مجھے بتایا کہ تم مہدی موعود ہو۔ ملائکہ نے مجھے بڑی بڑی بشارتیں دیں اور خود سرور

کائنات ﷺ مجھ سے ملاقی ہوئے اور فرمایا کہ تم میرے فرزند ہو اور تم ہی مہدی موعود ہو۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ اپنی مہدویت کا اعلان کر دو اور لوگوں کو حق تعالیٰ کی طرف بلاؤ۔ جب احمد کے ان بلند بانگ دعوؤں کا شہرہ ہوا تو حاکم قاہرہ نے اس کو گرفتار کر کے زندان بلا میں ڈال دیا۔ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے قید خانہ میں جا کر اس کا گلا گھونٹ دینے کا ارادہ کیا تو اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ انہی ایام میں اس کے استاد قاضی القضاۃ شیخ تقی الدین بن دقیق العید اس کے پاس محبس ہو گئے اور دیکھا کہ اس نے پانی کا گھڑا اور کھانے کے برتن توڑ دیئے ہیں اور لوگوں پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ قاضی صاحب نے اس کو دیوانہ قرار دے کر رہا کرا دیا۔ جب شیخ نصیر منجی کو اس کا علم ہوا تو انہیں سخت ناگوار ہوا۔ انہوں نے بیبرس سے جو ان کا معتقد تھا۔ اس کی شکایت کی اور اسے مشورہ دیا کہ جام زہر پلا کر اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا۔ مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس کے بعد اس کو پاگل خانہ میں بھیج دیا گیا۔ وہاں بھی شراب میں ملا کر اس کو زہر دیا گیا۔ لیکن پھر بھی کچھ اثر نہ ہوا اور جب وہی شراب ایک واجب القتل قیدی کو پلائی گئی تو وہ معاً ہلاک ہو گیا۔ لیکن مقام مسرت ہے کہ کچھ زمانہ کے بعد خدا تعالیٰ نے اسے توبہ کی توفیق ارزانی فرمائی اور اس نے اعلان کر دیا کہ میں وہ مہدی نہیں ہوں۔ جن کے ظہور کی حضرت مخبر صادق ﷺ نے بشارت دے رکھی ہے۔ بلکہ میں صرف مہدی بمعنی ہدایت یافتہ ہوں۔ آخر ۷۴۰ھ میں مر گیا۔ اس وقت اس کی عمر اسی سال سے متجاوز تھی۔

(دررکامنہ الشیخ ابن حجر العسقلانی نسخہ قلمی ج۱ ص۶۲، ۶۳)

باب ۴۷ ...... عبداللہ راعی شامی

یہ ایک شامی چرواہا تھا۔ جس کا نام اور زمانہ معلوم نہیں ہو سکا۔ میں نے اپنی طرف سے اس کا نام عبداللہ تجویز کر دیا ہے۔ شہر طبریہ میں رہتا تھا اور وہاں کے باشندے اسے چرواہا کہہ کر ہی پکارتے تھے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ میں وہی شخص ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام کو جس کے ظہور کی بشارت دی گئی تھی۔ علامہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر دمشقی معروف بہ جابری نے لکھا ہے کہ اس کے پاس ایک لاٹھی تھی۔ جس سے خوارق عادات ظہور میں آتے تھے اور ابنائے زمانہ کی عقل ان خوارق پر حیران تھی۔ اس لاٹھی میں متعدد اعجازی تصرفات ودیعت تھے۔ جب اس کو گرمی کے وقت زمین میں گاڑتا تو معاً ایک درخت بن جاتا۔ جس میں آناً فاناً شاخیں اور پتے نمودار ہوتے اور یہ اپنی بکریوں سمیت اس کے سایہ میں بیٹھ جاتا۔ اس کا ایک خاصہ یہ تھا کہ درندوں اور جنگلی جانوروں کو

اس سے ایک شعلہ نکلتا دکھائی دیتا۔ جس کی وجہ سے یہ راعی وحوش اور درندوں کو جدھر چاہتا بکریوں کی طرح ہانک لے جاتا تھا اور شیر چیتا وغیرہ کسی درندہ کی مجال نہ تھی کہ اس کے حکم سے سرتابی کرے۔ عصائے موسیٰ علیہ السلام کی طرح اس لاٹھی میں یہ خاصیت بھی ودیعت تھی کہ جب اس کو زمین پر ڈالتا تو ایک بڑا اژدہا بن کر اس کے سامنے دوڑنے لگتا۔ جابریؒ لکھتے ہیں کہ کوئی شخص اس لاٹھی کا راز معلوم نہیں کر سکا۔ (کتاب المختار وکشف الاسرار قلمی، کتاب الدعاۃ ص ۸۲)

باب ۴۸ ...... عبدالعزیز طرابلسی

ابن عماد نے لکھا ہے کہ عبدالعزیز ایک پہاڑی شخص تھا۔ جس نے ۷۱۷ھ میں مہدویت کا دعویٰ کیا۔ بہت سے جہلاء خصوصاً نصیریہ فرقہ کے پیرووں نے اس کی متابعت اختیار کی۔ یہاں تک کہ اس کی جمعیت تین ہزار تک پہنچ گئی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح یہ بھی کئی رنگ بدلتا رہتا تھا۔ کبھی تو کہتا کہ میں محمد مصطفیٰ ہوں، کبھی کہتا کہ میں علی مرتضیٰ ہوں اور کبھی مہدی منتظر بن بیٹھتا۔ اس شخص کا دعویٰ تھا کہ نصیریہ کے سوا دنیا بھر کے ادیان باطل ہیں۔ اس کے پیرو نعرہ تکبیر کی جگہ یہ آواز بلند کیا کرتے تھے۔ ''لا الٰه الا علی، لا حجاب الا محمد، لا باب الا سلمان'' (علیؓ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد (ﷺ) کے سوا کوئی حجاب نہیں اور سلمانؓ فارسی کے سوا کوئی دروازہ نہیں) یہ شخص شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کی بے شمار مسجدیں مسمار کر دیں۔ اس کے پیرو مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر اس کے پاس لاتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنے معبود کو سجدہ کرو۔ جو کوئی اس نابکار کے سامنے سربسجود ہو جاتا۔ اس کی جان بخشی کی جاتی۔ ورنہ معاً حلف تیغ بنا دیا جاتا۔ جب حاکم طرابلس کو ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے اس کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ کیا۔ فوج نے آ کر اس کو نہایت ذلت کے ساتھ قتل کیا اور اس کی جماعت کو بھی تباہ و برباد کر دیا۔ (کتاب الدعاۃ ص ۱۱۳،۱۱۴)

باب ۴۹ ...... اویس رومی

علامہ علی قاریؒ نے کتاب ''المشرب الوردی فی مذہب المہدی'' میں جو انہوں نے ۹۶۵ھ میں مکہ معظمہ میں تالیف کی۔ لکھا کہ ایک شیخ نے جسے اویس کہا کرتے تھے (ترکی) سلطان بایزید کے عہد سلطنت میں مہدویت کا دعویٰ کیا۔ اس کے اسی خلیفہ تھے۔ ایک دن خلفاء کو جمع کر کے کہنے لگا مجھے کشف سے معلوم ہوتا ہے کہ میں مہدی ہوں۔ تم بھی اپنے باطن کی طرف توجہ کرو اور جو کچھ تم پر ظاہر ہو اس سے مجھے اطلاع دو۔ خلفاء اپنی اپنی جگہ توجہ باطنی کرتے رہے۔ آخر سب

نے آ کر بیان کیا کہ ہمارے نزدیک آپ اس دعویٰ میں حق پر ہیں۔ اس کے بعض خلفاء نے سلطان بایزید سے یہ واقعہ عرض کیا۔ سلطان بڑا دیندار بادشاہ تھا۔ اس نے سن کر کہا بہتر ہے کہ تم لوگ خروج کرو۔ میں ہر طرح سے تمہارے ساتھ ہوں اور ہر قسم کی مدد دینے کو تیار ہوں۔ لیکن جب ادریس نے تھوڑے دن کے بعد از سر نو باطن کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ الہام ربانی نہ تھا۔ بلکہ القائے شیطانی تھا۔ جھٹ دعوائے مہدویت سے رجوع کیا۔ اپنے خلفاء کو اس کی اطلاع کرائی اور سلطان کو بھی اس سے مطلع کر دیا۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۲۰۲) تاہم غنیمت ہے کہ جلد سنبھل گیا ورنہ نہ صرف خود ابدالآباد تک ورطۂ خسران میں پڑا رہتا۔ بلکہ جب تک اس کے اغوا و اضلال کا کوئی شائبہ معمورہ عالم میں پایا جاتا۔ اس کے پیرووں کی گمراہی کا وبال بھی اس پر پڑتا۔ لیکن ادریس کے مقابلہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کی حرمان نصیبی قابل افسوس ہے۔ یہ بیچارے پہلے دن جن بھول بھلیوں میں پھنسے دم واپسین تک انہی میں سرگشتہ و حیران رہے اور ان سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوا۔ بعض لوگ کہیں گے کہ ادریس کی ہدایت یابی اور مرزا قادیانی کی شقاوت پسندی قضاء و قدر سے وابستہ تھی۔ میں اس نظریہ کو صحیح تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ خوبی قسمت کو خلوص و حسن نیت سے اور شومی تقدیر کو سوء نیت سے گہرا تعلق ہے۔ ادریس اور مرزا قادیانی کے نصب العین اور زاویہ ہائے نگاہ میں بین فرق تھا۔ ادریس بے چارہ، رب غفور کا مخلص بندہ تھا۔ خدائے کردگار کی نصرت بخشیوں نے اس کے خلوص اور حسن نیت کی برکت سے اسے شیاطین کے پنجۂ اغوا سے نجات دلائی۔ لیکن اس کے مقابلہ میں مرزا قادیانی کو للّٰہیت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ان کی زندگی کا نصب العین دنیا پرستی اور عیش و راحت تھا اور وہ از سر تا بقدم خواہشات نفسانی اور حظوظ فانی کے غلام تھے۔ چنانچہ اس کا اندازہ اس حقیقت سے ہو سکتا ہے کہ مرزا قادیانی نے حسب بیان الفضل کی ایک لڑکی عائشہ بیگم بنت شادی خان کو پیر دبانے پر متعین کر رکھا تھا۔ پلومر کمپنی لاہور سے پورٹ وائن منگوایا کرتے تھے اور حضرت مسیح موعود صاحب کے لئے جو پلاؤ تیار کیا جاتا تھا۔ اس میں گھی کی جگہ روغن بادام ڈالا جاتا تھا۔

باب ۵۰ ...... احمد بن ہلال حسانی

احمد بن ہلال حسانی وقت کا ایک مشہور زندیق تھا۔ جو ابن سبعین کے بعد ظاہر ہوا۔ اس نے دمشق میں نشو و نما پایا۔ آٹھویں صدی کے اختتام پر حلب پہنچا۔ اور قاضی شرف الدین انصاری سے کتابیں پڑھیں۔ یہاں سے قاہرہ جا کر کچھ مدت اقامت گزیں رہا۔ قاہرہ سے حلب واپس آیا

اور مجتہد مطلق ہونے کا دعویٰ کیا اور ساتھ ہی ائمہ کبار کی شان میں دریدہ دہنی کرنے لگا۔ یہ شخص کہتا تھا کہ میں براہ راست خدائے برتر سے علوم حاصل کرتا ہوں اور میں ہی دائرہ کائنات کا نقطہ ہوں۔ اس سے بہت سے کفریات صریحہ نقل کئے گئے ہیں۔ کہتا ہے کہ مجھے حالت بیداری میں آسمانوں کی سیر کرائی جاتی ہے۔ اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ تمام انبیاء سے حالت بیداری میں میرا اجتماع ہوتا ہے اور بیداری ہی میں ملائکہ سے ہم کلام ہوتا ہوں اور کہا کرتا تھا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو مقام تکلیم اور محمد (ﷺ) کو مقام تکمیل عطاء کئے گئے۔ لیکن مجھے یہ دونوں مقام بخشے گئے ہیں۔ بااین ہمہ نہ تو نماز کا پابند تھا اور نہ اسے جماعت ہی کی پرواتھی۔ بہت لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی۔ اس کے فتنہ نے نہایت خوفناک صورت اختیار کر لی۔ آخر ۹ر شوال ۸۲۳ھ کو دست اجل نے اس کا ٹینٹوا آدبایا اور خدا کی مخلوق اس کے فتنہ سے مامون ہوئی۔

(لسان المیزان لابن حجر عسقلانی ج۱ ص۳۲۰)

باب ۵۱ ...... سید محمد جونپوری

سید محمد جونپوری مدعی مہدویت کی ولادت ۸۴۷ھ میں بمقام جون پور ہوئی۔ جو صوبہ اودھ کا ایک مشہور شہر ہے۔ اس کے پیرو جو مہدویہ کہلاتے ہیں۔ اپنے مقتداء کو میراں سید محمد مہدی موعود کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ سید محمد کے باپ کا نام سید خاں اور والدہ کے نام بقول مؤلف مطلع الولایت بی بی آغا ملک تھا۔ لیکن متاخرین مہدویہ نے کچھ زمانہ کے بعد جب کہ محمد جونپوری کے آباؤ اجداد کا جاننے والا کوئی نہ رہا۔ محمد کے باپ کا نام سید عبداللہ لکھنا شروع کر دیا۔ تاکہ سید کا دعویٰ مہدویت حضور سرور کائنات ﷺ کی اس پیش گوئی کے رو سے باطل نہ ٹھہرے۔ جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ امام آخر الزمان کا نام میرے نام سے ملتا ہوگا اور ان کے والد کا نام میرے والد کے اسم گرامی سے مطابقت رکھے گا۔ بلکہ برہان الدین مہدی مؤلف شواہد الولایت نے تو ماں کا نام بھی آمنہ تجویز کر کے اپنے پیر مغاں کو پوری طرح مہدویت کے قالب میں ڈھال دیا۔ حالانکہ خود سید محمد نے مدت العمر کبھی اس بات کا دعویٰ نہ کیا تھا کہ اس کے والد کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہے۔ بلکہ اس کے برعکس جب لوگوں نے اس سے سوال کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے تو یہ فرمایا ہے کہ: ''یواطئ اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی'' (مہدی علیہ السلام کا نام میرے نام سے اور ان کے والد کا نام میرے والد کے نام سے ملتا ہوگا) اور تمہارے باپ کا نام سید خاں ہے تو جواب دیا کہ کیا خدائے قادر وتوانا اس بات کی

قدرت نہیں رکھتا کہ وہ سید خاں کے بیٹے کو منصب مہدویت پر سرفراز فرمائے؟ اسی طرح ایک مرتبہ اس کے ایک حریف نے اسے اپنے زور استدلال سے مغلوب کرنا چاہا تو سید محمد سخت برہمی کے عالم میں کہنے لگا کہ تم خدا سے جنگ کیوں نہیں کرتے کہ اس نے سید خان کے لڑکے کو مہدی بنا دیا؟ سید محمد موزوں اندام، کشیدہ، قامت اور نہایت خوبرو تھا۔ بچپن ہی سے طباعی اور فطانت کا جوہر چہرۂ بخت پر چمک رہا تھا۔

اسد العلماء کا خطاب

کہتے ہیں کہ سید نے سات ہی سال کی عمر میں کہ آغاز ادراک و شعور کا زمانہ ہے کلام الٰہی حفظ کر لیا اور بارہ کے سن میں تمام علوم درسیہ سے فراغت پا کر دستار فضیلت باندھ لی۔ سید عنفوان شباب ہی سے برجستہ گوئی اور حسن تقریر میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ شیخ دانیال چشتیؒ اور علمائے وقت نے اس کی دقت نظری اور علمی موشگافیوں کو ملحوظ رکھ کر اسے اسد العلماء کا خطاب دیا۔ ان ایام میں ہندوستان کی فضاء پر اہل تصوف کے خیالات چھائے ہوئے تھے اور صوفیانہ مذاق کی گرم بازاری تھی۔ اس لئے اب سید کو اہل طریقت کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کا شوق دامنگیر ہوا۔ چنانچہ شیخ دانیال چشتیؒ کے دست حق پرست پر خانوادہ چشتیہ میں بیعت کی اور ایک مدت تک ریاضات شاقہ اٹھا کر جویائے حق رہا۔ اس ادراک سعادت سے پیشتر تو صرف علوم قالی میں کمال پیدا کیا تھا۔ شیخ کے فیض صحبت نے اس جوہر کو اور جلا دے کر علوم حالی میں بھی مالا مال کر دیا۔ اب سید علائق دنیوی سے آزاد ہو کر انتہائی تبتل وانقطاع کے ساتھ ہر وقت یاد الٰہی میں مصروف رہنے لگا۔ ذکر و فکر کے سوا کسی کام کے ساتھ دلچسپی نہ تھی۔ عقیدت مند پروانہ وار ہر طرف سے ہجوم کر کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ سید کی ذات مرجع خواص و عوام بن گئی۔ سید اوائل میں کسی سے ہدیہ و نذرانہ قبول نہ کرتا تھا اور بزرگان سلف کی طرح نہایت عسرت کے ساتھ گزر بسر کرتا تھا۔ اس کی پوشش و خورش فقیرانہ تھی۔ اس کی ہر ادا سے بزرگانہ انکسار اور درویشی کی شان نمایاں تھی اور باوجودیکہ سلاطین اسلام اس کی خدمت و ملازمت سے شرف اندوز سعادت ہونا چاہتے تھے اور دعوت دیتے تھے کہ ان کی مملکت میں قدم رنجہ فرمائیں۔ مگر سید نے پیران چشت کی سنت پر عمل کرتے ہوئے سلاطین اور اہل ثروت سے راہ و رسم پیدا کرنا پسند نہ کیا۔

راجہ دلیپ رائے اور حاکم داناپور

اس وقت دہلی میں خاندان تغلق کا آفتاب اقبال لب بام تھا۔ احمد آباد گجرات میں

سلطان محمود بیکرہ جیسے با اقبال بادشاہ کی تلوار چمک رہی تھی۔ دکن میں خاندان بہمنیہ کا ستارہ اوج پر تھا۔ مالوہ میں سلطان غیاث الدین اور احمد نگر میں احمد نظام الملک بحری سریر آرائے سلطنت تھے۔ ان کے علاوہ چند دیسی خود مختار ریاستیں تھیں۔ جو زیادہ تر ہندو راجاؤں کے قبضۂ اقتدار میں تھیں۔ جونپور کا علاقہ ریاست داناپور کی عملداری میں داخل تھا۔ ہاں کا مسلمان حاکم ایک ہندو راجہ دلیپ رائے نام کا باجگذار تھا۔ ان ایام میں امیر حسین والی داناپور کی محبوب ترین خواہش یہ تھی کہ وہ کسی طرح آزادی وخود مختاری کی نعمت سے کامگار ہو اور گونہاں خانہ دل حریت وخود مختاری کی امنگوں سے لبریز تھا۔ لیکن اپنی بے سروسامانی اور قلت سپاہ کا احساس رکھتے ہوئے کسی طرح سرتابی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ امیر حسین نے سید محمد کے فضل وکمال کا شہرہ سنا تو دل میں زیارت کا شوق سرسرایا۔ چنانچہ ایک روز سیر وشکار کے بہانے جونپور آیا اور سلک مریدین میں منتظم ہو کر عنایت والتفات میں ممتاز ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ جونپور آیا اور سید سے کہنے لگا کہ خاکسار کی دلی تمنا یہ ہے کہ حضور کے قدموں میں پڑا رہوں۔ لیکن اس صورت میں امور سلطنت کا انصرام محال ہے۔ چونکہ ایک لحہ بھی مفارقت گوارا نہیں اس لئے یا تو حکم ہو کہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کر کے یہاں چلا آؤں اور حضور کی کفش برداری اختیار کروں اور اگر اس عرضداشت کو شرف پذیرائی نہ بخشا جائے تو پھر درخواست کروں گا کہ حضور پرنور خاکسار ہیچمیرز کے غربت کدہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے منور فرمائیں۔ سید نے اس کے جذبۂ محبت اور اخلاص عقیدت سے متاثر ہو کر مؤخر الذکر التماس کو قبول کر لیا اور اس کے ساتھ داناپور جا کر ایوان سلطانی میں سکونت اختیار کی۔ سید کو داناپور میں تبلیغ واشاعت اسلام کا بہت زریں موقع مل گیا۔ چنانچہ اس کی تبلیغی سرگرمیوں کی بدولت تھوڑے ہی عرصہ میں داناپور اور مضافات کے ہزارہا ہنود شرف اسلام سے مستعد ہوئے۔ یہ سب خبریں دلیپ رائے کو پہنچتی تھیں۔ لیکن وہ زہر کا گھونٹ پی کر خاموش رہ جاتا۔ دلیپ رائے ایک اعلیٰ درجہ کا منتظم سپہ سالار اور انتہاء درجہ کا مدبر فرمانروا تھا۔ شجاعت وبسالت اس کا ذاتی جوہر تھا۔ دشمن کا خوف وہراس اس کے پاس نہ پھٹکتا تھا۔ لیکن وہ امر جس کی بدولت اس نے نمایاں شہرت حاصل کر رکھی تھی وہ اس کی مذہبی راسخ الاعتقادی اور بت پرستی کا شغف تھا۔ گو ہندوستان کے کئی ایک علاقوں میں اسلام کا بڑھتا ہوا سیلاب، کفر وثنیت کے خس وخاشاک کو بہائے لے جا رہا تھا۔ تاہم اس کی عملداری میں ہر ہندو کا گھر بہت الصنم تھا۔ اس بت پرستانہ رسم کہن کے مؤسس ومؤید برہمن تھے۔ جنہیں مسلمانوں سے دلی نفرت وعداوت تھی۔ کیونکہ اہل توحید نہ صرف شرک اور بت پرستی

کی مذمت کرتے بلکہ جب کبھی موقع ملتا بت شکنی سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ ان ایام میں ہر ایک معرکہ پر جو ہندو راجاؤں اور مسلم سلاطین میں ہوتا مذہبی رنگ چڑھا ہوتا تھا۔ راجہ دلیپ رائے اپنی شجاعت کے نشہ میں چور تھا اور اس کے سپاہی بھی مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بپھر رہے تھے۔ تاہم اسے اس بات کا یقین تھا کہ جانبازی کے میدان میں اہل توحید سے گوئے سبقت لے جانا کوئی آسان کام نہیں۔ علاوہ ازیں اس کے چاروں طرف مسلمان بادشاہ حکمران تھے جو اسے سر اٹھانے کا موقع نہ دیتے تھے۔ دلیپ رائے نے ہزار جتن کئے کہ اس کی قلمرو میں کوئی ہندو حلقۂ اسلام میں داخل نہ ہو۔ لیکن اس کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔

راجہ دلیپ رائے سے جنگ آزما ہونے کی تحریک

ایک دن سید محمد مریدان باصفا کے حلقہ میں بیٹھا ہوا توحید کے محاسن اور کفر و شرک کے قبائح بیان کر رہا تھا۔ اس وقت امیر حسین بھی موجود تھا۔ یک بیک اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور حالت بےخودی طاری ہو گئی۔ اس حالت جذبہ میں حسین کی طرف نظر بھر کر دیکھا اور کہا اے امیر! ارباب حکومت کو خدا نے دفع اعداء کے لئے تلوار دی ہے۔ مگر آج صفحۂ ہستی پر تجھ سے زیادہ محروم القسمت انسان کوئی نہ ہوگا کہ تیری ذات سے اسلام رسوا ہو رہا ہے اور تو طاغوت پرستی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا کفر کے غلبہ و تفوق کا باعث بنا ہوا ہے۔ امیر سید کو جوش غضب میں دیکھ کر سہم گیا۔ حاضرین بھی عالم ہراس میں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ سید کے رخ انور پر ایسا جلال برس رہا تھا کہ نظر اٹھا کر دیکھا نہ جاتا تھا۔ سید نے دنیا کی بے ثباتی اور اہل دنیا کی بوالہوسی کا ذکر کرتے ہوئے جہاد فی سبیل اللہ کی فرضیت بیان کرنی شروع کی اور آیات و روایات کے حوالوں سے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے یہ تصویر کھینچ دی کہ مسلمان اس سرائے فانی میں محض اس واسطے بھیجا گیا ہے کہ عزت کے ساتھ غالب رہ کے جیے ورنہ جان دے دے۔ اس کے بعد سید با آواز بلند کہنے لگا اے عیش پرست کاہلو اور اے نفس امارہ کے غلامو! اٹھو اور کمر ہمت کو مضبوط باندھو۔ آؤ ہم سب مل کر خدائے برتر کی راہ میں سربکف ہو جائیں اور ملک خدا کو کفر و شرک کی ظلمتوں سے پاک کر کے نور توحید سے منور کر دیں۔ اس پیام میں حق و صداقت کی جو روح تھی اس نے بڑا کام کیا۔ تمام حاضرین نے اس پیام کے سامنے سر نیاز جھکا دیا۔ یہ اعلان برقی قوت و سرعت کے ساتھ اکناف ملک میں پھیل گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ تین دن کے اندر تیس ہزار جوانوں کا لشکر جرار امیر حسین کے جنڈے تلے مرنے مارنے کو تیار ہو گیا۔ امیر نے اس جمعیت کے ساتھ گوڑ کی طرف پیش قدمی کی جو دلیپ راؤ کا صدر

مقام تھا۔ سید محمد بھی اپنے ڈیڑھ ہزار نفراء کے ساتھ جنہیں فوج بیراگیاں کہتے تھے۔ عقب لشکر میں روانہ ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عجلت پسندی اس جوش و ولولہ کا نتیجہ تھی جو شوق جہاد میں پیدا ہو گیا۔ ورنہ اگر نوجوان سید ایک تجربہ کار قائد کے اوصاف حزم واحتیاط سے عاری نہ ہوتا تو وہ اس بے سروسامانی کے عالم میں اس قلیل فوج کے ساتھ ایک خوفناک دشمن پر حملہ آور ہونے کی کبھی ترغیب نہ دیتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اگر چندے اور توقف کیا جاتا تو اس سے دوگونہ کلمہ گوؤں کی جمعیت شوق شہادت میں فراہم ہو سکتی تھی۔ لیکن سید کا جوش جہاد اسے صبر و انتظار کی کشمکش میں پڑنے کی ہرگز اجازت نہ دیتا تھا۔ امیر حسین گو بادی النظر میں اس بات کو سمجھتا تھا کہ دشمن اس کی قلیل التعداد فوج کو مار مار کر بالکل نابود کر دے گا۔ لیکن امیر حسین کی ہمت و جرأت محض خلوص عقیدت پر مبنی تھی۔ وہ لطیفہ غیبی کا منتظر تھا اور اسے اس بات کا کامل یقین تھا کہ سید کا تصرف اسے ضرور فائز المرام کرے گا اور سچ پوچھو تو سید کی نظر بھی فوج اور مادی طاقت پر نہ تھی۔ بلکہ اس کا بھروسہ اس ذات ہیچوں کی غیبی امداد پر تھا کہ فتح وشکست اور عزت وذلت جس کے دست اختیار میں ہے۔ دلیپ راؤ کو بھی اس اعلان جنگ نے چونکا دیا۔ مگر بہادر راجہ کی جبیں استقلال پر ذرا شکن نہیں پڑی۔ اس نے امراء کو جمع کر کے مجلس مشاورت آراستہ کی اور معاً حرب وضرب کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ بیدار مغز راجہ کو اس روز سیاہ کا پیشتر ہی سے علم تھا۔ اس لئے وہ ہر وقت فوج کو سروسامان سے آراستہ رکھتا تھا۔ گو اسے اپنی حربی طاقت پر پورا بھروسہ تھا اور کامل امید تھی کہ جس وقت چاہے گا والی داناپور کی طاقت کو کچل دے گا۔ مگر جب اس کی نظر چاروں طرف ان ممالک کی طرف اٹھتی تھی جہاں بڑے بڑے پرشکوہ مسلمان بادشاہ برسر اقتدار تھے اور باوجود باہمی اختلافات کے ایسے موقع پر متفق ہو جاتے تھے تو اسے سلطان حسین کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ جب راجہ نے حسین کی آمد آمد سنی تو جاسوس دوڑائے اور جب پتہ لگا کہ سلطان حسین تیس ہزار کی جمعیت سے آ رہا ہے تو سخت حیرت زدہ ہوا۔ کیونکہ اسے امید نہ تھی کہ امیر حسین جیسا کار آزمودہ حکمران اس قلیل فوج کے ساتھ برسر مقابلہ ہونے کی جرأت کرے گا۔ غرض راجہ نے بھی کالی گھٹا کی طرح اپنی جگہ سے جنبش کی اور والی داناپور کے مقابلہ میں بڑھتا چلا آیا۔ جب اہل توحید کو معلوم ہوا کہ راجہ کی فوجیں سیاہ آندھی کی طرح بڑھتی آ رہی ہیں تو وہ بھی مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ راجہ کی فوج کا نظارہ نہایت مہیب تھا۔ بہت کوہ پیکر ہاتھی اور ستر ہزار جری سپاہی اور ہزاروں جرار سوار راجہ کے ہمرکاب تھے۔ راجہ کی فوج اس دھوم دھام اور آرائش ونمائش سے نکلی کہ دیکھنے والے محو حیرت رہ

گئے۔اب دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں اور ہنگامۂ رزم گرم ہوا۔ دونوں طرف کے بہادر دیر تک ایک دوسرے کے مقابلہ میں شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ امیر حسین نے اس جنگ میں بڑے بڑے معرکے کئے اور گو دشمن کی غیر معمولی قوت کو دیکھ کر اس کے اوسان خطاء ہو رہے تھے۔ تاہم کمال جانبازی کے ساتھ داد شجاعت دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد حسین سید کی طرف بار بار دیکھ کر زبان حال سے اس کو دشمن کی خوفناک جمعیت اور اس کے جان ستان حملوں کی طرف متوجہ کرنے لگا۔ لیکن سید کی یہ حالت تھی کہ وہ غنیم کی حربی قوت اور شجاعانہ رزم جوئی کو ہرگز خاطر میں نہ لاتا تھا۔

راجہ کا قتل

تھوڑی دیر میں امیر حسین کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور اس کے آدمی دلیپ رائے کے پرزور حملوں کی تاب نہ لا کر نہایت ابتری اور سراسیمگی کے عالم میں پسپا ہونے لگے۔ حسین عالم اضطراب و بدحواسی میں سید کی طرف آیا جو فوج بیراگیاں کو لئے ایک طرف سوار کھڑا تھا۔ فوج بیراگیاں کی ہیئت کذائی گو نہایت مضحکہ خیز تھی۔ لیکن یہی بے سروسامان جماعت دراصل اسلامی جمعیت کی روح درواں تھی اور یہی وہ مقدس گروہ تھا جس نے امیر حسین کی کشتی اقبال کو ڈوبنے سے بچایا اور اسلام کی لاج رکھ لی۔ حسین نے سید کو اشارہ کیا کہ بھاگ کر جان بچالیں۔ مگر سید نے خشمناک ہو کر منہ پھیر لیا اور نہایت زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ یہ دیکھ کر ڈیڑھ ہزار صوفیوں نے بھی اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ کوہ و دشت گونج اٹھے۔ یہ لوگ سید کا اشارہ پاتے ہی گھوڑے اٹھا کر دشمن پر ٹوٹ پڑے اور برق خاطف کی طرح پہلے ہی حملہ میں غنیم کے میمنہ کو فنا کر دیا۔ ہزیمت خوردہ اسلامی فوج کے لئے یہ ایک غیبی کمک تھی جس کے گئے ہوئے ہوش ٹھکانے آ گئے اور وہ پسپا ہوتے ہوتے پھر ٹھہر گئی اور قوت مجتمع ہو کر حریف کے قلب پر ہلہ بول دیا۔ دیر تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ آخر دلیپ راؤ نے اپنے بہادر راجپوتوں کو للکارا اور ایسا پر جوش خطبہ دیا کہ ہر راجپوت اپنا آخری قطرۂ خون بہانے کے لئے تیار ہو گیا۔ آخر دونوں فوجیں لڑتے لڑتے باہم اتنی قریب آ گئیں کہ معاملہ تیر و تفنگ سے گزر گیا اور دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ سید محمد اسی جوش وخروش کے ساتھ غنیم پر حملے کر رہا تھا۔ گو اس کے پیرووں کی تھوڑی سی جمعیت گھٹتے گھٹتے اب ایک ہزار رہ گئی تھی۔ تاہم اس کے پے در پے حملوں نے غنیم کی صفیں الٹ دیں۔ صوفیوں نے اتنی تلوار چلائی کہ ہنود کی فوج گراں کے دھوئیں بکھیر دیئے۔ آخر سید دلیپ راؤ کے قریب پہنچنے میں

کامیاب ہوگیا۔ اب سید اور راجہ حریف مقابل تھے۔ راجہ کا شمشیر بکف ہاتھ سید پر حملہ کرنے کے لئے بلند ہوا۔ مگر وار خالی گیا۔ مہروی کہتے ہیں کہ اس کا ہاتھ ہوا میں ملائکہ نے تھام لیا تھا۔ اس اثناء میں سید نے نہایت پھرتی سے تلوار کا ایک ہاتھ اس زور سے مارا کہ پہلی ہی ضرب نے دلیپ رائے کی قسمت کا فیصلہ کر دیا اور وہ بے جان ہوکر گر پڑا۔ لشکر نے اپنے سر پر راجہ کو نہ دیکھا تو اس میں تلاطم بچ گیا اور سپاہی بے سروسامان بھاگ نکلے۔ امیر حسین نے سجدہ شکر ادا کیا کہ بگڑی بات بنانے والا وہی خدائے کردگار ہے۔ اسلامی سپاہ نے غنیم کو خوب پامال کیا۔ بہت سے امیر اسیر ہوئے اور غنیمت بے شمار اہل توحید کے ہاتھ لگی۔ اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر حسین کو نہ صرف اپنی علمداری میں مطلق العنان حکومت نصیب ہوئی۔ بلکہ مقتول راجہ کی تمام ولایت پر بھی اس کا عمل ودخل ہوگیا۔ اب سید محمد کا حلقہ ارادت اس قدر وسیع ہوا کہ چند ہی روز میں اس کے ارادت مندوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہوکر لاکھوں تک پہنچ گئی۔ دلیپ رائے کے اکثر قرابت دار بطیب خاطر مسلمان ہوئے اور سید کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اشاعت اسلام کی راہ میں جس قدر عوائق وموانع تھے اس فتح کے بعد اٹھ گئے۔ اسیران جنگ میں راجہ کا ایک ہمشیر زادہ بھی داخل تھا۔ جو دستگیر کر کے سید محمد کے سامنے پیش کیا گیا۔ چند روز کے بعد راجہ کا خواہر زادہ مشرف باسلام ہوا۔ سید نے اس کا نام میاں دلاور رکھا۔ میاں دلاور کچھ عرصہ ذکر وفکر میں معروف رہ کر سید کے خرقۂ خلافت سے بھی ممتاز ہوا۔ وقائع حرب کے سلسلہ میں یہ ایک عجیب وغریب حکایت بیان کی جاتی ہے کہ جب سید کی شمشیر خارا شگاف نے راجہ کو موت کے گھاٹ اتارا اور جسم دونیم ہوکر زمین پر گر پڑا تو دلیپ رائے کا دل سینہ سے باہر نکل آیا۔ کہتے ہیں کہ رائے کے دل پر اس بت کی شبیہ منقوش تھی۔ جس کی وہ ہمیشہ عبادت کیا کرتا تھا۔ یہی امر سید کے جذبہ واستغراق کا ذریعہ بن گیا کہ جب معبود باطل اس قدر اثر رکھتا ہے تو معبود حقیقی کی تاثیر کیا کچھ ہونی چاہئے۔ سات برس تک سید کو دنیا ومافیہا کی خبر نہ تھی۔ ہر وقت جذب واستغراق کی حالت طاری تھی۔ البتہ نماز پنجگانہ کے وقت کچھ ہوش آجاتا تھا۔ مہدویہ کہتے ہیں کہ اس سات برس کی مدت میں ایک دانہ اناج اور ایک قطرہ پانی کا سید کے حلق میں نہ گیا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال، مہدویہ کہتے ہیں کہ ایک روز سید کی زوجہ محترمہ نے کہا کیا سبب ہے کہ ہر وقت بیہوش رہتے ہو اور تحمل نہیں کرتے ہو؟ جواب دیا کہ تجلی الوہیت کی اس کثرت سے ہوتی ہے کہ اگر ان بحور تجلیات کا ایک قطرہ کسی ولی کامل یا نبی مرسل کو دیا جائے تو مدت العمر کبھی ہوش میں نہ آئے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول جس سے انبیاء کرام کی تنقیص اور

اپنی تفضیل ظاہر ہوتی ہے کسی مہدوی کا دماغی اختراع ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کلمہ بھی مثل دوسرے شطحیات کے سکر و جذب کی حالت میں زبان سے نکلا ہو۔ غرض سات سال کے بعد کچھ ہوش آیا۔ لیکن اب بھی یہ حالت تھی کہ کبھی ہوش آ جاتا اور کبھی مدہوشی کی حالت طاری رہتی۔ پانچ سال اسی طرح گذر گئے۔ مہدویہ کا بیان ہے کہ اس پانچ سال کی مدت میں سید نے غلہ گوشت اور روغن بقدر ساڑھے سترہ سیر کھایا ہوگا۔

دعوئ مہدویت

اب سید نے ہجرت کا قصد کیا اور وطن مالوف کو خیر باد کہہ کر زن و فرزند اور چند مریدان جاںنثار کی معیت میں دشت غربت کی راہ لی اور جہاں گردی اور بادیہ پیمائی کا طریقہ اختیار کیا۔ یہاں سے سید کی زندگی کا نیا دور اور اس کے مشن کا تاریک ترین حصہ شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ سید نے اسی موقع پر داناپور کے جنگل میں پہنچ کر پہلی مرتبہ اپنی مہدویت کے الہام ہم راہوں سے بیان کئے۔ جنہوں نے بے چون و چرا ان کی تصدیق کی۔ افسوس کہ سید کے رفقائے سفر میں کوئی بھی ایسا ذی علم اور صاحب عقل و خرد نہیں تھا۔ جو حق گوئی سے کام لے کر سید سے کہتا کہ صاحب! آپ کی مہدویت کے جملہ الہامات شیطانی ہیں۔ کیونکہ مخبر صادق ﷺ نے سچے مہدی کی جو علامتیں بیان فرمائی ہیں وہ آپ کی ذات میں نہیں پائی جاتیں اور جو ذات شریف آپ کو منصب مہدویت بخش رہی ہے وہ ابن آدم کی بدترین دشمن ہے۔ اس لئے آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنی بیان کردہ مہدویت کو احادیث نبویہ پر پیش کر کے حق و باطل میں امتیاز کرلیں۔

لیکن یہ ضعفائے ایمان آناً فاناً جونپوری رو میں بہ گئے۔ مہدویہ لکھتے ہیں کہ سید نے عالم رویاء یا نیم بیداری کی حالت میں ایک شخص کو دیکھا جس کے چہرہ پر آثار تقدس و بزرگی ہویدا تھے۔ وہ سید کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا کہ تو ہی مہدی موعود ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ سید نے ضرور کسی ایسی ہستی کو دیکھا ہوگا جس کے چہرہ پر تقدس و بزرگی کے آثار ہویدا تھے اور اس نے واقعی سید سے کہا ہوگا کہ تو ہی مہدی موعود ہے۔ لیکن نادان مہدوی اتنا نہیں سمجھتے کہ سید کو مہدویت کی بشارت دینے والا بزرگ صورت اس شیطان رجیم کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ جس نے بنی آدم کو گمراہ کرنے کا عہد کر رکھا ہے اور جو مختلف رنگوں میں ظاہر ہو کر عباد و زہاد کو راہ حق سے پھیرنے میں ہر وقت منہمک ہے اور اگر کوئی حق فراموش مہدوی اعتراض کرے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اتنا بڑا پیر طریقت شیطان کے دام تزویر میں پھنس کر گمراہ ہو جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل عزلت کو

گمراہ کرنا شیطان کا فرض منصبی ہے۔ وہ اضلال داغوا کی ساری صلاحیتیں استعمال میں لاتا ہے۔ اس کے پنجہ اغوا سے وہی شخص بچ سکتا ہے جو اپنے ہر الہام والقاء کو تعلیمات نبویہ کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے اور جو کوئی اپنے الہامات کو ارشادات نبویہ اور مسلک سلف صالح کے معیار پر پرکھنے کا عادی نہیں۔ ممکن نہیں کہ وہ شیطان کی دستبرد سے بچ سکے۔ خیر القرون کے بعد حضرت قطب الاقطاب سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے بڑھ کر عارف ربانی کون ہوگا؟ شیطان نے ان کو بھی اپنی کمند خدع میں پھانسنا چاہا تھا۔ لیکن وہ صاحب فراست تھے۔ انہوں نے شیطانی آواز کو شریعت مطہرہ کی روشنی میں جانچا تو معاً ان پر حقیقت حال کھل گئی اور وہ جھٹ "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" کہہ کر پناہ خداوندی میں آ گئے اور بچ گئے۔ ورنہ شیطان بسا اوقات اچھے اچھے ہادیان طریقت کو پھسلانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب شیخ شیوخ العالم حضرت عبدالقادر جیلانیؒ اس کے پنجۂ اغوا سے بچ نکلے اور اس کا وار خالی گیا تو شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے الفاظ میں شیطان ان سے کہنے لگا۔ اے عبدالقادر! نجات یافتی تو از من بواسطہ علم تو باحکام پروردگار تو وفقہ تو با حوال منازلات خود من بمثل ایں واقعہ ہفتاد تن از اہل ایں طریق از راہ بردم کہ یکے از انہا بجائے خود نا یستاد۔ ایں چہ علم وہدایت است کہ حق تعالیٰ ترا اعطا فرمودہ۔ شیخ محی الدین عبدالقادرؒ "گفت للہ الفضل والمنۃ ومنہ الھدایۃ فی البدایۃ والنھایۃ" اگر جونپوری بھی نورانی پیکر کو دیکھ کر احادیث نبویہ کی طرف رجوع کرتا تو کبھی ممکن نہ تھا کہ اسے اسلام کے شارع عام سے ہجر و بعد نصیب ہوتا۔ لیکن شیطان کے ایک ہی پرتو جمال سے اس کی آنکھوں میں ان احادیث نبویہ کی طرف سے چربی چھا گئی۔ جن میں حضرت مہدی علیہ السلام کی بہت سی ایسی علامتیں اور خصوصیتیں مذکور ہیں جو سید جونپوری کی ذات میں نہیں پائی جاتی تھیں۔

چندیری، مندو، چمپانیر، اور احمد نگر میں ورود

وطن کو الوداع کہہ کر سید چندیری گیا۔ وہاں کے لوگوں میں اس کے فضل وکمال کا شہرہ پہلے سے ہو چکا تھا۔ اہل چندیری نے بڑی آؤ بھگت کی اور سیکڑوں عقیدت منداس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ مگر جب علماء ومقتدایان ملت کو اس کے دعوائے مہدویت کا علم ہوا تو وہ مخالفت پر کمر بستہ ہوئے اور بحث ومناظرہ کا بازار گرم ہوا۔ چونکہ شرع اسلام کی حکومت تھی۔ تمام اسلامی ممالک میں احتساب جاری تھا اور ہر شخص کے لئے شریعت کی پابندی لازم تھی۔ اس لئے سید کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ وہاں سے شہر مندو دار السلطنت مالوہ میں آیا۔ وہاں بھی اس کے وعظ

وبیان میں ہجوم خلائق حد سے زیادہ ہوا۔ سلطان غیاث الدین جسے اس کے فرزند سلطان ناصر الدین نے ان ایام میں قصر شاہی کے اندر نظر بند کر رکھا تھا۔ نہایت درجہ کا اعتقاد بہم پہنچا کر سید کا مرید ہوگیا۔ اس نے سید کے دو مریدوں سید سلام اللہ اور ابوبکر کو بلا کر باعزاز تمام رخصت کیا اور بیش قیمت تحائف سید کی خدمت میں بھیجے۔ یہاں سلطان غیاث الدین کا ایک مصاحب الہ داد نام بھی ترک امارت کر کے سید کا مرید ہوگیا۔ وہ سید سے اس درجہ مانوس ہوا کہ سفر و حضر میں تادم مرگ اس کے ہمرکاب رہا۔ الہ داد صاحب تصانیف تھا۔ اس نے رسالہ بار امانت، رسالہ ثبوت مہدویت، مرثیہ شیخ اور دیوان غیر منقوط لکھ کر فصاحت و بلاغت کو حیات جاوید بخشی۔ یہ شخص سید محمد کا چھٹا خلیفہ شمار کیا جاتا ہے۔ صاحب دیوان مہری بن خواجہ طہ اسی کا شاگرد ہے۔ اسی شہر میں سید محمد کا چھوٹا فرزند سید اجمل کھانے کی دیگ میں گر پڑا اور رہگزرائے عالم بقا ہوا۔ سید محمد نے منڈو سے روانہ ہو کر چمپانیر کا عزم کیا جو گجرات کا دارالسلطنت تھا۔ منڈو سے بہت سے لوگ معتقد ہو کر سید کے ہمراہ ہو لئے۔ یہاں پہنچ کر سید نے جامع مسجد میں قیام کیا۔ یہاں بھی سید کے ترک و انقطاع کا غلغلہ بلند ہوا۔ یہاں تک کہ سلطان محمود بیگرہ ایسے اولوالعزم اور خدا پرست بادشاہ نے بھی سید کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقۂ مریدین میں داخل ہونے کی ٹھان لی۔ لیکن چند علماء اور مقتدان ملت جو حسب الحکم پہلے آ کر سید سے ملاقات کر گئے تھے۔ مانع آئے اور بتایا کہ یہ شخص مہدویت کا مدعی ہے۔ اس لئے بادشاہ نے مرید ہونے کا عزم فسخ کر دیا۔ مگر باوجود علماء کرام کی مخالفت کے یہاں کئی شخص سید کے مرید ہو گئے۔ کیونکہ جن محرومان قسمت کا جذبۂ حق فراموشی ضلالت پسندی اور کج روی کے لئے بے قرار ہو وہ کسی طرح زیغ وضلال سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ ان تئے ارادت مندوں میں سے ایک نوجوان طالب علم میاں نظام الدین نام نے زمرۂ خدام میں داخل ہو کر سید کی خدمت و رفاقت اختیار کی اور ہر سفر میں سید کے ساتھ رہا۔ اسی جگہ سید کی بیوی کا پیمانۂ حیات بھی آب مرگ سے لبریز ہوگیا۔ جب راحت جان رفیقۂ حیات نے گرداب فنا کی گود میں جا بسیرا کیا تو سید نے امور خانہ داری کے مخمصوں سے نجات پا کر فتوحات میں تقسیم بالسویہ کا طریقہ جاری کیا۔ وہاں سے احمد نگر آیا۔ یہ شہر سلطنت نظام شاہیہ کا پایۂ تخت تھا جو دہلی کی پانچ ہمسر اسلامی سلطنتوں میں سے ایک تھی۔ یہ مقام پیشتر ہی مہدویت کی تحریک سے آشنا ہو چکا تھا۔ اس وجہ سے دارالسلطنت احمد نگر میں سید کا استقبال نہایت گرم جوشی سے ہوا۔ لوگوں کے دلوں پر سید کی عظمت یہاں تک چھائی کہ خود سلطان احمد نظام شاہ بحری سید کا مرید ہوگیا۔ کسی بادشاہ کا ایک فقیر بے نوا

ومسافر خستہ پا کے ہاتھ پر بیعت کرنا بہت کچھ اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ کے حسن عقیدت کی وجہ سے سید کا آستانہ مرجع خاص وعام بن گیا۔ قریب قریب ساری رعایا سید کے حلقۂ ارادت میں آ گئی۔ بادشاہ کے قبول مہدویت کا ساحرانہ اثر یہاں تک جاری وساری ہوا کہ اچھے اچھے عقلائے دہر اپنے قوائے ذہنیہ کو بدعت وضلالت کے مہدوی مندر پر قربان کر بیٹھے اور مذہب مہدویہ دکن میں بالاستقلال قائم ہو گیا۔ مہدوی لکھتے ہیں کہ بادشاہ اس وقت تک اولاد سے محروم تھا فرزند کی آرزو میں سید کے پاس آ کر دعاء کا طالب ہوا۔ سید نے دعاء کی۔ نہال امید بارور ہوا۔ بیگم کو حمل کے آثار نظر آنے لگے اور چند ماہ کے بعد بادشاہ کے پاس یہ نوید جانفزا پہنچی کہ مشکوئے معلیٰ میں وارث تاج وتخت پیدا ہوا۔ یہی مولود بعد کو برہان نظام الملک کے نام سے احمد نگر کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ فرقہ مہدویہ سے کمال حسن اعتقاد رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ سید محمد کے انتقال کے بعد اس نے شاہ نظام، میاں ولاور اور میاں نعمت وغیرہ کو جو سید جونپوری کے اخص مرید تھے گجرات کاٹھیاواڑ سے احمد نگر مدعو کیا اور کمال اعتقاد سے سید محمد کے پوتے میراں جی کو اپنی قمر طلعت لڑکی نذر کر کے اپنی دامادی کا اعزاز بخشا۔ اس کتخدائی سے مہدویہ کا پایۂ رفعت فرق فرقد تک بلند ہو گیا اور مہدویت سلطنت کی آغوش میں تربیت پانے لگی۔ اہل ملک کی اس بے راہ روی کو دیکھ دیکھ کر علمائے حق لہو کے گھونٹ پیتے تھے۔ مگر کوئی بس نہیں چلتا تھا۔

گلبرگہ اور احمد آباد سے اخراج

معلوم ہوتا ہے کہ سید ایک مقام پر بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ بعض مقامات سے تو وہ خارج البلد کیا جاتا تھا۔ لیکن بعض سے خود ہی رخصت ہو جاتا تھا۔ کیونکہ اس کا نصب العین تو اطراف واکناف ملک میں پھر کر اپنی خانہ ساز مہدویت کی تبلیغ کرنا تھا۔ اس لئے وہ احمد نگر میں بھی نہ ٹھہرا اور یہاں سے کوچ کر کے شہر احمد آباد بیدر پایۂ تخت بریدشاہیہ میں آیا۔ اس وقت ملک قاسم برید یہاں کے تخت سلطنت پر جلوہ فرما تھا۔ یہاں ملا ضیاء اور قاضی علاؤ الدین نے بیعت کی اور سید کے ہمراہ ہو لئے۔ یہاں سے سید نے عنان عزیمت گلبرگہ کو پھیر دی جو خاندان بہمنیہ کا پایۂ تخت تھا۔ یہاں آ کر اس نے سید گیسو دراز چشتیؒ کے مزار مبارک پر جو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے خلیفہ تھے۔ فاتحہ پڑھی۔ ایک مختصر سے قیام کے بعد جب علماء نے سلطان سے شکایت کی کہ اس شخص کے جھوٹے دعووں نے ایوان مذہب میں تزلزل ڈال دیا ہے تو یہاں سے بھی اخراج کا حکم ملا۔ گلبرگہ سے روانہ ہو کر قصبہ رائے پاک ہوتے ہوئے بندر دابھول پہنچا اور وہاں سے ۹۰۱ھ میں

بیت اللہ کے شوق زیارت میں جہاز پر سوار ہوا۔ بعد طے منازل حرم محترم میں پہنچا۔ یہاں جناب سرور عالم ﷺ کی یہ مشہور پیش گوئی یاد آئی کہ لوگ مہدی کے ہاتھ پر رکن اور مقام کے درمیان بیعت کریں گے۔ اس لئے سید محمد نے بھی اس مقام پر کھڑے ہو کر دعویٰ "من اتبعنی فھو مومن" (جس کسی نے میری پیروی کی وہ مؤمن ہے) کا کیا۔ میاں نظام الدین اور قاضی علاؤالدین نے آمنا وصدقنا کہہ کر جھٹ بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا اور اس طرح سید محمد کو اس پیشین گوئی کا مصداق ٹھہرایا گیا۔ یہاں سے سید محمد جناب ابوالبشر آدم علیہ السلام کے مرقد منور کی زیارت کو گیا اور کہا کہ میں نے آدم علیہ السلام سے معانقہ کیا۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ خوش آمدی صفا آوردی۔ وہاں سے بندر دیوگھاٹ پر اتر کر شہر احمد آباد گجرات آیا اور مسجد تاج خاں سالار میں فروکش ہوا۔ یہاں ڈیڑھ سال تک رہنے کا اتفاق ہوا۔ اسی مسجد میں ایک روز مجمع عام میں بڑے طمطراق سے دعویٰ مہدویت کیا۔ برہان الدین اور ملک گوہر نے مرید و تارک الدنیا ہو کر رفاقت اختیار کی۔ ملک برہان الدین کو مہدویہ خلیفہ ثالث اور مؤخر الذکر کو خلیفہ چہارم قرار دیتے ہیں۔ ہندوستان کی خاک پرستش وعقیدت کے خمیر سے بنی ہے اور یہاں کے باشندے خوش اعتقادی میں تمام دنیا سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اس لئے سید جہاں جاتا تھا لوگ پروانہ وار ہجوم کرتے تھے۔ احمد آباد میں ہزار ہا مرد وزن سید کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ جب اس کے دعوائے مہدویت اور اغوائے خلق کا چرچا زبان زد خاص وعام ہوا تو علماء مشائخ گجرات نے بیحد مناقشہ کیا اور سلطان محمود گجراتی سے شکایت کی کہ ایک شیخ نووارد لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہا ہے اور اس کے وجود سے بے شمار مفاسد ومضار پیدا ہو رہے ہیں۔ بادشاہ نے اخراج کا حکم دیا اور اس طرح ایک بڑھتا ہوا طوفان آنا فانا رک گیا۔ یہاں سے نکل کر ایک گاؤں سولہ سانیج نام میں اترا۔ یہاں ایک بیباک وسفاک رہزن نعمت نام جو ایک حبشی کو قتل کر کے مفرور ہو رہا تھا آکر سید کی جماعت میں داخل ہوا۔

نہروالہ سے اخراج

یہاں سے روانہ ہو کر شہر نہروالہ پیران پٹن علاقہ گجرات میں لب حوض مقام کیا۔ یہاں بھی ڈیڑھ سال تک اقامت گزیں رہا۔ لطف یہ ہے کہ سید جدھر کا رخ کرتا تھا ہر طرف سے طلباء مناظرہ ومباحثہ کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے۔ باوجودیکہ سید یہاں مناظرہ میں بری طرح مغلوب ومقہور ہوا۔ تاہم ایک دنیا پرست مولوی میاں خوندمیر یہیں حاضر خدمت ہو کر مرید وتربیت پذیر ہوا

اور ملک نجن برخوردار اور ملک الہہ داد اور ملک حماد بھی دامن مہدویت سے وابستہ ہوکر ہمراہ ہوئے۔ جب مبارزالملک نے دیکھا کہ اس کے اکثر اعزاء واقارب سید محمد کے دام تسخیر میں گرفتار ہو گئے اور ہزارہا مخلوق سیل الحاد و بدعت کی نذر ہوئی تو سلطان محمود کی طرف سے ایک فرمان ثانی صادر کرا کے پیران پٹن سے بھی سید کو خارج کرا دیا اور سید محمد کی عادت تھی کہ جب کسی حاکم کی طرف سے حکم اخراج پہنچتا تو کہنے لگتا کہ مجھے خدا کا حکم یہاں سے رخصت ہونے کے لئے پہلے ہی سے آچکا ہے۔ اس لئے میں خود بخود حسب ارشاد خداوندی جا تا ہوں۔ پیران پٹن سے نکل کر وہاں سے تین کوس کے فاصلے پر قصبہ بدلی میں نزول کیا اور ایک موقع پر کہا مجھے برابر اٹھارہ سال سے خدا کا بلاواسطہ حکم ہوتا رہا کہ مہدویت کا دعویٰ کر لیکن میں حکم الٰہی کو ٹالتا رہا۔ اب مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ اے سید محمد مہدویت کا دعویٰ کرو ورنہ تو ظالمان میں شامل کردوں گا۔ اس لئے میں بصحت عقل وحواس دعویٰ کرتا ہوں کہ ''انا مھدی مبین مراد اللّٰہ'' اور اپنے جسم کا چمڑا دو انگلیوں سے پکڑ کر کہا کہ جو شخص اس ذات کی مہدویت سے منکر ہو وہ کافر بے دین ہے۔ مجھے خدائے برتر سے بیواسطہ احکام ملتے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تجھے علم اوّلین وآخرین اور بیان یعنی معانی قرآن کا فہم اور خزانہ ایمان کی کنجی عطاء کی۔ جو شخص تجھ پر ایمان لایا وہ مؤمن موحد ہے اور جو منکر ہوا وہ کافر ہے۔ اسی طرح بہت سی باتیں رب الارباب کی طرف منسوب کیں۔ اسی وقت مجمع مریدان باخلاص کی زبان سے آمنا وصدقنا کی صدا بلند ہوئی۔ جب یہ خبر شہر نہر والہ جو وہاں سے تین کوس کے فاصلہ پر تھا۔ زبان زد خاص وعام ہوئی کہ نہر والا سے خارج البلد ہونے کے بعد اب سید قصبہ بدلی میں مہدیت کا دعویٰ کررہا ہے۔ تو چند علماء قصبہ مذکور میں آئے اور سید کو بہتر اسمجھایا کہ وہ اس ہرزہ درائی سے باز آئے۔ لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ حاملین شریعت مایوس ہوکر احمد آباد آئے اور بادشاہ کو اس قضیہ سے مطلع کر کے یقین دلایا کہ یہ شخص لوگوں کو ضلالت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس لئے اس کے شر سے خلق خدا کو بچانا لابد ہے۔ غرض یہاں سے بھی خارج ہوکر آوارۂ دشت ادبار ہوا۔ چلتے وقت عالم آشفتگی میں کہنے لگا کہ اگر میں حق پر تھا تو میرا اتباع کیوں نہ کیا؟ اور اگر باطل پرست تھا تو کیوں قتل نہ کیا کہ جہاں جاؤں گا لوگوں کو گمراہ کرتا پھروں گا اور اس کا وبال ان کی گردن پر رہے گا۔ جو میرے قتل واستہلاک سے مجتنب رہے۔ اب سید جالور پہنچا۔ اس جگہ کے بے شمار باشندے اس کے مطیع ومنقاد ہو گئے۔ جالور سے ناگور اور ناگور سے ولایت سندھ کے شہر نصر پور میں داخل ہوا۔ یہاں پہنچ کر میاں نعمت اور میاں خوند میر کو تو گجرات واپس

جانے کی خود اجازت دی۔ لیکن سید کے کثیر التعداد پیرو جو اس دین جدید کی سختیوں کو جھیلتے جھیلتے سخت بیزار اور بد اعتقاد ہو گئے تھے۔ ترک رفاقت کر کے گجرات کو واپس چلے آئے۔ سید محمد نے ان کو لاکھ ڈرایا دھمکایا کہ تم جادۂ سداد سے منحرف ہو کر منافق و مرتد ہوئے جاتے ہو۔ مگر کسی نے ایک نہ سنی اور سید ہارا ستہ گجرات کا لیا۔ بی بی شکر خاتون سید کی ایک اہلیہ بھی انہی میں داخل تھی۔

چوراسی مہدویہ کی عالم گرسنگی میں ہلاکت

نصر پور سے شہر ٹھٹھہ دارالحکومت سندھ میں آیا۔ چونکہ علمائے سندھ دعویٰ مہدویت کے آغاز سے ہی لوگوں کو جونپوری فتنہ سے متنبہ کر رہے تھے۔ سندھ میں مہدویت کو کوئی فروغ نصیب نہ ہوا۔ بلکہ اس بناء پر کہ سید کے قدوم سے پیشتر ہی یہاں اس کے خلاف غیظ وغضب کی لہر دوڑ رہی تھی اور تعذیب وتعزیر کی تمنا مدت سے بے قرار تھی۔ لوگوں نے سید اور اس کے رفقاء کو فاقوں مارنے کی ٹھان لی۔ اس قرارداد کے بموجب سید کے پاس پیغام بھیجا کہ اہل سندھ کو بے دین کرنے سے باز آؤ ورنہ یاد رکھو کہ اناج کا ایک دانہ بھی تمہارے حلق میں نہ پہنچنے دیں گے۔ سید نے اس پیغام کی کوئی پروانہ کی اور حسب معتاد لوگوں پر اپنی مہدویت کے جال ڈالنے شروع کئے۔ لوگوں نے عدم تعاون کے اصول پر عمل کرتے ہوئے محدود آرزوقہ کا واحد ذریعہ بھی بند کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سید کے رفقاء میں سے چوراسی آدمیوں نے گرسنگی اور فاقہ کشی کے مصائب میں ایڑیاں رگڑتے رگڑتے جان دے دی۔ سید نے آتش رنج وغم کو ٹھنڈا کرنے کے لئے بشارت دی کہ فاقہ کش جان سپاروں کو انبیاء ومرسلین اولوالعزم کے مدارج ومقامات عطاء ہوئے ہیں۔ جب علمائے حق نے دیکھا کہ سید بدستور قوانین الٰہیہ کا نظام درہم برہم کر رہا ہے اور اسلامی جماعت کا شیرازہ بکھیرنے کی کوششیں جاری ہیں تو انہوں نے ناچار بادشاہ سے اس کی شکایت کی۔ شاہ سندھ سید کے ہفوات ومزخرفات کی اطلاع پا کر اس قدر برہم ہوا کہ اس نے سید اور اس کے تمام رفقاء کے حق میں حکم قتل صادر کیا۔ لیکن دریا خان مصاحب سلطانی کی سعی سے فرمان قتل حکم اخراج سے تبدیل ہو گیا۔ مہدویہ نے یہاں جو طرز دعوت اختیار کیا تھا وہ خود ایک خونی منظر کا اشارہ کر رہا تھا۔ مگر غنیمت ہے کہ جان بخشی ہو گئی۔ انجام کار جب سید نے دیکھا کہ اس پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا۔ لوگ ہر جگہ خشونت ودرشتی سے پیش آتے ہیں اور ہندوستان کی کوئی اسلامی سلطنت اسے اپنے یہاں پناہ دینے پر آمادہ نہیں تو اس نے کسی دوسری ولایت کے آغوش عاطفت میں رہ کر اپنی مہدویت کے زہریلے جراثیم پھیلانے کا قصد کیا۔ چنانچہ سندھ کو الوداع کہہ کر خراسان کا رخ کیا۔

خراسان فارس وعراق کے مشرقی حصہ کو کہتے ہیں۔ مہدویوں کا بیان ہے کہ اس وقت بھی قریباً نوسو آدمی سید کے ہمراہ رکاب تھے۔ جن میں سے تین سو ساٹھ ایسے منتخب تھے جن کا لقب اصحاب ومہاجرین خاص تھا۔ غرض یہ قافلہ بہزار خرابی وبربادی قندھار پہنچا۔ اس وقت سید کی حالت بہت زبون تھی اور کوہ مصائب بادلوں سے بھی بلند تر ہوگیا تھا۔ جب مرزا شاہ بیگ حاکم قندھار سید کے دعاوی سے مطلع ہوا تو حکم دیا کہ سید ہندی کو جمعہ کے دن مسجد جامع میں طلب کر کے علمائے اسلام سے بحث کرائی جائے۔ چنانچہ حسب الحکم پیادے دوڑے اور سید کو کمر بند سے پکڑ کر جبراً وقہراً اس عجلت سے لے چلے کہ جوتا پہننے کی بھی مہلت نہ دی اور جب مریدوں نے ہمراہی کا ارادہ ظاہر کیا تو انہیں سختی سے روک دیا۔ مہدوی لکھتے ہیں کہ جب سید محمد مسجد میں داخل ہوا تو علماء نے نہایت سختی سے گفتگو شروع کی۔ لیکن سید کی طرف سے نہایت عجز وانکسار کے ساتھ جواب دیا گیا۔ شہ بیگ حاکم قندھار جو جوان بست سالہ تھا۔ سید کے بیان پر فریفتہ ہوگیا اور اس کے حسن اخلاق فروتنی اور سحر بیانی سے گرویدہ ہوکر نہایت تعظیم وتکریم سے پیش آیا۔

فراہ میں ورود اور سفر آخرت

سید محمد نے علمائے قندھار کے چنگل سے مخلصی پا کر شہر فراہ کی راہ لی۔ اس وقت سید کے سر پر حزن وغم کے بادل منڈلا رہے تھے اور اس کی بیکسی قابل رحم تھی۔ لیکن ؎

ہر کس کہ چنیں کند چناں آید پیش

فراہ میں بھی نہایت سخت باز پرس ہوئی اور سختی کا برتاؤ کیا گیا۔ پہلے ایک عہدہ دار نے جو نہایت ہیبت ناک اور آشفتہ مزاج تھا آکر سید محمد اور اس کے رفقاء کے تمام اسلحہ چھین لئے اور گوشۂ کمان ہر ایک کے سر پر رکھ کر ایک ایک کو شمار کر کے کہنے لگا کہ کل کے روز تم سب زندان بلا میں ڈالے جاؤ گے۔ تاکہ لوگ تمہارے خبائث ورذائل سے محفوظ رہیں۔ اس کے بعد امیر ذوالنون حاکم شہر سید کی حالت معلوم کرنے کے لئے بذات خود آیا۔ لیکن ملاقات کے بعد سید کا معتقد ہوکر علماء کو اجازت دی کہ اس کی مہدویت کا امتحان کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دفعہ پھر علمائے اسلام سے مناظرہ ومباحثہ کی ٹھہری۔ چنانچہ بہت دن تک آپس میں بحثیں ہوتی رہیں۔ امیر ذوالنون نے یہ تمام ماجرا مرزا حسین بادشاہ خراسان کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ بادشاہ نے خراسان کو ہندوستان کی وبائے عالمگیر سے پاک رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے چار سر برآوردہ عالم بغرض مناظرہ روانہ کئے۔ یہ چاروں حضرات علم وفضل کے ستون اور میدان مناظرہ کے شہسوار

ہوں گے۔ لیکن ایسے شخص کے مقابلہ میں جس کی ساری عمر مذہبی اکھاڑوں اور جھگڑوں قضیوں میں گذری تھی اور مرزائی مناظرین کی طرح جس کے چوبیس گھنٹے اسی سوچ بچار میں گذرتے تھے کہ فریق مقابل کے استدلال میں کیا کیا الجھنیں پیدا کی جاسکتی ہیں اور حضرت شارع علیہ السلام کے ارشادات گرامی کو مسترد کرنے کے لئے بساط مناظرہ میں کون کون سے مہرے کام دے سکتے ہیں۔ خود علمائے ہندوستان کے طلب کیئے جانے کی ضرورت تھی۔ اگر یہاں سے ایک آدھ مناظر بھی چلا جاتا تو جاتے ہی سید کا ناطقہ بند کر دیتا۔ سید محمد، مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح سخن سازیوں اور تاویل بازیوں کے ہتھیار چلا کر برابر مقابلہ کرتا رہا اور علمائے خراسان اس کو ساکت و مغلوب کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ جب فراہ میں تین مہینے گذر چکے تو خوند میر اور میاں نعمت جونصر پور سے اپنے وطن کو واپس گیا تھا۔ میاں محمود فرزند سید محمد کے ہمراہ فراہ کو آیا۔ ان کے آنے کے بعد سید چھ مہینے تک اور زندہ رہا۔ آخر وہ دن آ گیا جس کا دھڑکا ہر ایک ذی روح کو اس عالم رفتنی و گزشتنی میں لگا ہوا ہے۔ یعنی سید نے بروز پنجشنبہ ۹۱۰ھ میں جب کہ اس کی عمر تریسٹھ سال کی ہوئی۔ سالہا سال کی خانہ بدوشی کے بعد غریب الوطنی و درماندگی کے عالم میں توسن حیات کی باگ ملک آخرت کی طرف پھیر دی۔ اس وقت موت کا پیغام سید کے لئے عین نوید حیات تھا۔ کیونکہ سید اپنے دعوائے مہدویت کے بعد سے جسمانی اور روحانی صدمے اٹھاتے اٹھاتے سخت بدحال ہو گیا تھا۔ مصنف شواہد الولایت جو مہدوی ہے لکھتا ہے کہ سید بروز انتقال ایک بیوی کے گھر میں تھا اور عادت یہ تھی کہ نوبت ازواج کی شناخت کے لئے زمین میں میخیں گاڑ رکھی تھیں۔ جب ان میخوں پر سایہ پہنچتا تھا تو ایک بیوی کے گھر سے دوسرے کے مکان پر جانے کی باری آتی تھی۔ اس روز جب سایہ میخ پر پہنچا تو کہا مجھے بی بی ملکہ کے گھر لے چلو۔ بی بی ملکہ وہاں موجود تھی۔ اس نے عرض کی کہ آپ تکلیف کی حالت میں ہیں اور میں خود یہاں موجود ہوں تاہم میں نے اپنی باری بخش دی۔ آپ یہیں رہیں اور جانے کی زحمت نہ اٹھائیں۔ خدام و مریدین نے بھی نہایت الحاح واصرار کے ساتھ یہی درخواست کی۔

سید نے جواب دیا تم نے تو اپنا حق بخش دیا لیکن شرع محمدی کی حد کو جس کے لئے رب العزت نے حکم فرمایا کون بخش سکتا ہے؟ اس کے بعد دو تین مرتبہ بی بی ملکہ نے بھی نہایت تضرع و دلسوزی سے یہی بات عرض کی لیکن سید نے قبول نہ کی اور کہا کہ برادران ملت ہماری رعایت کرتے ہیں۔ شریعت مصطفوی کا پاس ولحاظ نہیں کرتے۔ غرض نہ مانا اور بہزار دقت و پریشانی اپنے

تینئں بی بی ملکہ کے قیام گاہ پر پہنچایا اور تھوڑی دیر کے بعد شہر خموشاں کی راہ لی جہاں بڑی افسردگی اور بے بسی کے ساتھ کنج لحد میں سلا دیا گیا۔ ایک قوی عذر کی موجودگی میں سید نے شریعت اسلامی کا نام لے کر بی بی ملکہ کے گھر جانے پر جو اصرار کیا اس سے اس واقعہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جب کہ حسب روایت امام بخاریؒ ایک کوفی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا کہ اگر کوئی شخص حالت احرام میں مکھی مار دے تو اس پر دم (فدیہ) لازم آتا ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اہل عراق مجھ سے مکھی مارنے کے متعلق دریافت کرتے ہیں اور یہ وہی اہل عراق میں جنھوں نے ابن رسول اللہ ﷺ (حضرت امام حسینؓ) کو قتل کیا ہے۔ حالانکہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا تھا کی حسنینؓ میرے باغ دنیا کے دو پھول ہیں۔ جب سید نے اسلام کے شارع عام کو چھوڑ کر اور اسلامی عقائد سے روگردانی کر کے ایک نیئے فرقہ کی بناڈالی تو ایسے نام نہاد تقویٰ کا اظہار بالکل لایعنی تھا۔ اسی طرح قادیان کے خلیفہ المسیح مرزا محمود احمد قادیانی نے ۱۹۲۷ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے حبیبیہ حال میں ایک تقریر کی جس میں انہوں نے مسواک کو سنت رسول اللہ بتاتے ہوئے اس کا فلسفہ بیان کرنا شروع کیا۔ یہ سن کر مجھے ہنسی آ گئی کہ سبحان اللہ! مینڈکی کو بھی زکام لگا۔ جب مرزا محمود احمد قادیانی اور ان کے پیرووں کا باطن ہزارہا کفریات کا منبع ومعدن ہے تو ایک سنت زائدہ کی آڑ لے کر تقویٰ کی نمائش کرنا سخت مضحکہ خیز حرکت ہے۔ انتقال کے بعد سید کی نماز جنازہ پرانی عیدگاہ میں پڑھی گئی اور شہر فراہ اور موضع رج کے مابین ایک مقام پر نعش سپرد خاک کی گئی۔
میاں الہ داد بن جنید مہدوی نے سب کے سامنے قبر پر مرثیہ پڑھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فضلش کہ بر جمیع پیمبر شد از خدا
بادا بروز حشر شفاعت گر از خدا

۹۸۰ھ میں شاہ قاسم عراقی حاکم فراہ نے قبر پر ایک گنبد عالی کی تعمیر وتاسیس شروع کی۔ لیکن گنبد نامکمل رہا۔ اس کے بعد یکان سلطان حاکم فراہ نے اس کی تکمیل کی۔

سید کا جانشین

سید محمد کے فرزند کلاں سید محمود نے ایک سال فراہ کی سختیاں جھیلنے کے بعد گجرات میں آ کر مقام بھلوٹ میں توطن اختیار کیا۔ اب سید کے تمام خلفاء ومریدین سید محمود کی طرف رجوع ہوئے۔ اس لئے باپ کے اوائل عہد کی طرح اب اس کا ستارۂ اوج چمکنے لگا۔ جب سلطان محمود بیگرہ کو مہدویہ کے بدعات واستبداد کا حال معلوم ہوا تو سید محمود کو احمد آباد کے محبس میں قید کر

کے نہایت وزنی زنجیر اس کے پاؤں میں ڈلوائی۔ اکتالیس روز کے بعد راجی سون راجی مرادی خواہران بادشاہ کی سفارش سے کہ دونوں سید محمد کی معتقد تھیں۔ قید محن سے نجات ملی۔ لیکن زخم زنجیر کی وجہ سے پاؤں سڑ گیا۔ یہاں تک کہ ڈھائی مہینہ کے بعد پاؤں کی تکلیف سے جانبر نہ ہو سکا اور والد کی رحلت کے نو سال بعد ۹۱۹ھ میں جب کہ اس کی عمر پچاس سال کی تھی۔ موضع بھلوٹ میں محنت سرائے دنیا سے رخصت ہو کر ملک بقاء کی راہ لی۔

میاں خوند میر

جب سید محمد خرابۂ دنیا سے معمورۂ عقبیٰ کی طرف روانہ ہوا تو میاں خوند میر نے اپنے پیر و مرشد کا دسواں کرتے ہی ایران سے اپنے وطن مالوف گجرات کاٹھیاواڑ کو مراجعت کی اور نہروالا میں قیام کیا۔ خوند میر نے اپنی تعجیل معاودت کا یہ عذر پیش کیا کہ میران محمد کی روح نے اسے بعجلت تمام گجرات جانے کا حکم دیا ہے۔ سید محمود کی رحلت کے بعد یہی خوند میر فرقہ مہدویہ کا سرگردہ اور خلیفہ ثانی قرار پایا۔ اس نے بڑے طمطراق سے مذہب مہدویہ کی تبلیغ شروع کی اور لوگ بڑی تعداد میں اس کے دام تزویر میں پھنسنے لگے۔ تھوڑے دن شہر پٹن میں اقامت گزیں رہا۔ جب وہاں سے خارج کیا گیا تو ملک پیارے نام ایک مہدوی نے اسے اپنی جاگیر موضع کھانبیل میں لا کر رکھا۔ وہاں سے بھی اخراج کا حکم ملا۔ ۹۳۰ھ میں ایک دن اس کو خبر پہنچی کہ شہر احمد آباد کے حاکم نے ایک مہدوی رنگریز کو جرعہ مرگ پلا دیا ہے۔ خوند میر نے چار سوار اس غرض سے روانہ کئے کہ جا کر ان علماء کی جان لے لیں۔ جنہوں نے مہدوی رنگریز کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ یہ سوار علمائے موصوف کو جام شہادت پلا کر موضع بھولارہ میں واپس آ گئے۔ جب سلطان محمود گجراتی کو اس واقعہ ہائلہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے مہدویہ کی سرکوبی کے لئے ایک دستۂ فوج عین الملک کی قیادت میں روانہ کیا۔ کچھ شہری بھی بہ نیت حصول ثواب فوج کے شریک حال ہو گئے۔ انہوں نے پہلے کھانبیل جا کر مہدویہ کے مکانات جلائے۔ اس کے بعد خوند میر اور اس کے پیرووں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ خوند میر ساٹھ سوار اور چالیس پیادے لے کر مقابلہ کو نکلا۔ اس معرکہ میں مہدویہ کے اکتالیس آدمی کام آئے۔ خوند میر کی ایک آنکھ میں ایسا تیر لگا کہ دوسری آنکھ بھی کاسہ سر سے باہر نکل آئی۔ اتنے میں شرف الدین مہدوی بھی اسی سواروں کے ساتھ کمک لے کر آیا۔ لیکن مہدویہ کو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور موضع سدراسن کی طرف جو وہاں سے بارہ کوس کی مسافت پر ہے ہٹ گئے۔ لیکن شاہی فوج نے پیچھا نہ چھوڑا اور سدراسن پہنچ کر خوند میر اور اس کے بیٹے جلال الدین اور داماد وغیرہ

اقرباء اور مریدین کو ملا کر چون آدمی قتل کیے۔ مہدویہ اس معرکہ کو جنگ بدر ولایت سے نامزد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیت ''انا عرضنا الامانة علی السموٰت'' میں امانت سے بھی جنگ مراد ہے اور انسان سے مراد میاں خوندمیر ہے۔

سلطنت احمد نگر سے مہدویہ کا اخراج

جن ایام میں سپاہ گجرات مہدویوں کا ستھراؤ کر رہی تھی۔ انہی دنوں سلطنت احمد نگر میں ان کا طوطی بول رہا تھا۔ سلاطین احمد نگر کو سید اور اس کے پیرووں سے اس درجہ عقیدت و شیفتگی ہوئی کہ برہان نظام شاہ بحری نے اپنی قمر جمال لڑکی سید محمد جونپوری کے پوتے کے عقد ازدواج میں دے دی۔ جیسا کہ پہلے لکھا گیا۔ لیکن ۹۲۸ھ میں جب شاہ طاہر نام ایک عالم احمد نگر آ کر برہان نظام شاہ کے سلک وزارت میں منتظم ہوا تو اس نے بادشاہ کے سامنے حضرت مہدی آخرالزمان علیہ السلام کے متعلق احادیث نبویہ پیش کر کے مہدویت کا سارا طلسم توڑ دیا اور اس مذہب کا بطلان ایسے مدلل پیرایہ میں ثابت کیا کہ برہان شاہ کا مزاج اس فرقہ کی طرف سے سخت برہم ہوا اور بادشاہ کو اس عقد سے کہ ایک مہدوی کو اپنی لڑکی دے بیٹھا تھا۔ سخت کوفت و پشیمانی ہوئی۔ بادشاہ نے اس جماعت کو قرب واختصاص سے یکسر محروم کر دیا اور علمائے احمد نگر کو سرزنش کی کہ جس خوبی سے شاہ طاہر نے اس مذہب کا بطلان میرے ذہن نشین کیا ہے تم نے کیوں نہ کیا؟ اب بادشاہ نے سید جونپوری کے پوتے سے اپنی بیٹی کی طلاق حاصل کی اور حکم دیا کہ تمام مہدوی میرے حدود مملکت سے نکل جائیں۔ اس طرح مدت کے بعد سلطنت احمد نگر کو مہدوی شرور وفتن کے گرداب سے نکلنا نصیب ہوا۔ اس وقت مہدویہ کی شکست حالی قابل عبرت تھی۔ مسلمان حکمرانوں نے ان کے خلاف مواخذہ واحتساب کا کوئی پہلو اٹھا نہ رکھا۔ خصوصاً گجرات میں لوگ سب سے زیادہ تشدد وسخت گیری کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ کیونکہ ۹۵۲ھ میں حضرت شیخ علی متقی گجراتیؒ نے جو شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے استاذالاستاذ اور حدیث کی مشہور کتاب ''کنزالعمال'' کے جامع ومؤلف تھے۔ مکہ معظمہ سے ائمہ اربعہ کے مفتیوں کے چار فتوے جن میں ایک فتویٰ شیخ ابن حجر مکی مؤلف صواعق محرقہ کا بھی تھا۔ شاہ گجرات کے پاس بھجوائے۔ ان میں لکھا تھا کہ اگر مہدویہ اپنے عقائد باطلہ سے توبہ نہ کریں تو شاہ اسلام پر (بجرم ارتداد) ان کا قتل واجب ہے۔ شاہ گجرات نے ان فتوؤں کے بموجب سید جونپوری کے خلیفہ شاہ نعمت کی گرفتاری کا حکم دیا۔ جب سرکاری پیادے شاہ نعمت کو گرفتار کر کے لے چلے تو راستہ میں سید علی بن سید محمد جونپوری نے سرکاری پیادوں سے

پوچھا کہ اگر اس بزرگ کے بجائے تمہیں حضرت مہدی علیہ السلام کا فرزند ہاتھ لگے تو اسے رہا کر دو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ضرور رہا کریں گے۔ سید علی کہنے لگا کہ میں مہدی علیہ السلام کا فرزند ہوں۔ انہوں نے شاہ نعمت کو چھوڑ کر سید علی کو پکڑ لیا اور گاڑی پر ڈال کر دارالسلطنت میں لائے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے قید محن میں ڈال دو۔ سید زادہ عرصہ تک قید رہا۔ یہاں تک کہ سلطان مظفر نے قضا کی اور سلطان بہادر شاہ تخت نشین ہوا۔ جب بادشاہ نے مہم دکن سے خاطر خواہ فراغت پائی تو ملک پیر محمد مہدی نے جس سے اس جنگ میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں ظہور میں آئے تھے۔ اپنے حسن خدمات کے صلہ میں بادشاہ سے درخواست کی کہ ہمارے پیرزادہ کو جو زمانہ دراز سے شاہی قید خانہ میں محبوس ہے۔ مخلصی بخشی جائے۔ بادشاہ نے صدر خان وزیر اعظم کو حکم دیا کہ پیرزادہ مذکور کو رہا کر دو۔ صدر خان نے عرض کیا کہ وہ تو مدت سے نہنگ اجل کا لقمہ بن چکا اور مخفی طور پر اپنے رازدان مصاحب کو دوڑا کر حکم بھیجا کہ مہدی زادہ کو فوراً موت کے گھاٹ اتار دو۔ چنانچہ داروغۂ محبس نے اسے فوراً نیچے اوپر تختے رکھ کر عدم کے تہ خانہ میں پہنچا دیا۔ شاہ نعمت جو اس دن اپنے پیرزادہ کو بطور فدیہ دے کر خود بچ گیا تھا۔ وہ بھی سولہ مریدوں کے ساتھ تیر اجل کا نشانہ بن گیا۔ اس کے بعد سرکاری عہدہ داروں نے ملک الہ داد مرید سید جونپوری سے جو خوندمیر کا تربیت یافتہ تھا کہا کہ تم لوگوں نے بادشاہ وقت سے مقابلہ کیا۔ اب تم لوگ اس ملک میں ہرگز اقامت گزیں نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ملک الہ داد بھی نہایت اضطراب و پریشانی کے عالم میں وہاں سے نکل بھاگا اور مارواڑ پہنچ کر موضع پاڑکر میں دائرہ باندھ کر رہنے لگا۔ وہاں ان لوگوں کو بڑے بڑے مصائب و نوازل سے سابقہ پڑا۔ یہاں تک کہ فاقوں مرنے لگے۔ لیکن حالت یہ تھی کہ ہر شخص اپنے اپنے احوال و مقامات باطنی کا دعویٰ کر کے ہی تسلی و تثبیت کی آنکھیں روشن کر لیتا تھا۔ شاہان اسلام کے محکمۂ احتساب نے انہیں کبھی ایک جگہ ٹھہر کر اغوا کوشیوں کا موقع نہ دیا۔ اس لئے اطراف و اکناف ملک میں منتشر ہو کر دام تزویر بچھاتے اور سادہ لوح عوام کو اپنے تقدس کے سبز باغ دکھا کر گمراہ کرتے۔ لیکن ظاہر ہے کہ شاہان شریعت پناہ اس قسم کے اختلاف انگیز و فتنہ خیز تحریک کا بار آور ہونا کیونکر گوارا کر سکتے تھے۔ جو فساد فی الدین کے ساتھ سیاسیات میں بھی ہلاکت آفرین انقلاب پیدا کر سکتی تھی۔ اس آتش فتنہ کی چنگاریاں گجرات اور دکن سے اڑ اڑ کر دہلی اور آگرہ تک جا پہنچیں۔ بلکہ ایک بگولہ بنگالہ میں بھی گرا۔ لیکن ارباب حکومت کی بر وقت مداخلت نے ان شراروں کو زیادہ بھڑکنے کا موقع نہ دیا۔ یہاں ان دو ممتاز و سر بر آوردہ مہدویوں کے

حالات درج کیے جاتے ہیں۔ جن کے انقطاع ومہاجرت الی اللہ کے واقعات تواریخ ہند کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک عبداللہ نیازی ہے اور دوسرا شیخ علائی۔

عبداللہ نیازی افغان

شیخ عبداللہ نیازی اور شیخ علائی پہلے حنفی چشتی تھے۔ پھر اغوائے شیطانی نے ان کو مہدویت کے پہلو میں لا بٹھایا۔ پس ترک وانقطاع کے متعلق ان کے جو جذبات وامیال تھے وہ خانوادہ چشت کے فیضان صحبت کے شرمندۂ احسان تھے۔ مہدوی لوگ ان حالات کو اتباع مہدویت کا اثر بتایا کرتے ہیں۔ مگر یہ انتہاء درجہ کی کج فہمی ہے۔ اگر ترک وانزوا کی یہ کیفیت انہیں قبول مہدویت کے بعد حاصل ہوئی ہوتی تو اس کو مہدویت کا فیض خیال کیا جاسکتا تھا۔ لیکن یہ تو پہلے ہی سے اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ پس میں مہدویہ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اگر کسی مہدوی نے اہل سنت وجماعت کے مشائخ طریقت کی صحبت نہ اٹھائی ہو اور اس کے احوال ومواجید اہل اللہ کے حالات وکیفیات سے مطابقت رکھتے ہوں تو اس کا نام پیش کریں۔ نیازی شیخ سلیم چشتیؒ کے تربیت یافتہ تھے۔ اس طرح علائی بھی پہلے ہی سے فضائل کمالات سے متصف تھا۔ چنانچہ خواجہ نظام الدین احمد طبقات اکبری میں لکھتے ہیں: ''شیخ علائی کہ ارشد اولاد شیخ حسن بود وبفضائل وکمالات انصاف داشت قائم مقام پدر گشتہ بارشاد طالبان مشغول شد۔''

(طبقات اکبری مطبوعہ کلکتہ ج۲ ص۱۱۵)

پس ان دونوں کی ذات پر فخر کرنا عقل وخرد کا منہ چڑاتا ہے۔ بعض حضرات اس حقیقت سے آنکھیں بند کر کے سخت ٹھوکر کھاتے ہیں۔ میاں عبداللہ نیازی افغان حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے مرید وخلیفہ تھے۔ آپ ہی سے خداشناسی کی آنکھیں روشن کی تھیں۔ عبداللہ حج بیت اللہ کو گئے۔ واپسی پر جونپوری کے کسی خلیفہ سے ملاقات ہوئی۔ اس کے فقروں میں آ کر مہدوی مذہب قبول کر لیا۔ لیکن یہ ان کی غلطی تھی کہ حضرت سلیم چشتیؒ کو اطلاع دیئے بغیر مہدوی پنتھ اختیار کر لیا۔ اگر ان سے مشورہ لے لیتے یا کم ازکم اپنے شبہات ان کے سامنے پیش کرتے جنہوں نے ان کو ورطہ، ہلاکت اور قعر ضلالت میں گرایا تھا تو بچ جاتے۔ آخر خودرائی کا جو نتیجہ ہوسکتا تھا وہ ظاہر ہوکر رہا۔ شیخ عبداللہ نے مہدوی مذہب اختیار کر کے قصبہ بیانہ ریاست جے پور میں آبادی سے دور ایک باغ کے پاس سکونت اختیار کی۔ دل عشق ومحبت کی حرارت سے گداز اور تصوف سے فطری لگاؤ تھا۔ اس لئے ایک مبتدع فرقہ میں داخل ہو جانے کے باوجود بے نفسی کی اب تک یہ حالت تھی کہ خودحوض

سے گھڑے بھر کر سر پر اٹھالاتے۔ نماز کے وقت راہ گیروں، کسانوں اور دوسرے لوگوں کو جو ادھر آ نکلتے جمع کر کے نماز باجماعت ادا کرتے اور جس کسی کو ان کے ساتھ نماز پڑھنے میں تامل ہوتا اس کی تالیف قلب کے لئے کچھ اپنے پاس سے دے کر اپنے ساتھ نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے۔ جب شیخ علائی دکن کی طرف جلاوطن کیا گیا۔ چنانچہ آگے چل کر انشاء اللہ بیان کیا جائے گا تو سلطان سلیم شاہ بن شیر شاہ نیازیوں کا فتنہ دفع کرنے کے لئے آگرہ سے پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ جب بیانہ کے بالمقابل بھر سور کی منزل پر پہنچا تو مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری نے بادشاہ سے کہا کہ فتنہ صغیر یعنی شیخ علائی سے تو کچھ مدت کے لئے نجات ملی۔ لیکن فتنہ کبیر یعنی شیخ عبداللہ نیازی جو شیخ علائی کا پیر اور نیازیوں میں ایک ممتاز سر برآوردہ شخص ہے۔ ہنوز سلطنت کو چشم نمائی کر رہا ہے۔ سلطان، سلیم شاہ نیازیوں کے خون کا پیاسا تھا۔ یہ سن کر اس کی آتش خشم شعلہ زن ہوئی اور حاکم بیانہ کو جو شیخ عبداللہ نیازی کا مرید تھا حکم دیا کہ وہ شیخ کو حاضر کرے۔ حاکم بیانہ شیخ عبداللہ کے پاس گیا اور کہنے لگا میری یہ رائے ہے کہ آپ یہاں سے کسی طرف کو چل دیں میں کوئی بہانہ کر دوں گا۔ شاید بادشاہ کو دوبارہ اس طرف آنے کا اتفاق نہ ہو اور آپ کو بھول جائے۔ لیکن میاں عبداللہ نے اس تجویز کو پسند نہ کیا اور کہا کہ بادشاہ غیور واقع ہوا ہے۔ اگر میں زیادہ دور چلا جاؤں اور وہاں سے میری طلبی ہو تو اور زیادہ پریشانی کا سامنا ہوگا۔ بادشاہ ابھی دس ہی کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ابھی جا کر ملاقات کرلوں۔ مرضی مولیٰ تو یہاں بھی اور وہاں بھی حال واستقبال میں مساوی ہے۔ غرض شباشب بیانہ سے روانہ ہوئے اور حاکم بیانہ کے ہمراہ علی الصباح بادشاہ کے کوچ کے وقت لشکر سلطانی میں پہنچ گئے۔ اس وقت بادشاہ سوار ہو چکا تھا۔ شیخ عبداللہ بے باکانہ گردن اٹھائے سامنے جا کھڑے ہوئے اور السلام علیک کہا۔ حاکم بیانہ نے جو شیخ کو بادشاہ کے غضب سے بچانا چاہتا تھا۔ شیخ کی گردن پکڑ کر نیچے کو جھکا دی اور کہنے لگا کہ بادشاہوں کو یوں نہیں یوں سلام کرتے ہیں۔ اس پر شیخ عبداللہ برافروختہ ہو کر کہنے لگے۔ میں تو سلام مسنون کا پابند ہوں۔ اس کے سوا میں کوئی سلام نہیں جانتا۔ لشکریوں نے سلیم شاہ کے ایماء سے شیخ کو پیٹنا شروع کیا۔ جب تک حواس بجا تھے کلام الٰہی کی یہ آیت ورد زبان تھی۔ "ربنا اغفر لنا ذنوبنا وثبت اقدامنا وانصرنا على القوم الكفرين" سلیم شاہ نے پوچھا کیا کہتا ہے؟ مخدوم الملک نے جواب دیا کہ آپ کو اور مجھے کافر کہتا ہے۔ بادشاہ کو اور زیادہ طیش آیا اور مکرر زدوکوب کا حکم دیا۔ شیخ عبداللہ کی بہت دیر تک مرمت ہوتی رہی۔ آخر سلیم شاہ لشکر سمیت

روانہ ہوا اور لوگ شیخ عبداللہ کو اٹھا لے گئے۔ شیخ عبداللہ نے بیانہ کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ دیا۔ اس واقعہ کے تھوڑے ہی دن بعد ہمایوں بادشاہ نے ایران سے مراجعت کی اور خاندان سوری کا چراغ سلطنت گل کر کے ہندوستان کو از سر نو اپنے حوزہ تصرف میں لایا۔ شیخ عبداللہ نے بیانہ سے رخصت ہو کر جہاں گردی اختیار کی اور عرصہ تک اطراف واکناف عالم کی سیاحت میں مصروف رہے۔ لیکن انجام کار قائد توفیق الٰہی نے آخر عمر میں مہدویت سے تائب کر کے اہل حق کی صف میں لا کھڑا کیا اور سرہند میں عزلت گزیں ہو کر یاد الٰہی میں مصروف ہوئے۔ اگر شیخ علائی اس وقت تک زندہ ہوتا تو بہت بڑی امید تھی کہ اپنے پیر و مرشد کی توبہ و انابت کے پیش نظر وہ بھی مہدویت سے تائب ہو جاتا۔ لیکن افسوس کہ وہ ایسے وقت میں دنیا سے گذر گیا۔ جب کہ شیخ عبداللہ ہنوز مہدویت کے گرداب میں غوطے کھا رہے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد جلال الدین اکبر بادشاہ نے شیخ عبداللہ کو سرہند سے طلب کیا اور تنہائی میں صحبت رکھی۔ بادشاہ نے شیخ عبداللہ سے ان کے مہدوی ہونے کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے مہدویت سے اظہار براۃ کی اور کہا کہ شروع شروع میں مجھے یہ فرقہ بہت بھلا معلوم ہوا تھا۔ اس لئے مہدوی طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ لیکن کچھ زمانہ کے بعد جب حقیقت حال منکشف ہوئی تو میں بیزار ہو کر علیحدہ ہو گیا۔ بادشاہ نے انہیں اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔ اس کے بعد ۹۹۳ھ میں جب اکبر بادشاہ عازم اٹک ہوا تو سرہند پہنچ کر شیخ عبداللہ نیازی کو دوبارہ بلا بھیجا اور کچھ زمین مدد معاش کے طور پر دینی چاہی۔ لیکن انکار کیا۔ اکبر نے زبردستی فرمان معافی لکھ دیا۔ مجبور فرمان لے لیا لیکن ہمت بلند تھی زمین پر قبضہ کر کے اس سے خود ہرگز متمتع نہ ہوئے اور ساری عمر توکل وقناعت میں گزار دی۔ آخر ۱۰۰۰ھ میں عمر کی نوے منزلیں طے کر کے موت سے ہم آغوش ہو گئے۔

شیخ علائی مہدوی

شیخ علائی کے والد شیخ حسن جو حضرت خواجہ سلیم چشتیؒ کے خلیفہ تھے۔ سلطان سلیم شاہ بن شیر شاہ افغان سوری کے عہد سلطنت میں بیانہ کے اندر سجادۂ مشیخت وارشاد پر متمکن تھے۔ جب ان کا وصال ہوا تو ان کا فرزند شیخ علائی جو علمی و عملی فضائل سے متصف تھا۔ عالم شباب میں باپ کی جگہ مسند ارشاد پر بیٹھا۔ لیکن سوء اتفاق سے انہی ایام میں میاں عبداللہ نیازی نے مذہب مہدویہ اختیار کرنے کے بعد قصبہ بیانہ میں بود و باش اختیار کر لی۔ ایک دن باغ جوانی کے اس نونہال کا بھی اس باغ کی طرف گذر ہوا۔ جس کے پاس میاں عبداللہ سکونت پذیر تھے۔ وہاں شیخ عبداللہ نیازی سے

ملاقات ہوگئی۔ ان کا طور وطریقہ دیکھا تو ترک دنیا کا وہی سماں نظر آیا۔ پہلی ہی نظر میں گھائل ہوکر ان سے بیعت کرلی اور جو کچھ گھر میں تھا سب لٹا دیا۔ اس کے بعد اپنے مریدوں سے کہا کہ میں نے اپنی قسمت حضرت محمد جونپوری مہدی موعود کے دامن سے وابستہ کرلی ہے اور دین وایمان جس چیز کا نام ہے وہ حقیقت میں طریقہ مہدویہ کی پیروی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ خیال کچھ اس سحر زدۂ مہدویت کے ساتھ مخصوص نہیں تھا۔ بلکہ علائی کی طرح ہر باطل پرست دروغ باف اپنے محدث طریقہ کو برسر حق بتاتا ہے۔

مرزائیوں کو دیکھو انہیں اپنی حقانیت اور صداقت کا کس درجہ یقین ہے؟ لیکن ان گم کردگان راہ کو معلوم ہو کہ ہر وہ راستہ جو صحابہ کرامؓ اور سلف صالح کے طریق قویم سے بال بھر بھی ہٹا ہوا ہے وہ سیدھا جہنم کو جاتا اور غضب خداوندی کا مستوجب ہے۔ غرض علائی اپنی مسند مشیخت کو نذر آتش کر کے عبداللہ نیازی کے پاس جا رہا اور جاتے وقت اسباب دنیوی جو کچھ تھا یہاں تک کہ کتابیں بھی محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کردیں اور بیوی سے کہا کہ اگر فقر وفاقہ منظور ہو تو بسم اللہ میری مشایعت کرو۔ ورنہ اپنا حصہ اس مال سے لے لو اور جہاں چاہو جا رہو۔ مگر بیوی نے علیحدگی پر غربت ومسکنت کی نعمت گرامی کو ترجیح دی اور شوہر کے ایما سے تمام زر وزیور اہل حاجات میں بانٹ کر اپنا دامن توکل آلائش دنیا سے پاک کرلیا۔ اس کے مریدوں کی ایک بڑی تعداد بھی ساتھ ہولی اور سب کے سب زاویۂ غربت وانفراد میں پڑے۔ بزعم خود تزکیہ نفس میں مصروف ہوئے توکل وتفویض پر سب کا قدم ہمت استوار تھا اور زخارف دنیا کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا کفر سے بڑھ کر سمجھا جاتا تھا۔ شیخ علائی ہر روز نماز صبح کے بعد تفسیر قرآن کے درس وافادہ میں مصروف ہوتا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ طرز بیان ایسا مؤثر ودل نشین تھا کہ جو کوئی ایک دفعہ سن لیتا قطعاً اہل وعیال کو ترک کر کے دائرہ مہدویت میں داخل ہو جاتا۔ نہ شادئ ہست سے دلشاد، نہ غم نیست سے دل فگار کنج عزلت میں آسودہ دل اور بافراغ بیٹھتا۔ اگر زیادہ توفیق نہ ہوتی تو مناہی ومعاصی سے تائب ہوکر سید جونپوری کے قرب روحانی کا معترف اور گرویدہ ہو جاتا۔ باپ نے بیٹے سے بھائی نے بھائی سے اور بیوی نے شوہر سے مفارقت اختیار کر کے فقر وقناعت کا شیوہ اختیار کیا۔ علائی کے متوسلین میں سے کسی کو حرفۂ تجارت یا ملازمت سے سروکار نہ تھا۔ اس کے پاس جو کچھ نذر وفتوح آتی اس میں سب خورد وکلاں برابر کے شریک وسہیم تھے اور اگر کوئی کسب معاش بھی کرتا تو اس میں سے کم از کم دسواں حصہ راہ خدا میں صرف کرتا۔ یہ لوگ ایسے متوکل تھے کہ اگر بھوک کے مارے انزہاق

روح تک نوبت پہنچتی تو فاقے کرتے۔ مگر اس کا اظہار نہ کرتے تھے۔ باایں ہمہ فقر وفاقہ سے ہمیشہ مسلح رہتے۔ بازاروں میں امر معروف ونہی منکر کی غرض سے گشت لگاتے۔ شہر کے گلی کوچوں میں یا جہاں کہیں کوئی نامشروع بات دیکھتے پہلے نرمی سے سمجھاتے۔ اگر رفق ومدار مفید نہ ثابت ہوتا تو جبر وتشدد کر کے منکرات سے باز رکھتے۔ حکام وروسائے شہر میں جو لوگ ان کے موافق تھے وہ تو ان کی ہر طرح معاونت کرتے۔ لیکن مخالفین جو ان کو اس تشدد آمیز طریق عمل سے روکنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت نہ رکھتے وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے۔ اس طرح اندر ہی اندر مخالفت کی آگ سلگتی رہی۔ جب میاں عبداللہ نیازی نے دیکھا کہ اس کے پیرووں کا تشدد بہت بڑھ گیا اور عنقریب فساد برپا ہوا چاہتا ہے تو شیخ علائی سے کہا کہ ہجوم خلائق سے میرے اوقات میں خلل واقع ہوتا ہے اور حق گوئی اس زمانہ میں حنظل سے بھی زیادہ تلخ ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ یا تو خاموش رہ کر کنج عزلت اختیار کر دو یا سفر حج کی تیاری کرو۔ شیخ علائی زیارت بیت اللہ کے لئے روانہ ہوا۔ ستر گھرانے بھی اس بے سروسامانی کے عالم میں ساتھ ہو لئے۔ جب یہ قافلہ خواص پور میں جو جودھ پور کے حدود میں واقع ہے۔ پہنچا تو خواص خاں خیر مقدم کے لئے آیا اور مہدی مذہب قبول کیا۔ لیکن جب چند روز کے بعد مذہب مہدویت کی برائی اس پر روشن ہو گئی تو تائب ہو گیا۔ شیخ علائی نے اس کی برگشتگی کا لحاظ کر کے یہ حیلہ تراشا کہ خواص خاں امر معروف ونہی منکر میں میری موافقت واطاعت نہیں کرتا۔ غرض اس سے بگاڑ پیدا کر کے خواص پور سے رخصت ہوا اور سفر حجاز کی عزیمت فسخ کر کے بیانہ کو لوٹ آیا۔

سلیم شاہ سوری بادشاہ دہلی انہی دنوں آگرہ میں اورنگ سلطنت پر بیٹھا تھا۔ مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری نے سید رفیع الدین محدث میاں ابوالفتح تھانیسری اور بعض دوسرے علماء کو جمع کر کے بادشاہ سے شیخ علائی کی فتنہ انگریزیوں کا شکوہ کیا۔ بادشاہ نے شیخ علائی کو آگرہ میں طلب کیا۔ شیخ علائی اپنے مریدوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ جو ہر وقت ہتھیار لگائے رہتے تھے۔ بیانہ سے روانہ ہو کر حاضر دربار ہوا اور بادشاہوں کے رسوم وآداب کو بالائے طاق رکھ کر سنت نبوی کے مطابق تمام حاضرین مجلس کو السلام علیکم کہا۔ سلیم شاہ نے بڑی نفرت واستکراہ کے ساتھ وعلیک السلام جواب دیا۔ شیخ کی یہ جسارت مقربان درگاہ پر سخت شاق گذری۔ اعیان دولت نے سلیم شاہ کے پہلے ہی کان بھر رکھے تھے کہ حضرت مہدی علیہ السلام روئے زمین کی بادشاہت کریں گے اور یہ مبتدع خود بھی مہدویت کا مدعی ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ اس شخص

کی نیت بھی خروج و بغاوت کی ہو۔ عیسیٰ خاں نے جو بادشاہ کے منہ لگا ہوا تھا۔ شیخ علائی کی شکستہ حالی رنگین کپڑوں اور پھٹی جوتی دیکھ کر پھبتی اڑائی کہ یہ حالت و ہیئت اور بادشاہی کی امنگیں؟ اور بادشاہ کو خطاب کر کے کہنے لگا کہ ہم افغان دنیا سے نابود ہو گئے ہیں کہ ایسے ایسے گدا بھی بادشاہی کی ہوس کریں۔ شیخ علائی کے دل پر درباریوں کے طعن و تعریض اور بادشاہ کی برافروختگی کا کوئی اثر نہ ہوا اور مجلس بحث منعقد ہونے سے پہلے بموجب عادت معہود کلام الٰہی کی چند آیتیں پڑھ کر ایک نہایت برجستہ اور فصیح و بلیغ تقریر شروع کر دی۔ جس میں دنیا کی بے ثباتی، احوال حشر و نشر کی تصویر ایسے رنگ میں کھینچی کہ دل پانی ہو گئے۔ سلیم شاہ اور مقربان درگاہ جن کے جذبات سخت مشتعل ہو رہے تھے۔ بجائے قہر و غضب کی بجلیاں گرانے کے زار و قطار رونے لگے۔ آخر بادشاہ اٹھ کر محل سرائے میں چلا گیا اور وہاں سے شیخ علائی اور اس کے رفقاء کے لئے خود اپنے سامنے کھانا بھجوایا۔ مگر نہ تو شیخ نے کھانا تناول کیا اور نہ بادشاہ کی آمد پر تعظیم بجالایا۔ اپنے ساتھیوں سے صرف اتنا کہا کہ جس کا جی مانے وہ کھائے۔ جب بادشاہ کا یکساں حق ہے اور تو حکم شرع کے خلاف اپنے حق سے زیادہ پر متصرف ہو رہا ہے۔ اس لئے تیرے ہاں کا کھانا حرام و ناجائز ہے۔ سلیم شاہ کو غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کیا اور تحقیق بحث علماء کے سپرد کر دی۔

بعد ازاں وہ علماء جو اپنے تبحر علمی کے نقارے بجایا کرتے تھے۔ شیخ علائی سے مسئلہ مہدویت میں الجھنے لگے۔ میر سید رفیع الدین صفوی نے وہ احادیث بیان کیں۔ جن میں حضرت مہدی علیہ السلام کے علائم و خصوصیات مذکور ہیں۔ شیخ نے جواب دیا کہ تم شافعی المذہب ہو اور ہم حنفی ہیں۔ ہمارے تمہارے اصول میں بڑا فرق ہے۔ اس لئے تمہاری توجیہ و تاویل ہمارے لئے سند نہیں ہو سکتی۔ سید صفوی سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔ لیکن سید صاحب کو اس کا یہ جواب دینا چاہئے تھا کہ ظہور مہدی علیہ السلام کا عقیدہ ان فروعی مسائل میں سے نہیں جن میں حنفی و شافعی مختلف ہیں۔ بلکہ یہ عقیدہ اجماعی اور مسلم الثبوت ہے اور تم حنفیت کی آڑ میں کیونکر پناہ لے سکتے ہو۔ جب کہ تم نے حنفی عقائد سے منہ موڑ کر ایک مبتدع مذہب کی پیروی اختیار کر رکھی ہے۔ مولانا عبداللہ سلطانپوری المخاطب بہ مخدوم الملک نے جو بادشاہ کے مقربوں میں سے تھے۔ علائی کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ لکھا۔ یہ دیکھ کر علائی دشنام دہی پر اتر آیا اور مخدوم الملک طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ تو سگ دنیا اور خود فاسق و فاجر ہے اور عہدۂ قضا کے کسی طرح لائق نہیں۔ تیری کیا بساط ہے کہ مجھے واجب القتل ٹھہرائے۔ تیرے گھر سے تو علی الاعلان ساز و سرود کی آواز سنائی دیتی ہے

اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ نجاست پر بیٹھنے والی مکھی اس عالم سے بدرجہا بہتر ہے۔ جس کا پیشہ سلاطین و امراء کی خوشامد و چاپلوسی ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر احکام شریعت اور حدود اللہ کے اجراء میں سلاطین اسلام سے تعاون کرنا تملق و چاپلوسی ہے تو ہر شیدائی حق کو اس کا مرتکب ہونا چاہئے۔ عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ آگرہ کا ملا جلال بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ بساط جرأت پر قدم رکھ کر وہ حدیث بیان کرنے لگا۔ جس میں جناب مہدی آخر الزمان کا حلیہ مذکور ہے اور اس میں لفظ اجلی الجبهة کی بجائے اجل الجبهة (بفتح جیم وتشدید لام) جو لفظ جلال سے مشتق اور جلیل کی تفضیل ہے پڑھا۔ شیخ علائی نے مسکراتے ہوئے کہا تو عوام الناس میں اپنے آپ کو بڑا فاضل مشہور کرتا ہے۔ حالانکہ عربی کا ایک فقرہ بھی صحیح نہیں پڑھ سکتا۔ تو حدیث کے نکات اور اشارات کو کیا خاک سمجھے گا۔ یہ لفظ اجلی الجبهة جلا کی تفضیل ہے۔ نہ کہ تیرے نام جلال کی۔ بیچارہ ملا جلال ایسا خفیف ہوا کہ پھر لب کشائی کی ہمت نہ ہوئی۔ مگر بدایونی کا یہ بیان کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے۔ کیونکہ علم حدیث کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ حدیث میں حضرت مہدی علیہ السلام کو اجلی الجبهة (روشن پیشانی والا) کہا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ملا جلال جو علمائے دربار میں داخل تھے اتنے جاہل نہیں ہو سکتے تھے کہ وہ ایک ایسی معمولی چیز سے بھی بے خبر ہوتے۔ جس کو عربی کے ادنیٰ طالب العلم بھی جانتے ہیں۔ سلیم شاہ سخت خلجان میں تھا کہ شیخ علائی کی نسبت کیا حکم صادر کرے؟ آخر شیخ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تم جونپوری کو مہدی موعود ماننے سے باز آ جاؤ اور آہستہ سے میرے کان میں اس عقیدہ سے اظہار برأت کر دو تو اپنی قلمرو میں تمہیں محتسب مقرر کر دیتا ہوں۔ اب تک میری اجازت کے بغیر امر معروف و نہی منکر کرتے رہے۔ اب میرے حکم سے کرتے رہو۔ ورنہ علماء تمہارے قتل و صلب کا فتویٰ دے ہی چکے ہیں۔ گو میں نہیں چاہتا کہ تمہارا خون گراؤں۔ علائی نے جواب دیا کہ تمہارے کہنے سے میں اس عقیدہ کو نہیں بدل سکتا۔ شیخ چند روز آگرہ میں رہا۔ جاسوس سلیم شاہ کو پل پل کی خبریں پہنچا رہے تھے کہ آج فلاں افغان سردار نے مذہب مہدویہ قبول کیا اور آج فلاں امیر نے شیخ کا مرید ہو کر ترک علائق کیا اور آج شیخ کے حلقۂ ارادت کو اس قدر وسعت ہوئی۔ سلیم شاہ مخدوم الملک کے فتویٰ کے باوجود حکم قتل میں مبادرت نہ کرتا تھا۔ آخر بصد مشکل قصبہ ہندویہ کی طرف جو سرحد دکن پر واقع تھا۔ جلاوطنی کا حکم دیا۔ شیخ یہ حکم سن کر بہت خوش ہوا۔ کیونکہ اسے کئی سال سے دکن کی سیر اور ان بلاد کے مہدویہ کی ملاقات کا شوق دامنگیر تھا۔ ہندویہ میں پہلے ہی مہدوی بدمذہبی کی گرم بازاری تھی۔ جب شیخ علائی یہاں پہنچا تو یہاں کا حاکم جس کا

نام بہار خان اور لقب اعظم ہمایوں شروانی تھا۔ اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا اور اس کا تعصب سے زیادہ لشکر بھی مہدوی ہو گیا۔ بادشاہ کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی تو بڑا تلملایا۔ مخدوم الملک نے بادشاہ کو یہ صلاح دی کہ علائی کو ہندو یہ سے طلب کر کے اس پر شرعی حد لگائی جائے۔ چنانچہ شیخ کو سرحد سے واپس بلا لیا گیا۔ اس مرتبہ سلیم شاہ نے علماء کو پھر جمع کر کے اس قضیہ کے متعلق انتہائی تحقیق و تفتیش کا حکم دیا۔ مخدوم الملک نے سلیم شاہ سے کہا کہ یہ شخص خود بھی مہدویت کا مدعی اور حضرت مہدی آخر الزمان روئے زمین کے فرمانروا ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور کے لشکریوں کا اس شخص سے اس درجہ شیفتگی ہے۔ حتیٰ کہ حضور کے بہت سے اعزاء و اقارب بھی در پردہ اس کے مذہب میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس لئے قوی احتمال ہے کہ اس کی ذات سے نظام سلطنت میں فتور واقع ہو۔

بادشاہ کا خیال تھا کہ مخدوم الملک علائی سے بغض و عناد رکھتا ہے اور ہر طرح سے کوشاں ہے کہ کسی طرح اس کی تخریب و بیخ کنی میں کامیاب ہو۔ اس لئے چاہتا تھا کہ کسی دوسرے عالم بے غرض سے اس قضیہ کا فیصلہ کرائے۔ ان ایام میں دہلی اور آگرہ کے اندر اس پایہ کا کوئی جامع عالم نہیں تھا۔ جس کی طرف رجوع کیا جا سکتا۔ اس لئے بادشاہ نے مخدوم الملک کے فتوائے قتل کو نظر انداز کر کے ۹۵۵ھ میں حکم دیا کہ شیخ علائی کو علامہ بڈھ طبیب کے پاس بہار لے جائیں تا کہ ان کے فتوے کے بموجب عمل کیا جائے۔ ان دنوں علامہ شیخ بڈھ کے علم و فضل کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ شیخ بڈھ صاحب تصنیف تھے۔ قاضی شہاب الدین جونپوری کی کتاب الارشاد پر ایک اچھی شرح لکھی تھی۔ شیر شاہ سوری ان کا ایسا معتقد تھا کہ ان کے پاؤں کی جوتیاں اپنے ہاتھ سے سیدھی کیا کرتا تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ جب شیخ علائی بہار پہنچا تو اتفاقاً شیخ بڈھ کے ہاں کوئی خوشی کی تقریب تھی۔ گانے بجانے کی آواز گھر سے آ رہی تھی اور ایسے رسوم ادا ہو رہے تھے جو شرعاً ممنوع ہیں اور مسلمانوں نے ہندوؤں کے اثر صحبت سے سیکھے ہیں۔ علائی نے جوش غضب میں آ کر شیخ بڈھ کو ملامت شروع کر دی۔ شیخ اس وقت اس قدر معمر اور کہن سال تھے کہ یارائے گفتار بھی نہ تھا۔ علامہ کے بیٹوں نے جواب دیا کہ ملک میں ایسے عادات و رسوم رائج ہیں کہ اگر ان سے روکا جائے تو ناقص العقل عورتیں خیال کرتی ہیں کہ جان یا مال یا بدن میں ضرور کوئی آفت آئے گی اور اگر سوء اتفاق سے کوئی خرابی ظہور پذیر ہو جائے تو کہنے لگتی ہیں کہ سارا وبال فلاں رسم کے ادا نہ کرنے کا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ ایسے عقیدہ پر کافر ہو جاتی ہیں اور کافر ہونے سے ان کا فاسق رہنا غنیمت

ہے۔ شیخ علائی نے جواب دیا کہ عذر گناہ بدتر از گناہ اسی کو کہتے ہیں۔ جب شروع ہی سے یہ اعتقاد ہے کہ گناہ نہ کرنے سے وبال آتا ہے اور سنت نبوی کی پیروی موجب ہلاکت ہے تو ایسا اعتقاد رکھنے والی عورتیں شروع ہی سے کافر ہیں تو پھر ان کے اسلام کا لحاظ کیا ضرور ہے۔ بلکہ ان کی صحت نکاح میں کلام ہے۔ چہ جائیکہ ان کے اسلام کا غم کھایا جائے اور جب ایسے مرجع انام اور فاضل دہر کا یہ حال ہو تو عوام کا تو بس خدا ہی حافظ ہے۔ شیخ بڈھ خوف خدا کا درد دل میں رکھتے تھے۔ استغفار کر کے اشکبار ہو گئے اور شیخ علائی کی تحسین و آفرین کر کے اعزاز و اکرام سے پیش آئے۔ حسب بیان عبدالقادر بدایونی شیخ بڈھ نے اب سلیم شاہ کے نام خط لکھا کہ مسئلہ مہدویت ایمان کا موقوف علیہ نہیں ہے اور تعیین علامات مہدی علیہ السلام میں بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس بناء پر شیخ علائی کے کفر و فسق کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ بہتر یہ ہے کہ شیخ علائی کے شبہات دور کیے جائیں۔ وہاں علماء کے کتب خانوں میں حدیث کی کتابیں بکثرت ملیں گی۔ احادیث مہدی علیہ السلام نکال کر ان کے ذہن نشین کی جائیں۔ یہاں کتابیں کمیاب ہیں۔ ورنہ میں شیخ پر اس کی غلطی اور کج روی واضح کر دیتا۔ شیخ بڈھ کے لڑکوں نے باپ کو سمجھایا کہ مخدوم الملک صدر الصدور ہیں۔ ان کے خلاف رائے دینا کسی طرح مناسب نہیں۔ ایسی حالت میں اگر انہوں نے بادشاہ سے کہہ کر آپ کو اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے آگرہ طلب کرایا تو اس پیرانہ سالی میں ناحق سفر کی زحمت اٹھاؤ گے۔ یہ بات بڈھ کے دل پر اثر کر گئی۔ چنانچہ پہلی چٹھی چاک کر کے دوسرا مراسلہ اس مضمون کا لکھ بھیجا کہ مخدوم الملک طبقۂ علماء میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور انتہاء درجہ کے محقق ہیں۔ اس لئے ان کا قول اور فتویٰ قابل اعتماد ہے۔

لیکن بدایونی نے منتخب التواریخ کے مختلف مقامات پر مہدویہ کی تعریف میں جس مبالغہ اور رنگ آمیزی سے کام لیا ہے۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ انہوں نے مہدوی گم کردگان راہ کی زبان سے جو کچھ رطب دیا بس سنا اسی کو وحی منطوق سمجھ کر بلا تحقیق اپنی تاریخ میں درج کر لیا۔ خود عبدالقادر کو تسلیم ہے کہ شیخ بڈھ اس وقت اعلم علمائے ہند تھے اور ان کی علمی عظمت اور عملی تقدس کے نقش دلوں پر اس درجہ مرتسم تھے کہ شہنشاہ ہند سلطان شیر شاہ سوری ان کی جوتیاں اٹھا کر ان کے سامنے رکھنے میں اپنا فخر سمجھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اتنا بڑا علامہ دہر ایسی لغو اور تمسخر انگیز بات زبان قلم پر کیونکر لا سکتا تھا کہ تعیین علامات مہدی علیہ السلام میں اختلاف ہے۔ اس سے قطع نظر اتنے بڑے عالم حق اور وارث علوم نبوت سے یہ بھی بعید تھا کہ وہ آگرہ تک کا سفر اپنے دوش ہمت پر قبول نہ

کرے۔ لیکن کسی عالم حق کے بے گناہ ہلاک و برباد ہو جانے کو چپ چاپ گوارا کرے۔ الغرض شیخ بڈھ کی دو چٹھیوں کا افسانہ محض لغو اور حامیان شریعت کے دشمنوں کا دماغی اختراع ہے۔ خواجہ نظام الدین احمد مؤرخ نے تاریخ طبقات اکبری میں پہلی چٹھی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو لکھتے ہیں: "سلیم خان گوش بسخن مخدوم الملک نکردہ باز شیخ علائی را در بہار پیش شیخ بڈھ طبیب دانشمند کہ شیر خاں معتقد او بود و کفش پیش پائے اومی نہاد فرستاد تا بموجب فتویٰ او عمل نماید و سلیم خاں بجانب پنجاب توجہ نمودہ بتعمیر قلعہ مانکوٹ مشغول شد۔ چون شیخ علائی بہ بہار رفت شیخ بڈھ موافق فتویٰ مخدوم الملک نوشتہ بقاصدان سلیم خان داد۔" (طبقات اکبری مطبوعہ کلکتہ ج ۲ ص ۱۱۷، ۱۱۸)

اور لطف یہ ہے کہ ایک نام نہاد عالم نے جو الحاد و نیچریت کی طرف مائل ہے۔ بدایونی بیانات کی بنائے فاسد پر دشنام دہی کی بڑی بڑی بلند عمارتیں کھڑی کر لی ہیں اور ملاحدۂ مہدویہ کی تائید میں حامیان شریعت مصطفوی (علیٰ صاحبہا التحیہ والسلام) کو معاذ اللہ علمائے سوء قرار دے کر ایسی شرمناک گالیاں دی ہیں کہ جن کو پڑھ کر ایک غیور مؤمن جسے ما جاء بہ النبی ﷺ سے کچھ بھی محبت ہے۔ سخت روحی صدمہ محسوس کرتا ہے اور پھر دیانت داری اور حق پسندی کا کمال دیکھو کہ اس نے نیازی اور علائی کی تعریف میں تو زمین آسمان کے قلابے ملائے۔ لیکن مقدم الذکر کی انابت اور رجوع الی الحق کا کہیں بھول کر بھی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ خود بدایونی نے نیازی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ: "عاقبت بہ سرہند آمدہ از راہ و روش مہدویہ ابا آوردہ و سائر مہدویہ را از اں اعتقاد باز داشتہ بروش متشرعان عامہ و اہل اسلام سلوک می ورزید۔" (منتخب التواریخ بدایونی ص ۔۔ طبع ۱۸۶۶ء)

ان دنوں سلطان سلیم شاہ پنجاب آیا ہوا تھا۔ جب شیخ بڈھ کا سربمہر خط بادشاہ کو ملا تو پڑھ کر شیخ علائی کو اپنے پاس بلایا اور نزدیک کر کے آہستہ سے کہا کہ تم تنہا میرے کان میں کہہ دو کہ میں اس عقیدہ سے تائب ہوتا ہوں۔ بس اتنا کہہ کر مطلق العنان اور فارغ البال ہو جاؤ۔ علائی نے کچھ التفات نہ کیا۔ بادشاہ نے مایوس ہو کر مخدوم الملک سے کہا اچھا تم جانو۔ اس اثناء میں شیخ علائی پر مرض طاعون کا حملہ ہوا۔ جو ملک میں پھیل رہا تھا اور اس کی وجہ سے حلق میں زخم ہو گیا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ میری موجودگی میں تازیانے لگاؤ۔ جلاد نے تیسری ہی ضرب لگائی تھی کہ روح نے تن سے مفارقت کی۔

مہدوی خرافات و کفریات

تیرھویں صدی ہجری کے اواخر میں حیدرآباد دکن کے مہدویہ نے اہل اسلام کی مذمت

میں ایک کتاب شائع کی تھی۔ علمائے امت نے اس کتاب کو ناقابل التفات سمجھ کر اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ مہدویوں نے پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ علمائے اہل سنت نے ہماری کتاب کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ جب ان کی زبان درازیاں حد اعتدال سے متجاوز ہوئیں تو مولانا محمد زمان خان شاہجہان پوری نے جو مولانا عبدالحئی مرحوم لکھنوی کے شاگرد اور اعلیٰ حضرت شاہ دکن کے استاد تھے۔ ۱۲۸۵ھ میں ان کی غرور شکنی اور احقاق حق کا عزم فرما کر ایک کتاب بنام "ہدیہ مہدویہ" تصنیف کی جس میں مہدوی اقوال کو خود انہی کے مسلمات سے مسترد کر کے ان کے مذہب کا بطلان واضح فرمایا۔ یہ ایسی بلند پایہ تصنیف تھی کہ اس نے مہدوی حلقوں میں ہلچل ڈال دی۔ چونکہ مہدویہ کے پاس ہدیہ مہدویہ کی تحریروں کا کوئی علمی جواب نہ تھا۔ انہوں نے زبان قلم کے بجائے زبان تیغ سے اس کا جواب دینا چاہا۔ چنانچہ مہدوی پیشوایان مذہب نے اپنے پیروؤں میں اعلان کیا کہ جو کوئی (مولوی) زمان خاں (صاحب) کو جام مرگ پلائے گا ہم اسے جنت میں مروارید کے دو عالیشان محل اور خرما کے چار سو درخت دیں گے۔ اس ابلہ فریبی پر ایک مہدوی نوجوان مولانا ممدوح کی جان کے درپے ہوا۔ چنانچہ بتاریخ ۶ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ مولانا زمان خان حسب معمول دو خدمت گاروں کے ساتھ مسجد میں تشریف لے گئے اور بعد نماز مغرب دوزانو بیٹھ کر تلاوت قرآن میں مصروف ہوئے۔ اس وقت مہدوی نوجوان ستون مسجد کی آڑ میں موقع کا منتظر کھڑا تھا۔ جب ایک خدمت گار کسی کام کے لئے مسجد سے باہر گیا تو مہدی نابکار نے بڑھ کر زور سے ایک کٹار مولانا ممدوح کے مونڈھے پر مارا۔ پھر ایک کٹار سر پر اور دو شاہ رگ پر مارے۔ مولانا نے کلام اللہ پر سر رکھ کر شربت شہادت نوش فرمایا۔ یہ فرقہ حیدر آباد دکن ریاست ٹونک، جے پور وغیرہ مقامات میں سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں پایا جاتا ہے اور مرزائیوں کی طرح بڑا مفسد گروہ ہے۔ اس نے گذشتہ زمانہ میں جو جو فساد انگریزیاں کی ہیں۔ اس کی تفصیل کتاب ہدیہ مہدویہ میں موجود ہے۔ اس گمراہ فرقہ کے چند عقائد و خیالات ہدیہ مہدویہ سے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

مہدویہ کہتے ہیں کہ:

۱...... سید محمد جونپوری کی مہدویت کی تصدیق فرض ہے اس کا انکار کفر ہے اور ۹۰۵ھ سے جب کہ جونپوری صاحب نے دعوائے مہدویت کیا آج تک جس قدر اہل اسلام دنیا میں گذرے یا قیامت تک پیدا ہوں۔ یہ سب اس انکار کے کافر مطلق ہیں۔

۲...... گو سید محمد جونپوری امت محمدی میں داخل ہیں۔ لیکن خلفائے راشدین اور تمام دوسرے صحابہ سے افضل ہیں۔

۳...... سید جونپوری حضرت محمد ﷺ کو چھوڑ کر باقی تمام انبیاء ومرسلین حضرت ابراہیم خلیل، حضرت موسیٰ کلیم، حضرت عیسیٰ روح اللہ وغیرہم (علیہ السلام) سے افضل ہیں۔

۴...... گو سید محمد جونپوری محمد ﷺ کے تابع تام ہیں۔ لیکن رتبہ میں حضرت خاتم المرسلین ﷺ کے برابر ہیں۔ دونوں میں سرمو بھی کمی بیشی نہیں ہے۔

۵...... احادیث رسول اللہ گو کیسی ہی روایات صحیحہ سے مروی ہوں۔ لیکن وہ اس وقت تک صحیح اور قابل اعتماد نہیں جب تک سید جونپوری کے اقوال، احوال اور الہامات کے مطابق نہ ہوں۔

۶...... سید محمد جونپوری اور محمد ﷺ پورے مسلمان ہیں۔ ان کے سوا دوسرے لوگ حضرت آدم، ابراہیم، نوح، موسیٰ عیسیٰ (علیہم السلام) ناقص الاسلام تھے۔ کوئی پیغمبر نیم مسلم تھا کوئی ثلث مسلمان کوئی ربع مسلمان۔ چنانچہ کتاب پنج فضائل میں شاہ دلاور نے اپنے مہدی سے روایت کی کہ آدم علیہ السلام ناک کے نیچے سے بالائے سر تک مسلمان تھے۔ نوح علیہ السلام زیر حلق سے بالائے سر تک مسلمان تھے۔ ابراہیم وموسیٰ زیر سینہ سے سر تک مسلمان تھے اور عیسیٰ علیہ السلام زیر ناف سے بالائے سر تک مسلمان تھے۔ البتہ عیسیٰ علیہ السلام جب دوسری مرتبہ دنیا میں آئیں گے تو پورے مسلمان ہو جائیں گے اور مہدوی کتاب انصاف نامہ کے بارھویں باب میں لکھا ہے کہ میاں خوندمیر نے سید محمد جونپوری سے کہا کہ تمام دنیا میں دو مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ ایک محمد رسول اللہ ﷺ اور دوسرے آپ میراں محمد جونپوری نے جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ بعض انبیاء کا سر مسلمان ہوا تھا۔ بعض کا داہنا پہلو۔ کسی کے بائیں پہلو۔ مگر دونوں از سر تا پا مسلمان ہوئے ہیں۔

۷...... تصحیح مہدی علیہ السلام کا اعتقاد رکھنا فرض ہے۔ تصحیح کے یہ معنی ہیں کہ انبیاء، رسل، اولیاء اور تمام مؤمنین ومومنات کی روحیں آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک سید جونپوری کے حضور میں پیش کی جاتی ہیں اور وہ ان کا داخلہ اور موجودات دیکھتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان ارواح کو حکم دیتا ہے کہ تم نے جس خزانہ سے نور لیا تھا۔ پھر اس محل سے مقابلہ کر کے تصحیح کرو پس جو شخص یہاں مقبول ہوا وہ خدا کے ہاں بھی مقبول ہے اور جو یہاں مردود ہوا وہ عنداللہ بھی مردود ہے

اور کتاب پنج فضائل میں لکھا ہے کہ سید محمد جونپوری نے اپنے داماد خوندمیر سے فرمایا کہ جس طرح بندہ کے پاس ارواح کی تصحیح ہوتی ہے میاں خوندمیر کے پاس بھی ہوا کرے گی۔

۸...... سید محمد جونپوری رسول صاحب شریعت ہیں۔ ان کی شریعت شرع محمدی کے بعض احکام کی ناسخ ہے۔

۹...... سید جونپوری منصب نبوت ورسالت کے علاوہ بعض صفات الوہیت میں حق تعالیٰ کے شریک ہیں۔ چنانچہ کتاب شواہد الولایت کے اکتیسویں باب میں لکھا ہے کہ مہدی جونپوری نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اس بندے کو جملہ موجودات کے احوال اس طرح معلوم کرا دیئے ہیں کہ جس طرح کوئی شخص رائی کا دانہ ہاتھ میں رکھتا ہو اور اسے ہر طرف پھرا کر کماحقہ، پہچانے اور واقف ہو اور مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے جملہ موجودات کے احوال اس طرح معلوم ہیں جس طرح صراف سونے چاندی کو ہاتھ میں لے کر ہر طرف پھراتا ہے اور کماحقہٗ پہچانتا ہے اور پنج فضائل میں لکھا ہے کہ سید جونپوری نے اپنے خلیفہ میاں دلاور کے حق میں فرمایا کہ میاں دلاور پر عرش سے تحت الثریٰ تک ہر چیز اس طرح روشن ہے جس طرح ہاتھ میں رائی کا دانہ ہو۔

۱۰...... عالم کائنات میں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کا خالق خدا نہیں۔ کائنات میں بعض چیزیں من کل الوجوہ غیر مخلوق ہیں۔ بعض من وجہ مخلوق اور من وجہ غیر مخلوق ہیں۔ چنانچہ سید قاسم مہدوی نے لکھا کہ: ''جوہر اوّل وروح حقیقی وولایت محمدی وجملہ کتب وصحائف ایں ہمہ غیر مخلوق اند ومن دون ہذا کل اشیاء بری وبحری علوی وسفلی مخلوق اند اختی خاتمین۔'' (یعنی خاتم الرسالۃ محمد رسول اللہ ﷺ وخاتم الولایۃ مہدی جونپوری) ''فی المعنی غیر مخلوق وفی الصور مخلوق اند پس اہل تمیز ہمہ علمائے اہل شریعت ولایت را مخلوق گویند وہمہ اولیائے اہل حقیقت قدیم وغیر مخلوق گفتہ اند۔'' مہدویہ کا یہ عقیدہ آریوں کے خیال سے ملتا ہے جو روح اور مادہ کو خالق کردگار کی مخلوق نہیں سمجھتے۔ بلکہ ایزد متعال کی طرح قدیم خیال کرتے ہیں۔

۱۱...... مہدی جونپوری کے اصحاب کا درجہ محمد رسول اللہ ﷺ کے برابر ہے۔ چنانچہ کتاب شواہد الولایت کے اکتیسویں باب کی سینتیسویں خصوصیت میں لکھا ہے کہ جناب رسالت مآب نے مہدی کے اصحاب کا مرتبہ اپنے مرتبے کے برابر فرمایا ہے اور پنج فضائل میں لکھا ہے کہ ایک روز میاں عبدالرحمٰن نے یہ حدیث پڑھی کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ مہدی کے اصحاب میرے بھائی اور مرتبہ میں میرے برابر ہیں۔ شاہ نظام نے سن کر کہا کہ یہ صفت عوام

اصحاب مہدی کی ہے۔ بڑے اصحاب کا مرتبہ اس سے بھی اور آگے ہے اور پنج فضائل میں لکھا ہے کہ ایک دن سب آدمی صف بستہ بیٹھے تھے۔ شاہ دلاور خلیفہ جونپوری نے اپنی بیوی خوند بوا سے کہا دیکھو یہ وہ لوگ ہیں جو مرسلین کا مقام رکھتے ہیں اور کہا کہ مرسل اسے کہتے ہیں کہ مہتر جبرئیل اس پر وحی لائیں۔ لیکن بارہ آدمی ان سے بھی فاضل تر ہیں۔

۱۲...... اگر دربار نبوت میں ایک صدیق (حضرت ابوبکرؓ) تھے تو مہدی کے دربار میں دو ہیں۔ سید محمود اور خوندمیر اور اگر خلفائے راشدین وہاں چار تھے تو یہاں پانچ ہیں۔ سید محمود، خوندمیر، میاں نعمت، میاں نظام اور میاں دلاور اور اگر وہاں عشرہ مبشرہ تھے تو یہاں بارہ مبشر ہیں۔

۱۳...... مہدی جونپوری کے نواسے سید محمود بن خوندمیر کے ساتھ لڑکپن میں (معاذ اللہ) خدا ہمیشہ کھیلا کرتا تھا۔

۱۴...... شواہد الولایت کے آٹھویں باب میں لکھا ہے کہ شیخ مہاجر نے مردہ زندہ کیا اور حضرت مہدی موعود نے اس کو عیسیٰ علیہ السلام کا قائم مقام بتایا۔ مصنف کتاب مذکور لکھتا ہے کہ ذات مہدی کے فیضیاب کو چاہئے کہ مقام عیسیٰ علیہ السلام پر فائز ہونے کے باوجود قم باذن اللہ سے احتراز کرے۔ یہ باب ہدیہ مہدویہ منتخب التواریخ اور دوسری کتابوں سے ماخوذ ہے۔ چونکہ اکثر مندرجات کا ماخذ مہدوی بیانات ہیں۔ اس لئے ان میں مبالغہ کا رنگ نمایاں ہے۔ ہدیہ مہدویہ کے منقولات کتاب مذکور کے صفحات ۳۴، ۴۴ پر ملاحظہ ہوں۔

مولانا زمان خاں شہید نے اس قسم کے مہدوی خرافات اور بھی جمع کئے ہیں۔ لیکن میں بصد اختصار انہی پر اکتفاء کرتا ہوں جو حضرات ان کفریات کے جوابات معلوم کرنا چاہیں۔ وہ کتاب ہدیہ مہدویہ (صفحات ۱۶، ۳۳) کا مطالعہ فرمائیں۔

باب ۵۲ ...... حاجی محمد فرہی

حاجی محمد فرہی سید محمد جونپوری کا مرید اور مسیح موعود ہونے کا مدعی تھا۔ مہدویہ کی کتاب شواہد الولایت میں لکھا ہے۔ حضرت مہدی موعود (سید جونپوری) نے فرمایا کہ اکثر انبیاء اور اولوالعزم رسول دعاء مانگا کرتے تھے کہ بار خدایا ہمیں امت محمدی میں پیدا کر کے مہدی کے گروہ میں داخل فرما۔ انبیاء میں سے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے سوا کسی کی دعاء قبول نہ ہوئی۔ چنانچہ وہ عنقریب آکر بہرہ یاب ملاقات ہوں گے۔ چنانچہ دیوان مہدی میں جو ایک مہدوی کا کلام ہے۔ لکھا ہے۔

بل چہ عالم کہ ز آدم و موسیٰ زیحییٰ و خلیل از موسیٰ
بودہ غایت بصحبتش موسیٰ ہر چہ ہست از ولایت است ظہور
نقطۂ آں دائرہ مفضلاں شد متمنائے ہمہ مرسلاں
خواست زحق ہر یکے از اولین رب اجعلنی لمن الآخرین

اور مہدویہ کی کتاب پنج فضائل میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ میراں (سید جونپوری) قضائے حاجت کے لئے جا رہے تھے۔ راستہ میں حاجی محمد فرہی نے پوچھا کہ میراں جیو! خدام تو آئے عیسیٰ کب آئیں گے؟ میراں نے ہاتھ پیچھے کر کے کہا کہ بندہ کے پیچھے ظاہر ہوں گے۔ اس لفظ کا زبان سے نکلنا تھا کہ حاجی محمد کو حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کا مقام حاصل ہو گیا۔ حاجی محمد میراں کی زندگی میں تو خاموش رہا اور کوئی دعویٰ نہ کیا۔ مرنے کے بعد سندھ میں نگر ٹھٹھہ کی طرف جا کر مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو اپنی مسیحیت کی دعوت دینی شروع کی۔ جب جمعیت بڑھنے لگی تو وہاں کے حاکم نے گرفتار کر کے اس کی گردن ماردی۔ جب حاجی نے مسیحیت کا دعویٰ کیا تو سید محمود کو فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں میری دکانداری پھیکی نہ پڑ جائے۔ اس لئے دو آدمیوں کو اس کے قتل کرنے کے لئے بھیجا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ حاجی محمد مارا گیا تو لوٹ آئے۔ شاہ دلاور نے بشارت دی کہ حاجی محمد ایمان سلامت لے گیا۔ غرغرہ کے وقت اس کی توبہ قبول ہو گئی۔ سید محمود کہنے لگا کہ چونکہ مہدی علیہ السلام کی تصدیق کی تھی ضائع نہ ہوا۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۲۴۴، ۲۴۵)

باب ۵۴ ...... جلال الدین اکبر شاہ

جلال الدین اکبر شاہ بھی ان ائمہ فساد میں سے ہے۔ جنہوں نے ملت اسلام میں رخنہ اندازیاں کر کے ناموس شریعت کو چرکا لگایا۔ اکبر ۹۴۹ھ میں سندھ کے ریگستان میں امرکوٹ کے مقام پر اس وقت پیدا ہوا جب کہ اس کا باپ سلطان نصیر الدین ہمایوں بادشاہ سلطان شیر شاہ کے ہاتھ سے آوارۂ دشت غربت تھا۔ ہمایوں بادشاہ خود تو ایران چلا گیا۔ لیکن اکبر کو جو اس وقت پورا برس دن کا بھی نہیں ہوا تھا۔ اپنے بھائی عسکری مرزا حاکم قندھار کے ہاتھ میں چھوڑ گیا۔ اکبر قریباً بارہ سال تک قندھار میں اپنے چچا کے دست اختیار میں رہا۔ جب ۹۶۱ھ ہمایوں بادشاہ فتح وظفر کے پھریرے اڑاتا ہوا ہندوستان کی طرف بڑھا تا اس وقت اکبر بارہ برس ۸ مہینے کا تھا اور جب ۹۶۳ھ میں ہمایوں بادشاہ نے دہلی میں کوٹھے پر سے گر کر داعی حق کو لبیک کہا اور اکبر تخت نشین ہوا تو اس وقت اکبر کی عمر پونے چودہ سال کی تھی۔ غرض اس بناء سے کہ اکبر کے ایام طفلی میں اس کے

والدین دشت ادبار میں پڑے تھے۔ اس کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ ہوا اور وہ بالکل جاہل وامی رہ گیا۔ تخت نشینی کے بعد اکبر قریباً اکاون سال تک برسر حکومت رہا۔ میں اس زمانہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ پہلا دورِ آوان سعید تھا۔ جب کہ اکبر بادشاہ دائرہ اسلام میں داخل تھا۔ دوسرا دورہ عصر جہل وفساد جس میں اس نے اسلام کا ربقۂ عقیدت گلے سے اتار کر کھلم کھلا کفر وارتداد اختیار کیا۔ ان میں سے پہلے زمانہ کا دورہ انیس سال کا تھا اور دوسرے عہد ظلمت کی مدت قریباً بائیس سال تھی۔

فصل:۱......پیروی مذہب کا دور ہدایت

جلال الدین اکبر ابتداء میں ایک خوش عقیدہ مسلمان تھا۔ محمد حسین صاحب آزاد لکھتے ہیں کہ اکبر اوائل میں احکام شرع کو ادب کے کانوں سے سنتا تھا اور صدق دل سے بجالاتا تھا۔ جماعت سے نماز پڑھتا تھا۔ آپ اذان کہتا تھا۔ مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتا تھا۔ علماء وفضلاء کی نہایت تعظیم کرتا تھا۔ ان کے گھر جاتا تھا۔ بعض کے سامنے کبھی کبھی جوتیاں سیدھی کر کے رکھ دیتا تھا۔ مقدمات سلطنت شریعت کے فتوے سے فیصل ہوتے تھے۔ جابجا قاضی ومفتی مقرر تھے۔ اکبر صوفیانہ خیالات کا دلدادہ اور فقراء واہل دل کا نیازمند تھا۔ ان کے برکت انفاس سے استفاضہ کرتا تھا۔ ۹۶۸ھ میں گویوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے فضائل وکرامات میں گیت گائے۔ اکبر پر ایسا ذوق وشوق طاری ہوا کہ اسی وقت اجمیر کو روانہ ہوا۔ مزار پر بیٹھ کر خواجہ کے توسل سے دل کی مرادیں بارگاہ رب العالمین میں عرض کیں۔ قضائے کردگار سے جو کچھ مانگا تھا اس سے بھی زیادہ پایا۔ اس لئے اس کا اعتقاد پہلے سے دوچند ہوا اور باوجودیکہ ۹۸۲ھ سے جب کہ وہ مرتد ہوا اس کے دل میں حضرت سید اولاد اولین ولآخرین ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ حسن عقیدت کا جذبہ باقی نہ رہ گیا۔ بلکہ حضور ﷺ کی شان میں بے ادب ہوگیا تھا۔ لیکن خواجہ اجمیری کے ساتھ مرتے دم تک وہی اعتقاد رہا اور اہل نظر اسے دیکھ کر حیران ہیں کہ خواجہ صاحب کے ساتھ تو یہ اعتقاد اور آنحضرت ﷺ جن کے دامن کے سایہ سے لاکھوں کروڑوں کو خواجہ معین الدینؒ کا سا درجہ مل جائے ان کی شان میں ایسا سوء اعتقاد۔ اوائل میں اکبر علماء ومشائخ طریقت کی صحبت میں بڑے آداب سے بیٹھتا تھا۔ ان کے ارشادت کو موجب ہدایت وسعادت یقین کرتا تھا۔ ان کو بہت کچھ دیتا تھا۔ ان ایام میں اس کے انعام واکرام اور جود وسخا کی کچھ حد نہ تھی۔ چنانچہ عبدالقادر بدایونی اس کے ارتداد سے پہلے کی کیفیت لکھتے ہیں کہ اگر ہندوستان کے شاہان سلف کی تمام بخشش ایک پلڑے میں رکھی جائے اور اکبر بادشاہ کے انعامات دوسرے پلڑے میں رکھے جائیں تو دوسرا پلڑا

جھک جائے گا۔ ۹۷۱ھ میں اکبر حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کے حلقۂ مریدین میں داخل ہوا۔ خواجہ سلیمؒ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہ کی اولاد تھے۔ ان ایام میں وہ آگرہ سے بارہ کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں جسے سیکری کہتے تھے قیام فرماتے تھے۔ اکبر ۲۷، ۲۸ برس کی عمر تک لاولد تھا۔ اس لئے اولاد کی بڑی آرزو تھی۔ اکبر خود سیکری جا کر کئی دن رہا اور اولاد کے لئے دعاء کرائی۔

شیخ سلیم چشتیؒ کی پیشین گوئی

سلطان سلیم عرف نورالدین جہانگیر اپنی توزک میں لکھتا ہے کہ ایک دن اثنائے توجہ اور بے خودی کے عالم میں میرے والد (اکبر بادشاہ) نے ان سے پوچھا کہ حضرت میرے ہاں کتنے فرزند ہوں گے؟ فرمایا خدا تمہیں تین فرزند عطاء کرے گا۔ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ چنانچہ اس کے بعد شہزادہ سلیم ۹۷۷ھ میں، شہزادہ مراد ۹۷۸ھ میں اور شہزادہ دانیال ۹۸۰ھ میں متولد ہوئے۔ سلطان نورالدین جہانگیر توزک میں لکھتا ہے کہ جب شیخ سلیمؒ نے تین فرزندوں کی بشارت دی تو والد نے حضرت شیخ سے کہا کہ میں نے منت مانی ہے کہ پہلے فرزند کو آپ کے دامن تربیت اور توجہ میں ڈالوں گا۔ تھوڑے دن کے بعد معلوم ہوا کہ حرم سرا میں فلاں بیگم حاملہ ہے۔ سن کر بہت خوش ہوا اور حرم کو حریم شیخ میں سیکری بھیج دیا۔ خواجہ نظام الدین احمد طبقات اکبری میں لکھتے ہیں کہ شہزادہ سلیم ۱۷ ربیع الاوّل ۹۷۷ھ کو متولد ہوا۔ حضرت خواجہ سلیم چشتیؒ کے داماد شیخ ابراہیم اس مژدہ کے ساتھ دارالسلطنت آگرہ پہنچے اور مراحم خسروانہ سے سرفرازی پائی۔ بادشاہ نے اس نعمت عظمیٰ اور موہبت کبریٰ کے شکرانہ میں خلائق کو انعامات سے بہرہ مند فرمایا۔ کل ممالک محروسہ کے قیدی آزاد کئے گئے۔ سات دن تک جشن مسرت منایا گیا۔ شعراء نے تاریخ اور قصیدے کہہ کر بڑے بڑے انعام پائے۔ بادشاہ نے اسی دن سے موضع سیکری جا رہنے اور اسی کو دارالسلطنت بنانے کا قصد کیا۔ چنانچہ سیکری جا کر شیخ کے لئے ایک نئی خانقاہ اور ایک عالی شان سنگین قلعہ اور بڑے بڑے قصر تعمیر کرائے۔ امراء واعیان سلطنت نے بھی محل تعمیر کرائے اور وہاں شہر آباد کر کے سیکری کو فتح پور کا خطاب دیا۔ بادشاہ نے یہ نذر مان رکھی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ فرزند نرینہ عطاء فرمائے گا تو اجمیر تک پیادہ پا جاؤں گا۔ چنانچہ ۱۲ شعبان ۹۷۷ھ کو دارالخلافہ آگرہ سے پیدل روانہ ہوا۔ اجمیر وہاں سے ایک سو بیس کوس ہے۔ روزانہ چھ سات کوس چلتا تھا۔ شیخ سلیمؒ نے مولود مسعود کا نام اپنے نام پر رکھا تھا۔ لیکن اکبر کی یہ حالت تھی کہ پیر کے نام کا احترام کرتے ہوئے فرزند کو سلیم کہہ کر

نہیں پکارتا تھا۔ بلکہ شیخو جی کہا کرتا تھا۔ جہانگیر توزک میں لکھتا ہے کہ ایک دن کسی تقریب سے میرے والد نے حضرت شیخ سے پوچھا کہ آپ کی کیا عمر ہوگی اور آپ کب ملک آخرت کو انتقال فرمائیں گے؟ فرمایا واللہ اعلم! پھر ایک دن زیادہ اصرار کر کے پوچھا تو میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جب شہزادہ اتنا بڑا ہوگا کہ کسی کے یاد کرانے سے کچھ سیکھ لے تو سمجھ لینا کہ ہمارا وصال قریب ہے۔ والد نے یہ سن کر تمام خدام کو حکم دیا کہ شہزادہ کو نظم ونثر کوئی کچھ نہ سکھائے۔ اس طرح قریباً ڈھائی سال گذر گئے۔ محلّہ میں ایک عورت رہتی تھی۔ وہ دفع نظر بد کے لئے مجھے ہر روز حرمل کی دھونی دے جاتی تھی اسے کچھ صدقہ خیرات مل جاتا تھا۔ ایک دن اس نے خدام کی غیر حاضری میں مجھے یہ شعر یاد کرا دیا۔

الٰہی غنچۂ امید بکشا
گلے از روضۂ جاوید بنما

اس کے بعد میں حضرت شیخ کے پاس گیا اور انہیں یہ شعر سنایا۔ حضرت مارے خوشی کے اچھل پڑے اور والد بزرگوار سے فرمایا لو بھئی وعدہ وصال پہنچ گیا۔ رخصت ہوتا ہوں۔ چنانچہ اسی رات کو بخار ہوا۔ یہاں تک کہ ۹۷۹ھ میں ۹۵ برس کی عمر پا کر رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ ۵ر جمادی الآخر ۹۸۱ھ کو بادشاہ نے شہزادوں کے ختنہ کا حکم دیا۔ بہت بڑا جشن ترتیب دیا گیا۔ علماء، سادات، مشائخ، امراء وارکان دولت جمع ہوئے۔ سنت ختنہ ادا ہوئی۔ بادشاہ نے خوب داد دہش اور فیض رسانی کا حق ادا کیا۔ اس کے بعد اسی سال ۲۲ر رجب کے دن ایک بہت بڑی مجلس ترتیب دی گئی اور شہزادہ سلیم کو مولانا میر کلاں ہروی کی خدمت میں بغرض تعلیم لے گئے۔ انہوں نے شہزادہ کو کلمۂ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جو خزائن ومعارف کی کنجی ہے پڑھائی چاروں طرف سے تہنیت ومبارک باد کا غلغلہ بلند ہوا۔

اتھروَن وید میں اصول اسلام کی تائید

سرزمین دکن میں ایک برہمن نے جو بھاون کے نام سے مشہور تھا ایک مرتبہ کسی اسلامی کتاب کا مطالعہ کیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ اس کے افق دل پر اسلام کا کوکب ہدایت پرتو افگن ہوا۔ اس کے بعد اس نے دوسری کتابوں کا مطالعہ کر کے اسلامی تعلیمات میں اچھی بصیرت حاصل کی اور باقاعدہ دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ یہ دیکھ کر بڑے بڑے برہمنوں نے جن کے علم وفضل کی ملک میں دھوم تھی۔ اس کو ہندو دھرم میں لانے کی کوشش کی۔ لیکن اس نے تمام برہمنوں کو مذہبی

مناظروں میں زک دی۔ قبول اسلام کے کچھ عرصہ بعد یہ نومسلم دارالخلافہ فتح پور سیکری آیا اور بادشاہ کے مقربوں میں داخل ہوگیا۔ ایک دن اکبر نے حکم دیا کہ ہنود کی چوتھی کتاب اتھرون وید کا ترجمہ فارسی میں کیا جائے۔ کیونکہ اس کے بعض احکام ملت اسلام کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کی تعمیل ہوئی۔ اس کتاب میں مندرج ہے کہ خدا وحدہ لاشریک ہے۔ جب تک اس کا کلمۂ توحید لا الہ الا اللہ نہ پڑھیں نجات نہیں مل سکتی۔ دوسرا یہ کہ گائے کا گوشت چند شرطوں کے ساتھ مباح ہے۔ تیسرا میت کو دفن کرنا چاہئے جلانا نہ چاہئے۔

کچھ دنوں کے بعد بادشاہ نے ایک عبادت خانہ تعمیر کرایا۔ اس تعمیر کی وجہ یہ تھی کہ چند سال سے بادشاہ کو پے در پے فتوحات حاصل ہو رہے تھے اور دائرہ مملکت دن بدن وسیع ہوتا جارہا تھا۔ چونکہ تمام کام منشاء ومراد کے مطابق روبراہ تھے اور کوئی دشمن ایسا نہ رہ گیا تھا۔ جس میں سر اٹھانے کا حوصلہ ہو۔ اب بادشاہ اپنے اوقات کا بیشتر حصہ قال اللہ وقال الرسول کی علمی مجلسوں میں گزارنے لگا۔ ہر وقت تصوف کی باتیں، علمی مذاکرہ، حکمی وفقہی مسائل کی تحقیق میں مصروف رہتا۔ رات کو اٹھ اٹھ کر عبادت الٰہی کرتا۔ شیخ سلیمؒ کی تلقین کے بموجب یاہو یاہادی کے ذکر میں مصروف رہتا۔ بادشاہ کی عادت تھی کہ نماز جمعہ شیخ سلیمؒ کی نئی خانقاہ میں پڑھ کر عبادت خانہ میں آتا اور علماء ومشائخ کے ساتھ علمی گفتگو میں مصروف ہوتا۔ اسی طرح جمعہ کی شب کو بھی علماء ومشائخ جمع ہوتے اور ان سے علمی استفادہ کرتا۔ بادشاہ نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ عبادت خانہ کی جنوبی طرف علماء، شمالی جانب مشائخ غربی سمت سادات اور پورب رخ امراء واعیان دولت بیٹھتے تھے اور خود نوبت بہ نوبت چاروں جماعتوں کے پاس جاکر ان کی مصاحبت اختیار کرتا تھا۔ اسی طرح بادشاہ کا معمول تھا کہ کبھی کبھی شیخ عبدالنبی کے مکان پر حدیث سننے کے لئے چلا جاتا تھا اور ان کا اس درجہ احترام کرتا تھا کہ دو ایک مرتبہ ان کی جوتیاں اٹھا کر بھی ان کے آگے رکھی تھیں۔ شہزادہ سلیم ان ہی کے زیر تربیت وتعلیم تھا۔ شہزادہ نے مولانا عبدالرحمٰن جامی کی چہل حدیث ان سے پڑھی تھی۔ ان حالات واقعات سے معلوم ہوگا کہ اکبر بادشاہ کے سارے طور طریقے اسلامی تھے اور وہ ایک متشرع آدمی تھا۔ جس طرح کہ ہر مسلمان کو ہونا چاہئے۔ لیکن اب میں یہ دیکھانا چاہتا ہوں کہ ۹۸۲ھ کے بعد سے جبکہ سرخیل الحاد ابوالفضل داخل دربار ہوا۔ اکبری حکومت کی مذہبی حالت کس حضیض ادبار میں گرنے لگی اور اسلام ابوالفضل اور چند دوسرے دشمنان دین کے ہاتھوں کس طرح مظلومی وبیکسی کی حالت میں مبتلا ہوا۔

فصل ۲:......ارتداد و بے دینی کا عصر ظلمت

اوپر لکھا گیا ہے کہ اکبر بادشاہ بالکل جاہل و ناخواندہ تھا اور اسے مذہبی امور میں بصیرت حاصل نہ تھی۔ چونکہ اس وقت دربار اہل الحاد کے وجود سے خالی تھا۔ حامیان شریعت اور وابستگان اسوۃ الرسول ﷺ بادشاہ کے دل و دماغ پر حاوی تھے۔ بادشاہ بھی ان کے فیض صحبت سے مذہبی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ لیکن جب ابوالفضل جیسے ملحدوں نے بھی دربار میں بار پایا اور یہ لوگ بادشاہ کو اپنے ڈھب پر لانے کی کوشش کرنے لگے تو وہ بیچارہ سخت کشمکش میں مبتلا ہوا۔ علماء مشائخ اسے دین کی طرف کھینچتے تھے اور اہل الحاد اسے آزادی اور مطلق العنانی کی راہ دکھاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ آہستہ آہستہ ان کا اثر بھی قبول کرنے لگا اور اس کی طبیعت قیود شریعت کو توڑ کر آزادی کی طرف مائل ہونے لگی۔

جواز متعہ کا فتویٰ

ان ایام میں بادشاہ نے علماء سے کہا کہ میں اپنے حرم شاہی میں کتنی عورتیں رکھ سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا آپ چار تک رکھ سکتے ہیں۔ کہنے لگا میں نے تو ایک مرتبہ شیخ عبدالنبی سے سنا تھا کہ بعض کے نزدیک نو تک کی اجازت ہے۔ بادشاہ کو بتایا گیا کہ اگر راہ خلاف اختیار کی جائے تو بعض لوگوں نے اٹھارہ تک بھی حلال بتائی ہیں۔ بادشاہ نے شیخ عبدالنبی سے دوبارہ پچھوا بھیجا۔ شیخ عبدالنبی نے جواب دیا کہ میں نے چار سے زیادہ کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا تھا۔ بلکہ صرف اختلاف کا ذکر کیا تھا۔ یہ جواب بادشاہ کی طبع پر شاق گذرا اور کہنے لگا کہ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ شیخ نے ہم سے نفاق برتا تھا۔ جب کچھ اور کہا تھا اور اب کچھ اور بتا رہے ہیں۔ غرض بادشاہ کا دل بہت مکدر ہوا اور اس بات کو دل میں رکھا۔ اب یہ بھی ضرور تھا کہ علماء میں سے جو لوگ دنیا پرست تھے وہ بادشاہ کی خوشنودی خاطر کا لحاظ کرتے ہوئے قانون شریعت کو اس کی خواہش پر قربان کر دیتے۔ چنانچہ اس قسم کے مولویوں نے ادھر ادھر سے رطب و یابس جمع کر کے فتویٰ دیا کہ بادشاہ جس قدر عورتوں کو چاہے بطریق متعہ رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ کے مذہب میں متعہ جائز ہے اور شیعہ تو اہل سنت و جماعت کی مخالفت میں منکوحہ بیوی کی اولاد کی نسبت اس اولاد کو عزیز رکھتے ہیں۔ جو متعہ سے پیدا ہوئی ہو۔ نقیب خان مؤطا امام مالکؒ اٹھا لائے اور ایک مرفوع حدیث نکال کر دکھائی۔ جس میں صراحۃً متعہ کی ممانعت تھی۔ ابوالفضل متعہ کے جواز پر زور دینے لگا اور رطب و یابس کے اس انبار کو پیش کیا جو اس کے باپ مبارک نے جواز متعہ میں ترتیب دیا تھا۔ اب اکبر نے

عبدالقادر بدایونی جامع منتخب التواریخ کو بلا کر پوچھا کہ اس بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ اتنی مختلف روایات اور مذاہب گونا گوں کا مآل ایک بات میں تمام ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ متعہ امام مالکؒ کے نزدیک اور شیعوں کے ہاں بالاتفاق جائز ہے اور گو امام اعظم اور امام شافعیؒ کے نزدیک حرام ہے۔ لیکن اگر مالکی مذہب کے قاضی سے فتویٰ لے لیا جائے تو حضرت امام اعظمؒ کے مذہب میں بھی جائز ہو جاتا ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب قیل وقال جنگ اور جدال ہے۔ یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا۔ قاضی یعقوب نے جواز متعہ سے انکار کیا۔ لیکن عبدالقادر بدایونی نے اسے فسوں وفسانہ سے رام کر لیا۔ آخر قاضی یعقوب کہنے لگا میں کیا کہتا ہوں؟ مبارک ہو جائز ہے۔ بادشاہ بولا میں اس مسئلہ میں قاضی حسین عرب مالکی کو منصف ٹھہراتا ہوں۔ قاضی حسین بھی ایک دنیا پرست مولوی تھا۔ اس نے متعہ کے جواز کا فتویٰ دے دیا اور بادشاہ نے ان تمام علمائے حق کو جنہوں نے اسے متعہ کرنے کی اجازت نہیں دی تھی نظروں سے گرادیا۔ یہاں تک کہ ان کے کشت زار پر خزاں اور عہد خریف کی عملداری شروع ہو گئی۔ بادشاہ نے قاضی یعقوب کو گور بھیج دیا اور ان کی جگہ مولانا جلال الدین ملتانی کو آگرہ سے طلب کر کے ممالک محروسہ کا عہدۂ قضا تفویض فرمایا۔ یہاں یہ بتا دینا ضرور ہے کہ شیعوں نے تو متعہ جائز کر رکھا ہے۔ لیکن حضرت امام مالکؒ کے مذہب میں متعہ زنا کی طرح قطعاً حرام ہے اور جواز متعہ کے متعلق جو روایت ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ یکسر موضوع ومردود ہے۔ غرض ائمہ اربعہ اور اہل سنت وجماعت کے تمام دوسرے امام اس مسئلہ میں متفق ہیں۔

ایک شوریدہ پیر برہمن کا واقعۂ قتل

شیخ عبدالنبی بن شیخ احمد بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی چشتیؒ کا اصل وطن اندری علاقہ گنگوہ ضلع سہارنپور تھا۔ کئی دفعہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ گئے۔ وہیں علم حدیث کی تحصیل کی۔ ان کے آباواجداد کی محفل حال وقال میں غنا اور سماع بھی معمول تھا۔ لیکن انہوں نے حرمین سے واپس آکر سماع وغنا کو ترک کر دیا۔ ۹۷۲ھ میں اکبر بادشاہ نے انہیں محکمہ امور مذہبی کا صدر الصدور بنایا۔ علم حدیث کے متعلق ان کا قول حجت مانا جاتا تھا اور چونکہ حضرت امام اعظمؒ کی اولاد تھے۔ اس لئے ان کی موجودگی میں کوئی شخص امامت کا دعویٰ نہ کر سکتا تھا۔ لیکن جب بادشاہ کا مزاج ان سے برہم ہوا تو اعداء جو ہر وقت فرصت کے منتظر تھے۔ ان کی بن آئی۔ خصوصاً ابوالفضل اور فیضی ہر وقت آگ پر تیل ڈالنے لگے۔ اب ایک اور واقعہ ایسا پیش آیا کہ شیخ عبدالنبی کا رہا سہا وقار بھی رخصت

ہوگیا۔ انہی دنوں میں متھرا کے قاضی نے شیخ صدر (شیخ عبدالنبی) کے پاس استغاثہ کیا کہ مسجد کی جگہ پر ایک شورہ پشت برہمن نے قبضہ کرکے شوالہ بنالیا اور جب روکا گیا تو اس نے پیغمبر خدا ﷺ کی شان اقدس میں دریدہ دہنی کی اور مسلمانوں کو بھی بہت گالیاں دیں۔ شیخ صدر نے طلبی کا حکم بھیجا وہ نہ آیا۔ آخر نوبت بادشاہ تک پہنچی۔ بادشاہ نے خاص قاصدوں کے ہاتھ اس کو دارالسلطنت میں بلوا بھیجا۔ جب وہ آیا تو معتبر شہادتوں سے ثابت ہوا کہ اس نے واقعی آنحضرت ﷺ کی توہین کی ہے۔ چونکہ اسلام میں نبی کی توہین کی سزا قتل ہے۔ اس لئے شیخ صدر بادشاہ سے قتل کی اجازت چاہتے تھے۔ لیکن بادشاہ صاف حکم نہ دیتا تھا۔ اتنا کہہ کر ٹال دیتا تھا کہ شرعی احکام تمہارے متعلق ہیں ہم سے کیا پوچھتے ہو۔ برہمن مدت تک قید رہا۔ محل میں رانیوں نے بھی بادشاہ سے سفارشیں کیں۔ مگر بادشاہ نے منہ میں گھنگنیاں ڈالے رکھیں۔ آخر جب شیخ نے بار بار پوچھا تو اکبر کہنے لگا کہ بات وہی ہے جو میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ کہ جو مناسب جانو وہ کرو۔ غرض شیخ نے وہاں سے جاکر اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ جب اکبر کو یہ خبر پہنچی تو بہت بگڑا۔ اندر سے رانیوں نے اور دربار میں ابوالفضل فیضی اور دوسرے اعداء نے یہ کہنا شروع کیا کہ حضور نے ان ملانوں کو اتنا سر پر چڑھا رکھا ہے کہ اب حضور کی خوشنودی خاطر کی بھی پروا نہیں کرتے اور اپنی حکومت وجلال دکھانے کی خاطر لوگوں کو بے حکم قتل کر ڈالتے ہیں۔ غرض اشتعال انگیزیوں سے اس قدر کان بھرے کہ بادشاہ کو تاب نہ رہی اور جو مواد بادشاہ کے دل میں بہت دن سے پک رہا تھا وہ یکبارگی پھوٹ بہا۔

رات کو انوپ تلاؤ کے دربار میں آکر پھر اس مقدمہ کا تذکرہ چھڑا۔ ابوالفضل اور فیضی نے پھر آتش فتنہ پر تیل ڈالنا شروع کیا۔ بعض نے یہ کہنا شروع کیا۔ شیخ سے تعجب ہے کہ وہ اپنے تئیں امام اعظمؒ کی اولاد کہتے ہیں۔ حالانکہ امام اعظمؒ کا فتویٰ ہے کہ اگر ذمی (یعنی غیر مسلم رعایا) پیغمبر علیہ السلام کی شان میں بے ادبی کرے تو عہد نہیں ٹوٹتا اور ابراؤ ذمہ نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ کتب فقہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ شیخ نے اپنے جدامجد کی مخالفت کیوں کی؟ بادشاہ نے شیخ عبدالقادر بدایونی کو بلوایا اور پوچھا کہ تم نے بھی سنا ہے کہ اگر ننانوے روایتیں قتل کی مقتضی ہوں اور ایک روایت رہائی کی اجازت دیتی ہو تو مفتی کو چاہئے کہ مؤخرالذکر روایت کو ترجیح دے۔ انہوں نے کہا ہاں درست ہے۔ حدود ادنیٰ شبہات سے مرتفع ہو جاتی ہیں۔ بادشاہ نے افسوس کے ساتھ پوچھا کہ کیا شیخ کو اس مسئلہ کی خبر نہ تھی کہ بیچارے برہمن کو مار ڈالا؟ بدایونی نے کہا کہ شیخ بہت بڑے عالم ہیں۔ اس روایت کے باوجود انہوں نے دیدہ ودانستہ قتل کا حکم دیا۔ ضرور کوئی وجہ وجیہ اور مصلحت ہوگی۔

بادشاہ نے پوچھا وہ مصلحت کیا ہو سکتی ہے؟ بدایونی نے کہا یہی کہ فتنہ کا سدباب ہو اور عوام میں جرأت کا مادہ نہ رہے۔ بدایونی نے اس کی تائید میں شفائے قاضی عیاضؒ کی ایک روایت بیان کی۔ ابوالفضل اور فیضی کہنے لگے کہ قاضی عیاضؒ تو مالکی ہیں۔ ان کا قول حنفی ملکوں میں سند نہیں ہو سکتا۔ ہر چند کہ ان عیاروں کو حنفیت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ لیکن چونکہ شیخ صدر کو ذلیل کرانا منظور تھا۔ حنفیت کی آڑ لینے لگے۔ دراصل یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے سوا تمام ائمہ اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ ذمی پیغمبر خدا ﷺ کی توہین کرے تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور امام اعظمؒ کے نزدیک بھی ابراء ذمہ نہ ہونے کی یہ شرط ہے کہ ذمی نے سید کون ومکان ﷺ کی علی الاعلان توہین نہ کی ہو اور اگر علی الاعلان مسلمانوں کے سامنے ایسا کیا ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک بھی وہ واجب القتل ہے اور متھرا کے برہمن نے حضور ﷺ کی علی الاعلان توہین کی تھی۔ اس لئے وہ بالاتفاق گردن زنی تھا۔ بہر حال اکبر نے بدایونی سے کہا کہ تم ان لوگوں کے اعتراض کا کیا جواب دیتے ہو؟ اس نے کہا کہ اگرچہ قاضی عیاض مالکی ہیں۔ لیکن اگر مفتی محقق سیاسی ضروریات کا لحاظ کر کے کسی غیر حنفی امام کے فتوے پر عمل کرے تو شرعاً جائز ہے۔ اس وقت بادشاہ غضبناک تھا اور شیر کی طرح اس کی مونچھیں کھڑی تھیں۔ لوگ بدایونی کو پیچھے سے منع کر رہے تھے کہ کچھ مت بولو۔ بادشاہ نے بگڑ کر بدایونی سے کہا۔ تم کیا نامعقول باتیں کرتے ہو؟ بدایونی خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس دن سے شیخ عبدالنبی مسلوب الاختیارات ہونے لگے۔

اکبر بحیثیت مجتہد اعظم

ابوالفضل اور فیضی کا باپ مبارک ناگوری ایک بڑا فتنہ انگیز ملحد تھا۔ عہد اکبری کے اوائل میں جبکہ شیخ الاسلام مولانا عبداللہ سلطان پوری مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی صدر الصدور کا دربار میں طوطی بول رہا تھا۔ اکبر ان لوگوں کے قلع قمع کی فکر میں تھا۔ جن کی طرف سے کسی فتنہ انگیزی کا احتمال ہو سکتا تھا۔ اس سلسلہ میں مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی اور دوسرے علمائے دربار نے بادشاہ سے کہا کہ مبارک ناگوری مہدوی بھی ایک بڑا الحاد پسند اور مبتدع ہے۔ اس کی ذات سے بہت لوگ گمراہ ہو رہے ہیں۔ غرض برائے نام اجازت لے کر اس کے رفع ودفع کے درپے ہوئے۔ کوتوال کو حکم دیا گیا کہ مبارک کو گرفتار کر کے حاضر کرے۔ لیکن وہ اپنے دونوں بیٹوں فیضی اور ابوالفضل سمیت روپوش ہو گیا اور کسی طرح ہاتھ نہ آیا۔ اس لئے اس کی مسجد کا منبر ہی توڑ ڈالا گیا۔ شیخ سلیم چشتی ان دنوں جاہ وعظمت کی اوج پر تھے۔ مبارک نے سب سے پہلے ان سے التماس کر

کے شفاعت چاہی۔ انہوں نے کسی خلیفہ کے ہاتھ کچھ خرچ اور پیغام بھیجا کہ تمہارے لئے ان دیار سے چمپت ہو جانا ہی مناسب ہے۔ گجرات چلے جاؤ۔ اس نے ناامید ہو کر مرزا عزیز سے توسل کیا۔ اس نے اکبر کے پاس جا کر مبارک کی ملائی اور درویشی کی تعریف کی اور اس کے دونوں لڑکوں کی فضیلت کا بھی اظہار کیا اور کہا کہ مبارک ایک متوکل آدمی ہے۔ اسے حضور کی طرف سے کوئی زمین انعام میں نہیں ملی۔ ایسے فقیر کی ایذا رسانی سے کیا فائدہ؟ غرض مخلصی ہو گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد مبارک کا بخت خفتہ بیدار ہوا اور پہلے فیضی اور پھر ابوالفضل کی دربار تک رسائی ہو گئی۔ اب تینوں باپ بیٹوں کی یہ حالت تھی کہ شب و روز علماء سے انتقام لینے کے لئے دانت پیس رہے تھے اور ایسے منصوبے سوچتے رہتے تھے کہ مخدوم الملک اور صدر الصدور کو نیچا دکھائیں۔ ان ایام میں مبارک کی بھی دربار میں آمد و رفت شروع ہو گئی۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے مبارک سے کہا کہ جہاں علماء باہم مختلف الخیال ہوں وہاں کون سا مسلک اختیار کرنا چاہئے؟ اس نابکار کو شر انگیزی کا سنہری موقعہ ہاتھ آ گیا۔ کہنے لگا کہ بادشاہ عادل خود مجتہد ہیں۔ اختلافی مسائل میں حضور جو مصلحت وقت دیکھیں۔ حکم فرمائیں۔ حضور کو ان ملانوں سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اکبر نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر ان ملاؤں سے مجھے کلی نجات دلا دو۔ مبارک یہ پٹی پڑھا کر واپس آیا اور جھٹ مسودہ تیار کر کے اکبر کے پاس بھیج دیا۔ اس محضر نامہ میں لکھا تھا کہ عادل بادشاہ مطلقاً مجتہد پر فضیلت رکھتا ہے اور وہ اس بات کا مجاز ہوتا ہے کہ کسی مختلف فیہ مسئلہ میں روایت مرجوح کو ترجیح دے دے۔ معاملات شرعی میں اسے ہر طرح کا تصرف حاصل ہے اور کسی کو اس کی رائے سے اختلاف و انکار کی مجال نہیں۔ کیونکہ امام عادل مذہبی معاملات کو مجتہدین سے بہتر سمجھتا ہے۔ پس جو شخص اس کی رائے سے اختلاف کرے وہ دنیا و عقبیٰ میں عذاب و عقاب کا سزاوار ہے۔ امام عادل اپنی طرف سے کوئی ایسا حکم بھی نافذ کر سکتا ہے۔ جو نصوص اور احکام قطعی الثبوت کے خلاف ہو۔ بشرطیکہ اس کی نظر میں اس کے اندر خلق کی رفاہیت ہو اور ایسے اجتہادی احکام میں ہر شخص پر امام عادل کا اتباع واجب ہے اور اس امام عادل سے مراد اکبر کی ذات تھی۔ علماء کو اس محضر نامہ پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کیا گیا۔ اسلام اور علماء اسلام کے حق میں اس فتنہ کی بھی وہی حیثیت تھی جس میں علماء مامون عباسی کے عہد میں مبتلا کئے گئے تھے۔ اکبری محضر نامہ پر مخدوم الملک، شیخ عبدالنبی صدر الصدور قاضی القضاۃ قاضی جمال الدین ملتانی، صدر جہاں، شیخ مبارک ناگوری اور غازی خاں بدخشی کی مہریں اور دستخط ثبت کرائے گئے۔ ان میں سے بعض نے تو طیب خاطر اور بعض نے طوعاً

وکرھاً دستخط کئے تھے۔ لیکن وہ علمائے راسخین جن کے دین کی راہ میں قدم ہمت استوار ہے۔ انہوں نے اس کی تصدیق کرنے سے انکار کیا اور انکار کے صلہ میں اپنے تئیں ہر قسم کی جسمانی اور روحانی عقوبتیں سہنے کے لئے پیش کر دیا۔

مجتہد اعظم تھر تھر کانپنے لگا

لیکن اس ستم ظریفی کا بھی کوئی ٹھکانا ہے کہ ایک جاہل مطلق جو لکھنے پڑھنے سے بالکل بے بہرہ ہے۔ مجتہد اعظم بن بیٹھے اور اسے نصوص اور قطعی الثبوت احکام میں ترمیم و تنسیخ کا حوصلہ ہو۔ بعض لوگوں میں علمی بے مائیگی کے باوجود خطابت کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ لیکن اکبر اس قوت و استعداد سے بھی قطعاً عاری تھا۔ چنانچہ بدایونی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ اکبر نے سنا کہ حضرت ختمی مآب ﷺ اور خلفائے راشدین اور بعض سلاطین ذوی الاقتدار مثلاً امیر تیمور صاحبقران اور مرزا الغ بیگ وغیرہم خود خطبہ دیا کرتے تھے۔ اس لئے وہ بھی اپنے مجتہد اعظم ہونے کا عملی ثبوت پیش کرنے کے لئے غرہ جمادی الاوّل ۹۸۷ھ کو جمعہ کے دن جامع مسجد فتح پور میں جو قصر شاہی کے پاس تھی منبر پر جا چڑھا اور خطبہ دینا چاہا۔ لیکن بمشکل ایک دو لفظ منہ سے نکالے تھے کہ زبان بند ہوگئی اور بدن پر لرزہ طاری ہوگیا۔ آخر سخت تشویش و اضطراب کے عالم میں تھر تھر کانپتے ہوئے فیضی کے یہ شعر دوسروں کی مدد سے نیم تمام پڑھ کر منبر سے اتر آیا اور حافظ محمد امین خطیب کو امامت کا حکم دیا۔ وہ بیت یہ ہیں۔

خداوندے کہ مارا خسروے داد
دل دانا و بازوئے قوی داد
بعدل و داد مارا رہنموں کرد
بجز عدل از خیال مابروں کرد
بود وصفش زحد فہم برتر
تعالیٰ شانہ اللہ اکبر

مبارک کا تیار کردہ محضر نامہ اسلامی احکام کے سراسر منافی تھا۔ اس لئے علمائے دربار کا فرض تھا کہ وہ عواقب و نتائج سے خالی الذہن ہو کر اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیتے۔ جان چلی جاتی مگر اس محضر کو مسترد کرتے۔ لیکن انہوں نے اکبر کے دباؤ میں آ کر دستخط کر دیئے اور خود اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھود لی۔ اس محضر کے رو سے نہ صرف حاملین شریعت عضو معطل بن کر رہ گئے۔ بلکہ

سرے سے شریعت مطہرہ ہی بالائے طاق رکھ دی گئی۔ کیونکہ احکام شرع کی جگہ اکبر کا حکم ناطق ہو گیا۔ یہ پہلی فتح تھی جو مبارک اور اس کے بیٹوں کو اپنے حریف علماء کے مقابلہ میں نصیب ہوئی۔ اس دن سے ابوالفضل اور فیضی دربار کے سیاہ وسپید کے مالک ہو گئے۔ علماء کی مسند عزت الٹ گئی اور مبارک کے گھر میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔

اسلام سے علانیہ بغاوت

اکبر نے یہ فتویٰ حاصل کر کے نہایت بے باکی کے ساتھ اپنے گمراہ مصاحبوں کی مدد سے احکام الٰہی میں قطع وبرید شروع کر دی اور انسانی عقل نارسا کو وحی الٰہی پر ترجیح دی گئی۔ اسلام پر تعریض کرتے ہوئے دین حق کو تقلیدی مذہب سے تعبیر کرنے لگے اور یہ کہنا شروع کیا کہ اہل علم اور اصحاب بصیرت تمام ادیان میں موجود ہیں اور ارباب ریاضت وکشف وکرامات دنیا کے ہر گروہ میں پیدا ہوتے ہیں اور حق وصدق ہر جگہ دائر وسائر ہے۔ پس اسے ایک ہی دین وملت میں جسے ظاہر ہوئے ابھی ہزار سال کا زمانہ بھی نہیں گذرا کیوں محدود رکھا جائے؟ ایک کے اثبات اور دوسروں کی نفی سے ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ مگر ان نادانوں نے اتنا نہ سمجھا کہ حق وصدق تمام مذاہب میں موجود ہے تو اختلاف کی صورت میں کسی نہ کسی مسلک کو غلط قرار دینا ناگزیر ہوگا۔ مثلاً اہل اسلام مانتے ہیں کہ دنیا کا موجودہ نظام ایک نہ ایک دن تباہ ہو جائے گا اور لوگوں کو عالم آخرت میں ان کے عملوں کی جزا ملے گی۔ ہنود کا خیال ہے کہ اعمال کی جزا دنیا ہی میں بصورت تناسخ ملتی رہتی ہے اور ملتی رہے گی۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں مختلف عقیدوں میں سے ایک نہ ایک ضرور غلط ہے۔ ایسی حالت میں یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ تمام مذاہب سچے ہیں۔ اسی طرح یہ خیال بھی لغو ہے کہ اسلام اس وقت سے عرصۂ وجود میں آیا۔ جب کہ سید العرب والعجم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مبعوث ہو کر اس عالم ظلمانی کو منور فرمایا۔ کیونکہ اسلام اس وقت سے چلا آتا ہے۔ جب کہ حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کو خلافت ارضی کا منصب عطاء فرمایا گیا تھا۔ گمراہی کی طرف ایک اور قدم یہ تھا کہ اکبر کے دل میں صحابہ کرامؓ کی طرف سے سوء ظن پیدا کرنا شروع کر دیا گیا۔ اس فساد عقیدہ کی وجہ یہ تھی کہ ایک شخص ملا یزدی جسے ملا یزیدی کہا کرتے تھے خراسان کی طرف سے آ کر حضرات صحابہؓ کے حق میں بہت کچھ دریدہ دہنی کرنے لگا اور کمال ڈھٹائی سے بہت سی ناروا باتیں ان نفوس قدسیہ کی طرف منسوب کیں۔ یہ اتہامات سن کر بادشاہ صحابہ کرامؓ کی طرف سے بدعقیدہ ہو گیا۔ یزدی نے چاہا کہ بادشاہ کو رافضی بنا لے۔ لیکن جب ابوالفضل حکیم ابوالفتح اور بیربل کو معلوم ہوا تو

وہ آدھمکے اور بادشاہ سے کہنے لگے جہاں پناہ! آپ سنی شیعہ کے قصوں میں نہ پڑیئے۔ سرے سے نبوت وحی معجزہ کرامت وغیرہ ہی بے بنیاد اور ملانوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ یہ سن کر جاہل بادشاہ کو خود مذہب کی طرف سے شک پڑ گیا۔ ابوالفضل نے بادشاہ سے کہا کہ نماز، روزہ، حج، زکوۃ سب تقلیدی اور غیر معقول چیزیں ہیں۔ دین کا مدار تو نقل کے بجائے عقل پر ہونا چاہئے۔ لیکن ایسے عقل فروشوں کو معلوم نہیں کہ اگر انبیاء کی تعلیمات سے دست بردار ہو جائیں تو خسران اخروی سے قطع نظر خود دنیا میں بھی انسان بہائم و وحوش سے زیادہ بدتر ہو جاتا ہے۔

ہر خیالے کہ عقل شاں بندد
چرخ بر عقل اہل آن خندد

اور عقل انسانی کی یہ حالت ہے کہ اس کا کوئی صحیح معیار ہی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انسان جس جماعت اور جس قسم کی صحبت میں نشوونما پاتا ہے۔ اسی کے قالب میں اس کے قوائے عقلیہ ڈھل جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں وہ نقلی اور تقلیدی ہیں۔ چنانچہ آگے چل کر آپ کو معلوم ہوگا کہ ابوالفضل اور دوسرے اشقیاء نے اکبر کو احمق بنا کر جو مضحکہ خیز عقلی مذہب بنام دین الٰہی بنایا تھا اور جس کی بناء محض چند ملحدانہ خیالات اور عقلی ڈھکوسلوں پر رکھی تھی۔ وہ اکبر کی آنکھیں بند ہوتے ہی کس طرح قعر گمنامی میں مستور ہو گیا؟

رنڈیوں کی کثرت

اکبر شاہ نے اپنے جلوس کے اٹھائیسویں سال اعلان کیا کہ بعثت پیغمبر ﷺ کو ہزار سال کا زمانہ جو دین محمدی کی مدت بقاء تھی گذر چکا۔ اس لئے (معاذ اللہ) اسلام کے احکام وارکان باطل ہو گئے اور ان کی جگہ اکبری دین کے ضوابط و قواعد نافذ ہوتے ہیں۔ ہجرت کے ہزارویں سال جو سکے تیار ہوئے حکم دیا کہ ان پر ہزار سال کی تاریخ ثبت کریں۔ رعایا کے لئے اکبر بادشاہ کو سجدہ کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ مے خواری جائز ہو گئی۔ لیکن اس جواز کی یہ شرط قرار دی گئی کہ مستی مفرط نہ ہو اور اعلان کیا گیا کہ جو شخص شراب نوشی میں حد اعتدال سے تجاوز کرے گا۔ اسے سزا دی جائے گی۔ اعتدال کی رعایت محفوظ رکھنے کے لئے شراب فروشی کی سرکاری دکان کھولی گئی اور آب حرام کا سرکاری نرخ مقرر ہو گیا۔ بااین ہمہ بڑے بڑے فتنے اور فساد رونما ہوتے رہتے تھے۔ دین اکبری میں زنا بالکل جائز فعل تھا اور اس دور حکومت کی ایک بڑی برکت یہ تھی کہ ہزاروں لاکھوں عورتوں نے عفت و حیا کی چادر اتار کر فاسقانہ زندگی اختیار کر لی۔ چنانچہ

لیلائے اکبر کے قیس جناب محمد حسین صاحب آزاد بڑے فخر سے لکھتے ہیں کہ بازاروں کے برآمدوں میں رنڈیاں اتنی نظر آنے لگیں کہ آسمان پر اتنے تارے بھی نہ ہوں گے۔ خصوصاً دارالخلافہ میں (دربار اکبری ص ۷۶) فتح پور میں خلیفۃ المسلمین یہیں رہتا تھا۔ اس لئے دارالخلافت سے آزاد صاحب کی مراد دارالحکومت سمجھنی چاہیے۔ آسمان کے ستاروں کے ساتھ تشبیہ دینے سے آزاد صاحب کی غرض ایک تو اظہار کثرت تھی۔ دوسرے شاید یہ بھی مقصد ہو کہ اکبری دور کی رنڈیاں کوئی تھرڈ کلاس عورتیں نہیں تھیں۔ بلکہ یہ عشوہ فروش جھلملاتے تاروں کی طرح منور ودرخشاں تھیں اور یہ کہ جس طرح ستارے آسمان کی زیبائش کا باعث ہیں۔ اس طرح یہ رنڈیاں اکبری دور حکومت کی زینت وآرائش تھیں۔ میرے خیال میں یہ لکھتے وقت آزاد صاحب کے منہ سے محبت وشیفتگی کی رال ٹپک پڑی ہوگی اور دل سے آرزوے دید کے چشمے پھوٹ پڑے ہوں گے۔ کاش حسرت نصیب آزاد صاحب اپنی تاریخ ولادت سے تین صدیاں پیشتر عالم شہود میں آجاتے۔ تاکہ انہیں اکبری عہد حکومت کے اس خوان یغما سے سعادت اندوز حلاوت ہونے کا موقع مل سکتا۔ الغرض شہر فتح پور سے باہر ایک بازار تعمیر کر کے اس میں رنڈیاں بٹھائی گئیں اور اس چکلہ کا نام شیطان پورہ رکھا گیا۔ اس اہتمام کے لئے ایک داروغہ متعین کیا گیا تاکہ جو کوئی ان سے صحبت کرے یا ان میں سے کسی کو اپنے مکان پر لے جائے اپنا نام درج کرادے۔ اگر کوئی اچھوتی اور مرد نارسیدہ رنڈی چکلے میں داخل ہوتی تھی اور اس کا خواستگار مقربان بارگاہ میں سے کوئی رئیس ہوتا تھا تو اس کے لئے داروغہ کو براہ راست بادشاہ سے اجازت لینی پڑتی تھی۔ ڈاڑھی منڈانا بھی شریعت اکبری کا ایک مؤکد حکم تھا۔ ریش تراشی کی تمسخر انگیز دلیل یہ پیش کی گئی کہ ڈاڑھی خصیوں کی رطوبت جذب کر لیتی ہے اور اس طرح قوت مردانگی کمزور ہو جاتی ہے۔ عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ ابتداء ملازمت میں حکیم ابوالفتح نے میری ڈاڑھی مقدار معہودہ سے چھوٹی دیکھی تو ابوالغیث بخاری کی موجودگی میں مجھ سے کہنے لگا کہ تمہارے لئے ڈاڑھی کا کم کرانا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ میں نے کہا کہ حجام نے غلطی سے زیادہ کاٹ دی ہے۔ کہنے لگا اچھا آئندہ کبھی ایسا نہ کرنا کیونکہ نہایت نازیبا حرکت ہے اور چہرہ بدنما ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد خود اس ناصح نے اکبری احکام کے ماتحت ڈاڑھی بالکل صفاچٹ کرادی۔

دین اکبری میں خنزیر کی طرف دیکھنا عبادت تھا

دین اکبری میں کتا اور خنزیر دونوں جانور حلال وطیب تھے۔ یہ جانور حرم سلطانی میں اور

شاہی محل کے نیچے بندھے رہتے۔ ہر صبح ان کی طرف دیکھنا عبادت تھا۔ واقعی یہ لوگ اسی قابل تھے کہ علی الصباح ان کی پہلی نظر کتے اور خنزیر پر پڑتی۔ ہنود نے اکبر بادشاہ کو یقین دلایا تھا کہ خنزیر بھی ایک اوتار ہے اور وہ ان دس مظاہر میں سے ایک ہے جن میں (معاذ اللہ) ذات باری نے حلول کیا ہے۔ بعض امراء کا یہ معمول تھا کہ اپنے کتوں کو دسترخوان پر اپنے ساتھ کھانا کھلاتے۔ درست ہے

کند ہم جنس باہم جنس پرواز

اور عقل وخرد کے بعض دشمن بڑے فخر ومباہات سے کتے کی زبان اپنے منہ میں لے کر چوستے تھے۔ مگر یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ کتے کتوں کا منہ چاٹا ہی کرتے ہیں۔

بگوبا میر کاندر پوست سگ داری وجیفہ ہم
سگ از بیرون درگرود تو ہمکاسہ بگردانش

غسل جنابت کی فرضیت بھی اڑادی گئی۔ اس پر دلیل یہ پیش کی گئی کہ انسان کا خلاصہ نطفۂ منی ہے۔ جو نیکوں اور پاکوں کا تخم آفرینش ہے۔ یہ بالکل بے معنی بات ہے کہ پیشاب اور پاخانہ سے تو غسل واجب نہ ہو اور منی جیسی لطیف شے کے اخراج سے غسل ضروری ہو جائے۔ بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ پہلے غسل کریں۔ اس کے بعد مجامعت میں مشغول ہوں۔ اس کے متعلق معلوم ہو کہ طہارت کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو حدث سے پاک ہونا۔ دوسرے بدن یا کپڑے یا جگہ کی نجاست سے پاکیزگی حاصل کرنا۔ تیسرے بدن پر جو چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان سے طہارت حاصل کرنا جیسے موئے زیر ناف ناخن یا میل کچیل۔ شریعت اسلام نے طہارت کبریٰ یعنی غسل کو تو حدث اکبر یعنی جنابت کے لئے اس بناء پر مقرر کیا کہ جنابت قلیل الوقوع اور کثیر التلوث ہے۔ تاکہ نفس کو ایسی ناپاکی میں مبتلا ہونے کے بعد ایک عمل شاقی یعنی غسل سے تنبیہ ہو جائے اور طہارت صغریٰ یعنی وضو کو حدث اصغر یعنی پیشاب پاخانہ کے لئے مقرر فرمایا۔ کیونکہ وہ کثیر الوقوع اور قلیل التلوث ہے اور اس میں نفس کو فی الجملہ تنبیہ ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں انوار ملکیہ کا ظہور ہو چکا ہو وہ ناپاکی اور طہارت کی روح کو خوب متمیز کر سکتے ہیں۔ ان کے نفوس کو خود بخود اس حالت سے جس کا نام حدث ہے نفرت ہوتی ہے اور اس حالت سے جس کو طہارت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ سرور اور انشراح صدر محسوس ہونے لگتا ہے۔ مجامعت کے بعد غسل ایک ایسا عمل ہے۔ جس پر ملل سابقہ یہود، نصاریٰ، مجوس وغیرہ بھی ہمیشہ سے عمل پیرا چلی آئی ہیں۔ پیشاب اور پاخانہ کا تعلق سارے جسم سے نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ مختص المقام فضلات ہیں۔ اس

لئے ان سے فراغت حاصل کرنے کے بعد انہی دو نجس مقامات کا دھولینا کافی سمجھا گیا۔ مگر مجامعت کا تعلق تمام جسم سے ہے۔ اس لئے حکیم یکتا کی حکمت نوازی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اس کے بعد تمام جسم کو دھویا جائے۔ عضو تناسل جو ایک نجس مقام میں داخل ہو کر کثافت آلود ہو جاتا ہے۔ بظاہر اسی کا دھولینا کافی تھا۔ لیکن اس لحاظ سے کہ فعل جماع میں تمام اعضاء برابر کے شریک ہو کر متاثر ہوتے ہیں۔ غسل ضروری قرار دیا گیا۔ اکبری شرع میں خنزیر اور شیر کا گوشت کھانا مباح تھا۔ اباحت کی علت یہ قرار دی گئی کہ ان کے کھانے سے انسان میں شجاعت پیدا ہوتی ہے؟ لیکن یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ کیونکہ شجاعت و بسالت میں خنزیر خور قومیں دوسروں سے فائق نہیں ہیں۔ دنیا میں چین کے اندر خنزیر سب سے زیادہ کھایا جاتا ہے۔ لیکن انکا شمار دنیا کی پست و کم ہمت اقوام میں ہے۔ لحم خنزیر فساد عقل کا مورث ہے اور اس کا کھانے والا دیوث و بے غیرت ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اور بہت سی دوسری مضرتیں جو کتب طب میں مذکور ہیں۔ اس میں موجود نہ ہوتیں تو بھی اس کا کھانا کسی طرح روا نہ تھا۔ کیونکہ سور نہایت کثیف جانور ہے۔ اس کو نجاست خوری میں جو شغف وانہماک ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے خون کا ہر قطرہ اور جسم کا ہر عضو نجاست ہی سے نشو و نما پاتا ہے اور شیر کا گوشت کھانے والا اس حد تک درشت خو، سنگ دل اور قسی القلب ہو جاتا ہے کہ انجام کار اس میں اور خونخوار بھیڑیئے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

اسلامی عبادات کا تمسخر

اکبر کے شریعت گروں نے چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹیوں سے شادی کرنا ممنوع قرار دیا تھا۔ کیونکہ اس سے ان کے زعم میں میلان کم ہوتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ مجوس کے بعض فرقوں میں ماں، بہن، خالہ، پھوپھی جیسی محرمات سے بھی شادی جائز ہے۔ اس کے برعکس ہنود میں دور کے رشتہ داروں سے بھی ازدواجی تعلقات قائم نہیں کئے جاتے۔ لیکن یہ دونوں قومیں افراط سے ہمکنار ہیں۔ صحیح اور معتدل طریقہ وہی ہے جس کی طرف اسلام نے رہنمائی فرمائی ہے۔ چچا، پھوپھی وغیرہ کی بیٹیوں کی طرف یقیناً میلان ہوتا ہے اور جن عورتوں کی طرف میلان نہیں ہوتا ان سے شادی کرنے کی خود شریعت حقہ نے ممانعت فرمادی ہے۔ آئین اکبری میں مستطیع مردوں کے لئے سونے چاندی کا زیور اور ریشمین لباس ضروری قرار دیا تھا۔ حالانکہ یہ زنانہ زینت کی چیزیں ہیں۔ عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ میں نے ممالک محروسہ کے اکبری مفتی کو دیکھا کہ اس نے خالص ریشمین لباس پہن رکھا تھا۔ میں نے کہا شاید آپ کو اس کے جواز کی کوئی روایت مل گئی

ہوگی؟ کہنے لگا ہاں جس شہر میں ریشمین لباس رائج ہو جائے وہاں اس کا پہننا مباح ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ مفتی مفت خور کا اپنا دماغی اختراع تھا۔ شریعت محمدی نے مرد کے لئے ریشمین لباس کسی حالت میں جائز نہیں رکھا۔ نماز، روزہ، حج، کو پہلے ہی ساقط کیا جا چکا تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ ملا مبارک نام ایک ولد الزنا نے جو ابوالفضل کا شاگرد رشید تھا ایک رسالہ لکھ کر نماز وغیرہ اسلامی عبادات کا تمسخر اڑایا۔ اہل ارتداد میں یہ رسالہ بہت مقبول ہوا اور مؤلف پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے گئے۔ ہجری تاریخ برطرف کر دی گئی اور ملوک عجم کی طرح اکبر کی ابتداء جلوس یعنی ۹۶۳ھ سے تاریخ شروع کی گئی۔ زریشیوں (پارسیوں) کی طرح عیدین سال میں چودہ مقرر کی گئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی عیدوں کی رونق جاتی رہی۔ البتہ جمعہ کا دن بحال رہنے دیا گیا۔ تاکہ ضعیف العمر لوگ جا کر اکبر شاہی خطبہ سن لیا کریں۔ برس اور مہینہ کا نام سال الٰہی اور ماہ الٰہی رکھا گیا۔ مہر پر اس غرض سے ہزار کی تاریخ ثبت کی گئی کہ وہ (معاذ اللہ) انقراض دین متین محمدی ﷺ پر دلالت کرے۔ عربی زبان فقہ، تفسیر، حدیث کا پڑھنا پڑھانا اور جاننا عیب میں داخل ہو گیا اور علوم نجوم طب ریاضی شعر گوئی، تاریخ و افسانہ کی ترویج ہوئی۔ عربی زبان کے خاص حروف مثلاً ثا خا عین صاد ضاد طا قاف تلفظ سے برطرف کر دیئے گئے۔ عبداللہ کو ابداللہ اور قوم کو کوم تلفظ کیا گیا۔ یہ دشمنان دین شاہنامہ کے دو بیت جنہیں فردوسی طوسی نے بطریق نقل درج کیا ہے۔ اپنے استدلال میں پیش کرتے تھے۔

زشیر شتر خوردن وسوسمار
عرب را بجائے رسید است کار
کہ ملک عجم را کند آرزو
تفو باد بر چرخ گرداں تفو

تمام اسلامی عقائد مثلاً نبوت، کلام، رویت، تکلیف و تکوین، حشر و نشر سے تمسخر و استہزاء کیا جاتا اور اگر کوئی مسلمان جواب دینا چاہتا تو اکبری ملاعنہ اسے شکنجۂ عذاب میں کس دیتے تھے۔ پیغمبر خدا ﷺ کی شان پاک میں دریدہ دہنی کی جاتی تھی۔ ارباب تصنیف خطبۂ کتاب میں حمد الٰہی کے بعد بادشاہ کے لمبے چوڑے القاب لکھتے تھے اور کسی کی مجال نہیں تھی کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کا اسم گرامی لکھ سکے۔ گو مذہب کا مذاق اڑایا جاتا تا۔ تاہم اہل سنت و جماعت کے مقابلہ میں رفض کی تائید کی جاتی تھی۔ اس بناء پر شیعہ غالب اور اہل سنت مغلوب تھے اور عام حالت یہ تھی

کہ اخیار خائف اشرار ایمن، مقبول مردود، مردود مقبول، نزدیک دور اور دور نزدیک ہو گئے تھے۔ عامۃ الناس بات بات میں اللہ اکبر کہتے تھے اور تکبیر خالق کردگار کی تکبیر نہیں تھی۔ بلکہ اکبر اکفر کے نام کی تکبیر بلند کی جاتی تھی۔

اہل علم وفضل کا میخواری پر مجبور کیا جانا

مجالس نوروزی میں اکثر علماء وصلحاء، قاضیوں اور مفتیوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے اور قدح نوشی پر مجبور کرتے تھے۔ رندوں کی بزم میں مے خوار شراب نوشی کے وقت کہتے تھے کہ میں اس پیالہ کو کوری فقہاء کے ساتھ پیتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اکبری دور الحاد میں لوگوں کا ایمان بھی بہت کچھ کمزور ہو گیا تھا۔ گو سرکاری علماء، اوائل میں جام بادہ کو بحالت مجبوری اور سخت نفرت واستکراہ کے ساتھ منہ سے لگاتے تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ حالت جاتی رہی۔ چنانچہ ابوالفضل اکبر نامہ میں پینتیسویں جلوس کے زیر عنوان لکھتا ہے کہ اس مہینہ کے جشن میں شراب کا دور چل رہا تھا۔ میر صدر جہاں مفتی میر عبدالحئی اور میر عدل نے بھی ایک ایک ساغر اڑایا۔ یہ دیکھ کر گیتی خدیو (اکبر) نے یہ شعر پڑھا۔

در دور پادشاہ خطا بخش وجرم پوش
قاضی قرابہ کش شد و مفتی پیالہ نوش

(اکبر نامہ ج ۳ ص ۴۸۹)

غرض یہ بھی تاثیر زمانہ کا ایک شعبدہ تھا کہ مولوی کہلانے والے لوگ بھی علی روس الاشہاد منہیات ومحرمات کے مرتکب ہوتے تھے۔ لیکن یہ وہ علماء جن کے قدم ہمت دین کی راہ میں استوار تھے وہ اب بھی پہاڑ کی چٹان سے زیادہ مضبوط تھے۔

ابوالفضل کی طرح اس کا باپ مبارک بھی بڑا ملحد و بے دین تھا۔ ایک مرتبہ وہ بادشاہ کے سامنے بیربر سے کہنے لگا کہ جس طرح تمہاری کتابوں میں تحریفات ہیں۔ اسی طرح دین اسلام میں بھی بہت تحریفات ہو چکی ہیں۔ اس لئے اسلام شایان اعتماد نہیں رہا۔ لیکن یہ ناہنجار اتنا نہ سمجھ سکا کہ اگر دین اسلام بھی تحریفات سے ہمکنار ہے تو پھر دنیا میں کوئی مذہب بھی ایسا نہیں رہ جاتا جو بے داغ اور قابل اتباع ہو۔ اکبری ملاحدہ نے اکبر شاہی دین اختراع کیا تھا۔ لیکن ہر ذی ہوش اس حقیقت کو تسلیم کرے گا کہ وہ محض فواحشات کا مجموعہ اور بدمعاشیوں کا مصدر ومعدن تھا۔ اس سال قاضی جلال الدین ملتانی فتح اللہ خاں بدخشی کے ساتھ جو نہایت متعصب اور بدمذہب رافضی تھا۔ بدیں خیال دکن بھیج دیا گیا کہ وہاں کے حکام کو رفض میں بڑا تعصب وغلو ہے۔ وہ لوگ قاضی جلال

الدین کو انواع عقوبت و رسوائی کے ساتھ قعر ہلاک میں ڈال دیں گے۔ لیکن جب انہیں روافض نے دیکھا کہ قاضی جلال الدین اسلام میں راسخ قدم اور کذابوں کے خلاف کلمۂ حق کے اظہار میں سیف قاطع ہیں تو رفض کو چھوڑ کر ان کے معتقد ہو گئے۔ یہاں تک کہ انہیں مدد معاش کے لئے متعدد گاؤں دیئے اور ان کی خدمت گذاری کو سعادت اور ان کی خاک پا کو سرمہ چشم یقین کرنے لگے۔ اکبری دین میں دوسرے فواحش کی طرح جوا بھی حلال تھا۔ دربار میں ایک قمار خانہ قائم کیا گیا اور قمار بازوں کو خزانہ عامرہ سے سود پر روپیہ قرض دیا جاتا تھا۔ شیخ تاج الدین نام ایک مبتدع کو اہل تصوف کے شطحیات پر بڑا عبور تھا۔ بادشاہ کو اس کا حال معلوم ہوا۔ اس کو بلا بھیجا رات کو اس سے شطحیات سنا کرتا۔ اسی طرح مسئلہ وحدت وجود جو عوام الناس کو اباحت والحاد کی طرف لے جاتا ہے۔ درمیان میں لایا گیا اور اس سے ملحدانہ استدلال کئے جانے لگے اور لطف یہ کہ گم کردگان راہ ان خرافات و کفریات کو دین الٰہی کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

برعکس نہند نام زنگی کافور

لاہور میں خنزیروں کی لڑائی

اکبر نے منادی کرادی تھی کہ کوئی مسلمان پندرہ سال کی عمر سے پہلے اپنے بیٹے کا ختنہ نہ کرے۔ تاکہ اس عمر پر پہنچ کر وہ اپنے لئے جس دین کو چاہے پسند کر لے۔ پادری پیئر سے کا بیان ہے کہ اکبر بادشاہ نے ۳ ستمبر ۱۵۹۵ء کو پادری شیر و کے نام ایک خط لاہور سے بھیجا جس میں لکھا کہ میں نے اس ملک میں اسلام کا نام و نشان تک نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ لاہور میں ایک بھی ایسی مسجد نہیں رہی۔ جسے مسلمان استعمال کر سکیں۔ تمام مسجدیں میرے حکم سے اصطبل اور گودام بنادی گئی ہیں۔ اکبر بادشاہ فتح کشمیر کے بعد لاہور چلا آیا تھا اور سالہا سال یہیں رہ کر فتنہ انگیزیوں میں مصروف رہا۔ پادری پیئر سے لکھتا ہے کہ لاہور میں جمعہ کے دن جو مسلمانوں کا متبرک دن ہے اکبر کے سامنے چالیس پچاس خنزیر لا کر باہم لڑائے جاتے تھے۔ اس نے ان کے اگلے دانتوں پر سونے کے پترے چڑھوا رکھے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سوروں کی لڑائی کا مقصد محض اسلام کی تحقیر تھی۔ کیونکہ مسلمان خنزیر کو نہایت ناپاک سمجھتے ہیں۔ (اکبر اینڈ دی جیزوئٹس مطبوعہ پلائی ماؤتھ ص ۶۷)

یہ بد نصیب جس قعر ہلاک میں خود پڑا تھا دوسروں کو بھی اسی ورطہ میں ڈالنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اکبر اور اس کے ندیم قطب الدین خاں اور شہباز خاں سے جو اعلیٰ عہدہ دار تھے کہنے لگے کہ دین اسلام کی تقلید چھوڑ دو۔ انہوں نے اس سے انکار کیا۔ قطب الدین خاں اکبر سے کہنے لگا کہ دوسرے ملکوں کے بادشاہ مثلاً سلطان روم وغیرہ جو دین اسلام کے عاشق زار ہیں۔ یہ

باتیں سنیں گے تو کیا کہیں گے۔ اکبر کہنے لگا کہ تو سلطان روم کا نمائندہ بن کر اس کی طرف سے ہمیں دھمکی دیتا ہے؟ اور معلوم ہوتا ہے کہ تم یہاں سے جا کر سلطان کے پاس کوئی عہدہ حاصل کر لو گے۔ اگر یہی خیال ہے تو اچھا وہیں چلے جاؤ۔ جب شہباز خاں کو دین اسلام سے دست بردار ہونے کی ترغیب دی گئی تو وہ بڑا بگڑا۔ بیربر لعین دین حنیف کے خلاف زبان طعن دراز کرنے اور علانیہ گالیاں دینے لگا۔ شہباز خاں کی رگ غیرت جوش میں آ گئی اور ڈانٹ کر کہا اے کافر ملعون! تو بھی اسلام کو مطعون کرنے کا منہ رکھتا ہے؟ اچھا ہم تجھے سمجھ لیں گے۔ غرض دربار میں بہت ہلچل مچی اور تو تو میں میں ہوئی۔ اکبر شہباز خاں سے بالخصوص اور دوسروں سے بطریق اجمال کہنے لگا کہ میں ابھی حکم دیتا ہوں کہ نجاست بھری جوتی لا کر تمہارے منہ پر ماریں۔ یہ سن کر قطب الدین خاں اور شہباز خاں دربار سے چلے آئے۔ ایک مرتبہ اعظم خاں جو خان اعظم کے لقب سے مشہور تھا۔ گجرات سے فتح پور آیا اور یہ دیکھ کر کہ دربار اکبری کا مذہبی زمین و آسمان ہی کچھ سے کچھ ہو گیا ہے۔ اسے سخت حیرت ہوئی۔ آخر اس سے نہ رہا گیا۔ اہل دربار کے مارقانہ اقوال وافعال پر بے تحاشہ اعتراض کر کے صدق گوئی اور نہی ومنکر کا حق ادا کیا۔ اکبر کو یہ مداخلت سخت ناگوار ہوئی۔ حکم دیا کہ خان اعظم اتنے دن تک کورنش کے لئے نہ آئے اور اس پر اس غرض سے چوکیدار مقرر کر دیئے کہ عمائد سلطنت میں سے کوئی اس شخص سے ملاقات نہ کرے۔ اس کے بعد محض اس جرم میں کہ کلمۂ حق زبان پر لایا۔ معزول کر کے اسے آگرہ بھیج دیا۔ وہ بیچارہ دنیا سے الگ تھلگ ہو کر اپنے باغ کے ایک زاویہ تنہائی میں جا بیٹھا۔ غرض اس سیل الحاد میں کشتی شکستگان اسلام کا ملجا و ماوی بجز ذات رب العالمین کے اور کوئی نہ تھا۔

اکبر کے مرید

اکبر نے مشائخ طریقت کے نام فرمان جاری کیا کہ کوئی شخص کسی سے بیعت نہ لے اور اگر کسی کی نسبت معلوم ہوتا کہ وہ پیری مریدی کرتا ہے یا اس کے ہاں مجلس سماع قائم ہوتی ہے تو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا جاتا یا بنگالہ کی طرف جو اس زمانہ میں کالے پانی کا حکم رکھتا تھا جلاوطن کر دیا جاتا۔ مشائخ کی جگہ بادشاہ لوگوں سے خود بیعت لینے لگا۔ اکبر کے مرید جو چیلے کہلاتے تھے ترک چہارگانہ کا اقرار کرتے تھے۔ ترک مال، ترک جان، ترک ناموس، ترک دین جو شخص صفات چہارگانہ سے متصف ہوتا تھا وہ اعلیٰ درجہ کا مکمل مرید خیال کیا جاتا تھا اور جس میں ایک یا دو یا تین صفات ہوتے تھے وہ چوتھائی آدھا یا پون مرید ہوتا تھا۔ بیربر کا دعویٰ تھا کہ میں

صفات چہار گانہ کا حامل اور پورا مرید ہوں۔ لیکن اس کی اخلاقی حالت یہ تھی کہ بہن بیٹی تک سے بھی درگزر نہیں کرتا تھا۔ بارہ بارہ آدمیوں کی ٹولی آ کر اکبر کے ہاتھ پر بیعت کرتی تھی۔ بعض مشائخ طریقت میں شجرہ کا رواج ہے۔ اکبر شجرہ کی جگہ مریدوں کو اپنی تصویر دیتا تھا۔ اس تصویر کا پاس اور زیر زیارت رکھنا بہت کچھ رشد و سعادت اور ترقی اقبال کا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا۔ مرید اس تصویر کو ایک غلاف میں لپیٹ کر جو جواہر سے مرصع ہوتا تھا عمامہ کے اوپر ڈالے رہتے تھے۔ اکبر نے اسلامی سلام کو بھی برطرف کر دیا تھا۔ سلام کی جگہ معمول تھا کہ جب اکبری مرید آپس میں ملاقات کرتے تو ان میں سے ایک اللہ اکبر کہتا دوسرا اس کے جواب میں جل جلالہ پکارتا۔ یہ لوگ جس وقت اور جہاں کہیں اکبر کو دیکھتے سربسجود ہو جاتے اور صرف انہی ارادت مندوں پر موقوف نہیں۔ رعایا میں سے ہر شخص سجدہ کا مامور تھا۔ سجدہ کو یہ لوگ زمین بوس کہتے تھے۔ رعایا کو سجدہ پر سخت مجبور کیا جاتا تھا۔ حالانکہ یہ دنیا کے خالق و رازق اور احکم الحاکمین کا اصل حق ہے۔ اسلام نے مساوات کا جو اصول قائم کیا ہے۔ اس کے رو سے بادشاہ و رعایا امیر و غریب اعلیٰ و ادنیٰ سب کا ایک درجہ ہے۔ لیکن اکبر کے دربار میں بجز طریقہ عبودیت کے کوئی شخص کچھ عرض معروض نہیں کر سکتا تھا۔ شعراء اکبر کی مدح و توصیف کہہ کر لاتے تھے اور اسے خدائے واحد کا ہمسر بتانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا جاتا تھا۔ اکبر ان لوگوں کو اپنی آنکھوں پر بٹھاتا تھا۔ جو اسے خدائے برتر کا مظہر بتاتے یا دین حنیف سے اظہار براءۃ کرتے تھے۔ انجام کار ارتداد و بے دینی نے یہاں تک خوفناک صورت اختیار کر لی کہ بہت سے اہل ارتداد جیسے مرزا جانی حاکم ٹھٹھہ اور دوسرے اعداء اللہ نے اس مضمون کے خطوط لکھ کر اکبر کے پاس بھیج دیئے کہ میں جو فلاں بن فلاں ہوں۔ طوع و رغبت اور شوق قلبی کے ساتھ دین اسلام سے کہ مجازی اور تقلیدی ہے اور اپنے آباء و اجداد سے حاصل کیا تھا۔ اظہار بیزاری کرتا ہوں اور اس سے کلیۃً منقطع ہو کر دین الٰہی اکبر شاہی میں داخل ہوتا ہوں اور اخلاص کے چہار گانہ مراتب ترک مال، ترک جان، ترک ناموس، ترک دین کو قبول کرتا ہوں۔ اس مضمون کے لعنت نامے جن لوگوں نے لکھ کر مجتہد جدید اکبر کو دیئے تھے وہ دربار اکبری میں بڑے معزز و محترم تھے۔

اکبر کا سب سے بڑا مرید

اکبر کا سب سے بڑا مرید جو فی الحقیقت اس کا گرو تھا۔ ابوالفضل تھا۔ ابوالفضل کا باپ شیخ مبارک ابتداءً سندھ سے نقل مکان کر کے ناگور چلا آیا تھا۔ جو اجمیر سے شمال مغرب میں واقع

ہے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد مبارک نے دریائے جمنا کے بائیں کنارے جا کر آگرہ کے بالمقابل بود و باش اختیار کر لی تھی۔ اس کے دونوں بیٹے فیضی اور ابوالفضل یہیں پیدا ہوئے تھے۔ مبارک مذہباً مہدوی تھا۔ یعنی سید محمد جونپوری کو مہدی موعود مانتا تھا۔ فیضی ۹۷۵ھ میں دربار اکبری میں پہنچ کر سلک امراء میں منسلک ہوا۔ اس کے سات سال بعد یعنی ۹۸۲ھ میں فیضی کی سعی وسفارش سے اس کا چھوٹا بھائی ابوالفضل بھی درباریوں میں آ شامل ہوا۔ یہی ابوالفضل اکبر کا گمراہ کنندہ تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ ابوالفضل سے راستہ میں میری ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ ادیان وملل عالم میں سے کس دین ملت کی طرف تمہاری طبیعت کا میلان ہے۔ کہنے لگا میری خواہش ہے کہ کچھ عرصہ وادیٔ الحاد کی سیر و سیاحت کروں۔ میں نے کہا اگر عقد مناکحت کی قید برطرف کر دو تو کیا مضائقہ ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے۔

برداشت غل شرع بتائید ایزدی

از گردن زمانہ علیٰ ذکرہ السلام

یہ سن کر ہنس دیا اور جواب دیئے بغیر چلا گیا۔ جس طرح ابوالفضل کے دل میں اہل ایمان کے خلاف غبار کدورت بھرا تھا۔ اسی طرح ارباب ایمان کو بھی اس سے بڑی نفرت تھی۔ چنانچہ حکیم الملک، ابوالفضل کو فضلہ کہا کرتا تھا۔ اکبر کو معلوم ہوا تو اس نے حکیم الملک کے لئے جلاوطن کا حکم دیا۔ بیچارے بری طرح نکالے گئے۔ گو ابوالفضل پیروان مذاہب کو اچھا نہیں جانتا تھا۔ لیکن چونکہ اہل سنت وجماعت کا بغض اس کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اہل سنت کے مقابلہ میں ہر باطل مذہب کی تائید ضروری خیال کرتا تھا۔ ملا احمد نام ایک رافضی ابوالفضل کے متوسلین میں سے تھا۔ جو ابوالفضل کی شہ پر صحابہ کرامؓ کو علی رؤس الاشہاد گالیاں دیتا تھا۔ ایک مرتبہ اکبر لاہور آیا ہوا تھا۔ ملا احمد صحابہ کرامؓ کے خلاف سب وشتم کی غلاظت اچھالنے لگا۔ ایک غیور مسلمان مرزا فولاد بیگ برلاس نے اس کو کسی بہانہ سے بلا کر عفریت شمشیر کے حوالے کر دیا۔ اس واقعہ کی دو تاریخیں نکالی گئیں۔ ایک یہ تھی، ان زہے خنجر فولاد۔ دوسری یہ تھی خوک سقری۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ وہ کتا کئی دن تک حالت نزع میں دم توڑتا رہا۔ اس اثناء میں اس کا چہرہ مسخ ہو کر سؤر کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ بہت لوگوں نے اس کو اس حالت میں دیکھا۔ میں بھی گیا تو اسے خنزیر کی شکل میں پایا۔ اکبر بادشاہ نے حکم دیا کہ مرزا فولاد کو ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر شہر میں پھرائیں۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور مرحوم نے جنت الفردوس کی راہ لی۔ قاتل مقتول سے تین چار روز پہلے

زیرِ خاک پہنچا۔ ابوالفضل نے اس کی قبر پر محافظ مقرر کر دیئے۔ باایں ہمہ اہل لاہور نے اس کے جسم ناپاک کو قبر سے نکال کر جلا دیا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ ابوالفضل نے علماء، صلحاء، ضعفاء، یتامیٰ، مساکین سب پر چھرے لگائے تھے۔ جس کسی کو سرکار کی طرف سے مدد معاش ملتی تھی اور وظائف مقرر تھے۔ سب بند کرا دیئے۔ اکثر یہ رباعی پڑھا کرتا تھا۔ رباعی

آتش بد دست خویش درخرمن خویش
چوں خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش
کس دشمن من نیست منم دشمن خویش
اے وائے من دست این ودامن خویش

فصل ۳...... ہندو پن کا اظہار اور مشرکانہ رسوم کی پیروی

اپنے اختراعی دین کے علاوہ اکبر بہت سی باتوں میں ہنود کا ہم رنگ وہمنواء تھا۔ ان کے اصول دھرم اپنے مذہب میں داخل کر لئے تھے۔ پرکھوتم نام ایک برہمن دارالسلطنت میں آیا۔ اکبر اس کو خلوت میں لے گیا اور اس سے موجودات کے ہندی نام سیکھے۔ اس طرح ایک برہمن کو جو مہابھارت کا معبرو مفسر تھا۔ ایک چارپائی پر بیٹھا کر اوپر کو اٹھوایا اور اپنی خوابگاہ کے پاس معلق رکھ کر اس سے ہندی افسانے سیکھے اور اس سے بت پرستی، آتش پرستی، آفتاب پرستی اور تعظیم کواکب کی تعلیم لی۔ اسی طرح برہما، مہادیو، بشن، کشن، رام وغیرہ دیوتاؤں کی پوجا کرنے کا طریقہ معلوم کیا۔

آفتاب کی پرستش

بیربر نے یہ بات اکبر کے ذہن نشین کی تھی کہ آفتاب مظہر تام ہے۔ غلہ، زراعت، میوہ اور گھاس وغیرہ نباتات اسی کی تاثیر سے پکتی ہیں۔ دنیا کی روشنی واہل عالم کی زندگی اسی سے وابستہ ہے۔ پس آفتاب سب سے زیادہ عبادت کے لائق ہے۔ عبادت کے وقت مغرب رو ہونے کے بجائے مشرق کی طرف منہ کرنا چاہیئے۔ اسی طرف آگ، پانی، پتھر، درخت اور گائے اور اس کے گوبر تک جملہ مظاہر کا احترام اور قشقہ اور زنا کی جلوہ گری چاہیئے اور بتایا کہ حکماء وفضلاء کے ارشاد کے بموجب آفتاب نیر اعظم، تمام عالم کا عطیہ بخش اور بادشاہوں کا مربی ہے۔ ان باتوں کا اکبر کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اس روز سے نوروز جلالی کی تعظیم ہونے لگی۔ اس دن ہر سال بڑا جشن منایا جاتا تھا۔ اکبر اور اس کے پیرو اس دن ایسا لباس پہنتے تھے۔ جو سبع سیارہ میں سے کسی کوکب کی

طرف منسوب تھا۔ آدھی رات اور طلاع آفتاب کے وقت تسخیر آفتاب کی اس دعاء کا ورد کیا جاتا تھا۔ جو اکبر نے برہمنوں سے سیکھی تھی۔ علی الصباح بیداری کے بعد شرق رویہ کھڑکیوں میں جا بیٹھتا تھا کہ پہلے آفتاب کے درشن ہوں۔ حکم دیا تھا کہ تعظیم آفتاب کے لئے مردوں کو قبر میں شرق رویہ رکھیں۔ سلطان خواجہ جو اکبر کے خاص الخاص مریدوں میں سے تھا۔ اس کی قبر ایک خاص وضع پر بنائی گئی اور لاش کو بدیں خیال نیرّ اعظم کے مقابلہ میں رکھا گیا کہ اس کی روشنی جو گناہوں کو محو کرتی ہے۔ ہر صبح جسم پر پڑتی رہے۔ کہتے ہیں کہ جب سلطان خواجہ کو قبر میں لٹا چکے تو اس کے منہ پر آگ کا شعلہ بھی پھرایا گیا تھا۔ شاید اس کا یہ مقصد ہوگا کہ آگ ان گناہوں کو جھلس دے جو منہ نے کئے۔ جب اکبر کے پیرووں کے سامنے آفتاب کا ذکر آتا تھا تو یہ گم کردگان راہ جلت عظمتہ وعز شانہ کہہ اٹھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آفتاب کو خالق کون ومکان یا کم از کم خالق بیچون کا مظہر گمان کرتے تھے۔ جس طرح ہم لوگ باقاعدہ پانچ وقت خدائے واحد کی پرستش کرتے ہیں۔ اسی طرح دین اکبری کے پیرو روزانہ چار مرتبہ آفتاب کی پوجا پاٹ میں مصروف رہتے تھے۔ یہ چار اوقات یہ تھے۔ سحر، دوپہر، شام اور نیم شب۔ آفتاب کے ایک ہزار ایک ہندی نام دوپہر کے وقت بحضور قلب پڑھے جاتے تھے۔ طریق عبادت یہ تھا کہ دونوں کانوں کو پکڑ کر تھوڑا سا ہینٹھتے تھے۔ پھر بنا گوش کو مٹھیوں سے آہستہ آہستہ کوٹتے تھے۔ عبادت کے وقت اسی قسم کی بعض اور تمسخر انگیز حرکتیں بھی ان سے ظاہر ہوتی تھیں۔ اکبر اور اس کا ہر چیلا ڈاڑھی منڈاتا اور قدامت پسند ہنود کی طرح پیشانی پر قشقہ لگاتا تھا۔ بھدرا کا بھی پابند تھا۔ محمد حسین صاحب آزاد لکھتے ہیں کہ مریم مکانی بادشاہ کی والدہ مرگئیں۔ امرائے دربار وغیرہ پندرہ ہزار آدمی نے بادشاہ کے ساتھ بھدرا کیا۔ اتا یعنی خان اعظم مرزا عزیز کا کلتاش خاں کی ماں مرگئی۔ اس کا بڑا ادب تھا اور نہایت خاطر کرتے تھے۔ خود (اکبر) اور خان اعظم نے بھدرا کیا۔ خبر پہنچی کہ لوگ بھی بھدرہ کروا رہے ہیں۔ کہلا بھیجا کہ اوروں کو کیا ضرورت ہے۔ اتنی دیر میں چار سو سر اور منہ صفاچٹ ہو گئے۔

(دربار اکبری ص ۸۰)

کاش آزاد صاحب اس وقت فتح پور میں موجود ہوتے اور یہیں محبوب حقیقی اکبر شاہ کے ساتھ بھدرا کرانے کا شرف حاصل ہوسکتا۔ مگر عجب نہیں کہ آزاد صاحب نے اس واقعہ کی یاد میں یہیں لاہور بیٹھے بٹھائے بھدرا کرالیا ہو اور منہ صفاچٹ۔ ہونے کی سعادت تین صدیاں بعد ہی حاصل کرلی ہو۔ آٹھ پہر میں دو مرتبہ نقارہ بجایا جاتا تھا۔ ایک نصف شب میں اور دوسرا طلوع

آفتاب کے وقت مسجدوں اور صومعوں پر ہندو قابض و متصرف ہو گئے۔ مساجد میں نماز با جماعت کی جگہ جماع ہوتا تھا۔ جمعہ کے روز جو مضحکہ خیز اذان دی جاتی تھی۔ میں حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کا مذاق اڑانے کے لئے حی علی یللا تللا کہا جاتا تھا۔ اکبر کے چیلے آفتاب کی عبادت کے وقت جب تک جھروکہ میں سے بادشاہ کا چہرہ نہیں دیکھ لیتے تھے مسواک نہیں کرتے تھے اور ہاتھ منہ نہیں دھوتے تھے۔ اس وقت تک پانی اور ناشتہ بھی ان پر حرام تھا۔ ہر کس و ناکس کو بار عام تھا کہ وہ بادشاہ کے درشن کے انتظار میں جمع ہو۔ جونہی اکبر نیر اعظم کے ہزار اور ایک نام پڑھنے کے بعد برآمد ہوتا۔ تمام لوگ سربسجود ہو جاتے۔ برہمنوں نے اکبر کے بھی ہزار اور ایک نام مدون کر دیئے تھے۔ یہ لوگ اپنے اسلام کی زبانی ہندی شعر پڑھ پڑھ کر اکبر کو سناتے تھے اور ان کا مطلب یہ بتاتے تھے کہ ہندوستان میں ایک عظیم القدر بادشاہ پیدا ہوگا۔ جو برہمنوں کا احترام اور گائے کی محافظت کرے گا اور معمورۂ عالم کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ بادشاہ بالکل جاہل و ناخواندہ تھا۔ وہ بوسیدہ و کرم خوردہ کتابیں لا لا کر اسے دکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے بزرگ ان کتابوں میں آپ کی تعریف لکھ گئے ہیں۔ یہ سن کر اکبر کی باچھیں کھل جاتی تھیں۔ اکبر برہمنوں کی تعلیم سے متاثر ہو کر قیامت کا منکر ہو گیا تھا۔ برہمنوں نے اسے یقین دلایا تھا کہ اضمحلال بدن کے بعد طریق تناسخ کے بغیر روح کی بقاء بالکل محال ہے۔

تناسخ کا عقیدہ

جب محرم ۹۹۰ھ میں اعظم خان بنگالہ سے فتح پور وارد ہوا تو اکبر اس سے کہنے لگا کہ ہمیں حقیقت تناسخ کے قطعی دلائل مل گئے ہیں۔ شیخ ابوالفضل وہ دلائل تمہارے ذہن نشین کرے گا۔ یقین ہے کہ تم ان کو سن کر مطمئن ہو جاؤ گے۔ لیکن ابوالفضل اسے مطمئن نہ کر سکا اور حقیقت یہ ہے کہ تناسخ کے جو دلائل آریہ لوگ یا ان کے ہم خیال پیش کیا کرتے ہیں وہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ اکبر تالو کے بال منڈاتا اور دوسرے حصہ سر کے بال رکھتا تھا۔ برہمنوں کی تعلیم کے بموجب اس کا گمان تھا کہ کاملوں کی روح پیشانی کی راہ سے جو وہم و گمان کی گزرگاہ ہے نکلا کرتی ہے۔ برہمنوں نے اکبر کو بتلایا تھا کہ جب تمہاری روح اس کالبد سے نکلے گی تو ایک شی شوکت صاحب اقتدار حکمران کے جسم میں داخل کی جائے گی۔ عجب نہیں کہ بندہ بیراگی یا گورو گوبند سنگھ کے جسم میں اسی اکبر اکفر کی روح آ گھسی ہو۔ چونکہ جوگی لوگ جوق در جوق آتے رہتے تھے اور اکبر ان کے فیض صحبت سے سعادت اندوز ہوتا تھا۔ اکبر نے ان کے قیام کے لئے ایک محلہ آباد

کرادیا تھا۔ جسے جوگی پورہ کہتے تھے۔ بادشاہ رات کے وقت اپنے چند ندیموں کے ساتھ جوگی پورہ جاتا۔ ان کے پاس بیٹھتا اور ان کے مجہولات حقائق اور مخصوص جوگیانہ اشغال سیکھتا۔ سال میں ایک مرتبہ جوگیوں کا میلہ لگتا۔ جسے سیورات کہتے تھے۔ اکبر ان کے پاس جا کر ہم نوالہ وہم پیالہ ہوتا تھا۔ جوگیوں نے اکبر کو یقین دلایا تھا کہ تم عمر طبعی سے چہار چند عمر پاؤ گے۔ اکبر نے اس بشارت کے بعد ان کی تقلید وموافقت کے خیال سے اکل وشرب اور مباشرت میں کمی کر دی تھی۔ خصوصاً گوشت کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ عمر طبعی اسی سال ہی لی جائے تو اکبر عمر طبعی کو بھی نہ پہنچ سکا۔ کیونکہ وہ ۱۵۴۲ء میں پیدا ہوا تھا اور ۱۶۰۵ء میں مرا۔ اس طرح اس نے کلھم ۶۳ سال کی عمر پائی۔ یہ صحیح ہے کہ اکل وشرب اور مباشرت کی تخفیف وتقلیل ایسے اسباب ہیں۔ جن کو قیام صحت بقائے جوانی اور قوت جسمانی میں بہت کچھ دخل ہے۔ لیکن یہ چیزیں عمر کو کسی طرح بڑھا نہیں سکتیں۔ ان دنوں گجرات کاٹھیاواڑ میں نو ساری نام ایک شہر پارسیوں کا مذہبی مرکز تھا۔ پارسی لوگ زرتشت (یا زردشت) کے پیرو ہیں۔ ان لوگوں کو اکبر کی لا مذہبی اور الحاد پسندی کا علم ہوا تو وہ اس کوشش میں فتح پور پہنچے کہ اسے پارسی مذہب کا پیرو بنالیں۔ انہوں نے آ کر اسے بتایا کہ دنیا میں دین زرتشت ہی حق ہے اور آگ کی تعظیم بہت بڑی عبادت ہے۔ انہوں نے اکبر کو جوزن تجبہ کی طرح اپنے ہر نئے خواستگار سے تعلق پیدا کر لیتا تھا۔ اپنی طرف مائل کر لیا۔

آتش کدہ کا قیام اور آگ کی پرستش

اکبر نے حکم دیا کہ ملوک عجم (مجوسی حکمرانوں) کی روش کے مطابق آتش کدہ قائم کیا جائے۔ چنانچہ ابوالفضل کے اہتمام میں ایک آتش کدہ جاری کیا گیا۔ جس میں رات دن کے چوبیں گھنٹے بدیں خیال آگ محفوظ رکھی جاتی تھی کہ یہ بھی آیات اللہ میں سے ایک آیت اور انوار خداوندی میں سے ایک نور ہے۔ جب سے ہندو راجاؤں کی لڑکیاں حرم میں آئی تھیں۔ محل میں ہوم کا معمول ہو گیا تھا۔ ہوم سے مراد وہ آتش پرستی ہے جو ہندو طریق عبادت کے بموجب ہو۔ پہلے تو اکبر اور اس کے پیرووں میں صرف آفتاب پرستی معمول بہا تھی۔ لیکن پارسیوں کی آمد کے بعد آگ کی بھی پرستش ہونے لگے۔ چنانچہ پچیسویں سال جلوس میں ایام نوروز کے اندر آفتاب کی طرح آگ کو بھی علانیہ سجدہ کیا گیا۔ تمام مقربان بارگاہ شمع اور چراغ روشن کرتے وقت تعظیماً سر وقد کھڑے ہو جاتے تھے۔ معمول تھا کہ آٹھویں سنبلہ کی عید کے دن تمام اعیان دولت ہنود کی رسم کے بموجب پیشانی پر قشقہ لگا کر قصر شاہی میں جاتے۔ وہاں برہمن موجود ہوتے۔ وہ عمائد سلطنت

میں سے ہر ایک کو جواہر دار مالا بطور تبرک عطاء کرتے۔ یہ لوگ نہایت حسن اعتقاد کے ساتھ اس کو ہاتھوں پر لپیٹ لیتے۔ اس کے بعد امراء بھی مروارید اور زرد جواہر برہمنوں کی نذر کرتے۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ ہنود عیسائی، پارسی وغیرہ غیر اسلامی ادیان کے مذہبی سرگردہ جو کچھ بھی کہہ دیتے اسے نص قاطع شمار کیا جاتا۔ لیکن ملت حنیفی کے تمام احکام ان سرگشتگان کوئے ضلال کی نظر میں (معاذ اللہ) نامعقول اور نا قابل اتباع تھے۔ جلوس کے چھتیسویں سال کے آغاز میں اکبر نے اعلان کیا کہ گائے بھینس، گھوڑے اور اونٹ کا گوشت حرام ہے۔ کوئی شخص قصاب کے ساتھ کھانا نہ کھائے۔ جو شخص کسی قصاب کے ساتھ کھانا تناول کرے گا اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر قصاب کی بیوی اپنے شوہر کے ساتھ کھانا کھائے گی تو اس کا انگوٹھا قطع کیا جائے گا۔ یہ بھی اعلان ہوا کہ اتوار کے دن مطلقاً کوئی جانور ذبح نہ ہو۔ ماہ آبان کے اٹھارہ دن اور ہنود کے خاص خاص دنوں میں ممالک محروسہ کے اندر جانور ذبح کرنے کی خاص طور پر ممانعت کی گئی۔ جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرتا اس کو عبرت ناک سزا دی جاتی اور اس کا خانماں برباد کر دیا جاتا۔ اکبر نے خود ایک سال تک گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ بتدریج گوشت سے دست بردار ہو جائے۔ اصل یہ ہے کہ بڑے بڑے ہندو راجاؤں کی لڑکیاں جو قصر شاہی کی زینت بنی ہوئی تھیں۔ اکبر کے مزاج پر حاوی ہو گئی تھیں۔ انہیں گاؤ خوار و ریش دار مرد سے سخت نفرت تھی۔ اس لئے ان کے پاس خاطر سے نہ صرف ان چیزوں سے پرہیز کرتا تھا۔ بلکہ ان کی خوشنودئ طبع کی خاطر ہنود کے رسم ورواج کا پابند ہو گیا تھا۔ اس جذبہ نے یہاں تک افسوسناک حالت اختیار کر لی تھی کہ محمد، احمد مصطفیٰ اور اس قسم کے دوسرے اسماء گرامی بیرونی ہندوؤں اور اندرونی اہل حرم کی رعایت سے قابل نفرت ہو گئے تھے۔ مقربان بارگاہ میں سے جن جن لوگوں کے نام اس وضع کے تھے۔ ان کو بدل دیا گیا۔ مثلاً محمد امین کو امین الدین، یار محمد خاں کو یار خاں، اور محمد خاں کو رحمت خاں لکھتے اور بولتے تھے۔ واقعی یہ لوگ اس قابل نہ تھے کہ ان مقدس ناموں سے موسوم ہوتے۔ اچھا ہوا کہ جواہر دلآلی نجاست کی آلودگی سے پاک ہو گئے۔ خنزیر کی گردن میں بیش بہا جواہر کا لٹکانا انتہا درجہ کا ستم ہے۔ یہ بھی حکم تھا کہ ہندو عورت کو مسلمان ہونے سے روکا جائے اور اگر مسلمان ہو جائے تو اسے جبراً وقہراً اس کے ہندو اقرباء کے حوالے کیا جائے۔ اکبر نے جو ہندو پنتھ کی پیروی اور ہندو نوازی کا مسلک اختیار کیا ظاہر ہے کہ اس کے سایہ حمایت ہندوؤں کے تسلط واقتدار اور جور وستم کا مقیاس الحرارت کس درجہ تک پہنچ گیا ہوگا۔ ملک کے پچانوے فی صدی تجارت پہلے ہی ہندوؤں کے ہاتھ میں

تھی۔ اکبر نے انہیں باقی ماندہ پانچ فی صدی بھی حاوی کر دیا۔ ضروریات لشکر کی فراہمی سب ہنود کے ہاتھ میں تھی۔ دوسری سرکاری ضروریات کے بھی ہندو ہی اجارہ دار تھے۔ فرش فروش، سواریاں دربار اور قصر شاہی کے سامان آرائش سب ہندوانے تھے۔ غرض اس نے ہندوانی رعیت رسول کا رنگ دے کر ہر چیز کو ہندو بنا دیا۔

فصل :۴..... دعوائے نبوت ومہدویت اور علماء پر تشدد

اکبر پختہ مغزی کے جوہر سے بالکل عاری تھا۔ جس طرح سرخ کپڑا بیل کو غضبناک کر دیتا ہے۔ اسی طرح کلمۂ حق اس کو از خود رفتہ اور مغلوب الغضب کر دیتا تھا۔ ایک طویل پر شکوہ فرمان روائی اور تملق شعار مصاحبوں کی خوشامدوں نے اس کا دماغ نشۂ باطل سے معطل اور اس کے جذبات ہیجان خود پرستی سے مجنونانہ کر دیئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اہل حق میں سے کوئی شخص اس کو دینداری اور توجہ الی اللہ کی ترغیب دینے کا حوصلہ کر بیٹھتا تھا تو یہ عالم غیظ میں نہایت وحشیانہ طریق پر ناصح سے انتقام لیتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ شیخ عبدالنبی نے جن کی نسبت ابوالفضل نے اکبر نامہ میں لکھا ہے: "وشیخ عبدالنبی صدر کہ کوس شیخ الاسلامی بنام اوی زوند۔"

(اکبر نامہ ج ۳ ص ۱۴۰ مطبوعہ نولکشور)

اور خود اکبر کسی زمانہ میں ان کی جوتیاں اپنے ہاتھ سے سیدھی کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کوئی کلمۂ حق اکبر سے کہہ دیا۔ مغلوب الغضب درندے کی طرح شیخ پر جھپٹ پڑا اور سر دربار اس زور سے ان کے چہرے پر گھونسے اور مکے مارنے شروع کر دیئے کہ ان کا برا حال کر دیا۔ آخر شیخ عبدالنبی کہنے لگے کہ اس فضیحت سے تو بہت ہے کہ چھری لے کر مجھے ذبح کر ڈالو۔ خدائے احکم الحاکمین دنیاوی حکام کو اس لئے حکومت سپرد کرتا ہے کہ وہ اس کی مخلوق کو اپنے ظل عاطفت میں جگہ دیں۔ لیکن اس کینہ جو بھیڑیئے نے اسی جفا کاری پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ سالہا سال پیشتر جو رقم حج کے لئے دی تھی نہایت خساست کے ساتھ اس کا حساب مانگنے لگا۔ آخر قید کر دیئے تھے اور ایک رات قید خانہ میں گلا گھونٹ کر ان کو قید زندگی سے آزاد کر دیا گیا۔

اکبر کی خوشامد پسندی

الغرض یہ کم حوصلہ بادشاہ سچی بات سن کر آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ البتہ فخار اور خوشامد پسند انتہاء درجہ کا تھا۔ اس لئے خوشامدی اہل کار اس کی خوشنودیٔ خاطر کے لئے اسے ہر وقت آسمان رفعت پر چڑھا چڑھا کر بیوقوف بناتے رہتے تھے اور یہ کوڑ مغز خوشامد کو حق الیقین جان کر

اسی پر عمل درآمد شروع کر دیتا تھا۔ چنانچہ بعض عالم نما جہلا نے اکبر سے کہا کہ صاحب زمان مہدی علیہ السلام جو ہندو مسلمان کے اختلاف وانشقاق کو مٹانے کے لئے دنیا میں مبعوث ہونے والے تھے۔ وہ حضرت ہی کی ذات گرامی ہے تو اس پر یقین کر بیٹھا۔ ایک شخص شریف نام نے جو برعکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق تھا۔ محمود بسخوانی کے رسائل سے استشہاد کرتے ہوئے اکبر سے کہا کہ ان میں صاف لکھا ہے کہ ۹۹۰ھ میں باطل کا مٹانے والا ظاہر ہوگا۔ چنانچہ شریف نے جو الفاظ پیش کئے ان سے بحساب جمل نوسو نوے عدد نکلتے تھے۔ یہ سن کر اکبر کے دل کا کنول کھل گیا اور اس کو انعام واکرام سے بہت کچھ نوازا۔ اسی طرح خواجہ شیرازی لقب ایک جفردان ملحد کہیں سے ایک رسالہ لے آیا اور کہا کہ احادیث صحیحہ کے بموجب ایام دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور چونکہ یہ مدت گذر چکی ہے۔ اس لئے اب حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے ظاہر ہونے کا وقت ہے۔ یہ سن کر اکبر بہت خوش ہوا اور اس کو انعام وبخشش سے مالا مال کر دیا۔ لیکن یاد رہے کہ کسی صحیح حدیث میں مذکور نہیں کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے۔ بلکہ یہ محض اسرائیلی ڈھکوسلہ ہے۔ شریف نے اکبر کے مہدی موعود ہونے کے موضوع پر ایک رسالہ بھی لکھ مارا۔ شیعوں نے بھی اسی قسم کے بعض خرافات امیر المومنین علیؓ سے نقل کر کے اکبر کو مہدی بنانے کی کوشش کی۔ بعض لوگوں کی زبان پر یہ رباعی تھی جو حکیم ناصر خسرو کی طرف منسوب ہے۔

در نہ صد وہشتاد ونہ از حکم قضا
آیند کواکب از بجوانب یک جا
در سال اسد ماہ اسد روز اسد
از پردہ بروں خرامد آن شیر خدا

حکیم ناصر خسرو کی یہ رباعی بھی دام افتادگان الحاد کے ورد زبان تھی۔

در نہ صد وتسعین دو قران می بینم
وز مہدی ودجال نشاں مے بینم
یا ملک بدل گرد دیا گردد دین
سرّے کہ نہان است عیاں می بینم

کثیر التعداد عورتوں والا مہدئ کذاب

محمد شاہ رنگیلے کا نام بوجہ کثرت مے خوری بدنام ہے۔ لیکن میرے نزدیک اکبر اس سے

زیادہ عیاش تھا۔ کتاب "اکبر اینڈ دی جیمز ٹس" میں لکھا ہے کہ اکبر کی محل سرا میں قریبا سو حرمیں تھیں۔ یہ تو وہ عورتیں ہیں جو با قاعدہ حرم میں داخل تھیں۔ لیکن ان لڑکیوں کا تو شاید کوئی شمار ہی نہ ہوگا۔ جن سے اکبر شیعی اصول کے ماتحت متعہ کرتا رہتا تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ عبدالواسع نام ایک شخص کی بیوی حسن و جمال میں بے عدیل تھی۔ اکبر کی اس پر نظر پڑ گئی۔ لٹو ہو گیا۔ عبدالواسع کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنی عورت کو طلاق دے دے۔ اس بیچارے نے طلاق دے دی۔ یہ عفیفہ حرم شاہی میں داخل کر لی گئی۔ ایک مرتبہ اکبر دہلی آیا اور دائیوں اور خواجہ سراؤں کو اس غرض سے محلوں میں پھیلا دیا کہ گھروں میں پھر کر صاحب جمال باکرہ لڑکیوں کا پتہ لگائیں۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے شہر میں ہلڑ مچ گیا اور لوگوں پر ہول عظیم طاری ہوا۔ خدا جانے کتنے بیگناہوں پر کیا کچھ آفتیں ڈھائی گئیں ہوں گی اور لوگوں کی عزت و عصمت اور ناموس پر کیا کچھ گذری ہوگی؟ جن ایام میں اکبر کو مہدی بنانے کی کوشش ہو رہی تھی۔ ایک دنیا طلب خوشامدی نے کہیں سے حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا کوئی پرانا کرم خوردہ رسالہ حاصل کر کے اس پر بخط مجہول لکھ لیا کہ صاحب زمان مہدی علیہ السلام کثیر التعداد بیویاں ہوں گی اور ڈاڑھی منڈائے گا۔ اسی طرح خلیفۃ الزمان علیہ السلام کے بعض اور من گھڑت صفات درج کر کے اکبر کے حضور میں پیش کیا۔ اکبر بہت خوش ہوا اور اس کو باریافتگان پایہ قرب کے سلک میں منسلک کر لیا۔ اسی طرح ایک حاجی صاحب نے شیخ امان پانی پتیؒ کے برادر زادہ ملا ابوسعید کی کتابوں میں سے ایک پرانا رسالہ حاصل کیا اور اپنے دماغ سے یہ حدیث گھڑ کر اس میں درج کر لی کہ ایک صحابی کا بیٹا ڈاڑھی منڈا کر بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اہل جنت کی یہی وضع ہوگی۔ بہر حال یہ وہ اسباب تھے جنھوں نے اکبر کو دعوائے نبوت پر مائل کیا۔ چنانچہ وہ مدعی نبوت بن بیٹھا۔ لیکن جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے ظلی نبی اور بروزی نبی کی من گھڑت اصطلاحوں کی آڑ لے کر دعویٰ نبوت کیا۔ اسی طرح اکبر نے بھی اپنے حق میں کوئی اور لفظ جو نبوت کا مرادف تھا۔ استعمال کرنا شروع کیا۔ ملا شیری نے ایک قطعہ کہا جس کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

یا بزاید ہر زماں کشور برانداز آفتے
فتنہ در کوے حوادث کتخدا خواہد شدن
یا برآید قرض خواہے تیغ در ارباب شرک
بار سراز ذمۂ گردون ادا خواہد شدن

فیلسوف کذب را خواہد گریباں پارہ شد
خرقہ پوش زہد را تقویٰ واخواہد شدن
شورش مغزاست گردر خاطر آرد جاہلے
کز خلائق مہر پیغمبر خدا خواہد شدن
شاہ ما امسال دعویٰ نبوت کردہ است
گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن

علماء کا قلع قمع اور جلاء وطن

اکبر کی کفر پسندیوں کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ملک میں آتش غیظ شعلہ افگن ہوتی اور حامیان اسلام اکبر کے خلاف علم مخالفت بلند کرتے۔ چنانچہ غیور مسلمان ملک کے مختلف حصوں میں مدت تک ستیزہ جو رہے۔ لیکن چونکہ حکیم علی الاطلاق جل اسمہ کو یہی منظور تھا کہ اکبری فتنہ کو پوری طرح نشوونما پانے کا موقع دیا جائے۔ اس لئے کوئی مخالفت سرسبز نہ ہو سکی۔ مخالفت کا سب سے زیادہ زور بنگالہ میں تھا۔ جہاں کے اکبری گورنر مظفر خاں کو قتل کر دیا گیا۔ ۹۸۷ھ میں اکبر نے ملا محمد یزدی کو پوربی اضلاع کا قاضی القضاہ بنا کر جونپور روانہ کیا۔ اس نے وہاں جا کر فتویٰ دیا کہ بادشاہ مرتد ہو گیا ہے۔ اس لئے اس کے خلاف جہاد واجب ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محمد معصوم کابلی، محمد معصوم خاں فرنخودی، میر معز الملک، نیابت خاں، عرب بہادر اور دوسرے عمائد اٹھ کھڑے ہوئے اور اکبری حکومت کے خلاف مصاف آرائی شروع کر دی۔ اکبر نے کسی تقریب پر میر معز الملک اور ملا محمد کو جونپور سے فتح پور طلب کیا۔ جس صورت میں کہ وہ اس سے پیشتر علم مخالفت بلند کر چکے تھے۔ کسی طرح مناسب نہ تھا کہ بادشاہ کے بلاوے کی تعمیل کرتے۔ دونوں از راہ نادانی چل پڑے۔ جب فیروز آباد پہنچے تو اس اثناء میں وہاں اکبر کا حکم پہنچ گیا کہ ان کو سواروں سے علیحدہ کر کے دونوں کو کشتی میں بٹھائیں اور دریائے جمنا میں نکال کر گوالیار کی طرف لے جائیں۔ اس کے بعد اکبر نے دوسرا حکم بھیجا کہ دونوں کو دریا میں ڈبو دیں۔ آخر ملاحوں نے دونوں کو ایک پرانی کشتی میں بٹھا کر قعر آب میں پہنچا دیا اور دونوں کی کشتی عمر گرداب فنا میں غرق ہو گئی۔ اس کے بعد اکبر کو ممالک محروسہ کے جن جن علماء سے بے اخلاصی کا ادنیٰ وہم بھی ہوا ان کو نہاں خانہ عدم میں بھیج دیا۔ علمائے لاہور کے لئے جلاوطن کی سزا تجویز کی گئی۔ چنانچہ یہ حضرات لاہور سے اس طرح پراگندہ و منتشر ہوئے جس طرح تسبیح ٹوٹنے سے اس کے دانے بکھر جاتے ہیں۔ قاضی صدر الدین لاہوری جو علم

فضل میں مخدوم الملک سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ بھڑوچ کے قاضی بنا کر بھیج دیئے گئے۔ مولانا عبدالشکور لاہوری کو جونپور کی قضا سپرد کی گئی۔ ملا محمد معصوم کو بہار کا قاضی بنایا گیا۔ شیخ منور لاہوری مالوہ کی طرف جلاء وطن کئے گئے۔ شیخ معین الدین لاہوری کو جو مشہور واعظ مولانا معین کے نواسہ تھے۔ کبرسنی کی وجہ سے حکم جلاوطنی سے مستثنیٰ کردیا گیا۔ وہ لاہور ہی میں رہے۔ یہاں تک کہ ۹۵۰ھ میں سفر آخرین اختیار کر لیا۔ حکیم الملک گیلانی کا بھی ان لوگوں میں شمار تھا۔ جو مذہب ومسلک میں ناموافق خیال کئے جاتے تھے۔ ان کو مکہ معظمہ بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد بار بار فرامین بھیج کر انہیں واپسی کا حکم دیا۔ لیکن انہوں نے ان فرمانوں کی طرف التفات نہ کیا۔ آخر اسی بلدۂ مطہرہ میں اپنے تئیں حق کے سپرد کر دیا۔ اکبر نے ارباب طریقت کی توہین وایذا رسانی میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ حکم دیا کہ صوفیاء ومشائخ کے دیوان کی پڑتال ہندو دیوان کریں۔ ان پریشانیوں میں وہ بیچارے سب حال وقال بھول گئے۔ چونکہ علمائے امت کی طرح صوفیائے کرام بھی حامی دین تھے۔ حاملین شریعت کی طرح وہ بھی اکبری جور وستم کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ محمد حسین صاحب آزاد نے اس اکبری کارنامہ کو بہت سراہا ہے اور عالم مسرت میں لکھا ہے کہ انہی دنوں میں اکثر سلسلوں کے مشائخ بھی حکومت سے اخراج کے لئے انتخاب ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کو ایک قندھاری کارواں کے سلسلے میں روان کر دیا۔ کاروان باشی کو حکم دیا کہ انہیں وہاں چھوڑ آؤ۔ کاروان مذکور قندھار سے ولایتی گھوڑے لے آیا کہ کارآمد تھے اور انہیں چھوڑ آیا کہ نکمے تھے۔ بلکہ کام بگاڑنے والے۔ (دربار اکبری ص ۷۲) لیکن اگر یہ حضرات خدانخواستہ الحاد بیدینی میں اکبر کی ہمنوائی اختیار کرتے اور جناب محمد حسین صاحب آزاد کی طرح دین وملت سے آزاد ہوتے تو آزاد صاحب کی بارگاہ معلّیٰ سے ان پر تحسین وآفرین کے پھول برسائے جاتے۔ لیکن چونکہ یہ حضرات حامیان دین مبین تھے۔ انہیں اسلام کی توہین گوارا نہ تھی۔ اس لئے یہ آزاد صاحب کی نظر میں سخت نکمے اور کام کے بگاڑنے والے تھے۔ انہی ایام میں اکبر نے ایک شیخ طریقت کو جنہیں شیخ کاسی کہتے تھے پنجاب سے طلب کیا۔ یہ اپنی خانقاہ سے شاہی قاصدوں کے ساتھ بمقتضائے امتثال پیادہ روانہ ہوئے۔ ان کا گھوڑا ان کے پیچھے لا رہے تھے۔ فتح پور میں شیخ جمال بختیار کے ہاں فروکش ہوئے اور اکبر کے پاس پیغام بھیجا کہ آج تک کسی بادشاہ کو میری ملاقات بابرکت اور مثمر خیز ثابت نہیں ہوئی۔ اکبر اس پیغام کو سن کر گھبرایا اور ان کو بغیر ملاقات کے فتح پور سے رخصت کر دیا۔ اس باب کی پہلی چار فصلوں کے مضامین زیادہ تر عبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ سے ماخوذ ہیں۔ دیکھو حالات اکبر شاہ۔

فصل: ۵..... گوآ کا مسیحی مشن اور اس کی ناکام جدوجہد

اگر کوئی نوخیز وطرحدار عورت اپنے شوہر سے قطع تعلق کر کے آوارگی کی زندگی اختیار کر لے تو ہر ناکام محبت کو طمع دامنگیر ہوتی ہے کہ اسے آغوشِ وصل میں لے کر متمتع و کامگار ہو۔ اکبر نے سعادت اسلام سے محروم ہو کر اس ذات گرامی کے نور سے اقتباس کو چھوڑ دیا۔ جس کی برکت قدوم نے سمک سے سماک تک کفر وظلمت کا نام نہ چھوڑا تھا تو تمام غیر اسلامی مذاہب کے منہ سے رال ٹپکنے لگی کہ جس طرح ہو اس تر نوالہ کو منہ میں ڈالیں۔ چنانچہ آپ نے اوپر پڑھا کہ کس طرح برہمنوں اور مجوس کے مذہبی مقتداؤں نے اس صید پر توسن ڈال کر اپنے کام ودہان کی تواضع کی؟ بمبئی سے جنوب کی طرف جنوبی ہند کے مغربی ساحل پر گوآ نام اہل پرتگال کی ایک مشہور بندرگاہ ہے۔ جب گوآ کے پرتگیزی گورنر کو معلوم ہوا کہ اکبر نے اسلام سے علاقہ توڑ کر بدمذہبی کے دامن میں پناہ لی ہے تو اسے بھی یہ ہوس دامنگیر ہوئی کہ اکبر کو نصرانی بنا کر ہندوستان میں تثلیث کی حکومت قائم کرے۔ چنانچہ اس کوشش میں چند پادری دارالسلطنت فتح پور روانہ کیے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن مغربی اقوام نے ہندوستان آ کر اپنی بستیاں قائم کیں۔ ان میں سے اہل پرتگال کو فخر اولیت حاصل ہے۔ پرتگیزوں نے بابر بادشاہ کی چڑھائی سے بھی سولہ سال پہلے یعنی ۱۵۱۰ء میں گوآ پر قبضہ کیا تھا۔ پادریوں کا پہلا مشن ۱۷ نومبر ۱۵۷۹ء کو گوآ سے چل کر بتاریخ ۲۸ فروری ۱۵۸۰ء فتح پور پہنچا۔ اس مشن کا سرگروہ پادری مانسیر یٹ تھا۔ اکبر نے بڑی گرمجوشی سے اس وفد کا استقبال کیا اور ابوالفضل اور حکیم علی جیلانی کو ان کی مہمانداری تفویض کی۔ اکبر نے وفد کو جو اعزاز بخشے ان میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے اپنے منجھلے بیٹے مراد کی اتالیقی مانسریٹ کے تفویض فرمائی۔ یہ وفد تقریباً دو سال تک مصروف دعوت رہا۔ آخر اپریل ۱۵۸۲ء کو بے نیل مرام واپس چلا گیا۔ اس کے بعد خود اکبر نے گورنر گوآ کے نام چٹھی بھیج کر ایک اور وفد بھیجے جانے کی خواہش کی۔ اس درخواست کے بموجب دوسرا مشن ایک سخت بدلگام پادری ریوڈلفو نام کی سرکردگی میں بھیجا گیا۔ اکبر نے پہلی ہی مجلس میں پادری سے کہا کہ میں یہ سن کر حیرت زدہ ہوں کہ آپ لوگوں کے زعم میں ایک خدا کی تین شخصیتیں ہیں اور خدا رحم مادر سے پیدا ہوا اور اسے یہود نے قتل کر دیا۔ پادریوں سے اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہ بن پڑا۔ اس لئے انہوں نے رفع خجالت کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کا نغمہ چھیڑ دیا۔ خیر یہ مجلس تو جوں توں گذری۔ دوسری نشست میں پادری ریوڈلفو نے اپنی سیاہ باطنی اور بدگوہری کا خوب مظاہرہ کیا اور بجائے

اس کے کہ مسیحیت کی صداقت کا کوئی پہلو پیش کر سکتا۔ اس نے بازاری لفنگوں کی طرح حضرت سرور دو جہاں ﷺ کی ذات گرامی کے خلاف دریدہ دہنی شروع کر دی اور حضور ﷺ کی شان اقدس میں ایسے ناپاک الفاظ استعمال کر کے اپنی فرومائیگی کا ثبوت دیا کہ کوئی حیادار آدمی کسی معمولی سے مذہبی پیشوا کے خلاف تو درکنار کسی شریف آدمی کے حق میں بھی استعمال نہ کرے گا۔ چہ جائیکہ دونوں جہان کے اس ملجاو ماویٰ کی شان اقدس میں گستاخی کی جائے جو دنیا کی نصف ارب آبادی کا محبوب ترین مقتداء ہے۔ عفونت بیان پادری کے اس لفنگا پن کی تصدیق کرنا چاہو تو انگریزی کتاب موسومہ بہ کومینٹری اوف فادر مان سیریٹ مطبوعہ کٹک کا صفحہ ۳۷ دیکھ لو۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجلس علمائے اسلام کے وجود سے خالی تھی۔ ورنہ پادریوں کی بطالت فروشیوں کی تصویر ہر شخص کے سامنے آ جاتی۔ ایسی حالت میں بیچارے پادریوں کی کیا بساط تھی کہ اہل حق کے سامنے لب کشائی کر سکتے۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو بادشاہ پادریوں کو اپنے ساتھ لے گیا اور کہنے لگا کہ میں تمہاری باتوں سے بہت مسرور رہا۔ لیکن میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے لب و لہجہ میں محتاط رہو۔ کیونکہ تمہارے مدمقابل کندۂ ناتراش شریر لوگ ہیں۔ (بجا ارشاد ہوا شریروں کو ہر شخص شریر ہی نظر آتا ہے) شاہ مرتد کی اس نصیحت کا یہ مطلب تھا کہ تم نے جو برسر عام پیغمبر اسلام (ﷺ) کی توہین کی تو آئندہ ، سے باز رہو۔ روڈولف نے کہا کہ ہم آپ کی نصیحت پر عمل کریں گے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ہم مسلمانوں سے ڈرتے ہیں۔ بلکہ محض اس بناء پر کہ آپ کے حکم کی تعمیل ہمارے لئے ضروری ہے۔ اس کے بعد اکبر نے پادری سے کہا کہ تمہاری اور باتیں تو بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن یہ بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ قادر مطلق جو زمین و آسمان اور تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے وہ تین بھی اور ایک بھی کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اور اس کے یہاں ایسے فرزند کا تولد کیوں کر ممکن ہے۔ جو رحم مادر سے پیدا ہوا ہو؟ پادری یہ سنکر دم بخود رہ گیا۔ آخر کہنے لگا کہ خدا سے دعاء کرو کہ وہ تمہارے دل پر اس مسئلہ کی حقیقت آشکارا کر دے۔ اس جواب سے ظاہر ہے کہ موجودہ مسیحیت کی دیواریں محض خیالی تک بندیوں کی بنیادوں پر کھڑی ہیں اور اس کو صداقت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ پادری لوگ گوآ جیسے دوردست مقام سے محض گالیوں کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ہی اکبر اور اس کے درباریوں کا کشور دل فتح کرنے چلے آئے تھے۔ باوجودیکہ ریوڈولفو نے اکبر سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ طریق گفتگو میں محتاط رہے گا۔ لیکن اس باحیا پادری نے اس وعدہ کا قطعاً ایفا نہ کیا۔ چنانچہ

آئندہ مجلس میں یہ سینہ سیاہ پادری پاکوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان پاک میں دشنام دہی کی بیش از پیش غلاظت اچھالتا رہا۔ اگر میرے بیان کی تصدیق چاہو تو کتاب مذکور کا انتالیسواں صفحہ پڑھ جاؤ۔ کاش اکبر کی جگہ کوئی مسلمان حکمران ہوتا تو اس بدلگام پادری کو اس کے کیفر کردار تک پہنچائے بغیر دم نہ لیتا اور تعجب ہے کہ حکومت ہند نے اس سخت دل آزار کتاب کو جو اوڑیسہ مشن پریس کٹک میں چھپ کر ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی۔ اب تک ضبط کیوں نہیں کیا؟ ہم اسلام اور داعی اسلام ﷺ کے خلاف ہر اعتراض سننے اور اس کا جواب دینے کے لئے تیار ہیں۔ بشرطیکہ اعتراض کرنے والا دائرہ انسانیت میں رہ کر اعتراض کرے۔ گو سنجیدہ جواب بدلگامی کا منہ بند نہیں کر سکتا تاہم ہمارا اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم گالیوں کا جواب گالیوں سے دے کر لفنگوں کے ہمناں ہوں۔

آگ میں داخل ہو کر صدق و کذب کے امتحان کا اسلامی مطالبہ

اس وقت یہ حالت تھی کہ ایک طرف تو سیاہ باطن پادری برہان مقدس (قرآن) اور دین حنیف اور دنیا و عاقبت کے سردار سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان اقدس میں بدزبانی کر کے اپنی مسیحیت کی قلعی کھول رہے تھے۔ دوسری طرف مرتدین کا ناپاک گروہ ہر بات میں اہل تثلیث کی تائید کر کے نیشن زنی میں مصروف تھا۔ ایسی حالت میں مظلوم وسینہ ریش مسلمان حاضرین کے لئے بجز اس کے کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ صداقت اسلام کے ثبوت میں کوئی ایسا ناقابل اندفاع طریق عمل اختیار کریں جو اہل باطل کی خدع پرور آرزوؤں کا گورغریباں بن جائے۔ مسلمانوں نے حسب بیان پادری مانسریٹ اکبر سے کہا کہ سچے دین اور آسمانی کتاب کی صداقت کے امتحان کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ آگ جلائی جائے۔ ایک پادری بائبل لے کر اور ہم میں سے ایک آدمی قرآن مجید لے کر گھس پڑے اور آگ کے بلند شعلوں میں کھڑا رہے۔ ان میں سے جو شخص اپنی کتاب سمیت زندہ سلامت نکل آیا۔ اس کا دین سچا ہے اور جو وہیں جل کر ہلاک ہو گیا۔ اس کا مذہب جھوٹا ہے۔ اکبر نے اس تجویز کی تائید کی اور پادریوں سے کہا کہ یہ محل امتحان بالکل فیصلہ کن ہے۔ مگر باطل کی کیا مجال تھی کہ اس جان ستان تجویز کو منظور کرتا۔ پادریوں نے کہا کہ مسیحیت کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے کسی اعجازی امتحان کی ضرورت نہیں۔ اکبر نے کہا اچھا جانے دو۔ یہی گفتگو جو ہو چکی کافی ہے۔ حاضرین نے بادشاہ سے کہا کہ آگ میں داخل ہونے کی تجویز نہایت موزوں اور فیصلہ کن ہے۔ اسی پر عمل درآمد ہونا چاہئے۔ ان کی یہ خواہش شاید اس یقین پر مبنی تھی کہ

مسلمان آگ میں جل کر بے نام ونشان ہو جائیں گے اور فتح کا سہرا مسیحیت کے سر پر ہوگا۔ حالانکہ یہ خیال بالکل باطل تھا۔ ایسے نازک امتحان میں خدائے قادر وتوانا بالیقین اپنے سچے دین کی لاج رکھ لیتا۔ آگ آتش نمرود کی طرح مسلمانوں پر ٹھنڈی اور سلامت ہو جاتی اور مشرک عیسائی ہمیشہ کے لئے خاک مذلت میں سلا دیئے جاتے۔ یہی وجہ تھی کہ اہل باطل اس امتحان کے قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے اور آگ کا نام سن کر پادریوں کی روح فنا ہو رہی تھی۔ پادری ریوڈلفو ایک طویل لاطائل قصہ خوانی کے بعد کہنے لگا۔ ہمیں اعتراف ہے کہ ہم لوگ بسا اوقات گناہوں کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور اب بھی گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ہم گنہگار ہیں۔ اس لئے اعجاز نمائی کی جرأت نہیں کر سکتے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ہمیں معلوم نہیں کہ ہم خدا کے محبوب ہیں یا اس کے راستہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ اس سے قطع نظر اس امر کا امتحان کرنے کے لئے کہ یہ بائبل کلام الٰہی ہے یا نہیں؟ اس کو آگ میں لے جانا مسیح کی تعلیم اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے خلاف ہے۔ اس لئے اے بادشاہ! آپ کو اعجاز بینی کی خواہش کر کے ان یہودیوں کے نقش قدم پر نہ چلنا چاہئے۔ جن کو مسیح (علیہ السلام) نے ان الفاظ میں سرزنش فرمائی تھی کہ شریر اور حرامزادے مجھ سے معجزہ لے طلب کرتے ہیں اور یہ مسلمان جو آگ میں داخل ہونے کی شرط لگا رہے ہیں۔ مجھے ان کے متعلق یقین ہے کہ ان میں سے ایک بھی اپنے مذہب اور اپنے پیغمبر کا اس درجہ شیدائی اور معتقد نہ ہوگا کہ ایسے جانبازانہ امتحان کو اپنے دوش ہمت پر لے۔ واقعی یہ چیز مسلمانوں کی فطرت میں داخل ہے کہ یہ معجزات کا مطالبہ کریں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر ہمارے مذہب کا کوئی صالح ومتقی آدمی کوئی معجزہ دکھائے گا تو یہ لوگ کہنے لگیں گے کہ یہ تو جادو ہے اور پھر اسے قتل کر دیں گے۔ اکبر نے کہا آپ لوگ مطمئن رہیں۔ آپ کا کوئی بال تک بیکا نہیں کر سکتا۔ اصل یہ ہے کہ یہاں ایک مولوی ہے جو اپنے تقدس کی ڈینگیں مارا کرتا ہے۔ حالانکہ وہ بہت سے گناہوں کا بھی مرتکب ہو چکا ہے۔ اس نے قرآن کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ میں اس کو اس عجب وپندار کی سزا دوں۔ اگر آپ حضرات اپنے مذہب کا کوئی ایسا پیرو پیش کر سکیں جو اس امتحان میں پورا اترے تو مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی۔ میری آرزو ہے کہ آپ لوگ اس خواہش کی تکمیل میں میری امداد کریں۔ پادری ریوڈلفو نے کہا ہم اس کام میں آپ کو کچھ مدد نہیں دے سکتے۔ (کومینٹری اوف فادر مانسریٹ ص ۴۰، ۴۳)

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ جلانے کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن عبدالقادر بدایونی

نے منتخب التواریخ میں ۹۸۹ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ شیخ قطب جلیسری نام ایک مجذوب کو شیخ جمال بختیار کے ذریعہ سے بلا کر پادریوں کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا گیا۔ بہت سے ممتاز وذی اقتدار لوگ بھی جمع کیے گئے۔ شیخ قطب نے کہا کہ آگ جلاؤ۔ تاکہ میں اور میرا فریق مقابل آگ میں داخل ہوں۔ دونوں میں سے جو زندہ سلامت نکل آئے گا وہ برسر حق ہوگا۔ چنانچہ آگ جلائی گئی شیخ قطبؒ نے جا کر فرنگی پادری کو کمر سے پکڑ لیا اور آگ کی طرف کھینچ کر کہنے لگا کہ ہاں بسم اللہ! چلو آگ میں داخل ہوں۔ لیکن کسی پادری کو آگ کی طرف رخ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بادشاہ نے غضب ناک ہو کر شیخ قطب اور چند دوسرے فقراء کو بھکر کی طرف جلاوطن کر دیا۔

گرجوں اور تبلیغی مشنوں کا قیام

پادریوں نے اپنی ہزیمت کے بعد بادشاہ سے کہا کہ انہیں اجازت دی جائے کہ جو لوگ عیسائی ہونا چاہیں ان کو عیسائی بنائیں اور نیز ایک خیراتی ہسپتال جاری کریں۔ اکبر نے دونوں درخواستیں منظور کیں اور پادریوں سے کہا کہ اگر کوئی شخص تمہارے کام میں مزاحم ہو تو اسکی اطلاع دو۔ پادری کچھ عرصہ تک اپنے کام میں مصروف رہے۔ اس کے بعد گوآ واپس جانے کی اجازت چاہی۔ لیکن اکبر نے اجازت نہ دی اور کہا میں چاہتا ہوں کہ تمہارے مذہب کی خوبیاں مجھ پر واضح ہوتی رہیں۔ اکبر بہت دن تک پادریوں کو اپنے قبول نصرانیت کے سبز باغ دکھاتا رہا۔ لیکن پادریوں کی مسلسل کوششوں کے باوجود آفتاب پرستی چھوڑ کر دائرہ مسیحیت میں داخل نہ ہوا۔ اس اثناء میں پادریوں نے ملک میں جابجا گرجے اور تبلیغی مشن قائم کیے۔ پانچ سال اسی حالت میں گذر گئے۔ انجام کار گوآ سے پادریوں کے نام حکم آیا کہ تمہیں اکبر بادشاہ کے پاس گئے پانچ سال گذر گئے اور تم نے وہاں کی زبان بھی سیکھ لی۔ اگر بادشاہ دائرہ مسیحیت میں داخل ہوتا ہے تو بہتر ورنہ واپس چلے آؤ۔ یہ لوگ بادشاہ سے ملے اور کہا کہ یہ امر ہمارے لئے سخت تکلیف دہ ہے کہ کوئی کام انجام دیئے بغیر آپ کے دربار میں پڑے رہیں۔ اس لئے درخواست ہے کہ آپ حسب وعدہ دین مسیحیت کو قبول فرمایئے۔ اس پر نہ صرف آپ کی اپنی نجات منحصر ہے۔ بلکہ آپ کو دیکھ کر جو لاکھوں کروڑوں بندگان خدا عیسائی ہوں گے۔ ان کو بھی نجات ابدی نصیب ہوگی۔ اکبر ان دنوں لاہور میں تھا۔ کہنے لگا میں ابھی لاہور سے دکن جا رہا ہوں۔ وہاں جا کر گوآ سے بالکل قریب ہی کسی مقام پر فروکش ہوں گا۔ میں اس جگہ دوسرے جھمیلوں سے فارغ رہ کر آپ لوگوں کی طرف زیادہ توجہ معطوف کر سکوں گا۔ لیکن آپ لوگوں نے یہ کیا کہا کہ ہم اتنی مدت تک یہاں بے مصرف

پڑے رہے؟ کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اس ملک میں اسلامی سلطنت تھی۔ اگر کوئی شخص منہ سے یہ الفاظ نکال دیتا تھا کہ یسوع مسیح (معاذ اللہ) خدا کا بیٹا ہے تو اسی وقت قتل کر دیا جاتا تھا۔ لیکن اب تم نے جا بجا گرجے اور تبلیغی مشن قائم کر لئے اور تم لوگ اپنی تبلیغ میں بالکل آزاد ہو اور کسی کی مجال نہیں کہ تمہاری طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔ پادریوں نے تسلیم کیا کہ واقعی ہمارے قیام سے مسیحیت کو خاصی رونق نصیب ہوئی۔ پادریوں نے لاہور میں بھی گرجا بنا رکھا تھا۔ یہاں ۱۵۹۷ء تک سینتیس آدمی عیسائی بنائے جا چکے تھے۔ جن میں بڑی تعداد جاروب کشوں کی تھی۔

(اکبر اینڈ دی جیمز ٹس ص ۹۱)

فصل :۶...... لاہور کی ہولناک آتشزدگی اور اکبر کی موت

متذکرۂ صدر واقعات سے قارئین کرام اس نتیجہ پر پہنچے ہوں گے کہ اکبر کا وجود شریعت الٰہی کی توہین اور دین خداوندی کی سب سے بڑی تذلیل تھا۔ اس نے احکم الحاکمین کے آسمانی آئین سے سرکشی اختیار کر رکھی تھی اور خالق کردگار کو چھوڑ کر مخلوق پرستی کی گمراہی میں گرفتار تھا۔ بادہ سلطنت و فرمانروائی نے اسے اس درجہ متوالا کر رکھا تھا کہ اپنی چند روزہ عظمت کے مقابلہ میں خدا کی کبریائی اور رسولوں کی قدوسیت کو بالکل بھول گیا تھا۔ اس کی مملکت میں خدا کے نیک بندے ستائے جا رہے تھے۔ گمراہیاں اور تاریکیاں تمام سطح ارض پر چھائی ہوئی تھیں۔ دین حنیف بیکسی اور مظلومی کی حالت میں مبتلا تھا اور ملک فطرت میں ہر جگہ ابلیس اور نفس شریف کی حکومت جاری وساری تھی۔ اس لئے ضرور تھا کہ مالک الملک عزاسمہ کی طرف سے کبھی نہ کبھی اس کے جسد غفلت و بے حسی پر عبرت کا تازیانہ رسید کیا جاتا۔ چنانچہ ۱۵۹۷ء (۱۰۰۵ھ) سے لے کر یوم مرگ تک وہ برابر ہموم و مصائب میں مبتلا رہا۔ خدا کے وہ بندے نہایت خوش نصیب ہیں جو خدائی تنبیہ کے وقت سنبھل جاتے ہیں اور رب العالمین کے ساتھ اپنا رشتۂ عبودیت استوار کرنے میں توقف واہمال گوارا نہیں کرتے۔ لیکن بدنصیب اکبر ان حوادث و نوازل سے جو اس پر پڑے کچھ بھی سبق آموز نہ ہوا۔ ان پریشانیوں میں جن سے اکبر کو دوچار ہونا پڑا سب سے پہلی لاہور کی آگ تھی۔ ابوالفضل نے اکبر نامہ میں بیالیسویں جلوس کے زیر عنوان اس آگ کا اجمالی تذکرہ کیا ہے۔ لیکن کتاب اکبر اینڈ دی جیمز ٹس میں اس کو ذرا کھول کر بیان کیا ہے۔ مؤخر الذکر کتاب میں لکھا ہے کہ اکبر لاہور کے قصر شاہی کے برآمدے میں تھا۔ شہزادہ سلیم اور تمام عمائد سلطنت موجود تھے۔ نوروز کا جشن منایا جا رہا تھا کہ اتنے میں آسمان کی طرف سے ایک شعلہ نمودار ہو کر قصر شاہی کی طرف آیا۔

سب سے پہلے شہزادہ سلیم کے پر تکلف خیمہ کو اس سرعت کے ساتھ جلا کر خاک سیاہ کیا کہ کسی کو آگ بجھانے کے لئے وہاں تک پہنچنے کی مہلت نہ دی۔ اس کے بعد تمام خیموں کو اور شاہی محل کو جس میں چند تخت اور بڑی بڑی بیش قیمت چیزیں تھیں جلایا۔ ان تختوں میں ایک طلائی تخت بھی تھا۔ جس کی لاگت کا تخمینہ ایک لاکھ اشرفی (سولہ لاکھ روپیہ) کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بادشاہ کے قصر خاص کی طرف بڑھا جو خالص لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس کو آناً فاناً جلا کر کوئلوں کا ڈھیر بنا دیا۔ غرض تمام سرکاری عمارتیں آگ بھبوکا ہو گئیں۔ اکبر کو اس آتشزدگی کا بڑا قلق ہوا۔ کیونکہ تمام خزانے اور جواہرات اور یادگاریں بھی نابود ہو گئیں۔ اس روز چاندی، سونا اور دوسری دھاتیں پگھل پگھل کر لاہور کی گلیوں میں اس طرح بہ رہی تھیں جس طرح پانی بدرو میں چلتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ آگ کئی دن کے بعد بمشکل بجھائی جا سکی۔ اس آگ نے اکبر کو اس درجہ وحشت زدہ کر دیا کہ لاہور سے جھٹ کشمیر کا رخ کیا۔ لیکن وہاں پہنچنے کی دیر تھی کہ کشمیر میں ایسا عالمگیر قحط رونما ہوا کہ ماؤں نے اپنے کمسن بچوں تک کو جدا کر دیا اور چھوٹے چھوٹے لڑکے تھوڑے تھوڑے پیسوں میں فروخت ہونے لگے۔ یہ مصیبت ہنوز دور نہ ہوئی تھی کہ اکبر بیمار پڑ گیا اور زندگی کی طرف ناامیدی ہو گئی۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو پھر لاہور آیا۔ لیکن یہاں آنے کے بعد دکن سے اطلاع آئی کہ اس کا جوان بیٹا مراد جس کی عمر ستائیس سال کی تھی دامن فنا میں غائب ہو گیا۔ اکبر کے دل پر اس کے مرنے کا ایسا گہرا زخم آیا کہ کسی مرہم سے التیام پذیر نہ ہو سکا۔ یہ صدمہ ابھی بھولا نہ تھا کہ ۱۰۱۱ھ میں اکبر کا تیسرا بیٹا دانیال بھی سرائے دنیا کو الوداع کہہ کر داغ مفارقت دے گیا اور پھر انہی ایام میں خبر ملی کہ اکبر کا دست راست ابوالفضل بھی رخت زندگی باندھ کر گٹھڑی کی گٹھڑی لعنتیں ہمراہ لے گیا۔ اسے شہزادہ سلیم (جہانگیر) نے قتل کرایا تھا۔ یہ وہ صدمے تھے جنہوں نے اکبر کو بالکل نڈھال کر دیا۔ (اکبر اینڈ دی جیز ٹس ص ۷۶، ۷۷)

لیکن اس کے دل پر بے حسی کی ایسی موٹی تہیں چڑھی ہوئی تھیں کہ توجہ الی اللہ کی توفیق نہ ہوئی اور بدستور اپنی شقاوت پسندیوں کے گرداب میں پڑا رہا۔

عبرتناک حادثہ مرگ

یقینیات میں سے موت سب سے زیادہ یقینی چیز ہے۔ اسی بناء پر قرآن حکیم میں موت کو یقین کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ پس ہر انسان کا فرض منصبی ہے کہ وہ برائیوں اور بے اعتدالیوں سے اپنا دامن بچائے اور ایسا سرمایہ جمع کرنے میں کوشاں رہے جو وطن اصلی

میں کام آ سکے:

اے کہ دستت می رسد کارے بکن
پیش ازاں کز تو نیاید ہیچ کار

پس جو لوگ عیش و نعم کی شدت انہماک میں خدا کو بھول بیٹھے ہیں اور دنیا میں خوف کا بیج بو رہے ہیں وہ کل کو خوف کے پھل سے کانپ اٹھیں گے۔ اکبر کو نعیم دنیا نے موت کی طرف سے بالکل اندھا کر رکھا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ موت کا فرشتہ کسی وقت اچانک آ نمودار ہوگا اور اس بات کا لحاظ کئے بغیر کہ یہ وقت کا سب سے بڑا بادشاہ ہے۔ اس کا ٹینٹوا دبائے گا۔ عہد اکبری کے تمام مسلمان یا مرتد مؤرخ بدایونی، ابوالفضل، نظام الدین احمد وغیرہم اکبر کے ایام واپسیں سے پہلے پہلے ملک بقاء کا سفر اختیار کر چکے تھے۔ اس لئے ان میں سے کوئی بھی اس کے حالات مرگ قلمبند نہ کر سکا۔ پس میں اس کے لئے ان پادریوں کے بیانات پر اعتماد کرتا ہوں جو اکبر کی موت کے وقت فتح پور میں موجود تھے اور جن میں ایک تو پانچ سال تک سفر و حضر میں اس کے ساتھ رہا تھا۔ اکبر نے قریباً بائیس سال تک ایوان مذہب میں تزلزل ڈالے رکھا۔ اس مدت میں کوئی شخص بالیقین معلوم نہ کر سکا کہ یہ شخص کس مذہب و مسلک کا پیرو ہے۔ تناسخ اور بہت سے دوسرے عقائد میں ہنود کا ہموا تھا۔ اسے آفتاب پرستی سے زیادہ شغف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یورپی مؤرخ اسے عام طور پر آفتاب پرست لکھتے ہیں۔ بہرحال ۱۷ اکتوبر ۱۶۰۵ء (۱۰۱۴ھ) کو وہ وقت آن پہنچا جبکہ اس کی اجل گریباں گیر ہو کر کشاں کشاں دار الجزاء میں لے گئی۔ محمد قاسم فرشتہ نے لکھا ہے کہ اکبر کو دو بیٹوں کے مرنے کا اتنا صدمہ ہوا کہ رات دن اسی غم میں گھلتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ کمزور و ناتواں ہوتے ہوتے اپنے اصلی مستقر کو چلا گیا۔ لیکن پادری اکیز بویر نے جو چٹھی ۲ دسمبر ۱۶۰۶ء کو فتح پور سے گوا بھیجی تھی اس میں لکھا تھا کہ اکبر کی موت زہر سے ہوئی۔ عام خیال یہ ہے کہ اکبر نے وہ جام زہر پی لیا جو اس نے دوسروں کے لئے مہیا کیا تھا۔

اکبر کا خاتمہ کس دین پر ہوا؟

سر ٹامس رو نے ۱۶۱۶ء میں اجمیر سے اطلاع دی تھی کہ اکبر حالت اسلام میں مرا۔ ان پادریوں نے جو اس وقت فتح پور میں موجود تھے رپورٹ کی تھی کہ مسلمان بوقت نزع اسے کلمۂ شہادت پڑھ پڑھ کر سناتے رہے۔ لیکن اس نے کلمہ نہیں پڑھا۔ البتہ ایک آدھ مرتبہ خدا کا لفظ زبان پر لایا۔ ایک روایت کے بموجب شہزادہ سلیم (سلطان نور الدین جہانگیر) نے بیان کیا تھا کہ

مفتی میراں صدر جہان کی تلقین کے بعد میرے والد نے صاف لفظوں میں زور سے کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام کا اقرار کیا۔ اس کے بعد صدر جہاں اس کے تکیہ کے ساتھ لگے ہوئے۔ سورۂ یٰسین بار بار پڑھتے رہے۔ ایک فرانسی سیاح ہیئر رڈ ڈے لاول نے اکبر کی موت کے چھ سات سال بعد بیان کیا کہ اکبر نے پادریوں سے وعدہ کر رکھا تھا کہ میں عیسائی ہو جاؤں گا۔ بشرطیکہ مجھے تمام عورتیں جن کی تعداد سو کے لگ بھگ تھی رکھنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن ہنوز ایفائے عہد کا وقت نہیں آیا تھا کہ وہ دنیا سے چل بسا۔ پادری انتھونی بوٹلھو جس نے آگرہ اور بیجا پور میں کئی سال گزارے تھے۔ ۱۶۷۰ء میں لکھا تھا کہ بیجا پور میں ہر شخص اس عقیدہ پر راسخ تھا کہ اکبر عیسائی ہو کر مرا۔ چنانچہ سلطان عادل شاہ والی بیجا پور نے ایک مرتبہ پادری مذکور سے کہا تھا کہ کیا یہ بیان درست ہے کہ اکبر عیسائی ہو کر مرا؟ تو پادری نے جواب دیا کہ خدا کرے وہ مسیحیت قبول کر کے مرا ہو۔ لیکن اصل یہ ہے کہ اس نے ہمیں قبول مسیحیت کے وعدوں ہی میں رکھا۔ آخر اس کا خاتمہ دین اسلام پر ہوا۔ لیکن اس کے برخلاف پادری اگیز یوئیر نے ۱۶۱۵ء میں لکھا تھا کہ اکبر بوقت مرگ نہ تو مسلمان تھا اور نہ عیسائی۔ بلکہ ہندو تھا۔ چنانچہ ۱۷۳۵ء تک جب کہ پادری فگرے ڈو نے اس موضوع پر ایک مضمون شائع کیا اسی روایت نے عالمگیر حیثیت اختیار کر رکھی تھی کہ اکبر مرتے دم تک ہندو رہا اور اس کا خاتمہ بت پرستی پر ہوا۔

(دی جیزئس اینڈ دی گریٹ مغل سر ایڈورڈ میکلیگن ص ۶۴، ۶۵ مطبوعہ لندن)

بہرحال یہ چیز بالکل مشتبہ ہے کہ مرتے وقت وہ کس دین کا پیرو تھا۔ لیکن خاکسار راقم الحروف کی ذاتی رائے یہ ہے کہ یا تو وہ بدستور آفتاب پرست تھا یا ہر مذہب و ملت سے منقطع ہو کر دہریہ قسم کا لامذہب سا رہ گیا تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال معلوم ہوتا ہے کہ اسے غسل اور کفن بھی نصیب نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی لاش محض ایک چادر میں لپیٹ دی گئی۔ بعض لوگوں نے چاہا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔ لیکن مسلمانوں نے نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ نہ تو کوئی مسلمان اسے اپنے مذہب میں داخل کرنے پر آمادہ تھا اور نہ عیسائی یا ہندو ہی اس کی لاش کے دعویدار بنتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ مسلمانوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور نہ کسی ہندو یا عیسائی ہی کی طرف سے کوئی مذہبی رسم ادا ہوئی۔ شہزادہ سلیم اور خاندان کے بعض افراد خود ہی لاش چارپائی پر ڈال کر لے گئے اور باغ میں لے جا کر سپرد خاک کر دیا۔ بہت کم لوگوں نے جنازہ کی مشایعت کی۔ اکبر پر کسی نے ماتم نہ کیا۔ البتہ ایک

شہزادہ نے اسی دن شام تک ماتمی لباس پہنے رکھا۔

فصل: ۷...... مولوی محمد حسین آزاد کی اکبر پرستی پر ایک نظر

شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے کتاب دربار اکبری میں اکبر کی حمد وثنا میں جن عاشقانہ ووالہانہ جذبات کا اظہار کیا ہے اور جن شاعرانہ مبالغوں سے کام لے کر اسے اوج فرقد تک پہنچایا ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ آزاد صاحب کے نزدیک رب العالمین عز اسمہ کی طرح (معاذ اللہ) اکبر کی ذات بھی بالکل بے عیب تھی۔ جس میں کسی انسانی کمزوری کا شائبہ نہ تھا۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ جہاں اس کی ثناء ومنقبت میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیئے۔ وہاں اس کی ایک کمزوری بھی ظاہر نہ کرتے۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ عاشق کو محبوب کی ذات یکسر حسن اور سراپا جمال نظر آتی ہے۔ (اکبر اینڈ دی جیسوٹس ص ۲۰۸)

اس لئے آزاد صاحب کی نظر اس کی کمزوریوں کی دید سے قاصر رہی۔ بلکہ معائب نے بھی ان کی نظر میں محاسن ہی کی جلوہ گری کی۔ اکبر اپنے مداحوں اور خوشامدیوں کا بڑا قدر شناس تھا۔ اگر آزاد صاحب اپنے ممدوح کے عہد سلطنت میں موجود ہوتے تو اس گدایانہ تملق شعاری ار مجنونانہ منقبت خوانی کے صلہ میں انہیں وزارت نہیں تو پنج ہزاری منصب ضرور مل جاتا۔ مگر آزاد صاحب نے اپنے جذبۂ عقیدت اور اخلاص کی سفارش پر اس مداحی کا بظاہر یہی صلہ کافی سمجھا کہ دنیائے الحاد واباحت میں ان کی یادگار رہ جائے اور ملحدین دہر دو چار لفظ ان کی تعریف میں کہہ دیا کریں۔ دربار اکبری کا مطالبہ کرنے سے معاً یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ آزاد صاحب ہندوستان کو لامذہبی کا گہوارہ بنانا چاہتے تھے اور عجب نہیں کہ وہ اسی خدمت پر مامور ہوں کہ مسلمانوں کی لوح دل سے شیفتگی اسلام کے نقش محو کر دیں اور انہیں ایسی تعلیم دیں کہ جس کی بدولت حمیت ملی اور غیرت دینی کی روح جسے مغربی سیاست دان ''مذہبی جنون'' سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ ان سے بالکل مفقود ہو جائے۔ آزاد صاحب نے اکبر کی بے دینی کی خوب تائید کی ہے اور ان کے نزدیک اس کے الحاد کے خلاف ایک لفظ بھی زبان پر لانا گناہ ہے۔ انہوں نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اپنی الحاد پسندی کے اقتضاء سے علمائے حق کو نہایت شرمناک طریق پر طعن وتشنیع کا آماجگاہ بنایا ہے۔ حالانکہ حاملین شریعت کا اس سے زیادہ کچھ قصور نہ تھا کہ مرتد بادشاہ اور ان کے بدمذہب مصاحبوں کی کفر پسندیاں ٹھنڈے دل سے گوارا نہیں کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس زمانہ میں ہندوستان کے اندر کوئی دین پناہ غیور بادشاہ موجود ہوتا تو وہ مرتدین مارقین کے

خلاف لشکرکشی کرتا اور انہیں تیغ سیاست سے عدم کے تہ خانہ میں پہنچا دیتا۔ پس ظاہر ہے کہ جس جرم پر کسی دیندار بادشاہ کے لئے ان اعدائے دین کا قلع قمع ضروری تھا۔ اگر اسی جرم پر منزل ہدایت کے رہ نورد اس حق فروش طائفہ سے برسر خلاف ہوئے تو کیا برا کیا؟ اب میں آزاد صاحب کے عامیانہ خیالات واعتراضات لکھ کر ان کے جواب بر سبیل اجمال عرض کرتا ہوں۔

آزاد صاحب کے مزعومات واعتراضات

آزاد صاحب فرماتے ہیں:

۱...... نوبت یہ ہوئی کہ شریعت کے اکثر فتوے تجویزات ملکی سے ٹکرانے لگے۔ علماء تو ہمیشہ سے زوروں پر چڑھے آتے تھے۔ وہ اڑنے لگے اور بادشاہ بلکہ امراء بھی تنگ ہوئے۔ (دربار اکبری ص ۴۸)

مگر یہ خیال سراسر باطل ہے۔ شریعت کا کوئی فتویٰ مصالح ملک اور مفاد رعایا سے متصادم نہیں ہوسکتا۔ اگر تجویزات ملکی انہی مشرکانہ رسوم کا نام ہے جن پر اکبر عمل پیرا تھا تو پھر واقعی خدا کا لازوال قانون ایسی تجویزات ملکی سے مزاحم ہوگا۔

۲...... آزاد صاحب لکھتے ہیں کہ حریف (علماء) کہتے تھے کہ سلطنت شریعت کے تابع ہے۔ اس واسطے صاحب سلطنت کو واجب ہے کہ جو کچھ کرے شریعت کی اجازت کے بغیر نہ کرے۔ اس کے مقابل میں ان (ابوالفضل، فیضی اور دوسرے ملاحدہ) کا دستور العمل یہ تھا کہ صاحب سلطنت خدا کا نائب ہے۔ جو کچھ وہ کرتا ہے عین مصلحت ہے اور جو مصلحت ملکی ہے وہی شریعت ہے۔ (دربار اکبری ص ۳۶۲)

اس کے متعلق التماس ہے کہ خدا کے نائب انبیاء کرام علیہم السلام تھے۔ جنہیں وحی الٰہی کی تائید ونصرت حاصل تھی۔ ان کی تمام تر تعلیمات وحی الٰہی کے تابع تھیں۔ نہ کہ دنیوی حکمران جو عامۃ الناس کی طرح تعلق باللہ اور روحانی قوت سے یکسر محروم ہوتے ہیں۔ ہر حکمران اس بات کا مامور ہے کہ رعایا کے سود وبہبود کے اسباب مہیا کرے اور وہی کام کرے جس میں خلق خدا کی بہتری ہو۔ لیکن اس اٹل اور لازوال قانون فطرت کی خلاف ورزی میں رعایا کی بہتری اور بہی خواہی متصور نہیں جو خود راعی اور رعایا کے خالق ورازق نے انبیاء کرام علیہم السلام کی وساطت سے دنیا میں بھیجا۔ اگر مصلحت ملکی انہی بیہودگیوں کا نام ہے جن کا اکبر مرتکب تھا اور مصلحت ملکی ہی شریعت ہے تو پھر ایسی شریعت، شریعت خداوندی نہیں ہوسکتی جو رب العالمین نے دنیا میں بھیجی۔

بلکہ وہ شیطانی شریعت ہے۔ جو ابلیس رجیم کی طرف سے اکبر اور اس کے ہم مشرب ائمہ تلبیس پر القاء ہوئی۔

۳...... آزاد صاحب لکھتے ہیں کہ نیک نیت بادشاہ جو سب سے اعلیٰ رتبے کی بات سمجھتا تھا۔ وہ یہ تھی کہ پروردگار رب العالمین ہے اور قادر مطلق ہے۔ اگر سارا حق ایک ہی مذہب کے حجرے میں بند ہوتا اور وہی خدا کو پسند ہوتا تو اسی کو دنیا میں رکھتا۔ باقی سب کو نیست و نابود کر دیتا۔ لیکن جب ایسا نہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا ایک مذہب نہیں۔ سب اسی کے مذہب ہیں۔

(دربار اکبری ص ۶۹)

اس کے متعلق یہ التماس ہے کہ معلوم نہیں آزاد صاحب قرآن کو کلام الٰہی اور جناب محمد ﷺ کو خدا کا پیامبر مانتے تھے یا نہیں؟ اگر مانتے تھے تو قرآن میں صاف لکھا ہے: ''ان الدین عند اللہ الاسلام '' ﴿بلاشبہ سچا دین حق تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔﴾ اور پیغمبر خدا ﷺ سے بے شمار احادیث صحیحہ اس مضمون کی مروی ہیں کہ جو شخص مجھے نبی نہیں مانتا اور میری شریعت کو منجانب اللہ یقین نہیں کرتا اس کی نجات ممکن نہیں اور اگر آزاد صاحب آئین اسلام سے آزاد و بے تعلق تھے تو بھی خود مسلک آزادی کے رو سے بھی وہ غلط رو تھے۔ کیونکہ جب ان کا یہ عقیدہ تھا کہ مسلمان اور ہندو دونوں برسر حق ہیں تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ دونوں کے متضاد و متباین دعوؤں میں سے سچے دعوے کس کے ہیں اور جھوٹے کس کے؟ مثال کے طور پر ایک مسئلہ لے لو۔ ہنود کہتے ہیں کہ خدا کے بندے درگاہ رب العالمین میں کبھی پیش نہیں ہوا کریں گے۔ بلکہ انہیں یہیں دنیا میں چپ چاپ ان کے اعمال کا نیک یا بد ثمرہ تناسخ کے رنگ میں مل رہا ہے اور ملتا رہے گا۔ لیکن مسلمان اس بات پر جازم ہیں کہ تناسخ کا افسانہ بالکل مہمل ہے۔ دنیا کا موجودہ نظام کسی نہ کسی دن تباہ ہو جائے گا اور انسان یوم الجزاء کو مالک الملک عزاسمہ کے سامنے پیش ہو کر اپنے جزائے اعمال کو پہنچیں گے۔ اب آزاد صاحب اور ان کے پیرو بتائیں کہ ان دونوں نظریوں میں اختلاف و تباین ہے یا نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو ظاہر ہے کہ دونوں نظریے صحیح نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے کسی ایک کو غلط قرار دینا پڑے گا۔ پس ثابت ہوا کہ دنیا کے سارے متخالف ادیان و ملل سچے نہیں ہو سکتے۔ آزاد صاحب کا بیان بھی سخت لغو ہے۔ کہ اگر سارا حق ایک ہی مذہب کے حجرے میں بند ہوتا اور وہی خدا کی پسند ہوتا تو اس کو رکھ کر باقی سب کو نیست و نابود کر دیتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر آزاد صاحب کے نزدیک زنا، اغلا، ڈاکہ، چوری وغیرہ قبیح افعال ہیں تو کیا وجہ ہے کہ

خدائے حکیم ودانا زانیوں، لوطیوں، غارتگروں اور نقب زنوں کو دنیا سے نیست ونابود نہیں کر دیتا؟ اصل یہ ہے کہ حکمت خداوندی نے دنیا کو جامع الاضداد بنایا ہے۔ اس لئے کائنات کی ہر چیز خیر وشر سے ملی ہوئی ہے۔ خالق کردگار نے نور وظلمت، نیکی وبدی، راحت ورنج، شیرینی وتلخی، شہد وزہر، ہر قسم کی چیزیں بنائی ہیں۔ اگر دنیا کا مزاج ترکیبی سراپا خیر یا سراپا شر ہوتا تو دنیا کا موجودہ نظام کسی طرح قائم نہیں رہ سکتا تھا۔

۴...... اور لکھتے ہیں کہ اکبر کو اس بات کا لحاظ بھی ضرور تھا کہ یہ ملک ہندوستان ہے۔ ہندوؤں کو یہ خیال نہ ہو کہ ہم پر ایک متعصب مسلمان حکومت کر رہا ہے۔ اس لئے سلطنت کے آئین اور مقدمات کے احکام میں بلکہ روزمرہ کاروبار میں اس مصلحت کی رعایت ضروری ہوتی ہوگی اور ایسا ہی چاہئے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اکبر شاہ اپنے اسلامی عقائد پر قائم رہ کر بھی ہنود سے بے تعصبی کا سلوک کر سکتا تھا اور انہیں ان کے واجبی حقوق دے کر خوش رکھ سکتا تھا۔ غرض یہ چیز قابل اعتراض نہیں۔ قابل ملامت یہ امر ہے کہ اس نے دین حنیف سے بہرکشی کی اور راہ حق کو چھوڑ کر کھلم کھلا ارتداد اختیار کر لیا۔

۵...... آزاد صاحب رقم فرما ہیں کہ مسجدوں کے بھوکوں کو جب تر نوالے ملے اور حوصلے سے زیادہ عزتیں ہوئیں تو گردنوں کی رگیں سخت تن گئیں۔ آپس میں جھگڑنے لگے۔

(دربار اکبری ص ۳۸)

اور فرماتے ہیں کہ ان نااہلوں کے کاروبار دیکھ کر نیک نیت بادشاہ کو ضرور خیال ہوا ہوگا کہ حسد اور کینہ وری علمائے کتابی کا خاصہ ہے۔ اچھا انہیں سلام کروں۔ (دربار اکبری ص ۶۴)

لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کی طعن وتشنیع کچھ آزاد صاحب پر موقوف نہیں۔ بلکہ یہ اعتراض ابنائے تعلیم جدید میں سے ہر شخص کی زبان پر ہے کہ مولوی لوگ آپس میں جھگڑتے تھے۔ اس لئے اکبر کو اسلام سے نفرت ہوگئی۔ ان اعتراضات کے جواب میں التماس ہے کہ یہ خیال بالکل لغو بیہودہ اور سخت مضحکہ خیز ہے کہ مولویوں کی باہمی آویزش نے اکبر کو مرتد بنا دیا۔ کیونکہ پرائے شگون کے لئے کوئی شخص اپنی ناک نہیں کاٹ لیا کرتا۔ تعلیم یافتہ لوگوں کے لڑائی جھگڑے کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ سیاسی لیڈروں کو دیکھو۔ ان میں کس طرح سر پھٹول ہوا کرتا ہے۔ جرائد نگار جو قومی کشتی کے ناخدا سمجھے جاتے ہیں۔ کس طرح اپنے معاصرین کی عزت کے خواہاں رہتے ہیں۔ پارلیمنٹ کی خبریں آپ نے پڑھی ہوں گی۔ وہاں کے ارکان جب آپس میں لڑتے ہیں تو

ایوان کی کرسیاں تک اٹھا اٹھا کر ایک دوسرے پر مارتے ہیں۔ ہندوستان کی مجالس مقننہ کو دیکھ لو۔ ارکان میں کس طرح تو تو میں میں رہا کرتی ہے۔ کیا ان لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے کبھی کوئی شخص اپنے مذہبی معتقدات یا سیاسی مسلک سے دست بردار ہو گیا۔ مولوی صاحبان کے باہمی جھگڑے کوئی نئی بات نہیں ہے یہ ہر زمانہ میں برپا ہے اور رہیں گے۔ کیا ان نزاعات کی وجہ سے سلاطین وخلفائے اسلام یا اعیان ملت میں کبھی کسی شخص نے اکبر کی طرح اسلام سے رشتۂ عقیدت منقطع کر لیا؟ ہرگز نہیں۔ اگر علمائے امت نے اہل بدعت اور پرستاران الحاد سے جھگڑا کیا تو انہوں نے اسی طرح اپنا فرض ادا کیا جس طرح پولیس ڈاکوؤں سے مزاحمت کر کے اپنے فرض منصبی سے عہدہ برآ ہوتی ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ خدا کی زمین علماء سوء کے وجود سے بھی خالی نہیں۔ خصوصاً اس کفرزار وغلام آباد ہندوستان میں بہت سے دنیا پرست مولوی اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے اور فساد کی تخم ریزی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن تمام علماء کو مطعون کرنا انتہاء درجہ کی شقاوت وبد نصیبی ہے۔ علماء بشر ہیں وہ بھی دوسرے انسانوں کی طرح غلطیاں کرتے ہیں۔ لیکن ان کی ساری غلطیاں اور کمزوریاں اس ایک خوبی کے مقابلہ میں نظر انداز کر دینی چاہئیں کہ وہ شریعت اسلام کے حامی ہیں اور جب کبھی اہل الحاد وارباب نفاق کی طرف سے کوئی فتنہ کھڑا ہوتا ہے تو یہ جھٹ دین حق کی تائید میں سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔

اکبر کے ارتداد کا اصل بانی ومحرک

اکبر کے ارتداد کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ بد نصیبی سے ابوالفضل، فیضی اور ان کے باپ مبارک کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ یہ تینوں سخت ملحد تھے۔ یہ لوگ قدیم جذبہ، عناد کی بناء پر جو ہر وقت ان کے دل میں مشتعل تھا۔ نہ صرف علماء کے خلاف اکبر کے کان بھرتے رہتے تھے۔ بلکہ انہوں نے اسلامی اصول وعقائد میں الجھنیں ڈال کر بھی اکبر کو اسلام کی طرف سے متنفر کر دیا تھا۔ خود آزاد صاحب کا بیان میرے اس دعویٰ کی تائید کرتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ ''ان ہی دنوں میں شیخ ابوالفضل بھی آن پہنچے۔ اس فضیلت کی جھولی میں دلائل کی کیا کمی تھی اور اس طبع خداداد کے سامنے کسی کی حقیقت کیا تھی؟ جس دلیل کو چاہا چٹکی میں اڑا دیا۔ بڑی بات یہ تھی کہ شیخ (ابوالفضل) اور شیخ کے باپ (مبارک) نے مخدوم الملک اور صدر الصدور (مولانا عبداللہ سلطان پوری اور شیخ عبدالنبی) کے ہاتھ سے برسوں تک زخم اٹھائے۔ جو عمروں میں بھرنے والے نہ تھے۔ علماء میں اختلاف وانشقاق کے رستے تو کھل ہی گئے تھے۔ چند ہی روز میں یہ نوبت ہو گئی کہ فروعی مسائل تو

در کنار رہے۔ اصول وعقائد میں بھی کلام ہونے لگے اور ہر بات پر طرہ یہ کہ دلیل لاؤ اور اس کی وجہ کیا؟ رفتہ رفتہ غیر مذہب کے عالم بھی جلسوں میں شامل ہونے لگے اور خیالات یہ ہوئے کہ مذہب میں تقلید (قرآن وحدیث کی پیروی) کچھ نہیں۔ ہر بات کو تحقیق کر کے اختیار کرنا چاہئے۔ ابوالفضل وفیضی کے طرفدار بھی دربار میں پیدا ہو گئے تھے۔ یہ دمبدم اکساتے تھے اور بات بات مین ان (علماء) کی بے اعتباری دکھاتے تھے۔" (دربار اکبری ص ۴۰)

اور لکھتے ہیں: "دربار میں بہت عالم ہندوستان، ایران، وتوران کے آ کر جمع ہو گئے۔ چار ایوان کا عبادت خانہ علم کا اکھاڑا تھا۔ راتوں کو علمی جلسے ہوا کرتے۔ اکبر خود آ کر شامل ہوتا۔ علمی مسائل پیش ہوتے تھے اور دلائل کی کسوٹی پر کسے جاتے تھے۔ جو جو ایذائیں ان بزرگوں کے ہاتھوں (ابوالفضل اور فیضی کے) باپ نے عمر بھر سہی تھیں اور انہوں نے بچپن میں دیکھی تھیں۔ وہ بھولی نہ تھیں۔ اس لئے ہمیشہ گھات میں لگے رہتے تھے اور حریف کی شکست کے لئے ہر مسئلہ میں دلائل فلسفی اور خیالات عقلی سے خلط مبحث کر دیتے تھے۔" (دربار اکبری ص ۳۴۹)

اسی طرح آزاد صاحب رقم فرما ہیں۔ "عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ ابوالفضل نے تمام مذہبوں کی مخالفت کو اپنا فرض سمجھ لیا ہے اور اس کام پر کس کر کمر باندھی ہے۔ اس نے بادشاہ کی حمایت اور زر درخدمت اور زمانہ سازی اور بے دیانتی اور مزاج شناسی اور بے انتہاء خوشامد سے جس گروہ نے چغلیاں کھائیں اور ناروا کوششیں کی تھیں۔ انہیں بری طرح رسوا کیا۔ بحث کے وقت اگر کسی مجتہد کا کلام سند میں پیش کرتے تو کہتا کہ فلانے حلوائی فلانے موچی فلانے چرم گر کے قول پر ہم سے حجت کرتے ہو؟ بات تو یہ ہے کہ تمام مشائخ وعلماء کا انکار اسے مبارک ہو۔"

(دربار اکبری ص ۳۶۸، ۳۶۹)

اور پھر یہ دونوں بھائی بادشاہ اور سلطنت کے بھی خیر خواہ نہیں تھے۔ بلکہ یہ خود غرض مطلب پرست اور عیار تھے۔ اکبر کو بے وقوف بنا کر انگلیوں پر نچاتے رہتے تھے۔ چنانچہ خود آزاد صاحب لکھتے ہیں کہ: "فیضی اور ابوالفضل نے بھی بھدرا کیا۔ یہ سب باتیں بادشاہ کی دلجوئی اور اس کی مصلحت ملکی کے لئے تھیں۔ ورنہ فیضی اور ابوالفضل جو اپنی تیزی فکر اور زور زبان سے دلائل فلاطون اور براہین ارسطو کو روئی کی طرح دھنکتے تھے۔ وہ اور دین الٰہی اکبر شاہی پر اعتقاد لائیں گے۔ توبہ توبہ۔ سب کچھ کرتے ہوں گے اور پھر اپنے جلسوں میں آ کر کہتے ہوں گے کہ آج کیا احمق بنایا ہے۔ ایک مسخرہ بھی نہ سمجھا اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے حریف ایسی تجویزوں کے بغیر

ٹوٹ بھی نہ سکتے تھے۔" (دربار اکبری ص ۴۹۱)

غرض دربار اکبری کا مذہبی دنگل دراصل علمائے دربار اور ملاحدہ دربار کا اکھاڑہ تھا۔ جو ایک دوسرے کے حریف مقابل تھے۔ مثل مشہور ہے کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی۔ پس جاتا ہے۔ ابوالفضل نے دربار میں گاؤزوریاں کر کے اور عقائد اسلام پر ملحدانہ اعتراض کر کے اکبر کو بھی اپنی طرح ملحد و بے دین بنا دیا۔ اس کی اپنی عاقبت تو تباہ ہی تھی۔ اپنے ساتھ بیچارے اکبر کو بھی لے ڈوبا اور ساتھ ہی ان ہزاروں لاکھوں حرمان نصیبوں کے لئے بھی قبریں کھود ڈالیں۔ جنہوں نے دین حق سے انحراف کر کے کھلم کھلا ارتداد اختیار کر لیا تھا۔ ان تمام تر گمراہیوں کا وبال نکال اسی عدو اللہ ابوالفضل کی گردن پر ہے۔ گو فیضی بھی اس کا شریک کار تھا۔ لیکن اکبر کا اصل شیطان ابوالفضل تھا۔ جسے حکیم الملک فضلہ کہا کرتے تھے۔ اگر اس کی سرشت میں بدی نہ ہوتی تو وہ مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی سے انتقام لینے کے بعد اکبر کو کوئی نیک مشورہ بھی دیتا۔ مگر اس خمیر مایۂ فساد نے اسے ہمیشہ غلط راستہ پر ڈالے رکھا اور کبھی بے لاگ مشورہ دے کر اکبر اور اس کی رعایا کی خیر خواہی نہ کی۔

آزاد کا بیان کہ خوشامد کوئی آسان کام نہیں

آزاد صاحب ابوالفضل اور فیضی کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش میں لکھتے ہیں کہ:

"آج کل کے روشن دماغ کہتے ہیں کہ دونوں بھائی حد سے زیادہ خوشامدی تھے۔ درست ہے مگر انہیں کیا خبر ہے کہ موقع وقت کیا تھا اور ان کا میدان (دربار) کیسے پرانے پرزور اور جنگ آزمودہ دشمنوں (علماء) سے بھرا ہوا تھا۔ یہی آئین جنگ اور یہی توپ و تفنگ (روباہ بازی، عیاری اور خوشامد) تھے۔ جنہوں نے ایسے حریفوں (علماء) پر فتح یاب کیا۔ نئی سلطنت کا بنانا (دربار میں اختیارات حاصل کرنا اور اپنے حسب مطلب بنانا (بادشاہ کو اسلام سے متنفر کر کے اپنے ڈھڑے پر لگانا) اور پرانی جڑوں کو زمین کی تہ میں سے نکالنا (بادشاہ کے دل میں علماء کی طرف سے نفرت وعناد کی تخم رانی کرنا اور علماء کو اکھیڑ پھینکنا) انہی لوگوں کا کام تھا۔ جو کر گئے۔ خوشامد کیا آسان بات ہے؟ پہلے کوئی کرنی تو سیکھے۔" (دربار اکبری ص ۳۶۴)

خدا وہ وقت نہ لائے کہ ہماری زبان کبھی کسی کی خوشامد میں متحرک ہو۔ لیکن آزاد صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کوئی بہت بڑا فن ہے اور مقام مسرت ہے کہ آزاد صاحب نے ابوالفضل اور فیضی کی شاگردی میں اس فن شریف میں اچھی دستگاہ حاصل کر لی تھی۔

ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ آزاد صاحب سخت ملحد اور علوم شریعت سے بے بہرہ ہونے کے باوجود شمس العلماء بنا دیئے جاتے۔ میں نے ایک انگریزی کتاب کا مطالعہ کرتے وقت گرگ بن گرگ ابوالفضل کی تصویر دیکھی تھی۔ اس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا دنیا بھر کی عیاریاں اور شیطنت کاریاں اس شخص کے دل ودماغ میں جمع ہیں۔

باب ۵۴ ...... سید محمد نور بخش جونپوری

سید محمد نور بخش جونپوری اولیائے مغلوب الحال میں سے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے عالم حال ووجد میں دیکھا کہ شخص خطاب کر رہا ہے۔ "انت مھدی" یعنی تو مہدی ہے۔ وہ یہ سمجھے کہ میں مہدی موعود ہوں۔ مہدویت کبریٰ کا دعویٰ کر بیٹھے اور یہ کہنا شروع کیا کہ میں وہی ہوں۔ جس کی بشارت جناب مخبر صادق ﷺ نے احادیث صحیحہ میں دی ہے۔ کچھ زمانہ تک اس دعویٰ پر قائم رہے۔ ہزارہا لوگوں نے ان کی متابعت کی۔ آخر حج بیت اللہ کا قصہ کیا۔ اثنائے راہ میں ان کو کشف ہوا کہ وہ مہدی موعود نہیں۔ بلکہ بایں معنی مہدی ہیں کہ عبادت الٰہی کی طرف خلق خدا کی راہنمائی کرنے میں ہدایت یافتہ ہیں۔ اس کشف کے بعد دعوائے مہدویت سے تائب ہوئے اور اپنے مریدوں اور ہمراہوں کو بھی ہدایت کی کہ اس اعتقاد سے توبہ کریں اور کہا کہ سفر حج سے واپس چل کر اعلان عام کر دوں گا کہ میں مہدی موعود نہیں ہوں۔ لیکن اثنائے سفر میں سفر آخرین اختیار کر لیا۔ وہ مرید جو رفقائے سفر تھے۔ جب وطن کو لوٹے تو انہوں نے آکر بتایا کہ سید نور بخش نے سفر واپسیں سے پیشتر دعوائے مہدویت سے رجوع کیا تھا۔ بعض لوگ اس عقیدہ سے تائب ہوئے اور بعض پہلے عقیدہ پر اڑے رہے۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۲۰۲، ناقلاً عن معارج الولایت)

مؤخر الذکر جماعت کو نور بخشیہ کہتے ہیں۔ مرزا حیدر نے تاریخ رشیدی میں لکھا ہے کہ پہلے اہل کشمیر تمام حنفی المذہب تھے۔ لیکن فتح شاہ کے زمانہ میں عراق سے ایک شخص جس کا نام شمس الدین تھا۔ کشمیر آیا اور اپنے آپ کو میر محمد نور بخش کی طرف منسوب کر کے لوگوں کو مذہب نور بخشیہ کی دعوت دینے لگا۔ یہ مذہب کفر و زندقہ سے ہمکنار ہے۔ اس کے پیرو روافض کی طرح خلفائے ثلاثہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو گالیاں دیتے ہیں۔ میر سید محمد نور بخش کو صاحب الزمان اور مہدی موعود یقین کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے تمام عبادات اور معاملات میں بڑے بڑے تصرفات کئے ہیں۔ حالانکہ میں نے بدخشاں وغیرہ مقامات میں جن نور بخشیوں کو دیکھا تھا وہ شریعت ظاہری سے آراستہ اور سنن نبویہ سے پیراستہ تھے۔ وہ لوگ ہر بات میں اہل سنت

وجماعت سے متفق تھے۔ مرزا حیدر لکھتے ہیں کہ میر سید محمد نور بخش کی اولاد میں سے ایک شخص نے ان کا ایک رسالہ بھی مجھے دکھایا تھا۔ اس میں بعض باتیں خوب لکھی تھیں۔ مثلاً یہ کہ سلاطین، امراء اور جہال کا گمان ہے کہ ظاہری سلطنت طہارت وتقویٰ کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔ یہ محض غلط ہے کیونکہ اعظم انبیاء ورسل علیہم السلام منصب نبوت کے ساتھ برسرِ حکومت تھے۔ اسی طرح حضرات یوسف، سلیمان، داؤد علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی فرمانروا تھے۔ شمس الدین مذکور نے نور بخشی مذہب میں تصرفات کر کے اپنے مذہب کی جو کتاب کشمیر میں رائج کی۔ اس کو (یا احوطہ) کہتے تھے۔ میں نے یہ کتاب بغرض تنقید کشمیر سے ہندوستان بھیجی۔ علمائے ہند نے اس کتاب کی نسبت یہ رائے ظاہر کی کہ اس کتاب کا مصنف باطل مذہب کا پیرو اور سنت مطہرہ سے دور ہے۔ اسے فرقۂ حقہ اہل سنت وجماعت سے کوئی واسطہ نہیں اور اس کا یہ دعویٰ "ان اللہ امرنی ان ارفع الاختلاف من بین ھذہ الامۃ اولا فی الفروع سنن الشریعۃ المحمدیۃ کما کانت فی زمانہ من غیر زیادۃ ونقصان وثانیا فی الاصول من بین الاسم وکافۃ اھل العلم بالیقین" خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ امت کے اختلاف مٹا دوں۔

بالکل جھوٹا ہے اس کتاب کا مؤلف زندقہ کی طرف مائل ہے۔ جن لوگوں کو قدرت ہو ان پر لازم ہے کہ اس کتاب کو تلف کر دیں اور اس کے پیرووں کو اس مذہب باطل سے ہٹا کر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مذہب حق کی متابعت پر مائل کریں۔ مرزا حیدر لکھتے ہیں کہ جب یہ فتویٰ میرے پاس کشمیر پہنچا اور میں نے اس کا اعلان کیا تو بہت سے نور بخشی تائب ہو کر حنفی مذہب میں داخل ہو گئے اور بعض تصوف کا لبادہ اوڑھ کر صوفی کہلانے لگے۔ حالانکہ وہ قطعاً صوفی نہیں بلکہ ملحد اور زندیق ہیں۔ جن کا کام لوگوں کے متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالنا ہے۔

قومے نہ ز ظاہر نہ ز باطن آگاہ
انگہ جہالت بہ بطالت آگاہ
مستغرق کفرند و حقیقت گویند
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

انہیں حلال اور حرام کی کوئی تمیز نہیں۔ انہوں نے شب بیداری اور کم خواری کو تقویٰ طہارت سمجھ رکھا ہے۔ کرامات کی لاف زنی کرتے ہیں۔ غیب کی جھوٹی خبریں بتایا کرتے ہیں کہ اس سال یوں ہوگا اور فلاں سال یہ ہوگا۔ ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہیں اور باوجود اس رسوائی کے

چلے کھینچتے ہیں۔علوم شریعت کونہایت مذموم ومکروہ خیال کرتے ہیں۔انہوں نے شریعت سے الگ ہوکر اپنی خانہ زاد طریقت کی راہ اختیار کر رکھی ہے اور کہتے ہیں کہ اہل طریقت کو شریعت سے کیا سروکار؟ ان کی طریقت کو شریعت سے کوئی واسطہ نہیں۔ان کا عقیدہ ہے کہ نور کا وجود آفتاب سے وابستہ ہے اور آفتاب ہماری صفائی واقعی عقیدہ سے قائم ہے اور ہمارا وجود اس کی نورانیت کا مرہون منت ہے۔اگر ہم اپنی صفائی عقیدہ کو مکدر کر دیں تو آفتاب بھی نابود ہو جائے اور اگر آفتاب ہم پر فیض گسترنہ ہوتو وہ بھی قعر عدم میں جا پڑے۔غرض جس طرح ہم اس کے ساتھ موجود ہیں اس طرح ہمارے بغیر اس کا وجود بھی محال ہے۔چونکہ اس پرون کے وقت ہمارے احوال روشن ہیں۔ہمیں صلاح وخوبی کے سوا کوئی اور کام نہ کرنا چاہئے۔البتہ جب رات آ کر تاریکی کی ساہ چادر تان دیتی ہے تو وہ ہمیں نہیں دیکھتا اور ہمارے احوال پر مطلع نہیں ہوسکتا۔اس لئے رات کی تاریکی میں جو کچھ بھی کر لیں اس پر کچھ مواخذہ نہیں۔غرض یہ فرقہ سخت گمراہ ہے۔ایسے زنادقہ وملاحدہ کسی اور جگہ نہ دیکھے گئے ہوں گے۔

سید محمد نور بخش صاحب تصانیف تھے۔غیر مسلموں کو ان کی تصنیفات سے کس قدر شغف تھا۔اس کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ پارسیوں کا مذہبی پیشوا شیدوش مؤبد جب ۱۰۴۰ھ میں کشمیر میں مرا ہے تو حالت نزع میں اس نے میر نور بخش کے یہ اشعار پڑھنے شروع کئے۔جس کے آخری مصرعہ پر اس کا دم نکل گیا۔

یکے قطرہ ام از محیط وجود
اگر چند داریم کشف دستور
من از قطرہ کے گشت ام بس نفور
خدایا رسانم بہ دریائے نور

باب ۵۵ ...... بایزید روشن جالندھری

بایزید ابن عبداللہ انصاری ۹۳۱ھ میں بمقام جالندھر (پنجاب) پیدا ہوا۔نبوت کا مدعی تھا۔کہتا تھا کہ جبرائیل امین میرے پاس رب العالمین کی طرف سے پیغام لاتے ہیں اور میں خالق کون ومکان کو اپنی ان دو ظاہری آنکھوں سے دیکھتا ہوں اور بلاتوسل جبریل بھی خدا سے بالمشافہ گفتگو کرتا ہوں۔بایزید نے اپنا لقب روشن پیر رکھا تھا۔ایک دفعہ کہنے لگا کہ مجھے غیب سے ندا ہوئی ہے کہ تمھیں سب لوگ روشن پیر کہا کریں۔چنانچہ اس کے پیرو اسے ہمیشہ اسی لقب سے یاد

کرتے تھے۔ مگر عامۃ المسلمین میں وہ تاریک پیر کے نام سے شہرت رکھتا تھا۔ بایزید صاحب تصانیف تھا بہت سی کتابیں عربی، فارسی اور پشتو میں مدون کیں۔ اس کی ایک کتاب کا نام خیرالبیان ہے۔ جسے عربی، فارسی، ہندی اور پشتو چار زبانوں میں لکھا تھا۔ کہتا تھا کہ خیرالبیان کلام الٰہی ہے۔ اس میں صرف وہی باتیں ہیں جو رب العالمین نے مجھے مخاطب کر کے کہیں۔ اسی بناء پر اس کے پیرو اس کے صحیفۂ الٰہی ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔ اس کی ایک کتاب کا نام حال نامہ تھا۔ اس میں اپنے سوانح حیات قلمبند کئے تھے۔ بایزید کلام الٰہی کے حقائق و معارف بیان کرنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا اور لوگوں کے دل پر اس کے تبحر علمی کا سکہ جما ہوا تھا۔ اس کے دعویٰ نبوت سے پیشتر مرزا محمد حکیم خلف ہمایوں بادشاہ صوبہ دار کابل نے اپنے دربار میں علماء سے اس کا مناظرہ کرایا۔ فقہائے کابل جو علوم عقلیہ سے بالکل عاری تھے روایتوں کے اسلحہ سے مسلح ہو کر مقابلہ کو آئے۔ مگر بایزید کے مقابلہ میں محض منقولات سے کیا کام چلتا تھا۔ علماء نے زک اٹھائی اور صوبہ دار اس کی خوبیٔ تقریر اور زور کلام کی وجہ سے معتقد ہو گیا۔

پیر کے برکت انفاس سے محرومی

بایزید کو خورد سالی سے تحقیق کا شوق تھا۔ اکثر لوگوں سے دریافت کیا کرتا تھا کہ زمین و آسمان تو موجود ہیں۔ مگر ان کا پیدا کرنے والا کہاں ہے۔ ہمدردی و رفاہ خلائق اس کا مایۂ خمیر تھی۔ طفلی میں اگر اپنی زراعت کی نگرانی کے لئے جاتا تو دوسرے کاشتکاروں کے کھیت کی بھی خبر گیری کرتا۔ بیوہ اور بوڑھی عورتوں کو سودا سلف لا دیتا۔ ان کے گھڑے بھر لاتا۔ بیکس دور ماندہ لوگوں کو کھانا پکا دیتا۔ اگر محتاج ہوتے تو آٹا بھی اپنے گھر سے پہنچا دیتا۔ ادنیٰ، اعلیٰ سب کا خدمت گار تھا۔ کبھی کسی کا سوال رد نہ کیا۔ اس کا مقولہ تھا کہ جس شخص کی ذات سے مسلمانوں کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ اس میں اور کتے بلی میں کیا فرق ہے؟ یہ شخص اوائل سے متعبد و پرہیز گار تھا۔ ہر وقت یاد الٰہی میں مصروف رہتا تھا۔ ان دنوں میں اس کے اقرباء میں سے خواجہ اسماعیل نام ایک صوفی جالندھر میں مسند ارشاد پر متمکن تھا۔ بہت لوگوں نے اس کی صحبت میں رہ کر فیض باطنی حاصل کیا۔ بایزید نے بھی اس کے حلقۂ مریدین میں داخل ہونے کا قصد کیا۔ مگر اس کا باپ عبداللہ مانع ہوا اور کہنے لگا۔ میرے لئے یہ ننگ و عار ہے کہ تم اپنے ہی خویشوں میں سے ایک فرومایہ شخص کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ بہتر ہے کہ ملتان جا کر شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں سے کسی کو اپنا ہادی بناؤ۔ بایزید کہنے لگا کہ شیخی اور بزرگی کوئی

موروثی چیز نہیں ہے۔ غرض کہیں بھی مرید نہ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان نے اس پر پنجۂ اغوا مارا اور تقدس کے دوسرے دوکانداروں کی طرح اس کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کر لیا۔ اس کے عربی الہام دبستان مذاہب میں درج ہیں۔ جو صاحب ان کو دیکھنا چاہیں وہ کتاب مذکور کی طرف رجوع کریں۔

ملحد کی صحبت کا اثر اور بیٹے پر باپ کا قاتلانہ حملہ

جب بڑا ہوا تو وطن مالوف کو الوداع کہہ کر ماں کے ساتھ اپنے والد کے پاس کالی کرم واقع کوہ ہائے روہ کو چلا گیا۔ وہاں کوئی تجارت شروع کی۔ جب کچھ روپیہ جمع ہو گیا تو گھوڑوں کی خرید و فروخت کے لئے سمرقند گیا اور وہاں سے دو گھوڑے خرید کر ہندوستان لایا۔ کالنجر پہنچ کر ملا سلیمان کالنجری نام ایک ملحد کی صحبت میں رہا۔ ملحد مذکور تناسخ کا قائل تھا۔ بایزید اس کے اثر صحبت سے تناسخی العقیدہ ہو کر نعمت ایمان سے محروم ہو گیا۔ جب کالنجر سے لوٹ کر کالی کرم پہنچا تو اپنے عقیدہ تناسخ کی نشر و توزیع شروع کر دی۔ عبداللہ کو جو ایک راسخ الاعتقاد مسلمان تھا بیٹے کی یہ حرکت سخت ناگوار ہوئی۔ یہاں تک کہ غیرت دینی سے مجبور ہو کر بیٹے پر چھری سے حملہ کر دیا اور اسے بری طرح مجروح کیا۔ بایزید کالی کرم سے ننگر ہار کو چلا گیا اور وہاں علاقہ مہمند میں سلطان احمد کے مکان پر رہنے لگا۔ جب علماء کو اس کی بدمذہبی کا حال معلوم ہوا تو مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو اس کی طرف سے سخت بدگمان کر دیا۔ اس لئے تمام لوگ اس سے دور دور بھاگنے لگے۔ غرض اس جگہ اس کا کسی پر جادو نہ چل سکا۔ یہاں سے بے نیل و مرام پشاور کی طرف گیا اور غوریا خیل پٹھانوں میں جا کر رہنے لگا۔ چونکہ اس علاقہ میں علماء عنقا کا حکم رکھتے تھے۔ مزاحمت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ یہاں تک کہ اس سرزمین میں بلا شرکت غیرے پیری و پیشوائی کا تاج و تخت حاصل کر لیا اور قریب قریب ساری قوم خلیل اس کی مطیع ہو گئی۔ پھر ہشت نگر میں گیا۔ یہاں بھی اس کی مشیخت کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ مگر علماء مباحثہ کرنے کے لئے امنڈ آئے۔ اخوند درویزہ سے اس کا مناظرہ ہوا۔ بایزید مغلوب ہو گیا۔ مگر اس کے مرید ایسے خوش اعتقاد اور طاقتور تھے کہ اخوند درویزہ کی تمام تر کوششیں رائیگاں گئیں۔ جب بایزید کی مذہبی غارتگری کا حال محسن خان نے سنا جو ان دنوں اکبر بادشاہ کی طرف سے کابل کا گورنر تھا۔ تو وہ بہ نفس نفیس ہشت نگر آیا اور اسے گرفتار کر کے کابل لے گیا۔ مدت تک وہاں زندان بلا کی مشقتیں سہتا رہا۔ آخر رہا ہو کر ہشت نگر واپس آیا اور اپنے تمام مریدوں کو جمع کر کے طوطی کے پہاڑوں میں گھس

گیا۔ کچھ مدت تک مورچہ بندیوں میں مشغول رہا۔ وہاں سے تیراہ کی سیاحت کو آیا اور وعظ وتذکیر کے فسوں پھونک کر آفریدی اور ورکزی پٹھانوں کو بھی اپنے دام مریدی میں پھانس لیا۔ اہل سرحد کے دلوں میں اس کی عقیدت کی گرمی اس طرح دوڑنے لگی جس طرح رگوں میں خون دوڑتا ہے۔

ایک عالم سے مذہبی چھیڑ چھاڑ

جس طرح ابلیس مرزا غلام احمد قادیانی کو اپنی نورانی شکل دکھایا کرتا تھا اور یہ بیچارے اس کو اپنا معبود برحق یقین کیا کرتے تھے۔ اسی طرح بایزید بھی ابلیس کے رخ انور کے شرف دیدار سے مشرف ہو کر اس کو (معاذ اللہ) خدائے برتر سمجھ بیٹھا تھا۔ چنانچہ اسی اذعان و یقین کی بناء پر لوگوں سے یہ سوال کیا کرتا تھا کہ تم لوگ کلمۂ شہادت کس طرح پڑھتے ہو؟ وہ کہتے ''اشھد ان لا الہ الا اللہ'' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا پرستش کے لائق کوئی نہیں۔

بایزید کہتا کہ جس کسی نے خدا کو دیکھا اور پہچانا نہیں وہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں تو وہ اپنے قول میں جھوٹا ہے۔ کیونکہ جو شخص خدا کو نہیں دیکھتا وہ اس کو پہچانتا بھی نہیں۔ مولانا زکریا نام ایک سرحدی عالم نے بایزید سے کہا کہ تمہیں کشف القلوب کا دعویٰ ہے۔ بتاؤ اس وقت میرے دل میں کیا ہے؟ بایزید نے ملحدانہ عیاری سے کام لے کر جواب دیا کہ میں تو یقیناً کاشف قلوب اور لوگوں کے خواطر وتخیلات سے آگاہ ہوں۔ لیکن تمہارے اندر تو دل ہی نہیں ہے۔ اگر تمہارے اندر دل موجود ہوتا تو میں ضرور اس کی اطلاع دیتا۔ مولانا زکریا نے کہا اچھا اس کا فیصلہ آسان ہے۔ یہ قوم کے لوگ سن رہے ہیں۔ تم مجھے قتل کر دو۔ اگر میرے سینہ میں سے دل برآمد ہوا تو پھر لوگ تمہیں بھی ہلاک کر دیں گے۔ بایزید کہنے لگا کہ یہ دل جس کو تم دل سمجھ رہے ہو۔ یہ تو گائے بکری اور کتے تک میں موجود ہے۔ دل سے مراد گوشت کا ٹکڑا نہیں۔ دل اور ہی چیز ہے۔ چنانچہ رسول عربی (ﷺ) نے فرمایا ہے: ''قلب المؤمن اکبر من العرش واوسع من الکرسی'' ﴿مؤمن کا دل عرش سے زیادہ بڑا اور کرسی سے زیادہ وسیع ہے۔﴾ مگر بایزید کا یہ بیان بالکل لغو ہے۔ دل وہی گوشت کا لوتھڑا ہے جو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں لطیفہ قلب کہلاتا ہے اور حدیث صحیح میں پیغمبر خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ جب اس کی اصلاح ہو جائے تو سارے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے اور جب اس میں فساد رونما ہو تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ معلوم ہو کہ یہ دل ہے۔ حضرات صوفیہ طرح طرح کے افکار واشغال سے اسی قلب کی اصلاح میں کوشاں رہتے ہیں۔ جب یہ اصلاح پذیر ہو جاتا ہے تو اس پر

تجلیات الٰہیہ کا دروہ ہوتا ہے اور دل معرفت الٰہی کے نور سے جگمگا اٹھتا ہے۔ اسی دل کی آنکھوں سے اہل اللہ خدائے بیچوں کو بے کیف دیکھتے ہیں۔ اسی دل پر خواطر وخیالات اس طرح موجزن رہتے ہیں جس طرح سطح آب پر لہریں اٹھتی ہیں۔ چونکہ بایزید کو کشف قلوب کا دعویٰ تھا۔ مولانا زکریا اس سے اپنے دل کا راز دریافت کرنے میں حق بجانب تھے۔ لیکن بایزید نے جیسا کہ دجالوں کا عام شعار ہے۔ اس سوال کو باتوں ہی میں اڑا دیا۔ مؤمن کے دل کے عرش سے زیادہ بڑے اور کرسی سے زیادہ وسیع ہونے کا مقولہ جو بایزید نے حضرت خیر البشر ﷺ کی طرف منسوب کیا تو یہ محض افتراء ہے۔ یہ پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تو ارشاد گرامی نہیں۔ البتہ ممکن ہے کہ کسی صوفی کا قول ہو۔ اس کے بعد مولانا زکریا نے کہا کہ تمہیں کشف قبور کا دعویٰ ہے۔ ہم تمہارے ساتھ گورستان چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کوئی مردہ تم سے ہم کلام ہوتا ہے یا نہیں؟ بایزید کہنے لگا کہ مردہ تو یقیناً مجھ سے ہم کلام ہوگا اور میں اس کی باتیں سنوں گا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ تم کچھ نہ سنو گے۔ اگر تم مردے کی آواز سن سکتے تو میں تمہیں کبر کیوں کہتا؟ اس جواب پر لوگ کہنے لگے کہ پھر لوگ کس طرح یقین کریں کہ تم حق پرست ہو؟ بایزید بولا کہ تم میں سے ایک شخص جو سب سے بہتر اور فاضل ہو وہ میرے پاس رہے اور میرے آئین کے موافق عبادت وریاضت بجالائے۔ اگر اسے کچھ نفع ہو تو پھر میرا مرید ہو جائے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اسی قسم کی ایک مضحکہ خیز شرط پیش کی تھی کہ جو کوئی میرا معجزہ دیکھنا چاہے وہ قادیان آئے اور نہایت حسن اعتقاد کے ساتھ ایک سال تک قادیان رہے۔ اس کے بعد میں معجزہ دکھاؤں گا۔ ملک مرزا نام ایک شخص بایزید سے کہنے لگا کہ اے بایزید! لغو بیانی سے باز آؤ اور مسلمانوں کو کافر اور گمراہ مت کہو۔ جو کوئی چاہے تمہاری پیروی اختیار کرے اور جو پسند نہ کرے وہ اپنی راہ پر گامزن رہے۔ بایزید بولا کہ اگر کسی مکان میں جانے کا ایک ہی راستہ ہو۔ بہت سے آدمی اس میں سو رہے ہوں اور اس گھر کو آگ لگ جائے۔ اچانک ان میں سے ایک آدمی کی آنکھ کھل جائے۔ کیا وہ دوسروں کو بیدار کرے یا نہیں؟ لیکن یہ تمثیل صحیح نہیں تھی۔ مسلمان تو پہلے سے بیدار تھے ان کو خواب گمراہی کا یہ مست بھلا۔ کیونکر بیدار کر سکتا تھا۔

آنکس کہ خود گم است کرا رہبری کند

لوگوں نے کہا اے بایزید! اگر حق تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے تو بلا تامل کہو کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آتے ہیں اور میں مہدی ہوں۔ لیکن مسلمانوں کو کافر اور گمراہ مت کہو۔

اکبر شاہ کا حریف مقابل

سرحدی عقیدت مندوں سے قوی پشت ہوکر بایزید نے سرحد میں اپنے قدم نہایت مضبوطی سے جما لئے۔ یہاں تک کہ اکبر شاہ کی اطاعت سے باہر ہوکر اس کا حریف و مقابل بن گیا اور کھلم کھلا علم ستیزہ کاری بلند کر دیا۔ بایزید اپنی تقریروں میں کہتا تھا کہ مغل ظالم اور جفا پیشہ ہیں۔ انہوں نے افغانوں پر حد سے زیادہ ظلم توڑے۔ ان سب باتوں سے قطع نظر اکبر بادشاہ سخت بے دین ہے۔ اس لئے اس کی اطاعت ہر کلمہ گو پر حرام ہے۔ ان کی تقریروں کا یہ اثر ہوا کہ ہر جگہ آتش ہیجان مشتعل ہوئی اور اکثر سرحدی قبائل اکبر سے منحرف ہوگئے۔ جب بایزید کی چیرہ دستیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو اکبر کے کان کھڑے ہوئے اور اس نے ایک لشکر جرار اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ لیکن شاہی لشکر خود ہی سرکوب ہوکر بھاگ آیا۔ اس فتح سے بایزید کے حوصلے اور زیادہ بڑھے۔ افغانوں کی نظر میں شاہی فوج کی کچھ حقیقت نہ رہی اور سرحدی علاقوں میں اکبری حکومت کے خلاف ایسے ایسے مفاسد پیدا ہوئے جو شب سیاہ سے بھی زیادہ تاریک تھے۔ اکبر یہ دیکھ کر گھبرایا۔ لیکن وہ بھی بساط تدبیر کا پکا شاطر تھا۔ اس نے اہل تیراہ کو زر و مال کے اسلحہ سے رام کر کے اپنے ڈھب پر لگا لیا۔ اب تیراہی ظاہر میں تو بایزید کا کلمہ پڑھتے تھے۔ مگر بباطن سلطنت مغلیہ کے ہوا خواہ تھے۔ جب بایزید کو تیراہیوں کے مکر و نفاق کا علم ہوا تو اس نے بہتوں کو خون ہلاک سے گلگوں کیا اور بعض کو ملک بدر کیا۔ انجام کار اس کے پیرو تیراہ پر پوری طرح متسلط ہوگئے۔ اب اس نے ننگر ہار پر بھی قبضہ کر لیا اور جن بستیوں نے اس کے حکم سے ذرا بھی سرتابی کی انہیں لوٹ کر برباد کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ سرحدی میں کسی کو چون و چرا کی گنجائش باقی نہ رہی۔ مگر ان سفاکیوں کی وجہ سے فضائے ملک مکدر ہونے لگی اور بعض قبائل بایزید کی اطاعت سے منحرف ہوگئے۔ مگر چونکہ اس کی شان و شوکت اور وسعت اقتدار غایت درجہ پر پہنچ چکی تھی۔ اس لئے کوئی مخالفت بار آور نہ ہوئی۔ بایزید کا علم یکتائی دن بدن بلند ہوتے دیکھ کر اکبر بادشاہ ہر وقت انتقام کے لئے دانت پیس رہا تھا۔ آخر بایزید کے استیصال کا عزم صمیم کر کے ایک اور فوج گراں روانہ کی اور صوبہ دار کابل کو بھی کابل کی طرف سے یورش کرنے کا حکم دیا۔ محسن خان صوبہ دار کابل جلال آباد سے تیار ہوکر بایزید پر چڑھ آیا اور ادھر سے افواج شاہی نے اس پر یورش کر دی۔ غرض ہنگامہ کارزار گرم ہوا اور ہر طرف کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ ہر چند کہ افغانستان کے مختلف حصوں سے سر بکف جانباز بایزید کی تائید میں اڈے چلے آ رہے تھے۔ لیکن چونکہ بایزید کا ستارہ رو بزوال ہوگیا تھا۔

دوطرفہ فوجوں کے مقابلہ سے عہدہ برآ نہ ہوسکا اور شکست فاش کھائی۔ اگر بعض اتفاقی امور نے مساعدت نہ کی ہوتی تو بس بایزید کا خاتمہ ہی تھا۔ اس کے اکثر پیرو مارے گئے اور بعض دشوار گذار پہاڑیوں پر چڑھ گئے۔ خود بایزید نے ہشت نگر کی طرف بھاگ کر جان بچائی۔ اب بایزید از سر نو فراہمی لشکر میں مشغول ہوا۔ مگر عمر نے وفا نہ کی اور موت کے فرشتہ نے پیام اجل آ سنایا۔ افغانستان کے سلسلۂ کوہ میں بھتہ پور کی پہاڑی پر اس کی قبر ہے۔

بایزید کے بعض متصوفانہ اقوال

بایزید کے متصوفانہ اقوال جن کی بناء پر بعض سادہ لوح ظاہر بین اس کو عارف باللہ یقین کرتے تھے۔ بایزید کی کتاب حالنامہ میں درج ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں زبان سے کلمۂ شہادت کہنا اور اس کی تصدیق کرنا شریعت کا فعل ہے اور زبان کو ہر وقت تسبیح و تہلیل اور ذکر خداوندی میں مصروف رکھنا اور دل کو وساوس وخطرات سے پاک رکھنا۔ طریقت کا فعل ہے۔ ماہ رمضان کا روزہ رکھنا اور کھانے پینے اور جماع سے باز رہنا شریعت کا فعل ہے اور روزہ نفل سیری سے بچنا کم خوری کی عادت کرنا اور جسم کو برائیوں سے محفوظ رکھنا طریقت کا فعل ہے۔ مال کی زکوٰۃ اور عشر دینا شریعت کا فعل ہے اور فقیر اور روزہ دار کو کھانا کپڑا دینا اور درماندوں کی دستگیری کرنا طریقت کا فعل ہے۔ بیت خلیل کا طواف کرنا اور ہر قسم کے گناہ اور لڑائی جھگڑے سے باز رہنا شریعت کا فعل ہے اور خانہ خدا یعنی دل کا طواف کرنا اور نفس امارہ سے جنگ کرنا اور ملائکہ کی سی اطاعت کرنا طریقت کا فعل ہے۔ دائم یاد حق میں مصروف رہنا ماسوی اللہ کا پردہ دل سے دور کرنا اور جمال دوست کا نظارہ کرنا حقیقت کا فعل ہے۔ نور عقل کے ذریعہ سے اس کو ہر جگہ معلوم کرنا اور مخلوقات میں سے کسی کو مضرت نہ پہنچانا معرفت کا فعل ہے اور حق کو پہچاننا اور تسبیح کی آواز سننا اور اس کو سمجھنا قربت کا فعل ہے اور اپنے وجود کو ترک کرنا اور ہر فعل کا مصدر ذات باری کو یقین کرنا اور فضولیات سے بچنا وصال کو سمجھنا وصلت کا فعل ہے۔ اپنی ذات کو حق مطلق میں فانی کر دینا اور باقی مطلق ہو جانا اور احد کے ساتھ موحد ہو جانا شر سے پرہیز کرنا توحید کا فعل ہے اور مسکن اور ساکن ہونا صفات باری تعالیٰ اختیار کرنا اور اپنے وصف کو چھوڑ دینا سکونت کا فعل ہے اور سکونت سے بالاتر کوئی درجہ نہیں۔ قربت، وصلت، وحدت اور سکونت وغیرہ اصطلاحیں خاص بایزید کی تراشی ہوئی ہیں۔ وہ ان مراتب کو شریعت طریقت اور معرفت سے فائق جانتا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ حسب دلخواہ عربی عبارتیں لکھ کر ان کو پیغمبر خدا ﷺ کی طرف منسوب کر دیتا تھا اور پھر بات بات

میں کہنے لگتا کہ حدیث میں یوں آیا ہے۔ مثلاً کہتا تھا کہ رسول عربی (ﷺ) نے فرمایا ہے:
''الشریعة کمثل اللیل والطریقة کمثل النجوم والحقیقة کمثل القمر والمعرفة کمثل الشمس ولیس فوق الشمس شئ'' ﴿شریعت رات کی مانند ہے۔ طریقت ستاروں کا حکم رکھتی ہے۔ حقیقت قمر کی طرح ہے اور معرفت آفتاب کی مانند ہے اور آفتاب سے فائق و برتر کوئی چیز نہیں۔﴾ حالانکہ یہ دعویٰ بدیہی البطلان ہے کہ شریعت رات کی مانند ہے۔ ان خرافات کا قائل ملحدوں کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ ان کو حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کیا جا سکے۔

بایزید کی شریعت

یہ تو اس کے متصوفانہ اقوال تھے۔ اب اس کی شریعت کا بانکپن ملاحظہ ہو۔ بایزید مسلمانوں کا ذبیحہ حرام بتاتا تھا اور کہتا تھا کہ جو شخص مجھے میرے تمام دعووں میں سچا نہیں جانتا اور وحدت وجود کے مسئلہ ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں۔ اس لئے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام ونجس ہے۔ بایزید خود نماز کا پابند تھا اور اپنے پیروؤں کو بھی اس کی تاکید کرتا تھا۔ مگر قبلہ کی تعیین کا پابند نہ تھا۔ بلکہ جدھر چاہتا منہ کر کے نماز پڑھ لیتا اور جب اس پر اعتراض ہوتا تو اس آیۃ قرآنی سے استدلال کرتا۔ ''فاینما تولوا فثم وجه الله'' ﴿تم لوگ جس طرف منہ کرو ادھر ہی اللہ تعالیٰ کا رخ ہے۔﴾ مگر یہ استدلال قطعاً باطل ہے۔ اس آیۃ کے یہ معنی نہیں کہ ہر شخص مجاز ہے کہ جدھر چاہے منہ کر لیا کرے۔ بلکہ اس آیۃ میں محض یہود کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ آغاز اسلام تک اہل ایمان کا قبلہ بیت المقدس چلا آتا تھا۔ لیکن جب بیت المقدس کی جگہ کعبہ معلّیٰ قبلہ مقرر ہوا تو یہود نے تبدیل قبلہ پر اعتراض کیا۔ اس کے جواب میں باری تعالیٰ نے ارباب ایمان سے خطاب کر کے فرمایا کہ جس طرف تم نے اب رخ کیا ہے۔ ادھر بھی اللہ ہی کا رخ ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ کی ذات کا پورا ادراک کسی بندہ سے ممکن نہیں۔ اسی طرح اس کے صفات کی حقیقت بھی فہم انسانی سے خارج ہے۔ پس اس ارشاد سے کہ ادھر ہی کو اللہ کا رخ ہے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کا کوئی جسم ہے یا اس کی ذات (معاذ اللہ) محیط ہے۔ ایسے مضامین پر بالاجمال ایمان لانا چاہئے۔ لیکن اس کی حقیقت کو خدائے برتر کے سپرد کر دینا چاہئے۔ بایزید نے غسل جنابت اڑا دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ پانی کے ساتھ غسل کرنے کی حاجت نہیں۔ ہوا لگنے سے بدن خود بخود پاک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ چاروں عنصر پاک کرنے والے ہیں۔ اس کا بیان تھا کہ جو

کوئی خدا کا اور اپنی ذات کا عارف نہ ہو۔ وہ انسان نہیں بلکہ بھیڑیئے، شیر، سانپ، بچھو وغیرہ درندوں اور موذیوں کے حکم میں ہے۔ ایسے شخص کا مارڈالنا واجب ہے اور اگر نیک کردار، عابد اور نماز گذار ہے تو وہ گائے، بکری، بھیڑ کے حکم میں ہے۔ اس کا مارڈالنا جائز ہے۔ مگر واجب نہیں۔ اگر ایسے شخص کو نظرانداز کر دیا جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ یہ تو قول تھا لیکن عمل یہ تھا کہ اس کے پیرو ہر اس شخص کی لوح ہستی کو جو بایزید کی خانہ ساز نبوت و مہدیت کا منکر ہوتا نقش حیات سے پاک کر دیتے۔ اس اقدام پر بایزید اس آیہ سے استدلال کرتا تھا۔ ''اولئك كالانعام بل هم اضل'' یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

حالانکہ یہ آیت کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ اگر مسلمان بایزید کے حدود عملداری میں موت کے نقاب میں منہ چھپاتا تو اس کے وارثوں کو اس کا ترکہ نہ دیتا بلکہ متوفی کے وارث اس کے مرید قرار پاتے تھے اور اس ظلم و بیداد کی دلیل جواز یہ بیان کرتا تھا کہ جو کوئی خود شناس نہیں اور حیات جاوید سے بے خبر ہے وہ مردہ ہے۔ ایسے شخص کے وارث وہ لوگ نہیں ہو سکتے جو خود بھی مردہ ہیں۔ بلکہ اس کی میراث زندوں (روشنیوں) کو پہنچتی ہے۔ وہ بسا اوقات مسلمانوں پر خود ناشناس ہونے کا فتویٰ لگا کر ملک عدم میں بھجوا دیتا تھا اور اس کی جائیداد پر خود قبضہ کر لیتا تھا اور اگر اپنے زعم فاسد میں کسی ہندو کو خودشناس پاتا تو خود ناشناس مسلمان پر اس کو ترجیح دیتا۔ اس نے اور اس کی اولاد نے سالہا سال تک مسلمانوں پر لوٹ مار کا بازار گرم رکھا۔ ڈاکہ زنی اور غارت گری ان کے نزدیک کار ثواب تھا۔ یہ لوگ راستوں میں جس مسلمان کو پاتے لوٹ لیتے۔ بایزید ایسے مال میں سے خمس نکال کر بیت المال میں جمع کرتا۔ بایزید کہا کرتا تھا کہ میں خدا ناشناسوں کے قتل کے لئے منجانب اللہ مامور ہوں۔ حق تعالیٰ نے مجھے تین بار حکم دیا کہ ان لوگوں کو قتل و غارت کروں۔ مگر میں نے ہتھیار نہ اٹھائے۔ آخر جب چوتھی مرتبہ حکم ہوا تو مجبوراً جہاد کو مستعد ہوا۔

بایزید کی اولاد جلالہ کی اکبر شاہی افواج سے معرکہ آرائیاں

بایزید اپنے بعد پانچ لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑ کر مرا۔ بیٹوں کا نام شیخ عمر، کمال الدین، خیر الدین، جلال الدین اور نور الدین تھا اور بیٹی کو کمال خاتون کہتے تھے۔ بایزید کے بعد شیخ عمر باپ کا جانشین ہوا۔ پیر روشن کے تمام اصحاب اس کے پاس جمع ہو گئے اور اس کی جمعیت دن بدن بڑھنے لگی۔ چونکہ یوسف زئیوں کے پیشوا اخوند درویزہ تھے۔ اس لئے ان کی اور شیخ عمر کی کچھ زمانہ سے چشمک تھی۔ یوسف زئیوں نے جمع ہو کر دریائے سندھ کے کنارے شیخ عمر پر حملہ کیا۔ اس

معرکہ میں شیخ عمر اور اس کے کئی ایک مخلص احباب کام آئے۔ جلال الدین قید ہوا۔ خیر الدین میدان کارزار میں مردہ پایا گیا بایزید کا سب سے چھوٹا بیٹا نور الدین ہشت نگر کو بھاگ گیا۔ مگر وہاں کے گوجروں نے اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ اکبر بادشاہ نے جلال الدین اور اس کے تمام متعلقین کو یوسف زئیوں سے لے کر رہا کر دیا۔ جلال الدین وہاں سے فتح پور گیا اور اکبر سے ملاقات کی۔ اکبر اسے جلالہ کہا کرتا تھا۔ جلالہ فتح پور سے واپس آ کر تیراہ کے پہاڑوں میں رہزنی کرنے لگا اور کابل کا راستہ قطعاً مسدود کر دیا۔ یہ دیکھ کر اکبر نے ۹۹۴ھ میں اپنے مشہور سپہ سالار راجہ مان سنگھ کو جو اس کی ایک ہندو بیوی کا بھتیجا تھا چند دوسرے فوجی افسروں کی رفاقت میں جلالہ سے لڑنے کو بھیجا۔ جلالہ کئی سال تک برسر مقابلہ رہا۔ ان محاربات کی تفصیل اکبر نامہ اور منتخب التواریخ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے۔ کچھ زمانہ کے بعد جلالہ کا بھائی کمال الدین پکڑا گیا۔ اکبر نے تادم واپسیں اس کو قید رکھا۔ جلالہ علاقہ غزنی میں قوم ہزارہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس کا سر اکبر کے پاس بھیجا گیا۔ اس کے بعد بایزید کا پوتا احداد بن عمر خلیفہ بنایا گیا۔ احداد ۱۰۳۵ھ میں سلطان نور الدین جہانگیر کے لشکر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے مرید کہتے تھے کہ قرآن کی سورۃ "قل ھو اللہ احد" احداد ہی کی شان میں نازل ہوئی تھی۔ ہزارہا افغان اس کے پیرو تھے۔ پھر احداد کا بیٹا عبدالقادر باپ کا جانشین ہوا۔ لیکن یہ ترک مخالفت کر کے سلطان شہاب الدین شاہ جہان کے دربار میں حاضر ہوا اور امرائے شاہ جہانی میں داخل ہو گیا۔ جلالہ کا ایک بیٹا الہداد شاہجہاں بادشاہ کی طرف سے رشید خانی خطاب اور منصب چار ہزاری سے سرفراز ہوا تھا۔

(دبستان مذاہب ص ۳۰۴، ۳۱۱)

باب ۵۶ ...... احمد بن عبداللہ سلجماسی

ابوالعباس احمد بن عبداللہ عباسی سلجماسی مغربی معروف بہ ابن ابی محلی مؤلف کتاب عذراء الوسائل وہودج الرسائل مہدویت کا مدعی تھا۔ ۹۶۷ھ میں بمقام سلجماسہ جو ملک مغرب میں ہے پیدا ہوا۔ عنفوان شباب میں فاس گیا اور ابوالقاسم بن قاسم بن قاضی اور ابوالعباس احمد قدومی اور سید محمد بن عبداللہ تلمسانی، ابومجبر، ابومحمد شقرون تلمسانی اور دوسرے علماء سے اکتساب علوم کرتا رہا۔ وہاں سے مشرق کا سفر کیا۔ حج کر کے مصر گیا اور سنہوری لقانی طنانی، طہ بحیری اور دوسرے علمائے مصر سے علمی فیوض حاصل کئے۔ اس کے بعد اس نے حضرت مہدی منتظر علیہ السلام کے ظہور کے متعلق ایک کتاب لکھی جس میں ان کے اوصاف اور علامات درج کئے۔ گو اس میں

ضعیف روایتوں کی بھر مار تھی۔ تاہم کتاب من حیث المجموع مفید ثابت ہوئی۔ یہ تالیف گویا دعوائے مہدویت کی تمہید تھی۔ آخر ۱۰۳۱ھ میں دعوائے مہدویت کر دیا۔ ہزار ہا لوگوں نے اس کی متابعت کی۔ اس شخص کی عادت تھی کہ روسائے قبائل و عمائد بلاد کی طرف خطوط بھیج بھیج کر ان کو نیکیوں اور سنت پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتا اور خط کے اخیر میں یہ لکھ دیتا کہ میں وہی مہدی منتظر ہوں جس کے ظہور کی حضرت مخبر صادق ﷺ نے پیش گوئی کی تھی جو شخص میری متابعت کرے گا وہ مفلح و کامگار ہو گا اور جو کوئی تخلف کرے گا وہ قعر ہلاک میں جا پڑے گا۔ یہ شخص اپنے حاشیہ نشینوں سے کہا کرتا تھا کہ تم لوگ پیغمبر خدا ﷺ کے اصحاب سے افضل ہو۔ کیونکہ تم ایک باطل زمانہ میں نصرت حق کے لئے کھڑے ہوئے ہو اور صحابہ کرامؓ زمن حق میں کھڑے ہوئے تھے۔ جب اس کے پیروؤں کی تعداد بڑھ گئی تو اس نے امر معروف اور نہی اور منکر کا وعظ شروع کیا۔ اسی کے ساتھ مریدوں کو ملک گیری کی ترغیب دیتا رہا۔ اس کے بعد اس نے ان مسلمانوں کو ستانا شروع کیا جو اس کی پیروی سے احتراز کرتے تھے۔ بہتوں کو لوٹا اور اکثر کو جلا وطن کر دیا۔ جب کوئی کہتا کہ حسب ارشاد نبوی ﷺ مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں تو کہتا کہ میرا غیظ و غضب محض اللہ کے لئے ہے۔

ان ایام میں مراکش کی سرزمین سلطان زیدان کے زیر نگین تھی۔ جب زیدان کے عامل حاج میر نے اس کی روز افزوں چیرہ دستیاں دیکھیں تو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے نکلا۔ ابن ابی محلی اس کے مقابلہ میں صرف چار سو مریدوں کو لے کر آیا۔ لڑائی ہوئی جس میں حاج میر کو ہزیمت ہوئی۔ لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ ابن ابی محلی کے پیروؤں پر ہتھیار اثر نہیں کرتے۔ غرض دلوں پر اس کا رعب چھا گیا۔ اس فتح کے بعد اس نے بلا مزاحمت سلجماسہ پر قبضہ کر لیا۔ وہاں ہر طرح سے عدل و انصاف کا شیوہ اختیار کیا اور مظلوموں کی دادرسی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا اس کو بہت چاہنے لگی اور اہل تلمسان اور راشدیہ کے وفد اس کو مبارک باد دینے آئے۔ ان وفود میں فقیہ علامہ ابو عثمان سعید جزائری معروف بہ قدورہ شارح مسلم بھی تھے۔ جب سلطان زیدان کو اس ہزیمت کا علم ہوا تو اس نے اپنے بھائی عبداللہ بن منصور معروف بہ زندہ کو فوج دے کر اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ درعہ کے مقام پر دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ عبداللہ بن منصور کو شکست ہوئی اور اس کی فوج کے تین ہزار آدمی مارے گئے۔ اس فتح کے بعد ابن ابی محلی کی شوکت ثریا سے باتیں کرنے لگی۔ جب

سلطان زیدان کے سپہ سالار یونس کو اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو وہ سلطان سے منقطع ہوکر ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ابن ابی محلی کے پاس چلا آیا اور اس کو سلطان کے اسرار وخفایا سے مطلع کر کے کہا کہ تم زیدان پر چڑھائی کرو۔ اس کا مغلوب کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ چنانچہ ابن ابی محلی لاؤ لشکر لے کر مراکش پر چڑھ گیا۔ سلطان زیدان ایک لشکر جرار لے کر مقابلہ پر آیا۔ پرتگالی نصاریٰ نے سلطان زیدان کی کمک پر بلا طلب ایک دستہ فوج روانہ کیا۔ سلطان کو اس بات پر غیرت آئی کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار سے مدد لے۔ سلطان حسن سلوک سے پیش آیا اور پرتگالی قیدیوں کو رہا کر کے ان کو دستہ فوج کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ اب لڑائی شروع ہوئی۔ ابن ابی محلی نے اس کو شکست دی اور شہر مراکش میں داخل ہوکر وہاں قابض ومتصرف ہو گیا۔ زیدان جان بچا کر برالعدوۃ کی طرف بھاگ گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد سلطان زیدان ایک مشہور عالم فقیہ ابوزکریا یحییٰ بن عبداللہ دادودی کے پاس گیا۔ جو کوہ درن میں اپنے والد کی خانقاہ میں مقیم تھے۔ فقیہ یحییٰ کے پیروؤں کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچتی تھی۔ زیدان نے جا کر کہا کہ آپ لوگ میری بیعت میں ہیں۔ ان میں آپ کے پاس اپنی حاجت لے کر آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دشمن نے مجھے ملک سے بے دخل کر دیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں میری مدد کرو۔ فقیہ ابوزکریا یحییٰ نے اس دعوت کو لبیک کہا اور ہر طرف سے فوجیں جمع کرنے لگے۔ جب تیاریاں مکمل ہو چکیں تو ۸ ؍ رمضان ۱۰۲۲ھ کو مراکش کی طرف کوچ کر دیا۔ علامہ ابوزکریا یحییٰ نے موضع جلیلیر مضافات مراکش کے پاس پہنچ کر کوہ مطل پر قیام کیا اور حرب وضرب کی تیاریاں شروع کیں۔ دوسرے دن لڑائی شروع ہوئی۔ فقیہ کا لشکر دشمنوں کی صفوں میں گھس پڑا اور جو سامنے آیا اسے فنا کر دیا۔ غرض نسیم فتح فقیہ کے رایت اقبال پر چلنے لگی۔ ابن ابی محلی کو ہزیمت ہوئی اور وہ میدان جانستان کی نذر ہوا۔ فقیہ ابوزکریا نے حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ کر شہر کے صدر دروازہ پر لٹکا دیں۔ معا اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اسی طرح اس کی فوج کے سر بھی کاٹ کاٹ کر شہر کے دروازوں پر لٹکا دیئے گئے۔ اس کے بعد فقیہ صاحب مراکش کی مملکت سلطان زیدان کے سپرد کر کے واپس چلے آئے۔ ابن ابی محلی اور اس کے ساتھیوں کے سر بارہ برس تک مراکش کے دروازوں پر لٹکے رہے۔ ابن ابی محلی کے پیرو کہتے تھے کہ حضرت مہدی علیہ السلام قتل نہیں ہوئے۔ بلکہ کچھ عرصہ کے لئے نظروں سے غائب ہوئے ہیں۔

شیخ یوسی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن ابی محلی اپنے استاد ابن مبارک کے پاس بیٹھا تھا۔

اسنے میں اچانک کہنا شروع کیا کہ میں بادشاہ ہوں۔ میں بادشاہ ہوں۔ میں بادشاہ ہوں۔ استاد نے کہا احمد! مانا کہ تم بادشاہ ہو جاؤ گے۔ مگر یاد رکھو کہ اس اوج و رفعت کے بعد نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکو گے اور نہ پہاڑوں کی بلندی تک پہنچ سکو گے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن ابی محلی صوفیوں کی ایک خانقاہ میں گیا اور کہنا شروع کیا کہ میں سلطان ہوں۔ میں سلطان ہوں۔ ایک صاحب وجد وحال صوفی اس کے جواب میں کہنے لگا تین سال تین سال تین سال۔ چوتھا نہیں۔ چنانچہ وہ تین ہی سال تک برسر حکومت رہا اور بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہ مکہ معظمہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا تو لوگوں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ الٰہی! تو نے کہا ہے اور تیرا قول حق ہے۔ ’’وتلك الایام نداولها بین الناس‘‘ ﴿اور ہم ان ایام کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔﴾ جب یہ حالت ہے تو بار خدایا! تو مجھے لوگوں میں دولت وحکومت دے۔ ابن ابی محلی نے بارگاہ خداوندی سے زوال پذیر حکومت تو مانگی۔ لیکن حسن عاقبت کا سوال نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے اسے دولت سے تو چند روزہ سرفرازی بخشی۔ لیکن حسن خاتمہ کا حال معلوم نہیں۔ ابن ابی محلی صاحب تصانیف تھا۔ اس کی مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔ (۱) منجنیق الصخور فی الرد علی اہل الفجور۔ (۲) وضاح۔ (۳) قسطاس۔ (۴) اصلیت۔ (۵) ہودج۔ (۶) ابو عمرو قسطلی کے رسالہ کا رد۔ وغیرذالک!

(کتاب الاستقصاء لاخبار دول المغرب لاقصیٰ ج۳ ص۱۰۷، کتاب الیواقیت الثمینہ فی اعیان عالم المدینہ تالیف محمد البشیر الازہری ج۱ ص۲)

باب ۵۷ ...... احمد بن علی محیرثی

یمن کے علاقہ میں ایک قصبہ محیرث ہے۔ وہاں کا رہنے والا تھا۔ مہدویت کا مدعی تھا۔ انتہاء درجہ کا ذکی وذی علم تھا۔ پہلے زیدی تھا۔ پھر حنفی ہوگیا۔ صنعاء (یمن) میں عرصہ تک حنفی مذہب کا قاضی رہا ہے۔ لیکن اخیر عمر میں راہ صدق وصواب سے ہٹ کر مہدی منتظر بن بیٹھا۔ بعض شافعیہ سے منقول ہے کہ احمد بن علی کی غیر معمولی ذکاوت ہی نے اس کی عقل ماردی اور جودت طبع ہی اس کے لئے وبال جان بن گئی۔

اے روشنی طبع تو برمن بلاشدی

چنانچہ اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ میں ہی وہ مہدی ہوں جس کے ظہور کی پیغمبر خدا ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔ اپنے ایک قصیدہ میں جو سید احمد بن امام قاسم اور اپنے برادرزادہ حسین کے نام مرقوم تھا۔ لکھتا ہے۔

من الامام المهدی المرتضیٰ للرشد
الی الملیك احمد ثم الحسین الارشد

اور کبھی مہدویت کا دعویٰ چھوڑ کر وہ دابہ بن بیٹھتا تھا۔ جس کا تذکرہ قرآن حکیم کی اس آیۃ میں ہے۔ ''واذ اوقع القول علیهم اخرجنا لهم دابة من الارض تکلمهم ان الناس کانوا بایتنا لا یؤقنون '' ﴿جب لوگوں پر (قیامت کا) وعدہ (یعنی زمانہ) قریب آ پہنچے گا تو ہم ان کے لئے ایک (عجیب وغریب) جانور برآمد کریں گے جو ان سے ہم کلام ہوگا اور کہے گا کہ (کافر) لوگ حق تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔﴾

یہ شخص شعر وسخن میں بھی اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اس کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

قاضی الجمال اتی یجرد ذیوله
کالغصن حرکة النسیم الساری
لبس السواد فعاد بدرا فی الدجیٰ
لبس البیاض فکان شمس النهار

آخر عمر میں مکہ معظّمہ چلا گیا اور وہیں ۱۰۵۰ھ میں موت کے دامن میں منہ چھپا لیا۔

(خلاصۃ الاثر فی اعیان القرآن الحادی عشر ج اص ۲۵۰)

باب ۵۸ ...... محمد مہدی ازمکی

برزنجی اشاعہ لاشراط الساعۃ میں لکھتے ہیں کہ جب میں صغیر سن تھا تو کوہ شہر زور کے ایک گاؤں میں جس کا نام ازمک ہے۔ ایک شخص محمد نام ظاہر ہوا۔ جو مہدویت کا مدعی تھا۔ بے شمار مخلوق اس کی پیرو ہوگئی۔ جب یہاں کے امیر احمد خاں کرد کو اس کے دعاوی واباطیل کی اطلاع ہوئی تو فوج لے کر چڑھ آیا۔ خانہ ساز مہدی خود تو بھاگ گیا۔ لیکن اس کا بھائی گرفتار کر لیا گیا۔ احمد خاں کی فوج نے موضع ازمک کو ویران کر کے اس کے بہت سے پیروؤں کو سخت بدحالی کے ساتھ ملک عدم میں بھیج دیا۔ غرض وہ سخت ذلیل ورسوا ہوا اور اس کی جمعیت پراگندہ ہوگئی۔ دعویٰ مہدویت کے علاوہ اس کے مقالات میں سخت الحاد وزندقہ بھرا ہوا تھا۔ اس لئے علمائے کرام اس کے کفر پر متفق ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد احمد خاں کی فوج نے مہدی ازمکی پر قابو پالیا۔ جب وہ گرفتار کر کے احمد خاں کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے علمائے سے استصواب کیا۔ علماء نے بتایا کہ تجدید ایمان کرے اور بیوی کو ازسرنو عقد نکاح میں لائے۔

چنانچہ اس نے سب کے سامنے اپنے عقائد کفریہ سے توبہ کی اور نکاح دوبارہ پڑھوایا۔ لیکن اس کے بعد اپنے مریدوں سے کہنے لگا کہ میں نے اپنے دل سے رجوع نہیں کیا ہے۔ اوائل میں تو اس کا بھائی جو قید ہوا تھا۔ اس سے بہت کچھ حسن عقیدت رکھتا تھا۔ لیکن جب وہ فوج کے آنے کی خبر سن کر بھاگ کھڑا ہوا اور اس کی بدولت اس کے پیرو اور بستی والے ذلیل ہوئے تو بھائی اس سے بد اعتقاد ہو گیا۔ اس کے بعد نہ صرف اس کی صداقت کا منکر تھا۔ بلکہ اسے اس دعویٰ مہدویت اور الحاد پسندی پر سخت ملامت کیا کرتا تھا۔ برزنجی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ۱۰۷۰ھ سے پیشتر میں اسے دیکھنے گیا تھا۔ میں نے اسے بڑا عابد، کثیر الاجتہاد، پرہیزگار، اکل حلال کا پابند، حرام مشتبہ چیزوں سے متنفر اور خلوت گزین پایا۔

باب ۵۹ ...... سباتائی سیوی

۸۹۷ھ میں مسلمانوں کے ساتھ یہود بھی ملک ہسپانیہ (اسپین) سے خارج کئے گئے تھے۔ اس زمانہ میں سلطنت آل عثمان کا اوج وعروج شباب پر تھا۔ یہود نے اسپین کو الوداع کہہ کر ترکی قلمرو کا رخ کیا اور دولت عثمانیہ کے ظل حمایت میں آ کر شہر سلونیکا کو اپنا مستقر بنایا۔ چنانچہ آج تک ان یہود کی مادری زبان اسپینی زبان ہے۔ انہی یہودیوں میں سباتائی سیوی یا سباتائی زیبی نام ایک یہودی تھا۔ جو سمرنا میں پیدا ہوا اور ۱۶۶۶ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ سباتائی کا باپ سمرنا میں ایک انگریز تاجر کے کارخانہ کی دلالی کرتا تھا۔ مگر سباتائی کو ایام طفولیت سے تحصیل علم کا شوق تھا۔ اس لئے سلونیکا کے ایک یہودی مدرسہ میں داخل کیا گیا۔ یہاں اس نے توراۃ اور طالمود کے تمام حصے پڑھے اور ہنوز پندرہ ہی سال کی عمر تھی کہ تحصیل علم سے فارغ ہو گیا۔

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

اب اس نے حصول شہرت کے لئے تذکیر وموعظت کا سلسلہ شروع کیا۔ جب اچھی طرح شہرت ہو گئی تو چوبیس برس کی عمر میں یکایک مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور کہنے لگا کہ میں اسرائیلیوں کو اہل اسلام اور نصاریٰ کی غلامی سے آزاد کرانے کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ ہزارہا مخلوق اسے مسیحا اور مظہر شان ایزدی تسلیم کرنے لگی۔ لیکن چونکہ اس دعویٰ کے ساتھ ہی سباتائی یہوا نام کا کلمہ علانیہ برسر مجمع عام زبان پر لایا اور یہود میں یہوا رب العزت کا وہ جلالی نام ہے جسے صرف یہود کا پیشوائے اعظم خاص مقام اقدس میں عید فسخ کے موقع پر سال میں صرف ایک مرتبہ ورد زبان کر سکتا تھا۔ اس لئے یہودی حلقوں میں تہلکہ مچ گیا۔ جب یہ خبر ربیون کے دارالقضا میں

جو پیشد پن کہلاتا ہے پہنچی تو اس کے چند ارکان دارالقضاء کی جانب سے آ کر سباتائی کو ڈرایا، دھمکایا اور کہا کہ اگر یہ گناہ تم سے پھر کبھی سرزد ہوا تو تم جماعت سے خارج کر دیئے جاؤ گے اور جو شخص تمہیں قتل کرے گا وہ عنداللہ اجر جزیل کا مستحق ہوگا۔ سباتائی بھلا ایسی دھمکیوں میں کب آنے والا تھا؟ کہنے لگا مجھے خدائے اسرائیل نے اپنا مخصوص پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور مجھے خاص طور پر اپنا جلالی نام ورد زبان کرنے کا مجاز کیا ہے۔ ربیون نے دیکھا کہ یہ شخص اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا تو اسے اپنی جماعت سے خارج کر کے اس کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ اس دن سے سباتائی کے پیرو دونمہ (یعنی خارجی یا رافضی) کے مکروہ لقب سے یاد کئے جانے لگے۔ مگر دونمہ خود اپنے آپ کو مؤمن کہتے ہیں۔ اس تسمیہ کی شاید یہ وجہ ہو کہ دونمہ بظاہر مسلمان بنے رہتے ہیں اور انہوں نے بہت سے اسلامی عقائد واصول کو اپنے معتقدات میں داخل کر رکھا ہے۔

جب سباتائی پر کفر کے فتووں کی بھرمار ہوئی اور ہر راسخ العقیدہ یہودی اس کے خون کا پیاسا نظر آیا تو سمرنا کو خیر باد کہہ کر یورپ کا رخ کیا۔ پہلے یورپی ترکی کے شہر سلونیکا میں پہنچا۔ جہاں یہود کی بہت زیادہ آبادی ہے۔ یہاں اس نے کسی قدر کامیابی کے ساتھ اپنے مذہب کی اشاعت کی۔ سباتائی کے بعد مسالک میں اس اصول پر بہت زور دیا گیا تھا کہ جو مرد اپنی بیوی سے ناخوش ہو یا اس کی ہم نشینی مرغوب خاطر نہ ہو وہ اسے چھوڑ کر دوسری شادی کر لے۔ تاکہ یہ خدائی اصول پورا ہو کر شادی کی زندگی خوشگوار اور پرسرور ہونی چاہئے۔ چنانچہ اسی اصول کے ماتحت متعدد گلرخ لعبتان زمانہ خود اس کی سلطنت عشق کی باجگذار بنیں۔ اس کے حلقہ ارادت میں عیش ونشاط کی کھیتیاں ہر طرف لہلہاتی دکھائی دیتی تھیں۔ اس کے مرید پرانی جوروؤں کو طلاق دیتے اور نئے نئے اور درہائے ناسفتہ سے لذت اندوز ہونے کی دھن میں لگے رہتے تھے۔ خود سباتائی بھی نئی نئی دلہنیں بہم پہنچاتا اور پرانی عورتوں کو چھوڑتا جاتا تھا۔ جب اس گروہ میں نکاح وطلاق کی گرم بازاری ہوئی اور مطلقہ عورتوں کے جھگڑے عدالتوں میں جانے لگے تو اس وقت اس مذہب کی حقیقت عالم آشکار ہوئی۔ ترکی حکام نے اس قسم کی طلاقوں پر سخت گیری شروع کی اور بہت سے ملزموں کو عبرتناک سزائیں دیں۔ سباتائی سلونیکا سے یونان گیا۔ وہاں سے اٹلی کی راہ لی اور شہر لیگ ہورن میں ایک اور یہودیہ سے نکاح کیا۔ اس کے بعد اپنے خیالات کی تبلیغ وتلقین کرتا اور طرابلس الغرب اور شام ہوتا ہوا بیت المقدس میں آیا۔

اغیار کی غلامی سے نجات دلانے کے وعدے

چند روز بعد ناتھن نام ایک یہودی سے ملاقات ہوئی۔ جسے ہم مذاق پا کر اسے اپنے

راز میں شریک کرلیا اور اب یہ دونوں اپنی متحدہ کوششوں سے ہمہ تن ایک نیا مذہب قائم کرنے میں مصروف ہوئے۔ چنانچہ ناتھن نے جس میں سباتائی ہی کی سی جودت طبع ودیعت تھی۔ مسیح کا پیش رو بننے کی خدمت اپنے ذمہ لی اور اس سے جدا ہو کر ہر طرف منادی کرنے لگا کہ مسیح موعود کے ظہور کا وقت آن پہنچا۔ دلہا تم ہی میں موجود ہے۔ وہ لوگوں سے کہتا تھا۔ سنو اب تم لوگ شریعت کے ناگوار احکام سے آزاد ہو جاؤ گے۔ نہایت اطمینان اور گرمجوشی کے ساتھ حضرت مسیح موعود کا استقبال کرو۔ ان ایام میں عامۂ یہود کے دل ایک اخلاقی اور مذہبی انقلاب کی طرف مائل ہو رہے تھے اور ان میں ۱۶۶۶ء کے سال میں اہم اور عظیم الشان واقعات رونما ہونے کے متعلق بہت سی پیشین گوئیاں چلی آتی تھیں۔ اس لئے بہت سے یہودی جہلا اس کے پیرو ہو گئے۔ دوسری طرف خود سباتائی کو جو شہر غزہ میں اپنے دین کی منادی کر رہا تھا۔ نمایاں کامیابی ہوئی اور اس قرب وجوار کے یہودی غیر مذاہب کی غلامی چھوڑنے اور آل اسرائیل کے جدید اوج وعروج کے اشتیاق میں اپنی معیشت کے مشاغل کو چھوڑ کر زہد اور عبادت گذاری میں منہمک ہوئے اور بڑی بڑی فیاضیاں دکھانی شروع کیں۔ یہاں کے یہود نے قلمروئے عثمانیہ کے دوسرے حصوں کے یہود کو مطلع کیا کہ مسیح موعود جس کا انتظار تھا نمودار ہو کر ہم میں موجود ہے۔ ارض شام کے یہود نے جو اس جوش وخروش سے اس دعویٰ کو تسلیم کیا تو سباتائی کا حوصلہ بڑھا اور اب بڑی شان وشوکت سے اپنے وطن سمرنا میں داخل ہوا اور خاص دارالخلافہ قسطنطنیہ کے یہود کو بھی اپنی طرف مدعو کیا۔ ناتھن ان دنوں دمشق میں تھا۔ وہاں سے اس نے سباتائی کو ایک خط لکھا۔ جس میں اسے احکم الحاکمین کے لقب سے خطاب کیا۔ حلب کے یہودیوں کے پاس بھی اس نے ہدایت نامے بھیجے۔ جن کے ذریعہ سے اس کے لوگوں کو اپنے دعووں اور مسیح موعود کے اصول سے مطلع کیا۔ اب سلطنت عثمانیہ میں ہر گاؤں اور ہر شہر کے یہودی غیر معمولی خوشیاں اور مجنونانہ مسرتیں ظاہر کرنے لگے اور بچے بچے کا دل قومی امنگوں سے معمور ہوا۔ اس عقیدہ نے کہ اسرائیلیوں کو اغیار کی غلامی سے نجات دلانے والا مسیح موعود مبعوث ہو چکا۔ عام شورش پیدا کر دی۔ دولت عثمانیہ کی مسلم اور نصرانی رعایا یہود کے اس غیر معمولی جوش وخروش پر سخت حیرت زدہ تھی۔ اس خانہ ساز مسیح موعود پر ایمان لانے والوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ بعض شہروں میں تجارتی کاروبار بالکل بند ہو گیا۔ یہود اس شوق میں کہ انہیں عنقریب غلامی سے نجات ملے گی اور حضرت مسیح موعود انہیں ساتھ لے کر بیت المقدس میں داخل ہوں گے۔ دنیوی معاملات اور تجارتی کاروبار سے بالکل دست بردار ہو گئے۔ آخر یہاں

تک نوبت پہنچی کہ سلطنت عثمانیہ میں دول یورپ کے سفیر جو موجود تھے۔ انہیں ان کی سلطنتوں نے حکم دیا کہ اس نئی مذہبی تحریک کے متعلق تحقیقات کر کے کیفیت پیش کریں۔ جس طرح ہندوستان میں تجارت ہنود کے دست اختیار میں ہے۔ اسی طرح عثمانی قلمرو میں یہود کے ہاتھ میں تھی۔ عثمانی عمال نے قسطنطنیہ کے باب عالی میں رپوٹ کی کہ ہماری ولایتوں میں کاروبار تجارت بالکل بند ہوگیا ہے۔ اب یہ تحریک ایک وبائی مرض کی طرح ممالک یورپ کی طرف بڑھنے لگی۔ اٹلی، ہالینڈ اور جرمنی کے اکثر یہودی اس بات پر آمادہ ہوگئے کہ اپنی جائیدادوں کو بیچ کر یا یونہی چھوڑ کر حضرت مسیح موعود کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ اب ان حالات سے بھی زیادہ خطرناک صورت یہ نمودار ہوئی کہ یہودی ترک حکام کی اطاعت سے باہر ہونے لگے۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ عنقریب مسلمان ہمارے غلام اور محکوم ہو جائیں گے۔

قسطنطنیہ کا محبس بحیثیت زیارت گاہ

انہی ایام میں سباتائی پھر سمرنا آیا۔ وہاں کے مذہبی مقتداء اور ربی سباتائی کو مسیح موعود تسلیم کرنے میں مذبذب تھے۔ آخر سب سے بڑے ربی نے جو خاتم باشی کہلاتا ہے۔ اسے مشورہ کرنے کے بہانے اپنی صحبت میں بلایا۔ سباتائی بلا تامل اس کے پاس چلا گیا۔ اس کے پیروؤں کا ایک گروہ بھی ساتھ گیا۔ یہ لوگ مکان کے باہر ٹھہرے رہے۔ سباتائی کو بڑے ربی کے گھر سے نکلنے میں زیادہ دیر ہوئی تو انہوں نے خیال کیا کہ شاید ربی نے مسیح موعود کو زبردستی اپنے مکان میں بند کر رکھا ہے۔ فوراً قاضی کی عدالت میں پہنچے اور کہا کہ ہمارے مسیح موعود کی رہائی کا فوراً بندوبست کیا جائے۔ ورنہ بغاوت ہو جائے گی۔ قاضی نے اس جھگڑے کا انفصال ربیوں ہی کے محکمہ دارالقضا پر محول کیا۔ بڑا ربی کسی طرح سباتائی فتنہ کا استیصال کر دینا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے پیروؤں اور حامیوں کی جماعت اس قدر غالب تھی کہ ان کا کچھ زور نہ چلا اور مجبوراً اسے چھوڑتے ہی بنی۔ سمرنا سے اس نے قسطنطنیہ کا رخ کیا۔ وہاں کے یہودی بھی جوش و خروش کے ساتھ اس پر ایمان لانے لگے۔ یہاں ایک ذی علم یہودی نحمیا کوہن نے تخلیہ میں سباتائی سے خواہش کی کہ اپنی مسیحیت میں مجھے بھی شامل کر لو۔ سباتائی نے اس سے قطعاً انکار کیا۔ نحمیا اس کی شکایت ۔ ۔ ک وزرائے سلطانی کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ اگر یہ جعلی مسیح فوراً پامال نہ کر دیا گیا تو سلطنت ۔۔ امن وامان میں سخت خلل پڑے گا۔ حکام اس مسئلہ پر پہلے ہی غور کر رہے تھے۔ باب عالی کے حکم ۔ ۔ سباتائی قسطنطنیہ میں گرفتار کر کے قید کر دیا گیا۔ قسطنطنیہ کا محبس واقع قصر ابی دوس ا ر لے

پیروؤں کے لئے ایک بڑی زیارت گاہ بن گیا۔ ان لوگوں کے غول کے غول آتے اور قید خانہ کے ترک محافظوں کو بڑی بڑی رشوتیں دے کر اپنے مسیح کی زیارت کر جاتے تھے۔ اب اس کا شہرہ روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ اس نے اسی محبس میں بیٹھے بیٹھے اپنے مذہب کی از سر نو تدوین کی اور نئے رسوم کو منضبط کیا۔ اس کے پرجوش پیروؤں نے یہ کارروائی کی کہ قدیم الایام سے جتنی پیشین گوئیاں کتابوں میں چلی آتی تھیں۔ سب اسی سے وابستہ کر دیں اور توراۃ کے بہت سے فقروں میں حسب دلخواہ تحریف وتبدیل کر کے ان میں اس کا نام شامل کر دیا اور محرف فقروں کو قطعات کے طرز پر چوکھٹوں میں لگا کر یا دوسرے طریقوں میں لکھ کر یہود کے معابد میں آویزاں کیا۔

سلطان المعظم کے سامنے اسلام کا منافقانہ اقرار

یہ سلطان محمد رابع کا عہد خلافت تھا۔ قسطنطنیہ اس وقت تک دار الخلافہ نہیں بنایا گیا تھا۔ سلطان محمد کا مستقر خلافت ان ایام میں ادرنہ (اڈریا نوپل) تھا۔ جب سباتائی فتنہ نے خطرناک نوعیت اختیار کی تو سلطان المعظم نے سباتائی کے حاضر کئے جانے کا حکم دیا۔ جب وہ ادرنہ کے قصر شاہی میں تخت کے آگے حاضر ہوا تو سلطان نے فرمایا کہ جب تم مسیح موعود ہو تو (مسیح علیہ السلام کی طرح) معجزے بھی دکھا سکتے ہو گے؟ اس نے فوراً جواب دیا کہ بے شک دکھا سکتا ہوں۔ سلطان نے کہا اچھا میں اپنے تیراندازوں کو حکم دیتا ہوں کہ تمہیں ہدف سہام بنائیں۔ اگر تیروں نے تمہیں کوئی صدمہ نہ پہنچایا تو سمجھا جائے گا کہ تم واقعی مسیح ہو۔ کیا تم یہ معجزہ دکھا سکتے ہو؟ بارگاہ خلافت کی یہ جان ربا تجویز سن کر سباتائی کے اوسان خطا ہوئے اور گھبرا کر سوچنے لگا کہ اب بچاؤ کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو ترک سپاہیوں کے تیروں کا نشانہ بن کر جان دوں یا اسلام قبول کر کے جان بچاؤں۔ اتنے میں تیراندازوں کا ایک دستہ بھی سامنے آ موجود ہوا۔ سباتائی تیراندازوں کو ملک الموت یقین کر کے عرض پیرا ہوا کہ خلیفۃ المسلمین! ان تمام سرگرمیوں سے میرا حقیقی مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو خدا کی توحید اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی طرف بلاؤں اور کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے ان کو مانوس کروں۔ یہی پاک کلمہ میرا اشعار ہے اور میری دلی آرزو ہے کہ روئے زمین کے اسرائیلیوں کو اس کا قائل اور پیرو بنا دوں۔ سلطان نے کہا جس قدر اطلاعیں باب عالی میں پہنچیں ان سے تمہارے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی۔ سباتائی عرض پیرا ہوا جہاں پناہ! میں نے دل میں ٹھان رکھا تھا کہ جس وقت حضرت ظل سبحانی کے دربار میں رسائی ہو گی اس وقت اپنے ایمان کو برملا ظاہر کروں گا۔ آخر سباتائی نے حلف اٹھایا کہ میں مسلمان ہوں اور مسیح موعود

ہونے کا دعویٰ محض ہنگامہ آرائی اور لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے تھا۔ اس کے بیانات سن کر اس کے پیرو متحیر ہو کر سناٹے میں آ گئے۔ بعض معتقدین تو منحرف ہو گئے اور جو سادہ لوح آج کل کے مرزائیوں کی طرح زیادہ راسخ الاعتقاد تھے۔ وہ سباتائی کے اس حلفی بیان کی اسی طرح تاویلیں کرنے لگے۔ جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی کی عقیدت کیش امت ان کی جھوٹی پیشین گوئیوں کی تاویلیں کیا کرتی ہے۔

قلعہ بلغراد کے ایام نظر بندی

سلطان نے مستقبل کے ممکن الوقوع فتنہ کی روک تھام کے لئے سباتائی کو بلغراد کے قلعہ میں نظر بند رکھنے کا حکم دیا۔ جو آج کل ملک سربیا (سروبیہ یا زیچوسلاویہ) کا پایۂ تخت ہے اور ان دنوں ترکی قلمرو میں داخل تھا۔ یہ دیکھ کر کہ سباتائی جان کے خوف سے مسلمان ہو گیا ہے۔ مخالف یہودی اور دوسرے لوگ اس کے عقیدت مندوں پر لعن طعن کرنے لگے۔ مگر سباتائیوں کے دلوں پر اس کی مسیحائی کے نقش کچھ اس طرح مرتسم ہوئے تھے کہ حسن اعتقاد کی رسی کو کسی طرح ہاتھ سے نہ چھوڑا اور کہنے لگے کہ اسلام کا ظاہری اعتراف بھی حضور مسیح موعود کی ایک شان مسیحائی ہے۔ آخر ۱۶۷۶ء میں بلغراد ہی کے قید خانہ میں اپنے مریدوں کو داغ مفارقت دے گیا۔ مگر اس کے معتقدوں میں سے اکثر نے یہ کہنا شروع کیا کہ وہ مرا نہیں بلکہ اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلا گیا ہے اور کسی روز پھر دنیا میں نزول فرما کر اعلائے کلمۃ اللہ کا حق ادا کرے گا۔ یہ خیال سباتائیوں کے دلوں میں ایسے وثوق کے ساتھ قائم تھا اور ہے کہ سلونیکا کی زمین دوز مخفی عبادت گاہوں میں جو فرقہ دونمہ نے بنا رکھی ہیں۔ ہر وقت ایک خوبصورت صاف اور اجلا بچھونا تیار رہتا ہے کہ ہمارے مسیحا صاحب عالم بالا کے سفر سے مراجعت فرمائیں گے تو انہیں اس قدر طویل سفر کی ماندگی دور کرنے کے لئے استراحت کی ضرورت ہوگی۔ پہلے یہ یقین تھا کہ مسیحا سلونیکا کے پھاٹکوں میں سے باب درودار سے شہر میں داخل ہوگا۔ مگر جس زمانہ سے سلونیکا میں ریل جاری ہوئی۔ یہ خیال پختہ ہو گیا ہے کہ ان کا مسیحا ریل پر سوار ہو کر آئے گا۔ چنانچہ اب تک سلونیکا کے آخری اسٹیشن پر ہر ریل گاڑی کی آمد کے وقت مسیحا استقبال کے لئے کوئی نہ کوئی دونمہ موجود رہا کرتا ہے۔ بعینہٖ یہی حالت چند صدیوں پیشتر شیعوں کی صاحب الزمان حضرت مہدی علیہ السلام کے انتظار میں تھی۔ جب کہ بغداد کے قریب شہر سر من رائے کے غار پر ایک اعلیٰ درجہ کا گھوڑا ساز و سامان سے تیار روانہ جلوس اور

باجوں کے ساتھ جاتا اور مغرب کے بعد حضرت امام کے ظہور کا انتظار کر کے نامراد واپس آیا کرتا تھا۔ سباتائی کی ہلاکت کے بعد اس کی ایک بیوہ نے بیان کیا کہ امام سباتائی میرے بھتیجے یعقوب کو اپنا جانشین مقرر کر گیا ہے۔ جسے میں نے دس سال کی عمر میں گود لیا تھا۔ دونمہ نے سباتائی کی جگہ یعقوب کو اپنا پیشوا تسلیم کیا۔ یہ لوگ اسے بھی مظہر ربانی ماننے لگے۔

دونمہ کی مذہبی دورنگی

سلطان المعظم کے سامنے سباتائی کے اسلام قبول کرنے کا یہ انجام ہوا کہ دونمہ تہ خانوں میں عبادت کدے بنا کر وہاں تو اپنی مخصوص عبادت کرتے ہیں۔ مگر بظاہر مسلمان بنے رہتے ہیں۔ مساجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے سے نام رکھتے ہیں اور انہی کا سا لباس اور وضع وہیت اختیار کر رکھی ہے۔ عورتوں کی وضع بھی مسلم خواتین کی سی ہے۔ ان کے چہروں پر بھی مسلمات کی طرح نقاب پڑی رہتی ہے۔ غرض ان کے تمدن و معاشرت میں اسلامی رنگ اس قدر نمایاں ہے کہ تمیز کرنا مشکل ہے۔ اہل اسلام کی طرح سباتائی کے پیرو بھی حج کیا ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ یعقوب مذکور اپنے عقیدت مندوں کی ایک جماعت کے ساتھ حج کے لئے مکہ معظمہ آیا اور واپس جاتے ہوئے راستہ میں طعمۂ اجل ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا برشجا مقتدائے امت قرار پایا۔ سباتائیوں نے اسے بھی مظہر شان خداوندی تسلیم کیا۔ سلونیکا میں دونمہ کے قریباً ایک ہزار خاندان موجود ہیں۔ جن کی کل تعداد قریباً دس ہزار نفوس کی ہے۔ یہ لوگ جس طرح اپنے کنیسوں میں عبادت کو جاتے ہیں۔ ویسے ہی مسجدوں میں بھی جا کر نماز پڑھتے اور شریک جماعت ہوتے ہیں۔ سباتائی لوگ روزے بھی رکھتے ہیں۔ ان کے بعض روزے یہودی شریعت کے مطابق ہیں اور بعض اسلامی احکام کے موافق۔ ان کی دوشیزہ لڑکیاں عموماً مسلمان ہمسایوں سے شادی کرنا پسند کرتی تھیں۔ خصوصاً ترکوں کے ساتھ جن کے ہاتھ میں ۱۹۱۲ء کی جنگ بلقان سے پیشتر سلونیکا کی حکومت تھی۔ لیکن انجام کار جب سباتائیوں کو شدت سے یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کچھ زمانہ میں ان کی جماعت مسلمانوں میں مدغم ہو کر بالکل معدوم ہو جائے گی۔ تو انہوں نے نہایت سختی سے اس کی روک تھام کرنی چاہی۔ چنانچہ ساری قوم اس کوشش میں منہمک ہوئی کہ ان کی لڑکیاں دوسری قوموں میں شادی بیاہ نہ کرنے پائیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس بندش کے کچھ عرصہ بعد ایک دونمہ لڑکی کا ایک نوجوان ترک پر بے اختیار دل آ گیا۔ ترک بھی شادی کرنے پر راضی ہو گیا۔ لیکن لڑکی کے اعزا و اقارب اس تعلق کے اس قدر خلاف تھے کہ جب کوئی

تدبیر نہ بنی تو اس ترک کو چار ہزار پونڈ کی گراں رقم بطور نذرانہ دے کر نکاح کے ارادہ سے باز رکھا۔ کہتے ہیں کہ اگر دونمہ لڑکی کسی دوسری قوم والے کے ساتھ نکل جائے تو پہلے اس کے واپس بلانے میں کوئی تدبیر اور کوشش اٹھا نہیں رکھی جاتی اور جب وہ ہاتھ آ جاتی ہے تو ایک مخفی قومی عدالت کے سامنے اس کا مقدمہ پیش ہوتا ہے جس میں وہ ملزم ٹھہرائی جاتی ہے اور ارتکاب جرم کی سزا میں اندر ہی اندر اس کا سفینۂ حیات دریائے عدم میں اتار دیا جاتا ہے۔

دونمہ کے تین گروہ اور ان کے بعض معتقدات

جس طرح ہندوستان کے مرزائی دو جماعتوں میں منقسم ہیں۔ اسی طرح سباتائی، تین متمائز گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ اوّل سمرنی (سمرنا والے) کہلاتے ہیں۔ یہ کرامیہ یعنی معزز وشریف کے لقب سے بھی مشہور ہیں۔ کیونکہ اسپین سے آنے والے اسرائیلیوں میں سے اکثر معزز اور عالی نسب خاندان اسی جماعت میں شامل ہیں۔ ان لوگوں کی شناخت یہ ہے کہ ٹھڈیاں منڈاتے ہیں۔ دوسرے یعقوبی جو یعقوب مذکور کی طرف منسوب ہیں۔ تیسرے قونیو۔ اس گروہ کا بانی ایک دوسرا یعقوب ملقب بہ قونیو تھا اور اسلامی نام عثمان تواب سے شہرت رکھتا تھا۔ ہر چند کہ ان تینوں گروہوں میں بالکل معمولی فروعی اختلافات ہیں۔ تاہم ان میں سے ہر ایک دوسرے فرقہ والوں کو اپنی مخفی عبادت گاہوں میں شریک نہیں ہونے دیتا۔ مندرجہ ذیل اصولی عقائد میں تمام دونمہ متفق ہیں۔

۱...... تمام انبیائے کرام رب العزت کے مظہر تھے اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب محمد رسول اللہ ﷺ تک جتنے نبی گذرے اسی ہستی مطلق کے مظہر تھے۔

۲...... ان کا عقیدہ تھا کہ ساری دنیا پیروان سباتائی کے لئے ہے اور ترک حکمران صرف اس لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ ان کی حفاظت کریں۔ ان کا مقولہ ہے کہ کوئی انڈا چھلکے کے بغیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح پیروان سباتائی اصل انڈا اور ترک اس کا چھلکا ہیں۔

۳...... کہتے ہیں کہ جنت کی بادشاہی کے وارث صرف پیروان سباتائی ہیں۔ دوسرے لوگ جہنم میں جائیں گے اور ابدالآباد رہیں گے۔

۴...... تمام یہود جو اب تک سباتائی پر ایمان لائے اس وقت ایمان لے آئیں گے۔ جب ان پر یہ حقیقت نظر آئے گی کہ موسیٰ (علیہ السلام) اور دوسرے انبیاء سباتائی ہی کی روح کی چنگاریاں تھیں۔

باب ۶۰ ...... محمد بن عبداللہ کرد

۱۰۷۵ھ میں کوہ عمادیہ علاقہ کردستان میں ایک شخص عبداللہ نام ظاہر ہوا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ میں سادات حسینی میں سے ہوں۔ اس نے اپنے ایک دوازدہ سالہ لڑکے کا نام محمد اور لقب مہدی رکھ دیا اور کہا کہ یہی مہدی آخرالزمان ہے۔ بیٹے کو مہدویت کی مسند پر بٹھا کر یہ شخص خود اس کی طرف سے بیعت لینے لگا۔ قبائل کے بے شمار لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ جن ایام میں سباتائی یہودی نے مسیحیت کا دعویٰ کر کے ترکی قلمرو میں اودھم مچا رکھا تھا۔ انہی دنوں میں مہدی کردی بھی ظاہر ہوا تھا۔ اس اجتماع غریب سے عامۃ المسلمین سمجھنے لگے کہ شاید قیامت قریب آ گئی کہ مسیح اور مہدی دونوں ظاہر ہو گئے۔ اس خیال کی بناء یہ تھی کہ قیامت کے علامات کبریٰ میں سے اولین علامت ایک ہی زمانہ میں حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول اور جناب مہدی علیہ السلام کا ظہور ہے۔ جب عبداللہ کی جمعیت زیادہ ہوئی تو اسے استعمار اور ملک گیری کی ہوس ہوئی اور اس نے اچانک ولایت موصل میں چند شہروں اور قصبوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ خبر سن کر والی موصل نے جو سلطان محمد چہارم کی طرف سے اس سرزمین کا حاکم تھا اس پر چڑھائی کی۔ عبداللہ نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور رزم و پیکار میں خون کی ندیاں بہ گئیں۔ انجام کار مہدی اور اس کا باپ منہزم ہو کر گرفتار ہو گئے اور والی موصل نے دونوں کی سباتائی کے اظہار اسلام کے چند ماہ بعد پابجولاں استنبول بھیج دیا۔ جب باپ بیٹا سلطان محمد چہارم کے سامنے پیش کئے گئے تو عبداللہ روبرو جاتے ہی اپنے اور اپنے بیٹے کے مہدی آخرالزمان ہونے کے دعوے سے دست بردار ہو گیا۔ چونکہ اس نے سلطان کے بعض سوالات کے جواب نہایت معقولیت سے دیئے۔ سلطان نے خوش ہو کر اس کی خطا معاف کر دی اور حکم دیا کہ آئندہ دونوں کو ان کے وطن جانے کی جازت نہ دی جائے۔ کیونکہ انہوں نے مہدویت کا جھوٹا دعویٰ کر کے ہزارہا عوام کو گمراہ کیا اور دین مبین میں رخنہ اندازی کی۔ کچھ دنوں کے بعد سلطان المعظم نے عبداللہ کو خزانہ سلطانی کے محافظوں کی جماعت میں منسلک کر دیا۔

باب ۶۱ ...... میر محمد حسین مشہدی

میر محمد حسین رضوی مشہدی معروف بہ نمودو فر بود مدعی وحی و پیگوگیت کو سلطان محی الدین عالمگیر اورنگزیب غازیؒ کے آخری دور حکومت میں اسباب غنا و ثروت کی تحصیل کا شوق ہندوستان کی طرف کھینچ لایا۔ ان ایام میں عمدۃ الملک امیر خان صوبہ دار کابل کی فیض گستری کا ایران بھر میں

شہرہ تھا۔ میر محمد حسین بھی انہی امیدوں کو لئے ہوئے عازم کابل ہوا۔ علوم متداولہ میں کافی دستگاہ رکھتا تھا۔ اہل کابل نے اسے قدردانی اور مردم شناسی کی آنکھوں پر بٹھایا۔ حسن اتفاق سے عمدۃ الملک کے منشی نے اپنا لڑکا تعلیم و تربیت کے لئے اس کے سپرد کر دیا۔ اس ذریعہ سے عمدۃ الملک تک اس کی رسائی ہو گئی۔ رفتہ رفتہ امراء و اعیان کے دل میں اس کے علمی تبحر کی دھاک بیٹھ گئی۔ عمدۃ الملک کی بیوی صاحب جی کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے اس نے ایک سید لڑکی لے کر پال رکھی تھی۔ جو عمدۃ الملک کے پاس نوکر تھا۔ صاحب جی نے عمدۃ الملک سے کہہ رکھا تھا کہ اگر کوئی ذی علم و نیک اطوار سید ملے تو اس کے ساتھ اس کی شادی کر دوں گی۔ عمدۃ الملک نے محمد حسین کو اپنی بیوی کے بیان کردہ اوصاف سے متصف پا کر اس سے محمد حسین کے نسب کی بزرگی اور علمی قابلیت کی تعریف کر دی۔ صاحب جی یہ سن کر بہت خوش ہوئی اور لوازمات شادی مہیا کر کے لڑکی کو میر محمد حسین کے حبالۂ نکاح میں دے دیا۔ اس تقریب سے اسے عمدۃ الملک کے دربار میں بھی زیادہ تقرب حاصل ہو گیا اور اہل دربار کی نظر میں اس کی توقیر بڑھ گئی۔ ان تقریبات کی بدولت عمدۃ الملک کے لڑکوں سے بھی اچھے مراسم ہو گئے۔ خصوصاً ہادی علی خان کو تو اس نے کچھ ایسے شعبدے دکھائے کہ وہ جدھر جاتا اس کی تعریف کے راگ گانے لگتا۔ لیکن بدقسمتی سے کچھ دنوں کے بعد عمدۃ الملک نے دنیا کو الوداع کہہ دیا۔ اب اس نے ارادہ کیا کہ دہلی چل کر قسمت آزمائی کرے۔ اس مقصد کے لئے اس نے یہ تدبیر سوچی کہ کچھ تحائف دربار شاہی میں پیش کرنے کے لئے فراہم کئے جائیں۔ تاکہ سلطان عالمگیر اورنگزیب خوش ہو کر کوئی منصب عطاء کرے۔ چنانچہ ہزار ہا روپے کے نفیس و بیش بہا عطریات کابل اور پشاور سے خرید کر دہلی کو روانہ ہوا۔ لیکن ابھی لاہور ہی میں پہنچ تھا کہ سلطان محی الدین عالمگیرؒ کے رحمت حق میں واصل ہونے کی خبر آ پہنچی۔ جس سے اس کی امیدوں کا چراغ گل ہو گیا اور تمام عطریات و روائح طیبہ جو بادشاہ کے لئے فراہم کئے تھے لاہور میں فروخت کر کے فقیری لباس پہن لیا۔

شاگرد سے نیا مذہب اختراع کرنے کی سازش

محمد حسین کا دماغ نخوت و خود بینی سے بھرا ہوا تھا۔ اس لئے رائج الوقت مذاہب کی پیروی کو باعث عار و ننگ سمجھ کر ایک نیا ڈھونگ رچانے کا قصد کیا۔ چنانچہ اپنے شاگرد رشید لنشی زادہ سے کہا کہ ایک ایسی مشکل آن پڑی ہے کہ جس کی عقدہ کشائی تمہارے ہی ناخن تدبیر سے ممکن ہے۔ اگر تم تائید و نصرت کا وعدہ کرو تو تم پر وہ راز آشکارا کروں۔ غرض قول و قرار لے کر اس

کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ ہم تم ایک نرالا مذہب جدید قواعد اور نئی زبان میں اختراع کر کے نزول وحی کا دعویٰ کریں اور ایک نیا مرتبہ تجویز کریں جو نبوت اور امامت کے درمیان ہوتا کہ انبیاء اور اولیاء دونوں کی شان اپنے اندر پائے جانے کا دعویٰ درست ہو سکے۔ زراندوزی کا یہ ایک ایسا ڈھنگ ہے کہ اس سے بہتر اور آسان نسخہ آسمان تخیل سے زمین عمل پر نہیں آ سکتا۔ دونوں استاد شاگرد ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ شاگرد نے بڑی گرم جوشی سے اس تجویز کو لبیک کہا۔ اب دونوں کی پستی فطرت اور مفسدہ پردازی کے جواہر اچھی طرح چمکنے لگے اور انہوں نے میدان تزویر میں اپنے اپنے مرکب تدبیر کو چھوڑ دیا۔ محمد حسین نے ایک کتاب لکھی جس کو فارسی کے جدید غریب الفاظ سے مزین کیا۔ اس میں متروک و غیر مانوس الفاظ کی خوب بھرمار کی اور بہت سے پرانے فارسی الفاظ عربی طریقہ پر ترخیم کر کے درج کئے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد نزول وحی اور بیگو گیت کا دعویٰ شروع کر دیا اور بیان کیا یہ رتبہ نبوت اور امامت کے مابین ہے اور کہا کہ ہر پیغمبر اولوالعزم کے نو بیگوگ تھے۔ چنانچہ حضرت خاتم الانبیا ﷺ کے بھی نو بیگوگ تھے۔ اوّل بیگوگ امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ دوسرے امام حسنؓ، تیسرے حسینؓ، چوتھے امام زین العابدینؒ، پانچویں امام محمد باقرؒ، چھٹے امام جعفر صادقؒ، ساتویں امام موسیٰ کاظمؒ، آٹھویں امام علی رضاؒ، امام علی رضاؒ تک امامت اور بیگو گیت دونوں جمع رہیں۔ پھر یہ دونوں منصب علیحدہ ہو گئے۔ چنانچہ علی رضا کے بعد درجہ بیگو گیت میری طرف منتقل ہو گیا اور امامت امام محمد تقی کو تفویض ہوئی اور میں خاتم بیگو گیت ہوں اور بیگو گیت کی تعداد اس ترتیب کے ساتھ کہ جس کا اوپر ذکر آیا۔ شیعہ لوگوں کے سامنے بیان کرتا تھا۔ لیکن جب اہل سنت و جماعت سے ملتا تو خلفائے راشدین اور ان کے بعد بنی امیہ اور بنی عباس کے چار پرہیزگار اور نیک کردار خلفاء کے نام لے کر نواں بیگوگ اپنی ذات کو بتاتا اور کہتا کہ مجھے کسی خاص مذہب سے کوئی سروکار نہیں۔ بلکہ میں تو تمام مذاہب کا چراغ روشن کرنے والا ہوں اور یہ بھی کہا کرتا تھا کہ (معاذ اللہ) حضرت زہرا (رضی اللہ عنہا) کا جو حمل ساقط ہوا تھا اور جس کا نام محسن رکھا گیا تھا وہ میں ہی تھا۔

مذہبی اختراعات و محدثات

محمد حسین نے چند قاعدے مقرر کر کے بعض ایام مخصوصہ کو عید ہائے اسلام کی طرح قابل احترام اور جشن مسرت قرار دیا اور اپنے پیروؤں کو جن کا لقب فربودی رکھا تھا۔ یہ ہدایت کی کہ ان ایام معدودات کا احترام کریں اور کہا کرتا تھا کہ مجھ پر دو طرح سے وحی نازل ہوتی ہے۔

ایک تو قرص آفتاب پر جب نظر کرتا ہوں تو اس پر کلمات منقوش نظر آنے لگتے ہیں۔ ان سے اکتساب علم کر لیتا ہوں اور آخر کار اس کا نور اس قدر محیط ہو جاتا ہے کہ تحمل و برداشت مشکل ہو جاتی ہے۔ بلکہ ہوش وحواس ہی بجا نہیں رہتے۔ دوسرے اس طرح کہ ایک آواز سنائی دیتی ہے۔ چنانچہ وہ کلمات جو ارادت مندوں سے بیان کرتا ہوں۔ اسی آواز سے اخذ کرتا ہوں اور جس روز اس کے حسب بیان اس پر پہلی مرتبہ نازل ہوئی تھی۔ اس کا نام روز جشن قرار دیا۔ اس روز نہایت دھوم دھام سے جشن منایا جاتا۔ اس کے پیرو جمع ہو کر خوشیاں مناتے۔ خوشبو اور عبیر ایک دوسرے پر چھڑکتے۔ یہ خود روز جشن کو دو علم ساتھ لے کر تاتاری وضع کی ٹاپی سے کسی قدر اونچی اوڑھتا اور اپنے مریدوں کو ساتھ لئے ہوئے نہایت تزک واحتشام کے ساتھ کوہستان کی جانب جہاں دیول رانی کی عمارات دھوبی بٹھیاری کے نام سے مشہور ہیں۔ جاتا اور عالم مسرت میں جھوم جھوم کر بیان کرتا کہ پہلی مرتبہ مجھ پر خاص اسی جگہ وحی نازل ہوئی تھی اس مقام کو غار حرا سے تشبیہ دیتا اور کہتا کہ یہی تمہارے بیگوگ کا مہبط وحی ہے۔ یہی تمہارے قبلۂ حاجات کے کسب سعادت کا گہوارہ ہے۔ روز جشن سے چھ روز قبل شروع ذوالحجہ سے روزے رکھتا۔ جن میں کسی سے بات تک نہ کرتا۔ تاکہ امم سابقہ کے روزہ صمت سے مشابہت ہو جائے۔ ایسے روزے حضرت زکریا اور مریم علیہما السلام سے بوقت تولد جناب مسیح علیہ السلام بھی مذکور ہیں۔ ساتویں روز جشن کو ختم کر دیتا تھا۔ اس نے اپنے پیرووں پر نماز پنجگانہ کی جگہ ہر روز تین بار دید یعنی اپنی زیارت فرض کی تھی۔ دید کا پہلا وقت طلوع آفتاب کے بعد تھا۔ دوسرا دوپہر کا وقت جب کہ آفتاب نصف النہار ہو، متعین کیا۔ تیسرا غروب آفتاب کا وقت جب کہ کسی قدر شفق آسمان پر باقی ہو مقرر تھا اور دید کا طریقہ یہ تھا کہ وہ خود مع اپنے خلفاء کے درمیان میں کھڑا ہو جاتا تھا۔ مریدوں کو حکم تھا کہ اس کے چاروں طرف مربع صف بستہ کھڑے ہوں اور اس طرح کہ سب کے منہ ایک دوسرے کے مقابل رہیں۔ پھر ہر صف اس کی طرف منہ کر کے چند کلمے جو اس کے اختراعی تھے پڑھتی۔ اس کے بعد یہ لوگ سر جھکا کر داہنی جانب کو گھوم جاتے تھے۔ اس طرح جو صف شمال کی طرف ہوتی تھی مغرب کی جانب اور مغرب رخ کی صف جنوب رویہ ہو جاتی تھی۔ جب چاروں صفوں کے آدمی چاروں سمتوں کا مقابلہ تمام کر چکتے تو زمین کی طرف دیکھنے لگتے۔ پھر آسمان کی طرف نظر اٹھاتے۔ پھر شش جہت کو دیکھتے۔ اس اثناء میں انہی کلمات کا تکرار کرتے رہتے۔ جو ان کے پیرو مرشد نے ان کے لئے تجویز کر رکھے تھے۔ اب زیارت ختم ہو جاتی اور سب منتشر ہو جاتے۔ محمد حسین نے حضرات خلفاء راشدینؓ کی

نقالی کرتے ہوئے اپنے بھی چار خلیفہ مقرر کئے تھے۔ پہلا خلیفہ وہی منشی زادہ جو اس کا شاگرد قدیم اور محرم راز تھا اور اس کا نام اپنی مخترع زبان میں دو جی رکھا تھا۔ میر باقر اس کا نسبتی بھائی دوسرا خلیفہ تھا۔ اسی طرح دو خلیفہ اور تھے اور اپنے نام فربود نمود اللہ اور نمود انمود رکھے تھے۔ اسی طرز پر اپنے اور اپنے پیروؤں کے عجیب وغریب نام تجویز کرتا رہتا تھا۔ جو شخص بھی اس کے حلقہ میں داخل ہوتا اسے اسی طرز کے انوکھے نام سے موسوم کرتا اور اس تسمیہ کو لفظ نشان سے تعبیر کرتا۔ اس کے تین لڑکے تھے۔ اوّل نما نمود، دوم فغار، سوم ویدا اور دو لڑکیاں نمامہ کلاں اور نمامہ خورد کے نام سے موسوم تھیں۔ اقربائے زوجہ کے نام نمایار اور نمودیار اور نمادو غیرہ تجویز کئے تھے اور فغار کے بیٹے کا نام نمود ید رکھا تھا اور اس کے بعض عزیزوں کے نام حق نما، نما فر، نمود فر تھے۔ غرض اسی قسم کے اور بھی بہت سے مضحکہ خیز نام رکھے تھے۔

دہلی میں فربودی تحریک کا نشوونمو

فربودی تحریک کے لئے لاہور کی آب وہوا کچھ زیادہ سازگار نہ ثابت ہوئی تو دہلی جا کر دھونی زمانے کا قصد کیا۔ وہاں پہنچ کر مستقل بودوباش اختیار کر لی۔ ان ایام میں بادشاہ لاہور آیا ہوا تھا۔ دہلی میں بے مزاحمت اپنا رنگ جمایا۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دہلی کی مذہبی فضا پر تغیر وانقلاب کا ایک نیا موسم چھا گیا۔ نمود نے ان ایام میں یہ ڈھنگ اختیار کر رکھا تھا کہ کسی سے کوئی نذر ونیاز قبول نہ کرتا۔ بلکہ اس رقم خطیر کی بدولت جو لاہور میں عطر کی فروخت سے حاصل ہوئی تھی۔ مدت تک خلق سے مستغنی رہا۔ اپنے کو بڑا متوکل ظاہر کرتا تھا۔ قاعدہ کی بات ہے کہ بے طمع فقیر کو بڑی وقعت واہمیت دی جاتی ہے۔ اس کے زہد وتقدس کا اعتقاد دونوں پر اس طرح مسلط ہوا جس طرح ابر فضائے محیط پر چھا جاتا ہے۔ اس اثناء میں بہادر شاہ لاہور میں مر گیا اور اس کے بیٹوں میں سلطنت کے متعلق باہم جھگڑے قضیے پڑ گئے۔ ایسی حالت میں اس کے حال سے تعرض کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اب یہ بے دغدغا اپنے مذہب کی ترقی واشاعت میں مشغول ہوا اور بجائے خاموشی سے کام کرنے کے اپنے دعوؤں کو اظہار واعلان کے ساتھ پیش کرنا شروع کیا۔ بڑے بڑے مستند علماء تو اہل باطل سے الجھنے کے عادی نہیں ہوتے۔ ان علمائے کرام کے عدم توجہ کو دیکھ کر عموماً ضعفائے اسلام ہی میدان مباحثہ میں اترتے ہیں۔ نمود کے مقابلہ میں بھی کم سواد مولوی صاحبان اترتے رہے۔ جنہیں یہ مجادلہ ومکابرہ سے مغلوب کر لیتا۔ اس وجہ سے عوام کا اعتقاد اس کی نسبت اور بھی راسخ ہو گیا۔ علاوہ ازیں امیر خان عمدۃ الملک کا لڑکا ہادی علی خاں جو آج کل دہلی

میں تھا اس کے بڑے ہواخواہوں میں تھا۔ اس کی دیکھا دیکھی اچھے اچھے مدعیان بصیرت بھی اس کے گرویدہ ہو گئے تھے اور قاعدہ کی بات ہے کہ بڑے لوگ جس کام کو کرنے لگتے ہیں۔ وہ عوام کے لئے حجت ودلیل راہ بن جاتا ہے۔ ہر طبقہ کے لوگوں میں اس کے تقدس کا کلمہ پڑھا جانے لگا اور رفتہ رفتہ اس کی جماعت بیس پچیس ہزار تک پہنچ گئی۔ اس کی کجروی اور ضلالت پسندی عاقبت میں جو رنگ لائے گی وہ تو ظاہر ہے۔ لیکن دنیاوی اور مادی نقطۂ نظر سے اس نے مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح تقدس کی تجارت سے بہت کچھ نفع عاجل حاصل کیا اور کوے گمنامی سے نکل کر مشاہیر عہد کی صف میں جلوہ گر ہو گیا۔

فرخ سیر بادشاہ کی خوش اعتقادی

اب تو فرخ سیر بادشاہ بھی لوگوں کے جوش عقیدت کو دیکھ کر اس کا معتقد ہو گیا۔ دہلی کے بزرگان دین اور مقتدایان ارباب یقین نے بہتیری جدوجہد کی۔ لیکن لوگوں کے اعتقاد کی گرمجوشی میں ذرا فرق نہ آیا۔ فرخ سیر بادشاہ نے تخت دہلی پر قدم رکھتے ہی اس کی زیارت کا قصد کیا۔ چنانچہ چند امراء کو ساتھ لے کر اس کے کاشانۂ زہد کی طرف روانہ ہوا۔ جب نمود کو اس کی اطلاع ملی کہ بادشاہ وقت بڑے اعتقاد سے ملاقات کو آ رہے ہیں تو اس کا ساغر دل خوشی سے چھلک گیا اور بادشاہ اور ارکان سلطنت کے دلوں پر اپنے زہد استغناء کا سکہ جمانے کے لئے جھٹ پٹ اپنے گھر کا دروازہ اندر سے مقفل کر دیا۔ جب امراء نے دروازہ کھولنے کی درخواست کی تو جواب دیا کہ جاؤ چلے جاؤ۔ فقراء کو بادشاہوں اور امیروں سے کیا کام؟ تم لوگ کیوں ہمارے مخل اوقات ہوتے ہو؟ جب بادشاہ بہت دیر تک منت سماجت کرتا رہا اور اس کے مریدوں نے بھی بہت کچھ عرض معروض کی تو دروازہ کھول دیا۔ بادشاہ نے بہت جھک کر اس کو سلام کیا اور بمقتضائے ادب دور ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ نمود نے ہرن کی کھال بادشاہ کے بیٹھنے کو دی اور یہ شعر پڑھا۔

پوست تخت گدائی وشاہی
ہمہ داریم آنچہ مے خواہی

فرخ سیر اس کی بے نیازی اور استغناء کو دیکھ کر پھڑک گیا اور ہزار ہا روپیہ اور اشرفیاں جو نذرانہ کے طور پر لایا تھا پیش کر دیں۔ مگر اس گرگ باراں دیدہ نے ان کو قبول نہ کیا اور کہا کہ کیا مسلمانوں کا بادشاہ ایک عزلت نشین فقیر بے نوا کو زخارف دنیا کی طرف ملتفت کرتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتا؟ غرض نذرانہ قبول نہ کیا۔ آخر بادشاہ کے اظہار خلوص و نیازمندی پر اپنے ہاتھ کے

لکھے ہوئے مصحف کے عوض میں ستر روپے لئے جو اس کی مقررہ قیمت تھی۔ فرخ سیر نے اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے مصحف مقدس کو بڑی تعظیم کے ساتھ بوسہ دے کر اپنے سر پر رکھ لیا اور تھوڑی دیر کے بعد رخصت ہو گیا۔ نمود نے بادشاہ کی روانگی کے بعد یہ روپیہ بھی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ بادشاہ کے حسن اعتقاد اور نمود کے طرز عمل نے لوگوں کو اور بھی زیادہ والہ وشیفتہ بنا دیا اور اب اس کے ماننے والوں کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر کے لاکھوں تک پہنچ گئی۔

گرفتاری کا فرمان اور وزیر کا عارضۂ قولنج میں مبتلا ہونا

فرخ سیر کے بعد محمد شاہ دہلی کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ محمد امین خان اس کا وزیر تھا۔ جب وزیر باتدبیر کو نمود کی اغوا کوشیوں کا علم ہوا اور اس نے ایمان اسلام کی تڑپ رکھنے والے ہزاروں لاکھوں دلوں کو خون ہوتے دیکھا تو اس کو اسیر و دستگیر کر کے ارباب ایمان کی جراحت دل پر ہمدردی کا مرہم رکھنا چاہا۔ چنانچہ اس کو گرفتار کرنے کے لئے پیادے بھیج دیئے۔ لیکن تقدیر الٰہی کی نیرنگیاں دیکھو کہ محمد امین خان اس کی گرفتاری کا حکم دیتے ہی مرض قولنج میں مبتلا ہو گیا۔ لوگ اس علالت کو نمود کی کرامت اور اس کی بددعاء کا اثر سمجھے۔ تاہم کوتوال سپاہیوں کی جمعیت کے ساتھ اس کے دروازے پر پہنچا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو فوراً اندر سے پکڑ لاؤ اور اگر چون وچرا کرے تو دست بدست دگرے پا بدست دگرے گھسیٹتے ہوئے باہر لاؤ۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ اس وقت لوگ نمود کے پاس سے چلے جایا کرتے تھے۔ جب سپاہیوں نے اس کی گرفتاری کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ اندر زنان خانہ میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ یہ خبر سنتے ہی دل پر ایک بجلی گری اور ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ لیکن حتی الامکان استقلال کی باگ ہاتھ سے نہ جانے دی۔ کوتوال کو مکان میں بلایا اور کچھ کھانا بڑے لڑکے کے ہاتھ کوتوال اور سپاہیوں کے واسطے زنان خانہ سے بھجوایا اور کہلا بھیجا کہ جب تم لوگ اس فقیر کے غریب کدہ پر آئے ہو تو کچھ ماحضر تناول فرماؤ۔ تاکہ فقیر واغل اجر ہو جائے۔ کوتوال نے جب اس نوجوان رعنا اور صاحب جمال زیبا کو دیکھا تو اس پر رحم آ گیا اور تھوڑی دیر کے لئے اس کے باپ کو مہلت دے دی۔ اس اثناء میں محمد امین خان کا مرض قولنج مشیت الٰہی سے اور زیادہ شدید ہوا۔ اس کی خبر ان سپاہیوں کو جو نمود کے مکان پر اس کی گرفتاری کی غرض سے بیٹھے تھے پہنچ گئی۔ وہ گھبرا کر محمد امین خان کے پاس چلے آئے۔ یہ دیکھ کر فریبودیوں کی جان میں جان آئی۔ محمد امین خان کو بدترین قسم کا قولنج یعنی ایلاوس کا عارضہ تھا۔ اس وقت وہ درد کے مارے لوٹ رہا تھا اور عالم مدہوشی طاری تھی۔ جب ذرا افاقہ ہوا تو کوتوال سے پوچھا کہ نمود کو

پکڑ لائے۔ کوتوال نے کہا کہ ہم حضور کی علالت کی خبر سن کر بدحواس ہو گئے اور واپس چلے آئے۔ محمد امین خاں نے غیر متزلزل خود اعتمادی اور ناقابل فتح قوت ارادی کے ساتھ کہا کہ اب تو بے وقت ہو گیا ہے۔ صبح کو ضرور گرفتار کر لانا۔ رات کو بیماری شدت پکڑ گئی اور صبح تک حالت نے ناامیدی کے آثار دکھائے۔ ادھر ہادی علی خاں جو کابل سے اس کا ہوا خواہ چلا آتا تھا۔ لحظہ بہ لحظہ محمد امین خان کے جاں بلب ہونے کی خبریں نمود کو پہنچا رہا تھا۔ پہلے تو نمود نے دہلی سے جانے کا قصد کر لیا تھا۔ مگر اشتداد مرض کی خبریں سن کر رک گیا۔ محمد امین خان کی حالت ساعت بہ ساعت نازک ہو رہی تھی اور نمود کا پژمردہ دل دمبدم بشاش ہوتا جاتا تھا۔ جب نمود نے اس کے قریب المرگ ہونے کی خبر سنی تو اپنے مکان سے باہر آ کر مسجد میں جو اس کے گھر کے قریب واقع تھی بیٹھ گیا۔ اس کے مرید بھی محمد امین کی بیماری کی خبر سن کے پاس آ جمع ہوئے۔

وزیر زادہ کی عذر خواہی اور نمود کا کبر و غرور

قمر الدین پسر محمد امین خان نے جب اپنے والد کا یہ حال دیکھا تو بہت گھبرایا اور یقین ہو گیا کہ یہ نمود کی ناراضی کا اثر ہے۔ اپنے دیوان کے ہاتھ پانچ ہزار روپیہ اس کی نذر کے لئے بھیجا اور عفو تقصیر کی درخواست کے بعد تعویذ کی التجا کی۔ نمود کو پہلے ہی سے محمد امین کی حالت نزع کا علم ہو چکا تھا۔ بڑے غرور سے کہنے لگا کہ میں نے اس کافر کے جگر پر ایسا تیر مارا ہے کہ کسی طرح جانبر نہ ہو گا اور میں بھی شوق شہادت میں اس مسجد میں آ بیٹھا۔ میرے جد بزرگوار (امیر المؤمنین علیؓ) بھی مسجد ہی میں شہید ہوئے تھے۔ گو میرا شہید ہونا امکان سے باہر ہے۔ کیونکہ ایک دفعہ پہلے ہی شہید ہو چکا ہوں۔ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ (معاذ اللہ) حمل سے ایک بار ساقط ہو چکا ہوں۔ دیوان نے وہ روپیہ نمود کی نذر کر کے قمر الدین کی طرف سے محمد امین خاں کے لئے معافی کی درخواست کی اور تعویذ بھی مانگا۔ نمود نے جواب دیا کہ گوشہ نشین گداؤں کو ستانے کا یہی ثمرہ ہے۔ پانی سر سے گذر گیا اور تیر کمان سے نکل چکا۔ اب اس کا واپس آنا غیر ممکن ہے۔ جب دیوان نے بہت منت سماجت کی تو دوجی کو مخاطب کر کے کہا کہ لکھ "وننزل من القرآن ماھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین ولا یزید الظلمین الا خسارا" جب یہ لکھا جا چکا تو دیوان کو دے کر کہنے لگا کہ اسے لے جا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ جب تک تو وہاں پہنچے گا۔ وہ رخت زندگی باندھ کر ملک عدم کی جانب کوچ کر چکا ہو گا۔ دیوان نے روپیہ لینے کے لئے بہت منت کی مگر قبول نہ کیا اور کہا میں اسے ہرگز نہ لوں گا۔ ہاں اگر فقراء چاہیں تو لے سکتے ہیں۔ مسند نشینوں کے حاشیہ نشین عموماً

حریص ہوتے ہیں۔ کاسہ لیسوں نے اس رقم کو آپس میں بانٹ لیا۔ دیوان چلا گیا تو محمد حسین نمود عقیدت مندوں سے کہنے لگا کہ اس کی نجات کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ خلوص دل سے حلقۂ ارادت منداں میں داخل ہو۔ اگر ایسا کرے تو پھر دیکھنا کہ میری قوت اعجاز کس طرح اس کے قالب بے جان میں از سر نو زندگی کی روح پھونکتی ہے؟ دیوان ابھی راستہ ہی میں تھا کہ اسے محمد امین کے انتقال کی خبر مل گئی۔ اس حادثہ نے فریبودی گم کردگان رہ کے جسموں کو ایک حیات تازہ بخش دی۔ نمود کا کنول دل بھی کھل گیا کہ کشتی عزت و وقار نہ صرف ڈوبنے سے بچی بلکہ اس کی کلاہ عظمت پر مزید چار چاند لگ گئے۔ اس کرامت کا دہلی میں بڑا چرچا ہوا۔ شجر بدعت والحاد نے برگ و بار لایا اور اس کے مذہب کی ترقی ساتویں آسمان تک پہنچنے لگی۔ علمائے امت جو جوش دین سے لبریز تھے لوگوں کو سمجھاتے تھے کہ اس ابلیس آدم رو کی پیروی نہ کرو۔ جس کا نصب العین محض خطام دنیا کا اکتساب ہے اور محمد امین کی میعاد زندگی ختم ہو چکی تھی۔ اس کو نمود کی دعاء سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن عقیدت شعاروں کا پایۂ خوش اعتقادی متزلزل ہونے کے بجائے اور زیادہ مضبوط ہوا۔

خلیفہ کا شاگرد کو حصہ دینے سے انکار اور اس کا انجام

نمود کا کوس انا ولا غیری محمد امین کی رحلت کے بعد دو تین سال تک غلغلہ انداز عالم رہا۔ آخر موت نے اسے یہ پیغام سنا کر فضائے پر شور و شیون میں سکون پیدا کر دیا کہ اب میری حکومت ہے۔ نمود کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا نمانمو مسند نشین ہوا۔ اس نے نذر و نیاز کے ان حصوں میں جو دوجی کے لئے کابل میں باہمی تصفیہ سے مقرر ہوئے تھے اور نمود مرتے دم تک باقاعدہ دیتا رہا تھا۔ از راہ کوتہ اندیشی، دست اندازی کرنی چاہی۔ اس بناء پر دوجی اور نمانمو کی آپس میں بگڑ گئی۔ دوجی نے بہتیری منت خوشامد کی اور لاکھ سمجھایا کہ میرے ساتھ جھگڑا کرنا خوب نہیں۔ مگر نمانمو کے سر پر حرص و طمع کا بھوت سوار تھا۔ کسی بات کو خاطر میں نہ لایا۔ دوجی نے اس نوجوان صاحب سجادہ کو تخلیہ میں یہاں تک سمجھایا کہ اوّل اوّل کابل میں نمود نے کس طرح یہ تجویز پیش کی تھی کہ تقدس کی ایک دکان کھولیں اور ایک نیا مذہب جاری کر کے زراندوزی کا ڈھنگ نکالیں اور بیان کیا کہ گو میں شروع ہی تمہارے باپ کا شریک کار ہو گیا تھا۔ تاہم بہت دن تک کذب و زور کی تائید کرتے ہوئے ہچکچاتا رہا۔ آخر نفسانی خواہش غالب آئی اور ان حصوں کی طمع دل میں آئی جو شروع میں مقرر ہوئے تھے۔ مدت العمر تمہارے باپ کے جھوٹے دعووں کی تائید و تصدیق کرتا رہا اور نمانمو کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ جو رونق و ترقی بھی اس مذہب کو آج تک نصیب ہوئی اس

میں اس خاکسار کی کوششوں کو زیادہ دخل تھا۔ پس ضد چھوڑ کر وہ حصص جو شروع سے میرے لئے چلے آتے ہیں بے تامل ادا کرنے کا عہد کرو تو بہتر ورنہ ابھی بھانڈا پھوڑے دیتا ہوں۔ لیکن نمانمو نے اس کی نصیحت پر کان نہ دھرے۔ جب دوجی نے نخل آرزو کے تمام رگ وریشے نمانمو کے تیشۂ بیداد سے کٹتے دیکھے تو ناچار اجتماع جشن کی تقریب پر جب کہ فربودی بکثرت جمع ہوتے تھے اور دوسرے تماشائیوں کا بھی بڑا ہجوم ہوتا تھا۔ کھڑے ہو کر ایک ہنگامہ خیز تقریر کی جس میں فربودی مذہب کی بنیادیں ہلا دیں۔ نمود کی عیاری اور اپنی شرکت کا سارا ماجرا اوّل سے آخر تک حاضرین کو سنا کر راز سربستہ کے چہرے سے نقاب اٹھا دی اور کہنے لگا۔ دوستو! کیا تم میرا اور نمود کا خط پہچان سکتے ہو؟ بہت سے آدمیوں نے اقرار کیا کہ ہم دونوں کا خط پہچانتے ہیں۔ دوجی نے وہ مسودات جو نمود نے اور دوجی نے باہم صلاح ومشورہ سے مرتب کئے تھے اور دونوں نے اپنے اپنے قلم سے ان میں ترمیم کی تھی نکال کر دکھائے اور کہا یہ مذہب محض میری اور نمود کی عیاری سے عرصۂ وجود میں آیا۔ اگر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں کسی اصلاح وترمیم کی گنجائش نہ ہوتی۔ لوگوں نے ان مسودات کو غور سے دیکھا اور حرف بحرف دوجی کے بیان کی تصدیق کی۔ اسی وقت ہزار ہا آدمی جن کو خدائے واہب نے فطرت سلیمہ عطاء کی تھی اس باطل مذہب سے منحرف ہوگئے۔ لیکن جو شقی ازلی سحر زدگان قادیان کی طرح پتھر کا دل رکھتے تھے۔ اس زریں موقع سے فائدہ اٹھا کر بھی چشمۂ ہدایت سے سیراب نہ ہو سکے۔ اس واقعہ سے گمراہی کی دکان کا موسم بہار خزاں میں تبدیل ہوا۔ نمانمو یہ کساد بازاری دیکھ کر مایوسیوں اور نامرادیوں کے حصار میں گھر گیا اور جب رہائی کی کوئی صورت نہ نکلی تو مجبوراً دوجی سے از سرنو رابطہ الفت ویگانگت قائم کرنا چاہا۔ لیکن یہ کوشش بیکار تھی۔ کیونکہ جو خوش نصیب لوگ بے اعتقاد ہو کر دام گمراہی سے نکل چکے تھے ان سے اس بات کی کبھی امید نہ ہو سکتی تھی کہ وہ دوبارہ آ کر حلقۂ ہائے دام اپنے پاؤں میں ڈال لیں گے۔ فربودیوں کی جمعیت گھٹتے گھٹتے دس پندرہ ہزار تک رہ گئی اور آمدنی کے ذرائع مسدود ہونے لگے۔ ناچار نمانمو اس گاؤں میں جو ہادی علی خاں نے اپنی جاگیر میں دوابہ کے اندر دیا تھا۔ جا رہا۔ کچھ دنوں کے بعد نمانمو تیر قضا کا شکار ہو گیا اور فضار اس کا جانشین مقرر ہوا۔ چونکہ اس مذہب کے تیر اقبال کو گھن لگ چکا تھا۔ فضار کی دکان مشیخت کسی طرح نہ چل سکی۔ اکثر فربودی اس مذہب سے بیزار ہو کر اسلام کے سواد اعظم سے جا ملے۔ آخر نصف صدی سے بھی پہلے یہ مذہب کس مپرسی کی گور میں دفن ہوگیا۔ ''فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمدللہ رب العلمین'' فضار کے بعد نمود

کے چند اقرباء دہلی چھوڑ کر بحالت تباہ بنگالہ پہنچے۔ وہاں نواب میرن بن نواب جعفر علی خاں نے جوان ایام میں وہاں کا ناظم تھا۔ ان مسافران خستہ پا کو آل رسول سمجھ کر اپنے آغوش عاطفت میں جگہ دی اور پانچ روپے روزانہ وظیفہ مقرر کر کے بسر اوقات کی سبیل پیدا کر دی۔

(سیر المتأخرین ص ۱۲)

باب ۶۲ ...... مرزا علی محمد باب شیرازی

اگر چہ باطنیت مرتدانہ آزادیوں کا دروازہ کھول کر خود کتم عدم میں مستور ہو گئی۔ مگر اس کا زہریلا اثر بابیت اور مرزائیت کی شکل میں آج تک باقی ہے۔ بابیت اور مرزائیت باطنی اصول زندقہ کے نہایت آزاد مسلک ہیں۔ خصوصاً بابیت تو بالکل باطنیت ہی کے کھنڈروں پر قائم کی گئی تھی۔ بابیت کا بانی مرزا علی محمد یکم محرم ۱۲۳۵ھ (۲۰ر اکتوبر ۱۸۱۹ء) کو شیراز میں متولد ہوا۔ اس کا باپ مرزا محمد رضا اوائل عمر ہی میں موت کا شکار ہو گیا تھا۔ اس لئے علی محمد اپنے ماموں مرزا علی کے پاس شیراز ہی میں جو بزازی کا کام کرتا تھا چلا آیا۔ حاجی مرزا جانی کاشانی نے جو باب کے ڈیڑھ دو سال بعد ۱۲۶۸ھ میں مقتول ہوا۔ کتاب نقطۃ الکاف میں لکھا کہ انبیاء کرام امی تھے اور باب بھی امی یعنی ناخواندہ تھا۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۰۹، مطبوعہ لندن، دور بہائی ص ۱۸)

لیکن بہائیوں کی کتاب دور بہائی میں لکھا ہے کہ علی محمد باب نے بچپن میں ابتدائی تعلیم شیخ محمد جس کا لقب عابد تھا حاصل کی۔ تحصیل علم کے بعد جب علی محمد کی عمر اٹھارہ سال کی تھی تو بوشہر میں پہلے ماموں کی شراکت میں تیل کا کاروبار شروع کیا۔ لیکن تھوڑے دن کے بعد ماموں سے علیحدگی اختیار کر کے مستقلاً مصروف تجارت رہا۔ اس نے بوشہر ہی میں شادی کی۔ اس بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جو صغر سنی میں مر گیا۔ پانچ سال تک تجارتی مشاغل میں مصروف رہنے کے بعد نجف کا سفر کیا۔ ایک سال وہاں اقامت گزیں رہا۔ نجف سے کربلا جا کر تین مہینے رہا۔ یہاں سے ارض فاء میں وارد ہوا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اس نے بعض محرکات کی بناء پر دعوائے مہدویت کا عزم صمیم کر لیا۔ لیکن یہ سوچ کر کہ ابتداء ہی سے مہدویت کی رٹ لگائی تو شاید لوگ اس کے سننے کے لئے تیار نہ ہوں۔ نہایت ہوشیاری سے ارادہ کیا کہ پہلے صاحب الزمان مہدی علیہ السلام کا واسطہ اور ذریعہ ہوں اور جس وقت اہل ایران اس دعویٰ سے مانوس ہو جائیں تو پھر مہدی موعود ہونے کا اعلان کر دوں۔ مرزا غلام احمد قادیانی بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ جب وہ دیکھ لیتے تھے کہ ان کے بندگان مسحور پہلے دعویٰ کے متحمل ہو گئے تو ایک قدم اور بڑھا کر ان کے گلے میں ایک

اور دعویٰ کا طوق ڈال دیتے تھے۔ غرض اس قرارداد کے بعد مرزا علی محمد ۱۲۶۰ھ میں جب کہ اس کی عمر پچیس سال کی تھی شیراز آیا اور اپنے تئیں باب (دروازہ) کے لقب سے متعارف کرانا شروع کیا۔ بابیت سے اس کی یہ مراد تھی کہ وہ ایک بزرگوار ہستی (مہدی علیہ السلام) کے فیوض کا واسطہ ہے جو ہنوز پردۂ غیب میں مستور ہے۔ چنانچہ ایک جگہ اسی مستور ہستی کو خطاب کرتے ہوئے لکھا کہ اے خدائے عزوجل کے مظہر! میں تجھ پر فدا، تو مجھے اپنے محبت کا غلام اپنی الفت کا بندہ بنالے اور مجھے یہ قوت فہم اور ادراک دے کہ میں خدائے بزرگ و برتر کو اپنی نجات ابدی کا حاکم و متولی سمجھوں کہ تو میرے لئے کافی ذریعۂ سفارش ہے اور تیری غلامی میرے لئے باعث فخر اور موجب فوز وفلاح ہے۔

دعویٰ مہدویت

چند روز کے بعد علی محمد نے مہدویت کا دعویٰ کر دیا۔ جب اس کے دعویٰ کو شہرت ہوئی تو عقیدت شعار لوگ اس کے حلقۂ مریدین میں داخل ہونے لگے۔ لیکن جمہور نے اس سے شدید انکار کیا۔ البتہ شیخیہ فرقہ کے شیعوں نے جو حضرت مہدی علیہ السلام کی جستجو میں ہمیشہ سرگردان رہتے تھے۔ ان کو مہدی موعود یقین کیا۔ منجملہ ان لوگوں کے جنہوں نے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کا فخر اولیت حاصل کیا قابل ذکر یہ لوگ تھے۔ ملا حسین بشرویہ، مرزا احمد ازغندی، ملا صادق مقدس، شیخ ابوتراب اشتہاردی، ملا یوسف اردبیلی، ملا جلیل اور روی ملا مہدی، کندی، مؤمن ہندی جو اندھا تھا اور علی بسطامی، باب نے ان لوگوں کو اپنے نشریہ کے لئے اکناف ایران میں پھیلا دیا اور خاص خاص قاصدوں کو سلاطین عالم کے پاس بغرض دعوت روانہ کیا۔ اس کے بعد مکہ معظمہ کا قصد کیا۔ مراجعت حرم کے بعد جب اس کے ورود ابوشہر کی خبر شیراز پہنچی تو یہاں اس کے خلاف بڑا جوش پھیلا۔ شیعہ مذہب کے علماء نے اس کی تکفیر کی اور قتل وتدمیر کا فتویٰ دیا۔ عامۃ الناس اور طبقہ علماء میں جو برہمی پھیل رہی تھی اسے حسین خان آجودان حاکم فارس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ باب کے سرگرم داعی ملا صادق مقدس کو تازیانہ کی سزا دے۔ اس کے علاوہ ملا صادق مرزا محمد علی بارفروشی اور ملا علی اکبر اردستانی تینوں کی ڈاڑھیاں منڈوا کر انہیں کوچہ وبازار میں تشہیر کیا گیا۔ اس کے بعد حاکم فارس نے علماء کی صوابدید پر باب کو طلب کیا اور علماء وفضلاء کی موجودگی میں بڑی سرزنش کی۔ اس کے جواب میں باب نے بھی سخت کلامی کی۔ حاکم نے پیادوں کو اشارہ کر دیا۔ وہ لاتوں اور گھونسوں سے

باب کی تواضع کرنے لگے اور اہانت وتحقیر کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ زدوکوب کا اثر باب کے چہرے پر بھی نمایاں ہوا۔ آخر باب کے ماموں علی بزاز کی ضمانت وکفالت پر اس کو گھر بھیج کر خویش وبیگانہ کی ملاقات سے روک دیا گیا۔ ایک دن شیراز کے قاضی نے اس کو جامع مسجد میں پا کر اس کو مسجد سے باہر ہو جانے کو کہا۔ مگر باہر نکلنے کے بجائے وہ فوراً منبر پر چڑھ گیا اور ایک تقریر کر کے لوگوں کو اپنی مہدویت کی دعوت دینے لگا۔ بہت سے سامعین وحاضرین نے اس کے ہاتھ پر اسی وقت بیعت کر لی۔

شاہ کا باب کے پاس ایک مجتہد بھیجنا

جب محمد شاہ تاجدار ایران کو باب کے دعویٰ مہدویت اور اس کی روز افزوں جمعیت کا علم ہوا تو اس نے ایک شیعہ مولوی سید یحییٰ دارابی کو اس بات پر متعین کیا کہ شیراز جا کر باب سے ملاقات کرے اور اس کے دعووں کی حقیقت معلوم کر کے اطلاع دے۔ یحییٰ دارابی نے باب سے تین ملاقاتیں کیں۔ تیسری صحبت میں اس سے خواہش کی کہ سورۂ کوثر کی تفسیر کرے۔ باب نے اسی مجلس میں سورۂ کوثر کی تفسیر لکھ دی۔ یہ دیکھ کر دارابی اس کا گرویدہ ہو گیا اور مرزا لطف علی پیش خدمت کو تمام واقعات بیان کرنے کے لئے شاہ کے پاس بھیج کر خود ایران کی سیاحت شروع کر دی اور تمام شہروں اور قصبوں میں پھر کر اس طمطراق سے بابی مذہب کا نشر یہ کیا کہ شیعی علماء نے اس کے جنون اور خلل دماغ کا حکم لگایا۔ ان ایام میں زنجان میں ملا محمد علی نام ایک شیعی مجتہد کا طوطی بول رہا تھا۔ ملا محمد علی نے اپنے ایک معتمد کو تفحص حالات کے لئے شیراز روانہ کیا۔ اس نے باب کی بعض تالیفات لے کر مراجعت کی۔ جب ملا مذکور نے باب کی تحریریں پڑھیں تو اس کا والہ وشیدا ہو گیا اور کتابوں کو طاق میں جمع کر کے کہنے لگا: "طلب العلم بعد الوصول الی المعلوم مذموم" (حصول مقصد کے بعد تحصیل علم مذموم ہے) اس کے بعد اپنے تمام مریدوں اور شاگردوں کو جمع کر کے منبر پر چڑھا اور لوگوں کو بابی مذہب کی دعوت دینے لگا اور باب کے نام ایک مکتوب بھیج کر اس کے دعاوی کی تصدیق کی۔ ملا محمد علی کی دعوت وتبلیغ نے اکثر اہل زنجان کو بابیت کا پیرو بنا دیا۔ زنجان کے شیعی علماء لوگوں کو وعظ ونصیحت کی تمریدیں پلاتے تھے۔ مگر اہل زنجان پر ملا محمد علی کا جادو چل چکا تھا۔ ان کی حرارت اعتقاد میں کچھ فرق نہ آیا۔ آخر مجبور ہو کر شاہ سے اس کی شکایت کی۔ شاہ نے ملا محمد علی کو طہران طلب کر کے علماء کی مجلس میں حاضر کیا۔ ملا محمد علی نے آج کل کے مرزائیوں کی طرح خوب کج بحثی کی۔ علماء نے جبہ جبری کوششیں کیں۔ مگر اس کو مغلوب اور

لاجواب نہ کر سکے۔ یہ حالت دیکھ کر شاہ نے ایک عصا اور پچاس تومان زر نقد دے کر اسے مراجعت کی اجازت دی۔ (بابیوں کی کتاب مقالۂ سیاح مطبوعہ یونیورسٹی پریس کیمرج ص ۷، ۱۵)

علماء نے حسین خاں حاکم فارس سے کہا کہ تعذیب و تفضیح کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا گیا۔ پھر بھی یہ فتنہ کسی طرح دبتا نظر نہیں آتا۔ اب انطفائے فتنہ کی یہی ایک صورت ہے کہ باب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور یہ اقدام بدیں وجہ اور بھی ضروری ہے کہ باب کی جمعیت بہت بڑھ گئی ہے اور وہ خروج و بغی کا حوصلہ رکھتا ہے۔ حاکم فارس نے عبدالحمید خاں کوتوال کو حکم دیا کہ نصف شب کے وقت باب کے ماموں کے گھر پر ہجوم کر کے باب اور اس کے تمام پیرووں کو گرفتار کر لے۔ کوتوال نے پولیس کی جمعیت کے ساتھ چھاپہ مارا۔ وہاں باب اس کے ماموں اور سید کاظم زنجانی نام ایک بابی کے سوا کوئی نہ ملا۔ یہ تینوں دست بستہ حاضر کئے گئے۔ حسین خاں نے باب کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ شہر سے چلا جائے۔ باب نے شیراز کو الوداع کہہ کر اصفہان کا قصد کیا۔ یہ تو کتاب مقالۂ سیاح میں مذکور ہے۔ لیکن باب کے مرید خاص حاجی مرزا جانی کاشانی نے کتاب نقطۃ الکاف میں لکھا ہے کہ حاکم شیراز نے حکم دے رکھا تھا کہ باب کسی شخص سے ملاقات نہ کرے۔ حمام کے سوا کہیں باہر نہ جائے۔ نہ کسی کا کوئی نوشتہ وصول کرے اور نہ کسی تحریر کا جواب دے۔ ان امتناعی احکام کے باوجود باب لوگوں سے مخفی ملاقاتیں کرتا اور ہر وقت اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہا تھا۔ جب مخالفوں کو اس کا علم ہوا تو وہ ۲۱ر رمضان کی شب کو اس کے مکان میں گھس پڑے اور دشنام دہی کے بعد باب کو بہت کچھ مارا پیٹا۔ اس کے بعد اس کے پیرووں کو بھی زدوکوب کیا۔ اس لئے باب نے شیراز کو الوداع کہنے کے قصد سے اپنے ایک مرید آقا محمد حسین اردستانی کو پچاس تومان (قریباً ہزار روپیہ) دے کر تین گھوڑے خریدنے کو کہا۔ اس نے گھوڑے خریدے اور باب نے اپنے دو فدائیوں کے ساتھ شیراز سے اصفہان کا راستہ لیا۔ حاجی مرزا جانی مؤلف نقطۃ الکاف آقا محمد حسین اردستانی کے اخلاص کے متعلق لکھتا ہے کہ تیراسی کے پاس تھے۔ شاہی لشکر نے محمد حسین کو گرفتار کر لیا اور اسے تیروں سمیت اپنے فوجی سردار کے پاس لے گئے۔ بابیوں نے اس وقت ایک قلعہ پر قبضہ کر رکھا تھا۔ سردار نے اس سے قلعہ اور قلعہ گیر بابیوں کے حالات دریافت کئے۔ لیکن اس نے کچھ نہ بتایا۔ فوج کے افسروں نے بہتیرا سر مارا لیکن اس نے مہر سکوت نہ توڑی۔ اس سے کہا گیا کہ اگر تو نہیں بتاتا تو ہم ابھی تیری گردن مارے دیتے ہیں۔ کہنے لگا کہ اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہوگی کہ حضرت قائم علیہ السلام (باب) کی راہ میں مارا جاؤں۔ سردار پوچھنے

لگا اچھا بتاؤ تمہیں کس طرح ہلاک کیا جائے؟ کہنے لگا وہ طریقہ اختیار کرو جو میرے حق میں سب سے زیادہ تکلیف دہ ہو۔ بندوق اس کی داہنی آنکھ کے ساتھ ملا کر چلادی گئی اور اس نے آناً فاناً تقضا کا جام پی لیا۔ (نقطۃ الکاف مطبوعہ لندن ص ۱۱۵)

حاکم اصفہان کی گرویدگی بابیت

جب باب اصفہان پہنچا تو معتمد الدولہ منوچہر خاں حاکم اصفہان اس کا معتقد ہو گیا اور در پردہ اس کا مذہب قبول کر لیا۔ باب اہل اصفہان کو کھلے بندوں اپنی مہدویت کی دعوت دینے لگا۔ علماء اور تمام حامیان مذہب نے مخالفت کی اور اصفہان میں بڑی شورش برپا ہوئی۔ آخر بعض آدمیوں نے اس کی سرکوبی کا قصد کیا۔ باب کو معلوم ہوا تو وہ ایک سرائے میں چھپ گیا۔ لوگوں نے اس پر قابو پانے کی کوشش کی۔ لیکن معتمد الدولہ نے اس کی ہر طرح سے حفاظت کی۔ چند روز کے بعد معتمد الدولہ نے شیعی علماء کو مغلوب ولاجواب کرانے کے خیال سے ایک مجلس مناظرہ قائم کی۔ شیعوں کی طرف سے مرزا سید محمد آغا محمد مہدی اور مرزا محمد حسن مباحثہ کے لئے منتخب ہوئے۔ آغا مہدی نے باب سے سوال کیا کہ مجتہد لوگ خود ہی قرآن وحدیث سے مسائل استنباط کرتے ہیں۔ لیکن جنہیں اتنی قابلیت نہیں ہوتی وہ کسی مجتہد کی تقلید کرتے ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے کس گروہ میں شامل ہیں؟ باب میں کسی کی تقلید نہیں کرتا اور نہ مجتہدین کی طرح قیاس سے کام لیتا ہوں۔ بلکہ میرے نزدیک قیاس فقہی حرام وناجائز ہے۔ آغا مہدی آپ کسی کی تقلید نہیں کرتے جس سے ثابت ہوا کہ آپ مجتہد ہیں۔ لیکن آپ مجتہد بھی نہیں بنتے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ جن مسائل پر آپ کا عمل ہے اور جن کا آپ حکم دیتے ہیں وہ قیاسی نہیں یقینی ہیں۔ لیکن چونکہ خدا کی حجت (مہدی علیہ السلام) غائب ہے۔ لہٰذا جب تک امام آخر الزمان کا ظہور نہ ہو لے اور کوئی شخص خود ان کی زبان مبارک سے مسائل فقہ کو نہ سن لے وہ اس امر کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے مسائل متخرجہ یقینی ہیں۔ پس آپ پر اپنے مسائل کے یقینی ہونے کا ثبوت لازم ہے۔ باب تیری کیا حقیقت ہے کہ مجھ جیسے شخص سے جس کا مقام قلبی ہے۔ مباحثہ کر سکے۔ یہ باتیں تیری عقل کی رسائی سے دور ہیں۔ پس بجائے اس کے کہ فضول بکواس کرے اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا رہ۔ مرزا محمد حسن شاید آپ کو بھی اس امر سے انکار نہ ہوگا کہ جو شخص مقام قلب پر پہنچ جاتا ہے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ جب آپ بھی اس مقام پر پہنچے ہیں تو ضرور ہے کہ جو بات آپ سے پوچھی جائے آپ اس کا جواب دیں۔ باب بیشک تمہارا خیال درست ہے۔ جو پوچھنا چاہو جواب دوں گا۔ محمد

حسین حدیث میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام ایک ہی رات میں بیک وقت چالیس آدمیوں کے مہمان ہوئے تھے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس کو عقلی دلائل سے ثابت کیجئے۔ اسی طرح چند اور امور کی نسبت جو عقلاً محال ہیں سوال کیا۔ باب یہ باتیں نہایت دقیق ہیں۔ اگر چاہو تو اس کو نہایت تفصیل سے لکھ دیتا ہوں۔ محمد حسن اچھا لکھ دیجئے۔ باب نے لکھنا شروع کیا۔ اتنے میں کھانا آ گیا اور سب لوگ کھانا کھانے لگے۔ جس وقت لوگ فارغ ہو کر جانے لگے تو اس وقت باب نے اپنی تحریر ان کے حوالے کی۔ مرزا محمد حسن نے اس کا مطالعہ کر کے کہا کہ یہ تو ایک خطبہ ہے جس میں کسی قدر حمد اور نعت اور باقی مناجات ہے۔ لیکن جن امور کی نسبت سوال کیا گیا تھا ان میں سے کسی کا جواب نہیں۔ بہت سے لوگ تو پہلے جا چکے تھے اور جو رہ گئے تھے وہ بھی چلتے پھرتے نظر آئے اور مباحثہ یوں ہی ناتمام رہ گیا۔ لیکن باوجودیکہ اس مباحثہ میں باب کو نیچا دیکھنا پڑا اور وہ ذلت سے ہمکنار ہوا۔ لیکن معتمد الدولہ کے پائے اعتقاد میں کچھ بھی تزلزل رونما نہ ہوا۔ چونکہ وہ علانیہ باب کی تائید نہیں کر سکتا تھا اور عوام کا جوش دمبدم ترقی کر رہا تھا۔ اس نے غضب آلود عوام کی تسکین کے لئے بظاہر تو یہ حکم دیا کہ باب کو طہران پہنچایا جائے۔ لیکن در پردہ اپنے چند خاص سواروں کے ساتھ اصفہان سے باہر بھیج دیا۔ جب باب موضع مورچہ خوار میں پہنچا تو مخفی طور پر پھر اصفہان آ جانے کا حکم دیا اور اپنی خلوت خاص میں اس کی جگہ دی۔ باب کے چند پیروؤں اور معتمد الدولہ کے بعض خاص معتمد لوگوں کے سوا کوئی شخص اس راز سے آگاہ نہ تھا۔ باب معتمد الدولہ کے پاس نہایت عیش و راحت کے دن کاٹنے لگا۔ معتمد الدولہ نے باب سے کہہ دیا تھا کہ آپ کو میرے مال و اسباب میں ہر طرح سے تصرف کرنے کا حق ہے۔ چار ماہ کی مدت اسی طرح گذر گئی۔ اتنے میں معتمد الدولہ نے ملک عدم کو نقل مکان کیا اور مرنے سے پہلے اپنی ساری جائیداد باب کے نام ہبہ کر گیا۔ جب معتمد الدولہ کے بھتیجے مرزا گرگین خان نائب الحکومت کو جو معتمد الدولہ کے بعد اصفہان کا حاکم مقرر ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ باب خلوت میں موجود ہے تو باب کی موجودگی باب کے نام معتمد الدولہ کے جائیداد ہبہ کر جانے کی کیفیت حاجی مرزا آقاسی وزیر اعظم کو طہران لکھ بھیجی۔ وزیر اعظم نے حکم دیا کہ باب کو بہ تبدیل وضع دہیئت بھیجا جائے اور معتمد الدولہ کی جائیداد کا اس کو ایک حبہ بھی نہ دیں۔

قلعہ ما کو میں نظر بندی

مرزا گرگین خان نے باب کو بلا بھیجا اور کہا کہ یہاں کے لوگ آپ کے دشمن ہو گئے

ہیں۔ خصوصاً طبقۂ علماء آپ کے قیام اصفہان کے خلاف ہے۔ اس لئے قرین مصلحت یہ ہے کہ آپ طہران تشریف لے جائیں۔ باب نے کہا اچھا ہم چلے جائیں گے۔ حاکم نے کہا بہتر ہے کہ آج ہی رات تشریف لے جایئے۔ باب نے کہا کہ اس وقت آدمی موجود نہیں ہیں اور سفر کا تدارک بھی مہیا نہیں ہے۔ حاکم نے کہا میں آدمی آپ کے ساتھ کر دیتا ہوں۔ وہ آپ کو تیاری سفر میں مدد دیں گے۔ غرض حاکم نے بارہ سوار متعین کر کے حکم دیا کہ وہ باب کو جلد اصفہان سے لے جائیں۔ چنانچہ بڑی عجلت کے ساتھ اسباب سفر درست کر کے باب کو رخصت کر دیا گیا۔ باب نے اصفہان میں بھی شادی کر لی تھی۔ اس کو بیوی سے ملنے کی بھی اجازت نہ دی گئی۔ یہ ایسی قہر آمیز اور اندوہناک حالت تھی کہ باب عالم رنج و اضطراب میں متقاضۂ جوئی پر آمادہ ہوا اور کاشان تک کچھ نہ کھایا۔ باب کے چند پیرو جو رفقائے سفر تھے اپنے مقتداء کی فاقہ کشی پر سخت مضطرب ہوئے اور انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں گرسنگی سے ہلاک نہ ہو جائے۔ بڑی منتیں کیں۔ لیکن باب نے کھانا تناول نہ کیا۔ آخر کاشان پہنچ کر شیخ علی خراسانی کی استدعا پر دو دن کے بعد کھانا کھا لیا۔ جب باب اصفہان سے چلا آیا تو راستہ میں وزیر اعظم کی طرف سے باب کو تبریز اور ماکو لے جانے کا دوسرا حکم آ پہنچا۔ باب کو کاشان سے موضع خانق اور وہاں سے تبریز پہنچایا گیا۔ یہاں آ کر باب کو معلوم ہوا کہ ہماری منزل مقصود تبریز نہیں بلکہ ماکو ہے۔ باب نے اپنا ایک قاصد شہزادہ بہمن مرزا حاکم تبریز کے پاس بھیج کر اس سے درخواست کی کہ وہ تبریز ہی میں قیام کی اجازت دے۔ کیونکہ ہمیں ماکو کا سفر ناگوار ہے اور ساتھ ہی یہ بھی دھمکی دی کہ اگر تم انکار کرو گے تو خدا تم سے اس کا انتقام لے گا۔ حاکم تبریز نے جواب دیا کہ اس میں میری مرضی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ طہران سے جو حکم آتا ہے اس کی تعمیل کی جاتی ہے۔ جب قاصد نے واپس آ کر باب کو حاکم کا یہ جواب سنایا تو آتو بھر کر کہنے لگا میں قضائے الٰہی پر راضی ہوں۔ یہ لوگ چند روز تک تبریز سے باہر ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد سواروں نے آ کر کہا کہ اٹھیے روانہ ہو جیے۔ باب نے چلنے سے پہلے اپنے قاصد سے کہا کہ ایک دفعہ شہزادہ بہمن مرزا کے پاس دوبارہ جا کر اتمام حجت کر دو اور اس سے کہہ دو کہ میں تبریز سے حرکت نہیں کروں گا۔ بجز اس صورت کے کہ مجھے قتل کر کے لے جائیں۔ قاصد نے باب کا پیغام پہنچایا۔ شہزادہ اصلاً خاطر میں نہ لایا اور قاصد افسردہ دل واپس آیا۔ سواروں نے روانگی کے لئے کہا۔ لیکن باب نے چلنے سے انکار کر دیا۔ یہ دیکھ کر ایک سوار اس غرض سے آگے بڑھا کہ باب کو پکڑ کر اٹھائے اور گھوڑے پر لادے۔ یہ رنگ دیکھ کر باب چلنے پر آمادہ ہو گیا۔ آخر ماکو پہنچے اور

اسے پہاڑ کے اوپر ایک قلعہ میں رکھا گیا۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۲۲، ۱۳۰)

مہدی موعود کے اخلاق عالیہ کا نمونہ

بعض احباب مرزا غلام احمد قادیانی کے مغلظات پڑھ کر یہ رائے قائم کیا کرتے ہیں کہ قادیان کے مسیح موعود صاحب فن دشنام گوئی میں لکھنؤ کی بھٹیارنوں سے بھی گوئے سبقت لے گئے تھے۔ لیکن میں ان حضرات کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس قسم کی دشنام دہی کچھ قادیانی مسیح موعود پر موقوف نہیں تھی۔ بلکہ قریب قریب سارے جھوٹے مدعی گالیوں کے ناقابل مدافعت اسلحہ سے مسلح رہے ہیں۔ حاجی مرزا جانی کاشانی نے جو باب کے ممتاز ترین مریدوں میں تھا۔ کتاب نقطۃ الکاف میں اپنے مہدی موعود کے اخلاق عالیہ کے چند نمونے درج کئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن ماکو کا ایک بہت بڑا عالم باب کے پاس آیا اور اس سے چند باتیں دریافت کیں۔ سوالات کے سلسلہ میں اس کے منہ سے کوئی ایسا لفظ نکل گیا جسے باب نے سوء ادب محمول کیا۔ باب نے آپے سے باہر ہو کر عصا اٹھایا اور اس کو بے تحاشا پیٹنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ عصاء اس کے جسم پر ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد آقا سید حسین عزیز کو جو ہر وقت حضور میں حاضر رہتا تھا۔ فرمایا کہ اس کتے کو مجلس سے نکال دو۔ وہ عالم مجلس سے نکال دیا گیا۔ حالانکہ وہ بہت بڑا بارسوخ مجتہد تھا اور شہر ماکو میں جو قریباً تین ہزار خوانین تھے وہ سب اس کا احترام کرتے تھے۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۳۱، ۱۳۲)

حاجی مرزا جانی کاشانی نے ایک اور واقعہ لکھ کر بھی اپنے مہدی موعود کے اخلاق پر روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ علی خاں حاکم ماکو نے باب کو لوگوں سے ملنے اور خط وکتابت کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ لیکن اس کے باوجود باب کے پاس عقیدت شعاروں کی آمدورفت شروع ہوگئی اور باب اپنے مذہب کی دعوت وتبلیغ میں مصروف رہا۔ یہ دیکھ کر حاکم نے حکام بالا کو لکھ بھیجا کہ یہاں باب لوگوں سے کھلم کھلا ملتا ہے اور اس جگہ اس کی حفاظت کے سامان بھی ناکافی ہیں۔ اس لئے اسے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ باب کو سہ سالہ قیام کے بعد قلعۂ چہریق کو بھیج دیا گیا۔ جب باب ماکو سے روانہ ہوتے وقت سوار ہوا تو علی خاں حاکم ماکو معذرت کرنے لگا کہ میری حقیقی خوشی اس میں تھی کہ آپ یہیں رہتے۔ لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے آپ کو یہاں سے منتقل ہونا پڑا۔ باب نے جواب دیا۔ اے ملعون! کیوں جھوٹ بکتا ہے؟ خود ہی لکھ بھیجتا ہے اور خود ہی عذر کرتا ہے۔ غرض چہریق کا راستہ لیا۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۳۳)

قلعۂ چہریق شہر ارومیہ کے پاس ہے۔ ارومیہ کے حاکم کا نام یحییٰ خان تھا۔ باب چہریق

لاکر یحییٰ خان کے سپرد کیا گیا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ مجتہدین کے فتوؤں اور انواع و اقسام کی ضرب اور نفی و حبس کے باوجود بابی فرقہ روز بروز ترقی کر رہا تھا۔ کیونکہ حق کی طرح شجرۂ باطل بھی برابر نشو و نما پاتا اور برگ و بار لاتا ہے۔ اس وقت ایران میں ہر طرف بحث و جدال کا بازار گرم تھا اور ملک کے طول و عرض میں کوئی مجلس ایسی نہ ہوگی جس میں بابی تحریک کے سوا کوئی اور گفتگو ہوتی ہو۔ اس اثناء میں باب کے پیرووں نے ملک کے مختلف حصوں میں فساد برپا کر کے بعض مقامات پر مسلسل کامیابیاں حاصل کر لی تھیں۔ قلعۂ چہریق کی سہ ماہہ اقامت کے بعد تبریز کے اجلۂ علماء اور فضلائے آذربائیجان نے شاہ اور دوسرے حکام طہران کو باب اور بابیوں پر غیر معمولی تشدد کرنے کے لئے لکھا۔ لیکن انہوں نے مناسب خیال کیا کہ باب کو علماء کے مقابلہ میں لاجواب کیا جائے۔ چنانچہ ۱۲۶۳ھ میں یعنی باب کے ادعائے مہدویت کے تین سال بعد محمد شاہ والی ایران نے اپنے ولی عہد ناصر الدین شاہ کو جو اس وقت آذربائیجان کا گورنر تھا۔ لکھ بھیجا کہ باب کو قلعۂ چہریق سے بلوا کر علماء سے اس کا مناظرہ کراؤ۔ اسی مضمون کا ایک خط حاجی مرزا آقاسی وزیر اعظم نے بھی ولی عہد کو لکھا۔ جس میں شاہ کے حکم کی تعمیل پر بڑا زور دیا تھا۔ ولی عہد نے حکم دیا کہ باب کو تبریز میں حاضر کریں۔ جب باب تبریز آیا تو اس سے اتنی رعایت کی گئی کہ قید خانہ میں رکھنے کے بجائے کاظم خان داروغۂ فرش کے مکان میں اتارا گیا۔

مناظرۂ تبریز

دوسرے دن تبریز کا مجتہد اعظم ملا محمود جس کا خطاب نظام العلماء تھا۔ ملا محمد ماماقانی، مرزا احمد امام جمعۂ مرزا علی اصغر شیخ الاسلام اور دوسرے شیعی مجتہدین بھی جمع ہوئے۔ باب بھی بلایا گیا اور مباحثہ شروع ہوا۔ نظام العلماء آپ کس منصب کے مدعی ہیں؟ باب میں وہی ہوں جس کا ہزار سال سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ نظام العلماء آہا! آپ صاحب الامر (مہدی علیہ السلام) ہیں؟ باب بیشک، نظام العلماء آپ کے مہدی موعود ہونے کی کیا دلیل ہے؟ باب نے اپنی مہدویت کے ثبوت میں قرآن کی بہت سی آیتیں اور بعض دوسری عبارتیں پڑھ دیں اور کہنے لگا کہ صرف یہی نہیں بلکہ قرآن کی ہر آیۃ میرے دعویٰ کی تصدیق کرتی ہے۔ نظام العلماء آپ کا کیا نام ہے۔ باپ کا کیا نام تھا؟ ولادت کہاں ہوئی؟ عمر کتنی ہے؟ باب میرا نام علی محمد ہے۔ والد کا نام مرزا رضا ہے۔ ولادت شیراز میں ہوئی اور عمر ۳۵ سال کی ہے۔ نظام العلماء صاحب الامر کا نام محمد ان کے والد کا نام حسن۔ ان کی جائے ظہور سر من رائے اور ان کی عمر ہزار سال ہے۔ اس لئے آپ کسی

طرح صاحب الامر نہیں ہو سکتے۔ معلوم ہو کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ شیعوں کا ہے۔ اہل سنت و جماعت کے نزدیک حضرت مہدی علیہ السلام کا نام نامی محمد والد کا نام عبداللہ ہوگا اور مکہ معظمہ میں ظاہر ہوں گے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ مہدی موعود حضرت حسن عسکری کے فرزند محمد ہیں۔ جو بچپن میں لوگوں کی نظروں سے مخفی ہو گئے تھے۔ وہی وقت معہود پر ظاہر ہوں گے۔ لیکن اہل سنت و جماعت کے نزدیک مہدی علیہ السلام ہنوز پیدا نہیں ہوئے بلکہ اپنے وقت پر پیدا ہوں گے۔ لیکن یاد رہے کہ شیعوں نے جو محمد بن حسن عسکری کو مہدی موعود سمجھ لیا تو یہ ان کی من گھڑت تجویز ہے۔ یہ لوگ کسی صحیح روایت سے اس دعویٰ کو ثابت نہیں کر سکتے۔ باب اپنی ذات میں حضرت مہدی علیہ السلام کی کوئی علامت اور خصوصیت ثابت نہ کر سکا۔ ناچار کرامت کی ڈینگیں مارنے لگا اور کہا میں اپنی ایک کرامت تم سے بیان کرتا ہوں۔ کیا تم میری بات کا یقین کرو گے؟ حاضرین ہاں، کہئے۔ باب میری کرامت یہ ہے کہ میں ایک ہی دن میں ایک ہزار بیت لکھتا ہوں۔ حاضرین! اگر یہ بات صحیح بھی ہو تو اس سے صرف اتنا ثابت ہوگا کہ تم ایک زود نویس کاتب ہو۔ ناصر الدین شاہ! اگر تم کرامت دکھا سکتے ہو تو نظام العلماء کا بڑھاپا زائل کر کے ان کو جوان کر دو۔ باب سے اس کا بھی کچھ جواب نہ بن پڑا۔ نظام العلماء! صحیفہ سجادیہ کے نام سے جو کتابیں لکھی ہیں کیا وہ فی الواقع تمہاری تصنیف ہیں؟ باب! یہ سب خدا کی پاک وحی ہے جو مجھ پر نازل ہوئی۔ نظام العلماء! جب تم صاحب وحی ہو تو اس آیۃ کی تفسیر کر دو۔ "**ھو الذی یریکم البرق خوفاً وطمعاً وینشی السحاب الثقال**" (وہی خدائے برتر (بارش کے وقت) تم کو بجلی دکھاتا ہے جس (کے گرنے) کا ڈر بھی ہوتا ہے اور (بارش کی) امید بھی ہوتی ہے اور گراں بار بادلوں کو بلند کرتا ہے اور رعد (کا مؤکل فرشتہ) اس کو حمد و ستائش کے ساتھ یاد کرتا ہے اور دوسرے ملائکہ بھی رب جلیل کے خوف سے حمد و ثناء میں مستغرق ہیں اور وہ (بادل سے نکلنے والی ناری) بجلیاں بھی مسلط کرتا ہے۔ پھر جس کسی پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے۔ لیکن (با ایں ہمہ قدرت) منکر لوگ (پیغمبر خدا ﷺ سے) خدائے واحد کے متعلق مخاصمت کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ نہایت قوی اور شدید البطش ہے۔)

اور ساتھ ہی اس کی نحوی ترکیب بھی بتاؤ۔ باب سوچنے لگا اور کچھ جواب نہ دیا۔ نظام العلماء! اچھا سورہ کوثر کی شان نزول بیان کرو اور بتاؤ کہ اس سورۂ سے پیغمبر علیہ السلام کی کیا تسلی ہوئی جس کا سورہ میں ذکر ہے؟ باب سے اس کا بھی کچھ جواب نہ بن پڑا۔ نظام العلماء! علامہ حلی

کے اس قول کا کیا مطلب ہے۔ "اذا دخل الرجل علی الخنثیٰ والخنثیٰ علی الانثیٰ وجب الغسل علی الخنثیٰ دون الذکر والانثیٰ" باب نے اس کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔ نظام العلماء! اچھا بتاؤ کہ فصاحت و بلاغت کی کیا کیا تعریف ہے؟ اور ان میں نسب اربعہ میں سے باہم کیا نسبت ہے؟ باب نے کچھ جواب نہ دیا۔ نظام العلماء! اچھا بتاؤ منطق کی شکل اوّل کیوں بدیہی الانتاج ہے۔ باب اس کا بھی جواب نہ دے سکا۔ نظام العلماء! ناصرالدین شاہ سے خطاب کر کے۔ جناب یہ شخص جملہ عادل سے عاری ہے۔ کسی علم سے اس کو مس نہیں۔ ایک مجتہد، باب کو خطاب کر کے کیوں صاحب! خدا نے تو کلام الٰہی میں "فان لله خمسه" (اللہ کے لئے خمس ہے) فرمایا ہے اور تم نے اپنے کلام وحی میں خمس (پانچواں حصہ) کی جگہ ثلث (تیسرا حصہ) لکھا ہے۔ کیا قرآن کی آیت منسوخ ہو چکی ہے؟ باب ثلث اس وجہ سے کہ وہ خمس کا نصف ہے۔ یہ سن کر تمام حاضرین کھل کھلا کر ہنسے۔ ملا محمد ماما قانی۔ فرض کیا کہ ثلث خمس کا نصف ہے۔ لیکن اس سے سوال کا جواب نہیں نکلتا۔ آپ وجہ بتایئے کہ جب خدائے قدوس نے قرآن میں خمس فرمایا تو پھر ثلث کیوں دینا چاہئے؟ باب میری ایک کرامت یہ ہے کہ میں فی البدایہ خطبہ پڑھتا ہوں۔ یہ کہہ کر پڑھنے لگا۔ "الحمد لله الذی رفع السمٰوٰت والارض" (باب نے ت کو مفتوح اور ض کو مجرور پڑھا۔ حالانکہ صحیح اس کے بالعکس ہے) یہ سن کر حاضرین ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔

ناصرالدین شاہ نے کہا اس جہالت و کوری کے باوجود تم صاحب الامر بنے پھرتے ہو؟ تم ایک مخبوط الحواس آدمی معلوم ہوتے ہو۔ لہٰذا میں تمہارے قتل کا حکم نہیں دیتا۔ البتہ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ تم صاحب الامر ہونے کے دعویٰ میں جھوٹے ہو۔ تنبیہ و تادیب لابد ہے۔ یہ کہہ کر پیادوں کو اشارہ کیا۔ حکم کی دیر تھی کہ مار پڑنے لگی۔ باب جان بچانے کے لئے پکارنے لگا توبہ کردم۔ توبہ کردم۔ جب اچھی طرح پٹ چکا تو اس کو دوبارہ قلعہ چہریق میں بھیج دیا گیا۔

۲...... بابیوں کی مسلح بغاوتیں اور حربی سرگرمیاں
ایک قلعہ کی تعمیر اور دیہات میں غارتگری

جس زمانہ میں علی محمد باب ماکو اور چہریق میں نظر بند تھا۔ ان ایام میں اس کے پیروؤں نے خوب ہاتھ پاؤں نکالے اور جان بکف ہو کر مسلح بغاوتیں شروع کر دیں۔ باب نے ملا حسین بشرویہ کو ماکو سے بغرض تبلیغ خراسان بھیجا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ محمد شاہ والی ایران ملک بقاء کو انتقال کر گیا تھا اور ناصرالدین شاہ نیا نیا اورنگ نشین سلطنت ہوا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد ملا حسین

بشرویہ خراسان سے مازندران کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت دوسو تیس بابی اس کے ہمراہ رکاب تھے۔ راستہ میں فیروز کوہ کے مقام پر فریضۂ نماز ادا کرکے سبزہ پر چڑھا اور دنیائے دوں کی مذمت کرکے کہنے لگا۔ صاحبو! ہمارا واقعہ حضرت ابوعبداللہ (امام حسینؓ) کے ماجریٰ سے مشابہت رکھتا ہے۔ شہادت فی سبیل اللہ کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں۔ جس کسی نے طمع دنیوی کے لئے ہماری رفاقت اختیار کی ہو وہ وطن مالوف کو لوٹ جائے۔ تمام لوگ یقین رکھیں کہ جونہی ہم مازندران پہنچیں گے۔ تیغ جفا کا لقمہ بن جائیں گے۔ جو شخص جانا چاہے وہ ابھی جاسکتا ہے۔ لیکن جو کوئی شہادت کا آب حیات پینا چاہے وہ ہمارا ساتھ دے۔ (مذاہب اسلام ص ۴۴۷، ۴۵۱)

یہ سن کر تیس آدمی تو ترک رفاقت کرکے چلے گئے۔ دوسرے لوگوں نے ملا حسین کو یقین دلایا کہ شہادت اور جاں نثاری کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں۔ ملا حسین اس جمعیت کو ساتھ لے کر بارفروش پہنچا۔ سعید العلماء نے جو حاکم شہر تھا اتنے مسلح بابیوں کو شہر میں داخل ہونے کی ممانعت کردی۔ انہوں نے جبراً شہر میں داخل ہونا چاہا۔ اہل شہر مزاحم ہوئے۔ آخر جھگڑا شروع ہوا اور بڑھتے بڑھتے کشت وخون تک نوبت پہنچی۔ اس ہنگامہ میں تین بابی اور سات شہری کام آئے۔ اس کے بعد ایک اور جھڑپ ہوئی جس میں چند بابی مارے گئے۔ بابی یہاں سے چل کر قلعہ طبریہ کے مقام پر پہنچے۔ اس اثناء میں ملا محمد علی بارفروشی بھی جو بابیوں میں ایک ممتاز شخصیت رکھتا تھا آکران سے ملحق ہوگیا۔ محمد علی نے ملا حسین کو مشورہ دیا کہ اپنے اردگرد ایک قلعہ بنالو۔ چنانچہ اس کے حدود بھی متعین کر دیئے۔ بابیوں نے قلعہ طبریہ کے قریب رات دن کی محنت ومشقت برداشت کرکے چند ہی روز میں ایک مختصر سا قلعہ تعمیر کرلیا۔ اس کے بعد بابیوں نے اردگرد کے دیہات کی بے گناہ رعایا کو لوٹ لوٹ کر دو سال کا آذوقہ قلعہ میں جمع کرلیا۔ ایک قلعہ ہاتھ میں آجانے کے بعد ان کی جرأت یہاں تک بڑھی کہ ایک رات ایک گاؤں پر اچانک یورش کرکے وہاں کے ایک سوتیس جرم نا آشنا باشندوں کو تیغ جفا کی نذر کردیا۔ اس گاؤں کے باشندوں میں سے صرف وہ لوگ بچ سکے جو قتل عام کے وقت گاؤں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ بابیوں کو اناج اور مال واسباب جو کچھ مل سکا اسے قلعہ میں لے آئے۔ اب قلعہ گیر بابیوں کی جمعیت بڑھنے لگی اور سیکڑوں سے ترقی کرکے ہزاروں تک پہنچ گئے۔ جب ان حالات کی اطلاع طہران پہنچی تو شہزادہ مہدی قلی خاں حاکم مازندران کے نام حکم پہنچا کہ وہ بابیوں پر دھاوا کرے۔ شاہ نے عباس قلی خاں لارجانی کو بھی شہزادہ کی عون ونصرت پر مامور

کیا۔ شہزادہ نے مازندران سے کوچ کیا اور بابی قلعہ سے قریباً دو فرسنگ کے فاصلہ پر موضع واز گرد میں قیام کیا۔ اس کے ساتھ دو ہزار سے زیادہ کی جمعیت نہ تھی۔ اس لئے گاؤں کے پاس ٹھہر کر عباس قلی خاں کی کمک کا انتظار کرنے لگا۔ اس اثناء میں شہزادہ نے بابیوں کے نام ایک چٹھی لکھی جس میں نصیحت کی تھی کہ شوریدہ سری سے باز آؤ۔ اس کے جواب میں ملا حسین اور حاجی محمد علی بارفروشی نے لکھا کہ ہمیں دنیا اور اس کے خطوط فانیہ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ہمارا مقصد محض دینی ہے۔ ہماری جماعت بڑے بڑے علماء، مساوات، حجاج، متقین، نیک کردار اور دوسرے منتخب روزگار حضرات پر مشتمل ہے۔ یہ عاشقان حق راہ محبوب میں دنیا کے تمام مالوفات سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ اگر یہ نفوس قدسیہ بھی برسر حق نہیں ہیں تو پھر کون لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جن کو خدائے تعالیٰ راہ ہدایت دکھائے گا؟ بہتر ہے کہ ہماری تعذیب وتدمیر سے باز آؤ۔ ورنہ جب تک جسم میں آخری قطرۂ خون موجزن ہے ہم برابر مقابلہ کرتے رہیں گے اور ہمیں یقین ہے کہ اگر ہم مارے گئے تو شہادت کی موت مریں گے اور ہمارے دشمن سیدھے جہنم میں جائیں گے۔ ناصر الدین شاہ کی بادشاہت باطل ہے۔ اس کے اعوان وانصار جہنم کا ایندھن ہیں۔ یہ سب ابدالآباد آتش الٰہی میں معذب رہیں گے۔ بہتر ہے کہ دنیائے دنی کی طرف سے آنکھیں بند کر کے ہمارے پاس چلے آؤ اور حضرت قائم علیہ السلام (باب) پر ایمان لے آؤ۔ ظالم سے مظلوم بننا بہت اچھا ہے۔

مہدی قلی خاں کے لشکر پر بابیوں کا شب خون

دوسرے دن بابی لوگ تین ہزار کی جمعیت سے مہدی قلی خاں کے لشکر گاہ پر شب خون مارنے کے قصد سے روانہ ہوئے۔ شاہی فوج نے ان کو آتے دیکھ کر گمان کیا کہ عباس قلی خان کمک لے کر آیا ہے۔ بابیوں نے سب سے پہلے اسلحہ خانہ کا رخ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد نہایت چابک دستی کے ساتھ سرکاری بارود خانہ کو نذر آتش کر دیا۔ یہ دیکھ کر شاہی فوج بدحواس ہو گئی۔ بابی باز کی طرح ان پر چھپٹے اور قتل عام شروع کر دیا۔ اس واقعہ کو مؤلف نقطۃ الکاف ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ ”صدائے ہائے وہوئے وفریاد الحذر الحذر۔ کفار بگوش افلاک رسید۔ اہل حق شمشیر آن قوم ضلالت گزاردہ تارد پدوجودنا مسعود ایشاں را از ہم دریدند ولشکریان روئے بہزیمیت گذاردہ پس اصحاب محبوبہائے خود را از قید کفار خلاص نمودہ۔“ اس کے بعد بابیوں نے اس مکان کا محاصرہ کر لیا۔ جس مین ذہادہ مہدی قلی خاں قیام پذیر تھا اور اس پر تیر اندازی شروع کر

دی۔ سوٗ اتفاق سے اس مکان میں دو اور شہزادے سلطان حسین مرزا ولد فتح علی شاہ اور داؤد مرزا ابن ظل السلطان بھی موجود تھے۔ شہزادہ مہدی قلی تو مکان پر سے کود کر جنگل کی طرف بھاگ گیا اور دوسرے دونوں شہزادے عالم سراسیمگی میں بالا خانہ میں جا چھپے۔ بابیوں کی شقاوت قلبی دیکھو کہ انہوں نے مکان کو آگ لگا کر نہایت بے رحمی سے ان دونوں کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ اب بابیوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ اس اثناء میں ہزیمت خوردہ شاہی فوج پلٹ پڑی۔ مگر صفیں مرتب کرنے کا موقع نہ ملا اور بابیوں نے پھر مار مار کر ان کو بھاگنے پر مجبور کیا۔ لیکن اس چھڑپ میں ایک تیر بابیوں کے سردار ملا محمد علی بار فروشی کے منہ پر آ لگا۔ منہ کے دانت دانہ ہائے انار کی طرح الگ الگ ہو کر گر پڑے اور بار فروشی کا نصف چہرہ مجروح ہو گیا۔ مؤلف نقطۃ الکاف نے شاہی فوج کے نقصانات تین ہزار بتائے ہیں۔ چنانچہ لکھتا ہے۔ ''داراں کارزار قریب بسے الف نفراز ملاعین را بجہنم فرستادہ بودند'' (نقطۃ الکاف ص ۱۶۷، ۱۶۸)

مگر یہ بیان سخت مبالغہ آمیز ہے۔ کیونکہ اس وقت شاہی فوج کی کل تعداد ہی دو ہزار سے کسی طرح متجاوز نہ تھی۔

قشون دولت کا اجتماع اور بابی قلعہ کا محاصرہ

بابی غنیمت سے مالا مال ہو کر فتح و فیروز مندی کے نقارے بجاتے ہوئے اپنے قلعہ میں واپس آئے۔ چند روز میں شہزادہ عباس قلی خاں سات ہزار فوج لے کر آ پہنچا اور بابی قلعہ کے سامنے مورچے اور خندقیں بنانے میں مصروف ہوا۔ اس اثناء میں بابیوں سے سرکاری فوج کی متعدد جھڑپیں ہوئیں۔ ایک رات ملا حسین بشرویہ ملا محمد علی بار فروشی سے کہنے لگا کہ جب آپ کے مجروح چہرے پر نظر پڑتی ہے تو دل دو نیم ہو جاتا ہے۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ جا کر اس کا انتقام لوں۔ ملا محمد علی ملقب بہ قدوس نے اس کو رزم خوردہ ہونے کی اجازت دی۔ ملا حسین اپنی ساری جمیعت لے کر قلعہ سے برآمد ہوا اور آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ بابیوں کی عادت تھی کہ لڑائی کے وقت خدائے کردگار عز اسمہ کی جگہ یا صاحب الزمان اور یا قدوس کہہ کر علی محمد باب اور ملا محمد علی بار فروشی سے مخفی استعانت کیا کرتے تھے۔ ملا حسین بشرویہ آغاز معرکہ ہی میں سینے میں ایک جان ستان تیر کھا کر بری طرح مجروح ہو گیا۔ ملا حسین گھوڑے سے گرا ہی چاہتا تھا کہ جھٹ ایک بابی عقب میں سوار ہو کر اسے میدان جنگ سے نکال لے گیا۔ لیکن جونہی صحن قلعہ میں پہنچا۔ ملا حسین موت کا شکار ہو گیا۔ بابی بھی مرزائیوں کی طرح مبالغہ اور غلط بیانی کے بڑے بہادر ہیں۔

مؤلف نقطۃ الکاف کا بیان ہے کہ پندرہ بابی سواروں نے دشمن کی سات ہزار فوج کو بھگا دیا۔ چنانچہ لکھتا ہے۔ "دریں ہنگام پانزدہ سوار از قلعہ برآمدہ وہمچوں اژدہا دہن کشودہ خور ابقلب آں سپاہ دل سیاہ زدہ سی صدتن از ایشاں را بجہنم فرستادہ وتتمہ ہمچوں روباہ فرار برقرار اختیار نمودہ۔" مؤلف نقطۃ الکاف لکھتا ہے کہ اس کے بعد بڑھی۔ روزمرہ دشمن کے لشکر میں آ کر برج کے لئے چہار چوبہ تیار کرتے اور رات کے وقت قلعہ کے پاس لا کر اس کو نصب کرتے تھے۔ اس اثناء میں شاہی فوج کے پاس طہران سے توپ خانہ بھی آ گیا۔ چنانچہ توپیں بھی قلعہ کے اردگرد نصب کی جانے لگیں۔ لیکن کسی بابی کو قلعہ میں سے نکلنے کی جرأت نہیں تھی۔ جب تیاریاں مکمل ہو چکیں تو شاہی لشکر نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت قلعہ میں بابیوں کے پاس دو سو سے زیادہ گھوڑے، چالیس پچاس گائیں اور تین چار سو بھیڑیں تھیں۔ کچھ مدت کے بعد بابیوں کی رسد ختم ہو گئی اور باہر نکل کر سامان خوراک مہیا کرنے کی بھی کوئی صورت نہ رہی۔ جب گائیں اور بھیڑیں کھا چکے تو مجبوراً گھوڑوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ وہ بھی ختم ہو گئے۔ آخر چارپاؤں کی طرح گھاس کھانی شروع کر دی۔ مرزا محمد حسین قمی اور بعض دوسرے بابیوں نے عالم اضطراب میں ملا محمد علی بارفروشی سے کہا کہ ہمارے آقا و مولیٰ دعاء فرمایئے کہ رب شدید العقاب کفار بدنہاد (شاہی لشکر) پر عذاب نازل کرے اور ان بلاکشوں کو ان مصائب سے نجات بخشے۔ بارفروشی نے کہا کہ جب حضرت محبوب چاہتا ہے اپنے محبوبوں کے ساتھ شوخی کرتا ہے۔ اس لئے دوستوں کو چاہئے کہ اس کی مشیت پر راضی رہیں۔ مرزا محمد حسین قمی جسے شروع میں یہ امیدیں دلائی گئی تھیں کہ بابی ظاہری سلطنت پر فائز ہوں گے۔ اس جواب پر مطمئن نہ ہوا اور جب بارفروشی نے کہا کہ سلطنت سے باطنی سلطنت مراد تھی تو محمد حسین پر بابیت کی قلعی کھل گئی اور بارفروشی سے کہنے لگا کہ اگر اجازت ہو تو میں یہاں سے چلا جاؤں۔ یہ کہہ کر محمد حسین چند آدمیوں کو ساتھ لے کر قلعہ سے برآمد ہوا اور لشکر شاہی کے قریب پہنچ کر کہنے لگا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ مجھے شہزادہ کے پاس لے چلو۔ چونکہ یہ شخص صاحب علم وفضل، عالی خاندان اور حاجی سید اسماعیل قمی کا داماد تھا۔ شہزادہ نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ جب اس سے بابیوں کے حالات دریافت کئے گئے تو کہنے لگا کہ بابی لوگ دعویٰ تو بڑے بڑے کرتے ہیں۔ لیکن عمل کسی پر نہیں۔ ان کے عقائد بھی تاویل و باطن کے عقائد ہیں۔ چونکہ مجھے ان کی سچائی اور حقیقت کی طرف سے اطمینان نہ ہوا۔ میں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔

محصورین کی بدحالی قلعہ پر شاہی فوج کا قبضہ

اب بابیوں کے قویٰ سخت مضمحل ہونے لگے اور طاقت جسمانی دمبدم جواب دینے لگی۔ شہزادہ نے قلعہ کی چاروں طرف چار برج تیار کرا کر ان پر توپیں چڑھا لی تھیں۔ یہ برج اتنے بلند تھے کہ توپ کا گولہ آسانی سے قلعہ میں گر کر پھٹتا اور سخت نقصان پہنچاتا تھا۔ شہزادہ نے قلعہ پر گولہ باری شروع کی تو بابیوں نے زمین کھودنی شروع کر دی اور زیر زمین خندقوں میں چھپنے لگے۔ بدقسمتی سے مازندران کی سرزمین ایسی مرطوب ہے کہ تھوڑی سی زمین کھودنے سے پانی نکل آتا ہے۔ اس لئے بلاکش محصورین کو پانی اور کیچڑ میں بسیرا لینا پڑا۔ گھوڑے اور ان کی گھاس چٹ کرنے کے بعد بابیوں نے درختوں کے پتے کھانے شروع کر دیئے۔ جب وہ بھی ختم ہو لئے تو گھوڑوں کی چرمیں زمینیں چبانی شروع کیں۔ جب یہ بھی نہ رہیں تو گرسنگی سے بیتاب ہو کر قلعہ سے باہر نکلنا چاہتے۔ لیکن جب توپوں کی آتش باری اور تیروں کی بارش ان کے استقبال کے لئے آموجود ہوتی تو مجبوراً قلعہ میں لوٹ جاتے۔ انجام کار محصورین نے انیس دن اس مصیبت سے کاٹے کہ آٹھ پہر میں ہر بابی کو چائے کی جگہ گرم پانی کا ایک ایک پیالہ ملتا تھا۔ انجام کار ان کے شکم پیٹھ سے جا ملے۔ ہر وقت پانی اور کیچڑ میں رہنے کی وجہ سے ان کے کپڑے بھی گل گئے تھے۔ اس لئے ستر پوشی بھی مشکل ہو گئی۔ اب شاہی فوج نے یہ کام کیا کہ سرنگ لگا کر برج قلعہ کے نیچے کی زمین کھود ڈالی اور اس میں بارود بھر کر آگ دکھا دی۔ برج قلعہ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ گیا۔ اسی طرح دیوار قلعہ کے نیچے بھی سرنگ لگا کر اور بارود بھر کر اس کو بھی اڑا دیا اور دیوار منہدم ہو گئی۔ ایک بابی آقا رسول بھمیزی شدت گرسنگی کی تاب نہ لا کر اپنے تیس ساتھیوں کے ساتھ قلعہ سے چلا گیا۔ شہزادہ نے سب کو قید کر لیا۔ اب بابیوں کے سردار ملا محمد علی بارفروشی نے شہزادہ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر ہمیں نکلنے کا راستہ دو تو ہم قلعہ خالی کر کے چلے جائیں۔ شہزادہ نے اجازت دی۔ ملا محمد علی دو سو تیس بابیوں کے ساتھ جو ہنوز زندہ تھے قلعہ سے برآمد ہوا۔ شاہی فوج نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ شہزادہ تمام بابیوں کو طوق و سلاسل میں جکڑ کر بارفروش لے گیا۔ وہاں منادی کی گئی کہ ملا محمد علی بارفروشی باہر میدان میں ہلاک کیا جائے گا۔ تماشائی ہر طرف سے آمڈ آئے۔ غضب ناک شہریوں میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا اس نے محمد علی کو دو ایک طمانچے یا گھونسے رسید نہ کئے ہوں۔ لوگوں نے اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ مدرسوں کے طلباء آ آ کر اس کے منہ پر تھوکتے اور گالیاں دیتے تھے۔ آخر ہزار ذلت و رسوائی کے بعد اس کا سر تن سے جدا کیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے بابی بھی

عنقریب اجل کے حوالے کر دیئے گئے۔ جب باب کو محمد علی بارفروشی کے مارے جانے کی خبر ملی تو انیس شبانہ روز روتا رہا۔ اس مدت میں اس نے غذا بہت ہی کم کھائی۔ (نقطۃ الکاف ص۱۸۶، ۲۰۸)

ہنگامہ تبریز

علی محمد باب نے سید یحییٰ کو بابیت کی تبلیغ کے لئے یزد بھیجا تھا۔ یہ شخص وہاں پہنچ کر بہت دن تک بابیت کی صداقت اور دوسرے ادیان وملل کی بطالت پر تقریریں کرتا رہا۔ جب لوگ شیعہ مذہب چھوڑ چھوڑ کر باب کے حلقۂ مذہب میں داخل ہونے لگے اور فتنۂ عظیم برپا ہوتا نظر آیا تو حاکم یزد نے یحییٰ کو بلا بھیجا۔ اس نے آنے سے انکار کیا۔ پولیس گرفتاری پر متعین ہوئی۔ اس نے جا کر اس کو زیر حراست کرنا چاہا۔ بابیوں نے پولیس پر حملہ کر دیا۔ جانبین سے متعدد آدمی مقتول ومجروح ہوئے۔ آخر یحییٰ یزد سے شیراز بھاگ گیا اور وہاں پہنچ کر لوگوں کو اپنے مذہب کی دعوت دینے لگا۔ آخر حاکم شیراز نے گرفتاری کا حکم دیا۔ اس نے یہاں سے بھی راہ فرار اختیار کی۔ اب اس نے تبریز جا کر بابیت کی ڈفلی بجانی شروع کی۔ جب تبریز کی فضا مکدر نظر آئی تو حاکم نے یحییٰ کو حکم دیا کہ وہ تبریز سے چلا جائے۔ اس نے پہلے جانے سے انکار کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ اپنی قلیل جمعیت سے حاکم کا مقابلہ نہ کر سکے گا تو مسجد میں چلا گیا اور منبر پر چڑھ کر ایک نہایت فصیح وبلیغ خطبہ دیا۔ جس میں کہا اے لوگو! میں رسول خدا (ﷺ) کا فرزند ہوں۔ آج تمہارے درمیان مظلوم اور ظالموں کے چنگل میں گرفتار ہوں۔ اس لئے تم سے عون ونصرت کا طالب ہوں۔ میرا اس کے سوا کوئی قصور نہیں کہ میں نے اپنی زندگی اعلاء کلمہ حق کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ میں لوگوں کو صحیح معنی میں اسلام وایمان کی طرف بلاتا ہوں۔ آج میری حالت وہی ہے جو جد بزرگوار کی شفاعت سے بہرہ مند ہوگا۔ یحییٰ نے ایسے رقت آمیز کلمات سے اپنا درددل بیان کیا کہ حاضرین آبدیدہ ہوگئے۔ بعض نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے کہا۔ اے ابن رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ کی جان اطہر کے قربان ہوں۔ ہم مال، عیال اور جان سے حاضر ہیں۔ اس نواح میں ایک مخروب قلعہ تھا۔ یحییٰ اپنے پیرووں کو ساتھ لے کر اس قلعہ میں جا ٹھہرا۔ حاکم تبریز کو خبر لگی تو اس نے ایک چھوٹی سے جمعیت کو ان کی گرفتاری پر مامور کیا۔ یحییٰ نے اپنے پیرووں کو حکم دیا کہ مدافعہ کرو۔ یہ سن کر ہر بابی اس بات کی آواز کرنے لگا کہ وہ راہ محبت کا سب سے پہلا شہید بنے۔ جانبین کے آدمی مقتول ومجروح ہوئے۔ آخر بابیوں نے اعداء کو بھگا کر فتح وفیروزی کے ساتھ قلعہ میں مراجعت کی جب یہ خبر شیراز پہنچی تو

شہزادہ فرہاد مرزا نے فوج لے کر قلعہ کا رخ کیا۔ لیکن تخت سے پہلے یحییٰ کو بلا بھیجا کہ بہتر ہے کہ تم رزم و پیکار سے دست بردار ہو کر قلعہ سے باہر چلے آؤ۔ یحییٰ اپنے پیروؤں کو ساتھ لے کر قلعہ سے برآمد ہوا اور شہزادہ سے آملا وہ دن تو عافیت سے گذر گیا۔ لیکن دوسرے دن بابیوں کو خورشید فتنہ افق بلا سے طلوع ہوتا نظر آیا۔ تمام بابی گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتارے گئے اور ان کے سر عبرت روزگار بننے کے لئے شیراز بھیج دیئے گئے۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۲۳، ۲۲۹)

باب کے مشہور عقیدت مند حاجی مرزا جانی کاشانی مؤلف نقطۃ الکاف کا بیان ہے کہ جب سید یحییٰ جسے علی محمد باب نے اپنے مذہب کا نشر یہ کرنے کے لئے یزد اور تبریز بھی رکھا تھا۔ گرفتار ہوا تو حسن یزدی نام ایک اور بابی بھی سید یحییٰ کے ساتھ قید تھا۔ یہ دونوں تبریز کے قلعہ میں محبوس تھے۔ جب یحییٰ نے فرار کا ارادہ کیا تو حسن سے کہنے لگا کاش! کوئی ایسا شخص ملتا جو میرا گھوڑا قلعہ سے باہر پہنچا دیتا۔ حسن کہنے لگا جب حکم ہو میں اس خدمت کو انجام دوں گا۔ یحییٰ نے کہا مگر مشکل یہ ہے کہ اس جرم کی پاداش میں تمہاری گردن ماردی جائے گی۔ حسن کہنے لگا کہ میرے لئے حضرت باب اور آپ کی راہ میں جان دینا نہایت آسان ہے۔ بلکہ اس کے سوا تو میری زندگی کا مقصد ہی کچھ نہیں۔ جب حسن نے پہرہ داروں کو غافل پایا تو گھوڑا باہر لے گیا۔ لیکن معاً گرفتار کر لیا گیا۔ جب حاکم کے سامنے لے گئے تو اس نے حکم دیا کہ اس کو توپ سے اڑا دو۔ جب حسن کی پیٹھ توپ کے منہ سے باندھی گئی تو ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگا کہ یہ میری زندگی کے آخری لمحے ہیں۔ خدا کے لئے میری ایک درخواست قبول کرو۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ حسن بولا کہ پیٹھ کے بجائے میرا منہ توپ کی طرف رکھو۔ انہوں نے کہا اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ حسن کہنے لگا میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ توپ کس طرح چلتی اور راہ محبوب میں کس طرح لقمہ اجل بناتی ہے۔

(نقطۃ الکاف ص ۱۲۴)

اس قسم کے واقعات سے معلوم ہوگا کہ سچوں کی طرح باطل کے پرستاروں میں بھی فدویت و جاں سپاری کا جوہر ودیعت کیا گیا ہے۔

فتنۂ زنجان

ملا محمد علی زنجانی باب کے ظہور سے پہلے نماز جمعہ ادا کیا کرتا تھا۔ لیکن جب باب نے کتاب فروع دین میں لکھا کہ اب میرے اور اس شخص کے سوا جس کو میں اذن دوں ہر شخص کے لئے (معاذ اللہ) نماز جمعہ حرام ہے۔ تو ملا محمد علی نے نماز جمعہ ترک کر دی۔ لیکن جب باب نے اس

کو اجازت دی تو نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے مسجد میں گیا۔ زنجان کے ایک ذی اثر آدمی نے اسے اپنی مسجد میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی۔ لیکن ملا محمد علی نے اس امتناع کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس شخص نے جا کر حاکم سے شکایت کی اس نے محمد علی کو بلا بھیجا۔ جب یہ گیا تو حاکم نے اسے حراست میں لے لیا۔ جب بابیوں کو اس کا علم ہوا تو وہ حاکم پر زغہ کر کے محمد علی زنجانی کو چھڑا لائے۔ جب یہ خبر طہران پہنچی تو وہاں سے چند آدمی اس کی گرفتاری کے لئے بھیجے گئے۔ اس اثناء میں ملا محمد علی نے ہزار آدمی کی جمعیت بہم پہنچا کر رسد اور اسلحۂ جنگ مہیا کر لئے اور زنجان کے قلعہ پر قابض ہو کر متحصن ہو گیا۔ بابیوں نے اس کے علاوہ انیس مورچے بھی بنائے اور نصف سے زیادہ شہر پر قبضہ کر کے ان مورچوں پر انیس انیس آدمی متعین کر دیئے۔ جب ان میں سے ایک ٹولی اللہ اعلیٰ کہتی تھی تو دوسری ٹولیاں بھی خوش الحانی کے ساتھ یہی آواز بلند کرتی تھیں۔ مؤلف نقطۃ الکاف لاف زنی کرتا ہے کہ یہ لوگ ایسے شیر مرد تھے کہ ان میں سے ہر ایک مرد چالیس چالیس آدمیوں کا مقابلہ کرتا تھا اور نہ صرف عورتیں بلکہ ان کے بچے بھی ہر طرح کا محاربین کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔ عورتیں اور بچے فلاخن اور دوسرے ذرائع سے سنگ اندازی کرتے تھے۔ جب حکام کو ان حالات کا علم ہوا تو بابیوں کی گوشمالی کے لئے فوج بھیجی گئی۔ شاہی لشکر نے آتے ہی بابیوں کو محاصرے میں لے لیا۔ ملا محمد علی نے شاہی فوج کے افسر اعلیٰ کو لکھا کہ نہ تو ہمیں سلطنت کی خواہش ہے اور نہ آپ پر غلبہ پانا مقصود ہے۔ اس لئے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قدر سپاہ گراں ہمارے سر پر کیوں مسلط کی گئی ہے۔ اس کے بعد لکھا کہ اگر آپ محاصرہ اٹھا کر ہمیں جانے کی اجازت دیں تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ مملکت ایران کو چھوڑ کر کسی دوسرے ملک کو چلے جائیں گے۔ قائد فوج نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میرے لئے تمہاری ہلاکت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ محمد علی زنجانی حکام کی طرف سے مایوس ہوا تو اس نے دول خارجہ کے سفراء سے خط و کتابت شروع کی اور ان سے درخواست کی کہ ہمیں اس ورطہ سے نجات دلایئے۔ سفیروں نے فوجی افسروں سے سفارش کی۔ لیکن انہوں نے ایک نہ سنی۔ جب بابیوں کا واویلا حد سے بڑھ گیا تو ترکی اور روسی سفیر بابیوں کو دیکھنے آئے۔ ملا محمد علی نے ان سے بیان کیا کہ ہمارے درمیان ملکی منازعت کچھ نہیں۔ بلکہ ہم اہل اسلام ہیں۔ مسلمانوں کا ہزار سال سے یہ عقیدہ چلا آتا تھا کہ ان کا امام مہدی جو غائب ہو گیا تھا۔ ایک دن ظاہر ہو گا۔ کافۂ مسلمین اس کے لئے ہمیشہ چشم براہ تھے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ وہ امام منتظر ظاہر ہو گیا ہے اور وہ مرزا علی محمد باب ہے۔ لیکن یہ لوگ ہماری تکذیب کرتے ہیں۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ جس دلیل

سے تم نے مذہب اسلام قبول کیا ہے۔ اسی دلیل سے تم مرزا علی محمد باب کا مذہب قبول کرو۔ لیکن کچھ توجہ نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں کہ احادیث ائمہ ہی کو جو باب علیہ السلام کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ محک حق و باطل بنالو۔ مگر کچھ اعتنا نہیں کرتے۔ پھر ہم ان سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ اچھا ان حضرات کے علم و عمل، تقویٰ طہارت تدین، توجہ الی اللہ، زہد و ایثار تجمل و انقطاع ہی کو شیعی علماء کے علم و عمل سے مقابلہ کرلو۔ وہ ہمارے اس مطالبہ کا بھی کچھ جواب نہیں دیتے۔ خلاصہ یہ کہ ہم جو بھی تجویز پیش کرتے ہیں وہ اس کی طرف سے کان بہرے کر لیتے ہیں۔ سفراء یہ بیان سن کر چلے گئے۔ اس کے بعد ایک دن ملا محمد علی زنجانی اپنے ایک مورچہ کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس اثناء میں اس کے ایک تیر جان ستان لگا۔ ساتھی اسے قیام گاہ پر اٹھا لے گئے۔ آخر تیسرے دن بستر ہلاک پر دراز ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد بابیوں نے اپنے تئیں شاہی فوج کے سپرد کر دیا۔ تمام بابی پابزنجیر طہران بھیج دیئے گئے۔

باب کا اقدام خودکشی

اس وقت بابیوں نے ایران میں ہر جگہ ہل چل ڈال رکھی تھی۔ اس لئے اعیان سلطنت نے فیصلہ کیا کہ باب کو نذرانہ اجل کر دینا چاہئے۔ جب تک یہ زندہ ہے آئے دن فتنے اور فساد ہوتے رہیں گے۔ علماء نے بھی اس کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ آخر باب کو چہریق سے تبریز لائے اور مجلس علماء میں دوبارہ حاضر کیا۔ سید محمد حسین عزیز اور آقا محمد علی تبریزی بھی ساتھ تھے۔ علماء نے بہتیرا سمجھایا کہ تم اپنے الحاد و زندقہ اور دعویٰ مہدویت سے توبہ کر کے سیدھا راستہ اختیار کرو۔ مگر اس نے ایک نہ سنی۔ حشمۃ الدولہ نے باب سے کہا کہ تمہیں حامل وحی ہونے کا دعویٰ ہے۔ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو دعاء کرو کہ کوئی آیت نازل ہو۔ باب نے فوراً سورۂ نور کی ایک آیت کا کچھ ٹکڑا سورۃ ملک کی ایک آیت کے ٹکڑے سے ملا کر پڑھ دیا۔ حشمۃ الدولہ نے وہ کلمات لکھوا لئے۔ پھر باب سے پوچھا کہ کیا یہ وحی آسمانی ہے؟ بولا جی ہاں۔ حشمۃ الدولہ نے کہا کہ وحی مہبط وحی کے دل سے فراموش نہیں ہوتی۔ اگر فی الواقع یہ وحی ہے تو ذرا دوبارہ پڑھ دو۔ جب باب نے اسے دوبارہ پڑھا تو الفاظ میں رد و بدل ہو گیا۔ حشمۃ الدولہ نے کہا کہ یہ تمہارے جھوٹ اور جعل کی بین دلیل ہے۔ (مذاہب اسلام ص ۴۵۱)

آخر اس کے قتل کا حکم صادر ہوا۔ اب یہ صلاح ٹھہری کہ اسے مجمع عام میں قتل کیا جائے۔ کیونکہ اگر اسے علیحدگی میں ہلاک کیا تو عوام دھوکے میں پڑیں گے اور سمجھیں گے کہ خدا نے

اسے آسمانوں پر اٹھالیا۔ ۲۸ رشعبان ۱۲۶۶ھ کا دن قتل کے لئے مقرر کیا گیا۔ باب کو چاہئے تھا کہ ارباب حکومت جس طرح بھی چاہتے اسے موت کے گھاٹ اتارتے۔ لیکن وہ ثابت قدم رہتا اور کسی ذلت وتصدیع کی پروانہ کرتا۔ جب مرنا ہی ہے تو پھر موت سے کیوں ڈرنا؟ مگر باب نے اپنے مریدوں کے ذریعہ سے خودکشی کا قصد کیا۔ مؤلف نقطۃ الکاف لکھتا ہے کہ جس دن باب قتل کیا جانے والا تھا اس سے پہلی رات کو اپنے مریدوں سے کہنے لگا کہ میں صبح بصد ذلت وخواری شہید کیا جاؤں گا۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ تم میں سے کوئی شخص میری شہادت میں اقدام کرے۔ تاکہ میں اعداء کے ہاتھوں ذلت نہ سہوں۔ مجھے دوست کے ہاتھ سے مارا جانا اس سے کہیں زیادہ مرغوب ہے کہ دشمن کے ہاتھ سے جرعۂ مرگ نوش کروں۔ آقا محمد علی تبریزی تلوار اٹھا کر آمادۂ قتل ہوا۔ تاکہ الامر فوق الادب پر عمل ہو جائے۔ مگر دوسرے بابیوں نے مضطرب ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ آقا محمد علی نے کہا کہ میں تو آپ کا حکم ماننے کو تھا۔ چاہتا تھا کہ آپ کو شہید کر کے خودکشی کر لوں۔ لیکن انہوں نے روک دیا۔ باب نے مسکرا کر خوشنودی کا اظہار کیا۔ پھر باب نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تقیہ کرو اور مجھ پر لعنت کر کے بچ جاؤ۔ مگر کسی نے منظور نہ کیا۔

(نقطۃ الکاف ص۲۴۶،۲۴۷)

واقعۂ قتل

۲۸ رشعبان کی صبح کو سب سے پہلے آقا محمد علی کو اس غرض سے باندھا گیا کہ اس کو گولیوں کا نشانہ بنایا جائے۔ وہ ایسی جگہ باندھا جارہا تھا۔ جہاں اس کی پیٹھ باب کی طرف ہوگئی تھی۔ اس لئے حکام سے التجا کرنے لگا کہ مجھے ایسی جگہ باندھو جہاں میرا منہ اپنے محبوب (باب) کی طرف رہے۔ اس کی یہ التماس پوری کی گئی۔ اسے ہزار سمجھایا گیا کہ اگر جان عزیز ہے تو توبہ کر کے رہا ہو جاؤ۔ لیکن اس نے توبہ نہ کی اور کہنے لگا عشق حق سے توبہ کرنا بڑا گناہ ہے۔ محمد علی کے اقرباء یہ کہہ کر حکام کی خوشامد کر رہے تھے کہ یہ دیوانہ ہو گیا ہے اور دیوانہ کا قتل کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ لیکن وہ ہر مرتبہ اپنے اقارب کے بیان کی تردید کرتا تھا اور کہتا تھا۔ نہیں نہیں میں جوہر عقل سے آراستہ ہوں۔ میں حضرت حق کا دیوانہ ہوں۔ مجھے قتل کرو۔ کیونکہ قتل ہی سے حیات ابدی کا مستحق ٹھہرتا ہوں۔ جب باڑھ مار کر ہلاک کیا جانے لگا تو باب نے اس سے خطاب کر کے کہا۔

’’انت فی الجنۃ معی ‘‘(تو جنت میں میرے ساتھ رہے گا) (نقطۃ الکاف ص۲۴۵،۲۵۰)

آقا محمد علی تبریزی اور باب دونوں بندھے ہوئے تھے۔ حمزہ مرزا گورنر آذربائیجان

نے ارمن سپاہیوں کو جو عیسوی المذہب تھے۔ حکم دیا کہ باڑھ ماریں۔ یہ لوگ بابیوں کے من گھڑت قصوں اور فسادات سے متاثر تھے۔ گولیاں ہوا میں چلادیں۔ اتفاق سے ایک گولی محمد علی کے جا لگی۔ اس نے مرتے وقت باب سے کہا کہ کیا اب آپ مجھ سے راضی ہوئے؟ اور جان دے دی۔ باب حاضرین کو خطاب کر کے کہنے لگا کہ تم میری کرامات دیکھتے ہو کہ گولیوں کی بوچھاڑ ہے۔ مگر میرے کوئی گولی نہیں لگی۔ ایک گولی باب کی رسی میں لگی تھی۔ اس سے وہ رسی کٹ گئی۔ جس سے باب بندھا تھا۔ باب کھل کر بھاگا اور ایک سپاہی کی کوٹھری میں جا چھپا اور کہنے لگا۔ لوگو! یہ میری کتنی بڑی کرامت ہے کہ ایک گولی بھی نہیں لگی۔ بلکہ میں النار با ہو گیا۔ اس وقت سیکڑوں عورتیں اور مرد اس میدان میں غل مچا رہے تھے کہ باب پر گولیوں کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ یہ دیکھ کر سپاہیوں نے حاکم کے ایماء سے باب کو پکڑا اور چند گھونسے رسید کر کے گولی کا نشانہ بنا دیا۔

(مذاہب اسلام ص ۳۵۲)

شاہ ایران پر قاتلانہ حملہ

باب کے حادثہ قتل کے بعد بارہ بابیوں نے ناصر الدین شاہ والی ایران سے باب کے قتل کا انتقام لینے کی سازش کی۔ جن میں سے نو اخیر وقت میں علیحدہ ہو گئے۔ باقی تین عازمین قتل یہ تھے۔ ملا فتح اللہ قمی، صادق زنجانی اور باقر نجف آبادی۔ بتاریخ ۳۰ رذیقعدہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۱۹۵۲ء، شاہ شکار کے لئے سوار ہوا تو یہ تینوں شاہ کی طرف بڑھے۔ شاہ سمجھا کہ شاید مظلوم و ستم رسیدہ لوگ ہیں۔ جو اپنی کوئی درخواست لے کر آئے ہیں۔ اس لئے ان کو نزدیک آنے کی اجازت دی۔ جب قریب پہنچے تو صادق زنجانی نے جیب میں سے پستول نکال کر شاہ پر چلا دیا۔ شاہ زخمی ہوا۔ لیکن بدستور گھوڑے پر سوار رہا۔ یہ دیکھ کر فتح اللہ قمی نے اس نیت سے جھپٹ کر شاہ کو گھوڑے سے کھینچا کہ زمین پر گرا کر گلا کاٹ دے۔ شاہ زمین پر گر پڑا۔ یہ دیکھ کر شاہ کے ایک ملازم نے بڑھ کر فتح اللہ کے منہ پر زور سے ایک گھونسا رسید کیا۔ وہ گھونسا کھا کر گر پڑا۔ اب ملازم نے میان میں سے تلوار نکال لی اور صادق زنجانی کی گردن ماردی۔ اس اثناء میں شاہی دربار کا ایک منشی بھی پہنچ گیا اور اس نے اپنے آپ کو شاہ کے اوپر گرا کر شاہ کے جسم کی ڈھال بن گیا۔ اتنے میں اور پیادے بھی پہنچ گئے اور انہوں نے زندہ حملہ آوروں کو گرفتار کر لیا۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ تم کون ہو اور تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ تو انہوں نے اقبال جرم کیا اور بتایا کہ ہم نے اپنے قائم علیہ السلام (باب) کے قتل کا انتقام لیا ہے۔ صادق زنجانی، ملا شیخ علی بابی کا نوکر تھا۔ جسے بابی

جناب عظیم کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ صادق نے طمنچہ اسی سے لیا تھا۔ شاہ کو گولی کا جو زخم لگا وہ مہلک نہیں تھا۔ قاآنی شیرازی نے شاہ کے زندہ سلامت رہنے کی خوشی میں دو قصیدے لکھے جن میں سے ایک کے دو شعر یہ تھے۔

آخر شوال خسرو شد سوار از بہر صید
آسمانش درعناں و آفتابش در رکاب
کز کمیں ناگہ سہ تن جنبید وافگندند نہ زود
تیر ہائے آتشین زی خسرو مالک رکاب

دوسرے قصیدہ کے تین شعر یہ تھے۔

آخر شوال راہر سال زیں پس عید کن
چاکران شاہ را دعوت نما از ہر کراں
ہی بگو شاہد بیا زاہد برو خازن ببخش
ہی بگو ساقی بدہ چنگے بزن مطرب نجواں
عید قربان شہش کن نام وہچون گوسفند
دشمناں راسر ببر در راہ شاہ کامراں

اس واقعہ حائلہ پر طہران کی پولیس نہایت مستعدی سے ان تمام مجرموں کی تلاش میں سرگرم عمل ہوئی جو اس سازش سے تعلق رکھتے تھے۔ پولیس نے حاجی سلیمان خان بابی بن یحییٰ تبریزی کے مکان پر چھاپہ مار کر ایک درجن بابیوں کو گرفتار کیا۔ اسی طرح طہران میں جہاں کہیں بھی مشتبہ بابی مل سکے۔ ان کو زیر حراست کر لیا گیا۔ اس طرح گرفتاروں کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی۔ ان میں سے بعض بابی جو بالکل بے قصور ثابت ہوئے وہ رہا کر دیئے گئے۔ انجام کار اٹھائیس بابیوں پر فرد قرارداد جرم عائد ہوئی اور وہ قتل کئے گئے۔ یہ سب اس سازش میں شریک تھے۔ یا شرکائے سازش کے معاون تھے۔ ناسخ التواریخ میں سب کے نام گنوائے ہیں۔ قرۃ العین بھی انہی مقتولین میں تھی بعض بابی قتل کا حکم سن کر گاتے اور ناچتے تھے جو گیت وہ گا رہے تھے ان میں سے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

باز آمدم باز آمدم از راہ شیر از آمدم
باعشوہ وناز آمدم ہذا جنون العاشقی

یکدست جام بادہ ویک دست زلف یار
رقصے چنیں میانۂ میدانم آرزوست

(اپی سوڈ اوف دی باب مطبوعہ کیمبرج ص ۳۲۳،۳۲۴)

فصل :۳۰...... باب کے دعاوی کی بوقلمونی

علی محمد بحیثیت باب، ذکر، قائم، مہدی، نقطہ

مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح مرزا علی محمد باب کے بیانات اور دعاوی میں بھی سخت اختلال واضطراب پایا جاتا ہے۔ پہلے سال اس نے بابیت کا دعویٰ کیا۔ یعنی کہا کہ میں حضرت مہدی علیہ السلام تک پہنچنے کے لئے جن کی آمد کا انتظار ہے۔ صرف دروازہ اور ذریعہ ہوں۔ اس وقت وہ اپنے تئیں اپنے نوشتوں میں باب اور ذکر اور ذات حروف سبعہ (جس کے نام میں سات حروف ہیں) لکھا کرتا تھا۔ دوسرے سال بابیت کا منصب اپنے ایک مرید ملا حسین بشرویہ کو بخش کر خود مہدی موعود بن بیٹھا اور جب ملا حسین مارا گیا تو بابیت کا منصب اس کے بھائی ملا حسن بشرویہ کو عطاء ہوا۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۸۱)

لیکن یہ منصب علی محمد اور اس کے ان دو ارادت مندوں تک محدود نہ تھا۔ بلکہ کتاب (نقطۃ الکاف ص ۹۹،۱۰۰،۱۰۲،۱۳۲) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی کاظم رشتی، شیخ احمد حسائی اور علی خراسانی معروف بجناب عظیم بھی اس منصب پر فائز تھے۔ شاید انہی ایام میں علی محمد نے اپنے لئے قائمیت کا عہدہ بھی تجویز کر لیا۔ لیکن تھوڑے دن کے بعد اپنے ایک خاص مرید ملا محمد علی بار فروشی کو بھی اس منصب میں شریک کر لیا۔ جسے بابی قدوس کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ نقطۃ الکاف میں لکھا ہے کہ جناب قدوس وجناب ذکر (علی محمد باب) دو قائم ہستند دلے ہر یک مظہر اسمے از اسماء اللہی باشند وبحسب قابلیت خلق اظہاری فرمانیند۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۰۷)

علی محمد باب نقط ہونے کا بھی مدعی تھا۔ حاجی مرزا جانی کاشانی نے کتاب نقطۃ الکاف میں لکھا ہے۔ حضرت نقط در ہر زبان یک نفری باشد لیکن حاجی جانی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نقط دراصل ملا محمد علی بار فروشی تھا اور علی محمد باب محض اس کا طفیلی تھا۔ چنانچہ حاجی جانی لکھتا ہے۔ دلہادریں دوکرہ اصل نقط حضرت قدوس (ملا محمد علی بار فروشی) بودند وجناب ذکر (علی محمد باب) باب ایشاں بود، بابیت سے دست بردار ہونے کے بعد علی محمد نے مہدویت کا دعویٰ کیا۔ بابی کہتے تھے کہ جس طرح حضرت موسیٰ کلیم (علیہ السلام) نے حضرت مسیح علیہ السلام کی اور جناب مسیح

نے حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کی بشارت دی تھی۔ اسی طرح جناب محمد ﷺ نے علی محمد باب کے ظہور کی بشارت دے رکھی تھی۔

من یظہرہ اللہ کی اعجوبۂ روزگار موہوم شخصیت

جس طرح پرانے خیال کے ہندوؤں نے اپنے لئے بشن، اندر مہادیو، وغیرہ موہوم دیوتے تجویز کرر کھے ہیں۔ اسی طرح باب نے بھی ایک موہوم شخصیت کو اپنے قالب خیال میں ڈھال کر اس کے ظہور کی پیشین گوئی کر دی تھی اور جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے امام الزمان کے صفات کی تشریح میں زمین وآسمان کے قلابے ملائے۔ اسی طرح مرزا علی محمد باب نے من یظہرہ اللہ (جس کو اللہ ظاہر کرے گا) نام کی ایک شخصیت تجویز کر کے اس کے من گھڑت صفات کی تشریح میں اپنے مرکب قلم کی خوب جولانیاں دکھائیں۔ باب نے کتاب بیان میں من یظہرہ اللہ کے یہ خصائص لکھے ہیں۔ جب من یظہرہ اللہ ظاہر ہوتا ہے تو ان لوگوں کے سوا جو اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ ہر شخص کا ایمان سلب ومنقطع ہو جاتا ہے۔ (بیان باب ۳ واحد ۲)

بیان کی قیامت من یظہرہ اللہ کا ظہور ہے۔ (باب ۷) اس کے ظہور کا دن سب کا بعث، سب کا حشر اور سب لوگوں کا قبر سے خروج ہے۔ (باب ۹) اس کے ظہور کا وقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (ز ۱۰) وہ اللہ کی ذات سے قائم ہے۔ اور دوسری تمام کائنات اس سے قائم ہے۔ (ج ۱، ۱۳) وہ جب اور جو کچھ کرے کبھی مسئول نہیں ٹھہر سکتا۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حق میں کیوں اور کس طرح کے الفاظ استعمال کرے۔ (ج ۱) وہ ظہور نقطہ کی طرح بغتۃً ظاہر ہوتا ہے۔ (و ۹، ۱۱) اگر کوئی شخص اس سے ایک آیہ سن لے یا تلاوت کرے تو بیان کی ہزار مرتبہ تلاوت کرنے سے زیادہ افضل ہے۔ (۶، ۸۵) تمام ظہور اور قائم آل محمد کا ظہور من یظہرہ اللہ ہی کی خاطر وجود میں آئے۔ (و ۱۲) من یظہرہ اللہ اسماء وصفات الٰہی کا مبداء ہے۔ (۹۵) جو شخص اس کا نام سنے اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ از راہ احترام کھڑا ہو جائے اور جو مجلس بھی منعقد ہو اس کے لئے ایک نفر کی جگہ خالی چھوڑ دی جائے۔ (ط ۱) بیان کی مندرجہ ذیل تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ باب کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر باب کے ظہور تک عالم کائنات کی مدت بارہ ہزار دو سو دس سال گذری اور جس صورت میں کہ باب کے خیال میں دنیا کی عمر کا ہر ہزار سال ظہورات اور کمال کی جانب ان کے نمو کے ایک سال کے برابر ہے۔ بنا بریں وہ آدم علیہ السلام کو (معاذ اللہ) نطفہ سے اور اپنے تئیں دوازدہ سالہ جوان سے اور من یظہرہ اللہ کو طفل چہاردہ سالہ

سے تشبیہ دیتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ باب من یظہرہ اللہ کا زمانہ اپنے عہد سے دو ہزار سال پیچھے فرض کرتا ہے۔ چنانچہ بیان (باب ۱۳، واحد ۳) میں رقمطراز ہے۔ من ظہور آدم الی اوّل ظہور نقطۃ البیان از عمر این عالم نگذشتہ الا دوازدہ ہزار و دویست و دہ سال آن آدم در مقام نطفہ این آدم می گردد۔ مثلاً جوانے کہ دوازدہ سال تمام از عمر او گذشتہ نمی گوید کہ من آن نطفہ ہستم کہ از فلاں سماء نازل در فلاں ارض مستقر شدہ کہ اگر بگوید تنزل نمودہ و نزد اولوا العلم حکم بہ امیت عقل او می شود۔ این است کہ نقطہ بیان نمی گوید امروز منم مظاہر مشیت از آدم تا امروز کہ مثل این قول ہمیں می شود و ازیں جہت است کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نفرمودہ کہ من عیسیٰ ہستم، زیرا کہ آن وقتے است کہ عیسیٰ از حد خود ترقی نمودہ و بآن حد رسیدہ و ہمچنیں من یظہر اللہ در حد زمانیکہ محبوب چہاردہ سالہ ذکر می شود لائق نیست کہ بگوید من ہماں دوازدہ سالہ بودم کہ اگر بگوید نظر بضعف مردم نمودہ زیرا کہ شی رو بعلو است نہ دنو۔ اگرچہ آن جوان چہاردہ سالہ در حین نطفہ آدم بودہ و کم کم ترقی نمود تا آنکہ امروز دوازدہ سالہ گشتہ و ازیں دوازدہ سالگی کم کم ترقی می نماید۔ تا آنکہ بچہاردہ می رسد۔ اگر امروز یکے از مؤمنین بقرآن برخودی پسند کہ بگوید من یکے ہستم از مؤمنین بانجیل نقطہ حقیقت ہم برخودی پسندد وکذالک در بیان و بیان بانسبت بمن یظہرہ اللہ۔" باب نے من یظہرہ اللہ کے ظہور کی مدت اپنے بعد ۱۵۱۱ یا ۲۱۰۱ سال جو کلمہ غیاث یا اغیث اور مستغاث کے عدد کے موافق تصور کی۔ چنانچہ کتاب بیان (باب ۱۷، واحد ۲) میں لکھتا ہے۔ "اگر در عدد غیاث ظاہر گردد وکل داخل شوند احدے در نار نمی ماند واگر الی مستغاث رسدہ کل داخل شوند احدے در نار نمی ماند الا آنکہ کل مبدل می گردند بنور۔" اور (باب ۱۶، واحد ۲) میں لکھتا ہے۔ "وصیت می کنم کل اہل بیان را کہ اگر در حین ظہور من یظہرہ اللہ کل موفق بآں جنت عظیم ولقائے اکبر گردید طوبیٰ ثم طوبیٰ لکم والا اگر شنید ید ظہورے ظاہر شدہ بآیات قبل از عدد اسم اللہ الاغیث کہ کل داخل شوید و اگر نشدہ و بعد از اسم اللہ المستغاث منتہی شدہ و شنیدہ اید کہ نقطہ ظاہر شدہ وکل یقین نکردہ آید رحم بر انفس خود کردہ وکل بکلیہ در ظل آن نقطہ ظاہرہ کہ کل داخل نہ شدہ اید مستظل گردید۔"

دعوائے اعجاز اور دوسری تعلیاں

علی محمد باب کا مقولہ ہے کہ میں اپنے شؤونات علم میں امی ہوں اور اپنے علم کو چار زبانوں میں ظاہر کرتا ہوں۔ اوّل لسان آیات، دوم لسان مناجات، سوم لسان خطیب، چہارم لسان زیارات وتقاسیر آیات، احادیث، ائمہ اطہار۔ کیونکہ ان کی آیات کی زبان میرا دل ہے

جوظہور اللہ ہے اور اسے لسان اللہ کہا جاتا ہے اور ان کی مناجات کی زبان عبودیت، محبت اور فنا ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہے۔ اس کا ظہور مرأت عقل میں متصور ہے اور خطبوں کی زبان رکن ولایت کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اس کا ظہور مرأت نفس میں ہوتا ہے۔ لسان تفاسیر رتبۂ بابیت ہے اور یہ جسم کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ لسان اوّل کو عالم لاہوت سے مدد ملتی ہے جو قلم کا مقام ہے۔ اس کا حامل میکائیل ہے، جو شیت اشیاء کا ذکر نقطۂ بیضاء میں فرماتا ہے۔ لسان ثانی کو عالم جبروت سے مدد ملتی ہے۔ اس کا سلطان حضرت جبریل ہے کہ عقول کل شیئ کا رزق جنت صفراء میں دیتا ہے اور مقام لوح ہے۔ لسان سوم کی امداد عالم ملکوت سے ہوتی ہے کہ جسے مقام کرسی کہتے ہیں۔ اس ملک کی سلطنت اسرافیل کے سپرد ہے۔ وہی رزق حیات کا حامل ہے۔ اس کا تاج ہمایوں زمرد کا بنا ہے۔ لسان چہارم عالم ملک ہے جو عالم کثرت ہے۔ اس ملک کا شہر یار حضرت عزرائیل ہے۔ عزرائیل یاقوت سرخ کے تخت پر متمکن ہے۔ باب کا دعویٰ ہے کہ میں ان چاروں زبانوں کے ساتھ ظاہر ہوا ہوں۔ تاکہ خلق خدا کو معلوم ہو جائے کہ ان چاروں ملکوں میں میری بادشاہت ہے۔ چاروں جگہ میرا سکہ چلتا ہے۔ تاکہ میں ہر ملک والوں کو ان کا رزق دوں۔

اس کے بعد لکھتا ہے کہ یہ کلمات فصاحت ظاہری و باطنی کے بھی مطابق ہیں۔ فصاحت ظاہری سے مراد عبارتوں کی حلاوت ہے اور فصاحت باطنہ کا مطلب توحید کا بیان اور ظہور اسماء وصفات الٰہی کی معرفت ہے، اور میری یہ حالت ہے کہ ان کے مقامات سری میں توجہ کرنے سے پانچ ساعت میں بدوں تفکر وسکوت ہزار بیت لکھ دیتا ہوں۔ تاکہ تمام اہل علم اور ارباب قلم کو معلوم ہو جائے کہ غیر اللہ کو اس قسم کی قدرت نہیں دی گئی ہے اور میں کہتا ہوں کہ یہ آیات منجانب اللہ ہیں۔ ''ان یآ خلق اللہ فأتوا بمثل هذا ان کنتم صدقین'' اللہ کے بندو! اگر تم سچے ہو اور تم میں سے کسی شخص کی حالت یہ ہے کہ میری طرح اس کی آیت علم وعمل ہے۔ میری طرح وہ بھی امی ہے اور میری طرح ان چار زبانوں میں متکلم ہوتا ہے اور چھ ساعت میں بدوں فکر وسکوں ہزار بیت کہہ لیتا ہے اور اپنے علم کو اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ وہ میرے جیسا کلام پیش کرے۔ اور اگر اس کے اندر شرائط مذکورہ نہ پائے جائیں تو وہ اتیان بمثل نہ ہوگا اور میری حجت ثابت ہو جائے گی۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۰۷، ۱۰۸)

لیکن میں باب کے مقابلہ میں قادیان کے مسیح موعود صاحب کا نام نامی پیش کرتا

ہوں۔ ان کو بھی دعوائے اعجاز تھا۔ اگر یہ دونوں اعجازی پہلوان ایک زمانہ میں ہوتے تو ان کا دنگل نہایت پرلطف رہتا۔

منکرین سے خطاب

باب کا مقولہ ہے۔ میری ندا خاص اور عام کے کانوں میں پہنچی۔ میرے رد وقبول کے بارہ میں لوگ چند گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔ اوّل اہل طلب وانصاف ہیں۔ انہوں نے تفحص کیا اور دیکھا کہ آنجناب کا دعویٰ زمانہ کے مطابق ہے اور جو کچھ کہتا ہوں منجانب اللہ کہتا ہوں۔ انہوں نے مجھے قبول کیا۔ یہ لوگ فیوض عبادات ومناجات اور جواہر معارف سے فائز ہوئے۔ دوسرا فرقہ علم وعمل میں مستور اور حب ریاست میں گرفتار رہا۔ ان لوگوں نے گوش طلب کو نہ کھولا اور نظر انصاف سے نہ دیکھا بلکہ اس کے برعکس رد واعراض کی زبان کھول دی۔ ان حرماں نصیبوں نے کہا جو کچھ کہ کہا اور کیا جو کچھ کہ کیا۔ رہے عوام ان بیچاروں میں سے بعض تو متحیر رہے اور بعض نے علماء کی تقلید کر کے میری تکذیب کی۔ مقدم الذکر گروہ نے نظر انصاف سے نہ دیکھا کہ وہ جس دلیل سے اپنے تئیں حجۃ الاسلام گمان کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ امام علیہ السلام کی طرف سے والی ہیں۔ وہ سب علم وعمل ہے۔ حالاً نکہ وہ لوگوں سے کہا کرتے ہیں کہ یا مقلد بنو یا مجتہد اور جب کچھ بھی نہ ہوگے تو تم جہنم میں جاؤ گے۔ گو تمہارے اعمال فی الواقع امر حق کے مطابق ہوں۔ یہ لوگ اتنا نہیں سوچتے کہ جب تم نے تقلید کی تو سب سے بڑے عالم کی تقلید کرو۔ کیونکہ غیر اعلم کی تقلید حرام ہے اور مجتہد علم وعداوت سے پہچانا جاتا ہے اور جب مجھے مجتہد اور اعلم العلماء یقین کرتے ہو تو میں حرام وحلال کے متعلق جو حکم کروں اسے حکم الٰہی یقین کرو اور اس سے انکار واعراض نہ کرو، اور کہتا تھا کہ تم لوگ یہود کی تقلید نہ کرو۔ جنہوں نے مسیح علیہ السلام کو دار پر چڑھایا اور نصاریٰ کی پیروی نہ کرو۔ جو فارقلیط موعود (حضرت سرور کون ومکان ﷺ) کے منکر ہوئے اور اہل اسلام کی تقلید بھی نہ کرو۔ جو ہزار سال سے مہدی موعود کے انتظار میں سراپا شوق بنے رہے۔ لیکن جب ظاہر ہوا تو اس کی توہین کی اور زندان بلا میں ڈال دیا۔ (نقطۃ الکاف ص۱۰۸،۱۰۹)

لیکن حضرت مخبر صادق ﷺ کی پیشین گوئی کے بموجب جو مہدی علیہ السلام کسی مستقبل زمانہ میں ظاہر ہوں گے ان کا اسم گرامی محمد بن عبداللہ بتایا گیا ہے۔ ان کا ظہور مکہ معظمہ میں ہوگا اور سیدۃ النساء حضرت فاطمۂ زہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد ہوں گے۔ ایسی حالت میں وہی

شخص باب، مرزائے قادیان اور اس قماش کے دوسرے ملحدین دہر کی پیروی اختیار کر سکتا ہے جو حضرت مخبر صادق ﷺ کے ارشادات گرامی کی طرف سے اندھا اور بہرا بن کر فاقد الایمان ہونے کا خواہش مند ہو۔

فصل :۴...... باب کی تعلیمات اور بابی الحاد پسندیاں

باب نے بیان نام ایک فارسی کتاب لکھی تھی جسے وہ الہامی اور آسمانی کتاب بتاتا تھا۔ بابیوں کا خیال ہے کہ جس طرح قرآن نے انجیل کو اور انجیل نے توراۃ کو منسوخ کیا تھا۔ اسی طرح بیان نے قرآن کو منسوخ کر دیا۔ لیکن پروفیسر براؤن نے بابیوں کے اس خیال کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ باب اپنی تحریروں میں مکرر اُو مؤکداً اس امر کو واضح کرتا ہے کہ وہ ظہورات مشیت اوّلیہ کا خاتم حلقۂ سلسلۂ نبوت کا آخری شخص نہیں ہے اور اس کی کتاب بھی کتب سماوی کی خاتم نہیں۔ پروفیسر براؤن دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ باب اپنے مذہب کو ناسخ دین اسلام اور بیان کو ناسخ قرآن سمجھتا تھا اور اس کی ایک تحریر سے جو فصل کے اخیر میں قیامت کی بابی تشریح میں آئے گی۔ بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے۔ لیکن باب کے اس قسم کے دعوے بدُ امر میں تھے۔ بعد میں اس نے اس خیال سے رجوع کر لیا یا کم از کم اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر اس کی علی الاعلان اشاعت سے رک گیا۔

باب کے اصول تعلیم

باب کے اصول تعلیم جو اس کی تحریروں اور خاص کر بیان سے ثابت ہوتے ہیں۔ بالا جمال یہ ہیں۔ خدا ہر چیز کا مدرک ہے۔ لیکن خود حیز ادراک سے باہر ہے۔ ذات الٰہی کے سوا کوئی متنفس اس کی معرفت نہیں رکھتا۔ معرفت الٰہی سے مراد مظہر الٰہی کی معرفت ہے۔ لقاء اللہ سے لقاء مظہر اللہ اور پناہ بخدا سے پناہ بمظہر خدا مراد ہے۔ کیونکہ عرض بذات اقدس ممکن نہیں اور اس کا لقاء متصور نہیں ہے اور کتب سماویہ میں جو لقاء اللہ کا ذکر پایا جاتا ہے وہ ظاہر بظہور الٰہی کی لقاء کا ذکر ہے۔ (ب ۷ ج ۷) ملائکہ کے رجوع الی اللہ اور اس کے سامنے پیش کرنے کا مطلب من یظہرہ اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ کیونکہ ذات ازل کی طرف کسی شخص کو کوئی سبیل نہ کبھی تھی اور نہ اب ہے۔ نہ بدء میں نہ عود میں۔ (ب ۱۰) جو کچھ مظاہر میں ظاہر ہوتا ہے وہ مشیت ہے جو تمام اشیاء کی خالق ہے۔ اشیاء سے اس کی وہی نسبت ہے جو علت کو معلول سے اور نار کو حرارت سے ہے۔ یہ مشیت نقطۂ ظہور ہے۔ جو ہر کور میں اس کور کے اقتضاء کے بموجب ظاہر ہوتا ہے۔ (ب ۱۳ ج ۷، ۸) مثلاً محمد نقطۂ فرقان ہیں اور مرزا علی محمد نقطہ بیان ہے اور پھر دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔

(آ ۱۵ ھ ۲) آدم جو بیان کے بموجب (ج ۱۳) باب سے ۲۲۱۰ سال پہلے ہوئے ہیں۔ تمام ظہورات کے ساتھ ایک ہے۔(ز ۲) اگر آفتاب کی طرح دوسرے بے تعداد آفتاب طلوع ہوں تو بھی شمس ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ تمام آفتاب اسی ایک سورج کے بدولت قائم ہیں۔ (و ۱۲، ر ۱۵) من یظہرہ اللہ کے بعد دیگر ظہورات بھی بے حد وانتہاء ہوں گے۔(و ۱۲، ز ۱۳) بعد کا ہر ظہور ظہور قبل سے اشرف ہوتا ہے۔(ج ۱۳، د ۱۲) ہر ظہور مابعد میں مشیت اولیہ ظہور قبل سے زیادہ قوی اور زیادہ کامل ہوتی ہے۔ مثلاً آدم نطفہ کے مقام پر تھے اور نقطۂ بیان دوازدہ سالہ جوانی کے مقام میں اور من یظہرہ اللہ چہاردہ سالہ جوانی کے مقام میں ہے۔(ج ۱۳) ہر ظہور بمنزلہ غرس شجر کے ہے۔ بعد کا ظہور اس درخت کے کمال اور حصول ثمر کے وقت ہوتا ہے۔ اس سے پیشتر وہ حد بلوغ کو نہیں پہنچتا۔ جب درخت درجۂ کمال کو پہنچ گیا اور اس کا پھل کھانے کا وقت آیا تو بغیر کسی لمحہ کی تاخیر کے بعد کا ظہور واقع ہو جائے گا۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے وقت انجیل کا درخت لگایا گیا تھا۔ اس وقت اسے کمال نصیب نہ ہوا تھا۔ البتہ اگر رسول اللہ ﷺ کی بعثت ایک روز پہلے ہو جاتی یعنی ۲۷ / رجب کے بجائے ۲٦ / رجب ہوتی تو بعثت کا دن وہی (یعنی ۲٦ / رجب) قرار پاتا۔ قرآن کا درخت تو رسول اللہ (ﷺ) کے زمانہ میں لگا۔ لیکن اس کا کمال (معاذ اللہ) ۱۲۷۰ھ میں (علی محمد باب کے ظہور کے وقت) ہوا۔(صحیح الاولیٰ) بابی لوگ اس بیان کو کہ زمان ومکان کے اختلاف اور درجہ شرف وکمال کے تفاوت کے باوجود ظہورات متعدد وہ حقیقت میں سب ایک ہی کیوں ہوتے ہیں؟ معلم کی مثال سے سمجھایا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ شاگردوں کے مختلف طبقے ہوتے ہیں۔ ہر طالب علم سن وسال اور درجۂ فہم میں متفاوت ہوتا ہے۔ معلم درس دیتا ہے۔ معلم ایک ہے اور اس کے علم واطلاع کا اندازہ بھی ایک ہے۔ لیکن سامعین کے درجہ فہم وادراک کے تفاوت کے لحاظ سے وہ مختلف تعبیرات اور اصطلاحیں استعمال کرتا ہے۔ مثلاً اطفال خردسال کو مخاطب کرتے ہوئے وہ منافع علم کو اس تشریح کے ساتھ بچوں کے ذہن نشین کرے گا کہ علم مطلوب ہے۔ کیونکہ وہ شکر کی طرح میٹھا ہے۔ اس طرز تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ ان بچوں کی قوۃ فہم اس درجہ پر نہیں کہ طالبان علم کی اہمیت کو کسی مادی ومحسوس صورت میں سمجھائے بغیر سمجھ سکیں۔ لیکن جب وہی معلم کسی اعلیٰ جماعت کے شاگردوں کو درس دے گا تو ضرورت علم کو اعلیٰ تعبیرات میں ثابت کرے گا۔ تفاوت ظہورات کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ مثلاً جناب محمد ﷺ کے مخاطب وحشی اور بدوی لوگ تھے۔ اس لحاظ سے کہ وہ بعث ومعاد جنت ونار وغیرہ امور کا صحیح مفہوم سمجھنے سے

قاصر تھے۔ آنحضرت ﷺ ان کے مفہوم مادی صورتوں میں ان کے سامنے پیش کرتے تھے تاکہ وہ آسانی سے سمجھ سکیں۔ لیکن دورۂ بیان میں مخاطب (فرنگیوں کی طرح) دانا اور متمدن لوگ یعنی ایرانی ہیں۔ اس لئے الفاظ اور اصطلاحات مذکورہ کو دوسرے طرز (یعنی باطنی زنادقہ کے رنگ) میں بیان کیا گیا اور ان الفاظ کے ایسے معنی مراد لئے گئے جو (شیطانی) عقل وفہم سے زیادہ قریب تھے۔ مثلاً قیامت سے مراد ہر زمانہ اور ہر نام میں شجر حقیقت کا ظہور ہے۔ یہ ظہور اپنے زمانہ غروب تک باقی رہتا ہے۔ مثلاً بعثت عیسوی کے دن سے لے کر ان کے یوم عروج تک موسیٰ علیہ السلام کی قیامت تھی اور رسول اللہ ﷺ کے یوم بعثت سے آپ کے یوم عروج تک کہ تیئس سال کی مدت تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی قیامت تھی اور شجر بیان کے ظہور سے لے کر اس کے غروب تک محمد رسول اللہ ﷺ کی قیامت ہے۔ (ب ۷، ج ۳، ط ۳) شیعہ لوگ جو قیامت کو مادی معنوں پر محمول کرتے ہیں۔ محض توہم ہے جس کی عنداللہ کوئی حقیقت نہیں۔ (ب ۷) قیامت کے دن کوئی مردہ قبروں سے نہیں اٹھے گا۔ بلکہ بعث یہی ہے کہ اس زمانہ کے پیدا ہونے والے لوگ زندہ ہو جاتے ہیں۔ (ب ۱۱) قیامت کا دن بھی دوسرے دنوں کی مانند ہے۔ آفتاب حسب معمول طلوع وغروب ہوتا ہے۔ جس سرزمین میں قیامت برپا ہوتی ہے۔ بسا اوقات وہاں کے باشندے اس سے مطلع نہیں ہوتے۔ (ح ۹) اسی طرح نقطۂ ظہور کی تصدیق اور اس پر ایمان لانے کو جنت کہتے ہیں۔ (ب ۱، ب ۴، ب ۱۶) عالم حیات میں تو جنت کی یہ حقیقت ہے۔ لیکن جنت بعد از موت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ (ب ۱۶) دوزخ سے مراد نقطۂ ظہور پر ایمان نہ لانا اور اس سے انکار کرنا ہے۔ (ب ۱، ب ۴) برزخ سے عام لوگ (صحیح العقیدہ مسلمان) تو معلوم نہیں کیا، مراد لیتے ہیں۔ لیکن برزخ حقیقت میں وہ مدت ہے جو دو ظہوروں کے مابین حد فاصل ہے۔ (ب ۸) علیٰ ہذا القیاس موت، قبر، قبر میں ملائکہ کا سوال میزان، حساب کتاب، صراط وغیرہ میں سے ہر ایک کے تمثیلی معنی بیان کئے ہیں۔

بابی تحریف کاریاں

حضور مخبر صادق ﷺ نے جو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کی علامتیں بیان فرمائیں تو اس سے حضور کا یہ مقصد تھا کہ جھوٹے مہدی اور جھوٹے مسیح چون کی مسند عالی پر قدم نہ رکھ سکیں اور امت مرحومہ ہر مدعی کے دعوؤں کو ارشادات نبویہ کی کسوٹی پر کس کر اس کے صدق یا کذب کا امتحان کر سکے۔ پس یہ پیشین گوئیاں امت کے حق میں انتہاء درجہ کی

شفقت ورحمت ہیں۔ لیکن حرمان نصیبی اور ضلالت پسندی کا کمال دیکھ کہ جھوٹے مدعیوں کے نادان پیروان ارشادات نبویہ کی مشعل ہدایت کو اپنے لئے دلیل راہ نہیں بناتے۔ بلکہ الٹا ان کو اپنی خواہشات نفسانی کے قالب پر ڈھالنا شروع کر دیتے ہیں اور انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ کہنے لگتے ہیں کہ ان روایتوں کا وہ مطلب نہیں جو ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے۔ بلکہ ان کا وہ باطنی مفہوم مراد ہے جو ہم سمجھتے ہیں۔ جس سے وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ احکام وحی بھی گویا موم کی ناک ہے۔ جسے جس وقت اور جس طرح چاہا پھیر لیا۔ باب بھی ایک جھوٹا مہدی تھا اور اس کی ذات میں ان علامات کا پایا جانا ناممکن تھا۔ جو سچے مہدی علیہ السلام کے ساتھ مختص ہیں۔ اس لئے ضرور تھا کہ وادیٔ خسران کے راہ نوردارشادات نبویہ کو کھینچ تان کر اپنے مفید مطلب بنانے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ مرزا جانی بابی کتاب نقطۃ الکاف میں کمال بے باکی کے ساتھ لکھتا ہے کہ امام معصوم کی مراد باطنی معنی ہوتے ہیں۔ لیکن اہل ظاہر، ظاہری کلمات کو دیکھتے ہیں۔ اس لئے اس کے مصداق کو نہیں پاتے۔ یہ امر لابد ہے کہ ہر کلمہ کے معنی اس کے باطن میں ملاحظہ کئے جائیں اور باطن کو پالینا ہر بے سروپا کا کام نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک منصب عالی ہے۔ جو فرشتہ یا نبی یا مؤمن ممتحن کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ لیکن آج مؤمن ممتحن کہاں پایا جاتا ہے اور کس کی مجال ہے کہ باطنی معنی جان لینے کا دعویٰ کرے؟ چونکہ ان اکثر احادیث کا جو علامات ظہور مہدی علیہ السلام کے متعلق وارد ہیں۔ باطنی مفہوم مراد ہے اور اہل زمان عموماً ظاہر بین ہیں۔ اس لئے امام کے مقصود کو نہیں پاتے۔ (نقطۃ الکاف ص۱۸۱،۱۸۲)

ائمہ تلبیس کے باب ۱۷ میں باطنی فرقہ کی تحریفات آپ کی نظر سے گذری ہوں گی۔ لیکن عنوان سابق میں آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ تحریف کاری کے فن میں بابی بھی انہی کے شاگرد رشید ہیں۔ گو اوپر بھی بابی باطنیت پر کافی روشنی پڑ چکی ہے۔ لیکن ذیل میں اس کے چند اور نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

الفاظ	بابی مفہوم
توحید ذات	ذات مقدس حضرت نقطۂ وجود (باب) کی واحدانیت اور فردانیت کا اقرار۔
توحید صفات	حضرت حق کے جمیع اسماء وصفات کا مظہر حضرت نقطۂ (باب) ہے۔ یعنی اس کی مشیت تمام مشیتوں سے بڑھ کر اور اس کا ارادہ عین اللہ کا ارادہ اس کی زبان اللہ کی زبان، اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔

توحید افعال	آنجناب (علی محمد باب) کا فعل، اللہ کا فعل ہے۔ کسی کے لئے اس باب کی گنجائش نہیں کہ اس کے فعل میں چون وچرا کر سکے۔
توحید عبادت	اس سرور (باب) کی محبت وعبودیت۔
زکوٰۃ	یوم قیام میں خدائے برتر کی ملاکیت کا اقرار کرنا۔
روزہ	ان امور سے احتراز کرنا جو آنحضرت کی مرضی کے خلاف ہوں۔
حج	خدائے برتر کی مشیت، ارادہ، قضا وقدر کے اردگرد پھرنا۔
بیت اللہ	(۱) جسم شریف حضرت نقطہ (باب) کے جسم شریف کا مقام استقرار اور (۲) حضرت نقطہ (باب) کا دل۔
زم زم	رسول اللہ (ﷺ)
صفا	شاہ ولایت۔
مشعر	حضرت فاطمہ زہراءؓ
منیٰ	حضرت امام حسن مجتبیٰؑ (نقطۃ الکاف ص ۱۴۸، ۱۵۱)

علی محمد باب قیامت کا بھی منکر تھا۔ اس کے نزدیک جیسا کہ اس نے بیان فارسی (باب ۷، واحد ۲) میں لکھا ہے۔ یوم قیامت سے مراد شجرۂ حقیقت کا ظہور ہے اور حقیقت اس وقت تک مشاہدہ میں نہیں آ سکتی۔ جب تک کوئی شیعہ یوم قیامت کا مفہوم نہ سمجھ لے۔ بلکہ قیامت کے متعلق لوگوں نے جو کچھ موہوما سمجھ رکھا ہے۔ عند اللہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اللہ کے نزدیک یوم قیامت سے یہ مراد ہے کہ شجرۂ حقیقت کے ظہور کے وقت سے لے کر ہر زمانہ اور ہر اسم میں اس کے غروب تک قیامت کا دن ہے۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کے یوم بعثت سے لے کر ان کے یوم عروج تک موسیٰ علیہ السلام کی قیامت تھی۔ کیونکہ شجرۂ حقیقت ہیکل محمدیہ (علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام) میں ظاہر ہوا تھا اور شجرۂ بیان کے ظہور سے لے کر (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ کی قیامت ہے۔ جس کا قرآن میں خدائے قدوس نے وعدہ فرمایا ہے۔ اس کا آغاز ۵ر جمادی الاول ۱۲۶۰ھ کی رات کو دو ساعت اور گیارہ دقیقہ کے بعد سے ہوا کہ ۱۲۷۰ھ (علی محمد باب) کی بعثت کا سال بنتا ہے۔ یہی قرآن کے یوم قیامت کا آغاز ہے اور شجرۂ حقیقت کے غروب سے لے کر قرآن کی قیامت ہے۔ کیونکہ جب تک کوئی چیز کمال تک

نہ پہنچ جائے۔ اس کی قیامت نہیں ہوسکتی اور دین اسلام کا کمال اوّل ظہور تک ختم ہوگیا اور من یظہرہ اللہ کے ظہور پر بیان کی قیامت آجائے گی۔ کیونکہ اس وقت بیان کا کمال ختم ہوجائے گا۔ جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک لغو پیشین گوئی کر رکھی ہے کہ تین سو سال کی مدت میں ساری دنیا کا مذہب (معاذ اللہ) مرزائی ہوجائے گا۔ اسی طرح باب بھی کہہ گیا ہے کہ عنقریب سارے ایران کا مذہب بابی ہوجائے گا۔ لیکن یہ خواب نہ اب تک شرمندۂ تعبیر ہوا اور نہ یقیناً آئندہ ہوگا۔ اس لئے اس کو اضغاث احلام میں داخل سمجھنا چاہیے۔

آیات قرآنی کو باب پر چسپاں کرنے کی کوشش

مرزا غلام احمد قادیانی کی حق فراموش امت سخت ملحدانہ دیدہ دلیری کے ساتھ بعض آیات قرآنیہ کو مرزا غلام احمد پر چسپاں کرنے کی کوشش کیا کرتی ہے۔ گو اس عیاری میں مرزائیوں کی حیثیت محض ناقلانہ و مقلدانہ ہے اور اس فن میں ان کے اصل گرو بابی لوگ ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک ایسی حرکت ہے جو ان کے فاقد الایمان ہونے مہر توثیق ثبت کرتی ہے۔ بابیوں کی اس الحاد پسندی کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ ''ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادی الصالحون'' کا صحیح مفہوم تو یہ ہے کہ بلاشبہ ہم نے توراۃ کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ اس سرزمین کے مالک میرے صالح و شائستہ بندے ہوں گے۔ یعنی اخیر زمانہ میں نبی آخر الزمان پیدا ہوں گے اور ان کی امت اس زمین پر غالب آئے گی۔ لیکن حاجی مرزا جانی بابی اس کی تفسیر میں یوں گوہر افشانی کرتا ہے۔ ہم نے زبور میں لکھا تھا کہ ذکر یعنی علی محمد باب کے ظہور کے بعد میرے نیک بندے زمین کے مالک ہوں گے اور اگر ذکر سے مراد قرآن لیا جائے تو بھی ظاہر ہے کہ قرآن کے بعد کتاب بیان ہے۔ جس کے حامل حضرت ذکر (علی محمد باب) ہیں۔ رہا سلطنت الٰہی کا ظہور سو عرض ہے کہ سلطنت الٰہی نے دلوں کی سرزمین میں تجلی فرمائی ہے۔ اسی کائنات قلب و روح میں ایسے ایسے پاکباز لوگ پیدا ہوئے ہیں کہ چشم روزگار نے اس سے پیشتر کبھی نہ دیکھے تھے اور ضرور ہے کہ سلطنت ظاہری بھی ان حضرات کو بہم پہنچے گی۔ گو ہزار سال کی مدت ہی کیوں نہ گذر جائے۔ پس اس آیۃ کا جزئی مصداق تو جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور کلی طور پر حضرت قائم (علی محمد باب) ہیں اور سچ پوچھو تو حضرت قائم علیہ السلام کا ظہور بھی محمد علیہ السلام ہی کی رجعت ہے۔ عارف باللہ اور عبد منصف کے لئے سارا قرآن حضرت قائم کی عظمت شان کی باطنی تفسیر ہے۔

(نقطۃ الکاف ص ۲۷۲، ۲۷۳)

باب ۶۳ ...... ملا محمد علی بارفروشی

ملا محمد علی بارفروشی جسے بابی لوگ قدوس کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ علی محمد باب کا سب سے بڑا خلیفہ تھا۔ اس کے بعض حالات باب سابق میں سپرد قلم ہو چکے ہیں۔ مقام قدوسیت اور رجعت رسول اللہ ﷺ کا مدعی تھا۔ رجعت رسول اللہ سے اس کی یہ مراد تھی کہ آنحضرت ﷺ از سرنو دنیا کے اندر تشریف لاکر (معاذ اللہ) بارفروشی کے پیکر میں ظاہر ہوئے ہیں اور میرا خیال ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے بارفروشی ہی کے چبائے ہوئے لقمے کو اپنے خوان الحاد کی زینت بنا لیا تھا۔ چنانچہ قادیانی صاحب نے ۵؍نومبر ۱۹۰۱ء کے اشتہار میں لکھا کہ: ''میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیۃ ''واخرین منهم لما یلحقوا بهم'' بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت ﷺ کا وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ﷺ ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی۔''

(ایک غلطی کا ازالہ ص۸، خزائن ج۱۸ ص۲۱۲)

حاجی مرزا جانی کاشانی نقطۃ الکاف میں لکھتا ہے کہ بارفروشی کے حق میں بہت سی حدیثیں آئمہ دین سے وارد ہیں۔ منجملہ ان کے وہ حدیث ہے کہ جب سیاہ جھنڈے خراسان کی طرف سے آتے دیکھو تو سمجھ لو کہ ان میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہے۔ ایک وہ حدیث ہے جس میں چار جھنڈوں کا ذکر ہے۔ رایت یمانی، حسینی، خراسانی، طالقانی۔ یہ چاروں جھنڈے حق ہیں اور سفیانی پرچم جوان چاروں کے بالمقابل ہے۔ باطل ہے۔ حاجی مرزا جانی لکھتا ہے کہ اس حدیث میں رایت یمانی سے مراد جناب ذکر (علی محمد باب) ہے اور رایت حسینی سے حضرت قدوس (ملا محمد علی بارفروشی) کا پرچم ہے۔ رایت خراسانی سے سید الشہداء علیہ السلام (ملا حسین بشرویہ) کا جھنڈا مقصود ہے۔ جس نے خراسان سے حرکت کی تھی اور طالقانی جھنڈا سے جناب طاہرہ (قرۃ العین) مراد ہے کہ جس کا باپ طالقانی تھا اور سفیانی جھنڈا ناصر الدین شاہ والی ایران کا پرچم ہے۔ بابیوں نے قائمیت کا منصب دو شخصوں کو دے رکھا تھا۔ ایک مرزا علی محمد باب کو دوسرا محمد علی بارفروشی کو۔ لیکن بابیوں کی بعض تحریروں میں ملا بارفروشی کو علی محمد باب سے بھی فائق و برتر بتایا گیا ہے۔ چنانچہ حاجی میرزا جانی کاشانی لکھتا ہے کہ اس دورہ میں اصل نقطہ

حضرت قدوس (ملا بارفروشی) تھے اور جناب ذکر (علی محمد) اس کے باب (وسیلہ) تھے۔ لیکن چونکہ رجعت کا دورہ تھا اور ولایت ظہور میں نبوت پر سبقت لے گئی۔ اس لئے جناب ذکر (علی محمد) پہلے ظاہر ہو کر تین سال تک داعی الی الحق رہا۔ اس کے بعد چوتھے برس حضرت قدوس (ملا بارفروشی) ظاہر ہوئے۔ (نقطۃ الکاف ص۱۵۲، ۱۵۳، ۲۰۷، ۲۰۸)

باب ۶۴ ...... زرین تاج معروف بہ قرۃ العین

زرین تاج عرف قرۃ العین ایک اعجوبۂ روزگار عورت گذری ہے۔ اس کا باپ حاجی ملا صالح قزوین کا ایک مشہور شیعی عالم تھا۔ باپ نے اس کو گھر ہی میں اعلیٰ تعلیم دلائی۔ جب حدیث تفسیر اور فقہ کے علاوہ الٰہیات وفلسفہ میں کامل دستگاہ حاصل کر چکی تو اس کی شادی اس کے حقیقی چچا مجتہد العصر ملا محمد تقی کے فرزند ملا محمد کے ساتھ ہوگئی۔ جو جملہ علوم میں تبحر رکھنے کے ساتھ ایک جوان صالح تھا۔ جب زرین تاج نے علی محمد باب کے حالات سنے تو خفیہ طور پر باب کو خط لکھا۔ باب نے اس کے جواب میں جو چٹھی لکھی اس کو پڑھ کر وہ بے دیکھے اس پر ایمان لے آئی۔ قرۃ العین نے چند روز تک اپنی بابیت کو مخفی رکھا اور پوشیدہ ہی پوشیدہ دونوں میں مراسلت رہی۔ آخر جب باب نے دیکھا کہ یہ بحث مناظرہ میں طاق اور اپنی دھن میں پکی ہے تو اسے لکھ بھیجا کہ اب تم ملت بابیہ کی دعوت وتبلیغ شروع کر دو اور اس کے ساتھ باب نے اسے قرۃ العین (آنکھ کی پتلی) کا خطاب مستطاب بھی عطاء کیا۔ قرۃ العین بابیت میں ایسی راسخ العقیدہ نکلی کہ اس نے باب کی راہ محبت میں حب مال وعیال اور اسم ورسم کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لیں۔ حاجی مرزا جانی لکھتا ہے کہ قرۃ العین بابی مسلک کے نشر وابلاغ میں اور براہین وادلہ، مذہب کے پیش کرنے میں اس درجہ پر پہنچی ہوتی تھی کہ باب کے بڑے بڑے پیرو بھی جن میں سے بعض تو صفوۂ دہر اور سرآمد روزگار تھے۔ اس کے ادراک سے عاجز تھے۔ قرۃ العین نے پہلے گھر ہی میں تبلیغ کی طرح ڈالی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میاں بی بی میں بحث چھڑ گئی۔ ملا محمد نے لاکھ سر مارا لیکن بی بی کے خیالات بدلے نہ جا سکے۔ آخر شوہر نے اپنے باپ اور خسر سے شکایت کی۔ انہوں نے بھی قرۃ العین کو بہت سمجھایا۔ مگر وہ کسی طرح قائل نہ ہوئی۔ بلکہ باپ، چچا اور شوہر کی مخالفت پر آمادہ ہوئی۔ قرۃ العین نے شوہر سے ملنا جلنا بات چیت ترک کر دی۔ باپ نے بڑی کوشش کی کہ یہ کسی طرح اپنے میاں ملا محمد سے مصالحت کرے۔ لیکن قرۃ العین نے کسی طرح قبول نہ کیا۔ جب باپ کا اصرار بہت بڑھا تو کہنے لگی کہ میں طاہرہ ہوں۔ (باب نے اس کو طاہرہ کا خطاب بھی دیا تھا) اور میرا شوہر امر حق کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے

خبیث و مردود ہو گیا ہے۔ چونکہ ہمارے درمیان جنسیت نہیں رہی۔ اس لئے یہی باطنی عدم جنسیت طلاق و تفریق کا حکم رکھتی ہے۔ اس کے بعد اپنے باپ سے کہنے لگی کہ عہد رسالت میں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ مکہ کی جو عورتیں حضرت رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں اور ان کے شوہر بدستور کافر رہے۔ پیغمبر خدا ﷺ نے انہیں بے طلاق دوسروں کے عقد ازدواج میں دے دیا۔

پردے کی پابندی

قرۃ العین نے بغیر اس کے کہ شوہر اور خسر کی اجازت یا عدم اجازت کی کچھ پروا کرے اپنے گھر میں ملت بابیہ کی دعوت و تبلیغ کی محفلیں گرم کرنی شروع کر دیں۔ جن میں خلقت کثیر جمع ہو جاتی۔ جب شوہر اور خسر کی طرف سے اس کام میں مزاحمتیں شروع ہوئیں تو کربلا چلی گئی۔ وہاں اس نے ایک مجلس درس قائم کی۔ اس مجلس میں پردے کا بڑا اہتمام تھا۔ مرد پس پردہ اور عورتیں پردہ کے اندر بیٹھ کر استفادہ وعظ کرتی تھیں اور خود بھی پس پردہ بیٹھ کر مصروف درس ہوتی تھی۔

(نقطۃ الکاف ص ۱۳۹)

مولوی عبدالحلیم شرر لکھنوی مرحوم نے رسالہ قرۃ العین میں اس کو ایک آزاد خیال عورت بتایا ہے۔ جو بر سر عام اپنے حسن کی نمائش کرتی تھی۔ چنانچہ شرر مرحوم لکھتے ہیں کہ: ''قرۃ العین مزدک کی ہم آہنگ ہو کے کہتی تھی کہ عورتوں کے لئے جائز نہیں کہ کسی ایک ہی کی پابند کر دی جائیں اور دوسرے لوگ اس کے حسن و جمال کی لذت سے محروم کر دیئے جائیں۔'' معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم اور علم و فضل نے اس میں آزادی پیدا کر دی تھی۔ یہ خیال اس کے دل میں پیدا ہوتے ہی ترقی کرتا اور تبحر و تحقیق کے ساتھ بڑھتا گیا۔ اپنی تقریروں میں کہتی تھی کہ اس پردے کو پھاڑ کے پھینک دو۔ جو تمہارے اور تمہاری عورتوں کے درمیان حائل ہے اور انہیں خلوت سے جلوت میں لاؤ۔ عورتیں دنیوی زندگی کے باغ کے خوبصورت پھول ہیں اور پھول صرف اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ آغوش شوق میں رکھے اور سونگھے جائیں۔ وہ گلے لگانے اور لطف اٹھانے ہی کے لئے ہوتے ہیں اور کچھ ضرورت نہیں کہ سونگھنے اور لطف اٹھانے والوں کے لئے کیفیت و مقدار کی قیدیں لگائی جائیں۔ پھول کو جس کا جی چاہے لے اور سونگھے۔ کسی کو روکنے کا حق نہیں ہے۔ تبلیغی محفلوں میں وہ بے نقاب برآمد ہو کے سحر بیانیاں کرتی۔ بہت سے لوگ محض اس کے رخ زیبا دیکھنے اور آنکھیں سینکنے کے شوق میں چلے آتے۔ حسن و جمال اور دلفریبی کی یہ حالت تھی کہ جس نے ایک دفعہ صورت دیکھ لی فریفتہ ہو گیا اور اسی کا دم بھرنے لگا۔ بڑے بڑے لوگ رعب حسن سے ایسے مغلوب ہو جاتے کہ اس کے سامنے لب ہلانے کی جرأت نہ ہوئی۔ مگر یہ بیان مبالغہ آمیز ہے۔ بابی مذہب

کی تمام کتابیں اس پر متفق اللفظ ہیں کہ نہ صرف وہ پردہ کی پابند تھی اور اس کے چہرے پر نقاب پڑی رہتی تھی۔ بلکہ وہ دوسری عورتوں کو بھی حجاب وتستر ہی کی تلقین کرتی تھی۔ پروفیسر براؤن لکھتے ہیں کہ میں نے صبح ازل سے پوچھا تھا کہ یہ جو مشہور ہے کہ قرۃ العین نے (دائرہ بابیت میں داخل ہونے کے بعد) برقعہ اتار دیا تھا۔ اس میں کچھ صداقت ہے یا نہیں؟ صبح ازل نے جواب دیا کہ یہ غلط ہے کہ اس نے بے پردگی اختیار کر لی تھی۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ تقریروں میں فصاحت وخوش بیانی کی داد دیتے وقت بعض اوقات اپنے جذبات سے اس درجہ مغلوب ہو جاتی تھی کہ وہ چشم زدن کے لئے چہرے سے نقاب الٹ دیتی تھی۔ لیکن پھر معاً چہرہ ڈھانک لیتی تھی۔

(اپی سوڈ اوف باب ص ۳۱۴)

قرۃ العین نے کربلا میں جو درس قائم کر رکھا تھا۔ گو وہ بادی النظر میں مجلس درس وتدریس تھی۔ لیکن فی الحقیقت وہ اس کی آڑ میں بابیت کی تبلیغ کرتی تھی۔ جب کربلا میں اس کی تبلیغی سرگرمیوں کا شہرہ ہوا اور کربلا کے ترک حاکم نے دیکھا کہ اس کے شرکائے درس بابیت میں داخل ہوتے جا رہے ہیں تو حاکم نے اس کے گرفتار کرنے کا قصد کیا۔ کہنے لگی میں مقام علم کی مدعی ہوں۔ تم اپنے علماء کو جمع کرو۔ تاکہ میں ان سے گفتگو کروں۔ آخر حاکم کربلا نے حکم دیا کہ جب تک اس کے متعلق بغداد سے حکم نہ آ جائے کربلا سے باہر نہ جانے پائے۔ لیکن وہ کسی ترکیب سے کربلا چھوڑنے میں کامیاب ہوگئی۔ یہاں سے اس نے سیدھا بغداد کا رخ کیا۔

حاجی ملا تقی قزوینی کا قتل

بغداد پہنچ کر اس نے مفتی اعظم سے ملاقات کی اور نہایت قابلیت کے ساتھ بانی تحریک پر روشنی ڈال کر باب کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔ اس کے بعد مفتی اعظم سے درخواست کی کہ وہ انہیں تبلیغ بابیت کی اجازت دیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اسلام کا مفتی بھلا اسے کیونکر اجازت دے سکتا تھا کہ وہ کھلے بندوں مسلمانوں کے متاع ایمان پر ڈاکے ڈالتی رہے۔ مفتی اعظم سے ناامید ہو کر وہ گورنر سے ملی اور تبلیغ کی اجازت چاہی۔ گورنر نے حکم دیا کہ تم ترکی عملداری سے نکل جاؤ۔ ناچار بغداد کو الوداع کہا لیکن بغداد سے نکلتے ہی اس نے بابیت کے ہنگامے برپا کر دیئے۔ وہ پاک کرمان شاہ اور کرمان شاہ سے ہمدان جاتے جاتے اس نے بہت لوگوں کو دائرہ بابیت میں داخل کیا۔ چنانچہ اس نے حسب بیان حاجی مرزا کاشانی توحید کے بعض اسرار ایسے مغلق ومبہم الفاظ میں بیان کئے کہ شیخ صالح عرب، شیخ طاہر واعظ، ملا ابراہیم محلاتی اور آقا سید محمد گلپایگانی ملقب بہ ملیح کے سوا کوئی نہ سمجھ سکا۔ جو لوگ اس کے فہم وادراک سے قاصر رہے۔ انہوں نے زبان رد وطعن دراز

کرتے ہوئے علی محمد باب کے نام شکوہ آمیز خطوط روانہ کئے۔ باب نے ان شکووں کے جواب میں قرۃ العین کو طاہرہ کے خطاب سے مفتخر کیا اور اس کے آثار توحید کو منتسب الی اللہ گردانا۔ یہ دیکھ کر تمام منکر بابی اپنے کئے پر پشیمان ہو کر توبہ واستغفار کرنے لگے۔ قرۃ العین نے ہمدان سے طہران جا کر محمد شاہ والی ایران کو وعظ ونصیحت کرنے کا قصد کیا۔ جب اس کے باپ حاجی ملا صالح کو اس کا علم ہوا تو وہ بھاگا ہوا آیا اور بیٹی کو اس خیال سے باز رکھ کر قزوین لے گیا۔ قرۃ العین تھوڑے دن تو امن وسکون سے رہی۔ لیکن اس نے پھر حسب معمول بابیت کی رٹ لگانی شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خسر اور شوہر میں پھر چپقلش شروع ہوئی۔ اب اس نے فتویٰ دے دیا کہ ملا تقی اور ملا محمد دونوں کافر اور واجب القتل ہیں۔ کیونکہ جو کوئی تبلیغ حق میں مانع ہو اس کا خون حلال ہے۔ یہ فتویٰ سن کر بابیوں میں بلا کا جوش پیدا ہوا اور ہر طرف ایک آگ سی لگ گئی۔ یہاں تک کہ ایک دن نماز فجر سے پہلے ہی چند سر بکف بابی فدائی مسجد میں جا کر چھپ رہے اور جیسے ہی قرۃ العین کے خسر ملا محمد تقی محراب مسجد میں نماز پڑھانے کو کھڑے ہوئے بابی کمینگاہ سے نکلے اور نرغہ کر کے انہیں قتل کر ڈالا اور صرف جاں ستانی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ ناک کان اور تمام اعضاء وجوارح جدا کر کے صورت کو بالکل مسخ کر دیا۔ اس خوفناک حادثہ پر شہر میں آگ سی لگ گئی۔ قرۃ العین کے خلاف ہر طرف طوفان غضب امنڈ آیا۔ لوگ ہتھیار لئے پھرتے تھے کہ قرۃ العین اور اس کے بابی پیرووں کو جہاں پائیں ٹھکانے لگا دیں۔ یہ رنگ دیکھ کر قرۃ العین نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ قزوین سے نکل بھاگے۔ چنانچہ جس قدر بابی مل سکے انہیں ساتھ لیا اور عام سڑکوں کو چھوڑ کر غیر معروف اور مجہول راستوں سے بھاگ کر اس مقام پر حدود خراسان میں داخل ہوئی جہاں ملا حسین بشرویہ نے سلطنت کے خلاف ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔

عبرتناک موت

اس اثناء میں اس نے سنا کہ باب کا زبردست داعی ملا محمد علی بارفروشی بھی اپنی جمعیت کے ساتھ اسی طرف آ رہا ہے۔ جب بارفروشی وہاں پہنچا تو دونوں بڑی گرم جوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملے اور باہم مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کارروائی کریں۔ بارہا دونوں میں تخلیہ ہوا اور زرین تاج کمال آزادی سے بارفروشی سے بے حجاب ملتی رہی۔ چنانچہ بابیوں کے اکثر مخالف واقعہ نگار اس کی اور بارفروشی کی تخلیہ کی ملاقاتوں کو ناجائز اور فاسقانہ تعلقات پر محمول کرتے ہیں۔ اب زریں تاج اور ملا بارفروشی نے ایک ہی محمل میں سوار ہو کر آگے کا سفر کیا۔ جب بدشت کے صحرا میں پہنچے تو رات کو قزاقوں نے لوٹ لیا اور سب کو لنگوٹیاں بندھوا کے چھوڑ دیا۔ یہاں سے تمام بابی

بحال تباہ متفرق و منتشر ہو گئے۔ جس کا جدھر سینگ سمایا اس طرف کو چلا گیا۔ اسی افراتفری میں ملا بارفروشی اور زرین تاج کا ساتھ بھی چھوٹ گیا۔ ملا محمد علی تو بارفروش چلا گیا اور زرین تاج ادھر ادھر سرگردان پھرنے لگی۔ جب بابیوں کے لٹنے اور بحالت تباہ منتشر و پراگندہ ہونے کی خبر مازندران پہنچی تو لوگ بہت خوش ہوئے۔ اب تو یہ حالت ہو گئی کہ بابی جدھر کا رخ کرتے اور جس شہر میں جاتے سخت رسوائی کے ساتھ نکال دیئے جاتے۔ حاکم ساری کو تاج زرین کا حال معلوم ہوا تو پیادے بھیج کر اسے ساری میں طلب کرنا چاہا۔ لیکن وہ نور کو چلی گئی۔ کچھ مدت نور میں رہی۔ آخر باشندگان نور نے اسے گرفتار کر کے حکام کے حوالے کر دیا۔ حکام نے اسے طہران بھیج دیا۔ یہاں وہ محمود خاں کلاں ترکی کی حراست میں رکھی گئی اور اگست ۱۸۵۲ء تک جبکہ وہ قتل ہوئی ہے۔ اسی مکان پر رہی۔ گو محمود خاں کے مکان پر بظاہر نظر بند تھی۔ لیکن وہ مختلف بابیوں کے ساتھ شہر کے مختلف حصوں میں بارہا دیکھی گئی۔ جہاں وہ طرح طرح کے حیلے حوالے کر کے چلی جاتی تھی۔

دو ڈھائی سال اسی طرح گذر گئے۔ آخر جب ناصر الدین شاہ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تو یہ بھی ان اٹھائیس ماخوذین میں داخل تھی جو واجب القتل ٹھہرائے گئے تھے۔ تاریخ نگار اس میں باہم مختلف البیان ہیں کہ قرۃ العین کس طرح ہلاک کی گئی؟ بعض کہتے ہیں کہ اس کا گلا گھونٹ کر اس کی نعش جلا دی گئی۔ بعض کا بیان ہے کہ باغ ایلخانی میں لے جا کر تانت سے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے باغ لالہ زار میں ہلاک کیا گیا۔ بعض بیان کرتے ہیں کہ اسے قصر شاہی کے ایک باغ میں جسے نگارستان کہتے تھے لے جا کر دھکیل دیا گیا اور کوئیں کو پتھروں سے پاٹ دیا گیا۔

(اپی سوڈ اوف دی باب ص ۳۱۳ مطبوعہ کیمرج)

ایک بیان یہ ہے کہ اس کی زلفیں چاروں طرف سے کاٹ ڈالی گئیں اور چندیا کے گردا گرد سر مونڈ ڈالا گیا۔ پھر سر کے بیچ کے بال ایک خچر کی دم میں باندھے گئے اور لوگ اس طریقہ سے کھینچتے ہوئے اسے دار القضا میں لائے۔ محکمہ قضاء نے حکم نافذ کیا کہ زندہ آگ میں جلا دی جائے۔ لیکن قاتلوں نے گلا گھونٹ کے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا اور مرنے کے بعد اس کی لاش آگ میں پھونک دی گئی۔ لیکن میرے نزدیک مؤخر الذکر روایت ناقابل اعتماد ہے۔ شرر مرحوم نے یہ لکھنے میں غلطی کی ہے کہ قرۃ العین علی محمد باب کے مارے جانے سے دو سال پیشتر ہلاک کی گئی۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ باب بتاریخ ۹ رجولائی ۱۸۵۰ء قتل ہوا تھا۔ (اپی سوڈ اوف دی باب ص ۴۵) اور قرۃ العین کو اگست ۱۸۵۲ء میں خاک ہلاک پر ڈالا گیا۔

(اپی سوڈ اوف دی باب ص ۳۱۴)

حضرت فاطمہؓ کے مظہر ہونے کا دعویٰ

قرۃ العین، سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے مظہر ہونے کی دعویدار تھی۔ اسے بابیت میں اتنا شغف اور غلو تھا کہ غیر بابیوں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا تھا۔ حاجی مرزا جانی کاشانی لکھتا ہے کہ راہ استدلال میں پہاڑ کی چٹان سے زیادہ مضبوط تھی اور اسی کا اثر تھا کہ لوگ اسے بابی مذہب کا رکن رابع یقین کرتے تھے۔ حسب بیان حاجی مرزا جانی قرۃ العین کو کسی امام معصوم کی ایک حدیث پہنچی تھی کہ جو کوئی ہمارے کامل شیعوں کو دشنام سے یاد کرے گا وہ گویا ہم پر سب وشتم کرے گا اور جو ہمیں دشنام دے گا وہ گویا رسول اللہ ﷺ کو گالی دے گا اور ایسا شخص ناصبی، کافر اور نجس ہوگا۔ اسی بناء پر وہ بابیوں کے سوا ہر شخص کو کافر اور ناپاک سمجھتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ بازار کی پکی ہوئی چیزیں حرام سمجھ کر نہ کھاتی تھی۔ لیکن اس نے ان مزعومہ حرام ونجس چیزوں کے پاک کرنے کا ایک ڈھکوسلہ بھی بنا رکھا تھا۔ چنانچہ کہتی تھی کہ میری آنکھ حضرت سیدۃ النساءؓ کی چشم مبارک کا حکم رکھتی ہے۔ میں جس نجس اور ناپاک چیز پر ایک نظر ڈال دوں وہ پاک وطاہر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مطہرات یعنی پاک کرنے والی چیزوں میں آل اللہ کی نظر بھی داخل ہے۔ چنانچہ اپنے بابی معتقدین سے کہا کرتی تھی کہ جو چیز بازار سے خریدو وہ میرے پاس لے آؤ۔ تاکہ میں اس پر نظر ڈالوں اور وہ حلال وطیب ہو جائے۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۴۱، ۱۴۲)

قرۃ العین بحیثیت قادر الکلام شاعرہ

قرۃ العین بحیثیت شاعرہ ایران میں بڑی شہرت رکھتی ہے۔ پروفیسر براؤن وغیرہ کو باوجود تفحص بسیار اس کے دو ہی قصیدے مل سکے جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ باب نے اس کو طاہرہ کا لقب دیا تھا۔ اس نے اسی کو اپنا تخلص قرار دے لیا تھا۔

قصیدۂ اوّل

نفحات وصلك او قدت جرات شوقك فی الحشا
زغمت به سینه کم آتشے که نه زد زبانه کماتشا
جذبات شوقك الجمت بسلاسل الغم والبلا
همه عاشقان شکسته دل که دهند جان بره بلا
لمعات وجهك اشرقت وشعاع طلعتك اعتلی
زچه روالست بربکم نزنی؟ بزن که بلیٰ بلےٰ

اگر آن صنم زره ستم پئے کشتن من بے گناہ
لقد استقام بسیفہ فلقد رضیت بما رضیٰ
توکہ غافل ازمے وشاھدی پئے مرد عابد وزاھدے
چہ کنم کہ کافر وجاحدی زخلوص نیت اصطفا
توومالك وجاہ سکندری من ورسم وارہ قلندری
اگر آں خوش ست تودر خوری وگر ایں بدست مراسزا
من وعشق آن مہ خوبروکہ چوزد صلاے بلابرو
کہ نشاط وقہقہ شد فروکہ انا الشھید بکربلاء
بجواب طبل الست توزدلا چوکوس بلےٰ زدند
ہمہ خیمہ زد بدردلم سپہ غم وحشم وبلا
چہ شود کہ آتش حیرتے بزنی بقلۂ طور دل
فصککت ودککت متدکد کنا متزلزلا
پئے خوان دعوت عشق اوھمہ شب زخیل کروبیاں
رسد ایں صفیر مہیمنے کہ گروہ غمزدہ الصلا
ھلہ اے گردہ امامیاں بکشید ولولہ رامیاں
کہ ظہور دلبر ماعیاں شدہ فاش وظاھر وبرملا
گرتاں بود طمع بقا درتاں بود ھوس لقا
زوجود مطلق مطلقا برآن صنم بشویدلا
طلعت زقدس بشارتے کہ ظہور حق شدہ برملا
بزن اے صبا توبمحضرش بگروہ زندہ دلاں صدا
چوشنید نالۂ مرگ من پئے ساز من شدو برگ من
فمشی الی مھرولا وبکے علی مجلجلا
ھلہ اے طوائف منتظر زعنایت شہ مقتدر
مہ مفتخر شدہ مشہر متبھیا متھللا
دو ھزار احمد مجتبیٰ زبروق آن شہ اصفیا
شدہ مختفی شدہ درخفا متدثرا متزملا

توکه فلس ماهئے حیرتی چه زنی زبحر وجود دم
بنشین چوطاهره دمبدم بشنو خروش نهنگ لا
طلعات قدس بشارتی که جمال حق شده برملا
بزن مے صبا تو بساحتش بگروه غمزدگان صلا
شده طلعت صمدی عیاں که بپا کند علم بیاں
زگمان ووهم جهانیاں جبروت اقدس اعتلا
بسریر عزت وفخر شان بنشسته آں شه بے نشاں
بزدآں صلا ببلاکشاں که گروه مدعی الولا
چوکسی طریق مرارود کنمش ندا که خبر شود
که هر آنکه عاشق من شود زهد زمحنت وابتلا
کسی نه کرد اطاعتم نه گرفت حبل ولایتم
کنمش بعید زساحتم دهمش بقهر ببادلا
صمدم زعالم سرمدم احدم زمنبع اوحدم
پئے اهل افتده آمدم هلم الینا مقبلا
قبسات نار مشیتی نادت الست بربکم
بگذر بساحت قدسیاں بشنو صفیر بلے بلے
منم آن ظهور مهیمنی منم آں منیت بے منی
منم آں سفینۂ ایمنی ولقد ظهرت مجلجلا
شجر مرقع جاں منم ثمر عیاں ونهاں منم
ملك الملكوك جهاں منم ولی البیان وقد علا
شهدائے طلعت نارمن بدوید سوئے دیار من
سروجاں کنید شارمن که منم شهنشه کربلا
بزنید نغمه زهر طرف که زوجه ماطلع ماعرف
رفع القناع وقد کشف ظلم اللیال قد انجلی
برسید باسپه طرف صنمی عجم صمدی عرب
بدمید شمس هدیٰ غرب بدوید الیه مهرولا

فوران نارز ارض فانواران نورزشهرطا
ظهران روح زشطرها ولقد علاوقداعتلا
طيرالعماء تکفکفت ورق البهاء تصفصفت
ديك الضياء تذورقت متجملاً متجللاً
ذظهور آن شه آليه زالست آن مه بار
شده آلهه همه والهه ننغيات بلیٰ بلیٰ
بتموج آمده آن یمے که بکر بلاش بحرمے
متظهراست بهرد مے دوهزار وادئے کربلا
زکمان آن رخ پردله زکمند آن مه ده وله
دوهزار فرقه وسلسله متفرقاً متسلسلا
همه موسیان عمائیش همه عیسیان سمائیش
همه دلبران بقائیش متولها متزملا
بحرالوجود تموجت لعل الشهود تولجت
صعق الحمود تلجلجت بلقائه متجملا
تلل جمال زطلعتش قلل جبال زرفعتش
دول جلال زسطوش متخشعا متزلزلا
دلم ازدوزلف سیاه اوز فراق روی چوماه او
بتراب مقدم راه اوشده خون من متبلبلا
زغم توائے مه مهربان زفراقت ای شه دلبران
شده روح هیکل جسمیان متخفخفا منخلخلا
تودآن تشعشع روے خود توآن ملمع موے خود
که رسانیم تو بکوے خود متترعاً متعجلاً
نه چوزلف غالیه بار اونه چوچشم فتنه شعاراو
شده نافهٔ بهمه خستن شده کافرے بهمه خطا
سحر آن نگار ستمگرم قدمے نهاده به بسترم

واذا رایت جمالہ طلع الصباح کانما
بمراد زلف معلقی پے اسپ وزین مغرقی
ہمہ عمر منکر مطلقی زفقیر فارغ بے نوا
بگذر زمنزل ماومن بگزین بملك فنا وطن
فاذا فعلت بمثل ذا فلقد بلغت بماتشاء
چو شکنج زلف تو پر شکن گرہے فتادہ بکار من
بگرہ کشائی زلف خود کہ زکار من گرہے کشا
ہمہ اہل مسجد وصومعہ پئے درد صبح ودعائے شب
من وذکر طرہ طلعت تو من الغدلۃ الی العشا

قصیدہ دوم

گر بتو افتدم نظر چہرہ بچہرہ روبرو
شرح دہم غم ترا نکتہ بنکتہ موبمو
ازپے دیدن رخت ہمچو صبا فتادہ ام
خانہ بخانہ دربدر کوچہ بکوچہ کو بکو
دور وہان تنگ تو عارض عنبریں خطت
غنچہ بغنچہ گل بگل لالہ بلالہ بو ببو
میرود از فراق تو خون دل ازدودیدہ ام
دجلہ بدجلہ یم بیم چشمہ بچشمہ جو بجو
مہر ترا دل حزیں بافتہ برقماش جاں
رشتہ برشتہ نخ بنخ تار بتار پو بپو
دردل خویش طاہرہ گشت ونیافت جزترا
صفحہ بصفحہ لا بلا پردہ بپردہ تو بتو

یہ قصائد علی محمد باب کی حمد وثناء اوراس کے اشتیاق ملاقات میں کہے گئے ہیں۔ ان اشعار میں جو فصاحت وبلاغت بلند خیالی اور شوکت الفاظ ہے۔ یقین ہے کہ وہ قارئین سے خود خراج تحسین وصول کرلے گی۔

باب ۶۵ ...... شیخ بھیک اور شیخ محمد خراسانی

دو مسیحان کاذب

بعض ناواقف گمان کرتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی ہی وہ حضرت ہیں جنہوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے علم مسیحیت بلند کر کے خلق خدا کو گمراہ کیا۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ ان سے پہلے بھی سرزمین ہند میں مسیحان کذاب گزر چکے ہیں۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سید محمد جونپوری نام ایک صاحب نے جنہیں ان کے پیرو میراں جی کہا کرتے تھے۔ ۹۰۱ھ میں یعنی آج سے قریباً ساڑھے چار سو سال پہلے ہندوستان میں مہدویت کا دعویٰ کیا تھا۔ ان کے پیرو مہدوی کہلاتے ہیں۔ احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہور مہدی علیہ السلام کے کچھ عرصہ بعد حضرت مسیح علیہ السلام نازل ہوں گے۔ جب سید محمد جونپوری کو دعوائے مہدویت کئے کچھ عرصہ گذر چکا تو ان کے پیرو حضرت مسیح علیہ السلام کی تشریف آوری کے لئے چشم براہ ہوئے۔ لیکن ان کے خلاف توقع مسیح علیہ السلام نے قدم رنجہ نہ فرمایا۔ کیونکہ ان کی تشریف آوری سچے مہدی علیہ السلام کے ظہور کے ساتھ وابستہ ہے۔ آخر سید جونپوری کے مریدوں میں سے ایک شخص شیخ بھیک نام مسیحیت کا مدعی بن بیٹھا۔ (شیخ بھیک اور شیخ محمد خراسانی کا تذکرہ سید محمد جونپوری کے بعد درج ہونا چاہئے تھا۔ لیکن غلطی سے قلم انداز ہو گیا۔ اس لئے مجبوراً یہاں قلمبند کیا گیا ہے)

لیکن ظاہر ہے کہ جب تک شیخ بھیک کو سید جونپوری کی بارگاہ سے مسیحیت کی سند صداقت نہ ملتی وہ مہدویہ میں سچا مسیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جب شیخ بھیک، میراں جی کی خدمت میں حاضر ہوا تو میراں جی نے فرمایا کہ تجھ کو عیسیٰ کس نے بنایا؟ اس نے کہا اسی نے جس نے آپ کو مہدی بنایا۔ میراں جی نے کہا تو جھوٹا مسیح ہے۔ کیونکہ تیری ماں تو فلانی تھی۔ آنے والے عیسیٰ تو مریم کے فرزند ہوں گے اور ڈانٹ کر کہا کہ اگر تو پھر مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔ شیخ بھیک پر اس وقت تو اس وعظ کا کچھ اثر نہ ہوا۔ لیکن چند روز کے بعد خود ہی اس دعویٰ سے رجوع کر لیا۔ میراں جی نے کہا کہ اب بالائے آسمان سے کس طرح اتر آئے؟ پھر خود ہی کہہ دیا کہ ہاں یہ بھی ایک مقام تھا۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۱۷۳)

مہدویہ میں سید محمد جونپوری کی رحلت کے بعد دو اور خانہ ساز مسیحان موعود کا پتہ چلتا ہے۔ حسب بیان مولانا محمد زمان خاں شہید مہدویہ کی ایک کتاب انصاف نامہ کے اٹھارویں باب میں لکھا ہے کہ سید محمد جونپوری کے ایک خلیفہ خوندمیر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میاں خوندمیر نے فرمایا

کہ میں آج رات بتوجہ تمام بیٹھا تھا اور میراں جی کو بچشم خود دیکھتا تھا۔ میں نے پوچھا میراں جی! مہتر عیسیٰ کس وقت آئیں گے؟ فرمایا نزدیک۔ میں نے پوچھا آپ کے ساٹھ سال بعد آئیں گے؟ کہا نزدیک۔ پھر پوچھا آپ کے پچاس برس بعد آئیں گے؟ فرمایا نزدیک۔ پوچھا آپ سے چالیس برسؒ کے بعد آئیں گے؟ کہا نزدیک۔ میں نے دریافت کیا کہ تیس سال بعد آجائیں گے؟ فرمایا نزدیک۔ پوچھا دس سال کے بعد آجائیں گے؟ کہا نزدیک۔ اس کے بعد ایک طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ یہ دیکھو مہتر عیسیٰ حاضر ہیں۔ خود ان سے پوچھ لو۔ میاں خوندمیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور بہت سی باتیں دریافت کیں۔ لیکن یہ پوچھنا بھول گیا کہ آپ کب تشریف لائیں گے؟ اس مکاشفہ کے بیس سال بعد جونپوری کے ایک مرید شیخ محمد خراسانی نے سندھ میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اسلامی حکومت تھی۔ اس قسم کی فتنہ پردازی ایک منٹ کے لئے برداشت نہیں کی جاسکتی تھی۔ خراسانی زیر حراست کر لیا گیا اور بادشاہ شریعت پناہ کے حکم سے اس کا سر قلم کیا گیا۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۱۷۲، ۱۷۳)

اسلامی سلطنتوں میں فتنہ پرداز مسیحوں اور خانہ ساز مہدیوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ اسی انجام کے پیش نظر مسیح قادیان نے نہ کبھی حج کے لئے مکہ معظمہ جانے کی جرأت کی اور نہ امیر افغانستان کی دعوت پر سرزمین افغانستان کا رخ کیا۔

ایک اور مسیح دجال

اسی انصاف نامہ میں مذکور ہے کہ جونپوری کے مریدوں میں ابراہیم بزلہ نے بھی عیسویت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس سے بھی یہی کہا گیا کہ آنے والے عیسیٰ تو مریم کے فرزند ہیں اور تیرے ماں اور باپ فلاں ہیں۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۱۷۳)

معلوم نہیں کہ میاں بزلہ اس کے بعد تائب ہو گیا یا مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح اپنی ہٹ پر قائم رہ کر بدستور اغوائے خلق میں مصروف رہا؟

باب ۶۶ ...... مؤمن خاں اچی

مؤمن خاں اچی جسے حاجی مرزا جانی کاشی اور دوسرے بابیوں نے مؤمن ہندی کے نام سے یاد کیا۔ سید جلال الدین بخاریؒ کے خانوادہ میں سے تھا۔ جو اچ میں کاملین عرفاء میں سے گذرے ہیں۔ سات سال کی عمر میں چیچک یا کسی دوسرے عارضہ سے اندھا ہو گیا تھا۔ اس کا رجحان طبع دین کے بجائے دنیا کی طرف زیادہ تھا۔ اس لئے اوائل عمر میں دینی علوم کی بجائے

دنیوی علوم کی تحصیل میں منہمک رہا۔ علم طب، نجوم جفر اور صناعت میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ متعدد زبانیں جانتا تھا۔ بیس سال کی عمر میں حج بیت اللہ کا قصد کیا۔ جب بمبئی پہنچا تو بدنصیبی سے وہاں کسی بابی سے ملاقات ہوگئی۔ اس بابی نے بتایا کہ ایران میں ایک جلیل القدر ہستی نے مقام بابیت کا دعویٰ کیا ہے۔ بابی نے اپنے مقتداء کے من گھڑت فضائل میں اتنا مبالغہ کیا کہ مؤمن دام فریب میں آ گیا اور بن دیکھے اس کا والہ وشیدا ہوگیا۔ شومی قسمت نے کہا کہ جس طرح تو آنکھوں کا اندھا ہے۔ اسی طرح دل کا بھی اندھا کر کے چھوڑوں گی۔ سوء اتفاق سے باب بھی اس سال مکہ معظمہ آیا ہوا تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں اس کو نقد ایمان دے بیٹھا۔ دوسرے لوگ بیت اللہ جا کر کسب سعادت کرتے اور اپنی مغفرت کے سامان مہیا کرتے ہیں۔ لیکن اس بدنصیب نے وہاں جا کر شقاوت وضلالت سے اپنے جیب وداماں بھر لئے۔ اس نے بابیت کیا پائی، گویا اس کو گم گشتہ جواہر والآ لی مل گئے۔ مراجعت وطن کا خیال ترک کر کے ایران کا قصد کیا اور ہمیشہ کے لئے وہیں کا ہو رہا۔ جن ایام میں بابیوں نے مازندران میں اودھم مچا رکھا تھا۔ مؤمن ان دنوں وہاں پہنچا۔ ہر چند کوشش کی کہ قلعہ میں داخل ہوکر بابیوں میں شامل ہو جائے۔ مگر کامیاب نہ ہوا۔ انہی دنوں میں ایک شخص مرزا مصطفےٰ کرد مؤمن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگیا۔ مؤمن نے اس کی رفاقت میں گیلان کا سفر کیا۔ اہل گیلان نے ان کی بڑی مخالفت کی۔ گیلان سے انزلی گئے۔ مؤمن نے وہاں پہنچ کر بڑی سرگرمی سے بابیت کا نغمہ چھیڑ دیا۔ وہاں کے باشندوں کو اس درجہ ناگوار ہوا کہ خورد ونوش کے مہیا کرنے سے انکار کر دیا۔ جب اس پر بھی اندھا وہاں سے نہ ٹلا تو لوگوں نے آدھی رات کے وقت وہاں سے جبراً نکال دیا۔ یہاں سے قزوین اور قزوین سے طہران گیا۔ وہاں صبح ازل اور بہاء اللہ سے ملاقات ہوئی۔ بہاء اللہ نے یہ دیکھ کر کہ یہ باب کے طریقۂ محبت میں صادق ہے۔ بہت کچھ نوازشیں کیں۔ صبح ازل نے اسے برعکس نہند نام زنگی کافور کے حسب مصداق بصیر (بینا) کے نام سے موسوم کیا۔ کچھ دنوں کے بعد مؤمن رجعت حسنی کا دعویدار ہوا اور اپنے اس دعویٰ کے متعلق صبح ازل اور بہاء اللہ کو اطلاع دی۔ صبح ازل نے اس دعویٰ کی تصدیق کی اور جواب خط میں ابصر الابصر (بیناؤں میں سب سے بڑا بینا) کا خطاب دیا۔ صبح ازل نے اندھے کے نام جو عربی خط لکھا اس میں یہ الفاظ بھی تھے۔ ''یا حبیب انا قد اصطفیناك بین الناس '' اے حبیب! ہم نے تمہیں لوگوں میں سے منتخب و برگزیدہ بنالیا ہے۔ اس دعویٰ کے بعد ارض قاف کا رخ کیا۔ وہاں بھی بہت سی مخلوق اس کی حرارت محبت میں جذب ہو کر گمراہ ہوئی۔

بابیوں کے پروردگار

بابیوں کی ایک نہایت شرمناک کجروی یہ تھی کہ وہ علی محمد باب کو بے تکلف پروردگار عالم اور رب اکبر کے خطاب سے مخاطب کیا کرتے تھے۔ جس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید وہ اسی کو اپنا خالق ورازق یقین کرتے ہیں۔ حاجی مرزا جانی لکھتا ہے۔ زمانے کہ حکم از حضرت رب الاعلیٰ یعنی جناب ذکر علیہ السلام (علی محمد باب) صادر شدہ بود کہ اصحاب بخراسان بردند۔

(نقطۃ الکاف ص ۲۴۰)

اسی طرح جب کور چشم وکوردل مؤمن ہندی ارض قاف سے چل کر چہریق پہنچا تو اس نے باب کو دیکھتے ہی ہذا ربی (یہی میرا پروردگار ہے) کا نعرہ لگایا اور بے خود ہوگیا اور حسب بیان حاجی مرزا جانی کا شانی گریہ وزاری کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کیا۔ ''انا القائم الذی ظهر '' (میں قائم ہوں جو ظاہر ہوگیا ہوں) مؤمن چہریق سے سلماس آیا اور قائم ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ سیکڑوں ہزاروں خوش اعتقاد جان نثاری پر آمادہ نظر آئے۔ مؤمن نہایت نظیف لباس پہنتا تھا۔ حسب بیان حاجی مرزا جانی اس نے ایسی لطافت طبع بہم پہنچائی تھی کہ غذا تک نہ کھا سکتا تھا۔ اس کی تقلیل غذا کا یہ عالم تھا کہ چالیس دن کے بعد گلاب اور قند تناول کرتا۔ خلاصہ یہ کہ ان حدود میں اس نے خوب پاکھنڈ رچایا۔ لوگ جوق در جوق آتے اور اس کی کمند خدع میں پھنستے جاتے تھے۔ جب یہ خبر حاکم خوی کو ہوئی تو اس نے اندھے اور اس کے دو مشہور پیرووں شیخ صالح عرب اور ملا حسین خراسانی کو بلا بھیجا۔ اندھا حاکم کے سامنے جا کر اکڑنے لگا اور قائمیت کا دعویٰ کر کے بولا میں چنیں وچناں کر ڈالوں گا۔ حاکم نے غضبناک ہوکر حکم دیا کہ تینوں کو بید لگائے جائیں۔ چنانچہ حکم کی دیر تھی۔ بید پڑنے لگے۔ جب تک حواس قائم رہے تینوں بید کی ہر ضرب پر ''انـی انـا اللہ '' (بلاشبہ میں خدا ہوں) پکارتے رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف باب ہی ان کا خدا نہ تھا۔ بلکہ وہ نابکار خود بھی (معاذ اللہ) خدا ہی بنے پھرتے تھے۔ صالح عرب کی خدائی کا تو وہیں خاتمہ ہوگیا۔ یعنی پٹتے پٹتے ڈھیر ہوگیا۔ باقی دونوں کو اپنی خدائی دعویٰ سے باز آنے کے لئے بار بار کہا گیا۔ مگر وہ ہر دفعہ یہی جواب دیتے تھے کہ ہم منافق نہیں ہیں کہ مار سے ڈر کر اپنے خیالات سے رجوع کرلیں۔ ہم نے جام محبت پیا ہے۔ اس شراب کا نشہ کبھی نہیں اتر سکتا۔ آخر اندھے اور اس کے مرید ملا خراسانی کے سر منڈائے گئے۔ (ڈاڑھیاں شاید پہلے ہی چٹ ہوں گی) اور گدھوں پر سوار کرا کے خوب تشہیر کی گئی۔ غرض ان کی خدائی کی خوب مٹی پلید ہوئی۔ لیکن وہ کسی طرح باز نہ آئے۔ اندھے کو تو ارزن الروم بھیج دیا گیا۔ دوسرے کا حال معلوم نہیں۔

دو بابی مذہبی پیشواؤں کا دلچسپ جھگڑا

جس طرح دو بادشاہ اپنی اپنی عظمت واقتدار کے لئے لڑتے ہیں۔ ہر ایک دوسرے سے یہ منوانا چاہتا ہے کہ تم چھوٹے اور ہم بڑے ہیں۔ اسی طرح تقدس کے جھوٹے دعویداروں کی ساری کائنات چونکہ زبانی جمع خرچ ہوتی ہے۔ اس لئے وہ بھی باہم دست وگریبان رہتے ہیں اور دوسروں کی نفی کر کے خود بڑا بننا چاہتے ہیں۔ حالانکہ جس کسی کا دل معرفت الٰہی کے نور سے جگمگا رہا ہو وہ ہمیشہ خاکساری کا شیوہ اختیار کرتا ہے اور اپنے آپ کو خدا کی تمام مخلوق سے ادنیٰ اور کمتر سمجھتا ہے۔ مؤمن ہندی اور علی عظیم خراسانی نام ایک بابی میں بہت دن تک چپقلش جاری رہی۔ حاجی مرزا جانی نے اس اختلاف ونزاع کی تفصیل یہ لکھی ہے کہ علی عظیم کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ باب حضرتین، حبیب ثمرۃ الازلیہ اور سلطان منصور ہے۔ اس لئے تمام مخلوق کا مطاع ہے۔ مؤمن ہندی کہتا تھا کہ تمہاری عزت کا سبب دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ تم آنحضرت (علی محمد باب) کی عبودیت اور قرب کے مدعی ہو۔ دوسرے تمہیں یہ دعویٰ ہے کہ تمہارے نفس کے آئینہ عبودیت میں آنجناب (علی محمد باب) کے شمس بابیت کے آثار حقہ ظاہر ہوتے ہیں۔ تمہارے دونوں دعوے حق ہیں اور تمہارے پاس ظاہری نص (علی محمد باب کا فرمان) بھی موجود ہے اور میں بھی ان دونوں باتوں کا مدعی ہوں اور یہ میزان بھی حق ہے۔ لیکن میرا گمان یہ ہے کہ چونکہ اس شمس عزت کے جلال کے پہلو میں میری عبودیت وفنا کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اس لئے آنحضرت کے آثار ربوبیت جو فطری آیات میں جاری ہوئے ہیں۔ اعظم آیات ہیں۔ چھ مہینے تک دونوں کا جھگڑا چلتا رہا۔ آخر عظیم نے رواداری سے کام لے کر مؤمن کے دعاوی کو تسلیم کر لیا۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۵۹، ۲۶۰)

بابیوں کا عقیدۂ تناسخ

بابی لوگ قیامت کے منکر اور ہنود کی طرح تناسخ ارواح کے قائل تھے۔ ایک مرتبہ کتا بھونک رہا تھا۔ اندھا بے دین کہنے لگا کہ یہ کتا فلاں شخص کی رجعت ہے۔ وہ شخص اس کے پیکر میں معذب ہو رہا ہے۔ حاجی مرزا جانی کا شانی لکھتا ہے کہ اس کے بعد مؤمن ہندی نے اس کے مکان کا پتہ نشان بتا کر کہا کہ اس کا مکان یہاں سے سترہ گھر چھوڑ کر واقع ہے۔ متوفی کے اتنے بیٹے ہیں اور میرے قول کے صدق کی یہ یہ نشانیاں ہیں۔ جب تفحص کیا گیا تو سب باتیں بے کم وکاست صحیح ثابت ہوئیں۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۵۸)

لیکن میں کہتا ہوں کہ اندھا اور اس کا مداح جانی میاں جو چاہیں کہیں اور لکھیں کوئی کسی کی زبان اور قلم کو روک نہیں سکتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ آج تک کوئی شخص اس قسم کے مہمل اور

بعید از قیاس دعویٰ کر کے ان کا کوئی ثبوت کبھی پیش نہیں کر سکا۔ آئے دن لاہور کے ہندو جرائد اس قسم کے من گھڑت افسانے شائع کیا کرتے ہیں کہ فلاں مقام پر ایک خوردسال ہندو لڑکی اپنے پچھلے جنم کے واقعات سناتی ہے۔ لیکن ان سے سوال یہ ہے کہ ہمیشہ ہندو لڑکیاں ہی ایسے مہمل قصے کیوں سناتی ہیں۔ مسلمان یا عیسائی یا یہودی لڑکیاں کیوں نہیں سناتیں؟ اور جب ایک بے تمیز خوردسال لڑکی اپنی گذشتہ زندگی کے حالات سنا سکتی ہے تو تم باتمیز اور عاقل و بالغ ہو کر اپنی تاریخ کیوں نہیں پیش کر دیتے؟ اگر گاندھی جی یا مالوی جی یا منجی جی یا دوسرے ہنود کو اس قسم کا دعویٰ ہو تو وہی اپنی حیات سابقہ کے حالات و واقعات شائع کر دیں۔ اصل یہ ہے کہ تولہ بھر کی زبان ہلا کر یا دو تین ماشہ کا قلم چلا کر بے پر کی ہانک دینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ لیکن دیانت داری اور راست بازی کے ساتھ کبھی کوئی شخص اپنی مزعومہ سابقہ زندگی کا ہرگز دعویٰ نہ کر سکے گا۔ اندھے نے کتے کا سابقہ جنم تو بھانپ لیا۔ لیکن اس نے یہ کبھی نہ بتایا کہ خود وہ پہلے کہاں کس پیکر میں اور کس حالت میں تھا؟ جس طرح اندھے نے کسی کتے کو بھونکتے دیکھ کر کہہ دیا کہ یہ فلاں شخص ہے اور اس کے اتنے بیٹے تھے۔ اسی طرح ہر شخص کسی کتے کو دیکھ کر از راہ کذب و زور کہہ سکتا ہے کہ یہ فلاں متوفی شخص ہے۔ فلاں گھر میں جو بیوہ ہے وہ اسی کی منکوحہ تھی۔ فلاں گھر کے لڑکے اور لڑکیاں سب اسی کی اولاد ہیں۔ غرض یہ ایک مضحکہ خیز دعویٰ ہے۔ جسے کوئی ذی عقل و خرد اصلاً قابل التفات نہیں سمجھتا۔

اندھے کی اندھی پیشین گوئیاں

حاجی مرزا جانی لکھتا ہے کہ شجرۂ مبارکہ ازلیہ کے ظہورات میں سے دوسرا ظہور آقا سید مؤمن ہندی کا تھا۔ اس کی کوشش سے ترکستان میں بابی مذہب کو بہت کچھ ترقی نصیب ہوئی۔ اس نے جو کچھ دعویٰ اور پیش گوئیاں کیں۔ ان کا ظہور ضرور ہوگا۔ لیکن اگر وہ باتیں اس دورہ میں مقدر نہیں تو پھر کسی دوسرے ہیکل و رجعات میں جو امام کا مظہر ہوگا ظاہر ہوں گی۔ کیونکہ مؤمن نے جو کچھ دعویٰ کئے، لسان حق سے کئے۔ حق ہی اس کے اندر بول رہا تھا۔ پس چونکہ لسان اللہ تھی۔ "ان اللہ لا یخلف المیعاد" کے بموجب وہ خدائی وعدے کسی نہ کسی دن ضرور پورے ہو کے رہیں گے۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۱۲، ۲۱۴)

لیکن یاد رہے کہ ہندی اندھے کے اندر اسی طرح حق بول رہا تھا۔ جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی کے اندر بولا کرتا تھا۔ اس لئے میرے خیال میں مناسب ہے کہ پیشین گوئیوں کے غلط نکلنے پر حضرت مسیح موعود کو بھی مؤمن ہندی کے ساتھ شامل کر دینا چاہئے اور یقین رکھنا چاہئے کہ جو

کچھ دعویٰ اور پیش گوئیاں ان دونوں نے کیں ان کا ضرور ظہور ہوگا۔ لیکن اگر وہ باتیں اس دور میں مقدر نہیں تو دس بیس ہزار سال بعد ظاہر ہو جائیں گی۔ بابیوں اور مرزائیوں کو گھبرانا نہیں چاہیے۔

باب ۶۷ ...... مرزا یحیٰی نوری معروف بہ صبح ازل

مرزا یحیٰی نوری معروف بہ صبح ازل علی محمد باب کا وصی و جانشین تھا۔ موضع نور علاقہ مازندران میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ مرزا عباس جو شاہ ایران کی مجلس وزارت کا ایک رکن تھا۔ مرزا بزرگ نوری کے لقب سے مشہور تھا۔ مرزا بزرگ نوری کے دو بیٹے تھے۔ جن کی مائیں الگ الگ تھیں۔ بڑے کا نام مرزا حسین علی ملقب بہ بہاء اللہ اور چھوٹے کا نام مرزا یحیٰی ملقب بہ صبح ازل تھا۔ ازل کی ماں اس کی طفولیت میں مرگئی۔ گو اس کے باپ نے اپنی دوسری بی بی کو تاکید کر رکھی تھی کہ ازل کو اپنے بچے کی طرح پرورش کرے۔ مگر وہ اس سے سوتیلی ماؤں ہی کا سا سلوک کرتی رہی۔ حاجی مرزا جانی بابی نقطۃ الکاف میں لکھتا ہے کہ ایک رات اس نے خواب دیکھا کہ حضرت خاتم الانبیا ﷺ اور جناب امیر المؤمنین علیؓ اس کے گھر تشریف لائے۔ ازل کا منہ چوما اور فرمایا یہ طفل ہمارا بچہ ہے۔ اس کی اس وقت تک اچھی حفاظت کرو۔ جب تک وہ ہمارے قائم علیہ السلام (علی محمد باب) کے پاس نہ پہنچ جائے۔ اس رؤیا کے بعد وہ اسے اپنی اولاد سے زیادہ چاہنے لگی۔

(نقطۃ الکاف ص ۲۳۸، ۲۳۹)

مگر ظاہر ہے کہ یہ قصہ بالکل من گھڑت اور کسی بابی کا دماغی اختراع ہے۔ کیونکہ علی محمد باب اور اس کے تمام پیرو انتہاء درجہ کے زندیق اور بنائے دین کے منہدم کرنے والے تھے۔ اس لئے یہ قطعاً ناممکن تھا کہ حضور خیر الوریٰ ﷺ اور امیر المؤمنین علی مرتضیٰؓ کسی رافضیہ کے خواب میں آکر کسی بے دین کی کفالت وخبر گیری کی تاکید فرماتے۔ گو حاجی مرزا جانی نے لکھا ہے کہ صبح ازل ہی من یظہرہ اللہ تھا۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۴۴)

لیکن معلوم نہیں کہ خود ازل بھی کبھی اس منصب کا مدعی ہوا تھا یا نہیں؟ بابی لوگ مرزا یحیٰی کے صبح ازل سے ملقب ہونے کی یہ مضحکہ خیز اور من گھڑت وجہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے صبح ازل سے درخشندگی پائی تھی۔

باب کی جانشینی

صبح ازل نے اپنے بابی ہونے کا حال اس طرح لکھا ہے کہ جن دنوں علی محمد نے باب

ہونے کا دعویٰ کیا۔ میرا آغاز بلوغ تھا۔ ان ایام میں میرے دل میں یہ خیال موج زن تھا کہ کسی عالم دین کی تقلید کروں۔ میں علماء کے حالات کی تحقیق کیا کرتا تھا۔ ان ایام میں باب کے ظہور کا بڑا غلغلہ بلند ہوا۔ میرے بھائی (بہاء اللہ) کو اس تحریک سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ باب کی تحریریں پڑھوایا کرتا اور میں بھی اکثر ان تحریروں کو سنا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ آنحضرت (باب) کی ایک مناجات پڑھی گئی۔ جس میں فاہ آہ یا الٰہی کے الفاظ بکثرت تھے۔ اس کلمہ کی روح نے مجھے اپنی طرف جذب کر لیا اور باب کی محبت دل میں راسخ ہو گئی۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۳۹، ۲۴۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح ازل کو اسی مناجات کے الفاظ نے گھائل کر دیا اور اس بدنصیب نے اتنی زحمت گوارا نہ کی کہ باب کے دعووں کو پیغمبر خدا ﷺ کے ارشادات اور ائمہ اہل بیت کی تصریحات کی روشنی میں دیکھ لیتا۔ جب علی محمد نے بابیوں کو خراسان آنے کا حکم دیا تو صبح ازل بھی ان کے ساتھ چل دیا۔ اس وقت اس کی عمر صرف پندرہ برس کی تھی۔ اس کے بعد اپنے بھائی کے ساتھ طہران گیا۔ اثنائے راہ میں قرۃ العین سے ملاقات ہوئی۔ جن دنوں ملا محمد علی بارفروشی قلعہ میں تھا۔ اس نے صبح ازل سے مدد چاہی تھی۔ صبح ازل اپنے بھائی اور چند دوسرے آدمیوں کے ساتھ عون ونصرت کی غرض سے عازم قلعہ ہوا۔ لیکن راستہ میں حاکم آمل نے گرفتار کر لیا۔ جب صبح ازل کو گرفتار کر کے آمل میں لائے تو مشتعل شہریوں نے بازاروں اور کوچوں میں اس کی بڑی فضیحت کی۔ لوگ لعنت کرتے پتھر برساتے اور منہ پر تھوکتے تھے۔ اس کے بعد تھوڑے دن تک قید رکھ کر چھوڑ دیا گیا۔ صبح ازل طہران سے باب کے نام عرائض بھیجتا رہا۔ باب نے اپنا قلم دان کاغذات اور نوشتہ جات، لباس، انگوٹھی اور بعض دوسری چیزیں صبح ازل کے لئے روانہ کیں اور اپنی جانشینی کی وصیت کر کے حکم دیا کہ کتاب بیان کے آٹھ واحد لکھ کر کتاب کی تکمیل کر دے اور اگر من یظہرہ اللہ عظمت واقتدار کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو پھر بیان کو منسوخ سمجھے۔ حاجی مرزا جانی لکھتا ہے کہ من یظہرہ اللہ سے خود صبح ازل کی ذات مراد تھی۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی دوسرا شخص اس منصب کا اہل نہیں ہے۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۴۴)

باب کی ہلاکت کے بعد تمام بابی بلا استثناء صبح ازل کو واجب الاطاعت اور اس کے احکام واوامر کو مفروض الامتثال یقین کرتے تھے۔ صبح ازل ان ایام سے لے کر مذبحۂ طہران کے واقعہ تک جب کہ اٹھائیس عظمائے بابیہ نے اس واقعہ میں شربت مرگ نوش کیا۔ گرمی کا موسم شمیران میں جو حوالی طہران میں ایک سرد مقام ہے اور موسم زمستان مازندران میں گزارتا تھا اور اپنے تمام اوقات بابی پنتھ کے نشر وابلاغ میں صرف کرتا تھا۔

بغداد میں بابی اجتماع

جب بابیوں نے شاہ ایران پر قاتلانہ حملہ کیا اور بابیوں کے خلاف دارو گیر کا سلسلہ شروع ہوا تو صبح ازل جو اس وقت نور میں تھا۔ فوراً بہ تبدیل ہیئت بغداد کو بھاگ گیا۔ حکومت ایران نے اس کی گرفتاری پر ہزار تومان انعام کا اعلان کیا۔ ایک سرکاری جاسوس سے اس کی ملاقات بھی ہوئی اور جاسوس نے پہچانے بغیر اس سے بہت دیر تک باتیں بھی کیں۔ تاہم صبح ازل درویشی کے لباس میں عصا و کشکول کے ساتھ حدود ایران سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن اس کا بھائی بہاء اللہ طہران میں قید ہو گیا۔ صبح ازل ۱۲۶۸ھ یا اوائل ۱۲۶۹ھ میں وارد بغداد ہوا۔ اس کے چار ماہ بعد بہاء اللہ بھی زندان طہران سے مخلصی پا کر صبح ازل کے پاس بغداد پہنچ گیا۔ اب دوسرے بابیوں نے بھی آہستہ آہستہ بغداد کا رخ کیا۔ یہاں تک کہ بغداد میں ان کی جمعیت بہت بڑھ گئی۔ انہوں نے ۱۲۷۹ھ تک یعنی دس سال کی مدت عراق عرب میں بسر کی اور جیسا کہ خود بہاء اللہ کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے۔ بہاء اللہ اس عرصہ میں صبح ازل کا تابع فرمان اور مطیع و منقاد رہا اور گو اس دوران میں چند بابیوں نے مختلف اوقات میں من یظہرہ اللہ ہونے کا دعویٰ کیا تو ہم جدید التاسیس بابی مذہب کے پیرو صبح ازل کے جھنڈے تلے متفق الکلمہ اور متحد المقصد رہے اور ان کے درمیان کسی تفرقہ و انقسام کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔

خلیفۃ الباب سے بہاء اللہ کی سرکشی

بقول مصنف ہشت بہشت۔ (ہشت بہشت حاجی شیخ احمد کرمانی شہیر بروحی کی تالیف ہے۔ اس کتاب میں بیان کا فلسفہ اور مسلک ازلیاں کی تائید کی گئی ہے) اقامت بغداد کے آخری ایام میں بہاء اللہ کے طرز عمل بہت کچھ تغیرات رونما ہوئے۔ یہ حالت دیکھ کر بعض بابی قدما مثلاً ملا محمد جعفر زاقی ملا رجب علی قاہر، حاجی سید محمد اصفہانی، حاجی سید محمد جواد کربلائی، حاجی مرزا احمد کاتب، حاجی مرزا محمد رضا وغیرہ سخت مضطرب ہوئے اور بہاء اللہ کو اس طرز عمل پر تہدید کی۔ ان لوگوں نے بہاء اللہ کو صبح ازل کا اطاعت شعار رہنے کی اتنی تاکید کی کہ وہ تنگ آ کر بغداد سے باہر چلا گیا اور دو سال تک سلیمانیہ کے اطراف میں پہاڑوں میں رہا۔ اس عرصہ میں بغداد کے بابیوں کو ہرگز معلوم نہ تھا کہ بہاء اللہ کہاں ہے۔ آخر جب پتہ چلا تو صبح ازل نے اس کو بغداد مراجعت کرنے کے لئے چٹھی لکھی۔ بہاء اللہ امتثال امر کر کے بغداد واپس گیا۔ انہی ایام میں مرزا اسد اللہ تبریزی ملقب بہ دیان نے کہ باب نے اس کو آیات صبح ازل کا کاتب مقرر کیا تھا اور عبرانی اور سریانی زبانوں میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ من یظہرہ

اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ بہاء اللہ نے اس کے ساتھ بڑے مناظرے کیے۔ آخروہ بابیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بابیوں نے اس کے پاؤں میں ایک وزنی پتھر باندھ کر اس کو شط العرب میں غرق کر دیا۔ اسی طرح مرزا عبداللہ غوغا، حسین میلانی معروف بہ حسین جان، سید حسین ہندیانی اور مرزا محمد زرندی معروف بہ نبیل میں سے ہر ایک بابی من یظہرہ اللہ ہونے کا مدعی ہوا۔ آخر بابیوں کے بازار ہوا دہوس میں اس جنس کی اتنی ارزانی ہوئی اور بقول ہشت بہشت معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ ہر بابی جو صبح کے وقت بیدار ہوتا تھا تن کو اسی دعویٰ کے لباس کے ساتھ آراستہ کرنے لگتا تھا۔

بغداد اور ادرنہ سے اخراج

اب بابیوں نے ایران کے ہر گوشہ سے بغداد کا رخ کیا۔ ان کی جمعیت دن بدن بڑھنے لگی۔ کربلا اور نجف کے شیعی علماء یہ دیکھ کر کہ بابی لوگ مشاہد مشرقہ کے قریب آ جمع ہوئے ہیں اور ان سے اور عامۂ مسلمین سے ان کے جھگڑے قضیے رہتے ہیں۔ بابیوں کے قیام بغداد کی مخالفت کرنے لگی۔ دولت ایران نے بھی اپنے استنبولی سفیر مرزا حسین خاں مشیر الدولہ کو ہدایت کی کہ وہ دولت عثمانیہ سے درخواست کرے کہ بابیوں کو بغداد سے کسی دوسرے علاقے میں منتقل کر دے۔ باب عالی نے دولت ایران کی خواہش کی تکمیل کی اور بابیوں کو بغداد سے استنبول چلے آنے کا حکم دیا۔ یہ لوگ چار مہینہ تک قسطنطنیہ میں رہے۔ لیکن چونکہ ان کا قیام امن عامہ کے حق میں سخت مضر ثابت ہوا۔ اس لئے تمام بابی رجب ۱۲۸۰ھ میں قسطنطنیہ سے ادرنہ (اڈریانوپل) بھیج دیئے گئے۔ یہ لوگ ۲۰ ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ تک ادرنہ میں رہے۔ ادرنہ میں صبح ازل اور بہاء اللہ میں جھگڑے قضیئے برپا رہتے تھے اور فریقین میں سے ہر ایک کی یہ کوشش تھی کہ اپنے حریف کو زک دے۔ جب باب عالی نے ان میں ہیجان واضطراب کے آثار مشاہدہ کیے اور یقین ہوا کہ فریقین آمادۂ پیکار ہیں تو دولت عثمانیہ نے اس قصہ میں پڑنے کے بغیر کہ فریقین میں سے برسر حق کون ہے اور خطا کار کون؟ ۱۲۸۵ھ میں تمام بابیوں کو ادرنہ سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ بہاء اللہ اور اس کے پیروؤں کے لئے عکہ علاقہ شام میں قیام کرنے کا حکم دیا اور صبح ازل کو اس کے اتباع سمیت جزیرہ قبرص میں جو اس وقت ترکی علمداری میں داخل تھا قیام کرنے کا فرمان جاری ہوا۔ صبح ازل ۵ ستمبر ۱۸۶۸ء کو جزیرہ قبرص پہنچا۔ ترکی حکومت کی طرف سے اسے ساڑھے اڑتیس پیاسٹر وظیفہ روزانہ ملتا تھا۔ (یہ واقعات مقدمہ نقطۃ الکاف اور اپی سوڈ اوف دی باب سے ماخوذ ہیں)

صبح ازل کے مزید حالات انشاء اللہ العزیز بہاء اللہ کے واقعات میں درج کئے جائیں گے۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں مرقوم ہے کہ صبح ازل ۱۹۰۸ء تک جزیرہ قبرس میں زندہ سلامت موجود تھا۔

باب ۶۸ ...... بہاء اللہ نوری

مرزا حسین علی معروف بہ بہاء اللہ ۱۸۱۷ء میں موضع نور علاقہ ماندران میں پیدا ہوا۔ اپنے سوتیلے بھائی صبح ازل سے قریباً تیرہ سال بڑا تھا۔ اس کی ابتدائی ۳۵ سالہ زندگی بالکل پردۂ خفا میں ہے۔ بہاء اللہ بھی ان چالیس بابیوں میں تھا۔ جو ناصر الدین شاہ والی ایران پر قاتلانہ حملہ ہونے کے بعد گرفتار ہوئے تھے۔ جب بابیوں نے شاہ کی جان لینے کی کوشش کی تو بہاء اللہ اس وقت موضع افچہ میں تھا جو طہران سے ایک منزل کے بعد پر ہے۔ جب اس حادثہ کی خبر مشہور ہوئی تو بہاء اللہ نیاوران کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن جھٹ گرفتار کر لیا گیا اور پولیس نے لا کر اسے طہران کے محبس میں ڈال دیا۔ چار مہینہ کے بعد جب ثابت ہوا کہ اسے شاہ کی حملہ آور جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے تو قید خانہ سے مخلصی نصیب ہوئی۔ رہائی کے بعد اپنے بھائی صبح ازل کے پاس بغداد چلا گیا۔ چونکہ باب صبح ازل کو اپنا جانشین مقرر کر گیا تھا۔ اس لئے تمام بابی جو ایران سے بھاگ بھاگ کر بغداد میں جمع ہو رہے تھے۔ صبح ازل کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر بہاء اللہ کو بھی حصول رفعت کی طمع دامنگیر ہوئی۔ اس کے بعد گو بہاء اللہ بہت دن تک بحکم ضرورت بظاہر صبح ازل کا فرمان بردار اور خدمت گذار رہا۔ لیکن دل میں ہر وقت اپنی علیحدہ دکان آرائی کے منصوبے سوچتا رہتا تھا۔ آخر جب علی محمد باب کا ہر ممتاز پیرو من یظہرہ اللہ بننے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا تو بہاء اللہ نے بھی اس جامہ کو اپنی قامت پر راست کرنا چاہا۔ اتفاق سے بہاء اللہ کو اسی بابی جماعت میں ایک ایسا شخص ہاتھ آ گیا جو بہاء اللہ کے ہر قول پر آمنا وصدقنا کہنے پر پوری طرح آمادہ تھا۔ اس شخص کو مرزا آقا جان کاشانی کہتے تھے۔ آقا جان بہاء اللہ کو من یظہرہ اللہ کا دعویٰ کرنے کی ترغیب دینے لگا۔ چنانچہ بہاء اللہ کی طرف سے بھی اس دعویٰ کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ آخر ایک دن برملا کہنے لگا کہ میں ہی من یظہرہ اللہ اور قوموں کا موعود اور نجات دہندہ ہوں۔ روساء وقدمائے بابیہ نے بہاء اللہ کو بہتیرا سمجھایا کہ اس دعویٰ سے دست بردار ہو جائے۔ لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ آخر خود صبح ازل نے بہاء اللہ سے کہا کہ باب نے بیان میں بوضاحت لکھ دیا ہے کہ میرا مذہب اطراف

واکناف ملک میں پھیل جائے گا اور میرے پیر صاحب حکومت ہوں گے۔ تب کہیں سال غیاث یا مستغاث میں من یظہرہ اللہ ظہور کرے گا اور ابھی ان میں سے کوئی بات پوری نہیں ہوئی۔ اس لئے تمہارا دعویٰ جھوٹا ہے۔ مگر بہاء اللہ پر عظمت واقتدار کا بھوت سوار تھا۔ اپنی ضد سے باز نہ آیا۔ اس اثناء میں تمام بابی بغداد سے قسطنطنیہ بھیج دیئے گئے اور چار مہینہ کے بعد انہیں مؤخرالذکر مقام سے بھی ادرنہ (اڈریانوپل) کو منتقل کر دیا گیا۔

خدا کا اوتار ہونے کا دعویٰ

ادرنہ پہنچ کر اس نے اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں خطوط واشتہارات بھیج بھیج کر اپنا نشد ید شروع کر دیا۔ وہ من یظہرہ اللہ ہونے کے دعویٰ کے ساتھ اس بات کا بھی مدعی تھا کہ خدا کی روح اس میں حلول کر گئی ہے۔ (اے پی سوڈ آوف دی باب ص ۳۵۹)

اس پروپیگنڈا کا یہ اثر ہوا کہ بابی لوگ دھڑا دھڑ بہاء اللہ کے دائرہ ارادت میں داخل ہونے لگے اور صبح ازل کی طرح اس کی بھی ایک جماعت بن گئی۔ مثل مشہور ہے کہ ایک میان میں دو تلواریں اور ایک قلیم میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔ صبح ازل اور بہاء اللہ کے پیروؤں میں تصادم شروع ہوا اور دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہوئیں۔ لیکن ان میں سے بہائی بڑے تیز نکلے۔ انہوں نے اپنے دشمنوں کو نیچا دکھانے کے لئے وہی طور طریقے اختیار کئے جو کسی زمانہ میں ان کے پیش رو باطنیوں نے اسلام کے خلاف استعمال کر رکھے تھے۔ ازلی مؤرخوں کے بیان کے بموجب صبح ازل کے تمام مشہور حامیوں کی فہرست تیار کی گئی اور دنیا کو ان کے خار وجود سے پاک کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ چنانچہ اس فیصلہ کے بموجب بغداد میں ملا رجب علی قاہر حاجی مرزا احمد، حاجی مرزا احمد رضا اور بہت سے دوسرے ازلی یکے بعد دیگرے بہائی خون آشامی کا شکار ہو گئے اور صرف یہی نہیں بلکہ ہشت بہشت کے مصنف نے مرزا حسین علی (بہاء اللہ) پر اس سے بھی زیادہ سنگین الزام لگایا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بہاء اللہ نے (کسی حیلہ سے) صبح ازل کو ایک ضیافت پر بلانے کا انتظام کیا۔ بہاء اللہ نے اپنے رازدان مصاحبوں کو سمجھا دیا کہ ہم دونوں ایک ساتھ کھانا کھانے بیٹھیں گے۔ کھانے کی سینی میں ایک طرف مسموم کھانا رکھ دینا اور صبح ازل کو اس کے سامنے بٹھانا۔ جب سب لوگ کھانے کے لئے بیٹھ گئے تو صبح ازل نے اس مسموم سینی کا کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس پلاؤ میں پیاز کا بگھار ہے اور مجھے پیاز کی بو سے طبعی نفرت ہے۔ بہاء اللہ نے یہ سمجھ کر کہ صبح ازل اس کا منصوبہ تاڑ گیا ہے۔ رفع اشتباہ کے لئے سینی کے اس حصہ میں سے بھی تھوڑا سا کھانا کھالیا جو صبح ازل کی اگلی طرف تھا۔ کھانا کھاتے ہی اس کو قے آنے

لگی اور زہر خوری کے دوسرے آثار ظاہر ہوئے۔ لیکن بہاء اللہ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے الٹا یہ کہنا شروع کیا کہ صبح ازل نے مجھے زہر دیا ہے۔

صبح ازل کے خلاف مزید بہائی سازشیں

ازلی تاریخ نگاروں کے بیان کے بموجب اس کے تھوڑا عرصہ بعد بہاء اللہ نے صبح ازل کی جان لینے کی سازش کی وہ یہ تھی کہ محمد علی حجام کو گانٹھ کر اسے اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ صبح ازل کے حلق کے بال مونڈتے وقت اس کا گلا کاٹ دے۔ حسن اتفاق سے صبح ازل پر یہ راز منکشف ہو گیا۔ اور جب حجام اس کے پاس آیا تو اس نے دور ہی سے کہہ دیا کہ میرے پاس نہ آنا۔ اس کے بعد صبح ازل اپنے تمام پیروؤں کو ساتھ لے کر ادرنہ کے کسی دوسرے محلے میں چلا گیا اور بہائیوں سے منقطع ہو کر وہاں بود و باش اختیار کی۔ انہی ایام میں دو بہائیوں نے ادرنہ کے حاکم سے جسے پاشا کہتے تھے اجازت لئے بغیر گھوڑے فروخت کرنے کا حیلہ کر کے قسطنطنیہ کا راستہ لیا۔ ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہاں سے صبح ازل کی تردید کے لئے کتاب لائیں اور ازلیوں کے خلاف ایک مذہبی اکھاڑہ قائم کریں۔ پاشا کو معلوم ہو گیا کہ وہ کس غرض کے لئے گئے ہیں؟ پاشا نے فوراً اس منزل پر جہاں سے وہ گذرنے والے تھے تار بھیج کر حکم دیا کہ دونوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ وہ گرفتار کر کے ادرنہ واپس لائے گئے۔ بہائیوں نے یہ یقین کر کے کہ صبح ازل نے مخبری کی ہے۔ اس کا انتقام لینے کی ٹھان لی۔ صبح ازل کا ایک ایرانی پیرو آقا جان بیگ قسطنطنیہ کے رسالہ میں ملازم تھا اور رسالہ کے افسروں یا سواروں میں سے کسی کو علم نہ تھا کہ وہ بابی ہے۔ بہائیوں نے پاشا کے پاس مخبری کی کہ قسطنطنیہ کے رسالہ کا فلاں سوار بابی ہے اور وہ نہایت رازداری کے ساتھ بابی مذہب کی تبلیغ کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں آقا جان بیگ کا شانی کی تلاشی ہوئی۔ اس کے پاس سے چند بابی کتابیں برآمد ہوئیں۔ اصل میں یہ کتابیں اس کو بغداد بھیجنے کے لئے کسی نے دے رکھی تھیں اور بہت دنوں سے اس کو کوئی ایسا شخص نہ مل سکا تھا جس کے ہاتھ کتابیں بغداد بھیج دیتا۔ اس لئے یہ خیال کر کے کہ کہیں حکام کو ان کتابوں کا پتہ نہ چل جائے۔ ان کے تلف کر دینے کی فکر میں تھا۔ کبھی تو یہ سوچتا تھا کہ انہیں گڑھا کھود کر دفن کر دوں۔ کبھی یہ ارادہ کرتا کہ ساحل بحر پر جا کر سمندر میں پھینک دوں۔ اسی سوچ بچار میں تھا کہ اچانک اس کے قیام گاہ کی تلاشی ہونے لگی اور وہ گرفتار کر لیا گیا۔ آقا جان بیگ کو ترک حکام اور قسطنطنیہ کے ایرانی سفیر کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے اقبال کیا کہ ادرنہ کی جماعت سے میرا تعلق ہے اور میں بابی المذہب ہوں۔ آقا جان بیگ کو ساڑھے چار مہینہ قید کی سزا ہوئی اور وہ نوکری سے برطرف کر دیا گیا۔ آقا جان بیگ کو

اس حادثہ کا اتنا صدمہ ہوا کہ اس کی داڑھی اور سر کے بال قید خانہ میں یک بیک سفید ہو گئے۔ جب قید سے رہا ہوا اور بابیوں کی دونوں حریف جماعتیں جزیرہ قبرص اور عکہ بھیجی گئیں تو آقا جان بیگ کاشانی بھی بہاء اللہ کے ساتھ عکہ روانہ کیا گیا۔ لیکن وہاں پہنچتے ہی بہائیوں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ (اپی سوڈ آف دی باب ص ۹۹، ۱۰۰)

ایک اور بہائی کی سازش

اب بہاء اللہ نے صبح ازل کے خلاف ایک اور سازش کی۔ مرزا آقا جان مشکین قلم عباس آفندی اور چند دوسرے بہائیوں نے ایک ایک چٹھی ترک عمائد سلطنت کے نام لکھی۔ ان چٹھیوں کا مضمون یہ تھا کہ ہم قریباً تیس ہزار بابی شہر قسطنطنیہ اور اس کے مضافات میں بہ تبدیل ہیئت چھپے ہوئے ہیں۔ ہم تھوڑے عرصہ میں خروج کریں گے۔ سب سے پہلے ہم قسطنطنیہ پر عمل دخل کریں گے۔ اگر سلطان عبدالعزیز اور ان کے وزراء نے بابی مذہب قبول نہ کیا تو ہم سلطان اور ان کے اعیان دولت کو علیحدہ کر کے نظام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ ہمارا بادشاہ مرزا یحییٰ صبح ازل ہے۔ یہ چٹھیاں مختلف دستخطوں سے لکھ کر قصر سلطانی اور تمام بڑے بڑے ارکان دولت کے مکانات پر پہنچائی گئیں۔ ترکی حکومت نے بابیوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی تھی اور اس سے نہایت شفقت آمیز سلوک کیا جا رہا تھا۔ حکام ان چٹھیوں کو پڑھ کر ملول ہوئے۔ آخر یہ چٹھیاں قسطنطنیہ کے ایرانی سفیر کے سامنے پیش کی گئیں۔ اس کے بعد ترکی حکام اور ایرانی سفیر کی مشاورت باہمی سے یہ بات طے پائی کہ تمام سرکردہ بابیوں کو دور دست مقامات پر بھیج کر نظر بند رکھا جائے۔ (اپی سوڈ آف دی باب ص ۳۵۸، ۳۶۰)

اس اثناء میں ترکی حکام کو یہ بھی بتایا گیا کہ بابیوں کی دونوں جماعتوں میں بری طرح سر پھٹول ہو رہا ہے اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر باب عالی نے فیصلہ کیا کہ مرزا یحییٰ صبح ازل اور مرزا حسین علی بہاء اللہ کو دو مختلف مقامات پر بھیج دیا جائے۔ چنانچہ صبح ازل کے لئے حکم ہوا کہ وہ اپنے اہل و عیال سمیت جزیرہ قبرص کے شہر ماغوسا میں جو اس وقت دولت عثمانیہ کے زیر حکومت تھا۔ جا کر اقامت گزیں ہو اور بہاء اللہ کے لئے یہ فرمان جاری ہوا کہ اسے اس کے اہل و عیال سمیت عکہ (واقع ملک شام) میں بھیجا جائے۔ باب عالی نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ بہاء اللہ کے چار پیرو مشکین قلم خراسانی مرزا علی سیاح محمد باقر اصفہانی اور عبدالغفار تو صبح ازل کے ساتھ قبرص جائیں اور صبح ازل کے چار پیرو حاجی میر محمد اصفہانی آقا جان بیگ کاشانی مرزا رضا قلی تفرشی اور اس کا بھائی مرزا نصر اللہ تفرشی بہاء اللہ کے

ہمراہ عکہ کا رخ کریں۔ اس تدبیر کا مقصد یہ تھا کہ مخالف عناصر دولت عثمانیہ کے لئے جاسوسی کی خدمات انجام دیں اور جو کوئی صبح ازل یا بہاء اللہ سے ماغوسا یا عکہ میں ملاقات کرنے آئے یہ مخالف لوگ اس کے ورود حرکات وسکنات اور خیالات کے متعلق باب عالی کو اطلاع دیتے رہیں۔ لیکن بابیوں کی دونوں حریف جماعتوں نے ابھی ادرنہ سے کوچ بھی نہیں کیا تھا کہ مرزا حسین علی (بہاء اللہ) نے مرزا نصر اللہ تفرشی کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ صبح ازل کے باقی تین آدمی بہاء اللہ کے ساتھ عکہ گئے اور انہوں نے چھاؤنی کے پاس ایک مکان لیا۔ لیکن وہ بھی بہت جلد بہائیوں کے ہاتھوں سے نذر اجل ہو گئے۔ بہائیوں نے صرف انہی چار ازلیوں پر ہاتھ صاف نہ کیا۔ بلکہ وہ تمام قدما وفضلائے بابیہ جو صبح ازل کی وفاداری اور پیروی میں ثابت قدم رہے اور جن میں سے بعض تو علی محمد باب کے رفیق خاص تھے۔ ایک ایک کر کے عدم کے تہ خانے میں سلا دیئے گئے۔ آقا سید علی عرب تبریز میں مارا گیا۔ ملا رجب علی کو کربلا میں ہلاک کیا گیا۔ آقا محمد علی اصفہانی اور حاجی مرزا احمد کاشانی بغداد میں اور حاجی مرزا محمد رضا حاجی ابراہم، حاجی جعفر تاجر حسین علی آقا ابوالقاسم کاشانی میرزا ابزرگ کرمان شاہی وغیرہ مختلف مواضع میں بہائیوں کے خنجر بیداد کی نذر ہو گئے۔ (اپی سوڈ اوف دی باب ص۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴)

ازلی وقائع نگاروں نے بہائیوں کی بے شمار اور بھی خون آشامیاں بیان کی ہیں جو صاحب ان کی تفصیل دیکھنا چاہیں وہ کتاب (اپی سوڈ آوف دی باب ص۳۶۱، ۳۶۴) کا مطالعہ کریں۔ لیکن اگر یہ بیانات واقعیت پر مبنی ہیں تو حیرت ہے کہ ترکی حکومت نے بہاء اللہ اور اس کے خون آشام پیروؤں کو کیفر کردار تک کیوں نہ پہنچایا؟

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

بہاء اللہ نے من یظہرہ اللہ بننے کے ساتھ ہی مسیح موعود ہونے کا بھی دعویٰ کر دیا تھا۔ یا یوں کہو کہ اس کے نزدیک من یظہرہ اللہ اور مسیح موعود مترادف الفاظ تھے۔ بہاء اللہ نے لوح مبارک میں اپنی ایک وحی لکھی ہے۔ ”قل یا ملاء الفرقان قد اتیٰ الموعود الذی وعدتم فی الکتاب اتقوا اللہ ولا تتبعوا کل مشرك اثیم“ (کہہ دے کہ اے گروہ فرقان! بیشک وہ موعود آ گیا جس کا تم سے کتاب (قرآن) میں وعدہ کیا گیا تھا۔ خدا سے ڈرو اور کسی مشرک گنہگار کی پیروی نہ کرو)

اس الہام میں بہاء اللہ نے ہر مسلمان کو اپنی مسیحیت کی دعوت دی ہے۔ اس دعوت کا جواب یہ ہے کہ کلام الٰہی اور احادیث رسول الثقلین ﷺ میں مسلمانوں کو دین اسلام کی تائید کے

لئے جس ذات اقدس کے تشریف لانے کا مژدہ سنایا گیا ہے وہ مسیح ناصری حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جو قرآن کے رو سے اب تک زندہ موجود ہیں۔ان کے سوا ہم ہر مدعی مسیحیت کو دجال کذاب یقین کرتے ہیں۔ بہاء اللہ ہو یا غلام احمد ہو یا اس قماش کا کوئی دوسرا خانہ ساز موعود ہو۔سب جھوٹے مسیح ہیں۔ سچے مسیح کے متعلق بہاء اللہ کے فرزند و جانشین عبدالبہاء صاحب نے لکھا ہے کہ جب مسیح آئے گا تو نشانیاں اور فوق الفطرت معجزات شہادت دیں گے کہ سچا مسیح یہ ہے مسیح نامعلوم شہر (آسمان) سے آئے گا۔ وہ فولاد کی تلوار کے ساتھ آئے گا۔ (یعنی وہ منکروں کے خلاف غزاو جہاد کریں گے) اور لوہے کے عصا کے ساتھ حکومت کرے گا۔ (وہ کسی کی رعایا نہ ہوں گے بلکہ خود رعب وجلال کے ساتھ حکومت کریں گے) وہ انبیاء کی شریعت کو پورا کرے گا۔ وہ مشرق و مغرب کو فتح کرے گا اور اپنے برگزیدہ لوگوں (مسلمانوں) کو عزت بخشے گا۔ وہ اپنے ساتھ ایک ایسا امن کا راج لائے گا کہ حیوان بھی انسانوں کے ساتھ دشمنی کرنا چھوڑ دیں گے۔ بھیڑیا اور برہ ایک ہی چشمہ سے پانی پئیں گے اور خدا کی سب مخلوق امن سے رہے گی۔

(دور بہائی ص۲، مطبوعہ دہلی)

ظاہر ہے کہ یہ سب علامتیں جو عبدالبہاء نے بیان کی ہیں بہاء اللہ، مرزا غلام احمد یا کسی دوسرے خانہ ساز مسیح پر صادق نہیں آتیں۔ اس لئے یہ سب جھوٹے مسیح ہیں۔ بہاء اللہ نے (کتاب مبین ص۵۹) میں عیسائیوں کو مندرجہ ذیل الہام میں اپنی مسیحیت کی طرف بلایا ہے۔

”قل یا ملأ النصاریٰ قد تجلنا علیکم من قبل وما عرفتمونی هذه مرة اخریٰ هذا یوم الله اقبلوا الیه انه قد اتیٰ من السماء کما اتي اول مرة “

(اے بہاء اللہ) کہہ دے کہ اے گروہ نصاریٰ! ہم نے پہلی مرتبہ بھی تم پر تجلی فرمائی تھی۔لیکن تم نے ہمیں شناخت نہ کیا۔اب یہ آمد ثانی ہے یہ خدا کا دن ہے۔اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ بیشک یہ (بہاء اللہ) اسی طرح آسمان سے دوسری مرتبہ آیا ہے۔جیسے پہلے آیا تھا۔

بہاء اللہ نے نصاریٰ کو دعوت دیتے ہوئے ایک مکتوب میں لکھا تھا۔اے پیروان مسیح! کیا میرا نام (بہاء اللہ) تمہارے نزدیک میری مسیحیت کے منافی ہے؟ تم کس بناء پر شک میں پڑے ہو؟ تم لوگ شب و روز اپنے قادر مطلق (یسوع مسیح) کو پکارا کرتے تھے۔لیکن جب وہ ازلی آسمان سے کامل جلال کے ساتھ آ گیا ہے تو تم اس کے پاس نہیں پھٹکتے اور بے اعتنائی کے عالم میں پڑے ہو۔ (بہائی سکرپچرز ص۱۲۴، مطبوعہ نیویارک)

لیکن عیسائی لوگ اس دعوت کا بے تکلف یہ جواب دے سکتے ہیں کہ ہم تو خود ذات

بابرکات حضرت یسوع مسیح کی تشریف آوری کے منتظر ہیں۔ اس لئے ہمیں کسی نقلی اور جعلی مسیح کی ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال بہاء اللہ کا دعویٰ مسیحیت آفتاب نصف النہار کی طرح واضح و روشن ہے۔ جس میں کوئی ادنیٰ اخفاء نہیں۔ لیکن تجاہل عارفانہ کا کمال دیکھو کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے انتہائی دیدہ دلیری سے یہ لکھ مارا کہ اس وقت جو ظہور مسیح موعود کا وقت ہے کسی نے بجز اس عاجز کے دعویٰ نہیں کیا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ بلکہ اس مدت تیرہ سو برس میں کبھی کسی مسلمان کی طرف سے ایسا دعویٰ نہیں ہوا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ ہاں عیسائیوں نے مختلف زمانوں میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور کچھ تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ ایک عیسائی نے امریکہ میں بھی مسیح بن مریم ہونے کا دم مارا تھا۔ ہاں ضرور ہے کہ وہ ایسا دعویٰ کرتا تا انجیل کی وہ پیش گوئی پوری ہو جاتی کہ بہتیرے میرے نام پر آئیں گے اور کہیں گے کہ میں مسیح ہوں۔ پر سچا مسیح ان سب کے آخر میں آئے گا اور مسیح نے اپنے حواریوں کو نصیحت کی تھی کہ تم نے آخر کار منتظر رہنا۔ (ازالہ اوہام ص ۲۷۸، ۲۷۹)

مرزا قادیانی نے یہ لکھ کر کہ سچا مسیح جھوٹے مسیحوں کے بعد سب کے آخر میں (یعنی قرب قیامت کو جب کہ عالم کائنات کا سلسلہ قریب الاختتام ہوگا) ظاہر ہوگا۔ خود اپنی جعلی مسیحیت کے شجر کی جڑیں کاٹ دیں۔ مرزا قادیانی کا یہ بیان بھی سخت لغو ہے کہ گذشتہ تیرہ صدیوں میں میرے سوا کسی مسلمان نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ کیونکہ اوّل تو دعویٰ کے لئے اسلام یا کفر کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہر شخص جھوٹا دعویٰ کر کے لوگوں کو گمراہ کر سکتا ہے۔ اس سے قطع نظر میں ۶۵ ویں باب میں تین مسلمان جھوٹے مسیحوں کے حالات لکھ آیا ہوں۔ بہاء اللہ کو ملانے سے ان کی تعداد چار تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کے باوجود مرزا غلام احمد قادیانی نہایت جسارت اور شوخ چشمی سے لکھتے ہیں کہ مجھ سے پہلے کسی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ہی نہیں کیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ بہاء اللہ بابی ہو جانے کے بعد مرتد خارج از اسلام ہو گیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے وہ غالباً شیعوں کے اس غیر غالی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ جسے علمائے اسلام نے دائرہ اسلام میں داخل کیا ہے۔

اتحاد مذاہب کا بہائی ڈھونگ

میں کتاب رئیس قادیان کے ۸۶ ویں باب میں بالتفصیل لکھ آیا ہوں کہ کس طرح حکیم نور الدین بھیروی نے سرزمین کشمیر میں ایک مرزائی حکومت قائم کرنی چاہی تھی اور کس طرح حکیم مذکور کے اخراج کشمیر کے بعد قیام سلطنت کا خواب پریشان جہاد بالسیف کی حرمت اور سلطنت انگلشیہ کی اطاعت کے وجوب کی شکل میں تبدیل ہوا تھا۔ علی محمد باب نے بھی بابیوں کو یقین دلا رکھا تھا کہ عنقریب سارے ایران پر بابی پرچم لہرائے گا۔ لیکن یہ خواب کسی طرح شرمندۂ تعبیر نہ

ہوسکا۔ ایران میں بابیوں کو اس طرح پامال کیا گیا کہ پھر ان کے بڑھنے اور پنپنے کا کوئی موقع نہ رہا۔ ہزارہا بابی خنجر خون آشام کی نذر ہوئے۔ بقیۃ السیف میں سے جس کسی کے جہاں سینگ سمائے وہاں جا کر جان بچائی۔ آخر بہاء اللہ نے دس بارہ سال کے تلخ تجربوں کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح حکومت کی اطاعت اور امن و آشتی کے ظل عاطفت میں پناہ لینا ضروری خیال کیا اور سالہا سال کی بابی مقہوری، جلاوطن اور نظربندی کے بعد اتحاد بین الملل کا جھنڈا اہلانا شروع کیا۔ اتحاد مذاہب کا لفظ واقعی نہایت دل آویز ہے۔ لیکن عملی نقطۂ نظر سے یہ بالکل مہمل ہے۔ بہائیوں کے مجوزہ اتحاد مذاہب کی نوعیت یہ ہے کہ سچ بھی سچ ہے اور جھوٹ بھی سچ ہے۔ نور بھی نور ہے اور ظلمت بھی نور ہے۔ میٹھا بھی میٹھا ہے اور تلخ بھی میٹھا ہے۔ نیک بھی اچھا ہے اور بد بھی اچھا ہے۔ تندرست بھی تندرست ہے اور کوڑھی بھی تندرست ہے۔ غرض بہائیوں نے بظاہر صدق و کذب اور خیر و شر کی تمیز بالکل اٹھا دی ہے اور اپنا سارا زورِ قلم اس مہمل نگاری پر صرف کر رہے ہیں کہ مسلمان، عیسائی، پارسی، ہندو، بدھ سب برسرحق ہیں۔ اس مضحکہ خیز منطق کی تہ میں دراصل یہ جذبہ کام کر رہا ہے کہ ہر مذہب و ملت کے لوگ انہیں اچھا جانیں۔

شیخ بھی خوش رہیں اور شیطان بھی ناراض نہ ہو

اور اس طرح ان کے سادہ لوح شکار بے تأمل گردن ڈالے ان کے دام تزویر میں آ پھنسیں۔ اب اس گنگا جمنی پالیسی کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے۔ کوکب ہند نام بہائیوں کا ایک ماہوار رسالہ دہلی سے شائع ہوتا تھا۔ اس کی (جلد ۱۰ نمبر ۸) کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی سورۂ فاتحہ کا تطابق وید منتروں سے اسی جلد کے نمبر اوّل میں دکھایا جاچکا ہے۔ آج سورہ فاتحہ کی مطابقت پارسی مذہب کی مقدس کتاب ''گاتھا'' سے دکھائی جاتی ہے۔ جس سے طالبان حقیقت بآسانی اندازہ لگالیں گے کہ مقدس کتابوں کے مضامین میں کس قدر زبردست یگانگت ہے۔ حقیقت ایک ہے۔ (ص ۱) ویدک دھرم جو پروردگار کا دین برحق ہے اور جس کی مقدس کتاب وید میں پاکیزہ تعلیمات کے جواہر عرصۂ دراز سے چمک رہے ہیں۔ ہر ایک پیغمبر برحق (معاذ اللہ) اس کی تصدیق وتائید میں ہے۔ کسی پیغمبر برحق نے آج تک وید کی تکذیب نہیں کی۔ (ص ۳) وہی حقیقت جو ویدک رشیوں کو معلوم ہوئی وہی عرب کے مقدس رسول اور فلسطین کے پیغمبروں پر آشکار ہوئی۔ وہی حقیقت ایران کے (آتش پرست) پیغمبر کو دریافت ہوگئی اور انہوں نے اپنی زبان اور اپنی طرز بیان میں اسے لوگوں تک پہنچایا۔ (ص ۴) اس میں شک نہیں کہ ہندو دھرم اور دین اسلام کی موجودہ شکل بالکل علیحدہ ہے۔ مگر حقیقتاً فروعات مسائل کو

چھوڑ کر قرآن شریف کی باتیں (معاذ اللہ) پران واپنشد سے ملتی جلتی ہیں۔ (ص ۵) مگر میں کوکب ہند کے بدنصیب ایڈیٹر صاحب سے جو اسلام کی راہ ہدایت سے بھٹک کر گمراہی کی ہلاکت آفرین وادیوں میں سرگردان ہیں۔ پوچھتا ہوں کہ جب تمام مذہبی کتابیں منزل من اللہ ہیں اور ہر ایک کے اندر انسان کی رہنمائی کی صلاحیت موجود ہے اور تمام موجودہ ادیان حق اور منجانب اللہ ہیں جو انسان کو ہدایت کا راستہ دکھاتے ہیں تو پھر بہائیت کس مرض کی دوا ہے؟ بہائیت نے آ کر دنیا کی کس تشنگی ہدایت وسعادت کو سیراب کیا؟ جب دنیا کے موجودہ مذاہب ہی انسان کی نجات ورستگاری کے لئے کافی ہیں تو پھر بہائیوں کو بہائیت کی الگ بانسری بجانے کی کیا ضرورت ہے؟ دوسرے مذاہب میں کیوں جذب نہیں ہو جاتے؟

باب اور بہاء اللہ کو دوسرے ادیان سے نفرت

مگر میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہیں۔ اتحاد مذاہب کا ڈھونگ بہائیوں کی ایک منافقانہ چال ہے۔ عوام کے دل مٹھی میں لینے کی ایک عیاری ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے بانیان مذہب باب اور بہاء اللہ تو اس نفاق وظاہر داری کے سراسر خلاف لکھ گئے ہیں۔ چنانچہ علی محمد باب نے کتاب بیان کے باب ۶ واحد ۲ میں لکھا۔ اگر کسے باشد وداخل میزان بیان نشود ثمرنمی بخشد تقوائے اوادرا۔ (جو شخص کتاب بیان کی پیروی نہیں کرتا اس کا تقویٰ اور پرہیز گاری اس کو کچھ نفع نہ دے گی) اور کتاب بیان کے باب واحد ۴ میں لکھا۔ ''من یتجاوز عن حد البیان فلا یحکم علیه حکم الایمان سواء کان عالماً اوسلطاناً او مملوکاً او عبداً'' (جو شخص میری کتاب بیان کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے گا اس کے مؤمن ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ خواہ وہ عالم ہو یا بادشاہ مملوک ہو یا غلام) اور بیان کے باب ۱۱ واحد ۸ میں لکھا۔ اگر در غیر ایمان بیان قبض روح شود اگر عمل ثقلین رانماید نفع بادنمی بخشد۔ (جس شخص کی موت ایسی حالت میں واقع ہو کہ وہ بابی مذہب کا پیرو نہ ہو تو دونوں جہان کے عمل بھی اسے کوئی نفع نہ بخشیں گے) اور بہاء اللہ نے کتاب مبین کے ص ۱۸ میں لکھا۔ ''ارتفع سماء البیان وثبت ما نزل فیه ان الذین انکروا اولئك فی غفلة وضلال'' (کتاب بیان کی عظمت بلند ہوئی اور جو کچھ اس میں اتارا گیا تھا وہ ثابت ہو گیا اور جو لوگ اس کے منکر ہیں وہ غفلت اور گمراہی میں پڑے ہیں) اور کتاب مبین ص ۲۸۳ میں لکھا۔ ''خسر الذین کذبوا بایاتنا سوف تاکلهم النیران'' (جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں وہ خسارہ میں پڑے ہیں۔ عنقریب وہ جہنم کا ایندھن بن جائیں گے) اور بہاء

اللہ کتاب اقدس میں لکھتا ہے۔"والذی منع انه من اهل الضلال ولو یأتی بکل الاعمال "(جس شخص نے مجھے قبول نہیں کیا وہ گمراہ ہے۔ اگر چہ وہ دنیا بھر کے حسنات ہی کیوں نہ بجالائے)

اتحاد مذاہب کی اسلامی تعلیم

بہائیوں کو اس پر بڑا ناز ہے کہ وہ اتحاد مذاہب کے داعی و مناد ہیں۔ حالانکہ اسلام اتحاد مذاہب کی تعلیم بہاء اللہ سے تیرہ سو سال پہلے ہی دے چکا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔"قل یا ایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعًا (......:۱۵۸)"﴿اے نبی! آپ کہہ دیجئے اے دنیا جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔﴾

اور فرمایا:"واعتصموا بحبل الله جمیعا ولا تفرقوا "﴿اللہ کے سلسلۂ ہدایت کو مضبوط پکڑے رہو اور متفرق نہ ہو۔﴾

لیکن اتحاد مذاہب کی جو صورت بہاء اللہ نے پیش کی کہ توحید و شرک، اسلام و کفر، ہدایت و ضلالت، نور و ظلمت میں امتیاز کئے بغیر مذہبی اتحاد ہو جائے۔ یہ بالکل لغو اور بے ہودہ خیال ہے۔ اتحاد بین الملل کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ آدم علیہ السلام کی تمام اولاد اس آسمانی نور کو مشعل ہدایت بنائے جو خالق ناس نے بنی آدم کی رہنمائی کے لئے برگزیدہ خلق سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا۔ جب تک ایسا نہ ہو حق و باطل میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں تمام اہل مذاہب اپنے اپنے دین پر قائم رہ کر بوقت ضرورت کسی سیاسی اور دنیوی مقصد پر متحد العمل ہو سکتے ہیں۔ میں نے ایک بہائی سے پوچھا تھا کہ ہر شخص اپنے سابقہ عقائد و امیال پر قائم رہ کر بہائی ہو سکتا ہے یا بہائی ہونے کے لئے بہائیوں کے مخصوص عقائد کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے؟ اس نے کہا کہ بہائی عقائد اختیار کرنا لابد ہے۔ ورنہ کوئی شخص اپنے سابقہ عقائد پر قائم رہ کر بہائی کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اتحاد مذاہب کا ڈھونگ محض ایک سنہری جال ہے جو چالاک بہائی شکاری نے سادہ لوح عوام کو پھانسنے کے لئے بچھا رکھا ہے۔

شاہ ایران کے نام بہاء اللہ کا مکتوب

بابیوں کی پیہم فتنہ انگیزیوں نے ان کے دامن شہرت پر غداری کے جو بدنما دھبے نمایاں کر دیئے تھے۔ اگر بہاء اللہ استاذ زمانہ سے سبق لے کر ان کے دھونے کی کوشش نہ کرتا تو بابیوں کی کشتی ہستی گرداب فنا میں غرق ہو گئی تھی۔ بابی مسلک سے دست بردار ہونے کے بعد بہاء اللہ نے

ایک طویل مکتوب شاہ ایران کے نام لکھ کر بابیوں کے لئے مراجعت ایران کی اجازت طلب کی۔ اس مکتوب میں بابیوں کے موجودہ سیاسی مسلک کی تشریح کی اور اپنے خلوص اور حسن نیت کا یقین دلاتے ہوئے شاہ کے جذبات رحم وکرم سے اپیل کی۔ یہ خط مرزا بدیع نام ایک بابی کے ہاتھ روانہ کیا۔ موکب شہریاری ان ایام میں طہران سے باہر مستقر تھا۔ اس لئے بدیع مذکور سراپردہ شاہی کے بالمقابل ایک پتھر پر جا بیٹھا اور تین شبانہ روز مرور رکاب شہریاری کا منتظر رہا۔ چوتھے دن ایسے وقت میں جب کہ شاہ دوربین میں اطراف واکناف کی سیر دیکھ رہا تھا اس کی نظر اس بابی پر پڑی ملازمان درگاہ کو تحقیق حال پر مامور کیا۔ جب بابی سے دریافت کیا گیا تو وہ چٹھی دکھا کر کہنے لگا کہ اس عریضہ کو حضور ہمایوں میں پیش کرنا ہے۔ ایک افسر جا کر شاہ کی خدمت میں عرض پیرا ہوا کہ وہ ایک بابی ہے جو جسارت عظیم کا مرتکب ہوا ہے کہ فریق مغضوب کا مکتوب بلاخوف وہراس حضور بادشاہی میں لایا ہے۔ وزرائے دربار نے عقوبت کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ قید وسلاسل میں جکڑ کر بار حیات سے سبکدوش کر دیا گیا۔ شاہ نے حکام کی عجلت پسندی پر تاسف کیا اور کہا کہ بھلا کسی نامہ بر سے بھی کبھی مواخذہ ہوا ہے کہ اسے ناحق قتل کر دیا۔ (مقالۂ سیاح ص ۱۲۷)

معلوم نہیں کہ شاہ نے بہاء اللہ کی عرضداشت پڑھی بھی یا نہیں۔ لیکن اتنا معلوم ہے کہ بہاء اللہ اپنی کوشش میں ناکام رہا اور کسی بابی کو مراجعت ایران کی اجازت نہ دی گئی۔ جو صاحب اس طویل مکتوب کا مطالعہ کرنا چاہیں وہ کتاب مقالہ سیاح ص ۱۳۳، ۱۷۱ کی طرف رجوع کریں۔

اس کے شروع میں یہ چند عربی فقرے بھی مسطور تھے۔ ''یا الھی ھذا کتاب ارید ان ارسلہ الی السلطان وانت تعلم بانی ماا ردت منہ الاظھور عدلہ لخلقک وبروز الطاف لاھل مملکتک وانی لنفسی ما اردت الا ما اردتہ ولا ارید بحولک الا ماترید عدمت کینونۃ تریدمنک دونک فوعزتک رضائک منتھیٰ املی ومشیتک غایۃ رجائی فارحم یا الھی ھذا الفقیر الذی تشبث بذیل غناک وھذا الذلیل الذی یدعوک بانک انت العزیز العلیم ایدیا الٰھی حضرۃ السلطان علیٰ اجراء حدودک بین عبادک واظھار عدلک بین خلقک لیحکم علیٰ ھذہ الفئۃ کما یحکم علی مودونھم انک انت المقتدر العزیز الحکیم''

بہاء اللہ سے پروفیسر براؤن کی ملاقات

مسٹر ایڈورڈ جی براؤن پروفیسر فارسی کیمبرج یونیورسٹی نے کتاب نقطۃ الکاف کے دیباچہ میں لکھا کہ مجھے بابی مذہب کے حالات معلوم کرنے کا مدت سے اشتیاق تھا۔ آخر صفر

۱۳۰۵ھ میں ایسے اسباب فراہم ہوئے کہ میں نے ایران کا سفر اختیار کیا اور قریباً ایک سال تک تبریز، زنجان، تہران، اصفہان، شیراز، یزد، کرمان کی سیاحت میں مصروف رہا۔ اس اثناء میں شیعہ، بابی اور زرتشتی فضلاء سے ملاقاتیں کر کے ان کے مذاہب کے معلومات حاصل کئے۔ آخر پورے ایک سال کے بعد یعنی صفر ۱۳۰۶ھ میں انگلستان کو مراجعت کی۔ اس کے ایک سال بعد یعنی ۱۳۰۷ھ میں جزیرہ قبرص وشہر عکہ کا سفر کیا اور دو رقیب بھائیوں مرزا یحییٰ نوری معروف بہ صبح ازل کو قبرص میں مرزا حسین علی نوری معروف بہ بہاء اللہ کو عکہ میں دیکھا۔ جزیرہ قبرص کے شہر ماغوسا میں، میں پندرہ دن تک اقامت گزیں رہا۔ اس اثناء میں ہر روز صبح ازل کی ملاقات کو جاتا رہا۔ میرا معمول تھا کہ ظہر سے غروب آفتاب تک معلومات حاصل کر کے مراجعت کرتا تھا۔ صبح ازل ہر موضع پر نہایت بے باکی اور آزادی سے گفتگو کرتا تھا۔ لیکن جب میں بابیوں کے تفرقہ اور بہاء اللہ اور بہائیوں کا تذکرہ چھیڑتا تھا تو اس کی صفا گوئی مبدل بسکون ہو جاتی تھی۔ میں نے اس حالت سے یہ استنباط کیا کہ اس قسم کے سوالات طبع پر شاق گذرتے ہیں۔ اس لئے حتی المقدور اس موضوع پر گفتگو کرنے سے اجتناب کیا۔ ان مجالس میں اکثر اوقات صبح ازل کے فرزند عبد العلی، رضوان علی، عبد الوحید اور تقی الدین بھی موجود ہوتے تھے۔ جزیرہ قبرص چند سال سے انگریزی حیطہ تصرف میں آیا ہوا تھا۔ میں نے سرہنری بولور حاکم جزیرہ کی اجازت سے دفاتر حکومت پر نظر ڈالی تو اس سے معلوم ہوا کہ صبح ازل اور اس کے پیرو جزیرہ قبرص میں جلاوطن ہوئے ہیں۔ شہر ماغوسا میں پندرہ دن تک قیام کرنے کے بعد میں نے عکہ کا قصد کیا۔ لیکن پہلے بہائیوں کے پیش کار کی ملاقات کے لئے بیروت گیا۔ کیونکہ معمول یہ تھا کہ جو کوئی بہاء اللہ سے ملاقات کرنا چاہتا۔ اسے پہلے پورٹ سعید، اسکندریہ، یا بیروت کے بہائی عمال میں سے کسی ایک کے پاس جا کر اس خواہش کا اظہار کرنا پڑتا تھا۔ اگر ان کی مرضی ہوتی تھی تو اجازت دے کر ملاقات کے قواعد وآداب سے مطلع کرتے تھے۔ ورنہ انکار کر دیتے تھے۔ میں بیروت پہنچا لیکن سوء اتفاق سے بہائی ایجنٹ اس وقت بیروت میں موجود نہ تھا۔ بہاء اللہ کے پاس عکہ گیا ہوا تھا۔ میں بہت افسردہ ہوا۔ کیونکہ میرے پاس دو ہفتہ سے زیادہ وقت باقی نہ تھا۔ اس کے بعد مجھے دار الفنون کیمبرج کو حتماً مراجعت کرنا تھا۔ بہت کچھ دوڑ دھوپ کرنی پڑی۔ آخر عامل کو چٹھی لکھی۔ جس میں وہ سفارش نامہ بھی ملفوف کر دیا جو ایران کے بابی دوستوں نے عامل بیروت کے نام لکھ دیا تھا۔ اس کے چند روز بعد میں نے جوابی تار بھیج کر ملاقات کی اجازت چاہی۔ اگلے دن تار کا جواب آیا۔ جس میں نام اور پتہ کے بعد صرف یہ دو عربی لفظ لکھے تھے۔ ''یتوجه المسافر'' میں تار پاتے ہی فوراً روانہ ہوا اور ۲۲ رشعبان ۱۳۰۷ھ

کو وارد عکہ ہوا۔ جب عکہ کے قریب پہنچا تو دور سے نہایت خوشنما منظر دکھائی دیا۔ بڑے بڑے خوبصورت باغ تھے۔ نارنگی اور طرح طرح کے دوسرے میوے عجب بہار دکھا رہے تھے۔ ان باغات نے جو حوالی عکہ میں واقع ہیں مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ کیونکہ ایک ایسے شہر میں کہ جس کو بہاء اللہ اپنے نوشتوں میں ہمیشہ احزب البلاد نام سے یاد کیا کرتا تھا۔ مجھے ایسی طراوت اور نضارت کے دیکھنے کی کبھی امید نہ ہو سکتی تھی۔ عکہ میں دن کے وقت ایک مسیحی تاجر کے ہاں فروکش ہوا۔ لیکن رات ایک محترم بہائی کے ہاں گذاری۔ دوسرے دن بہاء اللہ کا بڑا فرزند عباس آفندی جو آج کل عبدالبہاء کے نام سے مشہور ہے آیا اور مجھے وہاں سے منتقل کر کے قصر بہجہ میں کہ عکہ سے باہر کوئی پندرہ منٹ کی راہ ہے، لے جا کر ٹھہرایا۔ اس کے دوسرے دن بہاء اللہ کا ایک چھوٹا بیٹا میرے پاس پہنچا اور خواہش کی کہ میں اس کے ساتھ چلوں میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ بہت سے ایوانوں اور گزرگاہوں سے ہوتے ہوئے کہ جن کو نظر تعمق سے دیکھنے کی فرصت نہ تھی۔ ہم ایک وسیع ایوان میں جس کا فرش سنگ مرمر کا تھا اور اس پر نہایت خوشنما پچیکاری ہو رہی تھی پہنچے۔ میرا رہنما ایک پردہ کے سامنے تھوڑی دیر تک ٹھہرا رہا تا کہ میں اپنا جوڑا اتار لوں۔ پردے کو اٹھا کر میں ایک وسیع تالار میں داخل ہوا۔ تالار ان چار ستونوں کو کہتے ہیں جنہیں زمین میں گاڑ کر ان پر لکڑی کے تختے جڑ دیئے گئے ہوں۔ تالار کے ایک گوشہ میں گاؤ تکیہ کے ساتھ ایک نہایت پر شکوہ اور محترم شخص بیٹھا تھا۔ سر پر درویشوں کے تاج کی مانند لیکن اس سے بہت بلند ٹوپی تھی۔ جس کے گرد سفید کپڑے کا ایک چھوٹا سا عمامہ لپٹا ہوا تھا۔ اس شخص کی درخشاں آنکھیں لوگوں کو بے اختیار اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔ ابرو کشیدہ پیشانی چین دار بال سیاہ تھے۔ داڑھی بہت سیاہ گھنی اور اس قدر لمبی تھی کہ قریب قریب کمر تک پہنچ رہی تھی۔ یہی شخص بہاء اللہ تھا۔ میں مراسم تعظیم بجا لایا۔ بہاء اللہ نے مجھے بہت کچھ تواضع کے ساتھ بیٹھنے کا حکم دیا۔ بہاء اللہ میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ الحمد للہ! کہ تم فائز ہوئے۔ تم اس غرض سے یہاں آئے ہو کہ اس مسجون منفی سے ملاقات کرو۔ صلاح عالم اور فلاح امم کے سوا ہماری کوئی غرض وغایت نہیں۔ لیکن حالت یہ ہے کہ ہمارے ساتھ ان مفسدین کا سا سلوک کرتے ہیں جو حبس وطرد کے مستوجب ہوں۔ تمام ادیان وملل کو ایک مذہب ہو جانا چاہئے۔ ہماری یہ آرزو ہے کہ تمام لوگوں کو بھائی بھائی دیکھیں۔ بنی نوع انسان میں دوستی واتحاد کا رابطہ مستحکم ہو۔ ان کا مذہبی اختلاف دور ہو۔ قومی نزاع مرتفع ہو۔ بھلا اس میں عیب کی کون سی بات ہے؟ اگر ہماری یہ خواہش بار آور ہو تو یہ بیکار رزم وپیکار اور فضول جھگڑے آج ختم ہو سکتے ہیں۔ کیا تم بھی یورپ میں اس امن وسکون کے محتاج ہو؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی مقصد عظیم کی

تلقین نہیں کی؟ بجائے اس کے کہ تمہارے مال وخزانے اصلاح بلاد اور آسائش عباد میں صرف ہوں۔ دنیا بھر کے حکمران ان خزائن کو نوع بشر کی تخریب میں صرف کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ یہ نزاعیں، یہ مصاف آرائیاں، یہ خونریزیاں اور اختلاف ختم ہو جائیں۔ تمام لوگ ایک خانوادہ کی طرح زندگی بسر کریں۔ کسی شخص کو اس بات پر فخر نہ کرنا چاہئے کہ وہ وطن دوست ہے۔ بلکہ حقیقی فخر یہ ہے کہ وہ نوع بشر کو دوست رکھے۔ اس کے بعد میں پانچ ہی دن عکہ میں قیام کر سکا۔ اس اثناء میں اپنے تمام اوقات قصر بہجہ میں نہایت خوشی کے عالم میں گذارے۔ میرے ساتھ ہر طرح سے مہربانی کا سلوک کیا گیا۔ اس مدت میں مجھے چار مرتبہ بہاء اللہ کی خدمت میں لے گئے۔ ہر مجلس ۲۰ دقیقہ سے نیم ساعت تک رہتی تھی۔ یہ تمام مجلسیں ظہر سے قبل منعقد ہوتی تھیں اور ان میں بہاء اللہ کا ایک نہ ایک بیٹا ضرور موجود رہتا تھا۔

بابیوں اور بہائیوں کے مختلف فرقے

پروفیسر براؤن نے نقطۃ الکاف کے مقدمہ میں بابیوں کے متقدمین اور متاخرین کی تحریروں کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تاریخ میں شاید ہی کوئی مذہب ایسا نظر آئے گا جس کے اندر بابی مذہب کی طرح ۶۹ سال (۱۲۶۰ھ، ۱۳۲۹ھ) کی قلیل مدت میں اس قدر تبدیلیاں رونما ہوئی ہوں۔ بابی لوگ دو فرقوں ازلی اور بہائی میں تو پہلے ہی تقسیم ہو چکے تھے۔ دوسرا اختلاف بہاء اللہ کی وفات (۲ ذیقعدہ ۱۳۰۹ھ) کے بعد خود بہائیوں میں بھی رونما ہوا۔ بعض بہائیوں نے تو بہاء اللہ کے فرزند عباس آفندی یا عبدالبہاء کے ہاتھ پر بیعت کی اور دوسروں نے بہاء اللہ کے دوسرے بیٹے مرزا محمد علی کا دامن پکڑا۔ ان اختلافات کی بدولت بابی آج کل چار گروہوں میں منقسم ہیں۔ اوّل وہ ہیں جو کل شئی کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو باب اور آنے والے من یظہرہ اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ انہیں اس قصہ سے کوئی سروکار نہیں کہ باب کا وصی کون ہے۔ یہ لوگ بہت قلیل التعداد ہیں۔ دوسرے ازلی جو مرزا یحییٰ نوری ملقب بہ صبح ازل کو باب کا وصی اور جانشین مانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ من یظہرہ اللہ ہنوز ظاہر نہیں ہوا۔ یہ گروہ بھی قلیل التعداد ہے اور ان کی جمعیت دن بدن روبزوال ہے۔ سوم بہائی جو صبح ازل کے بھائی مرزا حسین علی نوری ملقب بہ بہاء اللہ کو من یظہرہ اللہ گمان کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ بہاء اللہ کے بعد کم از کم ہزار سال تک کوئی نیا ظہور نہیں ہوگا۔ چوتھے وہ بہائی جن کا یہ عقیدہ ہے کہ فیض الٰہی کبھی معطل نہیں رہا اور نہ رہے گا یہ لوگ عبدالبہاء کے دعاوی کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کو مظہر وقت جانتے ہیں۔ بابیوں کی کثرت تعداد آج کل اسی آخری فرقہ سے تعلق رکھتی ہے اور یہ

بات سخت حیرت انگیز ہے کہ صبح ازل اور بہاء اللہ کی تاریخ نے مرزا محمد علی اور اس کے سوتیلے بھائی عباس آفندی کے بارہ میں اعادہ کیا ہے۔ یعنی جس طرح صبح ازل اور بہاء اللہ دونوں بھائی باہم دست وگریبان تھے اسی طرح بہاء اللہ کے دونوں بیٹوں میں جنگ آزمائی ہو رہی ہے۔

بہائیوں کی خانہ جنگی

اس کے بعد پروفیسر براؤن لکھتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس آخری تفرقہ اور حسد اور جنگ وجدال نے جو بہاء اللہ کے بعد بہائیوں میں رونما ہوا مجھے بہائی تحریک کی طرف سے کچھ بدظن کر دیا۔ میں اکثر سوچتا اور اپنے بہائی دوستوں سے پوچھا کرتا ہوں کہ وہ نفوذ اور قوت تصرف اور قاہریت جو ان کے عقیدہ میں کلمۃ اللہ کی اولین علامت اور اس کی لاینفک خصوصیت ہے کیا ہوئی؟ اور اسے کہاں تلاش کرنا چاہیے؟ بہاء اللہ کو حکم خداوندی تو یہ پہنچا تھا کہ عاشروا مع الادیان بالروح والریحان (تمام مذاہب سے محبت اور رواداری کا سلوک کرو) اور بہاء اللہ کا مقولہ ہے کہ ہم سب ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی شاخ کے برگ وبار ہیں۔ لیکن خود بہاء اللہ کے جانشینوں کا عمل یہ ہے کہ اپنے ہی خانوادہ کے اعضاء وجوارح کو کاٹ رہے ہیں اور ان میں باہم تلخی وعداوت اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ کوئی شخص اغیار سے بھی ایسی درندگی کا سلوک نہ کرے گا۔ ان کے مقابلہ میں ایران کی اس وقت یہ حالت ہے کہ اہل سنت اور شیعہ، بالاسری اور شیخی، مسلمان اور یہود، عیسائی اور زرتشتی کے اختلافات مٹ رہے ہیں لوگ وطن دوستی کے قدح میں سرشار ہیں۔ ہر طبقہ اور ہر جنس کے ایرانی ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔

(مقدمہ نقطۃ الکاف، از پروفیسر براؤن)

اس سے ثابت ہوا کہ اتحاد مذاہب کا بہائی دعویٰ محض زبانی جمع خرچ اور دھوکے کی ٹٹی ہے۔ جس کی کوئی اصل نہیں۔ عبدالبہاء کا تختہ حیات ۱۹۲۱ء میں کنارۂ عدم کو جالگا۔ اس نے شوقی آفندی کو اپنا جانشین بنایا۔ مرزا محمد علی غالباً اب تک زندہ ہے۔ معلوم نہیں کہ مرزا محمد علی اور شوقی آفندی میں بھی جھگڑے قضیے چلے جاتے ہیں یا فریقین نے لڑتے لڑتے تھک کر خاموشی اختیار کر لی؟۔

مشرکانہ عقائد اور زندقہ نواز شریعت

بہائی لوگ بہاء اللہ کو من یظہرہ اللہ اور مسیح موعود بلکہ کل ادیان کا موعود مانتے ہیں۔ بہاء اللہ کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدائی کا بھی مدعی تھا۔ چنانچہ کتاب (اقتدار ص۳۶) میں لکھتا ہے۔ ''کذالك نطق القلم اذا كان مالك القدم فی سجنه الاعظم بما كسبت ايدی

الظلمین ”(جب مخلوق کا قدیم مالک ظالموں کے ظلم سے اپنے بڑے قید خانے میں پڑا ہوا تھا تو قلم نے اسی طرح نطق فرمایا)

اور اسی کتاب کے (ص ۱۱۴) میں لکھتا ہے۔ ”اذا یراہ احد فی الظاھر یجدہ علے ھیکل الانسان بین ایدی اھل الطغیان واذا یتفکر فی الباطل یراہ مھیمنا علیٰ من فی السموات والارضین “(جب کوئی شخص اس کو (بہاءاللہ کو) دیکھتا ہے تو اسے اہل طغیان کے ہاتھوں میں انسانی شکل میں پاتا ہے۔ لیکن جب اس کے باطن پر غور کرتا ہے تو اسے آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کا نگہبان پاتا ہے)

اور کتاب (اقدس ص ۲۲۵) میں لکھتا ہے۔ ”الذی ینطق فی السجن الاعظم انہ لخالق الاشیاء وموجدھا حمل البلاء بالاحیاء العالم وانہ لھو الاسم الاعظم الذی کان مکنوناً فی ازل الازال “(جو بڑے قید خانے میں بول رہا ہے وہی کائنات کا خالق وموجد ہے۔ وہ دنیا کو زندگی بخشنے کے لئے بلاؤں اور مصیبتوں کا متحمل ہوا۔ وہی اسم اعظم ہے جو ازل سے مخفی تھا)

اور کتاب (مبین ص ۲۸۶) میں لکھتا ہے۔ ”لا الہ الا المسجون الفرید “(مجھ بہاءاللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو منفرد ویگانہ ہوں اور قید کیا گیا ہوں) معلوم ہوتا ہے کہ ان دعوؤں کی وجہ سے اس کے مرید بھی اس کو عموماً خدا ہی کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بہائی شاعر (دیوان نوش ص ۹۳) کہتا ہے۔

رخ سوئے تو آوردم اے مالک جان الٰہی
زاں روکہ تودر عالم معبودی وسلطانی

مرزا حیدر علی اصفہانی بہائی نے کتاب بہجۃ الصدور ص ۸۲ میں تصریح کی ہے کہ بہاءاللہ (اپنے دعوائے الوہیت کی وجہ سے) اپنے پیروؤں کا معبود بنا ہوا تھا اور اسی کتاب کے (ص ۲۵۸) میں لکھا ہے کہ زائرین اس کی قبر کو سجدہ کرتے ہیں۔ بہائی کہتے ہیں کہ حدیث ”لوکان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من ابناء فارس “(اگر بالفرض ایمان ثریا پر بھی چلا گیا ہوگا تو ابناء فارس میں سے ایک شخص اس کو وہاں سے بھی لے آئے گا) بہاءاللہ کے حق میں پیشین گوئی ہے۔ بہائی شریعت کے وضو میں صرف ہاتھ اور منہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ سر کے مسح اور پاؤں دھونے کا حکم نہیں۔ البتہ اسکی جگہ ۹۵ مرتبہ اللہ ابہی کا وظیفہ پڑھنا بتایا ہے۔ جاڑوں میں تیسرے دن اور موسم گرما میں ہر روز ایک مرتبہ پاؤں دھونے کا حکم ہے اور ہر نماز کے لئے وضو کی ضرورت

نہیں۔ بلکہ دن بھر میں ایک مرتبہ کافی ہے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی جگہ پانچ مرتبہ بسم اللہ الاطہر کہہ لینا چاہیئے۔ بہائی شریعت میں نماز کا قبلہ کعبہ معلی نہیں بلکہ عکہ اور بہاء اللہ کی قبر ہے اور نمازوں میں قرآن وغیرہ نہیں پڑھا جاتا۔ بلکہ بہاء اللہ کی کتابوں کی بعض عبارتیں پڑھی جاتی ہیں۔ نماز پنجگانہ کی جگہ تین تین رکعت کی تین نمازیں صبح، ظہر، مغرب فرض کی گئی ہیں اور نماز پڑھنے کا طریقہ بھی کچھ اور ہی مقرر کیا ہے۔ ان کے نزدیک نماز باجماعت حرام ہے۔ مریضوں اور بوڑھوں کو نماز بالکل معاف ہے۔ صیام رمضان کی جگہ موسم بہار میں انیس روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ روزے میں صبح صادق کی بجائے کھانے پینے کی ممانعت طلوع آفتاب سے رکھی ہے۔ عید الفطر کی جگہ عید نیروز مقرر کی ہے۔ اس کے علاوہ چار اور عیدیں ہیں۔ اسلام نے زکوٰۃ چالیسواں حصہ مقرر کی ہے۔ لیکن بہاء اللہ نے سو مثقال سونے میں سے انیس مثقال یعنی پانچویں حصہ سے کسی قدر کم مقرر کی ہے۔ بہاء اللہ کے گھر میں دو بیویاں تھیں۔ اسی تعداد کے پیش نظر اس نے دو عورتوں تک سے شادی کرنے کی اجازت دی۔ زیادہ کو حرام کر دیا۔ بہاء اللہ نے کتاب الاقدس میں لکھا۔ "قد حرمت علیکم ازواج اباء کم انا نستحی ان نذکر حکم الغلمان" (تم پر تمہارے باپوں کی بیویاں حرام کی گئی ہیں اور لونڈوں کے احکام بیان کرنے سے ہمیں شرم محسوس ہوتی ہے) بہاء اللہ کا صرف باپ کی منکوحہ عورتوں کی حرمت بیان کرنا اور دوسرے محرمات کو چھوڑ دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے نزدیک بیٹی، بہن، خالہ، پھوپھی وغیرہ محرمات سے عقد کرنا جائز تھا اور حسب بیان مرزا مہدی حکیم (کتاب مفتاح الابواب) یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں بہاء اللہ کے دونوں بیٹوں عبدالبہاء اور مرزا محمد علی میں اختلاف رہا۔ مرزا محمد علی کے نزدیک بہاء اللہ کا یہی منشاء تھا کہ باپ کی بیویوں کے سوا تمام عورتوں سے نکاح جائز ہے اور عبدالبہاء نے بہاء کے حکم میں ترمیم کر کے سخت غلطی کا ارتکاب کیا۔ کتاب بدائع الآثار (ج ۱ ص ۱۵۴) میں جو عبدالبہاء کا سفرنامہ ہے لکھا ہے کہ عبدالبہاء نے ایک تقریر میں کہا کہ بہائیوں کے لئے ہر مذہب وملت کے مرد کو لڑکی دینا اور ہر مذہب کی عورت سے شادی کرنا جائز ہے۔ بہاء اللہ نے شہروں میں انیس مثقال سونا اور دیہات میں انیس مثقال چاندی مہر مقرر کیا اور اس مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار شہریوں کے لئے ۹۵ مثقال سونا اور دیہاتیوں کے لئے ۹۵ مثقال چاندی مقرر کی۔ مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ بہاء اللہ نے مفقود الخبر شوہر کی بیوی کو نو مہینہ کے بعد شادی کر لینے کی اجازت دی۔ اس کے نزدیک مرد بیوی کو تین طلاقیں دے کر بھی بلا تکلف رجوع کر سکتا ہے۔ داڑھی اور لباس کے متعلق پوری آزادی دی۔

سر منڈانے کی ممانعت کی۔ سود لینا اور دینا دونوں جائز کر دیئے۔ گانے بجانے کی بھی عام اجازت دی۔

بہاء اللہ کا طویل مدت دعویٰ

مرزائی لوگ عام طور پر مطالبہ کیا کرتے ہیں کہ کسی ایسے جھوٹے مدعی کا نام بتاؤ جس نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح تیئس سال کی طویل مدت تک اپنے دعویٰ پر قائم رہنے کے باوجود ہلاک نہ ہوا ہو۔ ہر چند کہ مرزائیوں کا یہ معیار صدق وکذب کتاب وسنت سے ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا۔ تاہم مرزائیوں کی ضد پوری کرنے کے لئے لکھا جاتا ہے کہ بہاء اللہ ۲۳ سال سے زیادہ عرصہ تک اپنے دعویٰ پر قائم رہا اور ایک طویل عمر پاکر مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح طبعی موت مرا۔ اس میں اختلاف ہے کہ بہاء اللہ نے کس سال مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ حسب تحقیق بہائیاں اس نے ۱۸۶۳ء میں اس وقت دعویٰ کیا جب کہ وہ ہنوز بغداد میں تھا۔ (دور بہائی ص ۱۴) لیکن پروفیسر براؤن کی تحقیق کے بموجب اس نے ۱۸۶۴ء میں اور نہ (اڈریانوپل) پہنچ کر دعویٰ کیا۔ (اپی سوڈ اوف دی باب ص ۳۵۹) تاہم اگر ۱۸۶۴ء ہی کو دعویٰ کا صحیح سال قرار دیا جائے تو بھی ۱۸۹۲ء تک جب کہ اس کی کشتی عمر غرقاب فنا میں چلی گئی۔ اس کی مدت دعویٰ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ سے پانچ سال زیادہ یعنی اٹھائیس سال بنتی ہے اور پھر بہاء اللہ کی مزید فوقیت وبرتری یہ تھی کہ مرزا غلام احمد قادیانی تو ۲۳ سال تک انواع واقسام کی جاں گسل بیماریوں میں مبتلا رہ کر ہمیشہ ابتلاؤں کا آماجگاہ بنا رہا۔ لیکن بہاء اللہ نے نہ صرف عکہ میں اپنی ۲۴ سالہ نظر بندی کی مدت نہایت عیش وعشرت اور شاہانہ ٹھاٹھ میں گزاری۔ بلکہ ایران کو الوداع کہنے کے بعد وہ ہمیشہ عافیت اور آسودگی کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اصل یہ ہے کہ خدائے رؤف ودانا جھوٹے مدعیوں اور انبیاء کی تعلیمات سے روگردانی کرنے والے دوسرے ضلالت پسندوں کو عموماً مہلت دیتا ہے۔ تاکہ آج باز آجائیں۔ کل توبہ کرلیں اور اگر وہ جلد تائب نہیں ہوتے تو خدائے بے نیاز ان کی رسن انانیت کو اور زیادہ دراز کر دیتا ہے۔ ان کی خودسری کی پاداش میں توفیق الٰہی ان سے سلب کر لی جاتی ہے۔ انجام کار جب وہ اپنی شیطانی نیابت کا سارا کاروبار پایۂ تکمیل تک پہنچا لیتے ہیں۔ تو خدائے شدید العقاب اس شجر خبیث کو یکبارگی باغ عالم سے مستاصل کر دیتا ہے۔ امام فخر الدین رازی آیۂ ’’ واملی لهم ان کیدی متین ‘‘ (میں ان کو مہلت دیتا ہوں۔ میری یہ تدبیر نہایت زبردست ہے) کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"اِے امہلم اطیل لھم مدۃ عمرھم لیتما دوا فی المعاصی ولا اعاجلھم بالعقوبۃ علےٰ المعصیۃ" "میں ان کو مہلت دیتا ہوں ان کی مدت عمر کو دراز کر دیتا ہوں۔ ان کی سزا میں جلدی نہیں کرتا تا کہ وہ سرکشی اور شوریدہ سری میں اپنے دل کے حوصلے نکال لیں۔

باب ۶۹ ...... محمد احمد مہدی سوڈانی

محمد احمد ۱۸۴۸ء میں دریائے نیل کے تیسرے آبشار کے قریب موضع حنک میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ بتایا جاتا ہے۔ عبداللہ کشتی سازی کا کام کرتا تھا۔ محمد احمد ابھی بچہ ہی تھا کہ والدین جزیرہ ابا کو جو خرطوم سے شمال کی جانب نیل ابیض پر واقع ہے۔ نقل مکان کر گئے۔ محمد احمد نے بارہ برس کی عمر میں کلام الٰہی حفظ کر لیا۔ اس کے بعد جزیرہ شبکہ میں اپنے چچا شریف الدین کے پاس کشتی سازی کا کام سیکھنے کے لئے بھیجا گیا۔ ایک دن چچا نے اسے کسی بات پر پیٹا تو بھاگ کر شہر خرطوم چلا آیا۔ جو سوڈان کا صدر مقام ہے اور عرصہ تک مدرسہ خوجلی میں علوم دین کی تحصیل کرتا رہا۔ یہاں سے بربر گیا اور ایک مدرسہ میں داخل ہو کر علوم دین کی تکمیل کی۔ یہاں سے ارداب پہنچ کر شیخ نورالدائم کا مرید ہوا۔ جو ایک مشہور پیر طریقت تھے۔ وہاں کچھ عرصہ تک علوم حالی کی تحصیل میں مصروف رہا۔ اس کے بعد پھر خرطوم آیا اور شیخ محمد شریف نام ایک پیر کے حلقہ میں داخل ہو کر طریقہ سمانیہ کی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ ان دنوں ایک عجیب اتفاق پیش آیا۔ شیخ مذکور کے بچوں کی ختنہ ہوئی اور ان کے شاگردوں نے ایک جلسہ منعقد کر کے رسم ختنہ کی تقریب منائی۔ اس مجلس میں کثرت سے لوگ شریک ہوئے اور رقص وسرود سے دل بہلایا گیا۔ محمد احمد نے لوگوں کو اس خلاف شرع تفریح سے منع کیا اور کہا کہ شریعت حقہ ناجائز فعل کو جائز قرار نہیں دے سکتی اور شیخ، شریعت کے کسی ممنوع فعل کو جائز نہیں کر سکتا۔ شیخ محمد شریف کو جب اس کی خبر پہنچی تو غضبناک ہو کر محمد احمد کو طلب کیا۔ محمد احمد محمد شریف کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی چاہی۔ لیکن شیخ نے معاف نہ کیا اور زجر و توبیخ کے بعد اس کا نام طریقہ سمانیہ کی فہرست سے خارج کر کے اس کو خانقاہ سے نکال دیا۔ لیکن محمد احمد کی حق گوئی اور جرأت و دلیری نے لوگوں کو بہت متاثر کیا اور اہل سوڈان کے دلوں میں اس کا وقار بہت بڑھ گیا۔ وہاں سے جزیرہ ابا کو مراجعت کی۔ کچھ دنوں کے بعد یہاں ایک غار میں داخل ہو کر ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہنے لگا۔ کہتے ہیں کہ غار میں خوشبو جلا کر کسی اسم کا ورد کرتا رہا۔ اس عرصہ میں اس کے زہد و اتقاء کا غلغلہ اطراف واکناف ملک میں بلند ہوا۔ بارہا لوگ حلقہ مریدین میں داخل ہونے لگے۔ اس کی عظمت یہاں

تک دلوں میں نقش ہوئی کہ بڑے بڑے اصحاب ثروت واقتدار کی جبین نیاز اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوئی۔ یہاں تک کہ بعارا کے مغرور و سرفراز شیوخ نے جو اپنے برابر دنیا میں کسی کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ بکمال منت اپنی لڑکیاں عقد ازدواج کے لئے پیش کیں۔ جب محمد احمد کے پیروؤں کی تعداد دن بدن بڑھنے لگی تو آخرکار اس مذہبی گروہ پر سیاسی رنگ چڑھنے لگا اور اشاعت اسلام کے پردے میں ملک گیری کے ارادے نشوونما پانے لگے۔ محمد احمد نے جہاد فی سبیل اللہ کا وعظ شروع کیا۔ اس کا قول تھا کہ موت ہمیں اس سے بھی کہیں زیادہ مرغوب ہے۔ جس قدر کہ دولہا کو عروس نو محبوب ہوتی ہے۔ محمد احمد کی دعوت میں کچھ ایسا برقی اثر تھا کہ سیکڑوں آدمی روزانہ اس کی خدمت میں حاضر ہوکر شرکت جہاد پر آمادگی ظاہر کرنے لگے۔ چنانچہ اسلحہ جنگ کی فراہمی شروع ہوئی اور حرب وضرب کی تیاریاں ہونے لگیں۔

دعوائے مہدویت اور گورنر خرطوم کی پریشانی

مئی ۱۸۸۱ء میں محمد احمد نے سوڈان کے تمام ممتاز لوگوں کے نام اس مضمون کے مراسلات بھیجنے شروع کئے کہ جناب سرور عالم ﷺ نے جس مہدی کے آنے کی اطلاع دی تھی وہ میں ہوں۔ مجھے خداوند عالم کی طرف سے سفارت کبریٰ عطاء ہوئی ہے۔ تا کہ میں دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دوں اور ان تمام خرابیوں کی اصلاح کروں۔ جو لوگوں نے دین متین میں پیدا کر دی ہیں اور مجھے حکم ملا ہے کہ تمام عالم میں ایک مذہب، ایک شریعت، اور ایک ہی بیت المال قائم کروں اور جو شخص میرے احکام کی تعمیل نہ کرے اسے بحر عدم میں غرق کر دوں۔ محمد احمد نے ماہ رمضان میں مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں سوڈان اور مصر کے طول وعرض میں اس کی دعوت کا چرچہ ہونے لگا۔ ماہ جولائی میں رؤف پاشا کو جو خدیو مصر کی طرف سے سوڈان کا گورنر جنرل تھا۔ محمد احمد کے دعوائے مہدویت اور اس کی تبلیغی مراسلات کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے معتمد خاص ابوالسعود کو چار علماء کے ساتھ اس غرض سے محمد احمد کے پاس بھیجا کہ اسے خرطوم لاکر حاضر کریں۔ ابوالسعود جزیرہ ابا پہنچا اور کشتی سے ساحل پر اتر کر بلند آواز سے پکارا کہ مہدی کہاں ہے؟ محمد احمد ساحل پر آیا اور ابوالسعود کے پاس پہنچ کر اس کی مسند پر بیٹھ گیا۔ ابوالسعود نے دریافت کیا، کیا تم ہی نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟ محمد احمد نے نہایت متانت سے جواب دیا۔ ہاں میں ہی وہ مہدی ہوں۔ جس کا انتظار کیا جارہا تھا۔ ابوالسعود نے کہا اس دعویٰ سے تمہاری کیا غرض ہے؟ محمد احمد نے جواب دیا کہ خدائے کردگار نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دوں۔ کفر کو سرنگوں اور دین حنیف کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کروں۔ خدا

کی زمین پر خدائے لایزال کا قانون (قرآن) حکمران ہو اور اسلام سربلند دکھائی دے۔ ابوالسعود نے کہا کہ اس ملک کا حکمران بھی تمہاری طرح مسلمان ہے۔ محمد احمد نے جواب دیا کہ یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ حکمران نے نصاریٰ کو سیاہ وسپید کا مالک بنا رکھا ہے اور وہ جا بجا گرجے بناتے اور مسلمانوں کو مرتد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب ابوالسعود سمجھانے لگا کہ گورنمنٹ برطانیہ اور حکومت مصر کی مخالفت اچھی نہیں۔ بہتر ہے کہ بلا انحراف میرے ساتھ خرطوم چل کر رؤف پاشا کی ملاقات کر آؤ۔ محمد احمد نے کہا میں وہاں نہیں جا سکتا۔ ابوالسعود بولا تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ اس سے پہلے ہی اپنے تئیں گورنر خرطوم کے حوالے کر دو۔ جب کہ سرکاری توپیں اور انگریزی جنگی جہاز گولہ باری کر کے جزیرہ ابا کو خاک سیاہ کر دیں۔ محمد احمد نے قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ کسی بدبخت کی کیا مجال ہے کہ میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے؟ اس کے بعد نہایت درشت لہجہ میں ابوالسعود سے کہا جاؤ۔ میں ہرگز تمہارے ساتھ نہ جاؤں گا۔ ابوالسعود محمد احمد کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر سہم گیا اور اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ وہاں سے چلتا بنے۔ آخر اپنے ساتھیوں کی معیت میں خرطوم پہنچ کر دم لیا اور رؤف پاشا کو صورتحال سے مطلع کر کے کہنے لگا کہ اگر پچاس مسلح آدمیوں کو میرے ساتھ کر دو تو میں اس منافق کو آپ کے پاس گرفتار کر لاتا ہوں۔ بیچارے ابوالسعود کو کیا معلوم تھا کہ میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ بلکہ یہ شخص عنقریب تفوق کے آسمان پر مہر منیر بن کر جلوہ گر ہوگا اور تین سال کے اندر سوڈان کی فضا اس کے پرچم اقبال پر فخر کرے گی۔ رؤف پاشا نے پچاس سپاہی اس کے سپرد کر دیئے۔ وہ اس جمعیت کو لے کر ابا پہنچا۔ خود کشتی میں رہا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ جزیرہ میں داخل ہو کر خانہ ساز مہدی کو گرفتار کر لاؤ۔ سپاہی ساحل سے بڑھے اور محمد احمد پر حملہ کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ جب محمد احمد کو ان کی آمد کا علم ہوا تو اس نے مریدوں کا ایک غول بھیج دیا۔ وہ یک بیک ان سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے اور آناً فاناً سب کو قعر عدم میں پہنچا دیا۔ اس واقعہ سے مہدی کا اثر اور بڑھ گیا اور اس کے دعوائے مہدویت کو بڑی تقویت پہنچی۔ جب رؤف پاشا کو اس واقعہ کا علم ہوا تو سخت پریشان ہوا اور سوچنے لگا کہ اب کیا تدبیر کی جائے؟

محمد احمد کے مقابلہ میں پہلی ناکام مہم

اب رؤف پاشا نے حکومت مصر کی منظوری سے مہدی کے مقابلہ کے لئے تین سو سپاہی اور دو عدد توپیں ایک جنگی جہاز کے ذریعہ سے روانہ کیں۔ یہ دستہ فوج ۱۱ر اگست ۱۸۸۱ء کی صبح کو بہ سرکردگی علی آفندی ابا سے تھوڑے فاصلہ پر اترا۔ علی آفندی نے دیکھا کہ ایک شخص جس کے اردگرد بہت سے آدمی ہیں۔ ان کی طرف آ رہا ہے۔ یہ سمجھ کر کہ یہی شخص مہدی ہے۔ چاہا کہ ایک ہی وار

میں اس کا کام تمام کر دے۔ چنانچہ نہایت تیزی سے اس شخص کے سر پر پہنچ کر کہنے لگا کہ تو نے ملک میں کیوں فساد ڈال رکھا ہے؟ اور جھٹ اس کے گولی مار دی۔ مگر مقتول مہدی نہ تھا کوئی دوسرا شخص تھا۔ لیکن پھر مقتول کے ساتھی معاً علی آفندی پر حملہ آور ہوئے اور اس نے آناً فاناً دار القرار جاوید کو انتقال کیا۔ علی آفندی کو ٹھکانے لگانے کے بعد محمد احمد کے پیرو اس کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس اثناء میں جنگی جہاز کے افسر توپ خانہ کو حکم ہوا کہ وہ مہدیوں پر جو وہاں سے تھوڑے فاصلہ پر نظر آ رہے تھے گولہ باری کرے۔ مگر گولہ انداز مہدی کی مقدس وضع دیکھ کر سہم گیا اور آتش بازی میں لیت و لعل کرنے لگا۔ آخر جب سختی کی گئی تو اس نے ہوائی فیر شروع کر دیئے۔ اتنے میں محمد احمد اور اس کے سوار وہاں سے دوسری جگہ کو چلے گئے۔ ابوالسعود نے جو اس فوج کے ساتھ تھا راہ فرار اختیار کی اور شکست خوردہ خرطوم پہنچا۔ اس ہزیمت کا یہ نتیجہ ہوا کہ مہدی کے پیرووں کی تعداد اور زیادہ بڑھنے لگی۔ ان جھڑپوں سے محمد احمد نے جو نتیجہ نکالا وہ دانشمندی پر مبنی تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ مرکز حکومت کے قریب رہنا خطرات سے لبریز ہے۔ اس لئے اس نے جزیرہ ابا پر اپنے ایک مرید احمد مکاشف کو قائم مقام مقرر کیا اور خود کوہ کردوفان جا کر اس کو اپنا مرکز و مستقر بنا لیا۔ جزیرہ ابا کے شمال میں پچاس میل کے فاصلہ پر نیل ابیض کے قریب مقام کاداپر ایک مصری فوج جس میں چودہ سو سپاہی تھی اور جس کا افسر اعلیٰ محمد سعید پاشا تھا پڑی تھی۔ جب محمد احمد کردوفان پہنچا تو اس لشکر نے محمد احمد کے خلاف جنبش کی۔ [illegible] محمد احمد نے جنوبی کردوفان کا رخ کیا۔ مصری لشکر نے تعاقب کیا اور ایک مہینہ تک جنگلوں اور پہاڑوں میں ٹکریں مارتا پھرا۔ لیکن محمد احمد کا پتہ نہ پا سکا۔ آخر اسی تگ و دو میں بھوک پیاس کی شدت سے ہلاک ہو گیا۔ مہدی کے مقابلہ میں دو مہمیں اور بھی بھیجی گئیں۔ لیکن وہ بھی نہ صرف ناکام رہیں۔ بلکہ تمام فوجیں صفحہ ہستی سے بالکل نابود ہو گئیں۔ اب رشید بے حاکم فشودا ایک زبردست جمعیت کے ساتھ مہدی کے مقابلہ کو روانہ ہوا اور ۸ر دسمبر ۱۸۸۱ء کو لڑائی ہوئی۔ لیکن یہ لوگ بھی مہدویہ کے نیزوں سے چھد کر عالم آخرت کو چلے گئے اور بہت سا سامان جنگ مہدی کے ہاتھ آیا۔ رؤف پاشا قبل اس سے کہ کوئی اور تدبیر اس آفت کے ٹالنے کی سوچے ۱۸۸۲ء کے آغاز میں عہدہ گورنری سے معزول کر دیا گیا اور عبدالقادر پاشا سوڈان کا گورنر جنرل مقرر ہو کر آیا۔ اس اثناء میں مہدویہ نے مسلسل حملے کر کے تمام سرزمین سنار پر عمل دخل کر لیا۔ اب شلالی پاشا نام ایک فوجی جرنیل نے مہدی کے خلاف ایک فوج مرتب کی۔ جس کی تعداد چھ ہزار تھی۔ مئی ۱۸۸۲ء میں یہ فوج فشودہ میں داخل ہوئی۔ وہاں سے خشکی کی راہ سے آگے بڑھی۔ آخر آہستہ آہستہ کوچ کرتی ہوئی ۷رجون کو دشمن کے قریب

پہنچ گئی۔ محمد احمد نے چاروں طرف سے یکبارگی حملہ کر کے اس فوج کو بالکل تباہ و برباد کر دیا اور مال غنیمت سے خوب ہاتھ رنگے اس حملہ میں سرکاری فوج کے بہت کم آدمی بچ سکے۔ اس فتح عظیم نے مہدی کے اقتدار کو اور زیادہ چمکا دیا۔ اہل سوڈان یہ دیکھ کر کہ مہدی کی مٹھی بھر فوج نے کثیر التعداد سپاہ پر فتح پائی۔ محمد احمد کی مہدویت پر اور زیادہ راسخ الاعتقاد ہو گئے۔ جب یہ خبر خرطوم پہنچی تو عبدالقادر پاشا بیش از پیش تیاریوں میں مصروف ہوا۔ محمد احمد نے اپنے پیروؤں کو درویش کا لقب دیا تھا۔ عبدالقادر پاشا نے اعلان کر دیا کہ جو شخص درویشوں کو قتل کرے گا حکومت کی جانب سے اسے معقول انعام دیا جائے گا۔ یعنی فی درویش دو پونڈ اور فی افسر اٹھارہ پونڈ معاوضہ ملے گا۔ اسی طرح اس مضمون کے اشتہار چھپوا کر محمد احمد کے لشکر میں پھینکوا دیئے کہ جو درویش محمد احمد کی رفاقت ترک کر کے حکومت کی وفاداری کا عہد کریں گے ان کو حکومت کی طرف سے بڑے بڑے انعام ملیں گے۔ لیکن عبدالقادر پاشا کو اس کوشش میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

ابیض کا محاصرہ اور تسخیر

عبدالقادر فراہمی لشکر میں ہمہ تن مصروف رہا۔ تھوڑے عرصہ میں اس کے پاس بارہ ہزار فوج جمع ہو گئی۔ جس میں سے ایک ہزار اس نے کردوفان کے صدر مقام ابیض کی حفاظت کے لئے بھیج دی۔ اتنے میں محمد احمد فوج لے کر ابیض کی طرف بڑھا۔ جہاں مصر کی طرف سے محمد سعید پاشا حکمران تھا۔ جب محمد سعید پاشا کو اس پیش قدمی کی اطلاع ہوئی تو اس نے تمام اطراف سے فوج جمع کی اور شہر پناہ کے دروازوں کو بند کر کے مقابلہ کے لئے مستعد ہوا۔ ستمبر ۱۸۸۲ء کے شروع میں مہدی درویشوں کی معقول جمعیت کے ساتھ ابیض کے قریب پہنچا اور محمد سعید پاشا کو لکھا کہ وہ شہر کو اس کے حوالے کر دے۔ محمد سعید پاشا نے ارکان داعیان کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ سب نے یہی رائے دی کہ مہدی کے قاصد کو واپس کر دیا جائے اور کوئی جواب نہ دیا جائے۔ لیکن شہر کے وہ باشندے جو در پردہ مہدی کی دعوت کو قبول کر چکے تھے اور جن کی مخفی تحریک سے مہدی یہاں آیا تھا۔ شہر سے نکل کر مہدی سے جا ملے۔ ان لوگوں میں ابیض کا سابق حاکم اور کردوفان کا مشہور تاجر الیاس پاشا بھی شامل تھا۔ جو اپنے ساتھ محافظ سپاہ کے کچھ آدمیوں کو بھی لے گیا۔ اب ابیض میں محمد سعید پاشا اور اس کے چند معتمد لوگ تھے جو دس ہزار باشی بزوق لشکر کو شہر کے اندر لئے ہوئے حفظ و دفاع کے لئے سربکف تھے۔ مہدی جو لشکر مقابلہ کے لئے لایا تھا۔ اس میں چھ ہزار صرف سنگین بردار سپاہی تھے۔ جن کے پاس اعلیٰ قسم کی وہ مصری بندوقیں تھیں جو مختلف مواقع پر مصری لشکر سے مال غنیمت میں حاصل کی گئی تھیں۔ اس وقت مہدی کی مجموعی قوت ساٹھ ہزار آدمیوں پر مشتمل تھی۔

۸ر ستمبر ۱۸۸۲ء کو مہدی نے ابیض پر حملہ کیا۔ چونکہ شہر پناہ نہایت مضبوط اور مستحکم تھی۔ مہدی کی سپاہ کو سخت نقصان اٹھانا پڑا اور آخر اس کو شکست ہوئی۔ مصری سپاہ نے تیرہ جھنڈے جن میں ایک جھنڈا خاص مہدی کا تھا اور جس کا نام رایت عورائیل تھا۔ مال غنیمت میں حاصل کئے۔ اس حملہ میں مہدی کے ہزارہا آدمی ضائع ہوئے۔ جن میں اس کا بھائی محمد اور عبداللہ التعایشی خلیفۂ مہدی کا بھائی یوسف بھی تھا۔ مصری محافظ سپاہ کے صرف تین سو آدمی مقتول ہوئے۔ مہدی پر اس شکست کا بڑا اثر پڑا اور اسے محسوس ہوا کہ مستحکم و مضبوط فصیلوں اور شہر پناہوں پر حملہ کرنے میں کیا خطرات ہیں اور عہد کیا کہ وہ آئندہ مستحکم فصیلوں اور شہر پناہوں پر کبھی حملہ نہ کرے گا۔ بلکہ محصورین کو بھوکوں مار کر حوالگی شہر پر ان کو مجبور کرے گا۔ اس اثناء میں مہدی کو کمک پہنچ گئی اور اس نے ابیض کا سختی کے ساتھ محاصرہ کر لیا۔ آخر ساڑھے چار مہینہ تک محصور رہنے کے بعد اہل ابیض نے تنگ آ کر اپنے آپ کو مہدی کے حوالے کر دیا۔ اب تمام کردوفان مہدی کے قبضہ میں تھا۔ ان حملوں اور محاصروں میں محمد احمد کو کثیر مال غنیمت حاصل ہوا۔ سامان جنگ اور اسلحہ بکثرت ہاتھ آئے اور غلہ کی بھی بہت بڑی مقدار ملی۔ سعید پاشا حاکم ابیض اور سرکاری عملہ گرفتار کر لیا گیا۔

نظام حکومت اور فرمان شاہانہ

محمد احمد نے کردوفان پر قبضہ کر کے اس کے انتظام کی طرف توجہ کی۔ اس نے انتظامی صیغوں کو تین محکموں میں تقسیم کیا۔ (۱) سپاہ۔ (۲) قضا۔ (۳) مال۔ سپاہ کا انتظام عبداللہ تعایشی کے سپرد کیا۔ محکمہ قضا احمد بن علی کے دست اختیار میں دیا۔ یہ شخص پہلے دارفور میں قاضی تھا۔ اس عہدہ کا نام قاضی الاسلام رکھا۔ مالی معاملات کے انصرام کے لئے ایک بیت المال بنایا۔ جس میں ہر قسم کی آمدنی عشور، مال غنیمت، زکوٰۃ، فطرہ اور جرمانوں کی رقمیں جمع ہوتی تھیں۔ جرمانے ان لوگوں سے وصول کئے جاتے تھے جو قانون شریعت کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ محمد احمد نے محکمہ مال کا افسر اعلیٰ اپنے ایک دوست احمد بن سلطان کو مقرر کیا۔ محمد احمد کے اس نظام حکومت پر رعایا بہت خوش ہوئی۔ کیونکہ ہر شخص کو اس کی بدولت آسائش اور راحت و سکون نصیب ہوا۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ کسی پر ظلم کر سکے۔ یا عمال حکومت کسی سے ناجائز طور پر ایک حبہ بھی وصول کر لیں۔ محمد احمد کا لباس خوراک، طرز معاشرت ہر چیز سادہ تھی۔ انتہاء درجہ کی زاہدانہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اسے ہر وقت احکام شریعت کے اجراء کی دھن تھی۔ اس نے اپنی قلمرو میں وہ تمام حدیں جاری کر دی تھیں جو شریعت اسلام نے مقرر فرمائی ہیں۔ اس کے مواعظ کا خلاصہ ترک دنیا اور انقطاع الی اللہ تھا۔ ذیل میں اس کے ایک منشور (فرمان) کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔ جو اس

نے ۱۳۰۱ھ میں ابیض سے شائع کیا تھا۔اس منشور سے اس کی پابندی مذہب اور زاہدانہ خیالات کا اندازہ ہو سکے گا۔حمد وصلوٰۃ کے بعد لکھتا ہے۔"اے بندگان خدا! اپنے رب بزرگ وبرتر کی حمد کرو۔اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو مخصوص نعمت سے سرفراز فرمایا۔وہ نعمت کیا ہے؟ میرا (بحیثیت مہدی) ظاہر ہونا اور یہ تمہارے لئے دوسری امتوں پر شرف خاص ہے۔میرے دوستو! میرا مطمح نظر یہ ہے کہ تم کو راہ ہدایت دکھاؤں۔خدا کے راستہ میں مہاجرۃ اختیار کرو۔جہاد فی سبیل اللہ کو اپنا نصب العین بناؤ۔دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے منقطع ہو جاؤ۔یہاں تک کہ راحت وآسائش کا خیال ہی دل سے نکال دو۔اگر دنیا کوئی اچھی چیز ہوتی تو خدا اس کو تمہارے لئے آراستہ کر دیتا۔حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ان لوگوں کو دیکھو جن کو ہر قسم کی دنیوی آسائشیں حاصل تھیں۔لیکن ایک وقت آیا کہ ان کی تمام راحتیں مصائب سے بدل گئیں اور آسائش زندگی کی شراب تکلیفوں کا زہر بن گئی۔اگر دنیا کی راحت میں کوئی بھلائی ہوتی تو ایسا کیوں ہوتا؟ اور اسی پر بس نہیں بلکہ آخرت کا دردناک عذاب ان کے لئے باقی ہے۔تعجب ہے کہ تم یہ سب دیکھتے ہو اور پھر دنیوی راحت وآسائش کی تمنا اور دنیوی زندگی کی آرزو کرتے ہو۔دنیا کی آسائشوں کو ٹھکرا دو۔خدا سے ڈرو۔اس کے سچے بندوں کی رفاقت اختیار کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو کہ سچی زندگی یہی ہے۔خدا کی راہ میں ایک مسلمان کا تلوار کو حرکت میں لانا ثواب میں ستر برس کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔جہاد میں صرف اتنی دیر کھڑے رہنے کا ثواب بھی ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔جتنی دیر میں اونٹنی کا دودھ دوہتے ہیں۔عورتوں پر بھی خدا کی راہ میں جہاد فرض ہے۔پس جو عورتیں کہ میدان جہاد میں خدمات انجام دے سکتی ہیں اور شرعاً ان کے لئے گھر سے باہر نکلنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔وہ اپنے ہاتھ پاؤں سے جہاد کریں۔جوان اور پردہ نشین عورتوں کا جہاد یہ ہے کہ وہ گھروں میں پاک زندگی بسر کریں اور اپنے نفس سے جہاد میں مصروف رہیں۔گھر سے بلا ضرورت شرعی باہر نہ نکلیں۔بلند آواز سے (کہ غیر مردان کی آواز سنیں) باتیں نہ کریں۔نماز کو پابندی کے ساتھ وقت پر ادا کریں۔اپنے شوہروں کی اطاعت فرض سمجھیں۔اپنے جسموں کو کپڑوں سے چھپائے رہیں۔جو عورت کہ جسم کو نہ ڈھکے اس کو سزا دی جائے۔اگر ایک لحظہ بھی کوئی عورت سر کھول کر بیٹھے تو اس کو ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو فحش گفتگو کرے اس کے اسی کوڑے لگائے جائیں۔جو مرد اپنے بھائی (مسلمان) کو کتا یا سور یا یہودی یا اسی قسم کے اور الفاظ سے یاد کرے اس کے اسی کوڑے لگائے جائیں اور سات روز کی قید کی جائے اور جو شخص (کسی مسلمان کو) فاجر یا چور یا زانی یا خائن یا ملعون کہے اس کو اسی کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو شخص

(کسی مسلمان کو) کافر یا نصرانی یا لوطی کہے اس کو اسی کوڑوں اور سات دن قید کی سزا دی جائے۔ جو شخص کسی ایسی اجنبی عورت سے جس سے اس کا نہ تو کوئی شرعی تعلق ہو اور نہ شرعاً اس سے گفتگو کا جواز ہو، باتیں کرتا ہوا پایا جائے اسے ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو شخص کسی حرام فعل پر قسم کھائے۔ اس کو تادیباً ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو شخص حقہ پیئے یا تمباکو کسی دوسری طرح کھانے اور پینے کے کام میں لائے تادیباً اسی کوڑوں کی سزا دی جائے اور جس قدر تمباکو اس کے پاس موجود ہو اس کو جلا دیا جائے۔ تمباکو کو منہ میں رکھنے، ناک میں چڑھانے اور کسی دوسرے طریقہ پر استعمال کرنے کی بھی یہی سزا ہے۔ جو شخص صرف خرید و فروخت کرتا ہوا پایا جائے اور وہ اس کو استعمال نہ کرتا ہو یا استعمال کا موقع نہ ملا ہو اس کو صرف ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے۔ شراب پینے والے کو خواہ وہ ایک قطرہ کا استعمال ہی کیوں نہ کرتا ہو اسی کوڑے لگائے جائیں۔ اگر شراب خور کا ہمسایہ اس کو سزا دینے کی خود قدرت نہ رکھتا ہو تو امیر شہر کو اطلاع دے۔ ورنہ اس کو اخفائے جرم میں اسی کوڑوں اور سات روز قید کی سزا دی جائے گی تاکہ عبرت پذیر ہو۔ انسان کا اپنے نفس (سرکش) سے خدا کی خوشنودی و اطاعت کے لئے جہاد کرنا جہاد بالسیف سے بھی بہتر ہے۔ اس لئے کہ نفس (سرکش) کافر سے زیادہ سخت ہے کافر تو صرف مقابلہ کرتا ہے اور جنگ کے بعد اس سے راحت مل جاتی ہے۔ لیکن نفس ایک ایسا دشمن ہے جس کا مغلوب کرنا نہایت دشوار کام ہے۔ جو شخص قصداً نماز کو چھوڑے گا وہ خدا اور اس کے رسول دونوں کا گنہگار ہوگا۔ بعض ائمہ مجتہدین نے فرمایا ہے کہ تارک نماز کافر ہے اور بعض نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ تارک نماز کا پڑوسی اگر اس کو سزا دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو امیر شہر کو آگاہ کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کو اسی کوڑوں اور سات روز قید کی سزا اخفائے جرم کی پاداش میں دی جائے گی۔ اگر کوئی لڑکی پانچ سال کی عمر کو پہنچ گئی اور اس کی ستر پوشی نہ کی گئی تو اس کے وارثوں کو کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ جو عورت کسی ایسے شخص کے ساتھ پائی جائے جس سے اس کی منگنی ہو چکی ہو لیکن عقد نہ ہوا ہو تو اس مرد کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کا مال، مال غنیمت سمجھا جائے گا۔

میرے دوستو! تم مخلوق خدا پر شفقت کرو۔ اس کو زہد و ترک دنیا کی رغبت دلاؤ اور آخرت کی محبت اس کے قلب میں مستحکم کر کے اسے طلب عقبیٰ کا شائق و گرویدہ بنا دو۔ تمہارا یہ بھی فرض ہے کہ تم خدا کے بندوں کو عداوت نفس سرکش کی اہمیت جتلا کر اس سے محفوظ رہنے کے طریقے بتلاؤ۔ تم سے انصاف طلب کیا جائے تو پوری طرح انصاف کرو اور مشکلات پر صبر و استقامت کی تعلیم دو۔ وہ معاملات جو ۱۲ر رجب ۱۳۰۰ھ سے پہلے کے ہیں۔ سوائے معاملات امانت، قرض اور مال

یتیم کے سب اٹھا لئے گئے اور اب ان کے متعلق کسی سے باز پرس نہ ہوگی۔ البتہ ۱۲ رجب ۱۳۰۰ھ کے بعد اور فتح سے قبل کے معاملات میں دعاوی کی سماعت ہوگی۔ قتل نفس کے مقدمات میں مقتول کے وارث کو قصاص اور دیت کا اختیار دیا جائے گا اور فتح کے بعد کے معاملات میں صرف قصاص کے قضایا طے کئے جائیں گے۔ پس میرے احکام کے مطابق ان کا فیصلہ کرو۔ اسی طرح مقدمات خلع میں مرد جو مال عورتوں سے دخول وتمتع کے بعد حاصل کرتے ہیں وہ ان کو نہ دیا جائے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ بلکہ ان کے مقدمات کا فیصلہ قرآن مجید کے احکام کے مطابق کیا جائے۔

میرے دوستو! سمجھ لو کہ اتحاد واستقامت ضروری چیز ہے۔ احکام خداوندی کی مخالفت نہ کرو۔ اوامر کی پابندی لابد ہے۔ میرے احکام کو سنو اور اطاعت کرو۔ تبدیل وتحریک کا خیال بھی دل میں نہ آنے دو۔ خداوند تعالیٰ نے جو نعمت تم کو دی ہے اس کا شکر ادا کرو اور کفران نعمت سے باز رہو۔ عورتوں کے مہر بڑھا کر نہ باندھو۔ دولت مند عورت کا مہر دس ریال مجیدی بلکہ اس سے بھی کم رکھو۔ متوسط الحال اور غرباء پانچ ریال مجیدی (قریباً ۸ ریال) سے زیادہ مہر نہ رکھیں۔ بلکہ اس سے کم رکھیں جو شخص اس کے خلاف بڑے بڑے مہر باندھے اس کو تادیباً کوڑوں اور قید کی اتنی سزا دی جائے کہ وہ تائب ہو جائے یا قید میں مرجائے۔ ایسا شخص ہمارے زمرہ سے خارج ہے اور ہم اس سے بری ہیں۔''

جرنیل ھکس کا قتل، انگریزی اور مصری افواج کی بربادی

محمد احمد نے اپنے بعض معتمد افسروں کو اطراف سوڈان میں تبلیغ ودعوت کے لئے روانہ کیا۔ عثمان دغنہ جو مہدی کا معتمد خاص تھا۔ مشرقی سوڈان پہنچا اور وہاں مہدی کے معتقدین ومتبعین کی ایک سپاہ تیار کر کے اطراف میں مہدی کے منشور شائع کئے اور وہاں کے قبائل کو اپنے اثر میں لانے کی جدوجہد شروع کی۔ ان ایام میں مہدی کی روز افزوں ترقی اور مہموں کی ناکامی سے سرکاری حلقوں میں خلفشار پھیل رہا تھا۔ یہاں تک کہ عبدالقادر پاشا گورنر جنرل سوڈان نے رپورٹ کی کہ جس قدر ملک میرے قبضہ میں ہے وہ نکلا جاتا ہے اور اگر فتنہ کی روک تھام کے لئے کوئی مؤثر کارروائی نہ کی گئی تو تمام ملک پر مہدی کا قبضہ ہو جائے گا۔ اس رپورٹ کے بعد مصر و انگلستان میں ہر طرف افسردگی چھا گئی اور یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ مصر اور انگلستان کو کیا تدبیر اختیار کرنی چاہئے کہ جس سے ملک مہدویہ کی دستبرد سے محفوظ رہ سکے؟ مدت تک یہ سوال زیر بحث رہا۔ آخر یہ قرار پایا کہ مہدی کی گوشمالی کے لئے ایک اور زبردست مہم بھیجی جائے۔ اس تجویز کے بموجب ایک زبردست لشکر ایک کارآزمودہ انگریز سپہ سالار جرنیل ھکس کے ماتحت روانہ کرنے کا

فیصلہ ہوا۔ جرنیل ھکس کے علاوہ نو دوسرے جنگ آزمودہ یورپی افسر بھی تیار ہوئے۔ اس وقت عبدالقادر پاشا کی جگہ علاؤالدین پاشا خرطوم کا گورنر تھا۔ علاؤالدین پاشا نے اس مہم کے لئے نیل ارزق کے مشرق سے اونٹ جمع کئے اور آخر اگست تک ہر قسم کی جنگی تیاریاں مکمل ہوگئیں۔ ۸ر ستمبر کو جرنیل ھکس نے فوج کا جائزہ لیا اور ۹ر ستمبر کو یہ سپاہ ام درمان کے مقام سے دوئم کی طرف روانہ ہوئی۔ اس سپاہ میں چار مصری دستے پانچ سوڈانی دستے اور ایک دستہ توپچیوں اور سواروں کا تھا۔ مصری فوج سلیم بک عونی، سید بک عبدالقادر، ابراہیم پاشا، حیدر اور رجب بک صدیق چار افسروں کے ماتحت تھی۔ سپاہ کی کل تعداد گیارہ ہزار تھی۔ جس میں سے سات ہزار مصری پیدل فوج تھی۔ ساڑھے پانچ ہزار اونٹ، پانچ سو گھوڑے جرمن کارخانہ کروپ کی چار توپیں، دس پہاڑی توپیں اور دس دوسری قسم کی توپیں تھیں۔ ٹائمنر ڈیلی نیوز اور لندن کے دوسرے ممتاز اخبارات کے نامہ نگار بھی اس مہم کے ساتھ تھے۔ ۲۰ر ستمبر کو یہ سپاہ دوئم کے مقام پر پہنچی اور علاؤالدین پاشا کی اس فوج سے مل گئی جو پہلے سے وہاں موجود تھی۔ لیکن علاؤالدین پاشا کی فوج کی تعداد معلوم نہیں۔ جرنیل ھکس نے مصری حکومت کو اطلاع دی کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ فوج کو دوئم سے ابیض کی طرف بڑھایا جائے۔ دوئم سے ابیض کا فاصلہ ۱۲۶ میل ہے۔ اس مسافت میں چند چوکیاں قائم کی جائیں گی۔ جن پر فوج کی مناسب تعداد رکھی جائے گی۔ تاکہ واپسی کے خطوط محفوظ رہیں اور معاملہ دگرگوں ہونے پر دشمن واپسی کے راستہ کو منقطع نہ کرسکے۔ بہرحال جرنیل ھکس آگے بڑھا۔ ابیض سے تیس میل کے فاصلہ پر مہدی سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ محمد احمد نے بہت بڑا لشکر فراہم کر رکھا تھا۔ اس کی فوج سرکاری سپاہ پر اس طرح ٹوٹ پڑی جس طرح شیر شکار پر گرتا ہے۔ سرکاری فوج میں ایسی بدحواسی چھاگئی کہ اپنے پرائے کی تمیز نہ رہی اور آپس ہی میں لڑنے کٹنے لگے۔ انگریزی اور مصری افواج کی قواعد و پریڈ اور اس کی توپیں کسی کام نہ آئیں۔ مہدی کے پیرووں نے تھوڑی دیر میں تمام فوج کا صفایا کردیا۔ جرنیل ھکس اور اس کی ساری فوج تمام یورپی افسر اور لندن جرائد کے نمائندے سب میدان جان ستان کی نذر ہوئے۔ البتہ تین سو آدمی جن میں سے اکثر ضعفاء تھے جان بچانے میں کامیاب ہوگئے۔ ان لوگوں نے درختوں کے پیچھے یا لاشوں کے نیچے چھپ چھپ کر جانیں بچائی تھیں۔ انہی لوگوں میں جرنیل ھکس کا خانسامہ محمد نور باروردی بھی تھا۔ اسی شخص کی زبانی ہزیمت و تباہی کے تمام واقعات مصر پہنچ سکے۔ محمد احمد نشۂ فتح میں سرشار یہاں سے برکت کی طرف چلا گیا اور بعض امراء کو مال غنیمت جمع کرنے کے لئے وہیں چھوڑ گیا۔ اس لڑائی سے پہلے سوڈان کے اکثر قبیلے متردد تھے کہ حکومت کا ساتھ دیں یا محمد احمد کا؟ آخر یہ فیصلہ کر رکھا تھا

کہ جرنیل ھکس کی لڑائی کا انتظار کر لیا جائے۔ انجام کار جب قبائل کو معلوم ہوا کہ مہدی نے فتح پائی اور سرکاری فوجیں بالکل تہس نہس ہو گئیں تو انہوں نے اپنی قسمت محمد احمد سے وابستہ کر دی۔

جرنیل بیکر کی ہزیمت

جب مہدی کو ایسی شاندار فتح حاصل ہوئی اور وہ آناً فاناً سارے کردوفان پر قابض ودخیل ہو گیا تو مصری سپاہی اسے سچا مہدی سمجھ کر حصول سعادت کے لئے بھاگ بھاگ کر مہدی سوڈانی کی فوج میں شامل ہونے لگے اور افریقہ کے مسلمانوں میں یہ خیال پختہ ہونے لگا کہ صاحب الزمان مہدی علیہ السلام کہ جس کے لوائے سعادت کے نیچے کفار سے جنگ کر کے شہید ہونے والے قیامت کے روز شہدائے احد وبدر کے ساتھ اٹھائے جائیں گے یہی ہے۔ اس اعتقاد ویقین کی تائید ان احادیث سے ہوتی تھی جن میں حضرت مہدی آخر الزمان کا اسم مبارک محمد والد کا نام عبداللہ مروی ہے۔ چونکہ مہدی سوڈانی کا نام اور اس کے والدین کے نام بھی یہی تھے۔ اس مطابقت اسمی کی وجہ سے اور نیز مہدی کے غیر معمولی فتوحات کے باعث لوگ غلط فہمی میں پڑ گئے تھے۔ لیکن چونکہ آئندہ چل کر بہت سے دوسرے امور احادیث مرویہ کے خلاف ثابت ہوئے۔ رفتہ رفتہ یہ خیال لوگوں کے دلوں سے محو ہوتا گیا اور اصل یہ ہے کہ شروع ہی سے اس کی ذات میں مہدی موعود کی بہت سی نشانیاں مفقود تھیں۔ مثلاً وہ حضرت فاطمہ زہراؓ کی اولاد نہیں تھا۔ اس کا ظہور مکہ معظمہ میں نہیں ہوا تھا۔ اس سے پہلی بیعت رکن اور مقام کے درمیان نہیں ہوئی تھی۔ ان ذاتی خصوصیات کے علاوہ عالم اسلام کے سیاسی حالات بھی اس نہج پر رونما نہیں تھے۔ جو حضرت مہدی علیہ السلام کے زمن سعادت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جرنیل ھکس کی ہلاکت خیز شکست سے قاہرہ اور لندن میں سخت اداسی چھا گئی۔ ابھی اس تباہی کی مرثیہ خوانی ختم نہ ہوئی تھی کہ ایک دوسری مصیبت کا سامنا ہوا۔ یعنی علاقہ سواکن سے جو بحر قلزم پر واقع ہے مصری ہزیمت کی وحشت ناک خبریں آنے لگیں۔ وہاں عثمان دغنہ ایک مہدوی سپہ سالار نے سنکات اور توکر کی مصری فوجوں پر تاخت کر کے شکست فاش دی اور انہیں چاروں طرف سے گھیر کر بالکل نیست ونابود کر دیا۔ اس ہزیمت کا انتقام لینے کے لئے سواکن سے ایک اور مہم تیار کر کے محمد پاشا طاہر کی سرکردگی میں روانہ کی گئی۔ انگریزی سفیر یعنی ڈاک مانکرف بھی ساتھ تھا۔ لیکن سواکن سے روانہ ہونے کے ایک ہی گھنٹہ بعد ساڑھے پانچ سو آدمی کی اس مہم پر عثمان دغنہ نے صرف ایک سو پچاس آدمیوں سے حملہ کر دیا اور شکست فاش دی۔ مصری اکثر تو مارے گئے اور جو بچے انہوں نے بھاگ کر سواکن میں جادم لیا۔ سواکن اور کردوفان کی ہزیمتوں نے انگریزوں اور مصریوں کو اور زیادہ مشوش کر دیا۔ آخر

جنرل ویلنٹائن بیکر کے زیر قیادت ایک اور زبردست مہم بھیجنے کی تجویز ہوئی۔ مصری فوجوں کے مسلمان افسر اور سپاہی جو جانے سے علانیہ انکار نہ کر سکتے تھے یہ سن کر کہ انہیں مہدی کے مقابلہ میں سوڈان جانا ہوگا۔ زار زار روتے تھے۔ آخر مہم روانہ ہوئی اور ان میں سے جو لوگ محمد احمد کی مہدویت سے زیادہ شغف وعقیدت رکھتے تھے راہ ہی میں بھاگ کر مہدوی فوج میں جا شامل ہوئے۔ اس مہم میں پیدل اور سوار ہر قسم کی مصری اور انگریزی فوج تھی۔ جن کے سر عسکر علاوہ جرنیل بیکر کے نو اور تجربہ کار انگریز فوجی افسر تھے۔ جرنیل بیکر مع اپنی فوج کے سواکن کے جنوب میں جہازوں سے اتر کر ۴ر فروری ۱۸۸۴ء کو آگے روانہ ہوا۔ جس وقت فوج الطیب کے قریب پہنچی عثمان دغنہ نے صرف بارہ سو آدمیوں کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا۔ بیکر نے یہ دیکھ کر رسالہ کو پیچھے ہٹا لیا اور پیدل فوج سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر انگریزی اور مصری سپاہی جن کے دلوں پر پہلے ہی سے مہدی کی ہیبت چھائی ہوئی تھی بالکل وارفتہ ہو گئے۔ فوج میں ابتری پھیل گئی اور پیر اکھڑ گئے۔ چار کرپ توپیں پانچ لاکھ کارتوس اور تین ہزار بندوقیں عثمان دغنہ کے ہاتھ لگیں۔ جرنیل بیکر کے سوا تمام انگریز افسر مارے گئے۔ جرنیل بیکر تھوڑی سی پس ماندہ فوج کو لئے ہوئے بحال تباہ سواکن لوٹ آیا۔

محمد احمد کے حدود مملکت

جرنیل بیکر کی شکست سے برطانیہ اور مصر میں اور بھی زیادہ تردد وانتشار پھیل گیا۔ اس وقت درویشوں نے سواکن کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اور وہاں کی حفاظت کے لئے بہت تھوڑی جمعیت رہ گئی تھی۔ کردفان اور دارفور (دارفر) ہاتھ سے نکل چکے تھے اور مہدی کی حکومت خرطوم کے پاس سے چھ سو میل کے فاصلے تک پھیل گئی تھی۔ مشرق کی طرف حبشہ تک سنار کا تمام علاقہ اس میں آگیا تھا۔ مغرب کی جانب علاقہ کردفان دارفر اور فرتیب اس میں شامل ہو گئے تھے اور شمال مشرق کی طرف سواکن تک اس کی سرحد جا ملی تھی۔ تھوڑے دن میں مہدی کا اثر علاقہ الفشیر تک پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر وہاں کا انگریز گورنر سر سلاٹن (جسے معرب کر کے سلاتین پاشا کہتے تھے) سخت بدحواس ہوا۔ خصوصاً اس لئے کہ اس کے افسروں میں بھی باغیانہ خیالات سرایت کر رہے تھے۔ وہ اس بات سے تو قطعاً مایوس ہو چکا تھا کہ جنگ کر کے مہدی سے عہدہ برا ہو سکے گا۔ اس لئے یہ سوچ کر کہ درویشوں میں اس کا رسوخ بڑھ جائے گا اور ملک کی بدنظمی بھی دور ہو جائے گی۔ اس نے منافقانہ طریق پر دین اسلام اختیار کر لیا اور مہدی سے اظہار عقیدت کر کے اپنا علاقہ اس کے حوالے کرنے کی درخواست کی۔ اس سے قبل اس نے ایک چٹھی مسٹر اوگل کے ہاتھ جنرل

ہکس کے نام طلب امداد کے لئے بھیجی تھی۔ لیکن جرنیل ہکس کی ہزیمت اور ہلاکت نے سلاٹن کو ناامید کر دیا۔ اوگل نے وہاں سے واپس آ کر سلاٹن کو صلاح دی کہ مہدی کی اطاعت کر لے۔ کیونکہ حالت اس درجہ یاس انگیز تھی کہ مقابلہ کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا تھا۔ غرض سلاٹن اور اوگل دونوں نے مہدی کی اطاعت کر لی۔ مہدی نے سلاٹن کا نام عبدالقادر رکھا اور حکم دیا کہ وہ العبید کو آ جائے۔ جہاں اس وقت تک مہدی قابض ہو چکا تھا۔ سلاٹن حسب الحکم العبید پہنچا اور وہاں سے مہدی کے ساتھ خرطوم کی طرف آیا۔ مہدی کی رحلت کے بعد اس کے خلیفہ عبداللہ نے اسے اپنے باڈی گارڈ میں متعین کر کے ام درمان میں رکھا۔ سلاطین پاشا کچھ مدت کے بعد وہاں سے چھپ کر بھاگ نکلا۔ لیکن پھر گرفتار ہو گیا اور مدت تک درویشیوں کی قید میں رہا۔ جب انگلستان اور مصر کو متواتر فوج کشی اور بے انتہاء مصارف ونقصانات کے باوجود اپنے ارادہ میں کامیابی نہ ہوئی تو جرنیل گارڈن کو خرطوم بھیجنے کی تجویز ہوئی۔ تاکہ وہ سوڈان میں قیام امن کی عملی تدابیر اختیار کرے اور نظر غائر سے دیکھے کہ مہدی کی روزافزوں دولت وقوت کے مقابلے میں کیا تجویز مناسب ہے۔ جرنیل گارڈن اس سے قبل سوڈان میں گورنر جنرل کے عہدہ پر ممتاز رہ کر اپنی لیاقت ومستعدی کا ثبوت دے چکا تھا اور اس ملک سے اچھی طرح واقف تھا۔ جنرل گارڈن لندن سے ۱۷؍جنوری ۱۸۸۴ء کو روانہ ہوا اور اسے ہدایت کی گئی کہ جس طرح بن پڑے وہ تمام سرکاری فوجوں کو جو سوڈان کے مختلف حصوں میں محصور ہیں۔ نکال لائے۔ گو یہ نہایت پرخطر اور سخت ذمہ داری کا کام تھا۔ لیکن گارڈن نے نہایت دلیری اور استقلال سے اس اہم کام کا ذمہ لیا۔ جرنیل گارڈن برطانیہ کی طرف سے بحیثیت ہائی کمشنر سوڈان اور خدیو مصر کی طرف سے سوڈان کا گورنر جنرل بنا کر بھیجا گیا تھا۔ جنرل گارڈن نے بربر پہنچ کر آزادی سوڈان کے متعلق ایک اعلان جاری کیا اور تمام محصولات بقدر نصف کے معاف کر دیئے اور تمام باشندوں کی جرم بخشی کی۔ یہاں تک کہ اہل سوڈان کو لونڈی غلام رکھنے اور ان کی بیع وشرا کی بھی اجازت دے دی اور اسی اعلان کے ذریعہ سے محمد احمد مہدی کو سلطان دارفور (دارفر) مقرر کیا اور کچھ تحائف مہدی کی خدمت میں بھیجے۔ مگر مہدی نے ان کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور لکھا کہ میں کفار سے کسی بخشش وعطا کا روادار نہیں۔ محمد احمد نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو اور سچے دین اسلام کے پیرو بن جاؤ۔ جس سے تمہیں دنیا وعقبیٰ میں سرخروئی ہو اور تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی جان بچے۔ ورنہ تم سب ناحق اپنی عزیز جانیں کھو بیٹھو گے۔ اس مراسلہ کا جواب جنرل گارڈن نے یہ دیا کہ اب میں تم سے مزید خط وکتابت نہیں کر سکتا۔

خرطوم کا محاصرہ

جب جنرل گارڈن خرطوم پہنچا تو انگریزی افواج میں مسرت کی ایک غیر معمولی لہر دوڑ گئی۔ سرکاری فوجیں اس وقت سخت ضغطہ کی حالت میں پڑی تھیں۔ نہ تو خرطوم خالی کر کے بھاگ جانے کا کوئی راستہ رہ گیا تھا اور نہ ان میں مہدی کے متوقع حملہ سے عہدہ برآ ہونے کی طاقت تھی۔ جنرل گارڈن نے یہ پر خطر حالت دیکھ کر یقین کر لیا کہ مہدی بہت جلد خرطوم پر حملہ آور ہو کر اس کا محاصرہ کر لے گا۔ اس لئے احتیاطاً اپنے محصور ہونے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اسے اس بات کا یقین تھا کہ اگر بروقت کمک پہنچ گئی تو محاصرے سے نکل کر غنیم کا آسانی سے مقابلہ کر سکیں گے۔ غرض گارڈن نے کئی مہینے کا سامان جمع کر کے شہر کے مورچوں کو مضبوط کر لیا۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ شہر خرطوم کی جائے وقوع طبعی طور پر کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ وہ ایک نہایت مضبوط قلعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی دو طرفیں شمال اور مغرب دریائے نیل سے محیط ہیں۔ مشرق اور جنوب کی طرف نہایت مضبوط شہر پناہ ہے اور شہر پناہ کے باہر ایک نہایت عمیق خندق ہے۔ قاہرہ کو جو برقی سلسلہ جاتا تھا مہدی نے ۱۸۸۴ء میں اسے کاٹ ڈالا۔ اس لئے آئندہ جنرل گارڈن اور اس کی فوج کے حالات پردۂ خفا میں پڑے رہے۔ چونکہ بہت دن تک جنرل گارڈن کی کوئی خبر قاہرہ نہ پہنچ سکی۔ اس لئے انگریزی اور مصری حلقوں میں دن بدن انتشار پھیلتا گیا۔ جب رود نیل میں طغیانی ہوئی تو جنرل گارڈن نے بذریعہ کشتیوں کے قاہرہ سے سلسلہ خط و کتابت جاری رکھنے کی کوشش کی۔ اس لئے کرنل ہیمل اسٹوئرٹ کے ہاتھ جو مسٹر پاور انگریزی سفیر اور موسیو ہرلن فرانسیسی سفیر کے ساتھ جہاز عباس پر سوار ہو کر روانہ ہوا تھا۔ اپنی بدحالی کے متعلق ایک مفصل رپورٹ قاہرہ بھیجی۔ مگر بدقسمتی سے جہاز ایک چٹان سے ٹکرا کر ڈوب گیا۔ کرنل اسٹوئرٹ اور اس کے ساتھی کشتیوں میں سوار ہو کر کنارہ پر لگے اور ایک موضع میں پہنچے۔ جہاں پر گاؤں والوں نے انہیں فرنگی بے دین کا لقب دے کر قتل کر ڈالا۔ اس طرح قاہرہ جا کر جنرل گارڈن کی داستان درد سنانے والا کوئی متنفس باقی نہ رہا۔ اس اثناء میں مہدی کا لشکر خرطوم تک پہنچ گیا اور شہر کو محاصرہ میں لے لیا۔ جب کرنل اسٹوئرٹ اور انگریزی سفیر کے مارے جانے کی خبر لندن پہنچی اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ جرنیل گارڈن اور سرکاری افواج محصور ہیں تو انگلستان میں سخت پریشانی اور بددلی پھیل گئی۔ یہ دیکھ کر مسٹر گلیڈسٹون وزیر اعظم برطانیہ نے ایک اور مہم لارڈ ولزلی کے زیر کمان جنرل گارڈن کی کمک کے لئے بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ حکومت برطانیہ نے لارڈ ولزلی کو حکم دیا کہ ایک دفعہ جنرل گارڈن اور سرکاری فوج کو کسی طرح خرطوم سے صحیح و سلامت نکال لیا جائے اور اس کے بعد

مہدی سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ کیونکہ حکومت برطانیہ نے اس بات کا فیصلہ کرلیا تھا کہ سوڈان کو خالی کر کے اس کی قسمت مہدی کے ہاتھ میں دے دی جائے اور مصر کی سرحد وادیٔ حلفہ تک رہے۔ واقعی اس وقت یہی مناسب تھا۔ کیونکہ مہدی کی قوت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ حکومت برطانیہ کے پاس تخلیہ سوڈان کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔ انگلستان نے گذشتہ تین سال کے عرصہ میں ہزاروں جانیں گنوائیں۔ روپیہ پانی کی طرح بہایا اور بے شمار انگریز افسر ہلاک کرائے۔ پھر بھی بجائے ترقی واصلاح کے حالت دن بدن ابتر وزبوں ہوتی جا رہی تھی۔

لارڈ ولزلی کی لندن سے روانگی

لارڈ ولزلی لندن سے روانہ ہو کر ۹ ستمبر ۱۸۸۴ء کو اسکندریہ پہنچا اور وہاں سے قاہرہ آیا۔ جنرل اسٹیفن سن سپہ سالار افواج انگریزی مقیم مصر نے یہ تجویز پیش کی کہ لارڈ ولزلی کی مہم بحیرۂ قلزم کی راہ سے بندرگاہ ٹرنکیٹ پر اترے اور وہاں سے براہ سواکن و بربر خرطوم جائے۔ کیونکہ سواکن سے بربر تک براہ خشکی اور بربر سے خرطوم تک براہ رود نیل صرف چار سو اسی میل کا فاصلہ تھا اور قاہرہ سے دریائے نیل میں سے ہو کر خرطوم جانے میں ساڑھے سولہ سو میل کا سفر تھا۔ مگر جب لارڈ ولزلی اور جنرل اسٹیفن سن میں اختلاف رائے ہوا تو حکومت برطانیہ نے اس فیصلہ کا انحصار لارڈ ولزلی کی صوابدید پر رکھا۔ لارڈ ولزلی نے نیل کا راستہ پسند کیا۔ لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس میں کون سے فائدے مضمر تھے۔ یہ مہم ۳ نومبر کو ڈنگولہ پہنچی۔ لارڈ ولزلی نے محمد یاور حاکم ڈنگولہ کو جس نے مہدی کے حملہ کو کامیابی کے ساتھ روکا تھا، کے سی۔ ایم۔ جی کا خطاب اور تمغہ عطاء کیا۔ محمد یاور نے تمغہ پہنتے وقت گورنمنٹ برطانیہ کا شکریہ ادا کیا اور کہا یہ اعزاز میری حیثیت اور لیاقت سے فزوں تر ہے۔ مگر جب عطائے خطاب کا جلسہ ختم ہوا محمد یاور نے غسل کیا اور تمام کپڑے بدل ڈالے۔ کیونکہ اس کے اعتقاد میں اس کا جسم عیسائی کا ہاتھ لگنے سے نجس ہو گیا تھا۔ یکم نومبر ۱۸۸۴ء کو جنرل گارڈن کا ایک خط قاہرہ میں سرایولن بیرنگ کے پاس پہنچا جو ۱۳ جولائی کا لکھا ہوا تھا۔ اس خط میں جنرل گارڈن نے لکھا تھا کہ ہم خیریت سے ہیں اور چار مہینہ تک خرطوم کو قبضہ میں رکھ سکتے ہیں۔ جس وقت یہ خط پہنچا چار مہینے گذر چکے تھے۔ اس لئے اور بھی زیادہ فکر پیدا ہوئی۔ دسمبر کے اخیر میں انگریزی افواج مقام کورٹی میں پہنچ گئیں۔ مگر چونکہ خرطوم ابھی بہت مسافت پر تھا۔ اس لئے لارڈ ولزلی نے حکومت کو لکھا۔ یہاں سے روانگی میں اس لئے توقف ہوا کہ کافی سامان رسد کے جمع ہونے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ کیونکہ خرطوم کو جو عرصہ سے محصور ہے اور جس میں رسد کی سخت قلت ہے اور گرد و نواح کا سارا ملک ویران ہو چکا ہے۔ بغیر کافی سامان کے جانا ہرگز مناسب

نہیں ہے۔ لارڈ ولزلی نے کورٹی میں اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کو کورٹی سے براہ خشکی متمہ جانے اور وہاں سے کشتیوں پر سوار ہو کر خرطوم پہنچنے کا حکم دیا اور دوسرا نیل کی راہ سے بربر ہو کر خرطوم جانے کے لئے تیار ہوا۔ اوّل الذکر دستہ فوج میجر جنرل سر ہربرٹ اسٹوئرٹ کے زیر احکام روانہ کیا گیا۔ اس کی فوج کا کچھ حصہ جس میں بارہ سو سپاہی اور دو ہزار اونٹ تھے کورٹی سے غدکل کو روانہ ہوا۔ اس اثناء میں لارڈ ولزلی کے پاس کاغذ کے ایک چھوٹے سے پرزے پر جنرل گارڈن کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ پیغام پہنچا کہ خرطوم میں بہمہ وجوہ خیریت ہے۔ (دستخط) سی۔ جی گارڈن ۱۴؍ دسمبر ۱۸۸۴ء

یہ تحریری پیغام محض مغالطہ دہی کے لئے تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر قاصد مہدوی لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہو جائے تو وہ سرکاری فوج کی کمزوری حالت کا احساس نہ کر سکے۔ اصل پیغام جو زبانی کہنے کے لئے قاصد کو دیا گیا تھا یہ تھا۔ ہماری فوج کو قلت خوراک کی وجہ سے انتہائی مشکلات کا سامنا ہے۔ ہمارا سامان خوراک قریب الاختتام ہے۔ یعنی کسی قدر رمیدہ اور تھوڑے سے بسکٹ رہ گئے ہیں۔ ہماری آرزو ہے کہ ہماری مدد کو جلد آ ؤ۔ جنرل گارڈن نے اس رقعہ کے ساتھ اپنے ایک دوست کے پاس بھی ایک پیغام قاہرہ بھیجا تھا۔ جس کے یہ الفاظ تھے۔ بھائی بس اب خاتمہ ہے۔ یقینی ہے کہ ہفتہ عشرہ میں ہماری نئی مصیبتوں کا آغاز ہوگا۔ اگر اہل ملک ہماری مدد کرتے تو یہ نوبت نہ آتی۔ (سی۔ جی گارڈن)

میجر جنرل سر ہربرٹ کا مجروح ہونا

۱۶؍ جنوری ۱۸۸۵ء کو کرنل بارو نے سر ہربرٹ اسٹوئرٹ کو اطلاع دی کہ ابو کلیہ سے شمال مشرق کی جانب پہاڑوں پر مہدی کے آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ اسی روز سرکاری فوج ابو کلیہ سے روانہ ہو کر تین میل کے فاصلہ پر پہنچ گئی۔ مہدی کا کمپ وہاں سے دو میل کے فاصلے پر تھا۔ ۱۷؍ جنوری کی صبح کو انگریزی سپاہ مہدی کے لشکر سے معرکہ آراء ہوئی۔ جس میں سر اسٹوئرٹ ایک زخم کاری سے بیکار ہو کر گر پڑا اور فوج کی کمان سر چارلس ولسن نے لی۔ اس لڑائی میں جانبین کا سخت نقصان ہوا۔ سر چارلس نے ارادہ کیا کہ اس مقام کو محفوظ کر کے تھوڑی سی فوج وہاں چھوڑ دی جائے اور باقی ماندہ فوج کے ساتھ نیل کی طرف پیش قدمی کی جائے۔ مگر مہدویوں کی آتش باری سے تمام مورچے مسمار ہو گئے۔ اس لئے اس ارادے کی تکمیل نہ ہو سکی۔ اخبارات مارننگ پوسٹ اور اسٹینڈرڈ کے وقائع نگار مسٹر کیمرن اور ہربرٹ بھی اس معرکہ میں کام آئے۔ ۲۱؍ جنوری ۱۸۸۵ء کو چار مصری دخانی جہاز خرطوم کی طرف سے آتے دکھائی دیئے۔ قاہرہ کی انگریزی فوج

نے انہیں دیکھتے ہی خوشی کے نعرے بلند کئے۔ جہازوں کے ایک افسر نے جنرل گارڈن کا رقعہ فوج میں پہنچایا۔ جس میں لکھا تھا۔ ہم خرطوم میں بالکل امن وعافیت سے ہیں اور کئی سال تک محفوظ رہ سکتے ہیں۔ (سی۔جی گارڈن مورخہ ۲۹ ردسمبر ۱۸۸۴ء) اس رقعہ سے بھی مثل سابق یہ غرض تھی کہ اگر مہدوی لشکر کے ہاتھ لگ جائے تو اسے سپاہ انگریزی کی قوت کا مغالطہ ہو اور خط محاصرہ سے آگے بڑھ کر یک بیک خرطوم پر حملہ آور ہونے کا حوصلہ نہ کر سکے اور حقیقی پیام جو فوج کمک کے افسر اعلیٰ کو بھیجا گیا تھا۔ ''میں نے خرطوم کو بچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لیکن اب ماننا پڑتا ہے کہ ہماری حالت بہت نازک ہوگئی ہے اور ہمیں چاروں طرف سے یاس وقنوط نے گھیر رکھا ہے۔ میں یہ بات گورنمنٹ سے ناراضی کی بناء پر نہیں کہتا بلکہ حقیقت حال سے مطلع کیا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر خرطوم پر دشمن متصرف ہوگیا تو ہم کسالا پر بھی قبضہ نہ رکھ سکیں گے۔'' عبدالحمید بے جہاز بورڈین کے مصری افسر نے سرچارلس ولسن سے بیان کیا کہ محصورین کی حالت بہت نازک ہے اور جنرل گارڈن کی فوج قطعاً مایوس ہو چکی ہے۔ جنرل مذکور نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر تم انگریزی فوج کو سوار کر کے دس روز کے اندر اندر واپس نہ آ ؤ گے تو پھر کمک بھیجنا بے سود ہوگا۔ ۲۳ رجنوری کو سارا دن روانگی کی تیاریاں ہوتی رہیں اور ۲۴ رجنوری کو چند جہاز انگریزی فوج کو سوار کر کے خرطوم کی طرف روانہ ہوئے۔

خرطوم پر مہدی کا قبضہ اور جرنیل گارڈن کا قتل

جب محاصرے نے طول کھینچا اور خرطوم میں انگریزی فوج کی حالت زبونی کے انتہائی درجہ کو پہنچ گئی تو اہل شہر نے جو مہدی کی حمایت کا دم بھرتے تھے۔ مہدی کو پیغام بھیجا کہ اب سپاہ انگریزی میں دم باقی نہیں۔ اس لئے شہر پر بغیر مزید توقف کے حملہ کر دینا مناسب ہے۔ اہل خرطوم جو انگریزی فوج کے ساتھ محاصرہ میں تھے۔ برسر بازار انگریزوں کو گالیاں دیتے تھے۔ جنرل گارڈن سب کچھ کانوں سے سنتا مگر اشتعال بغاوت کے خوف سے کسی پر سختی کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ غرض مہدی نے خرطوم پر حملہ کر کے توپوں کے منہ کھول دیئے اور شہر آناً فاناً ایک کرۂ نار بن گیا۔ خرطوم کے ایک عیسائی سوداگر ماردینی نام کا بیان ہے کہ جنرل گارڈن کو اس بات کا یقین تھا کہ کمک جلد آنے والی ہے۔ اس لئے سپاہیوں سے آخری مرتبہ درخواست کی کہ استقلال کو ہاتھ سے نہ دیں۔ مگر افسوس کہ کمک آخر وقت تک نہ پہنچی۔ جس شب کو مہدی نے خرطوم پر قبضہ کیا ہے اس شام کو میں نے جنرل گارڈن سے ملاقات کرنے کا قصد کیا۔ جس کی مجھے اجازت مل گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ دیوان خانہ میں بیٹھا ہے۔ جب میں اندر داخل ہوا تو مجھ سے کہنے لگا۔

اب میں زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ سپاہی میرا ہرگز اعتبار نہ کریں گے۔ میں نے انہیں بارہا یقین دلایا کہ مدد آنے والی ہے۔ مگر افسوس نہ آئی۔ اب وہ یہ سمجھ لیں گے کہ کمک کے تمام افسانے سن گھڑت تھے۔ جاؤ اور جس قدر آدمی میسر ہوں انہیں ساتھ لے کر اچھی طرح مقابلہ کرو اور مجھے چرٹ پینے دو۔ جنرل گارڈن کے لب ولہجہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سخت بدحواس ہے۔ اس کا دل اس قدر بھر آیا تھا کہ منہ سے اچھی طرح بات نہ نکلتی تھی۔ تفکرات کی وجہ سے اس کے تمام بال یک بیک سفید ہو گئے تھے اور جنرل گارڈن کی بے بسی دیکھ کر میری بھی کمر ہمت ٹوٹ گئی تھی۔ غرض جنرل گارڈن نے اپنی شکستہ دل فوج کو ساتھ لے کر آخر مرتبہ مدافعت کی کوشش کی۔ لیکن شکست کھائی اور ۲۶ رجنوری ۱۸۸۵ء کی رات کو مہدی کی فوج نے خرطوم پر قبضہ کر لیا۔ ۲۶ رجنوری کی صبح کو جب کہ سر چارلس ولسن کے جہاز خرطوم کی طرف بڑھ رہے تھے۔ خرطوم پر مہدوی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ مہدوی فوجیں رات ہی کو شہر میں داخل ہو چکی تھیں۔ اس صبح کو جنرل گارڈن نے دیکھا کہ مہدی کے جھنڈے گورنمنٹ ہاؤس (گورنر کی کوٹھی) کے اردگرد بلند ہو رہے ہیں اور ہزاروں آدمیوں کا ہجوم ہے۔ لیکن کوٹھی کے اندر داخل ہونے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ کیونکہ انہیں خوف تھا کہ کہیں کوٹھی میں سرنگ نہ لگ رہی ہو۔ تھوڑی دیر بس چار آدمی جو نہایت قوی ہیکل تھے کوٹھی میں گھس آئے اور بہت سے دوسرے آدمی بھی ان کے پیچھے داخل ہوئے۔ جو اشخاص بعد میں داخل ہوئے وہ چھت پر چڑھ گئے اور پہرہ کے تمام سپاہیوں کو قتل کر ڈالا۔ چار آدمی جو پہلے داخل ہوئے تھے انہوں نے جنرل گارڈن کی طرف رخ کیا۔ قریب پہنچ کر ان میں سے ایک نے کہا "ملعون الیوم یومك" (اے ملعون آج تیری ہلاکت کا وقت آ پہنچا) یہ کہہ کر جنرل گارڈن کے نیزہ مارا۔ گارڈن نے داہنے ہاتھ سے روکنا چاہا اور پیٹھ پھیر لی۔ اس نے دوسرا وار کیا۔ جس سے ایک مہلک زخم آیا اور جنرل مذکور زمین پر گر پڑا۔ پھر اس کے ساتھیوں نے تلواروں سے اس کا کام تمام کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر سلاتین پاشا کو جا دکھایا جو مہدی کی قید میں تھا۔ سلاتین پاشا کا بیان ہے کہ ۲۶ رجنوری کی صبح کو نہایت بے چین تھا اور اس انتظار میں تھا کہ دیکھوں پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ اس اثناء میں خوشی کے نعرے بلند ہوئے اور فتح کے شادیانے بجنے لگے۔ میرے محافظوں میں سے ایک سپاہی خبر لانے کو دوڑا گیا۔ جس نے چند منٹ میں واپس آ کر بیان کیا کہ گذشتہ شب کو حضرت مہدی علیہ السلام نے خرطوم فتح کر لیا ہے۔ تھوڑی دیر میں تین سیاہ پوش سوڈانی میری طرف آئے۔ یہ سپاہی میرے خیمے کے قریب آ ٹھہرے اور میری طرف گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ ان کے پاس کپڑے میں کوئی چیز لپٹی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ انہوں نے کپڑا کھول دیا

اور جنرل گارڈن کا سر مجھ کو دکھایا۔ یہ وحشت ناک منظر دیکھ کر میرا دماغ کھولنے اور کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ قریب تھا کہ میرے قلب کی حرکت بند ہو جائے۔ مگر میں انتہائی ضبط وتحمل کے ساتھ چپ چاپ دیکھنے لگا۔ ایک سوڈانی نے گارڈن کا چہرہ میری طرف کر کے کہا کہ یہ تیرے چچا کا سر ہے۔ جو حضرت مہدی آخرالزمان علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتا تھا۔ میں نے جواب دیا کہ وہ بہادر جرنیل بہت خوش نصیب تھا جس کی موت کے ساتھ اس کے مصائب کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ سوڈانی کہنے لگا واہ خوب اب بھی تم اس ملعون کی تعریف کرتے ہو؟ تم بہت جلدی اپنی شقاوت کا خمیازہ بھگتو گے۔ یہ کہہ کر وہ گارڈن کا سر لئے ہوئے وہاں سے مہدی کے پاس چلے گئے۔ جنرل گارڈن کے قتل سے انگلستان کے سیاسی مطلع پر اداسی اور غم کا ابر چھا گیا اور ہر شخص گورنمنٹ کو اس بات کا ملزم قرار دیتا تھا کہ اس نے امدادی مہم کے بھیجنے میں لیت ولعل سے کام لیا۔ گورنمنٹ نے سر چارلس ولسن سے وجہ تاخیر کے متعلق جواب طلب کیا۔ سر چارلس نے جواب دیا کہ جب جہاز ۲۱ر جنوری کو غبات کے مقام پر پہنچے تو میری فوج متمہ میں غنیم کے ساتھ مصروف پیکار تھی اور کثرت اموات کی وجہ سے فوج بہت کمزور ہو گئی تھی۔ علاوہ بریں یہ خبر پہنچی تھی کہ مہدی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ ام درمان سے آرہا ہے۔ ایسی حالت میں میں اس بات کا اطمینان کئے بغیر روانہ نہ ہو سکا کہ انگریزی فوج مقابلہ کی صلاحیت رکھتی ہے یا نہیں؟ مزید براں اگر میں ۲۲ر جنوری کو غبات سے روانہ ہو جاتا تو بھی ۲۶ر جنوری کی دوپہر سے پہلے ہرگز نہ پہنچ سکتا اور اس سے پیشتر خرطوم پر مہدی کا قبضہ ہونے کے بعد جرنیل گارڈن قتل کیا جا چکا تھا۔

جرنیل ارل کی ہلاکت

امدادی مہم کا جو حصہ کورٹی سے براہ نیل خرطوم کو روانہ ہوا تھا۔ اس سے کربیکان کے مقام پر ایک معرکہ ہوا۔ جس میں جنرل ارل مارا گیا۔ جس وقت لارڈ ولزلی نے تسخیر خرطوم اور جنرل گارڈن اور جنرل ارل کے مارے جانے کی خبریں سنیں تو بعض انگریزی فوجوں کو واپسی کا حکم دیا اور بربر پہنچنے کے تمام تر ارادے فسخ کر دیئے اور حکومت انگلستان سے اس کے آئندہ ارادوں کے متعلق خط وکتابت شروع کی۔ آخر فیصلہ ہوا کہ مہدی کی مزید ترقی کو روکنے کے لئے بربر پر قبضہ کیا جائے۔ غرض اس مہم کے لئے تیرہ ہزار فوج جن میں چار ہندوستانی پلٹنیں، ایک ہندوستانی رسالہ اور آسٹریلیا کی ایک پلٹن بھی شامل تھی۔ مع کثیر التعداد اونٹوں کے تیار کئے گئے اور جنرل جیرلڈ گرہیم کے زیر کمان یہ مہم روانہ ہوئی۔ ان میں سے ہندوستانی فوج جنرل ہڈسن کے ماتحت تھی۔ ۱۲ر مارچ ۱۸۸۵ء کو جنرل گرہیم نے سواکن پہنچ کر اس انگریزی فوج کی کمان لی جو وہاں پڑی تھی۔

اس فوج میں پانچ سو افسر، سوا دس ہزار سپاہی، پونے سات ہزار گھوڑے، پونے تین ہزار اونٹ، آٹھ سو خچر اور پونے تین ہزار خدمتگار اور ٹھیکہ داروں کے آدمی تھے۔ جنرل گرہیم کو ہدایت کی گئی تھی کہ سب سے مقدم اور اہم کام عثمان دغنہ کا خاتمہ کر کے جنگل کو ریل کے لئے صاف اور بے خطر بنانا ہے۔ اس کے بعد نہایت مستعدی سے ریل کی لائن تیار کی جائے۔ ۲۰ مارچ کو جنرل گرہیم دس ہزار سپاہ کے ساتھ ہاشین کو روانہ ہوا جو سواکن کے قریب ہے۔ یہاں مہدی کے لشکر سے ایک معرکہ ہوا۔ نتیجہ کے لحاظ سے یہ لڑائی بھی انگریزوں کے حق میں مضر ہوئی۔ اس محاربہ سے پیروان مہدی کی بہادری کا تازہ ثبوت ملتا تھا۔ کیونکہ جس وقت ہندوستانی پلٹن بنگال لینسرز نے حملہ کیا۔ مہدی کے پیدل آدمی بلالحاظ اس امر کے کہ ان کے مقابل سوار ہیں۔ اس طرح ٹوٹ پڑے جس طرح شیر شکار پر جھپٹتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے معرکہ میں مہدی کے صرف ڈیڑھ سو آدمیوں نے انگریزوں کے پورے بریگیڈ پر حملہ کر کے اس کو نہایت کامیابی کے ساتھ پسپا کر دیا۔ اب جنرل گرہیم نے سرجان میک نیل کے ماتحت کچھ فوج سواکن اور تمائی کے مابین فوج کمپ تیار کرنے کے لئے بھیجی۔ کیمپ کی حفاظت کے لئے چاروں طرف لکڑیوں کا ایک احاطہ تیار کیا گیا۔ مگر ابھی احاطہ کا تھوڑا حصہ ہی تیار ہوا تھا کہ فوجی محافظوں نے یک بیک یہ خبر دی کہ مہدی کا لشکر آ رہا ہے۔ یہ سن کر انگریزی لشکر میں سخت ابتری اور سراسیمگی پھیل گئی۔ انگریزی فوج کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ بلکہ جو آدمی میدان جنگ سے بھاگ کر سواکن پہنچے انہوں نے تو یہ مشہور کر دیا کہ انگریزی فوج بالکل تباہ ہو گئی ہے۔

سرجان میک نیل کی ہزیمت، سارا سوڈان مہدی کے علم اقبال میں

۳ اپریل کو جنرل گرہیم اعلیٰ درجہ کی آٹھ ہزار انگریزی فوج لے کر تمائی کی طرف بڑھا۔ مگر وہ عثمان دغنہ کا کمپ جلانے کے سوا کچھ نہ کر سکا اور گو انتہائی کوشش کی گئی اور فوج کی تعداد بڑھانے کی غرض سے بار برداری کی دقتیں بھی رفع کی گئیں اور سرجان میکنیل کو بھی سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ مگر نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ نکلا کہ انگریزی سپاہ ایک چھوٹے سے گاؤں کو جلا کر واپس آ گئی۔ کیونکہ قلت آب کی وجہ سے آگے بڑھ کر حملہ کرنا ناممکن تھا۔ غرض سرجان میک نیل کی ہزیمت اور بعد کی ناکامیوں سے انگریز افسروں کے دل چھوٹ گئے اور مہم سواکن اور توسیع ریلوے کی داستان یہیں پر ختم ہو گئی۔ عثمان دغنہ اس بلا کا آدمی تھا کہ اس پر قابو پانا کوئی خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ انگریز جتنی ریلوے لائن اور تار کے کھمبے تیار کرتے وہ تباہ کر جاتا۔ بالجملہ اس مہم کے افسر اعلیٰ جنرل گرہیم کو سوائے ندامت و شرمساری کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ چنانچہ اسی ناکامی کی وجہ سے لارڈ

ولزلی نے خود سواکن پہنچ کر مہم کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ لیکن اس اثناء میں حکومت برطانیہ نے مہم سواکن کی ناکامی سے سبق آموز ہو کر مجوزہ سواکن بربر ریلوے کی تیاری کا ارادہ فسخ کر دیا اور حکم دیا کہ ریلوے لائن کا سارا سامان انگلستان بھیج دیا جائے اور فوج بھی سواکن سے واپس آ جائے۔ اس لئے ریلوے کا کام بند کر دیا گیا اور تمام فوج واپس بلالی گئی۔ جس وقت اس فوج کے سامان کی آخری گاڑی روانہ ہوئی۔ عثمان دغنہ کے آدمیوں نے اس کا تعاقب کیا اور از راہ تحقیر اس کی طرف چند فیر کر کے انگریزی مہم کو خیر باد کہا۔ اس نیرنگ ساز قدرت کی کرشمہ سازیاں دیکھو کہ وہ مغرور و پرشکوہ سلطنت برطانیہ جس کی فوجی طاقت اور جنگی حکمت عملیوں کا لوہا ساری دنیا مانتی ہے۔ اس قدر صرف اور نقصان کے باوجود مہدی کے مقابلہ میں متواتر ہزیمتیں اٹھا کر کس طرح سوڈان خالی کرنے پر مجبور ہوئی؟ حالانکہ مہدی کے پیروؤں کو نہ تو کافی سامان جنگ اور اسلحہ میسر تھے اور نہ ان کے پاس توپیں تھیں۔ گو بعض محاربات میں انہوں نے بندوقیں بھی استعمال کیں۔ لیکن وہ عموماً تلواروں اور نیزوں ہی سے لڑتے رہے اور انہی سے انگلستان، مصر، ہندوستان اور آسٹریلیا کی بہترین قواعد دان اور تربیت یافتہ فوجوں کے چھکے چھڑا دیئے اور ہزیمت یافتہ وہ فوجیں تھیں جن کے پاس اعلیٰ درجہ کا سامان حرب تھا اور انہیں یورپ کے ماہر ترین جرنیل لڑا رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ایک طرف تمام دنیا کا مادی سامان جمع تھا تو دوسری طرف محض توکل علی اللہ اور جوش ایمانی کے ہتھیار تھے اور اس میں شبہ نہیں کہ اگر قائد ازل رہنمائی کرے اور خلوص نیت کارساز ہو تو مادیت روحانیت پر کبھی غالب نہیں آ سکتی۔ مہدی کی سلطنت چار سو میل تک بحر قلزم کے کنارے پر پھیلی ہوئی تھی اور اندرون ملک میں بھی اس کا علاقہ ایک طرف تو سرحد حبشہ (ابی سینیا) تک پہنچ گیا تھا اور مغرب کی جانب میدان صحرا حد فاصل تھا۔ پس یوں سمجھنا چاہیئے کہ وادیٔ نیل ایک ہزار میل سے زیادہ حکومت مصر سے آزاد ہو گئی اور انگلستان اور مصر کی متحدہ حربی جدوجہد بے نوا فقراء کے مقابلہ میں ناکام ثابت ہوئی۔ جب سوڈان کے صدر مقام خرطوم پر عمل و دخل ہو جانے کے بعد سوڈان کی ساری مملکت محمد احمد کے زیر نگین ہو گئی تو اس کی عظمت و سطوت کا ڈنکہ چار دانگ عالم میں بجنے لگا۔ اب محمد احمد وہ بوریہ نشین محمد احمد نہ تھا۔ جو جزیرہ ابا میں شب و روز ذکر الٰہی میں مصروف رہتا تھا اور ہزارہا مخلوق اس کا وعظ سننے آیا کرتی تھی اور فقر و فاقہ میں گذر بسر کرتا تھا۔ بلکہ اب فقر کے ساتھ بادشاہت بھی جمع ہو گئی تھی۔ اب مہدی پر وہ زمانہ نہ تھا کہ حکومت مصر گورنمنٹ برطانیہ اسے باغی کا خطاب دے سکتی۔ بلکہ اب وہ برطانیہ کی ملکہ وکٹوریہ کا ہمسر و رقیب خیال کیا جاتا تھا اور دول یورپ اسے نہایت قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتی تھی۔

تعلیمات

محمد احمد تخت سلطنت حاصل کرنے کے بعد بھی شعائر الٰہی کا ویسا ہی پاس ولحاظ کرتا تھا جیسا کہ وہ اپنے آغاز گوشہ نشینی میں کرتا تھا۔ احکام خداوندی کی پابندی میں بڑا سخت گیر تھا۔ شراب خوار کو درے لگواتا، چوروں کے ہاتھ کٹواتا اور زانی پر بھی حد شرع جاری کرتا۔ رمضان المبارک کا اتنا احترام کرتا تھا کہ بے عذر روزہ نہ رکھنے کی سزا اس نے موت مقرر کر رکھی تھی۔ ان تعزیرات کی برکت سے چند ہی روز کے اندر ہر قسم کے فسق و فجور بدمعاشی وبددیانتی کا قلع قمع ہو گیا۔ اس کے انصاف کا ایسا ڈنکہ بجا کہ کوئی شخص بیداد، غصب وبددیانتی میں مبادرت نہ کر سکتا تھا۔ مسجدیں، مصلیوں سے معمور تھیں۔ ہر طرف قال اللہ وقال الرسول کے چرچے تھے۔ جب محمد احمد کہیں جاتا تو لوگ اس کی زیارت کے لئے دیوانہ وار اٹھ دوڑتے تھے۔ بعض ایسے لوگ تھے جنھوں نے مہدی کو سیکڑوں مرتبہ پہلے دیکھا ہوگا۔ لیکن ان کا اعتقاد واشتیاق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ وہ مہدی کا رخ زیبا دیکھنے سے کبھی سیر نہ ہوتے تھے اور عموماً اس محراب مسجد کے قریب پہنچنے کے لئے آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے۔ جس میں وہ نماز پڑھتا تھا۔ ہزارہا انسانوں کا شور ظاہر کر دیتا تھا کہ اب مہدی کے مسجد میں آنے کا وقت ہے۔ محمد احمد کے مذہبی احکام وتعلیمات کا بیشتر حصہ نظام حکومت اور فرمان شاہانہ کے زیر عنوان اوپر درج ہو چکا ہے۔ مزید تعلیمات ورجحانات ملاحظہ ہوں۔

خلاصہ تعلیمات

۱...... محمد احمد کے مسلک کا ایک بڑا حصہ اس کے منشور میں آ چکا ہے۔ اس کی تعلیمات کا لب لباب ترک دنیا اور لذآت دنیوی سے اجتناب تھا۔ اس نے ہر قسم کے القاب برطرف کر دیئے۔ مالدار اور غریب کو مساوی کر دیا اور حکم دیا کہ میرے تمام پیرو لباس میں یک رنگی اختیار کریں۔ تاکہ دوسروں سے امتیاز کرنے میں سہولت رہے۔ اس کا ہر مرید خواہ امیر ہو یا غریب ایسا جبہ پہنتا تھا جس میں پیوند لگے ہوتے تھے۔

۲...... اس نے چاروں مذاہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کو جمع کر دیا۔ فروعی اختلافات کی صورت میں تطبیق کی کوشش کی جاتی تھی اور قدر مشترک کو لے لیا جاتا تھا۔ نماز صبح اور عصر کے بعد ہر روز قرآن کی چند مخصوص آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں۔ اس عمل کو راتب کہتے تھے۔ وضو میں کسی قدر سہولت وتخفیف کر دی۔

۳...... بیاہ شادی کی تقریب میں برأت اور ہر قسم کے اجتماع کی ممانعت کی اور حکم دیا کہ شادی کے موقع پر لوگوں کو کھانے کی دعوت نہ دی جائے۔ مہر کی مقدار بھی مقرر کر دی۔ باکرہ کا مہر دس ریال اور دو بدل مقرر کیا۔ ثیبہ کا اس سے نصف ٹھہرایا۔ جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرتا اس کا تمام مال واسباب قرق کر لیا جاتا۔ ولیمہ کا کھانا پکانے کی بھی ممانعت کی اور اس کی جگہ کھجور اور دودھ مقرر کر دیا۔

۴...... رقص اور لعب کی بڑی سختی سے بندش کی اور جو کوئی اس کا مرتکب ہوتا اس کے کوڑے لگائے جاتے تھے اور اس کا مال ومتاع ضبط کر لیا جاتا تھا۔

۵...... حج کعبہ کی ممانعت کر دی اور یہ ممانعت شاید اس اندیشہ پر مبنی ہو کہ مبادا سوڈان کے باہر کے لوگوں سے اس کے پیروؤں کا خلا ملا اس کی تعلیمات اور اس کے مسلک پر اثر انداز ہو۔ جو کوئی اس کے مہدی موعود ہونے کا انکار کرتا یا شک وتردد کا اظہار کرتا اس کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جاتا۔ فرد جرم عائد کرنے کے لئے دو گواہوں کی شہادت کافی تھی اور بعض دفعہ مہدی کا یہ کہہ دینا ہی کفایت کرتا تھا کہ مجھے یہ بات بذریعہ وحی معلوم ہو چکی ہے۔ محمد احمد نے ان تمام کتابوں کو نذر آتش کر دیا جو اس کی تعلیمات کی منافی خیال کی گئیں۔ اس سے معلوم ہوگا کہ جہاں اس کی ذات اور اس کی تعلیمات میں بیسیوں خوبیاں تھیں وہاں بہت سے معائب وبدعات بھی موجود تھے۔ خصوصاً حج بیت اللہ سے روکنا بہت بڑی گمراہی تھی۔ اگر یہ امتناع فرضیت حج کے انکار پر مبنی تھا تو محمد احمد اپنی امت سمیت دائرہ اسلام سے خارج تھا۔ ورنہ فسق اور کبیرہ گناہ ہونے میں شک نہیں ہے۔

حرمین اور بیت المقدس پر عمل ودخل کرنے کا خواب پریشان

جب خرطوم فتح ہو گیا اور انگریزی فوجیں سوڈان خالی کر کے مصر چلی آئیں تو ان لوگوں کو بھی محمد احمد کے مہدی موعود ہونے کا یقین ہو گیا۔ جو اب تک مذبذب تھے۔ کیونکہ محمد احمد کے مذہبی شغف کے ساتھ یہ حقیقت بھی ان کے پیش نظر تھی کہ اس نے کسی ایسے میدان جنگ میں شرکت نہیں کی جس میں وہ غالب نہ رہا ہو اور کسی ایسے شہر کا محاصرہ نہیں کیا جسے فتح نہ کیا ہو جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ جب وہ سوڈان کا بلا مزاحمت حکمران ہو گیا تو ڈینگیں مارنے لگا کہ میں جو کچھ کرتا ہوں وحی الٰہی کے حکم سے کرتا ہوں اور کہتا تھا کہ عنقریب مشرق ومغرب میں میری حکومت وسطوت پھیل جائے گی اور روئے زمین کے ملوک وسلاطین میرے سامنے اظہار عجز ونیاز مندی کریں گے۔ اس نے یہ بھی کہہ رکھا تھا کہ میں عنقریب مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس کو فتح

کروں گا۔ پھر کوفہ جاؤں گا۔ اس وقت میرا پیمانۂ حیات لبریز ہو جائے گا اور کوفہ میرا مدفن بنے گا۔ لیکن اس کا یہ خواب پورا نہ ہو سکا۔ فتح خرطوم کے چند ہی ماہ بعد وہ بخار یا چیچک میں مبتلا ہوا اور ۲۱ر جون ۱۸۸۵ء کو ملک عدم کی روانگی کے لئے اس کے پاس اجل کا حکم آ پہنچا۔ اس وقت اس کی عمر کلہم ۳۷ سال کی تھی۔ وفات کے وقت اس کے تینوں خلفاء اور تمام اعیان دولت موجود تھے جب محمد احمد کو یقین ہوا کہ اب دنیا سے کوچ ہے تو حاضرین کو پست آواز میں کہنے لگا کہ پیغمبر خدا ﷺ نے امیر المؤمنین، ابوبکر صدیقؓ کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اور میں عبداللہ کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ جس طرح میری اطاعت کی تھی اسی طرح تمام لوگ عبداللہ کی اطاعت کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے جان شیریں جہان آفرین کے سپرد کر دی۔ اس واقعہ سے شہر میں کہرام مچ گیا اور لوگ چیخنے چلانے لگے۔ عبداللہ نے لوگوں کو نالہ و بکاء سے منع کیا اور کہا شریعت مطہرہ نے میت پر رونے کی ممانعت فرمائی ہے اور رونے کی درحقیقت کوئی بات بھی نہیں۔ کیونکہ حضرت مہدی علیہ السلام تو اپنی مرضی اور خوشی سے اپنے مولیٰ کی دید کے لئے دار دنیا سے چلے گئے ہیں۔ ہزار ہا آدمی تجہیز و تکفین کے لئے جمع ہو گئے۔ محمد احمد کے ایک قرابت دار احمد بن سلیمان نے اسی پلنگ کے نیچے قبر کھدوائی جس پر اس نے اپنی عزیز جان ملک الموت کے سپرد کی تھی۔ مہدی کا مقبرہ ام درمان کی بہترین سنگین عمارت ہے۔ مگر انگریزی گولہ باری سے بہت کچھ شکستہ اور بدنما ہو گیا ہے۔ اس کا سنگ بنیاد خلیفہ عبداللہ کے ہاتھ سے رکھا گیا تھا۔ پتھر خرطوم سے لا کر دریائے نیل کے کنارے جمع کئے گئے تھے۔ اس موقع میں قریباً تیس ہزار آدمی کی بھیڑ بھاڑ تھی۔ خلیفہ اس انبوہ کثیر کے ساتھ نیل کے کنارے گیا۔ جہاں پتھروں کے ڈھیر لگے تھے۔ پہلے خلیفہ ایک پتھر مونڈھے پر اٹھا کر قبر کے پاس لایا۔ اس مثال کی پیروی کرتے ہوئے ہر شخص تبرکاً ایک ایک پتھر اٹھالانے کے لئے اٹھ دوڑا۔ اس افراتفری میں بہت لوگ زخمی ہوئے۔ لیکن مجروحین نے اس تقریب میں صدمہ برداشت کرنے کو اپنی سعادت سمجھا۔ مہدی نے اپنے خلیفہ کو وصیت کی تھی کہ جس طرح بن پڑے انگریزوں کو مصر سے نکال دینا۔ چنانچہ خلیفہ اپنے مخدوم و مطاع کے حکم کے بموجب دو مرتبہ مصر پر حملہ آور ہوا۔ لیکن دونوں مرتبہ ناکام واپس جانا پڑا۔ مہدی کی وفات کے چودہ سال بعد یعنی ۱۸۹۹ء تک انگریزی مصری افواج سے خلیفہ کی کئی لڑائیاں ہوئیں۔ جن کا نتیجہ خلیفہ کے حق میں نہایت نقصان دہ ثابت ہوا۔ ان محاربات کی وجہ سے اس کی قوت دن بدن رو بزوال ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ انجام کار لارڈ کچز نے سوڈان کو دوبارہ فتح کر کے وہاں انگریزی مصری پرچم بلند کر دیا اور انگریزوں اور مصریوں کو مہدی اور خلیفہ عبداللہ کے ہاتھوں سے جو ہزیمتیں ہوتی رہی تھیں ان کی

تلافی کردی۔ اسی کے ساتھ مصائب ونوازل کا بھی خاتمہ ہوا جو محمد احمد سوڈانی کے دعویٰ مہدویت کی بدولت اٹھارہ سال سے نازل ہو رہی تھیں۔ (یہاں تک کے مندرجات مشاہیر الشرق مؤلفہ جرجی زیدان ج ۱ ص ۵، ۷، ۱۲۰ اور محاربات مصر وسوڈان مطبوعہ دہلی وغیرہ کتب سے ماخوذ ہیں)

محمد احمد کی مہدویت کے انکار کی سزا

محمد احمد کی زندگی میں اس کی خانہ ساز مہدویت کے انکار کی سزا ایسی سنگین نہیں تھی۔ جتنی کہ خلیفہ عبداللہ کے عہد سلطنت میں ہوگئی۔ عبداللہ کی عملداری میں مہدویت کا انکار اور قتل عمد دونوں مساوی جرم تھے۔ بلکہ مہدویت کا انکار ایک حیثیت سے قتل عمد سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ کیونکہ اگر قاتل مقتول کے ورثاء کو خون بہا دے کر راضی کر لیتا تھا تو قاتل کی جان بخشی کر دی جاتی تھی۔ لیکن محمد احمد کی مہدویت کا انکار بالکل ناقابل عفو جرم خیال کیا جاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی مسلمان ملاح نے دارالخلافہ ام درمان میں کسی درویش کے سامنے کہہ دیا کہ محمد احمد سچا مہدی نہیں تھا۔ کیونکہ سچے مہدی علیہ السلام کے جو علامات وخصائص احادیث نبویہ میں مروی ہیں وہ اس میں نہیں پائے جاتے تھے۔ درویش نے خلیفہ کے پاس جا کر اس کی شکایت کر دی۔ ملزم جھٹ گرفتار کر کے زندان بلا میں ڈال دیا گیا۔ لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ واقعہ کا گواہ صرف ایک تھا۔ جس کے بیان پر سزا نہیں دی جا سکتی تھی۔ خلیفہ عبداللہ نے قاضی کو بلا کر واقعہ بیان کیا اور پوچھنے لگا کہ شاہد نہ ہونے کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ قاضی نے کہا میں شہادت کا انتظام کر لیتا ہوں۔ چنانچہ قاضی نے دو آدمی سکھا پڑھا کر قید خانہ میں بھیج دیئے وہ جا کر ملزم سے کہنے لگے کہ تمہارے انکار کے گواہ موجود ہیں اور تم کسی طرح سزا سے نہیں بچ سکتے۔ ہاں اس صورت سے مخلصی پا سکتے ہو کہ ہمارے سامنے صاف لفظوں میں اپنے جرم کا اقرار کر لو اور اپنی حرکت شنیعہ پر اظہار افسوس کرو۔ وہ بیچارہ نہیں جانتا تھا کہ یہ محض اس کے پھانسنے کا جال ہے۔ اس نے ان کے سامنے اقبال جرم کر لیا اور پھر بمنت کہنے لگا کہ جا کر میرے لئے خلیفہ سے معافی مانگو اور جرم بخشی کرا دو۔ جب شہادت مکمل ہوگئی تو خلیفہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ خلیفہ نے ملزم سے کہا کہ اگر تم نے میری توہین کی ہوتی تو میں معاف کر دیتا مگر تم نے حضرت مہدی علیہ السلام کو جھوٹا خیال کیا۔ اس لئے تمہیں کسی طرح معاف نہیں کیا جا سکتا۔ اب طبل بجنے لگا اور اعلان کیا گیا کہ سب لوگ میدان میں آ کر منکر مہدی کا عبرت ناک انجام دیکھ لیں۔ تمام اہل شہر میدان میں امنڈ آئے۔ اس کے بعد بھیڑ کی کھال زمین پر بچھائی گئی۔ عبداللہ اس پر بیٹھ گیا۔ قاضی بھی آ گئے۔ اب ملزم کو لا کر عبداللہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف بندھے ہوئے تھے۔ لیکن ملزم بالکل مطمئن تھا

اور اس سے خوف و ہراس کی کوئی ادنیٰ علامت ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ آخر اسے خلیفہ کے سامنے سے ہٹا کر سو قدم کے فاصلہ پر لے گئے اور احمد والیہ نام جلاد نے اس کی گردن مار دی۔

(فائر اینڈ سورڈ ان دی سوڈان ص ۲۵۷، مطبوعہ لندن)

"انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" خدا شہید مظلوم پر اپنی رحمت کا مینہ برسائے۔ آمین!

لاش سے انتقام جوئی

بیان کیا جاتا ہے کہ لارڈ کچنر فاتح سوڈان نے تسخیر ام درمان کے بعد مہدی کی قبر اور لاش سے اور مہدی کے مجروح پیروؤں سے نہایت وحشیانہ انتقام لیا۔ محمد احمد کا مقبرہ جو ایک نہایت قیمتی سنگین عمارت تھی اور تمام براعظم افریقہ میں اعلیٰ درجہ کی عمارتوں میں شمار ہوتی تھی۔ توپوں سے اڑایا گیا۔ اس کے مرتفع گنبد پر گولہ باری کی گئی۔ چاردیواری آتش باری کی نذر کی گئی۔ قبر کھدوا کر مہدی کی نعش سے جنرل گارڈن کے خون کا انتقام لیا گیا اور سر کاٹ کر جنرل گارڈن کے بھتیجے کو دیا گیا جو اس وقت انگریزی فوج میں افسر تھا اور مہدی کی نعش ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریائے نیل میں پھینک دی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر لارڈ کچنر کی جگہ دنیا کا کوئی اور بہادر اور بہادری کا قدر شناس سپہ سالار ہوتا تو وہ مہدی جیسے مشہور دشجاع آدمی کی قبر پر جو خاک مذلت سے اٹھ کر آنا فانا سارے ملک کا فرمانروا بن گیا تھا زر و جواہر نچھاور کرتا اور اس کے سامنے ادب و تعظیم سے جھک جاتا۔ لیکن برطانیہ کے سب سے ممتاز قائد نے اپنی شجاعت و جوانمردی کا یہ ثبوت پیش کیا کہ جس شخص کی زندگی میں اس پر کوئی بس نہ چلا تھا اس کی وفات کے بعد اس کی لاش سے انتقام لے کر کلیجہ ٹھنڈا کیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جرم ناآشنا باشندگان ام درمان سے قرآن مقدس اور تمام دوسری کتابیں چھین لی گئیں اور متواتر تین دن تک شہر میں قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم رہا۔ مہدی کا دفینہ جو ام کوہ میں تھا اور اس میں قریباً بیس لاکھ روپیہ نقد جمع تھا۔ نکال لیا گیا اور کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو غریب سوڈانیوں پر توڑا نہ گیا ہو۔ اسی طرح کنٹمپوری ریویو کے فوجی نامہ نگار مسٹر ای این بینیٹ کے بیان کے بموجب سیکڑوں ہزاروں زخمی میدان جنگ میں پڑے رہے اور مرہم پٹی کر کے ان کی جان بچانے کی کوئی کوشش نہ کی گئی اور نہ صرف یہ بلکہ اکیسویں لینسرز پلٹن کی ایک کمپنی کو حکم دیا گیا کہ تمام مہدوی زخمی جو رستہ میں ملیں موت کے گھاٹ اتار دیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور ان تمام مجروح درویشوں کو جو زمین پر پڑے کراہ رہے تھے برچھوں، تلواروں اور دوسرے ہتھیاروں سے بار زندگی سے سبکدوش کیا گیا۔ (محاربات مصر سوڈان ص ۱۲، مطبوعہ دہلی)

لیکن اگر درندگی و بربریت کے یہ الزام صحیح ہیں تو میرے نزدیک یہ لارڈ کچنر کا ذاتی

فعل تھا۔ برطانوی حکومت اور انگریزی قوم اس کی کسی طرح جواب دہ نہیں ٹھہر سکتی۔ چنانچہ لارڈ کچز کی مراجعت لندن کے بعد خود انگریزی قوم کے حساس افراد نے لارڈ کچز پر نہایت سختی سے اعتراض کیئے تھے اور کچز نے ان کے جواب دے کر اپنی براۃ کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ سر بارج آرتھر کتاب لائف اوف لارڈ کچز میں لکھتے ہیں کہ انگلستان میں نام نہاد ہمدردان بنی نوع نے لارڈ کچز پر الزام لگائے کہ اس نے سواکن اور ام درمان میں لوگوں پر ظلم توڑے اور سخت گیری کی۔ بڑے بڑے الزامات یہ تھے کہ اس نے اختتام جنگ کے بعد زخمی درویشوں کو قتل کرایا۔ مہدی کی قبر کو مسمار کیا اور اس کی ہڈیوں کو نکال لیا۔ لارڈ کچز نے ان الزامات کے جواب میں ایک اعلان شائع کیا جس میں لکھا کہ مجھ پر یہ الزام عائد کیئے گئے ہیں۔

ا...... میرے زیر فرمان برطانوی، مصری اور سوڈانی فوجوں نے زخمی درویشوں کو قتل کیا اور ایسے وقت میں غیر مسلح درویشوں کی جان لی۔ جب کہ ان کو نقصان پہنچانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

۲...... ام درمان پر قبضہ ہو جانے کے بعد وہاں تین دن تک لوٹ مار جاری رکھی گئی۔

۳...... جب فوجیں تیزی کے ساتھ ام درمان کی طرف بڑھ رہی تھیں تو جنگی جہازوں نے بازاروں کے پناہ گیر مجمعوں پر آتش باری کی۔

۴...... مہدی کی لاش اکھیڑی گئی۔ لیکن یہ تمام الزامات غلط ہیں۔ اس کے بعد کچز نے لارڈ سالسبری کو لکھ بھیجا کہ جنگ ام درمان کے بعد میں نے سیاسی مصالح کی بناء پر یہی مناسب خیال کیا کہ مہدی کا مقبرہ جو زیارت اور مجنونانہ جذبات کا مرکز ہے تباہ کر دیا جائے۔ خود گولہ باری کی وجہ سے مقبرہ اس خطرناک حالت میں تھا کہ اگر اسے اسی حالت میں چھوڑ دیا جاتا تو اس سے نقصان جان کا اندیشہ تھا۔ ان وجوہ کی بناء پر میں ام درمان سے فشوداجاتے وقت مقبرہ کو تباہ کر دینے کا حکم دیتا گیا۔ یہ کام میری غیبت میں انجام پذیر ہوا۔ مہدی کی ہڈیاں دریائے نیل میں پھینک دی گئیں۔ البتہ انہوں نے کھوپڑی کو محفوظ رکھ چھوڑا۔ جو میری مراجعت پر میرے سامنے پیش کی گئی۔ اس کے بعد لارڈ کچز نے لکھا کہ تسخیر ام درمان کے بعد مجھے مصری افواج کے مسلمان افسروں نے مشورہ دیا تھا کہ مہدی کے لاش کو منتقل کر دینا مناسب ہے۔ کیونکہ ایسا نہ کیا گیا تو سوڈانی جہلاء سمجھیں گے کہ مہدی کے تقدس نے ہمیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ اس کے بعد لارڈ کچز نے لکھا مجھے یقین ہے کہ کوئی مسلمان جو اس ملک (انگلستان) میں رہتا ہے اس اقدام سے غیر مطمئن نہ ہوگا کہ ہم نے مہدی کی ساری طاقت کچلنے کے ساتھ اس کے مذہب کو بھی بیخ و بن

سے اکھاڑ دیا۔ (لائف اوف لارڈ کچز مؤلفہ سر جارج آرتھر ج ۱ ص ۲۵۹، ۲۶۰، مطبوعہ لندن)

لارڈ کچز کا یہ فعل محمود تھا یا مذموم۔ مگر خدائے قاہر کی قدرت قہرمان نے بہر حال اس کا خوب انتقام لیا۔ مہدی سوڈانی تو چودہ سال تک ایک گنبد عالی کے نیچے دفن رہنے کے بعد سپرد نیل ہوا تھا۔ لیکن کچز کو ایک منٹ کے لئے بھی مادر گور کی آغوش میں استراحت کرنا نصیب نہ ہوا۔ اگر محمد احمد کی ہڈیاں دریائے نیل میں جس کا پانی شیریں وخوشگوار ہے ڈالی گئیں۔ تو کچز کی لاش تلخ پانی کی نذر ہوئی۔ (۱۹۱۸ء میں جبکہ روس یورپ کی عالمگیر جنگ سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ لارڈ کچز کو ایک سفارت پر روس بھیجا گیا۔ راستہ میں کسی جرمن تحت البحر نے جہاز غرق کر کے لارڈ کچز کو کسی نہنگ بھر کا نوالہ بنا دیا) کچز کی غرقابی کے وقت مہدی سوڈانی کی روح نے کچز سے جو خطاب کیا اس کو علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی زبان سے سنئے۔ جاوید نامہ میں لکھتے ہیں۔

گفت اے کچز اگر داری نظر
انتقام خاک درویشے نگر
آسماں خاک ترا گورے نہ داد
مرقدے جز در یم شورے نہ داد

باب ۷۰ ...... مرزا غلام احمد قادیانی

مرزا غلام احمد بن حکیم غلام مرتضیٰ موضع قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور (پنجاب) کا رہنے والا تھا۔ مغل خاندان کا چشم وچراغ تھا۔ ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوا۔ میں پیشتر رئیس قادیان کے نام سے ایک مبسوط کتاب مرزا غلام احمد قادیانی کے سوانح حیات میں لکھ چکا ہوں۔ اس لئے یہاں ایجاز واختصار سے کام لے کر اجمالی تذکرہ پر اکتفا کروں گا۔

دعوؤں کی کثرت وتنوع

اس کتاب میں جس قدر بطالت فروشوں کے حالات اوراق سابقہ میں قلمبند ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا دعویٰ بھی درج کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام، کو ان حالات کا مطالعہ کرتے وقت معلوم ہوگا کہ یہ لوگ عموماً ایک ایک منصب کے دعویدار رہے ہیں اور بہت کم مدعی ایسے گذرے ہیں۔ جن کے دعوؤں کی تعداد دو یا تین تک پہنچی ہو۔ البتہ ایک مرزا غلام احمد قادیانی اس عموم سے مستثنیٰ ہے۔ اس شخص کے دعوؤں کی کثرت وتنوع کا یہ عالم ہے کہ ان کا استقصاء اگر دوسروں کے لئے نہیں تو کم از کم میرے لئے بالکل محال ہے۔ تاہم سطحی نظر

سے قادیانی کے جو دعویٰ اس کی کتابوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی تعداد چھیاسی تک پہنچتی ہے۔ میں نے دو ایک دعویٰ جو سب سے زیادہ دلچسپ تھے اس خیال سے قلم انداز کر دیے کہ مبادا خلیفہ المسیح میاں محمود احمد قادیانی کی خاطر اطہر پر گراں گزریں۔ باقی چوراسی دعویٰ ہدیہ ناظرین ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ میں محدث ہوں، امام الزمان ہوں، مجدد ہوں، مثیل مسیح ہوں، مریم ہوں، مسیح موعود ہوں، ملہم ہوں، حامل وحی ہوں، مہدی ہوں، حارث موعود ہوں، رجل فارسی ہوں۔ سلمان ہوں، چینی الاصل موعود ہوں، خاتم الانبیاء ہوں، خاتم الاولیاء ہوں، خاتم الخلفاء ہوں، حسین سے بہتر ہوں، حسنینؓ سے افضل ہوں، مسیح ابن مریم سے بہتر ہوں، یسوع کا ایلچی ہوں، رسول ہوں، مظہر خدا ہوں، خدا ہوں، مانند خدا ہوں، خالق ہوں، نطفۂ خدا ہوں، خدا کا بیٹا ہوں، خدا کا باپ ہوں، خدا مجھ سے ظاہر ہوا اور میں خدا سے ظاہر ہوا ہوں، تشریعی نبی ہوں، آدم ہوں، شیث ہوں، نوح ہوں، ابراہیم ہوں، اسحاق ہوں، اسماعیل ہوں، یعقوب ہوں، یوسف ہوں، موسیٰ ہوں، داؤد ہوں، عیسیٰ ہوں، آنحضرت ﷺ کا مظہر اتم ہوں، منجی ہوں، ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں، موتی ہوں، حجر اسود ہوں، تمام انبیاء سے افضل ہوں، ذوالقرنین ہوں، احمد مختار ہوں، بشارت "اسمہ احمد" کا مصداق ہوں، میکائیل ہوں، بیت اللہ ہوں، ردر گوپال یعنی آریوں کا بادشاہ ہوں، کلنکی اوتار ہوں، شیر ہوں، شمس ہوں، قمر ہوں، محی ہوں، ممیت ہوں، صاحب اختیارات کن فیکون ہوں، کاسر الصلیب ہوں، امن کا شہزادہ ہوں، جری اللہ ہوں، برہمن اوتار ہوں، رسل ہوں، اشجع الناس ہوں، معجون مرکب ہوں، داعی الی اللہ ہوں، سراج منیر ہوں، متوکل ہوں، آسمان اور زمین میرے ساتھ ہیں۔ وجیہ حضرت باری ہوں، زائد المجد ہوں، محی الدین ہوں، مقیم الشریعہ ہوں، منصور ہوں، مراد اللہ ہوں، اللہ کا محمود ہوں، (یعنی اللہ میری تعریف کرتا ہے) نور اللہ ہوں، رحمۃ للعالمین ہوں، نذیر ہوں، منتخب کائنات ہوں، میں وہ ہوں جس کا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔ میں وہ ہوں جس سے خدا نے بیعت کی۔ غرض دنیا جہان میں جو کچھ تھا مرزا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ۔

یوں تو مہدی بھی ہو عیسیٰ بھی ہو سلمان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

ادھوری تعلیم اور [illegible] کا [illegible]

مرزا غلام احمد نے ایام طفولیت میں اس کے والد حکیم غلام مرتضیٰ صاحب قصبہ بٹالہ میں مطب کرتے تھے اور غلام احمد بھی باپ ہی کے پاس بٹالہ میں رہتا تھا۔ اس نے چھ سات سال کی عمر

میں قرآن پڑھنا شروع کیا۔ قرآن مجید کے بعد چند فارسی کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ابھی تیرہ چودہ سال ہی کی عمر تھی کہ باپ نے شادی کے بندھنوں میں جکڑ دیا۔ یہ پہلی بیوی مرزا قادیانی کے حقیقی ماموں کی بیٹی تھی۔ یہ وہی محترمہ حرمت بی بی خان بہادر مرزا سلطان احمد کی والدہ تھیں۔ جنہیں قادیانی نے معلقہ کر رکھا تھا۔ نہ کبھی نان ونفقہ دیا اور نہ طلاق دے کر ہی بیچاری کی گلوخلاصی کی۔ ابھی سولہ سال ہی کی عمر تھی کہ غلام احمد کے گھر میں مرزا سلطان احمد متولد ہوئے۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں والد نے غلام احمد کو گل علی شاہ بٹالوی نام ایک مدرس کے سپرد کر دیا۔ جو شیعی المذہب تھے۔ ان کے شاگردی میں منطق اور فلسفہ کی چند کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ بس یہی قادیانی کی ساری علمی بساط تھی۔ تفسیر، حدیث فقہ اور دوسرے دینی علوم سے قطعاً محروم رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بیچارہ ''نیم ملا خطرہ ایمان'' کے درجہ سے ترقی نہ کر سکا۔ ورنہ اگر صحاح ستہ نہیں تو کم از کم مشکوٰۃ ہی باقاعدہ کسی استاد سے پڑھ لی ہوتی تو اس کے دین میں شاید اتنا فتور نہ پیدا ہوسکتا۔ جس قدر کہ بعد میں مشاہدہ میں آیا۔ منطق وفلسفہ کی چند کتابوں کے تعلم کے بعد والد نے طب کی چند کتابیں پڑھائیں۔ مگر چونکہ علم طب کی بھی تکمیل نہ کی۔ اس فن میں بھی بمشکل ''نیم حکیم خطرۂ جان'' ہی کی حیثیت اختیار کر سکا۔ ورنہ اگر اسی فن میں اچھی دستگاہ حاصل کر لی ہوتی تو ایک معقول ذریعہ معاش ہاتھ آ جاتا اور آئندہ تقدس کی دکان کھول کر خلق خدا کو گمراہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

ان ایام میں قادیان کے مغل خاندان کو حکومت کی طرف سے سات سو روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ ایک مرتبہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنے عم زاد بھائی مرزا امام الدین کے ساتھ پنشن لینے کے لئے گورداسپور گیا۔ سات سو روپیہ وصول کرنے کے بعد یہ صلاح ٹھہری کہ ذرا لاہور اور امرتسر کی سیر کر آئیں۔ دونوں بھائی امرتسر اور لاہور آ کر سیر وتفریح میں مصروف رہے۔ باوجودیکہ بڑا ارزانی کا زمانہ تھا۔ سات سو روپیہ کی رقم خطیر چند روز میں اڑا دی۔ حالانکہ متعدد گھر والوں کی معیشت کا مدار اسی پنشن پر تھا۔ رقم تلف کرنے کے بعد غلام احمد نے سوچا کہ قادیان جا کر والدین کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ یہاں سے بھاگ کر سیالکوٹ کا رخ کیا۔

سیالکوٹ کی ملازمت مختاری کا امتحان

سیالکوٹ میں ایک ہندو دوست لالہ بھیم سین جو بٹالہ میں ہم سبق رہ چکا تھا موجود تھا۔ مرزا قادیانی کو لالہ بھیم سین کی سعی وسفارش سے سیالکوٹ کی ضلع کچہری میں دس پندرہ روپیہ ماہانہ کی نوکری مل گئی۔ چند سال منشی گری کی ملازمت میں بسر کئے۔ آخر ایک دفعہ معلوم ہوا کہ اس کا دوست لالہ بھیم سین مختاری کے امتحان کی تیاری کر رہا ہے۔ اس نے بھی مختاری کا امتحان دینے کا

قصد کیا۔ چنانچہ اسی دن سے تیاری شروع کر دی۔ لیکن جب امتحان ہوا تو لالہ بھیم سین کامیاب اور مرزا غلام احمد قادیانی ناکام رہا۔ اس ناکامی کے بعد شاید خود بخود منشی گری کی نوکری چھوڑ کر قادیان کو مراجعت کی۔ چونکہ قانون کا مطالعہ کیا تھا۔ باپ نے اہل پا کر اسے مقدمہ بازی میں لگا دیا۔ آٹھ سال تک مقدموں کی پیروی میں کچہریوں کی خاک چھانتا پھرا۔ بزرگوں کے دیہات خاندان کے قبضہ سے نکل چکے تھے اور مقدمہ بازی کے باوجود واپس نہ ملے تھے۔ اس لئے حزن وملال، رنج واضطراب ہر وقت مرزا غلام مرتضٰی کے رفیق زندگی بنے ہوئے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر مرزا غلام احمد قادیانی رات دن اسی خیال میں غلطان وپیچان رہتا تھا کہ خاندانی زوال کا مداوا کیا ہو سکتا ہے اور ترقی وعروج کی راہیں کیونکر کھل سکتی ہیں؟ ملازمت سے وہ سیر ہو چکا تھا۔ مختاری کے ایوان میں بازیابی نہ ہو سکی تھی۔ فوج یا پولیس کی نوکری سے بھی بوجہ قلت مشاہرہ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ تجارتی کاروبار سے بھی قاصر تھا۔ کیونکہ اس کوچہ سے نابلد ہونے کے علاوہ سرمایہ بھی موجود نہ تھا۔ اب لے دے کر تقدس کی دکان آرائی ہی ایک ایسا کاروبار رہ گیا تھا جسے غلام احمد زرطلبی کا وسیلہ بنا سکتا تھا اور یہی ایک ایسا مشغلہ تھا جس کی زرپاشیاں حصول عزوجاہ کی کفیل ہو سکتی تھیں۔ اس دکان آرائی کا بڑا محرک یہ تھا کہ ان دنوں میں قادیان کے گردونواح میں چند بزرگ ہستیوں کی طرف بڑا رجوع خلائق تھا۔ مثلاً قصبہ بٹالہ میں سلسلہ عالیہ قادریہ کے مشائخ پیر سید ظہور الحسن اور پیر سید ظہور الحسین صاحبان افادۂ خلق میں مصروف تھے۔ موضع رتر چھتر میں پیر سید امام علی شاہ صاحب نقشبندی مسند آراء تھے۔ اسی طرح موضع مسانیاں میں بھی ایک بڑی گدی تھی۔ ان حضرات کو مرجع انام دیکھ کر مرزا غلام احمد کے منہ سے بھی رال ٹپک رہی تھی کہ جس طرح بن پڑے مشیخت اور پیری مریدی کا کاروبار جاری کرنا چاہئے۔

لاہور میں مذہبی چھیڑ چھاڑ

غلام احمد ابھی اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ اتنے میں خبر آئی کہ اس کے بچپن کے رفیق وہم مکتب مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی جو دہلی میں مولانا نذیر حسین (معروف بہ میاں صاحب) سے حدیث پڑھ کر چند روز پیشتر لاہور اقامت گزین ہوئے تھے بٹالہ آئے ہیں۔ غلام احمد قادیانی نے بٹالہ آ کر ان سے ملاقات کی اور کہا میری خواہش ہے کہ قادیان چھوڑ کر کسی شہر میں قسمت آزمائی کروں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اگر لاہور کا قیام پسند ہو تو وہاں میں ہر طرح سے تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ قادیانی نے کہا میرا خیال ہے کہ غیر اسلامی ادیان کے رد میں ایک کتاب لکھوں۔ مولوی محمد حسین نے کہا ہاں یہ مبارک خیال ہے۔ لیکن بڑی دقت یہ ہے کہ غیر معروف مصنف کی کتاب

مشکل سے فروخت ہوتی ہے۔ مرزا قادیانی نے کہا کہ حصول شہرت کون سا مشکل کام ہے؟ اصل مشکل یہ ہے کہ تالیف واشاعت کا کام سرمایہ کا محتاج ہے اور اپنے پاس روپیہ نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم لاہور چل کر کام شروع کرو اور اس مقصد کو مشتہر کرو۔ میں بھی کوشش کروں گا۔ حق تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔ لیکن یہ کام قادیان میں رہ کر نہیں ہوسکتا۔ غرض لاہور آنے کا مصمم ارادہ ہوگیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے لاہور پہنچ کر مولوی محمد حسین کی صوابدید کے بموجب اپنے مستقبل کا جو لائحہ عمل تجویز کیا اس کی پہلی کڑی غیر مسلموں سے الجھ کر شہرت ونمود کی دنیا میں قدم رکھنا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ پنڈت دیانند سرسوتی نے اپنی ہنگامہ خیزیوں سے ملک کی مذہبی فضا میں سخت تموج وتکدر برپا کر رکھا تھا اور پادری لوگ بھی اسلام کے خلاف ملک کے طول وعرض میں بہت کچھ زہر اگل رہے تھے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی اس وقت اہل حدیث کی مسجد چینیاں لاہور میں خطیب تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے لاہور آکر انہی کے پاس مسجد چینیاں میں قیام کیا اور شب وروز تحفۃ الہند، تحفۃ الہنود، خلعت الہنود اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے مناظروں کی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہنے لگا۔ جب ان کتابوں کے مضامین اچھی طرح ذہن نشین ہوگئے تو پہلے آریوں سے چھیڑ خانی شروع کی اور پھر عیسائیوں کے مقابلہ میں ہل من مبارز (کوئی مقابلہ کرے گا؟) کا نعرہ لگایا۔ ان ایام میں آریوں کا کوئی نہ کوئی پرچارک اور عیسائیوں کا ایک آدھ مشنری لوہاری دروازہ کے باہر باغ میں آجاتا تھا اور آتے ہی قادیانی سے ان کی ٹکریں ہونے لگتی تھیں۔ غرض اسلام کا یہ پہلوان ہر وقت کشتی کے لئے جوڑ کی تلاش میں رہتا تھا اور اسے مجمع کو اپنے گرد جمع کر کے پہلوانی کمال دکھانے کی دھن لگی رہتی تھی۔ قادیانی اپنے مجادلوں اور اشتہار بازیوں میں اپنے تئیں خادم دین اور نمائندہ اسلام ظاہر کرتا تھا اور نہ تو ابھی تک کوئی جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور نہ الحاد وزندقہ کے کوچہ میں قدم رکھا تھا۔ اس لئے ہر خیال وعقیدہ کا مسلمان اس کا حامی وناصر تھا۔ چند ماہ تک مجادلانہ ہنگامے برپا رکھنے کے بعد مرزا غلام احمد قادیان چلا گیا اور وہیں سے آریوں کے خلاف اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کر کے مقابلہ ومناظرہ کے نمائشی چیلنج دینے شروع کئے۔ چونکہ بحث مباحثہ مقصود نہیں تھا۔ بلکہ حقیقی غرض نام ونمود اور شہرت طلبی تھی۔ اس لئے آریہ لوگوں کے شرائط کے مقابلہ میں بالکل چکنے گھڑے کا مصداق بنا ہوا تھا۔ ان کی ہر شرط اور مطالبہ کو بلطائف الحیل ٹال جاتا تھا اور اپنی طرف سے ایسی ناقابل قبول شرطیں پیش کر دیتا تھا کہ مناظرہ کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔ اگر میرے بیان کی تصدیق چاہو تو مرزا قادیانی کے مجموعہ اشتہارات موسومہ بہ تبلیغ رسالت کی جلد اوّل کے ابتدائی اوراق کا مطالعہ کر جاؤ۔

الہام بازی کا آغاز

اب مرزا قادیانی نے ان جھگڑوں قضیوں کو چھوڑ کر الہام بازی کی دنیا میں قدم رکھا اور اپنے ملہم و مستجاب الدعوات ہونے کا پروپیگنڈا شروع کیا۔ شہرت تو پہلے ہی ہو چکی تھی۔ اہل حاجات کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ مرزا قادیانی جس بالاخانہ میں بیٹھ کر یا لیٹ کر الہام سوچا کرتا تھا اس کو بیت الفکر (سوچنے کی جگہ) سے موسوم کیا تھا۔ ان دنوں الہامات کی آمد بہت تھی اور ان کا یاد رکھنا دشوار تھا۔ اس لئے اپنے الہام ساتھ ہی ساتھ ایک پاکٹ میں نوٹ کر لیتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک بڑے حجم کی کاپی بنالی اور ایک دوازدہ سالہ ہندو لڑکے شام لال کو الہام نویسی کے لئے نوکر رکھ لیا۔ قادیانی اپنا الہام لکھوا کر اس پر شام لال کے دستخط کرا لیتا تھا۔ تا کہ وہ بوقت ضرورت الہام نازل ہونے کا گواہ رہے۔ یہ لڑکا نہایت سادہ لوح تھا۔ مسلمانوں کو چھوڑ کر ایک سادہ لوح نابالغ ہندو لڑکے کو شاید اس لئے انتخاب کیا کہ موم کی ناک بن کر رہے اور اس سے ہر قسم کی شہادت دلائی جاسکے۔ ان دنوں میں لالہ شرمپت رائے اور لالہ ملاوامل نام قادیان کے دو ہندو مرزا کے مشیر خاص اور رات دن کے حاشیہ نشین تھے۔ اب معتقدین کا بھی جمگھٹا ہونے لگا۔ خوشامدی مفت خورے ہاں میں ہاں ملانے والے بھی ہر طرف سے امنڈ آئے۔ لنگر جاری کر دیا گیا۔ تا کہ ہر شخص الہامی کے مطبخ سے کھانا کھا کر جائے اور شہرت و نمود کا باعث ہو۔ چونکہ مستجاب الدعوات ہونے کے اشتہاروں نے اور اس سے پیشتر لاہور کے مناظروں اور اشتہار بازیوں نے پہلے سے بام شہرت پر پہنچا رکھا تھا۔ نذر و نیاز اور چڑھاووں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ رجوعات و فتوحات کا شجر آرزو بار آور ہوا اور تمناؤں کی کشت زار لہلہاتی نظر آئی۔ اب لوگوں نے بیعت کی درخواستیں کیں۔ قادیان کا الہامی ہر ایک کو یہی جواب دیتا تھا کہ ابھی ہم کو کسی سے بیعت لینے کا حکم نہیں ہوا۔ اس وقت تک صبر کرو جب کہ اس بارہ میں حکم خداوندی آپہنچے۔

براہین احمدیہ کی تدوین و اشاعت

مرزا قادیانی کا سب سے بڑا علمی کارنامہ جس پر مرزائیوں کو بڑا ناز ہے۔ کتاب ''براہین احمدیہ'' ہے۔ یہ ۵۶۲ صفحات کی کتاب ہے۔ جس کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس ضخامت اور اس موضوع کی کتاب چھ سات مہینہ میں بسہولت لکھی جاسکتی ہے۔ لیکن مؤلف علام پہلے تو کئی سال تک اس کا مواد جمع کرنے میں مصروف رہا۔ اس کے بعد ۱۸۷۹ء سے لے کر کئی سال کی مزید مدت اس کی تالیف و تدوین کی نذر کر دی۔ ۱۸۸۰ء میں پہلے دو حصے شائع کئے۔ ۱۸۸۲ء میں تیسرا حصہ طبع ہوا اور ۱۸۸۴ء میں چوتھا حصہ۔ اس طرح کتاب کے چار حصوں پر جو

۵۶۲ صفحات پر مشتمل ہیں چھ سال سے زیادہ عرصہ لگا۔ (حوالہ جات کے لئے کتاب ''رئیس قادیان'' کی طرف رجوع کیجئے)

حالانکہ ان صفحات پر جنہیں حصہ اوّل سے تعبیر کیا گیا۔ کوئی علمی مضمون نہیں بلکہ صرف دس ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار نہایت جلی حروف میں پھیلا کر لکھوا دیا اور اسی کو صفحات اور حصص کی تعداد بڑھانے کے لئے پہلا حصہ قرار دے لیا اور پھر جہاں تک خاکسار راقم الحروف کی تحقیق کو دخل ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اس کتاب میں اپنی کاوش طبع سے ایک حرف بھی نہ لکھا۔ بلکہ جو کچھ زیب رقم فرمایا وہ یا تو علمائے سلف کی کتابوں سے اخذ کیا یا علمائے معاصرین کے سامنے کاسہ گدائی پھرا کر ان کی علمی تحقیقات حاصل کر لیں اور قادیان کے سلطان القلم نے انہی کو بے حوالہ زینت قرطاس بنالیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھو کتاب ''رئیس قادیان'')

ابھی یہ کتاب زیر تالیف تھی کہ مرزا قادیانی نے اس کی طباعت میں امداد دیئے جانے کے لئے بے پناہ پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ مرزا قادیانی نے اپنے اشتہارات میں وعدہ کیا تھا کہ غیر مسلم اقوام میں سے جو کوئی اس کتاب کا جواب لکھے گا اس کو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اسلامی روایات میں جوئے کا یہ پہلا موقع تھا جو یورپ کی تقلید سے مذہب کے نام پر کھیلا گیا۔ البتہ اتنی ہوشیاری کی کہ شرطی جوئے کو انعام کے نام سے موسوم کر کے بے خبروں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ دس ہزار روپیہ انعام کا وعدہ پڑھ کر مسلمانوں نے یقین کیا کہ واقعی اسلام کی تائید میں یہ کوئی بہت بڑا توپخانہ ہوگا جو اغیار کے مذہبی قلعوں کو پاش پاش کر دے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف سے روپیہ کی بارش شروع ہوگئی اور مرزا قادیانی کا دل اسکیم کی کامیابی پر کنول کے پھول کی طرح کھل گیا۔ حریص تاجروں کا جذبہ حرص و آز قلیل نفع سے تسکین نہیں پاتا۔ لیکن مرزا ایسا تاجر تھا جو کثیر نفع پر بھی مطمئن نہ ہوا۔ کتاب کی قیمت پہلے پانچ روپے رکھی تھی۔ لیکن جب دھڑا دھڑ روپیہ آنا شروع ہوا تو قیمت پانچ کی جگہ دس روپے کر دی اور صرف یہی نہیں کہ لوگوں سے پیشگی قیمت وصول کی گئی۔ بلکہ والیان ریاست اور اغنیاء سے فی سبیل اللہ امداد کرنے کی بھی درخواستیں کیں۔ چنانچہ نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ والیۂ بھوپال، نوب صاحب لوہارو، وزیر اعظم پٹیالہ، وزیر اعظم بہاولپور، وزیر ریاست نالہ گڑھ، نواب مکرم الدولہ رکن حیدرآباد دکن اور بہت سے روسا نے ہر طرح سے امداد کے وعدے فرمائے۔ جب تک کے پہلے دو حصے چھپ چکے تو جذبہ زراندوزی میں اور زیادہ تشنگی پیدا ہوئی اور اب اس کی قیمت مرفہ الحال لوگوں کے لئے دس کے بجائے پچیس روپے سے لے کر سو روپیہ تک کر دی۔ لوگوں سے زیادہ سے زیادہ قیمت وصول

کرنے کے دو ڈھنگ اختیار کئے۔ پہلے تو یہ کوشش کی کہ کوئی شخص قیمت کا لفظ ہی زبان پر نہ لائے بلکہ اندھا دھند اپنے اندوختہ عمری کا بیشتر حصہ خیرات کے طور پر قادیان بھیج دے۔ اگر کوئی شخص اس طرح قابو میں نہیں آتا تھا یا پچیس روپیہ سے بھی کم قیمت دینا چاہتا تھا تو ہوشیار دکاندار کی طرح اس سے کہا جاتا تھا کہ تم ایک پائی نہ دو۔ بلکہ مفت ہی لے لو۔ کیونکہ ہم غریبوں کو مفت بھی دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا کون بے حیا مستطیع ہوگا جو غریب بن کر مفت مانگتا یا پچیس روپیہ سے کم قیمت پر کتاب مانگنے کی جرأت کرتا۔ ناچار یہ لوگ بڑی بڑی رقمیں بھیجتے رہے۔ اس اثناء میں بعض حضرات نے یہ کہہ کر صاف گوئی کا حق ادا کیا کہ جس کتاب کے لئے اتنا پروپیگنڈا کیا جارہا ہے اس کی اشاعت ہی غیر ضروری ہے۔ مرزا قادیانی نے اشتہاروں میں ان لوگوں کی خوب خبر لی اور فرمایا کہ یہ لوگ منافقانہ باتیں کر کے ہمارے کام میں خلل انداز ہوتے ہیں اور ناحق نیش زنی کرتے ہیں۔ یہاں یہ جتلا دینا ضروری ہے کہ مرزا قادیانی نے جس کتاب کی قیمت پہلے پانچ پھر دس اور پھر مستطیع لوگوں کے لئے پچیس سے لے کر سو روپیہ تک مقرر کر کے پیشگی رقمیں وصول کیں۔ اس کے متعلق وعدہ یہ کیا تھا کہ تین سو جزو یعنی چار ہزار آٹھ سو صفحات کی کتاب ہوگی۔ لیکن کتاب کے ۵۶۲ صفحے شائع ہو چکے تو مرزا قادیانی نے اعلان کر دیا کہ آئندہ کے لئے خود رب العالمین اس کتاب کا متولی و مہتمم ہوگیا ہے۔ اس تولیت و اہتمام خداوندی کا یہ مطلب تھا کہ اب میں باقی ماندہ ۴۲۳۸ صفحات کی طبع و اشاعت کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ چونکہ ہزار ہا روپیہ پیشگی وصول ہو جانے کے بعد خریداروں سے کسی مزید رقم کے ملنے کی توقع نہ تھی۔ اس لئے مرزا قادیانی نے ''براہین احمدیہ'' کو نظر انداز کر کے اس کی جگہ دوسری کتابیں مثلاً ''سرمۂ چشم آریہ'' اور رسالہ ''سراج منیر'' وغیرہ کی طرف عنان توجہ پھیر دی اور ستمبر ۱۸۸۶ء میں اپنی نئی کتاب سرمۂ چشم آریہ کے ٹائٹل پیج پر اعلان کر دیا کہ الہامات الٰہیہ کی بناء پر کتاب براہین کے تین سو جز کے وعدے پورے نہیں کئے جاسکتے۔ اس کے بعد مرزا قادیانی نے حقوق العباد سے سبکدوش ہونے کے متعلق جو عملی نمونہ پیش کیا اس کی دلچسپ تفصیل کے لئے کتاب رئیس قادیان کی طرف رجوع فرمایئے۔ کتاب براہین کا لب ولہجہ ایسا خراب ہے کہ ممکن نہیں کہ کوئی ہندو یا عیسائی پڑھے اور مشتعل نہ ہو۔ وہی باتیں جو جارحانہ الفاظ اور مبارزانہ انداز میں لکھی تھیں۔ نرم لہجہ اور دلکش الفاظ میں بھی لکھی جاسکتی تھیں۔ اس کتاب نے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف آریوں اور عیسائیوں کے دلوں میں عناد و منافرت کی مستقل تخم ریزی کر دی۔ پنڈت لیکھرام نے براہین احمدیہ کا جواب تکذیب ''براہین احمدیہ'' کے نام سے شائع کیا۔ لیکن یہ جواب کیا تھا دشنام

دہی اور بدگوئی کا شرمناک مرقع تھا اور یقین ہے کہ جب سے بنی نوع انسان عالم وجود میں آیا کسی بدنہاد عدوے حق نے خدا کے برگزیدہ انبیاء ورسل اور دوسرے مقربان بارگاہ احدیت کو اتنی گالیاں نہ دی ہوں گی جتنی کہ پنڈت لیکھرام نے اس کتاب میں دیں۔ اس تمام دشنام گوئی کی ذمہ داری مرزا قادیانی پر عائد ہوتی تھی۔ اسلام کے اس نادان دوست نے ہندوؤں اور ان کے بزرگوں پر لعن طعن کر کے انبیاء کرام کو گالیاں دلائیں۔ براہین احمدیہ میں مرزائی الہامات کی بھی بھرمار تھی اور یہی وہ الہامات تھے جو آئندہ دعووں کے لئے عموماً سنگ بنیاد کا حکم رکھتے تھے۔ گو براہین کی طباعت کے بعد بھی بعض علماء حسن ظن کے سنہری جال میں پھنسے رہے۔ لیکن اکثر علماء ایسے تھے جن کی فراست ایمانی نے اس حقیقت کو بھانپ لیا تھا کہ یہ شخص کسی نہ کسی دن ضرور دعوائے نبوت کرے گا۔

دعوائے مجددیت اور حکیم نورالدین سے ملاقات

ان دنوں میں حکیم محمد شریف کلانوری نے جو مرزا قادیانی کا یار غار تھا امرتسر میں مطب کھول رکھا تھا۔ مرزا قادیانی کبھی قادیان سے امرتسر آتا تو اسی کے پاس ٹھہرا کرتا۔ براہین کی اشاعت کے بعد حکیم مذکور نے مرزا قادیانی کو مشورہ دیا کہ تم مجدد ہونے کا دعویٰ کرو۔ کیونکہ اس زمانہ کے لئے بھی کسی مجدد کی ضرورت ہے۔ چنانچہ مرزا قادیانی نے اپنی مجددیت کا ڈھنڈورہ پیٹنا شروع کیا۔ قادیان پہنچ کر بیرونی لوگوں کے پتے منگوائے اور ان کے نام خطوط بھیجنے شروع کئے۔ دول یورپ، امریکہ وافریقہ کے تمام تاجداران اور ان کے وزراء عمال حکومت، دنیا کے مدبروں، مصنفوں، نوابوں، راجاؤں اور دنیا کے تمام مذہبی پیشواؤں کے پاس حسب ضرورت انگریزی یا اردو اشتہارات بھجوائے۔ ان اشتہاروں میں اپنے دعوائے مجددیت کے بعد مکتوب الیہم کو دعوت اسلام دی گئی تھی۔ لیکن مرزائی تجدید کے جذب واثر کا کمال دیکھو کہ بیس ہزار دعوتی اشتہارات کی ترسیل کے باوجود ایک غیر مسلم بھی حلقۂ اسلام میں داخل نہ ہوا۔ ان ایام میں حکیم نورالدینؒ بھیروی ریاست جموں وکشمیر میں ریاستی طبیبوں کے زمرہ میں ملازم تھا۔ یہ حکیم نورالدین ایک لامذہب شخص تھا اور اگر کسی مذہب سے کوئی لگاؤ تھا تو وہ نیچری مذہب تھا۔

(دیکھو سیرۃ المہدی ج۲ص ۵۷)

ان ایام میں سرسید احمد خاں سے حکیم نورالدین کی کچھ خط وکتابت ہوئی۔ جب مرزا غلام احمد قادیانی کو اس خط وکتابت کا علم ہوا تو اسے یقین ہوا کہ اس شخص کی رفاقت ہر طرح سے بام مقصد تک پہنچا سکتی ہے۔ چنانچہ جموں جا کر حکیم سے ملاقات کی اور یہ معلوم کر کے مسرت

کی کوئی انتہاء نہ رہی کہ حکیم بالکل اسی کا ہم مذاق واقع ہوا ہے۔ان ایام میں حکیم نورالدین شیخ فتح محمد رئیس جموں کا کرایہ دار تھا۔ یہاں دس بارہ روز تک مختلف مسائل پر گفتگو رہی۔آخر آئندہ کا لائحہ عمل تیار کیا گیا اور مرزا قادیانی نے قادیان کو مراجعت کی۔ان واقعات کی تفصیل کتاب رئیس قادیان میں ملے گی۔ کچھ دنوں کے بعد مرزا لدھیانہ گیا اور اپنی مجددیت کا اعلان کیا۔ چنانچہ بہت سے سادہ لوح آدمی حلقۂ مریدیں میں داخل ہوئے۔مولوی محمد، مولوی عبداللہ اور مولوی اسماعیل صاحبان نے جو تینوں حقیقی بھائی تھے اور علماء لدھیانہ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔کہیں سے کتاب براہین احمدیہ حاصل کر کے اس کا مطالعہ شروع کیا۔اس میں الحاد وزندقہ کے طومار نظر آئے۔ انہوں نے شہر میں اعلان کر دیا کہ یہ شخص مجدد نہیں بلکہ ملحد وزندیق ہے۔اس کے بعد علماء لدھیانہ نے مرزا قادیانی کی تکفیر کا فتویٰ دیا اور اشتہارات چھپوا کر تقسیم کرائے۔تھوڑے دن کے بعد علمائے حرمین کی طرف سے بھی مرزا قادیانی کے کفر کے فتوے ہندوستان پہنچ گئے۔۱۸۸۴ء میں براہین احمدیہ کا چوتھا حصہ شائع کیا۔انہی ایام میں مرزا قادیانی نے دہلی جا کر نصرت بیگم نام ایک نوکتخدا لڑکی سے شادی کی۔پہلی بیوی تو پہلے ہی سے اپنے میکے میں اجڑی بیٹھی تھی۔دوسری بیوی کی آمد پر پہلی کے آباد ہونے کی رہی سہی امید بھی منقطع ہوگئی۔جب مرزا قادیانی نے دیکھا کہ علمائے حرمین کا فتویٰ تکفیر، راہ ترقی میں حائل ہو رہا ہے تو ۱۸۸۵ء کے اوائل میں اس مضمون کے آٹھ ہزار انگریزی اور شاید ہزار ہا اردو اشتہارات طبع کرا کر تقسیم کرائے کہ جو شخص قادیان آکر صبر واستقلال اور حسن نیت کے ساتھ ایک سال تک میری صحبت میں رہے گا اسے معجزے دکھائے جائیں گے۔ اعجاز نمائی کے وعدوں کے اشتہار یورپی پادریوں کو سب سے زیادہ بھیجے گئے تھے اور مرزا قادیانی کو یقین تھا کہ کثیر التعداد پادری قادیان آئیں گے۔اس لئے ان موہوم مہمانوں کے قیام کے لئے اپنے مکان سے ملحق بڑی عجلت سے ایک گول کمرہ تعمیر کرایا۔لیکن افسوس کہ کسی یورپی پادری کو قادیان آنے اور اس گول کمرے میں قیام کرنے کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔البتہ پنڈت لیکھرام نے معجزہ دیکھنے کے اشتیاق میں قادیان کے یک سالہ قیام وانتظار پر آمادگی ظاہر کی۔مرزا قایانی نے اس کے متعلق خط وکتابت شروع کی۔لیکن پانچ چھ مہینہ کی خط وکتابت کے باوجود کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔انجام کار پنڈت بذات خود قادیان پہنچ کر مرزا قادیانی کے گلے کا ہار ہوگیا۔آخر مرزا قادیانی نے بہزار مشکل اس جن سے پیچھا چھوڑایا۔پنڈت لیکھرام کی دلچسپ خط وکتابت کے لئے کتاب رئیس قادیان کی طرف رجوع فرمائیے۔اسی طرح رسالہ ''سراج منیر'' اور دوسرے رسالوں کی اشاعت کے سبز باغ دکھا کر مرزا قادیانی نے مسلمانوں سے جو پیشگی رقمیں وصول کیں

اور پھر خواب بے اعتنائی میں سو گیا۔ اس کی دلچسپ تفصیل بھی رئیس قادیان کے پینتیسویں باب میں ملاحظہ فرمائیے۔

ہوشیار پور میں چلہ کشی اور پسر موعود کی پیش گوئی

مرزا غلام احمد قادیانی نے کسی پیر طریقت کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلوک حاصل نہ کیا تھا۔ ہاں ایک مرتبہ چلہ کشی کا ضرور قصد کیا۔ وہ بے چارہ اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ کسی شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر اس کوچہ میں قدم رکھنا کس درجہ خطرناک ہے؟ بہرحال اس غرض کے لئے تین مریدوں کو ساتھ لے کر ہوشیار پور کو روانہ ہوا اور شیخ مہر علی کے طویلہ میں قیام کیا۔ چونکہ مجدد وقت کا کوئی کام نام و نمود اور شہرت طلبی کے جذبات سے خالی نہ تھا۔ اس لئے چلہ کشی کی نمائش بھی ضروری تھی۔ مرزا قادیانی نے دستی اشتہارات چھپوا کر اپنے چلے کا اعلان کر دیا اور حکم دیا کہ چالیس دن تک کوئی شخص ملنے کو نہ آئے۔ چلہ گذر جانے کے بعد بیس دن تک ہوشیار پور میں قیام رہے گا۔ اس وقت ہر شخص ملاقات کر سکے گا۔ صوفیاء کرام چلوں میں سد رمق سے زیادہ غذا نہیں کھاتے۔ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں۔ لیکن مجدد وقت اپنے نام نہاد چلے میں بھی بدستور کھاتا پیتا رہا۔ معلوم نہیں اس چلہ کی غرض و غایت کیا تھی؟ بظاہر تو شیاطین کو مسخر اور تابع فرمان بنانا مقصود تھا۔ اگر واقعی یہی تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کوشش میں مرزا قادیانی کو ضرور کامیابی ہوئی۔ کیونکہ کوئی نورانی ہستی آ کر مرزا قادیانی سے باتیں کرتی رہتی تھی۔ چنانچہ مرزا قادیانی نے ایک دفعہ عبداللہ سنوری سے جو مرزا قادیانی کو بالا خانہ پر کھانا پہنچانے جایا کرتا تھا کہا کہ خدا تعالیٰ بعض اوقات دیر دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہتا ہے۔ اقبال مند بیٹے کے متعلق اسی چلہ میں الہامات ہوئے تھے۔ ان ایام میں نصرت بیگم صاحبہ حاملہ تھیں۔ مرزا قادیانی نے یہ سمجھ کر کہ پسر موعود کے الہام کرنے والا رب العالمین ہے۔ قادیان پہنچتے ہی دھڑلے سے پسر موعود کی پیش گوئی کر دی۔ مگر پیشین گوئی جھوٹی نکلی اور مرزا قادیانی کو بہت کچھ خفت اٹھانی پڑی۔ اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ دیر دیر تک باتیں کرنے والی کون ذات شریف تھی؟ مرزا قادیانی کو اس کے پسر موعود کا نام عنموائیل بتایا گیا تھا۔ ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء کو عنموائیل کی موعودہ آمد کا اعلان کیا۔ اس اعلان میں اپنا یہ الہام درج کیا۔ ''تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ مبارک ہے وہ جو آسمان سے آتا ہے وہ صاحب شکوہ اور صاحب عظمت و دولت ہوگا۔ وہ اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے لوگوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا۔ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ فرزند دلبند گرامی

ارجمند مظہر الاوّل والآخر مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔"

(مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۱۰۱، ۱۰۲)

ایک پادری نے اس پیشین گوئی کا مذاق اڑایا تو مرزا قادیانی نے ۲۲/ مارچ ۱۸۸۶ء کو ایک اور اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ: "یہ صرف پیشین گوئی ہی نہیں بلکہ عظیم الشان آسمانی نشان ہے۔ جس کو خدائے کریم جل شانہ نے ہمارے نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کی صداقت وعظمت ظاہر کرنے کے لئے ظاہر فرمایا ہے اور درحقیقت یہ نشان ایک مردہ کے زندہ کرنے سے صدہا درجہ اعلیٰ واولیٰ واکمل وافضل ہے۔ خدا نے ایسی بابرکت روح کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ جس کی ظاہری وباطنی برکتیں تمام زمین پر پھیلیں گی۔ ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی نوبرس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا۔" (مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۱۱۴، ۱۱۵)

اس کے بعد ایک اشتہار میں لکھا کہ آج ۸/ اپریل ۱۸۸۶ء کو اللہ جل شانہ کی طرف سے "اس عاجز پر کھل گیا کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے۔" (مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۱۱۷)

ان ایام میں مرزا قادیانی کے مرید بھی دعائیں مانگ رہے تھے کہ پسر موعود جلد پیدا ہو۔ غرض ہزار انتظار کے بعد وضع حمل کا وقت آیا۔ لیکن پسر موعود کی جگہ لڑکی پیدا ہوئی۔ لوگوں نے مرزا قادیانی کا خوب مذاق اڑایا اور اعتراضات کی آندھیاں افق قادیان پر ہر طرف سے امنڈ آئیں۔ لڑکی کی پیدائش پر استہزاء وتحریت کی جو گرم بازاری ہوئی اس نے قادیان پر بہت کچھ افسردگی طاری کردی۔ اس لئے مرزا قادیانی ہر وقت دست بدعا تھا کہ کسی طرح بیوی مکرر حاملہ ہو کر لڑکا جنے اور وہ لوگوں کو عنموائیل کی پیدائش کا مژدہ سنا کر سرخرو ہو سکے۔ آخر خدا خدا کر کے گوہر شاہوار صدف رحم میں منعقد ہوا اور نصرت بیگم صاحبہ نے نومہینہ کے بعد اپنی کوکھ سے عنموائیل برآمد کر کے مرزا قادیانی کی گود میں ڈال دیا۔ یہ دیکھ کر مرزا قادیانی کی باچھیں کھل گئیں اور زمین وآسمان مسرت کے گہوارے بن گئے۔ ۷/ اگست ۱۸۸۷ء کو عنموائیل پیدا ہوا اور مرزا قادیانی نے اسی دن خوشخبری کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا۔ جس میں لکھا۔ اے ناظرین میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ لڑکا جس کے تولد کے لئے میں نے ۸/ اپریل ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں پیشین گوئی کی تھی وہ آج ۱۲/ بجے رات کے پیدا ہوگیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک! اب دیکھنا چاہئے کہ یہ کس قدر بزرگ پیشین گوئی ہے جو ظہور میں آئی۔ عنموائیل قریباً سوا سال تک زندہ رہا۔ اس کے بعد ۴/ نومبر ۱۸۸۸ء کو طعمۂ اجل ہوگیا۔ اس کے مرنے پر طعن وتمسخر کے طوفان ہر طرف

سے اٹھے۔ لیکن مرزا قادیانی کے لئے خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ چونکہ اعتراضات کی آندھیاں برابر چلتی رہتی تھیں۔ اس لئے قریباً سوا تین سال کے بعد یعنی جنوری ۱۸۹۲ء کو ایک اشتہار زیر عنوان منصفین کے غور کے لائق شائع کیا۔ جس میں لکھا کہ: ''میں نے غلطی سے اس لڑکے کو پسر موعود خیال کر لیا تھا۔ اس میں الہام الٰہی کا کوئی قصور نہیں ہے۔''

(مجموعہ اشتہارات ج۱ص۳۰۹)

اس معذرت خواہی کے ساڑھے سات سال بعد یعنی ۱۴؍جون ۱۸۹۹ء کو جب مرزا قادیانی کے گھر میں ایک اور لڑکا مبارک احمد پیدا ہوا تو مرزا قادیانی نے اسی کو عنموائیل قرار دینے کی کوشش کی۔ دیکھو مرزا قادیانی کی کتاب (تریاق القلوب ص۷۱،۷۲، خزائن ج۱۵ص۲۸۹تا۲۹۱) حالانکہ مبارک احمد نو سال کی مدت معہود کے سوا چار سال بعد پیدا ہوا تھا۔ مگر مرزا قادیانی کی بدنصیبی سے یہ لڑکا بھی عالم طفولیت ہی میں داغ مفارقت دے گیا اور اس طرح فرزند موعود کی اقبال مندیوں کے سارے افسانے طاق اہمال پر رکھے رہ گئے۔ آج کل مرزائی لوگ خلیفۃ المسیح موعود محمود احمد قادیانی کے سر پر عنموائیلیت کا تاج رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر ان کی یہ کوشش بے سود ہے۔ کیونکہ خود مرزا قادیانی نے میاں محمود احمد کو کبھی عنموائیل موعود نہ بتایا۔ مرزا محمود احمد کی پیدائش ۱۸۸۹ء میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی نے از سر نو عنموائیل کی پیدائش کی پیشین گوئی ۱۸۹۱ء میں اس وقت کی جب میاں محمود احمد کی عمر پونے دو سال کی تھی۔ چنانچہ کتاب (ازالہ اوہام ص۱۵۶، خزائن ج۳ص۱۸۰) میں جو ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی مرزا قادیانی نے لکھا کہ: ''خدا نے ایک قطعی اور یقینی پیش گوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ہی ذریت سے ایک شخص پیدا ہوگا۔ جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہوگی۔ وہ اسیروں کو رستگاری بخشے گا اور ان کو جو شبہات کے زنجیروں میں مقید ہیں رہائی دے گا۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء'' (معاذ اللہ) ظاہر ہے کہ اگر میاں محمود احمد عنموائیل موعود ہوتا تو اس پیشین گوئی کا اعادہ ایک لغو حرکت تھی۔ غرض عنموائیل کی پیشین گوئی پر مرزا قادیانی کی بڑی کرکری ہوئی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی اور بعض دوسرے مولوی صاحبان نے جو اس وقت تک مرزا قادیانی کا حق رفاقت ادا کر رہے تھے۔ کمال دلسوزی سے مرزا قادیانی کو مشورہ دیا کہ آئندہ اس قسم کی بعید از کار پیشین گوئیاں کر کے خواہ مخواہ ذلت و رسوائی کو دعوت نہ دیا کرو۔ لیکن بجائے اس کے کہ مرزا قادیانی اس خیر خواہانہ مشورہ سے نصیحت آموز ہوتا۔ الٹا صلاح اندیش ناصحین کو ڈانٹنے اور چشم نمائی کرنے لگا اور ان کی نسبت لکھا کہ غفلت اور حب دنیا کا کیڑا فراست ایمانی کو بالکل چٹ کر گیا ہے۔

مسیح بننے کے لئے مضحکہ خیز سخن سازی

مرزا قادیانی نے اوائل میں بہت دن تک دعوائے مجددیت ہی پر اکتفاء کیا تھا۔ مگر چونکہ ہر راسخ العلم قامع بدعات عالم دین مجدد ہوسکتا ہے۔ اس لئے بظاہر اس مصنف کو کچھ غیر وقیع سا سمجھ کر ترقی واقدام کی ہوس دامنگیر ہوئی اور کوئی عظیم القدر ٹھوس دعویٰ کر کے اپنی عظمت کو ثریا سے ہمدوش کرنے کا قصد کیا۔ آخر طبیعت نے فیصلہ کیا کہ مسیحیت کا تاج زیب سر کرنا چاہئے۔ لیکن کمال ہوشیاری اور معاملہ فہمی سے کام لے کر یک بیک مسیح نہ بنا بلکہ تدریج کو ملحوظ رکھا۔ سب سے پہلے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات اور آپ کی آمد ثانی سے انکار کیا۔ حالانکہ کتاب (براہین احمدیہ ص۳۶۱،۴۹۸، خزائن ج۱ ص۵۹۳) میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی حیات اور آمد ثانی کا اقرار کر چکا تھا۔ اس کے بعد یہود ونصاریٰ کی طرح یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے تھے۔ (نزول المسیح ص۱۸، خزائن ج۱۸ ص۳۹۶) اس کے بعد یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ میں مثیل مسیح ہوں۔ جب مرید اس دعویٰ کے متحمل ہوگئے تو کچھ عرصہ کے بعد یہ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا کہ احادیث نبویہ میں جس مسیح کے آنے کی پیش گوئی تھی وہ میں ہوں۔ جب اس سے کہا گیا کہ حدیثوں میں تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہی کے تشریف لانے کی پیشین گوئی ہے اور تم غلام احمد بن غلام مرتضیٰ ہو تو جواب دیا کہ میں ہی عیسیٰ بن مریم بنادیا گیا ہوں۔ پوچھا گیا کہ ایک شخص دوسری شخصیت میں کیونکر تبدیل ہوسکتا ہے؟ تو کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض روحانی صفات طبع عادت اور اخلاق وغیرہ خداتعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھی ہیں اور دوسرے کئی امور میں میری زندگی کو مسیح بن مریم کی زندگی سے اشد مشابہت ہے۔ اس بناء پر میں مسیح ہوں۔ (ازالہ اوہام ص۷۸)

لیکن جب کہا گیا کہ جناب عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض روحانی صفات، طبع اور عادت اور اخلاق وغیرہ تو خدائے برتر بہت سے اہل اللہ کی فطرت میں بھی ودیعت فرمادیتا ہے اور ان کی زندگی کو حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی زندگی سے اشد مناسبت ہوتی ہے تو پھر وہ سب حضرات بھی مسیح موعود ہونے چاہئیں۔ اس میں تمہاری کون سی خصوصیت ہے؟ کوئی وجہ نہیں کہ تم تو کسی من گھڑت مناسبت کی بناء پر مسیح بن مریم بن جاؤ اور عارفین الٰہی حقیقی اشتراک صفات کے باوجود مسیح موعود نہ سمجھے جاسکیں۔ بات معقول تھی مرزاقادیانی سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ آخر گیارہ سال کی سخت دماغی کدوکاوش کے بعد کشتی نوح میں جسے ۵؍اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع کیا تھا۔ اپنے مسیح بن مریم بن جانے کا یہ ڈھکوسلہ پیش کیا۔ ’’گو خدا نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصہ میں

میرا نام مریم رکھا۔ پھر دو برس تک صفت مریمیت میں میں نے پرورش پائی اور پردہ میں نشو ونما پاتا رہا۔ پھر جب اس پر دو برس گذر گئے۔" تو جیسا کہ براہین احمدیہ کے حصہ چہارم ص ۴۹۶ میں درج ہے۔ "مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینہ کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر براہین کے صفحہ ۵۵۶ میں درج ہے۔ مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔ پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا۔"

(کشتی نوح ص ۴۶، ۴۷، خزائن ج ۱۹ ص ۴۹، ۵۰)

جب مرزا قادیانی بیک جنبش قلم ایک خیالی حمل کے ذریعہ سے مسیح بن مریم بن چکا تو ہر طرف سے مطالبہ ہونے لگا کہ اگر تم سچے مسیح ہو تو تم بھی حضرت روح اللہ کی طرح کوئی مسیحائی دکھاؤ۔ زیادہ نہیں تو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انہی معجزات میں سے کوئی معجزہ دکھا دو۔ جو قرآن پاک میں دو جگہ مذکور ہیں۔ یہ مطالبہ نہایت معقول تھا۔ لیکن مرزا قادیانی کے پاس سخن سازی کے سوا رکھا ہی کیا تھا؟ سوچنے لگا کہ اب کیا بات بناؤں؟ آخر اس کے سوا کوئی چارۂ کار نظر آیا کہ سرے سے معجزات مسیح علیہ السلام کے وجود ہی سے انکار کر دے۔ واقعی کسی چیز کی ذمہ داری سے بچنے کا یہ نہایت آسان علاج ہے کہ اس چیز کے وجود ہی سے انکار کر دیا جاوے۔ مرزا قادیانی نے معجزات مسیح علیہ السلام کا صرف انکار ہی نہ کیا۔ بلکہ اپنی بدنصیبی سے الٹا ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ حالانکہ یہ معجزات مسیح علیہ السلام کا مذاق نہیں تھا۔ بلکہ فی الحقیقت کلام الٰہی کا مذاق اور انکار واستخفاف تھا۔ انہی ایام میں مولوی محمد حسین بٹالوی سے مرزا قادیانی کی سخت کشیدگی ہوگئی۔ وجوہ مخاصمت کتاب "رئیس قادیان" میں لکھ دیئے گئے ہیں۔

لاہور، لدھیانہ اور دہلی کے مناظرے

مرزائیت کا اسلام سے پہلا تصادم شاید وہ مناظرہ تھا جو لاہور میں ہوا۔ منشی عبدالحق اکاؤنٹنٹ لاہور، منشی الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ لاہور اور حافظ محمد یوسف ضلعدار محکمہ نہر تینوں اہل حدیث جنٹلمین تھے۔ جو کچھ دنوں سے مرزائی ہوگئے تھے۔ یہ تینوں حضرات مرزائیوں کا بپتسمہ لینے سے پہلے نہایت سرگرم قومی کارکن تھے اور لاہور کی اسلامی تحریکوں میں سب سے پیش پیش رہتے تھے۔ اس لئے مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی کو ان کے مرزائی ہو جانے کا بڑا قلق تھا۔ گو چند سال کے بعد تینوں حضرات مرزائیت سے تائب ہو کر از سر نو اسلامی برادری میں داخل ہوگئے۔ لیکن اوائل میں یہ سخت غالی مرزائی تھے۔ مولوی محمد حسین نے شروع میں ان کو بہتیرا سمجھایا۔ لیکن یہ کسی طرح مرزائیت سے منقطع نہ ہوئے۔ بلکہ ان تینوں کی یہ بڑی آرزو تھی کہ موقع ملے تو مولوی محمد حسین کو

حکیم نور الدین سے جسے مرزائی لوگ امام فخر الدین رازیؒ سے کسی طرح کم نہیں سمجھتے تھے۔ (خدانخواستہ) ذلیل کرائیں۔ چنانچہ اسی کوشش میں ایک مرتبہ حافظ محمد یوسف ضلعدار اور منشی عبدالحق اکاؤنٹنٹ لاہور سے جموں گئے اور حکیم نور الدین کو مولوی محمد حسین نے مناظرہ کرنے کی تحریک کی۔ لیکن حکیم نے انہیں بلطائف الحیل ٹال دیا۔ کچھ دنوں کے بعد حکیم نور الدین مہاراجہ جموں کے ساتھ لاہور آیا اور ان تینوں نے اسے مولوی محمد حسین سے بھڑا دیا۔ مناظرہ مسئلہ حیات وممات مسیح علیہ السلام پر ہوا۔ مولوی صاحب نے حکیم نور الدین کو بری طرح رگیدا۔ جب مولوی صاحب نے دوران مباحثہ میں حکیم کے سفر کا راستہ بالکل مسدود کر دیا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ آئندہ سوال پر چاروں شانے چت گرا کر چھاتی پر سوار ہو جائیں گے تو حکیم نور الدین کوئی حیلہ تراش کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ان ایام میں مرزا اپنے دہلوی خسر کے پاس لدھیانہ میں اقامت گزین تھا۔ حکیم نور الدین نے مرزا غلام احمد کے پاس لدھیانہ میں جادم لیا۔ ۱۵ر اپریل ۱۸۹۱ء کو مولوی صاحب نے مرزا قادیانی کو تار دیا کہ تمہارا حواری مناظرہ سے بھاگ گیا یا تو اس کو مقابلہ پر آمادہ کر دیا خود مناظرہ کے لئے آ ؤ۔ اس کے جواب میں خود مرزا قادیانی نے مناظرہ پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر یہ شرطیں پیش کیں کہ مناظرہ تحریری ہو۔ تم چار ورق کاغذ پر جو چاہو لکھ کر پیش کرو۔ اس کے بعد میں چار ورقوں میں اس کا جواب لکھوں۔ بس ان دو پرچوں پر مناظرہ ختم ہو جائے۔ غرض مرزا قادیانی نے مولوی صاحب کو مرزائی دلائل کا بطلان ثابت کرنے کے لئے جواب الجواب کی اجازت نہ دی۔ اس لئے مولوی صاحب نے ایسے مناظرہ کو بے سود سمجھ کر انکار کر دیا۔ ۳ر مئی ۱۸۹۱ء کو مرزا قادیانی نے علمائے لدھیانہ کو تحریری چیلنج دیا کہ تم لوگ مسئلہ حیات وممات مسیح علیہ السلام پر مناظرہ کر لو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے ۱۳۰۱ھ میں فتویٰ دیا تھا کہ مرزا غلام احمد مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ہمارا قطعی اور حتمی فیصلہ ہے کہ جو لوگ مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد باطلہ کو حق جانتے ہیں وہ شرعاً کافر ہیں۔ پس تمہیں لازم ہے کہ پہلے ہم سے اس مسئلہ پر مناظرہ کرو کہ تم دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو۔ اگر تم نے اپنا اسلام ثابت کر دکھایا تو پھر حیات وممات مسیح علیہ السلام پر گفتگو ہوگی۔ جب علماء لدھیانہ کی طرف سے اس مضمون کا اشتہار شائع ہوا تو مرزا قادیانی کے ہوش اڑ گئے کیونکہ اس کے لئے اپنا مسلمان ثابت کرنا ناممکن تھا۔ اس لئے حکیم نور الدین کو لاہور سے مشورہ کے لئے طلب کیا۔ حکیم نور الدین نے لدھیانہ پہنچ کر وہ اشتہار پڑھا جو علمائے لدھیانہ نے شائع کیا تھا اور مرزا غلام احمد قادیانی سے کہا کہ جب ثالث کی موجودگی میں آپ کے ایمان وکفر پر مباحثہ ہوگا اور مخالف لوگ علمائے حرمین کا فتویٰ تکفیر پیش کریں گے تو ثالث

لامحالہ ہماری جماعت پر کفر وارتداد کا حکم لگا کر فریق ثانی کے حق میں فیصلہ کر دے گا۔اس کے بعد ہم سے مسئلہ حیات وممات مسیح علیہ السلام پر بھی کوئی شخص گفتگو نہ کرے گا۔ کیونکہ کسی بے ایمان شخص کا مسیح ہونا دائرہ امکان سے خارج ہے۔ البتہ ان مولویوں سے گفتگو کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جو ہمیں مسلمان سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ہم ان سے بلا تکلف مسئلہ حیات وممات مسیح علیہ السلام پر بحث کر سکتے ہیں اور بہترین صورت یہ ہے کہ آپ حنفی مولویوں کو چھوڑ کر مولوی محمد حسین سے مناظرہ کریں۔ کیونکہ وہ آپ کے اسلام کا اقرار کر چکا ہے۔ مرزا قادیانی نے علمائے لدھیانہ سے چھیڑ خانی کرتے وقت مناظرہ کا جو چیلنج دیا تھا اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر تم لوگ مناظرہ نہ کرنا چاہو تو اپنی طرف سے مولوی محمد حسین کو کھڑا کر لو۔ جب مولوی محمد حسین کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ لدھیانہ پہنچ گئے اور مولوی محمد حسن کو لدھیانہ کو بھیج کر مناظرہ کی دعوت دی اور موضوع بحث یہ پیش کیا کہ کیا وہ مسیح جس کے قدم کی احادیث نبویہ میں بشارت دی گئی ہے۔ وہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے؟ اس کے جواب میں مرزا قادیانی نے کہا کہ میں اپنی مسیحیت پر گفتگو کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ بلکہ صرف مسئلہ حیات وممات مسیح علیہ السلام پر گفتگو کروں گا۔ کیونکہ میرا دعویٰ اسی بناء پر ہے۔ جب بنا ٹوٹ جائے گی تو دعویٰ بھی باطل ٹھہرے گا۔ اس کے جواب میں مولوی محمد حسین نے لکھوا بھیجا کہ آپ کے اشتہار میں دونوں دعویٰ موجود ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی رحلت کا دعویٰ اور اپنے مسیح ہونے کا دعویٰ۔ ان دونوں دعاوی میں ایسا تلازم نہیں ہے کہ ایک کے ثبوت سے دوسرا دعویٰ ثابت ہو جائے۔ لہٰذا پہلے تمہارے مسیح موعود ہونے پر گفتگو ہونی چاہئے۔ اس کے بعد مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام زیر بحث آئے اور بحکم اصول مناظرہ ہم کو اختیار ہے کہ آپ کے جس دعویٰ پر چاہیں پہلے بحث کریں۔ ہاں اگر آپ اپنے مسیح موعود ہونے کے دعویٰ سے دستبردار ہو جائیں تو پھر مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام پر گفتگو ہو سکتی ہے۔ مرزا قادیانی نے اس کا جو بودا جواب لکھ بھیجا اس سے ہر شخص نے یقین کر لیا کہ مرزا قادیانی مباحثہ سے گریزاں ہے۔ جب مرزا قادیانی کے پٹیالوی مریدوں کو اپنے مقتداء کی گریز وفرار کا علم ہوا تو انہوں نے لدھیانہ آ کر مرزا قادیانی کو مباحثہ پر مجبور کیا۔ آخر مباحثہ ہوا۔ مولوی محمد حسین نے یہ سوال پیش کیا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام حدیثیں تمہارے نزدیک صحیح ہیں یا نہیں؟ مرزا قادیانی نے ٹال مٹول اور حیلے حوالے شروع کئے اور بارہ دن تک غیر متعلق باتوں میں جواب کو ٹالتا رہا۔ کیونکہ اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ اس سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ آخر جب ہر جگہ مشہور ہوا کہ قادیانی اتنے دن سے صرف ایک سوال کا جواب دینے میں لیت ولعل کر رہے ہیں تو مرزا قادیانی اور مرزائیوں کا ہر جگہ مذاق اڑایا جانے لگا

اور بدنامی اور رسوائی ان پر ہر طرف سے مسلط ہوئی۔ جب امرتسر اور لاہور کے مرزائیوں کو معلوم ہوا کہ انکا مسیح بارہ دن سے صرف ایک سوال کا جواب دینے میں لیت ولعل کر رہا ہے تو اس کے ایک حواری حافظ محمد یوسف ضلعدار نے مرزا قادیانی کو پیغام بھیجا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ ان سوالات وجوابات میں تو آپ ذلیل ہو رہے ہیں اور فریق ثانی آپ کی آبرو مٹی میں ملا رہا ہے۔ ان سوالات وجوابات سے مولوی محمد حسین کا یہی مقصد ہے کہ آپ کو ذلیل کرے۔ اس لئے مناسب ہے کہ اس بحث کو جلد ختم کر دیجئے۔ ورنہ اور زیادہ ذلت ہوگی۔ غرض حافظ محمد یوسف کے انتباہ کا یہ اثر ہوا کہ مرزا قادیانی نے بارھویں دن کی تحریر کے ساتھ موقوفی بحث کی درخواست پیش کر کے اپنی جان چھڑالی۔ لدھیانہ میں ناکامی وہزیمت کا جو دھبہ مرزا قادیانی کے دامن عزت پر لگا۔ مرزا قادیانی ہر وقت اس کے دھونے کی فکر میں تھا۔ اس لئے خیال آیا کہ دہلی چل کر قسمت آزمائی کریں۔ وہاں مولوی محمد حسین بٹالوی کے استاد مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کو دعوت مناظرہ دی جائے۔ وہ اپنی بزرگی اور مرزا کی نااہلی کے پیش نظر اپنا مخاطب بنانا گوارا نہ کریں گے اور مفت کی شہرت وناموری حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ ستمبر ۱۸۹۱ء میں دہلی جا براجا اور مولانا نذیر حسین کو مسئلہ حیات وممات مسیح علیہ السلام پر بحث کرنے کا چیلنج دیا۔ اس چیلنج کا جو دلچسپ انجام مرزا قادیانی کی شاندار ہزیمت وپسپائی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ وہ کتاب رئیس قادیان میں ملاحظہ فرمایئے۔ قلت گنجائش کی وجہ سے ان دلچسپ مباحث کو یہاں ترک کرنا پڑا۔ مولانا نذیر حسین کے مقابلہ سے بھاگ کر مرزا قادیانی نے ان کے نامور شاگرد مولوی محمد بشیر سہسوانی سے مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام پر تحریری مناظرہ شروع کیا۔ لیکن جب چھٹے دن جانبین کے تین تین پرچے ہو چکے تو مرزا قادیانی پہلی ہی بحث کو ناتمام چھوڑ کر مناظرہ سے دستبردار ہو گیا اور کہنے لگا کہ میرے خسر صاحب علیل ہیں۔ اس لئے میرا جلد مراجعت کرنا ضروری ہے۔ ان دلچسپ واقعات کی تفصیل بھی کتاب رئیس قادیان میں ملے گی۔

آسمانی منکوحہ کے حصول میں ناکامی

مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک چچا کا نام غلام محی الدین تھا۔ مرزا امام الدین، نظام الدین اور کمال الدین اسی چچا کے بیٹے تھے۔ غلام محی الدین کی دختر عمر النساء مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری سے بیاہی ہوئی تھی اور غلام احمد کی حقیقی بہن کی شادی احمد بیگ ہوشیار پوری کے حقیقی بھائی محمد بیگ سے ہوئی تھی۔ ان قرابتوں کے علاوہ احمد بیگ کی حقیقی بہن مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک چچازاد بھائی غلام حسین سے بیاہی ہوئی تھی جو قریباً پچیس سال سے مفقود الخبر تھا۔ مرزا احمد بیگ

جو محکمہ پولیس میں ملازم تھا زیادہ تر ہوشیار پور سے باہر ملازمت ہی پر رہتا تھا۔ اس لئے عمر النساء عموماً قادیان ہی میں رہتی تھی۔ اس کا معمول تھا کہ جب کبھی مرزا احمد بیگ چھٹی لے کر ہوشیار پور آتا تو یہ قادیان سے ہوشیار پور چلی جاتی اور جب وہ ہوشیار پور سے اپنی نوکری پر چلا جاتا تو یہ اپنی بیٹی محمدی بیگم اور دوسری اولاد کو لے کر قادیان آجاتی۔ محمدی بیگم ایک نہایت خوش جمال لڑکی تھی۔ چونکہ اس کا نشوونما قادیان ہی میں ہوا۔ اس لئے یہ ہمیشہ کی دیکھی بھالی تھی۔ غلام حسین مذکور کی زمین سرکاری کاغذات میں اس کی منکوحہ یعنی احمد بیگ کی ہمشیر کے نام درج ہوگئی تھی اور چونکہ وہ اپنے شوہر غلام حسین کی مراجعت کی طرف سے بالکل ناامید ہوچکی تھی اس لئے اس نے ارادہ کیا کہ اپنے مفقود الخبر شوہر کی زمین اپنے بھتیجے (مرزا احمد بیگ کے بیٹے) کے نام ہبہ کردے۔ چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی بھی مفقود کا عم زاد بھائی تھا۔ اس لئے جب ہبہ نامہ لکھا گیا تو احمد بیگ اس ہبہ نامہ پر دستخط کرانے کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کے پاس لے گیا۔ کیونکہ سرکاری قانون کے بموجب اس کی رضامندی کے بغیر ہبہ نامہ جائز نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔ ہرچند کہ حقوق قرابت، شرافت نفس، شرف ومجد انسانی اور احسان وایثار اسلامی کا مقتضاء یہ تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی بلا معاوضہ دستخط کردیتا۔ لیکن اس نے احمد بیگ سے اس سلوک ومروت کا صلہ اس کی لڑکی محمدی بیگم بیاہ دینے کی شکل میں طلب کیا۔ احمد بیگ نے اس مطالبہ کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے ہزار جتن کئے۔ لیکن وہ کسی طرح رضامند نہ ہوا۔ آخر مرزا غلام احمد قادیانی نے اسے اپنے من گھڑت الہاموں سے مرعوب کرنا چاہا۔ اس سلسلہ میں ایک یہ الہام شائع کیا۔ ''اس خدائے قادر مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص (احمد بیگ) کی دختر کلاں (محمدی بیگم) کے لئے سلسلہ جنبانی کر اور ان سے کہہ دے کہ تمام سلوک ومروت تم سے اسی شرط پر کیا جائے گا اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا...... لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے ڈھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا (احمد بیگ) تین سال تک فوت ہو جائے گا اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی..... خدا تعالیٰ نے یہ مقرر کر رکھا ہے کہ وہ احمد بیگ کی دختر کلاں کو ہر ایک روک دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لائے گا...... کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے؟ (مجموعہ اشتہارات ج۱ ص۱۵۷،۱۵۸) لیکن مرزا احمد بیگ اور مرزا سلطان محمد ساکن پٹی ضلع لاہور جس سے محمدی بیگم منسوب تھی اور احمد بیگ کے گھر والے ان الہامی گیدڑ بھبکیوں سے کچھ بھی متاثر نہ ہوئے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے سلطان محمد ساکن پٹی کی میعاد حیات

یوم شادی سے ڈھائی سال تک بتائی تھی۔ اس سے محمدی بیگم کی شادی ۷؍اپریل ۱۸۹۲ء کو ہوئی۔ اس حساب سے مرزا سلطان محمد کی زندگی کا آخری دن ۷؍اکتوبر ۱۸۹۴ء تھا۔ لیکن قادیانی اعجاز کا کمال دیکھو کہ آج ۱۹؍جون ۱۹۳۶ء تک وہ زندہ سلامت موجود ہے۔ یعنی اپنی مدت حیات کے بعد بیالیس سال سے زبردستی گلشن دنیا کی سیر کر رہا ہے۔ جب محمدی بیگم کو مرزا سلطان محمد کے گھر میں آباد ہوئے قریباً ڈھائی سال کی مدت گذر چکی تو مرزا قادیانی نے زوجہ سلطان محمد سے شادی کرنے کی ازسرنو پیشین گوئی کر کے اس فتنۂ خوابیدہ کو بیدار کرنا چاہا۔ چنانچہ ۶؍دسمبر ۱۸۹۴ء کو ایک اشتہار شائع کیا۔ جس میں اپنا ایک الہام لکھا کہ: ''حق تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے نشانوں کی تکذیب کی اور ان سے ٹھٹھا کیا سو خدا انہیں یہ نشان دکھلائے گا کہ احمد بیگ کی بڑی لڑکی ایک جگہ بیاہی جائے گی اور خدا اس کو پھر تیری طرف واپس لائے گا۔ یعنی آخر وہ تیرے نکاح میں آئے گی اور خدا سب روکیں درمیان سے اٹھا دے گا۔ خدا کی باتیں ٹل نہیں سکتیں...... اس عورت کا اس عاجز کے نکاح میں آنا تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کے لئے الہام الٰہی میں یہ فقرہ بھی موجود ہے کہ: ''لا تبدیل لکلمات اللہ'' یعنی میری یہ بات ہرگز نہیں ٹلے گی۔ پس اگر ٹل جائے تو خدا کا کلام باطل ہوتا ہے...... میری تقدیر کبھی نہیں بدلے گی۔ میں سب روکوں کو اٹھادوں گا...... خدا تعالیٰ کے غیر متبدل وعدے پورے ہو جائیں گے۔ کیا کوئی زمین پر ہے جو ان کو روک سکے...... اے بدفطرتو! لعنتیں بھیجو۔ ٹھٹے کرو۔ لیکن عنقریب دیکھو گے کہ کیا ہوتا ہے؟'' (مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۴۱ تا ۴۴) مرزا قادیانی نے اسی سال ۲۷؍اکتوبر کے ایک اشتہار میں لکھا: ''میں دعاء کرتا ہوں کہ اے خدائے قادر و علیم! اگر احمد بیگ کی دختر کلاں کا آخر اس عاجز کے نکاح میں آنا یہ پیش گوئی تیری طرف سے ہے تو اس کو ظاہر فرما کر کور باطن حاسدوں کا منہ بند کر دے اور اگر تیری طرف سے نہیں تو مجھے نامرادی اور ذلت کے ساتھ ہلاک کر۔'' اس دعائے غیر مستجاب کے قریباً سوا دو سال بعد یعنی ۲۲؍جنوری ۱۸۹۷ء کو مرزا قادیانی نے کتاب ''انجام آتھم'' شائع کی۔ اس میں لکھا کہ: ''محمدی بیگم سے میرا نکاح خدائے بزرگ کی تقدیر مبرم ہے اور عنقریب اس کے ظہور کا وقت آجائے گا اور میں اس کو اپنے صدق یا کذب کا معیار ٹھہراتا ہوں۔ میں نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ خدا نے مجھے اس کی خبر دی ہے۔'' (انجام آتھم ص۲۲۳، خزائن ج۱۱ ص۲۲۳) ۱۹۰۰ء میں مرزا غلام احمد قادیانی کو الہام ہوا: ''ویردھا الیک'' (خدا تعالیٰ محمدی بیگم کو تمہارے پاس واپس لائے گا) مرزا قادیانی نے ۲۹؍ستمبر ۱۹۰۰ء کو رسالہ اربعین میں اس الہام کی شرح کرتے ہوئے لکھا کہ: ''یہ پیشین گوئی اس نکاح کی نسبت ہے

جس پر نادان مخالف جہالت اور تعصب سے اعتراض کرتے ہیں۔" (اربعین نمبر ۳ ص ۳۴ حاشیہ، خزائن ج ۱۷ ص ۴۸۲) اس کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی نے اگست ۱۹۰۱ء میں گورداسپور کی عدالت میں حلفاً بیان کیا کہ احمد بیگ کی دختر جس کی نسبت پیش گوئی ہے۔ مرزا امام الدین کی بھانجی ہے۔ سچ ہے وہ عورت میرے ساتھ نہیں بیاہی گئی۔ مگر میرے ساتھ اس کا بیاہ ضرور ہوگا۔

غرض مرزا غلام احمد قادیانی اسی طرح محمدی بیگم کی شادی کے بعد دس سال تک برابر پنجے جھاڑ کر اس عفیفہ کے پیچھے پڑا رہا اور اس بیچاری کی فضیحت و رسوائی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ آخر ملا محمد بخش ایڈیٹر جعفر زٹلی نے ایک ایسی تدبیر نکالی جس نے مرزا غلام احمد قادیانی کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اس کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی محمدی بیگم سے شادی کرنے کے سارے افسانے بھول گیا اور اس کا نام کبھی بھول کر بھی زبان قلم پر نہ لایا۔ ان دلچسپ واقعات کی تفصیل آپ کو کتاب "رئیس قادیان" میں ملے گی۔

حکیم نورالدین کا جموں سے اخراج

حکیم نورالدین مہاراجہ جموں و کشمر کا خاص طبیب تھا۔ وہ ریاست سے کیوں خارج کیا گیا؟ اس کی دلچسپ تفصیل آپ کو کتاب "رئیس قادیان" میں ملے گی۔ مختصر یہ ہے کہ وہ ریاست کشمیر کے علاقہ کشتواڑ میں (جیسا کہ میرے پاس روایتیں پہنچی ہیں) ایک مرزائی سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا اور اس کے لئے اسباب مہیا کئے جا رہے تھے۔ حکیم نورالدین کی کوششوں سے مرزائیت کو ریاست جموں و کشمیر میں جتنا فروغ نصیب ہوا اس سے کہیں زیادہ اس کا پنجاب میں نشوونمو ہو رہا تھا اور جوں جوں یہ جماعت ترقی کرتی جاتی تھی حکام کا سوء ظن بھی بڑھتا جاتا تھا۔ کیونکہ انہیں یہ خوف تھا کہ مبادا مرزا غلام احمد قادیانی بھی محمد احمد سوڈانی کی طرح زور پکڑ کر مشکلات کا موجب بن جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ گو مرزا قادیانی نے تقدس کی دکان ابتداء میں محض شکم پری کے لئے کھولی تھی۔ لیکن ترقی کر کے سلطنت پر فائز ہونے کا لائحہ عمل بھی شروع سے اس کے پیش نظر تھا۔ آخر کیوں نہ ہوتا مغل اعظم سلطان عالمگیر اورنگزیب غازیؒ کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر افسوس کہ حکیم نورالدین کے اخراج سے مرزائی سلطنت کے بنے بنائے نقش بگڑ گئے اور متوقع سلطنت کی جگہ حکومت کی دشمنی خرید لی۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر حکیم نورالدین کو ریاست سے خارج نہ کیا جاتا تو بھی وہ اور مرزا غلام احمد قادیانی قیام سلطنت میں کامیاب نہ ہو سکتے۔ کیونکہ جب مرزا غلام احمد مدت العمر قادیان کی ان مسجدوں کو بھی آزاد نہ کرا سکا جنہیں سکھوں نے اب تک دھرم سالہ بنا رکھا ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۱۳۱، خزائن ج ۳ ص ۱۶۵)

تو پھر سلطنت کا قیام ایک موہوم چیز تھی۔ لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں کیونکہ اگر وہ لوگ کسی طرح قیام سلطنت میں کامیاب ہو جاتے تو قادیان کی مسجدیں خود ہی آزاد ہو جاتیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ حکیم نورالدین کے اخراج کے بعد حکومت وقت حکیم نورالدین اور مرزا غلام احمد قادیانی پر بغاوت کا مقدمہ چلانا چاہتی تھی۔ لیکن انہوں نے کچھ قول وقرار کیے۔ جس کی بناء پر کسی تشدد کی ضرورت نہ رہی۔ عجب نہیں کہ یہ بیان صحیح ہو۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان واقعات کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی کے رویہ میں یک بیک تبدیلی پیدا ہوگئی اور قیام سلطنت کی توقعات کو تین سو سال تک مؤخر کر کے انگریز کی خوشامد اور مدح وتوصیف کا نغمہ چھیڑ دیا اور پھر خوشامد میں اعتدال اور میانہ روی ملحوظ رہتی تو بھی ایک بات تھی۔ لیکن مرزا قادیانی نے اپنی افتاد طبیعت سے مجبور ہو کر تملق وخوشامد کا خوفناک طوفان برپا کر دیا۔ یہاں تک کہ خوشامد ہی اس کا اوڑھنا بچھونا بن گئی۔ اس خوشامد شعاری کی چند بانگیاں ملاحظہ ہوں۔ لکھتا ہے۔ ''پھر میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے سرکار انگریزی کی امداد اور حفظ امن اور جہادی خیالات کے روکنے کے لئے برابر سترہ سال تک پورے جوش سے پوری استقامت سے کام لیا۔ کیا اس کام کی اور اس خدمت نمایاں کی اور اس مدت دراز کی دوسرے مسلمانوں میں جو میرے مخالف ہیں کوئی نظیر ہے؟ یہ سلسلہ ایک دو دن کا نہیں بلکہ برابر سترہ سال کا ہے۔'' (کتاب البریہ ص ۸، خزائن ج ۱۳ ص ۸)

''سول ملٹری گزٹ لاہور میں میری نسبت ایک غلط اور خلاف واقعہ رائے شائع کی گئی ہے..... کہ گویا میں گورنمنٹ انگریزی کا بدخواہ اور مخالفانہ ارادے رکھتا ہوں۔ لیکن یہ خیال سراسر باطل اور دور از انصاف ہے..... میرے والد نے ۱۸۵۷ء کے غدر میں پچاس گھوڑے خرید کر اور پچاس سوار بہم پہنچا کر گورنمنٹ کی نذر کیے۔''

(تبلیغ رسالت ج ۳ ص ۱۹۲، مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۱۲۳، ۱۲۴)

''میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید وحمایت میں گذرا ہے۔ میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارہ میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیرخواہ ہو جائیں اور مہدی خونیں اور مسیح خونیں کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔'' (تریاق القلوب ص ۲۷، ۲۸، خزائن ج ۱۵ ص ۱۵۵، ۱۵۶)

''انگریزوں کا اس ملک میں آنا مسلمانوں کے لئے درحقیقت ایک نہایت بزرگ نعمت الٰہی ہے تو پھر جو شخص خدا تعالیٰ کی نعمت کو بے عزتی کی نظر سے دیکھے وہ بلاشبہ بدذات اور بدکردار ہوگا۔'' (ایام الصلح ص ۱۲۵، خزائن ج ۱۴ ص ۳۶۶)

میں جانتا ہوں کہ بعض جاہل مولوی میری ان تحریرات سے ناراض ہیں اور مجھے علاوہ اور وجوہ کے اس وجہ سے بھی کافر قرار دیتے ہیں۔ لیکن مجھے ان کی ناراضگی کی پرواہ نہیں۔
(مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۱۲)

دعویٰ مہدویت

اس وقت تک مرزا مسیحیت ہی کا مدعی تھا، مہدی نہیں بنا تھا۔ احادیث نبویہ کے رو سے حضرت مسیح علیہ السلام اور جناب مہدی علیہ السلام ایک ہی زمانہ میں ظاہر ہوں گے۔ ۱۸۹۲ء میں ایک عالم ربانی نے مرزا قادیانی سے پوچھا کہ تم مسیح ہو تو حضرت مہدی علیہ السلام کہاں ہیں؟ جو ان کے عہد سعادت میں ظاہر ہونے والے تھے؟ مرزا قادیانی نے کہا وہ بھی میں ہی ہوں۔ لیکن اس کے بعد دعویٰ مہدویت میں مرزا قادیانی کی ہمیشہ گومگو حالت رہی۔ کبھی تو مہدویت کا مدعی بن بیٹھتا تھا اور کبھی حکومت کے خوف سے کانوں پر ہاتھ رکھنے لگتا تھا۔ مسئلہ ظہور مہدی علیہ السلام اور اپنی مہدویت کے متعلق مرزا قادیانی نے جو رنگ بدلے ان کی تشریح ''رئیس قادیان'' میں دیکھئے۔ چونکہ مرزا قادیانی کو تائید ربانی حاصل نہ تھی اور باوجود بڑی بڑی لن ترانیوں اور خودستائیوں کے قلم اور زبان کی دنیا سے باہر نکل کر اپنے دعوؤں کی تائید میں کوئی بیرونی شہادت پیش نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اس کی دکانداری کا سارا مدار سخن سازی پر تھا۔ ایک مرتبہ اسے شوق چرایا کہ اپنے مہدی ہونے کی کوئی بیرونی شہادت پیش کرے۔ اس کوشش میں اس نے ۲۶ رمئی ۱۸۹۲ء کو نشان آسمانی کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا۔ جس میں اپنے مہدی آخری الزمان ہونے کے ثبوت میں شاہ نعمت اللہ کرمانی کا قصیدہ پیش کیا۔ لیکن قصیدہ کا صحیح مصداق بننے کی کوشش میں اس پر تحریف وتبدیل کے کچھ ایسے کند ہتھیار چلائے کہ اس کا حلیہ ہی بگڑ گیا۔ مرزا قادیانی نے نہ صرف قصیدہ کے اشعار کی ترتیب حسب مراد بدل ڈالی اور بعض الفاظ وتراکیب کو مقدم ومؤخر کر دیا۔ بلکہ حضرت مہدی علیہ السلام کے اسم گرامی میں بھی تحریف کر دی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کا نام مبارک محمد بن عبداللہ ہوگا۔ شاہ نعمت اللہؒ کے قصیدہ میں بھی احادیث نبویہ کے بموجب حضرت مہدی علیہ السلام کا نام نامی محمد ہی مذکور ہے۔ چنانچہ پروفیسر براؤن نے تاریخ ادبیات ایران میں جہاں یہ قصیدہ نقل کیا ہے وہاں یہ شعر یوں درج کیا ہے۔

میم حامیم دال می خوانیم
نام او نامدار می بینم

لیکن مرزا قادیانی نے اپنے آپ کو اس بشارت کا مصداق ثابت کرنے کے لئے شعر کو یوں بدل دیا۔

ا ح م دال می خوانم
نام او نامدار می بینم

مرزائیوں کے سلطان القلم نے شعر میں تصرف تو کیا۔ لیکن تصرف و تحریف کے لئے بھی سلیقہ درکار ہے۔ مرزا قادیانی اس ردوبدل کے وقت اتنا بھی احساس نہ کر سکا کہ اس سے شعر کا وزن درست نہ رہے گا۔ اس نے اپنی کم سوادی سے میم اور الف کو ہموزن سمجھ لیا۔ مفصل بحث کے لئے رئیس قادیان کا مطالعہ فرمایئے۔

آتھم سے مناظرہ

پادریوں کی تبلیغی سرگرمیوں کے جواب میں قصبہ جنڈیالہ تحصیل امرتسر کے بعض مسلمان دین مسیحیت کی کمزوریاں دکھا دکھا کر پادریوں کے دانت کھٹے کرتے رہتے تھے۔ پادریوں نے تنگ آکر مسلمانان جنڈیالہ کو مناظرہ کا چیلنج دیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی اپنی صلیب شکنی کا ہمیشہ ڈھنڈورا پیٹا کرتا تھا۔ اس لئے اکثر عوام کے دلوں پر اس کے علمی کمالات کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اس بناء پر مسلمانان جنڈیالہ نے مرزا قادیانی کو اسلامی مناظر کی حیثیت سے کھڑا کرنے کا فیصلہ کیا۔ کسی شخص نے مرزا قادیانی کی الحاد پسندیوں پر اعتراض کیا تو کہنے لگے کہ مرزا قادیانی اپنی ذات سے کافر و ملحد ہی کیوں نہ ہو۔ مگر امید ہے کہ پادریوں کے مقابلہ میں اسلام کی عزت رکھ لے گا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کو معلوم ہوا تو انہوں نے مسلمانان جنڈیالہ کو ان کی خودرائی پر ملامت کی اور بتایا کہ مرزا قادیانی میں اتنی استعداد نہیں ہے کہ وہ نصاریٰ کے مقابلہ سے عہدہ برآ ہو سکے۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ اچھا تم ہی بتاؤ کہ قادیانی نے آج تک کس مخالف اسلام سے مباحثہ کر کے اس پر فتح حاصل کی۔ اس کی علمی قابلیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ اس نے وعدہ کیا تھا کہ کتاب براہین احمدیہ میں حقیقت اسلام کے تین سو دلائل پیش کروں گا۔ مگر ایک دلیل کی بھی تکمیل نہ کر سکا۔ ہوشیار پور میں ایک آریہ سے مباحثہ کر کے بحث کو دو پرچوں میں محدود کر دیا اور نہ تو فریق مقابل کو باقی ماندہ دلائل پیش کرنے اور اپنی طرف سے ان کی تردید کرنے کا موقع دیا اور نہ اپنی طرف سے آریوں کے عقلی دلائل پیش کر کے ان کی تردید کی۔ اسی رسالہ میں تناسخ کی بحث کو چھیڑا مگر اس کو بھی

ادھورا چھوڑ دیا۔ مسلمانان جنڈیالہ نے کہا کہ اگر قادیانی مناظرہ کا اہل نہیں ہے تو پھر دوسرا کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک نہیں بلکہ لاہور، امرتسر اور دوسرے بلاد پنجاب میں بہت سے علماء ایسے موجود ہیں جو پہلے سے تقریراً و تحریراً پادریوں سے مناظرے کر رہے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لو۔ دور کیوں جاؤ میں خود اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ انشاء اللہ دیکھ لو گے کہ کس طرح پادریوں کا ناطقہ بند ہوتا ہے۔ لیکن قادیانی پروپیگنڈے سے اثر پذیر ہونے کی وجہ سے حقیقت ناشناس مسلمانان جنڈیالہ پر مرزا قادیانی کا جادو چل چکا تھا۔ انہوں نے مولوی صاحب کی ایک نہ سنی اور مرزا قادیانی ہی کو مناظر اسلام کی حیثیت سے پادریوں کے مقابلہ میں کھڑا کرنا چاہا۔ موضوع بحث پانچ مسائل قرار پائے۔

۱...... حضرت مسیح علیہ السلام اور جناب محمد مصطفیٰ ﷺ میں کون سا نبی اپنی کتاب اور نیز دوسرے دلائل سے معصوم ہے؟

۲...... ان دونوں میں سے کس بزرگ ہستی کو زندہ رسول کہہ سکتے ہیں۔ جو الٰہی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے؟

۳...... ان میں سے کس کو شفیع کہہ سکتے ہیں۔

۴...... مسیحیت اور اسلام میں سے زندہ مذہب کون سا ہے؟

۵...... انجیل اور قرآن کی تعلیمات میں سے کس کی تعلیم اعلیٰ و برتر ہے؟

مناظرہ تحریری قرار پایا۔ عیسائیوں کی طرف سے ڈپٹی عبداللہ آتھم پنشنر جو پہلے مسلمان تھا اور پھر کئی سال سے مرتد ہو گیا تھا۔ مناظر قرار پایا۔ پندرہ دن تک مناظرہ ہوتا رہا۔ لیکن کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ کیونکہ فریقین اپنی اپنی فتح کا ڈنکا بجانے لگے۔ مولوی تاج الدین احمد صاحب لیڈر لاہوری نے اس مناظرہ کے متعلق یہ رائے ظاہر کی کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے مسلمانوں کی اس عزت کو سخت چرکا لگایا۔ جو حافظ ولی اللہ مرحوم کے وقت سے پادریوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو حاصل تھی۔ حافظ ولی اللہ نے ان کو بالکل عاجز ولاجواب کر رکھا تھا اور وہ اسلام کی طرف سے سخت مرعوب تھے۔ لیکن مرزا غلام احمد قادیانی نے اس رعب کو دور کر دیا ہے۔ اس مناظرہ کی ناکامی پر نہ صرف مسلمانان جنڈیالہ کو شرمسار ہونا پڑا۔ بلکہ خود مرزا غلام احمد قادیانی بھی نہایت خفیف ہوا۔ کیونکہ وہ باوجود لمبے چوڑے دعوؤں کے ایک معمولی پادری کو بھی نیچا نہ دکھا سکا۔ اس لئے اس نے رفع خفت کے لئے ۵رجون ۱۸۹۳ء کو یعنی مناظرہ کے آخری دن بوقت اختتام جلسہ اپنے حریف مقابل مسٹر آتھم کے متعلق یہ پیشین گوئی بھرے جلسے میں بآواز بلند سنائی۔ ''آج

رات جو مجھ پر کھلا ہے وہ یہ ہے کہ جب ہم نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعاء کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں۔ تیرے فیصلے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو ذلت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب پیشین گوئی ظہور میں آئے گی بعض اندھے سوجاکھے کئے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔ میں حیران تھا کہ اس بحث میں کیوں مجھے آنے کا اتفاق پڑا۔ معمولی بحثیں تو اور لوگ بھی کرتے ہیں۔ اب یہ حقیقت کھلی کہ اس نشان کے لئے تھا میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے۔ روسیاہ کیا جاوے۔ میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جاوے۔ مجھ کو پھانسی دیا جاوے۔ ہر ایک بات کے لئے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا۔ زمین آسمان ٹل جائیں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔“ (جنگ مقدس ص ۲۰۹ تا ۲۱۱، خزائن ج ۶ ص ۲۹۱ تا ۲۹۳)

خدا خدا کر کے سوا سال کی طویل مدت گذری اور لوگ یہ دیکھنے کے قابل ہو سکے کہ مرزا قادیانی کی پیشین گوئی سچی نکلتی ہے یا جھوٹی۔ معلوم ہوا کہ جس تاریخ کو پندرہ مہینے کی میعاد ختم ہونے والی تھی اس رات قادیان میں کوئی مرزائی نہ سویا۔ مرزا قادیانی اور مرزائی رات بھر سربسجود رہے کہ الٰہی! طلوع آفتاب سے پہلے پہلے آتھم کا کام تمام کر دے۔ مگر خدائے غیور، خانہ ساز مقدسین کی دعائیں قبول نہیں کرتا۔ بلکہ انہیں عبرت روزگار بننے کے لئے ذلت ورسوائی کی چادر اوڑھا دیتا ہے۔ سوا سال کی مقررہ میعاد گزر گئی۔ مگر آتھم مذکور نہ مرا اور پیشین گوئی جھوٹی ثابت ہوئی۔ مرزا قادیانی کا بری طرح مذاق اڑایا گیا اور مرزائیوں کی بڑی رسوائی ہوئی۔ تفصیل کے لئے کتاب ”رئیس قادیان“ کا مطالعہ فرمائیے۔ جب یہ پیشین گوئی پوری نہ ہوئی تو مرزائی حلقوں میں اضطراب وخلفشار کی لہر دوڑ گئی۔ جو مرزائی بڑھ بڑھ کر باتیں بنایا کرتے تھے وہ شرم کے مارے منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ سردار محمد علی مالیر کوٹلوی جسے مرزائی شاید اس بناء پر کہ آئندہ چل کر مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی آٹھ نو سال کی بچی مبارکہ بیگم اس کے حبالۂ ازدواج میں دے کر داماد بنایا تھا۔

اسے نواب محمد علی خاں کہا کرتے ہیں۔ سب سے زایدہ پریشان اور حواس باختہ دکھائی دیتا تھا۔ اس نے اس موقعہ پر اضطراب آفرین لیکن نہایت دلچسپ چٹھی مرزا غلام احمد قادیانی کے نام لکھی وہ کتاب "رئیس قادیان" میں آپ کی نظر سے گزرے گی۔ مرزا قادیانی نے اس چٹھی کے جواب میں سردار محمد علی کو جو خط لکھا اس میں مرقوم تھا۔ "آتھم کے زندہ رہنے کے بارے میں میرے دوستوں کے بہت خط آئے۔ لیکن یہ پہلا خط ہے جو تذبذب اور تردد اور شک اور سوء ظن سے بھرا ہوا تھا..... بعض لوگوں نے اس موقع پر نئے سرے سے بیعت کی ہے۔ بہر حال آپ کا خط پڑھنے سے آپ کے ان الفاظ سے بہت ہی رنج ہوا۔ جن کے استعمال کی ہرگز امید نہ تھی۔"

(مکتوب احمدیہ نمبر چہارم ج۵ ص ۶۵)

آتھم کے مناظرہ کے بعد مرزا قادیانی نے مولوی عبدالحق غزنوی سے امرتسر میں مباہلہ کیا۔ اس کی کیفیت اور انجام معلوم کرنا ہو تو کتاب "رئیس قادیان" کی طرف رجوع فرمایئے۔ مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری کے مناظرہ سے مرزا قادیانی نے شاندار پسپائی اختیار کی۔ اس کی کیفیت بھی آپ کو اسی کتاب میں ملے گی۔

پنڈت لیکھرام کا قتل

تقدس کے دکاندار اپنی پیشین گوئیوں میں قرائن حالیہ سے بہت کام لیتے ہیں۔ اگر قرنیہ حسب توقع انجام پذیر ہوا تو اپنی صداقت کا ڈنکا بجانے لگتے ہیں اور اگر خلاف مدعا ظاہر ہوا تو تاویل کاریوں اور سخن سازیوں کا دروازہ تو ان کے لئے ہر وقت کھلا ہے۔ بیمہ کمپنیوں کے ایجنٹوں کو آپ دیکھتے ہوں گے کہ وہ زندگی کا بیمہ کرانے والے کا ڈاکٹری معائنہ کراتے ہیں اور اس کی جسمانی حالت اور عمر کا لحاظ کر کے تخمینہ سے کہہ دیتے ہیں کہ تم اتنی مدت کے اندر نہیں مرو گے اور اگر مر جاؤ تو ہم اتنے ہزار روپیہ تمہارے ورثاء کی نذر کریں گے۔ پھر جتنی رقم اور مدت کا بیمہ ہوتا ہے اس سے اتنے سال تک کچھ معین رقم سالانہ یا ماہانہ وصول کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح بیمہ کمپنیاں قرائین داخلیہ وخارجیہ کا لحاظ کر کے عموماً کامیاب ہوتی ہیں اور کروڑوں روپیہ اسی ترکیب سے کماتی ہیں۔ مرزا قادیانی بھی قرائن حالیہ کو دیکھ کر پیشین گوئیاں کر دیتا تھا۔ اگر وہ قرینہ صحیح اترتا تو اپنی عظمت وکبریائی کا نقارہ بجانے لگتا۔ ورنہ تاویل کاری اور سخن سازی کا مرزائی میدان تو اتنا وسیع تھا کہ شاید عالم خیال کے جولانگاہ کو بھی اتنی وسعت نصیب نہ ہوگی۔ ان ایام میں برگشتہ بخت لیکھرام کے بھی جذبات کا یہ عالم تھا کہ وہ برسر عام پاکوں کے سردار سیدنا احمد مختار ﷺ کی شان اقدس میں وریدہ دہنی کر رہا تھا اور کوئی مسلمان ایسا نہ تھا جو اس ابلیسانہ حرکت پر سینہ ریش نہ ہو۔

جس طرح ۱۹۲۷ء میں پنجاب کے ہر مسلمان کو یقین تھا کہ راجپال جلد یا بدیر میں ضرور قتل ہوگا۔ اسی طرح ۱۸۹۲ء کے اواخر اور ۱۸۹۳ء کے اوائل میں ہر شخص دیکھ رہا تھا کہ کسی نہ کسی باحمیت اور غیرت مند مؤمن کی چھری لیکھرام کو ضرور پیام ہلاکت سنائے گی۔ یہ حالت دیکھ کر مرزا غلام احمد قادیانی نے ۲۰ رفروری ۱۸۹۳ء کو پیشین گوئی کر دی کہ: "لیکھرام آریہ چھ برس کے اندر اپنی بدزبانیوں کی سزا میں یعنی ان بے ادبیوں کی سزا میں جو اس شخص نے رسول خدا ﷺ کے حق میں کی ہیں۔ عذاب شدید میں مبتلا ہو جائے گا۔" (آئینہ کمالات اسلام ص ۲۰۲، خزائن ج ۵ ص ۶۵۰، ۶۵۱)

جب یہ پیشین گوئی شائع ہوئی تو لیکھرام نے کہا کہ یہ پیشین گوئی میرے قتل کرانے یا زہر دلانے کا منصوبہ ہے۔ اس کے بعد پنڈت نے مرزا غلام احمد قادیانی کو لکھا کہ میں قتل وغیرہ کی گیدڑ بھبکیوں سے نہیں ڈرتا۔ اگر سچ مچ تمہارے اندر کوئی جوہر ہے تو اس قسم کا کوئی معجزہ دکھا کر مجھے قائل کرو۔ مثلاً:

۱...... ایک ماہ تک اپنے الہامی خدا سے سنسکرت کی تعلیم حاصل کر کے لیکچر اور وعظ کرنا سیکھو اور آریہ سماج کے مشہور پنڈتوں ودیوت اور شام کرشن کے ساتھ شاسترارتھ کر کے فتح حاصل کرو۔ یا اس قسم کا کوئی اور معجزہ دکھا دو۔ اگر کوئی معجزہ دکھا سکو تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ ورنہ میں کسی حالت میں تمہاری چالوں میں نہیں آسکتا۔ اس کے جواب میں لیکھرام کو ایک سرخ چٹھی موصول ہوئی۔ جس میں لکھا تھا۔ بخدمت پیشوائے گمراہاں افتخار ہنوداں پنڈت لیکھرام مادام فی النار والسقر وغضب اللہ مثل کلب ناپاک بکد ام اسلحہ شمارا خواہند کشت۔ پس بہ نہایت مذلت ہنوداں شمارا بر چہار چوب برداشتہ کہ اوّل درجہ علامت غضب الٰہی است اور آتش دنیا خواہند سوخت۔ پنڈتا! شنیدہ باشد کہ شخصے شیر علی نام گورنر جنرل صاحب بہادر را بے جرم کشتہ بود۔ پس شما چہ منصب ولیاقت دارید کہ بشما آنچناں پے درپے نخواہند کشت۔ (آریہ مسافر لاہور)

الغرض مرزائی پیشین گوئی کے چار سال بعد یعنی ۶ رمارچ ۱۸۹۷ء کو پنڈت لیکھرام کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مرزا قادیانی نے تو لیکھرام کے قتل کی مدت بڑی لمبی چوڑی رکھی تھی اور قتل ہوتے ہوتے بھی اس نے چار سال لگا دیئے۔ لیکن دھرم پال کی ہلاکت کے متعلق بیسیوں مسلمانوں نے مدت قلیل کی پیشین گوئیاں کر رکھی تھیں۔ جو حرف بحرف پوری ہوئیں۔ مرزائی لوگ قتل لیکھرام کی مرزائی پیشین گوئی پر بہت اترایا کرتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ اس پیشین گوئی میں کوئی جدت نہیں تھی۔ قرائن عالیہ کو دیکھ کر تو زید عمرو بکر ہر شخص پیشین گوئی کر سکتا ہے۔ اس سے قطع نظر آریوں نے بوثوق اعلان کیا تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی ہی نے پنڈت لیکھرام کو قتل کرایا ہے اور وہ

بھی اس کی جان کے لاگو ہو گئے۔ چنانچہ وہ برملا کہتے تھے کہ ہم مرزا قادیانی سے اس کا انتقام لیں گے۔ اخبار آفتاب ہند کے ایک نامہ نگار نے لکھا۔ مرزا قادیانی خبردار، مرزا قادیانی بھی امروز فردا کا مہمان ہے۔ بکرے کی ماں کب تک خیر مناسکتی ہے۔ جب اس قسم کے مضامین کی بناء پر مرزا قادیانی کو اپنی جان کا خطرہ ہوا تو اس نے حکومت پنجاب کے نام ایک درخواست بھیج کر اس سے حفاظت جان کی درخواست کی۔ (تبلیغ رسالت، یعنی مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۶۴)

پنڈت لیکھرام کے واقعہ قتل اور نتائج مابعد کی نہایت دلچسپ تفصیلات کے لئے کتاب ''رئیس قادیان'' کی طرف رجوع کیجئے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کو دعوت مبارزت

مرزائیت کی تردید میں آج تک جو ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں شاید سب سے پہلی کتاب شمس الہدایہ تھی۔ جو حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے جو علم حدیث میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری مرحوم کے شاگرد ہیں۔ آج سے قریباً چالیس سال پہلے زیب رقم فرمائی۔ اس کتاب میں مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام کو اس طرح منقح کیا گیا ہے کہ اس کے بعد کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو مرزائی حلقوں میں کہرام مچ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مرزا قادیانی نے اپنے حواری خاص مولوی محمد احسن امروہی سے اس کا جواب بنام شمس بازغہ لکھوا کر شائع کیا۔ حضرت پیر صاحب نے شمس بازغہ کی تردید میں کتاب سیف چشتیائی لکھی۔ یہ کتاب آج تک کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ لیکن گذشتہ ۳۸ سال کی طویل مدت میں امت مرزائی کو اس کا جواب لکھنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ جب کتاب سیف چشتیائی نے مرزائیت کے سارے بخئے ادھیڑ دیئے اور مرزائیت کا جنازہ ذلت ورسوائی کے بحر ظلمات میں ڈوبتا نظر آیا تو مرزا غلام احمد قادیانی نے اس تن مردہ میں از سر نو زندگی کی روح پھونکنی چاہی۔ چنانچہ اس کوشش میں ۲۰ رجولائی ۱۹۰۰ء کو ایک مطبوعہ اعلان میں حضرت پیر مہر علی شاہ اور ہندوستان بھر کے دوسرے چھیاسی علمائے کرام وصوفیائے عظام کو لاہور آ کر مناظرہ کرنے کی دعوت دی اور لکھا کہ: ''مہر علی شاہ صاحب اپنی رسمی مشیخت کے غرور سے اس خیال میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح اس سلسلۂ آسمانی کو مٹادیں۔ اس غرض سے انہوں نے دو کتابیں بھی لکھی ہیں جو اس بات پر کافی دلیل ہیں کہ وہ علم قرآن اور حدیث سے کیسے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں۔ وہ اپنی کتاب کے ذخیرہ لغویات میں ایک بھی ایسی بات پیش نہیں کر سکے جس کے اندر کچھ روشنی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف اس دھوکا میں پڑے ہوئے ہیں کہ بعض حدیثوں میں لکھا ہے کہ مسیح موعود آسمان سے نازل ہوگا۔

حالانکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کبھی اور کسی زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے اور ناحق نزول کے لفظ کے الٹے معنی کرتے ہیں...... اگر مہر علی شاہ اپنی ضد سے باز نہیں آتے تو میں فیصلہ کے لئے ایک سہل طریق پیش کرتا ہوں...... اور وہ یہ ہے کہ پیر صاحب میرے مقابل سات گھنٹہ تک زانو بہ زانو بیٹھ کر چالیس آیات قرآنی کی عربی میں تفسیر لکھیں جو تقطیع کلاں کے بیس ورق سے کم نہ ہو۔ پھر دونوں تفسیریں تین عالموں کو جن کا اہتمام حاضری وانتخاب پیر مہر علی شاہ صاحب کے ذمہ ہوگا۔ سنائی جائیں۔ جس کی تفسیر کو وہ حلفاً پسند کریں۔ وہ مؤید من اللہ سمجھا جائے۔ مجھے منظور ہے کہ پیر مہر علی شاہ صاحب اس شہادت کے لئے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی امرتسری اور مولوی عبداللہ پروفیسر لاہوری کو یا تین اور مولوی منتخب کرلیں جو ان کے مرید اور پیرو نہ ہوں۔ اگر پیر صاحب کی تفسیر بہتر ثابت ہوئی تو میں اقرار کرتا ہوں کہ اپنی تمام کتابیں جو اپنے دعوؤں کے متعلق ہیں جلا دوں گا اور اپنے تئیں مخذول اور مردود سمجھ لوں گا اور اگر وہ مقابلہ میں مغلوب ہوگئے یا انہوں نے مباحثہ سے انکار کردیا تو ان پر واجب ہوگا کہ وہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کریں۔ میں مکرر لکھتا ہوں کہ پیر صاحب مباحثہ میں بالکل ناکام رہیں گے۔ بلکہ مباحثہ کے لئے لاہور ہی نہیں آئیں گے اور میرا غالب رہنا اسی صورت میں متصور ہوگا جب کہ پیر مہر علی شاہ صاحب بجز ایک ذلیل اور قابل شرم اور رکیک عبارت اور لغو تحریر کے کچھ بھی نہ لکھ سکیں اور ایسی تحریر کریں۔ جس پر اہل علم تھوکیں اور نفرت کریں۔ کیونکہ میں نے خدا سے یہی دعاء کی ہے کہ وہ ایسا ہی کرے اور میں جانتا ہوں کہ وہ ایسا ہی کرے گا اور اگر پیر مہر علی شاہ صاحب بھی اپنے تئیں مؤمن مستجاب الدعوات جانتے ہیں تو وہ بھی ایسی ہی دعاء کریں اور یاد رہے کہ خدا تعالیٰ ان کی دعاء ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے مامور مرسل کے دشمن ہیں۔ اس لئے آسمان پر ان کی عزت نہیں۔ یاد رہے کہ مقام بحث بجز لاہور کے جو مرکز پنجاب ہے اور کوئی نہ ہوگا۔ اگر میں حاضر نہ ہوا تو اس صورت میں بھی میں کاذب سمجھا جاؤں گا۔ انتظام مکان جلسہ پیر صاحب کے اختیار میں ہوگا۔ اگر ضرورت ہوگی تو بعض پولیس کے افسر بلا لئے جائیں گے اور لعنت ہو اس پر جو تخلف یا انکار کرے۔'' (مجموعہ اشتہارات ج۳ص ۳۲۵ تا ۳۳۲)

مرزا قادیانی کو پورا اطمینان تھا کہ پیر صاحب جو نہایت معمور الاوقات اور عزلت گزیں بزرگ ہیں اور ذکر الٰہی ان کا دن رات کا مشغلہ ہے۔ مناظرہ کے لئے ہرگز نہیں آئیں گے اور مریدوں کے سامنے یہ شیخی بگھارنے کا موقع مل جائے گا کہ پیر صاحب گولڑوی جیسا فاضل اجل جس کے لاکھوں مرید ہیں۔ میرے مقابلہ کی جرأت نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ دیکھ کر مرزا قادیانی

کی حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی کہ پیر صاحب نے سچ مچ اس کے چیلنج کو منظور کر لیا اور ۲۵ رجولائی ۱۹۰۰ء کو لکھ بھیجا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا اشتہار آج ۲۰ رجولائی ۱۹۰۰ء کو نیاز مند کی نظر سے گذرا۔ خاکسار کو دعوت حاضری جلسہ لاہور میں مع شرائط مجوزہ مرزا قادیانی منظور ہے۔ لیکن درخواست ہے کہ میری بھی ایک گذارش کو شرائط مجوزہ کے سلک میں منسلک فرمالیا جائے اور وہ یہ ہے کہ مرزا قادیانی اجلاس میں پہلے اپنی مسیحیت ومہدویت کے دلائل پیش کریں اور میں مرزا قادیانی کے دلائل کا جواب دوں۔ اگر مرزا قادیانی کے تجویز کردہ تینوں حکم اس بات کو تسلیم کر لیں کہ مرزا قادیانی اپنے دعویٰ کو پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچا سکے تو وہ میرے ہاتھ پر توبہ کریں۔ میں اپنی طرف سے تاریخ مناظرہ ۲۵ راگست ۱۹۰۰ء بمقام لاہور مقرر کرتا ہوں۔

از راہ کرم آپ تاریخ مقررہ پر لاہور پہنچ جایئے۔ لاہور امرتسر اور بعض دوسرے مقامات کے علماء کو ہم خود جمع کر لیں گے۔ دوسرے علماء کے جمع کرنے کا ہم ذمہ نہیں لے سکتے۔ الغرض جب تمام مراحل طے ہوگئے تو حضرت پیر صاحب بروز جمعہ ۲۴ راگست ۱۹۰۰ء کو علماء کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں سے اکثر کے نام مرزا قادیانی کی فہرست میں درج تھے۔ لاہور تشریف لے آئے۔ مناظرہ لاہور کی شاہی مسجد میں قرار پایا۔ ہر شخص کو یقین تھا کہ قادیانی بھی وقت معہودہ پہ پہنچ جائے گا۔ مگر اسے حق کے رعب نے مقابلہ پر آنے کی اجازت نہ دی۔ البتہ اس کی جگہ ایک مطبوعہ اشتہار لاہور میں تقسیم کرادیا کہ پیر صاحب مقابلہ سے بھاگ گئے۔ واقعی یہ بھی مسیح قادیان کا ایک معجزہ تھا کہ قادیان سے قدم باہر رکھنے کی تو خود کو جرأت نہ ہوئی اور مقابلہ سے راہ فرار پیر صاحب نے اختیار کی اور صرف یہی نہیں کہ پیر صاحب کی ہزیمت وفرار کے اشتہار ان کی مراجعت کے بعد شائع کئے گئے ہوں۔ بلکہ مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں کہ جب یوم مباحثہ کی صبح کو پیر صاحب اور دوسرے لوگ شاہی مسجد کی طرف جارہے تھے تو راستہ میں ہر جگہ نہایت چوب قلم اشتہارات لاہور کی دیواروں پر چسپاں پائے گئے۔ جن کا یہ عنوان تھا پیر مہر علی کا فرار۔ جو لوگ پیر صاحب کو بچشم خود لاہور میں دیکھ رہے تھے وہ بزبان حال کہہ رہے تھے۔

این چہ می بینم بہ بیداری ست یا رب بخواب؟

آخر جب پیر صاحب ۲۹ راگست کے روز بعد انتظار بسیار لاہور سے مراجعت فرما ہوئے تو مرزا قادیانی کا ایک زرد رنگ اشتہار جو بزبان حال مرزائی ہزیمت اور زردروئی کی شہادت دے رہا تھا۔ بلا تاریخ نکلا جس میں لکھا تھا کہ پیر صاحب نے ہمارا طریق فیصلہ منظور نہ کیا اور چال بازی کی۔ اس کے بعد ایک اور اعلان بھی شائع کیا جس کا عنوان ''آخری حیلہ'' تھا۔ گو اس

اشتہار پر تاریخ طبع ۲۸ درج تھی۔ لیکن یہ لاہور میں پیر صاحب کی مراجعت کے کئی دن بعد تقسیم ہوا۔ اس میں لکھا تھا۔ ''اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ لاہور کے گلی کوچوں میں پیر صاحب کے مرید اور ہم مشرب شہرت دے رہے ہیں کہ پیر صاحب تو بالمقابل تفسیر لکھنے کے لئے لاہور میں پہنچ گئے تھے۔ مگر مرزا بھاگ گیا۔ حالانکہ یہ تمام باتیں خلاف واقعہ ہیں۔ بلکہ خود پیر صاحب بھاگ گئے ہیں۔ میں بہر حال لاہور پہنچ جاتا مگر میں نے سنا ہے کہ اکثر پشاور کے جاہل سرحدی پٹھان پیر صاحب کے ساتھ ہیں اور ایسا ہی لاہور کے اکثر سفلہ اور کمینہ طبع لوگ گلی کوچوں میں مستوں کی طرح گالیاں دیتے پھرتے ہیں اور نیز مخالف مولوی بڑے جوشوں سے وعظ کر رہے ہیں کہ یہ شخص واجب القتل ہے تو اس صورت میں لاہور جانا بغیر کسی احسن انتظام کے کس طرح مناسب ہے...... اس فتنہ اور اشتعال کے وقت میں بجز شہر کے رئیسوں کی پوری طرح کی ذمہ داری کے لاہور میں قدم رکھنا گویا آگ میں قدم رکھنا ہے۔

(تبلیغ رسالت ج ۱۰ ص ۱۳۹، ۱۴۲، مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۳۵۰ تا ۳۵۴)

اس اعلان کے متعلق منشی الہٰی بخش اکاونٹنٹ لاہور نے جو سالہا سال تک مرزائی رہنے کے بعد مرزائیت سے تائب ہوئے تھے۔ کتاب عصائے موسیٰ میں لکھا۔ ''جب مرزا قادیانی لاہور آنے سے ایسے ہراساں وترساں تھے تو اوّل خود ہی اشتہار دے کر اپنی جان کو خطرے میں کیوں ڈالا؟ مرزا قادیانی نے خود ہی تو تمام دنیا کو مقابلہ کے لئے بلایا اور اشتہار پر اشتہار شائع کئے اور جب آپ کے حکم کی تعمیل میں حضرت پیر صاحب اور دوسرے حضرات جمع ہوئے تو فرمانے لگے کہ ایسے مجمع میں جانا تو گویا آگ میں کود پڑنا ہے۔ ذرا غور کرو کہ اللہ کے مرسل تو سچ مچ دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیئے گئے۔ لیکن حافظ حقیقی نے انہیں ہر طرح سے محفوظ رکھا۔ لیکن آپ محض خیالی اور مجازی آگ میں قدم رکھنے سے بھی ڈر گئے جو خود بدولت ہی کی سلگائی ہوئی تھی۔ سچا مؤمن تو خیر الحافظین کے حفظ وامن اور اس کی نصرت بخشیوں کا بھروسہ کر کے ہر خطرے کا مقابلہ کرتا ہے۔ لیکن منافق لوگ اس طرف قدم رکھتے ہوئے ڈرتے ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
کفر ہے محو تماشائی لب بام ابھی

گو مرزا قادیانی کو لاہور آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ لیکن ہر کس وناکس کو مرزا قادیانی کے اس قول کی تصدیق ہوگئی کہ اگر میں حاضر نہ ہوا۔ تب بھی کاذب سمجھا جاؤں گا۔

(عصائے موسیٰ ص ۴۲۱)

اس کے بعد مرزا قادیانی نے اپنے رسالہ اربعین کے نمبر۴ مین شکوہ کیا کہ پیر صاحب نے اپنے جوابی اشتہار میں تحریری مقابلہ سے پہلے نصوص قرآن وحدیث کے رو سے مباحثہ کئے جانے کی کیوں خواہش کی؟ افسوس مرزا قادیانی نے یہ شکایت کرتے وقت اتنا انصاف نہ کیا کہ انہوں نے خود ہی پیر صاحب کو علم قرآن وحدیث سے بے بہرہ بتایا تھا اور ان کی کتاب شمس الهدایہ کو جو مرزائیت شکنی میں بہترین کتاب ہے۔ ذخیرہ لغویات قرار دیتے ہوئے ان سے رفع ونزول مسیح علیہ السلام کے دلائل پیش کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ حالانکہ پیر صاحب شمس الهدایہ میں اس کے بیسیوں دلائل پیش کر چکے تھے۔ پس اگر پیر صاحب نے تفسیر نویسی کے مقابلہ سے پہلے مرزائی کجروی اور رفع ونزول مسیح علیہ السلام کو قرآن وحدیث سے ثابت کرنے کے لئے تھوڑے سے زبانی مناظرہ کی بھی خواہش کی تو کیا بیجا کیا؟ اور پھر یہ کہ جب مرزا قادیانی نے حضرت پیر صاحب کے مطالبہ کو شرف قبول نہ بخشا تو پیر صاحب نے بھی اس پر کچھ اصرار نہ فرمایا تھا۔ بلکہ مرزا قادیانی کی دس شرطوں کو ہی قبول فرما کر مقابلۂ تفسیر نویسی کے لئے لاہور تشریف لے آئے تھے اور پیر صاحب کے اشتہار مورخہ ۲۱ راگست ۱۹۰۰ء میں مرزا قادیانی کے تمام شرائط منظور ہوکر ۲۵ راگست ۱۹۰۰ء کو جانبین کا لاہور پہنچ جانا قرار پاچکا تھا۔ جس کے لئے مرزا قادیانی کے پاس بشرط انصاف ودیانت کسی عذر خواہی اور حیلہ گری کی گنجائش نہ تھی۔ (عصائے موسیٰ)

بہر حال مرزا قادیانی کی اس شاندار پسپائی نے قادیان کے خلاف شکنجہ ملامت کے بہت سے پیچ کس دیئے اور مرزائیوں کے لئے گھروں سے باہر نکلنا مشکل ہوگیا۔ ۲۸ راگست کے اشتہار میں تو مرزا قادیانی نے لکھا تھا کہ میں نے سرحدی پٹھانوں کے خوف سے لاہور کا رخ نہیں کیا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد رسالہ اربعین میں یہ لکھ مارا کہ اگر پیر مہر علی شاہ صاحب منقول مناظرہ اور اپنی بیعت کی شرط پیش نہ کرتے تو اگر لاہور اور قادیان میں برف کے پہاڑ بھی ہوتے اور جاڑے کے دن ہوتے تو میں تب بھی لاہور پہنچتا اور ان کو دکھلاتا کہ آسمانی نشان اس کو کہتے ہیں۔

(اربعین نمبر۴ص۱۷ حاشیہ، خزائن ج۱۷ص۴۴۹)

اس کے بعد ۱۵ ردسمبر ۱۹۰۰ء کو مرزائیوں کی طرف سے شکوہ سنج ہوا کہ باوصف اس کے کہ اس معاملہ کو دو مہینے سے زیادہ عرصہ گذر گیا۔ مگر اب تک پیر مہر علی شاہ کے متعلقین سب وشتم سے باز نہیں آتے اور ہر ہفتہ میں کوئی نہ کوئی ایسا اشتہار پہنچ جاتا ہے جس میں پیر مہر علی شاہ گولڑوی صاحب کو آسمان پر چڑھایا ہوتا ہے اور مجھے گالیاں دی ہوتی ہیں اور میری نسبت کہتے ہیں کہ دیکھو اس شخص نے کس قدر ظلم کیا کہ پیر مہر علی شاہ صاحب جیسے مقدس انسان بالمقابل تفسیر لکھنے کے لئے

صعوبت سفر اٹھا کر لاہور میں پہنچے۔ مگر یہ شخص اس بات پر اطلاع پا کر کہ درحقیقت وہ بزرگ نابغۂ زمان اور سحبان دوران اور علم معارف قرآن میں لاثانی روزگار ہیں۔ اپنے گھر کی کسی کوٹھری میں چھپ گیا۔ ورنہ حضرت پیر صاحب کی طرف سے معارف قرآنی کے بیان کرنے اور زبان عربی کی بلاغت دکھلانے میں بڑا نشان ظاہر ہوتا۔" (ضمیمہ اربعین نمبر۳،۴ص۱۴،۱۵)

بہرحال مرزا قادیانی نے مقابلہ سے فرار کرنے کے متعلق اپنی طرف سے دوگونہ صفائیاں پیش کیں جو اوپر درج کی گئی ہیں۔ لیکن عجب نہیں کہ اس کی ایک تیسری وجہ بھی ہو اور شاید وہی حقیقی وجہ ہو جو خود تقدس مآب مرزا غلام احمد قادیانی نے (تحفہ گولڑویہ ص۹، خزائن ج۱۷ص۴۹) میں لکھی ہے کہ: "میدان میں نکلنا کسی مخنث کا کام نہیں۔" مگر یاد رہے کہ میں مرزا قادیانی کو خدانخواستہ مخنث یا شغال نہیں کہتا۔ بلکہ شیر سمجھتا ہوں جو اپنے شکار پیر صاحب پر حملہ کرنے کے لئے ڈکارتا ہوا قادیان سے لاہور آ پہنچا تھا۔ چنانچہ خود شیر قادیان لکھتا ہے۔ "اس وقت مہر علی شاہ کہاں ہے جس نے گولڑہ کو بدنام کیا؟ کیا وہ مردہ ہے جو باہر نہیں نکلے گا؟ اور شیر تو ضرور نعرہ مارتا ہے۔"

(اعجاز احمدی ص۴۹، خزائن ج۱۹ص۱۶۱)

بعض لوگ تقدس مآب مرزا غلام احمد قادیانی کے شیر ہونے سے انکار کرتے ہوئے اسے شیر قالین قرار دیں گے۔ لیکن میں ایسے لوگوں سے متفق نہیں ہوں۔ اگر وہ حقیقی شیر غراں نہیں تھا تو کم از کم چیلنج دینے کا تو شیر تھا۔ اس لئے وہ شیر کا شیر رہا قالین نہ ہوا۔ اصل یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی ذرہ بے قدر اور مور بے مایہ ہونے کے باوجود پہاڑ سے ٹکرانے لگتا تھا اور جب لہولہان اور بدحال ہو کر گر پڑتا تو دل میں عہد کرتا کہ اب کسی بڑے پہلوان سے مبارزت خواہ نہ ہوں گا۔ لیکن جب اپنا وحی رساں ٹیچی ٹیچی آ کر ایک معبود نما جلوہ دکھاتا تو مقابلہ کی از سرنو تحریک ہوتی اور خم ٹھونک کر دوبارہ آ موجود ہوتا۔

شب زے توبہ کنم از بیم ناز شاہداں
بامداداں روئے ساقی باز درکار آورد

حضرت پیر صاحب کے مقابلہ میں مرزا قادیانی کو جو زخم آئے ان کو دو مہینہ تک سینکتا رہا۔ آخر جب زخم اچھے ہوگئے تو پیر صاحب سے از سرنو مقابلہ کی خواہش کا اظہار کرنے لگا اور لکھا کہ: "اگر کشتی دو پہلوانوں کی مشتبہ ہو جائے تو دوسری مرتبہ کرائی جاتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک فریق تو دوبارہ کشتی کے لئے (قادیان کے کونے میں دبکا) کھڑا ہے اور دوسرا جو جیتا ہے وہ مقابلہ پر نہیں آتا۔" (ضمیمہ اربعین نمبر۴ص عنوان پیر مہر علی شاہ گولڑوی، خزائن ج۱۷ص۴۸۱ حاشیہ)

لیکن اگر وہ بیچارہ کسی حقیقی پہلوان ہی سے پوچھ لیتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ غالب اپنے مغلوب پہلوان سے دوبارہ کشتی نہیں لڑا کرتا اور مغلوب بھی وہ جس کا چیلنج محض نمائشی ہو۔ اگر کبھی کوئی سچ مچ سامنے آ موجود ہو تو گھر کے دروازے بند کرکے کسی کونے میں جا چھپے۔

افسوس کہ میں قلت گنجائش کی وجہ سے بیسیوں اہم واقعات قلم انداز کرنے پر مجبور ہوں۔ جو صاحب مسیح قادیان کی اعجوبہ روزگار شخصیت کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھنا چاہیں وہ خاکسار راقم الحروف کی کتاب ''رئیس قادیان'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

مسیح قادیان کی عربی دانی

مرزا غلام احمد قادیانی کو عربی ادب و شعر گوئی کا پرنوچنے میں بڑا کمال تھا۔ بلکہ یہ کمال اعجازی درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔ مرزا قادیانی کی عربی زبان اس قدر لچر ہے کہ اس کے پڑھنے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ علماء اس کی عربی تحریروں میں ہمیشہ غلطیاں نکالتے رہے۔ مگر نصف صدی کا طویل زمانہ گذر جانے کے باوجود یہ سلسلہ ہنوز منقطع نہیں ہوا اور اس پر طرہ یہ کہ مرزائیوں نے اپنے مسیح کو الٹا سلطان القلم کا لقب دے کر علم و ادب کا منہ چڑایا ہے۔ مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی شاید سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے مرزا قادیانی کی عربی تحریروں پر تنقیدی نگاہ ڈالی۔ انہوں نے سب سے پہلے مرزا قادیانی کی کتاب دافع وساوس کا مطالعہ کیا اور اس میں چھیاسٹھ غلطیاں نکال کر شائع کیں۔ مرزا قادیانی نے ان اغلاط کو صحیح ثابت کرنے کے بجائے حسب عادت گالیاں دے کر کلیجہ ٹھنڈا کر لیا جو صاحب اس فہرست اغلاط کے دیکھنے کے شائق ہوں وہ رسالہ (اشاعۃ السنہ ج۱۵ ص۳۱۶،۳۲۸) کا مطالعہ فرمائیں۔ مولوی محمد حسین تو ایک بڑے فاضل تھے وہ اس کی عربی تحریروں میں سینکڑوں ہزاروں غلطیاں نکال سکتے تھے۔ مگر بعض غیر علماء بھی اس فرض کی انجام دہی سے قاصر نہ تھے۔ چنانچہ رسالہ کرامات الصادقین کے متعلق مرزا قادیانی نے اعلان کیا کہ جو شخص اس میں سے کوئی غلطی نکالے گا اسے فی غلطی پانچ روپیہ انعام دیا جائے گا۔ بابو احمد الدین کلرک محکمہ انکم ٹیکس سیالکوٹ جنہوں نے محض ایف اے یا بی اے کلاس کی عربی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس خدمت پر کمربستہ ہوئے اور رسالہ کے چند ابتدائی صفحات کو سرسری نظر سے دیکھ کر جھٹ گیارہ غلطیاں نکالیں اور بذریعہ چٹھی بھیج کر پچپن روپیہ انعام کا مطالبہ کیا۔ لیکن مرزا قادیانی نے نہ صرف وعدہ انعام کا ایفانہ کیا بلکہ ایسی چپ سادھی کہ گویا اس قسم کا کوئی اعلان ہی نہیں کیا تھا۔

(اہل حدیث امرتسر ۲۵ر اگست ۱۹۱۶ء)

بابو احمد الدین نے وہ غلطیاں اخبار وزیر ہند سیالکوٹ مورخہ ۸ر اگست ۱۸۹۴ء میں چھپوا

دیں۔ اس پر مرزا قادیانی اور اس کے پیروؤں کو بہت خفت اٹھانی پڑی۔ (اشاعۃ السنہ ج ۱۶ ص ۵۳)

اسی طرح مولوی عبدالعزیز صاحب پروفیسر مشن کالج پشاور نے بڑے طمطراق سے رسالہ کرامات الصادقین کی غلطیاں نکالیں۔ مگر مرزا قادیانی نے ان کو بھی کچھ انعام نہ دیا۔ جو حضرات ان اغلاط کے دیکھنے کے خواہش مند ہوں وہ جریدۂ اہل حدیث (کی ۲۱ رجولائی ۱۹۱۶ء اور ۲۸ رجولائی ۱۹۱۶ء کی اشاعتوں) کا مطالعہ فرمائیں۔ مرزا قادیانی نے ۲۲ رفروری ۱۹۰۱ء کو رسالہ اعجاز المسیح جس میں سخت ملحدانہ انداز میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھی تھی شائع کیا اور اسے قرآن پاک کی طرح معجزہ کی حیثیت سے پیش کیا۔ مرزائیوں نے اس کی اشاعت پر بڑا اودھم مچایا اور کہا کہ قرآن کے بعد اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ علمائے امت نے فرمایا کہ دعوائے اعجاز تو چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ اس کی عبارت تک درست نہیں۔ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے کتاب سیف چشتیائی میں نہ صرف اعجاز المسیح کی غلطیوں کے انبار لگا کر مرزائیوں کی حماقت ظاہر کی بلکہ یہ بھی دکھا دیا کہ سلطان القلم صاحب نے کس کس کتاب سے کیا کیا عبارتیں چرائی ہیں؟ جو صاحب ان اغلاط ومسروقات کو دیکھنا چاہیں وہ کتاب (سیف چشتیائی ص ۷۰، ۸۰) کی طرف رجوع فرمائیں۔ حضرت پیر صاحب کو اس تنقید کے انعام میں بارگاہ قادیان سے یہ اعزاز بخشے گئے۔ نادان، چور، کذاب وغیرہ۔ (نزول المسیح ص ۷۰، خزائن ج ۱۸ ص ۴۴۹)

جاہل بے حیا، سرقہ کا الزام دینا تو گوہ کھانا ہے۔ (نزول المسیح ص ۶۳، خزائن ج ۱۸ ص ۴۴۱)

اے جاہل بے حیا! اوّل عربی بلیغ فصیح میں کسی سورہ کی تفسیر شائع کر پھر حق حاصل ہوگا کہ میری کتاب کی غلطیاں نکالے یا مسروقہ قرار دے۔ (نزول المسیح ص ۶۳، خزائن ج ۱۸ ص ۴۴۱)

غرض مرزا قادیانی نے نزول المسیح کے بیس صفحے (۶۲، ۸۱) صرف حضرت پیر صاحب کے خلاف دریدہ دہنی کرنے کے لئے وقف کر دیئے ہیں۔ یاد رہے کہ مولوی محمد حسین صاحب فیضی نے جو موضع بھیں ضلع جہلم کے رہنے والے تھے رسالہ اعجاز المسیح کے مقابلہ میں اس سے ہزار درجہ بہتر اور فصیح وبلیغ کتاب تصنیف فرمائی تھی۔ مرزائیت کی پامالی میں جو شاندار کارنامے فیضی صاحب سے عرصۂ ظہور میں آئے۔ انہیں رئیس قادیان میں ملاحظہ فرمایئے۔ ۲۹، ۳۰ را کتوبر ۱۹۰۲ء کو موضع مد ضلع امرتسر میں مرزائیوں سے اہل حق کا ایک مناظرہ ہوا۔ جس میں مولوی ثناء اللہ امرتسری نے مرزائیت کو ایسی بری طرح پامال کیا کہ مرزائی لوگ اس کی تلخی آج تک محسوس کر رہے ہیں۔ مرزائی مناظر نے جس کا نام سرور شاہ تھا کتاب اعجاز المسیح کو مرزائی معجزہ کی حیثیت سے پیش کیا۔ لیکن مولوی ثناء اللہ نے یہ ثابت کر کے اس کا ناطقہ بند کر دیا کہ اس میں بے شمار اغلاط ومسروقات ہیں

تا بہ اعجاز چہ رسد۔ جب شکست خوردہ مرزائی مناظر نے قادیان پہنچ کر اپنی دردناک داستان ہزیمت مرزا قادیانی کو سنائی تو وہ آپے سے باہر ہو گیا اور بزعم خود مولوی ثناء اللہ کے دانت کھٹے کرنے کے لئے ایک رسالہ بنام اعجاز احمدی جس میں کچھ اردو نثر اور کچھ عربی نظم تھی لکھا اور مولوی ثناء اللہ کو چیلنج دیا کہ اگر اسی ضخامت کا ایک رسالہ پانچ دن میں لکھ دکھاؤ تو تم کو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اس رسالہ سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ جس طرح پیغمبر خدا ﷺ کو قرآن کا معجزہ دیا گیا تھا اسی طرح رسالہ اعجاز احمدی میرا معجزہ ہے۔ حالانکہ اگر اس میں کوئی اعجازی شان پائی جاتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ جواب کے لئے وقت کی تحدید کی جاتی اور قرآن کی طرح صلائے دام نہ دیا جاتا کہ قیامت تک جو شخص بھی چاہے اس کی مثل پیش کرے۔ اس چیلنج کے جواب میں مولوی ثناء اللہ نے ۲۱ر نومبر ۱۹۰۲ء کو ایک اشتہار میں مرزا قادیانی سے مطالبہ کیا کہ پہلے تم ایک مجلس منعقد کرو۔ جس میں میں اس قصیدے کی صرفی نحوی عروضی ادبی غلطیاں پیش کروں گا۔ اگر تم ان غلطیوں کا جواب دے سکے تو پھر میں زانو بہ زانو بیٹھ کر تم سے عربی نگاری کا مقابلہ کروں گا۔ یہ کیا مضحکہ خیز حرکت ہے کہ خود تو کسی بڑی مدت میں کوئی مضمون لکھوا اور اپنے مخاطب کو کسی محدود وقت کا پابند بناؤ۔ اگر تم مؤید من اللہ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ میرے مقابلہ میں برسر میدان طبع آزمائی نہ کرو۔ مگر مرزا قادیانی نے اس مطالبہ کا کچھ جواب نہ دیا اور ایسی چپ سادھی کہ گویا سانپ سونگھ گیا۔ بہرحال یہ رسالہ بھی رسالہ اعجاز المسیح کی طرح اغلاط سے مملو ہے۔ ہاں اگر اس کو اس لحاظ سے معجزہ بے مثل کہیں کہ مہمل نگاری میں دنیا کے اندر اس کی کوئی مثل نہیں تو اس کے اعجاز سے کسی کو انکار نہ ہوگا جو حضرات اعجاز احمدی کے اغلاط دیکھنا چاہیں۔ وہ کتاب (الہامات مرزا ص۹۸،۱۰۲) کا مطالعہ فرمائیں۔ قرۃ العین کے کلام کا نمونہ کسی گذشتہ باب میں معرض تسوید میں آ چکا ہے۔ باوجودیکہ وہ بھی مرزا قادیانی کی طرح باطل کی پیرو تھی۔ مگر جہاں مرزا قادیانی کا قصیدہ اعجازیہ پڑھنے سے دل میں سخت تکدر اور انقباض پیدا ہوتا ہے وہاں قرۃ العین کا قصیدہ پڑھتے وقت ایک روحی لذت محسوس ہوتی ہے۔ قصیدہ اعجازیہ میں بھی دوسری مرزائی تالیفات کی طرح گالیوں کی بھرمار ہے۔ مولوی ثناء اللہ کو بھیڑیا، کتا، کمینہ، جھوٹا، کثر دم وغیرہ القاب سے یاد کیا ہے۔ اس نام نہاد قصیدہ کے مقابلہ میں قاضی ظفر الدین مرحوم سابق پروفیسر اورینٹل کالج لاہور جو ہمارے ضلع گجرانوالہ کے رہنے والے تھے ایک قصیدہ بنام قصیدہ رائیہ شائع کیا جس کے ۶۲ اشعار نمونۃً کتاب (الہامات مرزا ص۱۰۳،۱۰۵) میں نقل کئے گئے ہیں۔ اعجاز احمدی کے جواب میں مولانا غنیمت حسین صاحب مونگیری نے بھی ایک کتاب ابطال اعجاز مرزا دو حصوں میں لکھی۔ پہلے حصہ میں مرزائی نظم کے اغلاط ظاہر کئے اور دوسرے حصہ میں سوا

چھ سو اشعار کا نہایت فصیح و بلیغ عربی قصیدہ لکھا۔ یہ رسالہ چھپ چکا ہے اور پنجاب میں بعض حضرات کے پاس موجود ہے۔ مولانا اصغر علی صاحب روحی سابق پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور نے بھی اعجاز احمدی کے جواب میں ایک قصیدہ شائع کیا۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ تھا۔

تسیر الی ربع الحبیب الزوامل
فیالک شوقا ہیجتہ المنازل

(اونٹنیاں منزل حبیب کی طرف جارہی ہیں۔ اللہ رے وہ شوق جس کو منازل نے ابھارا ہے)

اسی طرح ایک قصیدہ مولوی محمد حسین فیضی مرحوم متوطن موضع بھین ضلع جہلم نے بصنعت غیر منقوط شائع کیا۔ یعنی اس قصیدہ کے کسی لفظ میں کوئی نقطہ دار حرف نہیں تھا۔ جو صاحب اس قصیدہ کا نمونہ دیکھنا چاہیں وہ رسالہ تازیانہ عبرت ص ۴۷، ۴۸) کی طرف رجوع فرمائیں۔ فیضی صاحب کا قصیدہ انجمن نعمانیہ لاہور کے ماہوار رسالہ میں شائع ہوا تھا۔ لیکن مرزا قادیانی کی مجال نہیں تھی کہ اس کے مقابلہ میں ایک غیر منقوط فصیح و بلیغ شعر لکھ کر ہی دکھا دیتا۔ یہاں یہ بتا دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سید رشید رضا ایڈیٹر المنار قاہرہ نے مرزا قادیانی کی عربیت کا مذاق اڑایا تھا۔ مرزا قادیانی نے اس کا جس شکل میں انتقام لیا وہ مرزائی تہذیب کا روشن ترین مرقع ہے۔ اس مرزائی عفونت نگاری کی دلچسپ تفصیل کتاب رئیس قادیان میں آپ کی نظر سے گذرے گی۔ ایک مرتبہ مولانا اصغر علی صاحب روحی نے مرزا قادیانی کی بعض عربی کتابوں میں سے شرمناک قسم کی غلطیاں نکال کر مرزا قادیانی کو لکھ بھیجی تھیں۔ مرزا قادیانی نے اخبار الحکم قادیان میں یہ لکھ کر مولوی صاحب سے پیچھا چھڑایا کہ نہ میں عربی کا عالم ہوں اور نہ شاعر ہوں۔ (اخبار الحکم قادیان مورخہ ۱۷/اکتوبر ۱۹۰۳ء ص ۵) ایک مرتبہ مولانا اصغر علی صاحب روحی نے مرزا قادیانی کے رسالہ حمامۃ البشریٰ کی غلطیاں نکال کر مرزا قادیانی کے حواری خواجہ کمال الدین کو خفا کر دیا تھا۔ یہ دلچسپ واقعہ بھی کتاب رئیس قادیان میں ملاحظہ فرمائیے۔

مرزائیت کے ماخذ اور اصول مذہب

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنا جو پنتھ جاری کیا وہ مختلف ادیان و مذاہب سے ماخوذ تھا۔ اس نے اسلام، آریہ دھرم، یہودیت، نصرانیت، باطنیت، مہدویت، بابیت اور بہائیت کے تھوڑے تھوڑے اصول لے کر ان کو اپنا لیا اور ایک معجون مرکب تیار کر کے اس کا نام احمدیت رکھ دیا۔ ذیل میں آپ کو معلوم ہوگا کہ مسیح قادیان نے کون کون سا عقیدہ کہاں کہاں سے اڑایا؟ اس

نے جو اصول وعقائد اسلام سے اخذ کیے وہ تو ہر ایک کو معلوم ہیں۔ اس لئے ان کا اندراج غیر ضروری ہے۔ البتہ اس نے غیر اسلامی مذاہب کے سامنے کشکول گدائی پھرا کر جو لقمے حاصل کیے ان پر مختصر اً روشنی ڈالی جاتی ہے۔

یہود کی پیروی اور ہمنوائی

قادیان کے خانہ ساز مسیح نے جن مسائل میں اسلام کی صراط مستقیم کو چھوڑ کر یہود کی تقلید کی ان میں سے چند امور نمونۃً درج کیے جاتے ہیں۔ یہود حضرت مریم بتول علیہا السلام کو (معاذ اللہ) زانیہ اور حضرت مسیح علیہ السلام کو (خاکم بدہن) ناجائز تعلقات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ مرزا قادیانی نے بھی ان کی تقلید میں حضرت مریم بتول علیہا السلام کی شان پاک میں وہی گندگی اچھالی۔ چنانچہ ایام الصلح میں لکھا کہ: ''یہود کی طرح افغانوں میں بھی رواج ہے کہ اگر ان کی لڑکیاں نکاح سے پہلے اپنے منسوب سے میل ملاقات رکھیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے۔ مثلاً مریم صدیقہ کا اپنے منسوب یوسف کے ساتھ اختلاط اور اس کے ساتھ گھر سے باہر چکر لگانا اس رسم کی شہادت دیتا ہے اور بعض پہاڑی خوانین کی لڑکیاں اپنے منسوبوں سے حاملہ بھی ہو جاتی ہیں۔ اس میں کچھ ننگ و عار نہیں سمجھا جاتا۔'' (ترجمہ از ایام الصلح ص ۶۶ خزائن ج ۱۴ ص ۳۰۰)

کشتی نوح میں لکھا: ''مریم کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا۔ پھر بزرگان قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا۔ گو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تعلیم توریت عین حمل میں کیوں نکاح کیا گیا اور بتول ہونے کے عہد کو کیوں ناحق توڑا اور تعدد ازدواج کی کیوں بنیاد ڈالی گئی۔ یعنی باوجود یکہ یوسف نجار کے گھر میں پہلی بیوی موجود تھی۔ پھر مریم کیوں راضی ہوئی کہ یوسف نجار کے نکاح میں آوے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریاں تھیں۔'' (کشتی نوح ص ۱۶ خزائن ج ۱۹ ص ۱۸)

اور چشمہ مسیحی میں لکھا کہ: ''جب چھ سات مہینہ کا حمل نمایاں ہو گیا۔ تب حمل کی حالت میں ہی قوم کے بزرگوں نے مریم کا یوسف نام ایک نجار سے نکاح کر دیا اور اس کے گھر جاتے ہی ایک دو ماہ کے بعد مریم کے بیٹا پیدا ہوا۔ وہی عیسیٰ یا یسوع کے نام سے موسوم ہوا۔''

(چشمہ مسیحی ص ۲۶ خزائن ج ۲۰ ص ۳۵۶)

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ خدا کے ایک برگزیدہ رسول کو غیر طاہر قرار دینے میں مرزا قادیانی نے کس طمطراق کے ساتھ یہود کی ناپاک سنت کی تجدید کی؟ جس طرح یہود حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کا انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح مرزا قادیانی نے بھی انکار کیا۔

چنانچہ لکھا کہ: ’’عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔‘‘ (ضمیمہ انجام آتھم ص۶ خزائن ج۱۱ص ۲۹۱)

جس طرح یہود حضرت مسیح علیہ السلام کو گالیاں دیتے ہیں۔ اسی طرح قادیانی نے بھی دیں۔ چنانچہ لکھا کہ: ’’ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور راست بازوں کے دشمن کو ایک بھلا مانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے۔ چہ جائیکہ اس کو نبی قرار دیں۔‘‘

(ضمیمہ انجام آتھم ص۹ حاشیہ، خزائن ج۱۱ص ۲۹۳)

مرزا قادیانی نے حضرت مسیح علیہ السلام کو جو جو گالیاں دیں۔ ان کو مرزا قادیانی کی کتابوں ضمیمہ انجام آتھم اور دافع البلاء میں دیکھئے۔ خدا کے برگزیدہ رسول حضرت مسیح علیہ السلام کی دشمنی میں مرزا قادیانی کی شدت انہاک کا یہ عالم تھا کہ: ’’اس نے آپ کو خاص وہ گالیاں دینے کے لئے جو تیرہ بخت یہود دیتے ہیں۔ یہود کی کتابیں منگوا کر ترجمہ کرائیں۔‘‘

(مکتوبات احمدیہ ج۵ حصہ اوّل ص۵)

جس طرح یہود توراۃ میں تحریف کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ’’ویحرفون الکلم عن مواضعہ‘‘ (کلام الٰہی میں تحریف وتبدیل کرتے تھے) اس پر گواہ ہے۔ اسی طرح مرزا قادیانی نے قرآن پاک اور احادیث نبویہ میں سیکڑوں تحریفیں کیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریفات کے نمونے آئندہ صفحات پر حوالۂ قلم ہوں گے۔ حکیم نورالدین کی تحریفات کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ ۷؍دسمبر ۱۹۱۲ء کو سورۂ صف کے درس میں کسی سامع نے حکیم نورالدین سے درخواست کی کہ اس آیۃ کی تشریح فرمادیجئے۔ ’’ومبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد ۰ فلما جاء ھم بالبینت قالوا ھذا سحر مبین‘‘ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی کہ میرے بعد ایک رسول مبعوث ہوں گے۔ جن کا اسم گرامی احمد مجتبیٰ ﷺ ہوگا۔ لیکن جب آپ معجزات باہرہ کے ساتھ تشریف لے آئے تو کفار کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے) حکیم نورالدین نے سائل سے کہا کہ تم بڑے نادان ہو۔ سنو جس احمد کی بشارت اس آیہ میں دی گئی ہے وہ مثیل مسیح (مرزا غلام احمد قادیانی) ہے۔ اس کے بعد کہا میں اپنی ذوقی باتیں بہت کم بیان کیا کرتا ہوں۔ تم تو صرف احمد کے متعلق تشریح چاہتے ہو۔ یہاں تو خدا نے احمد کے بعد نور کی طرف بھی اشارہ کردیا ہے۔ اس کے آگے دین کا لفظ بھی ہے اور اس نور کو نہ ماننے کے متعلق بھی یہ وعید فرمائی ہے۔ ’’ولو کرہ الکفرون‘‘ (القول الفصل ص۳۳) حکیم نورالدین کا نور اور دین کا اشارہ اس آیۃ کی طرف تھا۔ ’’یریدون لیطفوا نور اللّٰہ بافواھھم واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون ۰

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون ''ان تحریفات سے آپ کو معلوم ہوگا کہ مرزائی بدنصیبوں نے یہود کی مانند کس طرح کلام الٰہی احادیث رسول اور آثار سلف کو اپنی نفسانی خواہشوں کا آلۂ کار بنا رکھا ہے۔

نصاریٰ کے خوان شرک سے زلہ ربائی

مسلمانوں کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر نہیں چڑھائے گئے تھے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔'' وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم ''(نہ یہود نے مسیح کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو اشتباہ ہوگیا) اس کے خلاف نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ یہود نے مسیح علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا اور لطف یہ ہے کہ باوجود ادعائے صلیب شکنی مرزا قادیانی بھی اس مسئلہ میں نصاریٰ ہی کا پیرو تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ حضرت مسیح بروز جمعہ بوقت عصر صلیب پر چڑھائے گئے۔ جب وہ چند گھنٹہ کیلوں کی تکلیف اٹھا کر بیہوش ہوگئے اور خیال کیا گیا کہ مر گئے تو ایک دفعہ سخت آندھی اٹھی۔ (نزول المسیح ص ۱۸، خزائن ج ۱۸ ص ۳۹۶)

جب مرزا قادیانی نے مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے عقیدہ میں اہل صلیب کی ہمنوائی اختیار کی تو لاہور کے مسیحی رسالہ تجلی نے لکھا کہ مرزا قادیانی نے مسلمانوں کو کچھ بھی فائدہ نہ پہنچایا۔ بلکہ وہ مسلمان کو اپنے سنہری جال میں پھانس کر ہمیشہ خانہ دوستاں بروب و در دشمناں مکوب کے اصول پر کاربند رہے۔ ہاں عیسائیوں کو ان کی ذات سے بہت فائدہ پہنچا کہ انہوں نے مسیح کے مصلوب ہونے کو قرآن سے ثابت کر دکھایا۔ پس عیسائیوں پر جو نجات کے لئے مسیح کی صلیب کو ضروری خیال کرتے ہیں واجب ہے کہ مرزا قادیانی کی اس صلیبی خدمت پر ان کے مرہون احسان ہوں۔ کیونکہ مرزا قادیانی حقیقی معنی میں صلیب کے زبردست حامی تھے اور انہوں نے عیسائیوں کے خلاف جو کچھ لکھا وہ محض دہریوں کے خیالات کو اپنی طرف سے پیش کر دیا تھا۔ جس طرح نصاریٰ حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کے ابن اللہ ہونے کے قائل ہیں اسی طرح مرزا قادیانی بھی (معاذ اللہ) اپنے تئیں خدائے برتر کی اولاد بتایا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے الہام ملاحظہ ہوں۔'' انت منی بمنزلۃ اولادی ''(تو بمنزلہ میری اولاد کے ہے)

(الحکم مورخہ ۱۰؍ نومبر ۱۹۰۶ء)

'' انت منی بمنزلۃ ولدی '' تو میرے بیٹے کی جگہ ہے۔

(حقیقت الوحی ص ۸۶، خزائن ج ۲۲ ص ۸۹)

'' اسمع یا ولدی '' اے میرے بیٹے سن۔ (البشریٰ ج ۱ ص ۴۹)

ان الہاموں میں مرزا قادیانی نے ظاہر کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اسے بیٹا کہہ کر مخاطب کیا۔ ایک اور الہام "انت من مائنا وھم من فشل" "تو میرے پانی یعنی نطفہ سے ہے اور دوسرے لوگ مٹی سے بنے ہیں۔ (اربعین نمبر۳) میں مرزا قادیانی نے اپنے آپ کو معاذ اللہ نطفۂ خدا بتایا ہے۔ ان کے علاوہ لکھتا ہے کہ مسیح کا اور میرا مقام ایسا ہے جسے استعارہ کے طور پر ابنیت سے علاقہ ہے۔ (توضیح مرام ص۲۷، خزائن ج۳ ص۶۲)

حالانکہ ولد اور ابن وغیرہ وہ الفاظ ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں شرک قرار دیا ہے اور ان کی پرزور مذمت فرمائی ہے۔ مرزا قادیانی نے اسلام کی پاک توحید کے مقابلہ میں نصاریٰ کی تقلید میں اپنی ایک پاک تثلیث بھی پیش کی تھی۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ: "ان دو محبتوں کے کمال سے جو خالق اور مخلوق میں پیدا ہو کر نر و مادہ کا حکم رکھتی ہے اور محبت الٰہی کی آگ سے ایک تیسری چیز پیدا ہوتی ہے۔ جس کا نام روح القدس ہے۔ اس کا نام پاک تثلیث ہے۔ اس لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان دونوں کے لئے بطور ابن اللہ کے ہے۔"

(توضیح المرام ص۲۲، خزائن ج۳ ص۶۲)

ڈاکٹر ایچ ڈی گرس وولڈ سابق پرنسپل فورمن کرسچن کالج لاہور نے لکھا تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور پنڈت دیانند سرستی بانی آریہ سماج میں دو امر یکساں قابل توجہ اور دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں صاحب ذومعنی باتیں کرتے ہیں۔ چنانچہ مرزائے قادیان اپنے مطلب کے مقام پر اوّل درجہ کے لکیر کے فقیر بن جاتے ہیں اور جب لفظی معنی سے مطلب برآری ہوتی دکھائی نہیں دیتی تو پھر کوئی عبارت ایسی نہیں جس کی وہ حسب مطلب کوئی نئی تاویل وتشریح نہ کر لیتے ہوں۔ اسی طرح وہ استعارات اور تشبیہات کو کام میں لا کر بعض اوقات یہاں تک پہنچتے ہیں کہ تثلیث کی تعلیم میں بھی سچائی اور حقیقت کے کسی حد تک معتقد بن بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ مرزا قادیانی کے نزدیک الٰہی محبت اور انسانی محبت تثلیث کے دو اقانیم ہیں اور وہ جذبات یا جوش جوان دو کی مخالطت کا نتیجہ ہے۔ ان کے نزدیک اقنوم ثالث ہے۔ اسی طرح پنڈت دیانند نے ویدوں کی جو تفسیر کی ہے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی مرزا قادیانی کی طرح ذومعنی تفاسیر کے حامی اور غیر محقق آدمی تھے۔ (مرزا غلام احمد ص۳۷)

خواجہ کمال الدین مرزائی ایک ملحد آدمی تھا وہ عیسائی ہونے والا ہی تھا کہ اس اثناء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی مسیحیت کی ڈفلی بجانی شروع کی۔ چونکہ خواجہ کمال الدین کو مرزائیت، مسیحیت کا نعم البدل نظر آئی۔ اس لئے اس نے عیسائی ہونے کا خیال ترک کر کے مرزائیت قبول

کر لی۔ چنانچہ جریدۂ الفضل قادیان نے ۱۸؍نومبر ۱۹۱۶ء کی اشاعت میں لکھا کہ خواجہ کمال الدین صاحب کہا کرتے تھے کہ اگر حضرت مسیح موعود کا وجود دنیا میں جلوہ فروز نہ ہوا ہوتا تو میں زمانہ دراز سے عیسائی ہو چکا ہوتا۔ ڈاکٹر ایچ ڈی گرس وولڈ کا خیال ہے کہ مرزائیت اسلام اور مسیحیت کے بین بین ہے۔ (مرزا غلام احمد قادیانی مؤلفہ ڈاکٹر گرس وولڈ ص ۴۶)

لیکن ان اوراق کا پڑھنے والا یقین کرے گا کہ مرزائیت کی معجون بے شمار دوسرے اجزاء سے بھی مرکب ہے۔

آریوں سے ہمرنگی

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی نے آریہ دھرم کا صرف ایک اصول اپنے پنتھ میں داخل کیا۔ مگر اس لحاظ سے کہ وہی ایک عقیدہ جس کے لئے مرزائیت آریہ دھرم کی ممنون احسان ہے۔ آریہ مت کی جان اور اس کا بنیادی اصول ہے۔ اس لئے اس کو بمنزلہ کثیر کے سمجھنا چاہئے۔ قدیم وہ ہے جو ازلی ہو یعنی اس کی کوئی ابتداء نہ ہو۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ خالق کون ومکان عزاسمہ کے سوا کوئی چیز قدیم نہیں۔ آریہ لوگ خالق کردگار کی طرح روح اور مادہ کو بھی قدیم اور ازلی مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک سلسلۂ کائنات قدیم بالنوع ہے اور خالق کے ساتھ مخلوق کا بھی کوئی نہ کوئی سلسلہ ازل سے برابر چلا آرہا ہے۔ مرزا قادیانی بھی اسی عقیدہ کا پیرو تھا۔ چنانچہ چشمہ معرفت میں لکھتا ہے۔ ''چونکہ خداتعالیٰ کی صفات کبھی معطل نہیں رہتیں۔ اس لئے خداتعالیٰ کی مخلوق میں قدامت نوعی پائی جاتی ہے۔ یعنی مخلوق کے انواع میں سے کوئی نہ کوئی نوع قدیم سے موجود چلی آئی ہے۔ مگر شخصی قدامت باطل ہے۔'' (چشمہ معرفت ص ۲۶۸، خزائن ج ۲۳ ص ۲۸۱)

ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ الحاد میں فلاسفہ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ صرف آسمان کو قدیم بالنوع خیال کرتے تھے۔ لیکن مرزا نے آریوں کی طرح اس کی تعمیم کر کے تمام مخلوقات کو قدیم بالنوع بتادیا۔ ڈاکٹر گرس وولڈ نے مرزائی جماعت اور آریہ سماج میں ایک عجیب مشابہت اور مطابقت بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ: ''آریہ اور مرزائی دونوں فرقے پنجابی ہیں۔ مرزائی تو صوبہ پنجاب ہی کے باشندے ہیں اور آریہ سماج گو ابتداء بمبئی میں قائم ہوئی تھی۔ تاہم یہ بھی ایک طرح سے پنجابی جماعت ہے۔ کیونکہ اس کا زیادہ زور شور پنجاب ہی میں پایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ فرقے علی گڑھ والوں (نیچریوں) اور برہموں سماج والوں سے متفاوت ہیں۔ کیونکہ ان کی پیدائش اور نشوونمو کا مقام علی الترتیب صوبہ متحدہ آگرہ اودھ اور بنگال ہے۔ جس طرح اسلام سے علی گڑھ والے (نیچری) اور مرزائی نکلے۔ اسی طرح ہندو دھرم سے بھی دو نئے فرقے یعنی آریہ

سماج اور برہمو سماج پیدا ہوئے۔ جس طرح نیچری آزاد خیال ہیں اور قادیانی محافظ دین ہونے کے مدعی ہیں۔ اسی طرح ہنود میں سے برہمو سماج کا رویہ آزادانہ ہے اور آریہ سماج دھارک کتابوں کی حامی و حافظ ہونے کی مدعی ہے۔" (مرزا غلام احمد قادیانی ص ۴۴، ۴۵)

مرزائیت نے جنم لے کر اسلام کو فائدہ پہنچایا یا آریہ دھرم کو؟ اس کا فیصلہ خود ایک آریہ اخبار کے بیان سے ہو سکتا ہے۔ آریہ ویر نے اپنی ۱۴، ۲۲ مارچ ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں لکھا کہ اسلامی عقائد کو متزلزل کرنے میں احمدیت نے آریہ سماج کو ایسی امداد دی ہے کہ جو کام آریہ سماج صدیوں میں انجام دینے کے قابل ہوتا وہ احمدی جماعت کی جدوجہد نے برسوں میں کر دکھایا ہے۔ بہر حال آریہ سماج کو مرزا قادیانی اور ان کے مقلد و مرید مرزائیوں کا مشکور ہونا چاہئے۔

(قادیانی ہذیان ص ۳۸)

مشبہہ، فلاسفہ اور اہل نجوم کے نقش قدم پر

مسیح قادیان نے اپنی عمر کا ایک حصہ علوم نظری کی تو نذر کیا تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ:

"میں نے گل علی شاہ بٹالوی سے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم حاصل کئے۔"

(کتاب البریہ ص ۱۶۲، ۱۶۳، خزائن ج ۱۳ ص ۱۸۰، ۱۸۱)

"لیکن دینی تعلیم کسی سے حاصل نہ کی۔" (اربعین نمبر ۲ ص ۱۲، خزائن ج ۱۷ ص ۳۵۹)

اگر منطق اور حکمت کے ساتھ دینی علوم کی بھی تحصیل کی ہوتی تو بڑی امید تھی کہ الحاد و زندقہ کی وادیوں میں سرگرداں ہونے کے بجائے اسے فلاح و ہدایت کا راستہ مل جاتا۔

اے کہ خواندی حکمت یونانیان
حکمت ایمانیاں راہم بخوان

دینی تعلیم سے بے بہرہ رہنے کا یہ اثر ہوا کہ جس غیر اسلامی مذہب کا جو عقیدہ بھی من کو بھایا اسی پر ریجھ گیا اور اس کی پروا نہ کی کہ غیر اسلامی عقائد کا شغف اسے دائرہ اسلام سے خارج کر دے گا۔ آپ نے پڑھا کہ اس نے کس طرح یہود، نصاریٰ اور آریوں کے عقیدے اختیار کر لئے۔ لیکن یہ معاملہ ابھی یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ آگے چل کر آپ کو یہ حقیقت اور بھی زیادہ عریاں نظر آئے گی کہ اس کے دل و دماغ کو کہیں قرار نہ تھا۔ اس کے قوائے ذہنی باطل قوتوں کے سامنے اسی طرح بے بس تھے۔ جس طرح مردہ غسال کے ہاتھ میں بے بس ہوتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق اس نے مجسمہ سے بھی کہیں بیہودہ اور مضحکہ خیز عقیدہ اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ لکھتا

ہے۔ ''قیوم العلمین ایک ایسا وجود اعظم ہے جس کے بیشمار ہاتھ، بیشمار پیر اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لا انتہاء عرض وطول رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں اور کشش کا کام دے رہی ہیں۔ یہ وہی اعضاء ہیں جن کا دوسرے لفظوں میں نام عالم ہے۔''

(توضیح مرام ص ۷۵، خزائن ج ۳ ص ۹۰)

اور (توضیح المرام ص ۳۰، خزائن ج ۳ ص ۶۶، ۶۷) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فلاسفہ کی طرح ملائکہ کا بھی منکر تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ جبرئیل کا تعلق آفتاب سے ہے۔ اس بذات خود اور حقیقی معنی میں زمین پر نازل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے نزول سے جو شرع میں وارد ہے۔ اس کی تاثیر کا نزول مراد ہے اور جبرئیل اور دوسرے ملائکہ کی جو شکل وصورت انبیاء علیہم السلام دیکھتے تھے۔ وہ محض جبرئیل وغیرہ کی عکسی تصویر تھی۔ ملک الموت بذات خود زمین پر آکر قبض ارواح نہیں کرتا۔ بلکہ اسکی تاثیر سے روحیں قبض ہوتی ہیں۔ ملائکہ ستاروں کے ارواح میں وہ سیاروں کے لئے جاں کا حکم رکھتے ہیں۔ اس لئے نہ تو کبھی ان سے جدا ہوتے ہیں اور نہ ذرہ بھر آگے پیچھے حرکت کر سکتے ہیں۔ اس کے خلاف اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ آفتاب، ماہتاب، ستارے، افلاک اور طبائع خالق ارض وسماء کے مطیع فرمان ہیں۔ ان میں بذاتہا کوئی فعل وتاثیر موجود نہیں ہے۔ لیکن طبیبوں اور اہل نجوم کا خیال ہے کہ سبع سیارہ میں سے ہر ایک سیارہ مستقل بالذات ہے۔ تمام موجدات میں انہی کی حرکت مؤثر ہے۔ وہی نفع وضرر پہنچاتی ہے۔ وہی انسانی زندگی اور انسانی تہذیب وتمدن پر اثر انداز ہے۔ بعینہ یہی عقیدہ مرزا غلام احمد قادیانی کا تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ ''ستاروں میں تاثیرات ہیں اور اس انسان سے زیادہ کوئی دنیا میں جاہل نہیں...... جو ستاروں کی تاثیرات کا منکر ہے...... یہ لوگ جو سراپا جہالت میں غرق ہیں اس علمی سلسلہ کو شرک میں داخل کرتے ہیں...... ان چیزوں کے اندر خاص وہ تاثیرات ہیں جو انسانی زندگی اور انسانی تمدن پر اپنا اثر ڈالتی ہیں۔ جیسا کہ حکمائے متقدمین نے لکھا ہے۔''

(تحفہ گولڑیہ ص ۱۱۱ حاشیہ، خزائن ج ۱۷ ص ۲۸۲، ۲۸۳)

امام محمد غزالیؒ اس مشرکانہ خیال کی تردید میں لکھتے ہیں کہ فلاسفہ اور ان کے پیرووں کی مثال اس چیونٹی کی سی ہے جو کاغذ پر چل رہی ہو اور دیکھے کہ کاغذ سیاہ ہو رہا ہے اور نقش بنتے جاتے ہیں۔ وہ نگاہ اٹھا کر سر قلم کو دیکھے اور خوش ہو کر کہے کہ میں نے اس فعل کی حقیقت معلوم کر لی کہ یہ

نقوش قلم کر رہا ہے۔ یہ مثال طبیعی کی ہے جو آخری درجہ کے محرک کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا۔ پھر ایک اور چیونٹی جس کی بصارت و نگاہ پہلی سے زیادہ تیز ہو اس کے پاس آ کر کہے کہ تجھے غلط فہمی ہوئی۔ میں تو اس قلم کو کسی کا مسخر دیکھتی ہوں اور محسوس کرتی ہوں کہ اس قلم کے سوا کوئی اور چیز ہے جو نقاشی کر رہی ہے۔ یہ جتلا کر دوسری چیونٹی نہایت خوش ہو کر کہے کہ میں نے اس کا راز پالیا کہ ہاتھ نقاشی کرتے ہیں نہ کہ قلم۔ کیونکہ قلم تو ہاتھ کا مسخر ہے۔ یہ مثال نجوی کی ہے کہ اس کی نظر طبیعی سے کسی قدر آگے تک پہنچی اور دیکھا کہ یہ طبائع ستاروں کے تابع فرمان ہیں۔ لیکن وہ ان درجوں پر جو اس سے اوپر ہیں نہ پہنچ سکا۔ پھر ایک تیسری چیونٹی جو قریب ہی موجود ہو ان کی گفتگو سن کر پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم دونوں غلطی پر ہو۔ ذرا نظر اٹھا کر اوپر کو دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ قلم اور ہاتھ کو حرکت دینے والی کوئی اور ہستی موجود ہے کہ ہاتھ اور قلم جس کے ارادے سے حرکت کر رہے ہیں۔ یہ مثال اہل اسلام کی ہے جو جملہ امور کا فاعل حقیقی اور متصرف بالذات خالق کردگار کو مانتے ہیں۔ ان کی نظر محسوسات و ممکنات تک محدود نہیں۔ بلکہ وہ سب سے وراء الوراء اور بزرگ ترین ہستی کو ایجاد و تکوین کا باعث یقین کرتے ہیں کہ آفتاب ماہتاب اور ستارے جس کے حکم پر چل رہے ہیں۔ "والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره" "سورج چاند اور ستارے اسی کے حکم کے موافق کام پر لگے ہیں۔

باطنی فرقہ سے نسبت تلمذ

علماء نے لکھا ہے کہ تاویل اس وقت جائز ہے جب کہ ظاہری معنی کے محال ہونے پر کوئی دلیل موجود ہو۔ تاویل کے متعلق قول فیصل یہ ہے کہ جس تاویل کی صحابہ کرامؓ نے صراحت نہیں کی اس کی ایجاد و ابداع سے احتراز کیا جائے۔ ظاہر اس کلام کو کہتے ہیں جس کا مطلب صاف ظاہر ہو اور نص وہ ہے جو کسی کلام کی حقیقی غرض و غایت ہو۔ بلکہ بعض لوگ تو ہر کلام صریح و ظاہر کو بھی نص ہی کہتے ہیں اور ظاہر اور نص دونوں کی مثال آیۃ "احل الله البيع وحرم الربوا" حق تعالیٰ نے بیع کو تو حلال کیا اور سود کو حرام ٹھہرایا۔

یہ آیت بیع کی حلت اور سود کی حرمت پر بطور ظاہر کے دلالت کرتی ہے۔ مشرکین عرب کہتے تھے کہ بیع اور سود میں کچھ فرق نہیں۔ یہ آیت اس بات پر نص بھی ہے۔ کیونکہ بیع اور ربا میں حق تعالیٰ کو جو فرق بتانا مقصود تھا اس پر دلالت کرتی ہے۔ تمام علمائے اہل سنت و جماعت اس پر متفق ہیں کہ نصوص ظاہر پر محمول ہیں اور بغیر کسی انتہائی مجبوری کے ان کی تاویل جائز نہیں۔ خود

مرزا قادیانی نے اس اصول کو بارہا تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ: ''تمام نصوص حدیثیہ اور قرآنیہ کا یہ حق ہے کہ ان کے معنی ظاہر عبارت کے رو سے کئے جائیں اور ظاہر پر حکم کیا جائے جب تک کہ کوئی قرینہ صارفہ پیدا نہ ہو اور بغیر قرینہ قویہ صارفہ ہرگز خلاف ظاہر معنی نہ کئے جائیں۔''

(تحفہ گولڑیہ ص۲۰، خزائن ج۱۷ ص۱۱۸)

اسی طرح لکھا کہ: ''یہ معنی نصوص صریحہ بینہ قرآن میں سے ٹھہر گئے۔ جن سے انحراف کرنا الحاد ہوگا۔ کیونکہ مسلم ہے کہ نصوص کو ان کے ظواہر پر ہی محمول کیا جاتا۔''

(ازالہ اوہام ص۴۰، خزائن ج۳ ص۳۹۰)

غرض آیۃ و روایت کے ظاہر الفاظ سے جو مطلب سمجھ میں آتا ہے وہی معنی مراد ہوتے ہیں اور ظاہری معنی سے اعراض کرنا فرقہ باطنیہ اور ان کے ہم مشرب ملاحدہ کا معمول ہے۔ لیکن مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے وام افتادوں کی یہ حالت ہے کہ زبان سے تو یہی کہے جاتے ہیں کہ نصوص ظاہر پر محمول ہیں۔ لیکن عملاً باطنیوں کے بھی کان کاٹتے ہیں۔ باطنی فرقہ کی تاویلیں آپ عبداللہ بن میمون اہوازی کے تذکرہ باب ۱۷ میں پڑھ چکے ہیں۔ گو مرزا غلام احمد قادیانی فن تاویل کاری میں باطنیوں ہی کا شاگرد رشید تھا۔ لیکن مرزائی تحریفات کو دیکھ کر جو نیچے درج کی جاتی ہیں آپ کو معلوم ہوگا کہ شاگرد استاد سے بھی بڑھ گیا ہے۔

آیت و روایت یا ان کے الفاظ و مفہوم	مرزائی معنی و مفہوم
دجال	با اقبال قومیں (ازالہ اوہام ص۴۶۷، خزائن ج۳ ص۳۴۷)
//	شیطان۔ (ایام الصلح ص۶۱، خزائن ج۱۴ ص۲۹۶)
//	وہ فرقہ جو کلام الٰہی میں تحریف کرتا ہے۔ (تحفہ گولڑویہ ص۸۵ حاشیہ، خزائن ج۱۷ ص۲۳۳)
//	شیطان کا اسم اعظم۔ (تحفہ گولڑویہ ص۱۰۴، خزائن ج۱۷ ص۲۶۹)
//	سونا۔ (تفسیر سورۂ جمعہ از حکیم نورالدین ص۵۷)
//	تجارتی کمپنیاں۔ (ایضاً)
//	نہرو رپورٹ۔ (الفضل ۳۰ر اکتوبر ۱۹۲۸ء)
//	عیسائی اقوام۔ (تحریک احمدیت ص۱۲۱)

دجال کانا ہوگا۔	پادریوں میں دینی عقل نہیں۔ (ازالہ اوہام ص ۵۰۱، خزائن ج ۳ ص ۳۶۹)
دجال زنجیروں میں جکڑا ہے۔	عہد رسالت میں پادریوں کو موانع پیش تھے۔ (ازالہ اوہام ص ۴۸۳، خزائن ج ۳ ص ۳۵۹)
دجال کے ساتھ اس کی جنت و دوزخ ہوگی۔	عیسائی قوم نے تنعم کے اسباب مہیا کر لئے ہیں۔ (ازالہ اوہام ص ۷۲۸، خزائن ج ۳ ص ۴۹۱)
دجال مشرق کی طرف سے خروج کرے گا۔	پادری ملک ہند میں ظاہر ہوئے۔ (ازالہ اوہام ص ۷۲۹، خزائن ج ۳ ص ۴۹۲)
عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام)	مرزا غلام احمد قادیانی۔ (کشتی نوح ص ۴۷، خزائن ج ۱۹ ص ۵۰)
حضرت مریم بنت عمران (علیہا السلام)	مرزا غلام احمد بن غلام مرتضیٰ۔ (ایضاً)
حضرت مسیح دجال کو قتل کریں گے۔	مرزا قادیانی کے زمانہ میں دجالی بدعات دور ہو جائیں گی۔ (ایام الصلح ص ۱۶۱، خزائن ج ۱۴ ص ۲۹۶)
دجال کا گدھا۔	ریل گاڑی۔ (ازالہ اوہام ص ۱۴۷، خزائن ج ۳ ص ۱۷۴)
مسیح علیہ السلام دمشق کے سفید مشرقی مینار پر نازل ہوں گے۔	مرزا قادیانی کی سکونتی جگہ قادیان کے مشرقی کنارہ پر ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۷۵ حاشیہ، خزائن ج ۳ ص ۱۳۹)
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دو زرد چادریں پہن رکھی ہوں گی۔	مرزا قادیانی کی صحت اچھی نہیں۔ (ازالہ اوہام ص ۸۱، خزائن ج ۳ ص ۱۴۲) مرزا قادیانی دو بیماریوں میں مبتلا ہے۔ (تذکرۃ الشہادتین ص ۴۴، خزائن ج ۲۰ ص ۴۶)
حضرت مسیح علیہ السلام خنزیر کو نابود کر دیں گے۔	مرزا قادیانی نے بے حیا لوگوں پر دلائل قاطعہ کا ہتھیار چلایا۔ (ازالہ اوہام ص ۸۰ حاشیہ، خزائن ج ۳ ص ۱۴۲)

مسیح علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔	مرزا قادیانی کی سچائی کے اتنے دلائل جمع ہوئے کہ گویا وہ آسمان ہی سے اترا ہے۔ (تذکرۃ الشہادتین ص ۳۷، خزائن ج ۲۰ ص ۳۹)
عیسیٰ علیہ السلام صلیب کو توڑیں گے۔	مرزا قادیانی کی بعثت پر صلیبی مذہب روبزوال ہوا۔ (ایام الصلح ص ۵۲، خزائن ج ۱۴ ص ۲۸۵)
عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر ہوں گے۔	مرزا قادیانی کا ہاتھ دو باطنی مؤکلوں کے سہارے پر ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۶۹۷، خزائن ج ۳ ص ۴۷۶) مرزا قادیانی کے ظہور کے ساتھ ملائکہ کے تصرفات شروع ہو گئے۔ (ایام الصلح ص ۵۴، خزائن ج ۱۴ ص ۲۸۷) مرزا محمود قادیانی کے دو ساتھی۔ (الفضل ۲۵ رنومبر ۱۹۲۴ء)
عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوگا کہ اپنے پیروؤں کو کوہ طور پر لے جائیں۔	مرزا قادیانی کو حکم ہوا کہ مرزائیوں کو ساتھ لے کر پادریوں سے مقابلہ کرو۔ (چشمہ معرفت ص ۸۰، خزائن ج ۲۳ ص ۸۸)
حضرت عیسیٰ علیہ السلام جزیہ کا حکم منسوخ کردیں گے۔	دل سچائی کی طرف مائل ہو جائیں گے۔ (توضیح مرام ص ۱۳، خزائن ج ۳ ص ۵۷)
حضرت مسیح علیہ السلام حضرت ختم المرسلین ﷺ کے مقبرہ میں دفن ہوں گے۔	مرزا قادیانی کو رسول اللہ کا روحانی قرب نصیب ہوا۔ (حقیقت الوحی ص ۳۱۳، خزائن ج ۲۲ ص ۳۲۶)
حضرت مسیح علیہ السلام خنزیر کو نابود کریں گے۔	لیکھرام مرزا کی بددعا سے ہلاک ہوا۔ (حقیقت الوحی ص ۳۱۲، خزائن ج ۲۲ ص ۳۲۵)
لعلم للساعۃ (عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی علامت ہیں)	عیسیٰ اسرائیلیوں کا آخری نبی تھا۔ (ملفوظات احمدیہ ص ۱۸۶)

"یعیسیٰ انی متوفیك" اے عیسیٰ میں آپ کو اٹھانے والا ہوں۔	مرزا کے مخالف مرزا کے قتل پر قادر نہ ہوں گے۔ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۲۵، خزائن ج ۱۷ ص ۷۴)
اے عیسیٰ میں آپ کو اپنی طرف اٹھالوں گا۔	اے مرزا! میں واضح دلائل سے تیرا مقرب ہونا ثابت کروں گا۔ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۲۵، خزائن ج ۱۷ ص ۷۴)
میں آپ کے پیروؤں کو آپ کے منکروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا۔	مرزائی دوسرے لوگوں پر غالب رہیں گے۔ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۲۵، خزائن ج ۱۷ ص ۷۴)
مسیح علیہ السلام کے دم سے کافر مریں گے۔	مخالف کسی بات میں مرزا کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ (ازالہ اوہام ص ۶۹۹، خزائن ج ۳ ص ۴۷۷)
عیسیٰ علیہ السلام حاکم عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے۔	مرزا قادیانی نے لوگوں کی غلطیاں ظاہر کر دی ہیں۔ (ازالہ اوہام ص ۶۹۹، خزائن ج ۳ ص ۴۷۷)
دمشق۔	قادیان۔ (ازالہ اوہام ص ۷۲، خزائن ج ۳ ص ۱۳۸)
عیسیٰ علیہ السلام نبی ہوں گے۔	مرزا محدث (فتح دال) ہے۔
خدا نے مسیح علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔	ان کا درجہ بلند کر دیا۔
مسیح علیہ السلام کے نزول کے وقت تمہارے امام (حضرت مہدی علیہ السلام) تم (امت محمدی) میں سے ہوں گے۔	مرزا قادیانی امت محمدی میں پیدا ہوا۔ (توضیح المرام ص ۱۱، خزائن ج ۳ ص ۵۶) مرزائی کو مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں۔ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۱۸، خزائن ج ۱۷ ص ۶۴)
پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ مہدی کا نام میرے نام سے اور ان کے والد کا نام میرے والد کے نام سے ملتا ہوگا۔	مرزا مثیل مصطفیٰ ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۱۴۷، خزائن ج ۳ ص ۱۷۵)
مہدی علیہ السلام روشن پیشانی ہوں گے۔	مرزا قادیانی کی پیشانی میں نور صدق رکھا گیا۔ (کتاب البریہ ص ۲۶۷، خزائن ج ۱۳ ص ۳۰۷)

مہدی علیہ السلام بلند بینی ہوں گے۔	مرزا اپنی کبریائی کے استغناء سے بلند مزاجی دکھائے گا۔ (ایضاً)
"واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی" مقام ابراہیم کی جگہ نماز پڑھا کرو۔	تمام فرقوں میں سے صرف مرزائی فرقہ نجات پائے گا۔ (اربعین نمبر۳ ص۳۱، ۳۲، خزائن ج۱۷ ص۴۲۱)
"ولقد نصرکم الله ببدر" خدا نے تمہیں بدر کے میدان میں فتح دی۔	مرزا کے زمانہ میں اسلام بدر کامل ہوگیا۔ (خطبہ الہامیہ ص۱۸۴، خزائن ج۱۶ ص۲۷۵) خدا نے مرزا کو ظاہر کر کے مؤمنوں کی مدد کی۔ (اعجاز المسیح ص۱۸۳، خزائن ج۱۸ ص۱۸۷)
"ونفخ فی الصور فجمعناھم جمعاً" صور پھونکا جائے گا اور ہم سب کو ایک ایک کر کے جمع کرلیں گے۔	مرزا نے اپنی پرہیبت آواز لوگوں تک پہنچائی۔ (چشمہ معرفت ص۸۰، خزائن ج۲۳ ص۸۸)
"واذ قتلتم نفساً فادرء تم فیھا" جب تم میں سے کسی نے ایک آدمی کا خون کردیا پھر ایک دوسرے کے ذمے لگانے لگے۔	یہ طریق عمل الترب (یعنی مسمریزم) کا ایک شعبہ تھا۔ (ازالہ اوہام ص۷۵۰، خزائن ج۳ ص۵۰۴)
ابولہب	جس میں اشتعال کا مادہ زیادہ ہو۔ (تقاریر مسیح موعود ص۵) مولوی نذیر حسین دہلوی۔ (مواہب الرحمٰن ص۱۲۷، خزائن ج۱۹ ص۳۴۸) مولوی محمد حسین بٹالوی۔ (ضیاء الحق ص۳۶، خزائن ج۹ ص۲۹۴)
"حمالة الحطب" لکڑیاں اٹھانے والی عورت۔	سخن چین عورت۔ (تقاریر مسیح موعود ص۵)
قرب قیامت کو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔	لوگ توبہ نہیں کریں گے۔ (ازالہ اوہام ص۵۱۷، خزائن ج۳ ص۳۷۷)

قرب قیامت کو آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا۔	اہل یورپ وامریکہ کو اسلام سے حصہ ملے گا۔ (ازالہ اوہام ص۵۱۶، خزائن ج۳ ص۳۷۷) مرزائی تبلیغ مرزائیت کے لئے یورپ گئے۔ (الفضل ۲۹؍جولائی ۱۹۲۴ء)
رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔	آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے۔ (حقیقت الوحی ص۹۷، خزائن ج۲۲ ص۱۰۰)
''انا اعطیناك الكوثر'' اے نبی ہم نے آپ کو حوض کوثر دیا۔	مرزا کے زمانے میں دینی برکات کے چشمے پھوٹ نکلے۔ (ایک غلطی کا ازالہ ص۱۲، خزائن ج۱۸ ص۲۱۶)
یاجوج وماجوج۔	انگریز اور روس۔ (ازالہ ص۵۰۲، خزائن ج۳ ص۳۶۹) دجال۔ (تحریک احمدیت ص۱۱۹)
دابۃ الارض۔ (زمین کا جانور)	علمائے اسلام۔ (ازالہ ص۵۰۲، خزائن ج۳ ص۳۶۹) طاعون کا کیڑا۔ (نزول المسیح ص۳۹، خزائن ج۱۸ ص۴۱۶) ریل گاڑی۔ (شمس بازغہ ص۱۲۱)
دخان۔ (دھواں)	قحط عظیم۔ (ازالہ ص۵۱۳، خزائن ج۳ ص۳۷۵)
قیامت کو قرآن آسمان پر اٹھایا جائے گا۔	مرزا قادیانی کے زمانہ میں مسلمانوں کے دلوں پر قرآن خوانی کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ (ازالہ اوہام ص۷۲۲، خزائن ج۳ ص۴۸۹)
حارث	مرزا غلام احمد قادیانی۔ (ازالہ اوہام ص۹۷ حاشیہ، خزائن ج۳ ص۱۴۱)
حارث آل محمد کو تقویت دے گا۔	مرزا قادیانی اسلام کی عزت قائم کرنے کے لئے کھڑا ہوا۔ (ازالہ ص۹۹، خزائن ج۳ ص۱۴۹)

''اذا زلزلت الارض زلزالها'' جب زمین کو زلزلہ کا سخت جھٹکا آئے گا۔	مرزا کے وقت میں روحانی مردے زندہ ہونے لگے۔ (ازالہ ص ۱۳۶، خزائن ج ۳ ص ۱۶۹) اہل ارض میں ایک تغیر عظیم آئے گا۔ (شہادۃ القرآن ص ۱۸، خزائن ج ۶ ص ۳۱۴)
زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔	زمینی علوم اور زمینی مکر ظہور کرے گا۔ (شہادۃ القرآن ص ۱۹، خزائن ج ۶ ص ۳۱۵)
مسجد اقصیٰ	قادیان کی مرزائی مسجد۔ (تبلیغ رسالت ج ۹ ص ۴۰، مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۲۸۷)
پیغمبر علیہ السلام کو معراج ہوئی۔	آپ کو حضرت آدم اور حضرت خلیل علیہم السلام کے کمالات حاصل ہوئے۔ (تبلیغ رسالت ج ۹ ص ۴۲، مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۲۹۰)
آنحضرت ﷺ کو مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی۔	آپ کی ذات میں تمام اسرائیلی انبیاء کے کمالات موجود تھے۔ (تبلیغ رسالت ج ۹ ص ۴۲، مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۲۹۰)
آنحضرت ﷺ کا قدم مسجد اقصیٰ تک گیا۔	آنحضرت ﷺ کی کشفی نظر مرزا کے زمانہ تک پہنچ گئی۔ (تبلیغ رسالت ج ۹ ص ۴۲، مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۲۹۰)
آنحضرت ﷺ نے قاب قوسین کا مرتبہ پایا۔	آپ صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں۔ (تبلیغ رسالت ج ۹ ص ۴۲، مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۲۹۰)
دمشق کا مینار۔	مسیح کا نور ظاہر ہونے کی جگہ۔ (تبلیغ رسالت ج ۹ ص ۴۳، مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۲۹۲)
قیامت کو صور پھونکا جائے گا۔	کوئی مصلح پیدا ہوگا۔ (شہادۃ القرآن ص ۱۵، خزائن ج ۶ ص ۳۱۱)
''لیلۃ القدر''	تاریکی کا زمانہ۔ (شہادۃ القرآن ص ۱۷، خزائن ج ۶ ص ۳۱۳)

"واذ الارض مدت والقت ما فیها وتخلت" جب زمین کی وسعت بڑھ جائے گی اور وہ اپنے اندر کی چیزوں کو باہر اگل کر خالی ہوجائے گی۔	ایجادات وفنون زمین سے نکالے جائیں گے۔ (شہادۃ القرآن ص۲۱، خزائن ج۶ ص۳۱۷)
"واذا العشار عطلت" جب قریب الوضع گابھن اونٹنیوں کا بھی کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔	مرزا قادیانی کے زمانہ میں ریل جاری ہوگئی۔ (شہادۃ القرآن ص۲۲، خزائن ج۶ ص۳۱۸)
"واذ الصحف نشرت" جب حساب کتاب کے لئے دفتر اعمال کھولے جائیں گے۔	مرزا کے وقت میں مطابع اور ڈاک خانے جاری ہوئے۔ (شہادۃ القرآن ص۲۲، خزائن ج۶ ص۳۱۸)
"واذ النجوم انکدرت" جب تارے گدلے ہوجائیں گے۔	جب علماء کا نور اخلاص جاتا رہے گا۔ (شہادۃ القرآن ص۲۳، خزائن ج۶ ص۳۱۹)
"واذا الکواکب انتثرت" جب تارے جھڑ جائیں گے۔	جب علمائے ربانی فوت ہوجائیں گے۔ (شہادۃ القرآن ص۲۳، خزائن ج۶ ص۳۱۹)
"اذا النفوس زوجت" جب (قیامت کو) ایک قسم کے لوگ اکٹھے کئے جائیں گے۔	مرزا کے زمانہ میں بلاد بعیدہ کے نبی آدم کے دوستانہ تعلقات بڑھ گئے۔ (شہادۃ القرآن ص۲۲، خزائن ج۶ ص۳۱۸)
"اذا الوحوش حشرت" جب وحشی جانور گھبرا کر جمع ہوجائیں گے۔	وحشی قوموں نے تہذیب کی طرف رجوع کیا۔ (شہادۃ القرآن ص۲۲، خزائن ج۶ ص۳۱۸)
"اذا البحار سجرت" جب زمین شق ہوجانے کے بعد سب شیریں اور شور سمندر باہم مل کر ایک ہوجائیں گے۔	نہریں جاری ہونے سے زراعت کی کثرت ہوئی۔ (شہادۃ القرآن ص۲۲، خزائن ج۶ ص۳۱۸)
"اذا الجبال سیرت" جب پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے۔	پہاڑوں میں آدمیوں اور ریل کے چلنے کے لئے سڑکیں بن گئی ہیں۔ (شہادۃ القرآن ص۲۲، خزائن ج۶ ص۳۱۸)

’’والشمس کورت‘‘ جب آفتاب بے نور ہو جائے گا۔	دنیا پر جہالت اور معصیت کی ظلمت طاری ہوئی۔ (شہادۃ القرآن ص۲۳، خزائن ج۶ ص۳۱۹)
’’السماء انفطرت‘‘ جب آسمان پھٹ جائے گا۔	جب مرزا ظاہر ہوا۔ (شہادۃ القرآن ص۲۳، خزائن ج۶ ص۳۱۹)
’’اذا الرسل اقتت‘‘ جب تمام رسول جمع کئے جائیں گے۔	جب مرزا بھیجا گیا۔ (شہادۃ القرآن ص۲۳، خزائن ج۶ ص۳۱۹)
ہامان۔	مولوی نذیر حسین دہلوی۔ (نزول المسیح ص۱۵۲، خزائن ج۱۸ ص۵۳۰)
’’یاھامان ابن لی صرحاً‘‘ فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لئے ایک بلند عمارت بنوا۔	مولوی نذیر حسین دہلوی نے مرزا کی تکفیر کا فتویٰ تیار کیا۔ (نزول المسیح ص۱۵۲، خزائن ج۱۸ ص۵۳۰)
’’لیلۃ القدر خیر من الف شھر‘‘ لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔	مرزا کا صحابی اسی برس کے غیر صحابی سے بہتر ہے۔ (فتح اسلام ص۵۵، خزائن ج۳ ص۳۲)
یہود۔	علمائے اسلام۔ (ضیاء الحق ص۴۵، خزائن ج۹ ص۲۹۳)
’’غیر المغضوب علیھم‘‘ ان لوگوں کا راستہ نہ دکھانا جن پر تیرا غضب نازل ہوا۔	مسلمانوں میں سے یہودی کہلانے والوں نے مرزا قادیانی کی تکذیب کی۔ (تذکرۃ الشہادتین ص۱۴، خزائن ج۲۰ ص۱۶)
بیت اللہ۔	مرزا غلام احمد قادیانی۔ (اربعین نمبر۴ ص۱۵، خزائن ج۱۷ ص۴۴۴)
’’کنتم خیر امۃ اخرجت للناس‘‘ تم تمام امتوں سے بہترین امت ہو جو آج تک لوگوں کے لئے ظاہر ہوئیں۔	اس امت کو دجال (پادریوں) سے مقابلہ پڑے گا۔ (تحفہ گولڑویہ ص۲۱، خزائن ج۱۷ ص۱۲۰)
ابراہیم علیہ السلام کے بلانے پر چار پرندوں کے اجزاء جمع ہو کر ان کے پاس آ گئے۔	یہ عمل الترب یعنی مسمریزم کا ایک تجربہ تھا۔ (ازالہ اوہام ص۷۵۳، خزائن ج۳ ص۵۰۶)

اے نبی! آپ ازواج (طاہرات) کی خوشنودی خاطر کے لئے ایسی چیز کو کیوں حرام قرار دیتے ہو جو اللہ نے آپ پر حلال کر رکھی ہے؟	مرزا کو پہلے مریم کا رتبہ ملا۔ پھر عیسیٰ کی روح پھونکی گئی۔ تب مریم سے عیسیٰ نکل آیا۔ (تعلیم المہدی ص ۲۰)
"انی جاعل فی الارض خلیفة" میں زمین میں اپنا ایک نائب مقرر کروں گا۔	مرزا کو روحانی نیابت عطاء ہوئی۔ (براہین احمدیہ ص ۴۹۲، ۴۹۳، خزائن ج ۱ ص ۵۴۵)
"حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون" یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے تو وہ ہر بلندی کی طرف سے (مور وملخ کی طرح) امنڈ آئیں گے۔	مرزا کو آدم سے لے کر اخیر تک تمام انبیاء کے نام دیئے گئے تا کہ وعدۂ رجعت پورا ہو۔ (نزول المسیح ص ۵، خزائن ج ۱۸ ص ۳۸۳)
حق تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں مٹی کا ایک بشر بنانے والا ہوں۔ سو جب اسے پیدا کر کے اس میں روح پھونک دوں تو اس کی طرف سربسجود ہو جانا۔	ملائکہ کو حکم ہے کہ جب کوئی انسان بقاباللہ کا درجہ حاصل کرے تو اس پر آسمانی انوار کے ساتھ اترا کرو اور اس پر صلوٰۃ بھیجا کرو۔ (توضیح مرام ص ۴۹، خزائن ج ۳ ص ۷۶)
"وبالآخرة ھم یوقنون" اور قیامت کے دن پر بھی یقین رکھتے ہیں۔	اس وحی پر بھی یقین رکھتے ہیں جو آخری زمانہ میں مسیح موعود (مرزا) پر نازل ہوگی۔ (سیرۃ المہدی ج ۲ ص ۱۴۸)
"حتی اذا بلغ مغرب الشمس" جب ذوالقرنین آفتاب کے غروب ہونے کی جگہ پر پہنچے۔	جب خلیفہ ثانی محمود احمد نے یورپ کا سفر کیا۔ (الفضل مورخہ ۶ راگست ۱۹۲۴ء)
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہیں احمد نام ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں۔ (سورۂ صف)	یہ پیشین گوئی مرزا غلام احمد کے حق میں ہے۔ (ازالہ ص ۶۷۳، خزائن ج ۳ ص ۴۶۳)

"غیر المغضوب علیهم ولا الضالین" الٰہی ہمیں یہود ونصاریٰ کا راستہ نہ دکھانا۔	خدا نے مرزا کے مخالفوں کا نام عیسائی یہودی اور مشرک رکھ دیا ہے۔ (نزول المسیح ص ۴، خزائن ج ۱۸ ص ۳۸۲)
"وله الحمد فی الاولیٰ والآخرة" اوّل وآخر میں خدا ہی کے لئے حمد ہے۔	پہلی حمد سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ اور دوسری سے مرزا غلام احمد۔ (اعجاز المسیح ص ۱۳۵، خزائن ج ۱۸ ص ۱۳۹)
"یوم الدین" قیامت کا دن۔	مرزا غلام احمد۔ (اعجاز المسیح ص ۱۴۳، خزائن ج ۱۸ ص ۱۴۷)
"ایاك نعبد وایاك نستعین" الٰہی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔	خداوندا مجھے احمد بنادے۔ (اعجاز المسیح ص ۱۶۳، خزائن ج ۱۸ ص ۱۶۷)
شیطان رجیم۔	دجال لعین۔ (اعجاز المسیح ص ۸۳، خزائن ج ۱۸ ص ۸۵)
رجل فارس۔	مرزا غلام احمد قادیانی۔
کرعہ۔	قادیان۔ (تذکرۃ الشہادتین ص ۳۸، خزائن ج ۲۰ ص ۴۰)
مسیح علیہ السلام نے باذن اللہ مردے زندہ کئے۔	یہ عمل مسمریزم اور شعبدہ بازی کی قسم سے تھا۔ (ازالہ ص ۳۰۵، خزائن ج ۳ ص ۲۵۵)
مسیح علیہ السلام کی مٹی کی چڑیاں۔	وہ ای وناوان لوگ جن کو حضرت عیسیٰ نے اپنا رفیق بنایا۔ (ازالہ ص ۳۰۴، خزائن ج ۳ ص ۲۵۵)
مسیح علیہ السلام اندھوں اور جذامیوں اور برص کے مریضوں کو باذن اللہ اچھے کرتے تھے۔	یہ مریض تالاب میں غوطہ لگا کر اچھے ہوتے تھے۔ (ازالہ اوہام ص ۳۲۱، خزائن ج ۳ ص ۲۶۳)
جہاد فی سبیل اللہ۔	تریاقی ہوا کی زہریلی ہوا سے روحانی جنگ۔ (ایام الصلح ص ۶۱، خزائن ج ۱۴ ص ۲۹۵)
ابراہیم علیہ السلام پر آگ سرد ہوگئی۔	جنگ اور عداوت کی آگ دھیمی ہوگئی۔ (سیرۃ المہدی ج ۱ ص ۱۳۲)

''ویھبط نبی اللّٰہ عیسیٰ واصحابہ الی الارض '' اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکوہ طور سے زمین پر اتریں گے۔	مرزاغلام احمد کا خلیفہ مرزا محمود احمد اپنے ساتھیوں کے ساتھ لندن میں وارد ہوا۔ (الفضل ۲۵ رنومبر ۱۹۲۴ء)
عیسیٰ علیہ السلام کے سر سے قطرے ٹپکتے ہوں گے۔	مرزا معارف قرآنی کا مالک ہوگا۔ (شمس بازغہ ص ۹۴)
عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک دنیا میں قیام فرمارہیں گے۔	مرزاغلام احمد نے چالیس سال کی عمر میں مجددیت کا دعویٰ کیا۔ (شمس بازغہ ص ۹۶)
مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔	جن لوگوں نے مرزا کی نماز جنازہ نہیں پڑھی وہ مسلمان نہیں رہے۔ (شمس بازغہ ص ۹۶)
عیسیٰ علیہ السلام باب لد کے پاس دجال کو قتل کریں گے۔	باب لد بیت المقدس کے دیہات میں سے ایک گاؤں ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۲۲۰، خزائن ج ۳ ص ۲۰۹) لد بمعنی جھگڑالو مراد لاٹ پادری جسے مسیح موعود (مرزا قادیانی) ہلاک کر رہا ہے۔ (شمس بازغہ ص ۱۱۸)
''ثم دنا فتدلی '' پھر فرشتہ آپ کے نزدیک آیا۔ اس کے بعد اور قریب ہوا۔	آنحضرت ﷺ اطاعت اور محبت الٰہی میں سراپا محو ہوئے۔ (براہین احمدیہ ص ۴۹۳، خزائن ج ۱ ص ۵۸۶)

ان اقتباسات سے آپ پر یہ حقیقت آفتاب کی طرح روشن ہوگئی کہ مرزائے قادیان نے کلام الٰہی اور احادیث خیر الانام ﷺ کے الفاظ کو علیٰ حالہا رکھ کر کس طرح ان کے مفہوم کو اپنی نفسانی خواہشوں کا بازیچہ بنایا۔ سلطان محمود غزنویؒ نے ہندوستان کی سرزمین کو باطنی فتنہ سے پاک کیا تھا۔ لیکن قریباً ہزار سال کے بعد ایک اور باطنی فتنہ نے قادیان سے آسر نکالا۔ کاش وہ لوگ آنکھیں کھولتے جو مرزائیوں کو دائرہ اسلام میں داخل رکھنے پر مصر رہتے ہیں اور غور کرتے کہ کیا یہود ونصاریٰ، آریہ یا دوسرے اعدائے اسلام بھی کبھی دین حنیف کو اتنا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ جس قدر کہ مرزا قادیانی نے پہنچایا؟

خرمن مہدویہ سے خوشہ چینی

مندرجہ ذیل اقتباسات سے آپ کو معلوم ہوگا کہ مرزا قادیانی نے اپنے ذخیرۂ ایمان فروشی میں پیروان سید محمد جونپوری کے خرمن الحاد سے بھی بہت کچھ خوشہ چینی کی اور یہ کہ بہت سے امور میں آج کل کی مرزائیت مہدویت کا صحیح چربہ ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

مہدوی اقوال	مرزائی اقوال
مہدوی کہتے ہیں کہ خاتم النبیین سے یہ مراد ہے کہ کوئی پیغمبر صاحب شریعت جدیدہ آنحضرت ﷺ کے بعد پیدا نہ ہوگا اور اگر نبی متبع شریعت محمدیہ کا پیدا ہو تو منافی آیۃ ''ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین'' کا نہیں ہے اور سید محمد جونپوری پیغمبر متبع ہیں۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۲۸)	خاتم النبیین سے یہ مراد ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی صاحب شریعت نبی پیدا نہیں ہوا اور کوئی غیر تشریعی نبی ظاہر ہو تو آیۃ خاتم النبیین کے منافی نہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی غیر تشریعی نبی تھے۔ (ریویو آف ریلیجنز ج ۲۱ ص ۹)
پنج فضائل وغیرہ کتب مہدویہ میں مذکور ہے کہ سید محمد جونپوری کا نواسہ سید محمود ملقب بہ حسین ولایت شہید کربلا امام حسینؓ کے برابر ہے یا بہتر ہے۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۳۳)	مسیح قادیان نے (نزول المسیح ص ۹۹، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷) میں لکھا۔ کربلائے است سیر ہر آنم صد حسین است در گریبانم۔ اور (نزول المسیح ص ۴۴، خزائن ج ۱۸ ص ۴۲۲) پر لکھتا ہے۔ بعض نادان شیعہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ کیونکر ممکن ہے کہ یہ شخص امام حسینؓ سے افضل ہو۔ لیکن کیا یہ سچ نہیں ہے کہ قرآن اور احادیث اور تمام نبیوں کی شہادت سے مسیح موعود حسین سے افضل ہے۔
شواہد الولایت میں لکھا ہے کہ سید محمد جونپوری نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے بندہ کو جملہ موجودات کے احوال اس طرح معلوم کرا دیئے ہیں کہ جیسے کوئی رائی کا دانہ ہاتھ میں رکھتا ہو اور ہر طرف پھرا کر کماحقہ پہچانے۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۲۹)	مرزائے قادیان نے لکھا کہ مجھے علم غیب پر اس طرح قابو حاصل ہے۔ جس طرح سوار کو گھوڑے پر ہوتا ہے۔ (ضرورۃ الامام ص ۱۳، خزائن ج ۱۳ ص ۴۸۳)

مہدویہ کا اعتقاد ہے کہ سید محمد جونپوری وہی مہدی ہیں جن کے ظہور کی آنحضرت ﷺ نے بشارۃ دی۔ (ہدیہ مہدویہ ص ١٦)	مسیح قادیان نے لکھا۔ اگر خدا کا پاک نبی اپنی پیش گوئیوں کے ذریعہ سے میری گواہی دیتا ہے تو اپنے نفسوں پر ظلم مت کرو۔ (ایام الصلح ص ٩١، خزائن ج ١٤ ص ٣٢٩)
ایک دن میاں خوند میر (داماد وخلیفہ مہدی جونپوری) نے ایک سنگریزہ ہاتھ میں لے کر مہاجرین وخلفائے مہدی کے مجمع میں کہا۔ دیکھو یہ کیا ہے سب نے جواب دیا سنگریزہ ہے۔ کہا اس کو مہدی موعود علیہ السلام نے جواہر بے بہا کہا ہے۔ تمام مہاجرین وخلفاء نے کہا آمنا وصدقنا۔ ہمارے دیکھنے کا کیا اعتبار ہے کہ جو کوئی فرمان مہدی میں شک کرے یا تاویل کرے وہ آل مہدی میں سے نہیں ہے۔ (ہدیہ مہدویہ ص ١٨)	مولوی نور الدین (خلیفہ اوّل) فرمایا کرتے تھے کہ یہ تو صرف نبوت کی بات ہے۔ میرا تو ایمان ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام صاحب شریعت نبی ہونے کا دعویٰ کریں اور قرآنی شریعت کو منسوخ قرار دیں تو بھی مجھے انکار نہ ہو۔ کیونکہ جب ہم نے آپ کو واقعی صادق اور منجانب اللہ پایا ہے تو اب جو بھی آپ فرمائیں گے وہی حق ہوگا اور ہم سمجھ لیں گے کہ آیۃ خاتم النبیین کے کوئی اور معنی ہوں گے۔ (سیرۃ المہدی ج ١ ص ٨١، ٨٢)
انصاف کرنا چاہئے کہ شیخ محمد جونپوری مدعی مہدویت نے کس قدر آیات قرآنیہ کے معنی احادیث صحیحہ اور تفسیرات صحابہ اور جمہور مفسرین کے خلاف کئے ہیں۔ چنانچہ سورۃ جمعہ میں ”واخرین منہم لما یلحقوا بہم“ کو خاص اپنے فرقہ مہدویہ پر محمول کیا ہے۔ (ہدیہ مہدویہ ص ١٢٤)	قرآن میں یہ پیش گوئی بڑی وضاحت سے آنے والے مسیح کی خبر دیتی ہے۔ ”واخرین منہم لما یلحقوا بہم وھو العزیز الحکیم“ یعنی ایک گروہ اور ہے جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ وہ بھی اوّل تاریکی اور گمراہی میں ہوں گے اور علم اور حکمت اور یقین دور ہوں گے۔ تب خدا ان کو بھی صحابہ کے رنگ میں لائے گا۔ یعنی جو کچھ صحابہ نے دیکھا وہ ان کو بھی دکھائے گا۔ یہاں تک کہ ان کا صدق اور یقین بھی صحابہ کے صدق اور یقین کی مانند ہو جائے گا اور یہ مسیح موعود کا گروہ ہے۔ (ایام الصلح ص ٧٠، ٧١، خزائن ج ١٤ ص ٣٠٤)

مہدی جونپوری لوگوں کو حج بیت اللہ سے باوجود فرضیت اور استطاعت کے منع کیا کرتے تھے اور اپنے خلیفہ میاں دلاور کے حجرے کو بمنزلہ کعبہ کے ٹھہرایا تھا کہ اس کے تین طواف کعبۃ اللہ کے سات طواف بلکہ تمامی ارکان حج کے قائم مقام ہے، قرار دیتے تھے۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۲۰۸)	مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا۔ ایک حج کے ارادہ کرنے والے کے لئے اگر یہ بات پیش آجائے کہ وہ اس مسیح موعود کو دیکھ لے جس کا تیرہ سو برس سے انتظار ہے تو بموجب نص صریح قرآن اور احادیث کے وہ بغیر اس کی اجازت کے حج کو نہیں جاسکتا۔ (تذکرۃ الشہادتین ص ۴۷، خزائن ج ۲۰ ص ۴۹) ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے۔ خدا تعالیٰ نے قادیان کو اس کام (حج) کے لئے مقرر کیا ہے۔ (برکات خلافت ص ۵)
سید محمد جونپوری اس بات کے مدعی تھے کہ وہ دار دنیا میں حق تعالیٰ کو عیانا سر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۱۴۹)	مسیح قادیان نے امام الزمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھا کہ خدا تعالیٰ مجھ سے بہت قریب ہوجاتا ہے اور کسی قدر پردہ اپنے پاک اور روشن چہرے سے جو نور محض ہے اتار دیتا ہے۔ (ضرورت الامام ص ۱۳، خزائن ج ۱۳ ص ۴۸۳)
حضرت سید محمد جونپوری کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ محمد ﷺ اور حضرت مہدی موعود (سید محمد جونپوری) ایک ذات ہیں۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۲۷۹)	مسیح قادیان نے لکھا جس شخص نے مجھ میں اور رسول اللہ ﷺ میں کچھ فرق سمجھا نہ تو اس نے مجھے پہچانا اور نہ مجھے دیکھا۔ میرا وجود عین رسول اللہ ﷺ کا وجود ہوگیا۔ (خطبہ الہامیہ ص ۱۷۱، خزائن ج ۱۶ ص ۲۵۹)
مطلع الولایت میں لکھا ہے کہ اوّل بارہ برس تک امر الٰہی ہوتا رہا اور مہدی جونپوری وسوسۂ نفس وشیطان سمجھ کر (حکم خدا) ٹالتے رہے۔ آخر خطاب باعتاب ہوا کہ ہم روبرو سے فرماتے ہیں تو اس کو غیر اللہ سے سمجھتا ہے۔ اس کے بعد بھی شیخ موصوف اپنی عدم لیاقت وغیرہ کا عذر پیش کر کے آٹھ برس اور ٹالتے رہے۔ بیس	مرزا غلام احمد قادیانی نے (اعجاز احمدی ص ۸، خزائن ج ۱۹ ص ۱۱۴) میں لکھا کہ میں قریباً بارہ برس جو ایک زمانہ دراز ہے۔ بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑے شدومد سے براہین میں مسیح موعود قرار دیا ہے اور (سیرۃ المہدی ص ۳۱) میں ہے کہ وہ الہام جس میں مسیح موعود کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اصلاح خلق کے لئے صریح طور پر

برس کے بعد خطاب باعتاب ہوا کہ قضائے الٰہی جاری ہو چکی۔ اگر قبول کرے گا ماجور ہوگا۔ ورنہ مجبور ہوگا۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۲۴)	ماموری کیا گیا مارچ ۱۸۸۲ء میں ہوا۔ لیکن (باوجود امر الٰہی کے) اس وقت سلسلۂ بیعت شروع نہیں فرمایا۔ بلکہ مزید حکم تک توقف کیا۔ (حکم الٰہی کو ٹالتے رہے) چنانچہ جب فرمان الٰہی نازل ہوا تو آپ نے بیعت کے لئے ۱۸۸۸ء میں (یعنی پہلے حکم کے چھ سال بعد) بیعت لینی شروع کی۔
جو احادیث رسول خدا کی تفسیر قرآن اگرچہ کیسی ہی روایات صحیحہ سے مروی ہوں۔ لیکن مہدی جونپوری کے بیان واحوال سے مطابق کر کے دیکھیں۔ اگر مطابق ہوں تو صحیح ورنہ غلط جانیں۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۱۷)	مرزا قادیانی نے لکھا کہ جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اس کو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کرے۔ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۱۰، خزائن ج ۱۷ ص ۵۱) جو حدیث ہمارے الہام کے خلاف ہو اسے ہم ردی میں پھینک دیتے ہیں۔ (اعجاز احمدی ص ۳۰، خزائن ج ۱۹ ص ۱۴۰)
سید محمد جونپوری سوائے محمد ﷺ کے ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، نوح، آدم (علیہم السلام) اور دوسرے تمام انبیاء ومرسلین سے افضل ہیں۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۱۷)	نبی کریم کے شاگردوں میں سے علاوہ بہت سے محدثوں کے ایک نے نبوت کا درجہ بھی پایا ہے اور نہ صرف نبی بنا بلکہ اپنے مطاع کے کمالات کو ظلی طور پر حاصل کر کے بعض اولوالعزم نبیوں سے بھی آگے نکل گیا ہے۔ (حقیقت النبوۃ ص ۲۵۷)
مطلع الولایت میں لکھا ہے کہ سید محمد جونپوری نے فرمایا کہ بندے کے پاس آدم علیہ السلام سے لے کر اس دم تک تمام انبیاء ورسل اولیاء عظام اور تمام مؤمنین ومؤمنات کی روحوں کی تصحیح ہوتی ہے۔ کسی نے پوچھا میراں جی تصحیح کس کو کہتے ہیں۔ فرمایا جب ایک تاجدار کی جگہ دوسرا بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے اور اپنے تمام	مرزائے قادیان نے کہا: خدا نے مجھے وہ بزرگی بخشی جو دنیا جہان کے کسی اور شخص کو نہیں دی۔ (حقیقت الوحی ص ۱۰۷، خزائن ج ۲۲ ص ۱۱۰) میرا قدم اس منارہ پر ہے جہاں تمام بلندیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ (خطبہ الہامیہ ص ۳۵، خزائن ج ۱۶ ص ۷۰) اور لکھا کہ خدا نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ میں اس کی طرف سے

لشکروں کا معائنہ کرتا ہے۔ اسے کیا کہتے ہو؟ کہا بعض داخلہ وموجودات کہتے ہیں اور بعض عرض اور آمدہ نیامدہ بھی کہتے ہیں۔ فرمایا یہی صحیح ہے۔ آج تین دن ہوئے بالکل فرصت نہیں۔ ہر نماز سے فارغ ہوتے ہی حکم ہوتا ہے کہ سید محمد خلوت میں جاؤ کہ بقیہ ارواح کا بھی جائزہ لے لو۔ انبیاء ومرسلین اور اولیاء واتقاء کی روحیں سب بندے کے حضور میں عرض کی جاتی ہیں۔

(ہدیہ مہدویہ ص۲۰، ۲۴۷)

ہوں۔ اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر تقسیم کئے جائیں تو انکی ان سے نبوت ثابت ہو سکتی ہے۔ (چشمہ معرفت ص۳۱۷، خزائن ج۲۳ ص۳۳۲) اور لکھا کہ میں نور ہوں، مجدد مامور ہوں، عبد منصور ہوں، مہدی موعود اور مسیح موعود ہوں۔ مجھے کسی کے ساتھ قیاس مت کرو اور نہ کسی دوسرے کو میرے ساتھ۔ میں مغز ہوں۔ جس کے ساتھ چھلکا نہیں اور روح ہوں جس کے ساتھ جسم نہیں اور سورج ہوں جس کو دھواں نہیں چھپا سکتا اور ایسا کوئی شخص تلاش کرو جو میری مانند ہو ہرگز نہیں پاؤ گے۔

(اقتباس از خطبہ الہامیہ، خزائن ج۱۶ ص۵۱، ۵۲)

مطلع الولایت میں ہے کہ جو شخص مہدی جونپوری کے حضور میں مقبول ہوا وہ خدا کے ہاں بھی مقبول ہے اور جو یہاں مردود ہوا وہ عنداللہ بھی مردود ہے۔

(ہدیہ مہدویہ ص۲۰)

مسیح قادیان نے لکھا جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔ کیونکہ میری نسبت خدا اور رسول کی پیش گوئی موجود ہے۔

(حقیقت الوحی ص۱۶۳، خزائن ج۲۲ ص۱۶۸)

پنج فضائل میں ہے کہ ایک روز بعد نماز فجر سب (دینی) بھائی صف بستہ بیٹھے تھے۔ شاہ دلاور خلیفہ مہدی نے اپنی بیوی سے کہا دیکھو یہ وہ لوگ ہیں کہ رسول خدا نے جن کی نسبت فرمایا ہے کہ ہم اخوتی بمنزلتی یعنی وہ میرے بھائی ہیں جو میرے ہم رتبہ ہیں اور ایک روز دکھا کر کہا کہ مرسلین کے درجہ پر ہیں اور مرسل اسے کہتے ہیں کہ مہتر جبریل اس پر وحی لائیں اور بارہ صحابی تو اس سے بھی افضل تر ہیں۔ (ہدیہ مہدویہ ص۲۴۷)

مسیح قادیان نے لکھا: جو میری جماعت میں داخل ہوا در حقیقت میرے خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا۔

(خطبہ الہامیہ ص۱۷۱، خزائن ج۱۶ ص۲۵۸)

پنج فضائل میں ہے کہ سید محمود نے اپنے والد سید محمد جونپوری سے روایت کی کہ میراں جی نے فرمایا کہ نہ میں کسی سے جنا گیا اور نہ میں نے کسی کو جنا اور ایک روز ان کے خلیفہ دلاور کے سامنے یوسف نام ایک شخص نے بوقت وعظ سورۂ اخلاص پڑھی۔ جب وہ لم یلد ولم یولد پر پہنچا تو دلاور نے کہا نہیں یلد و یولد یوسف نے کہا نہیں لم یلد ولم یولد۔ دلاور نے کہا یلد و یولد عبدالملک نے یوسف سے کہا بھائی خاموش رہو۔ میاں جی ولایت کا شرف بیان کرتے ہیں جو کہتے ہیں سو حق ہے۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۲۴۹)	مسیح قادیان نے اپنا ایک کشف بدیں الفاظ بیان کیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں بعینہ اللہ ہوں اور میں نے یقین کرلیا کہ میں اللہ ہی ہوں۔ اسی حال میں جبکہ میں بعینہ خدا تھا میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہم دنیا کا کوئی نیا نظام قائم کریں۔ یعنی نیا آسمان اور نئی زمین بنائیں۔ پس میں نے پہلے زمین اور آسمان اجمالی شکل میں بنائے۔ جن میں کوئی ترتیب اور تفریق نہیں تھی۔ پھر میں نے انہیں تفریق کر دی اور جو ترتیب درست تھی اس کے موافق ان کو مرتب کردیا۔ اس وقت میں اپنے تئیں ایسا پاتا تھا کہ گویا میں ایسا کرنے پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا اور کہا: "انا زینا السماء الدنیا بمصابیح" پھر میں نے کہا اب ہم انسان کو مٹی سے بناتے ہیں۔ (آئینہ کمالات ص ۵۶۴، ۵۶۵، خزائن ج ۵ ص ۵۶۴)
پنج فضائل میں ہے کہ سید محمد جونپوری کے خلیفہ میاں نعمت نے کہا گو میں بندہ، کمینہ نعمت ہوں۔ لیکن کبھی میں خدا بن جاتا ہوں اور کبھی حق تعالیٰ مجھ سے فرماتا ہے۔ "انت منی وانا منک" "تو مجھ سے پیدا ہوا اور میں تجھ سے پیدا ہوا۔ (ہدیہ مہدیہ ص ۲۵۰)	مسیح قادیان کو الہام ہوا۔ "انت منی وانا منک" "اے مرزا تو مجھ میں سے پیدا ہوا اور میں تجھ میں سے پیدا ہوا۔ (حقیقت الوحی ص ۷۴، خزائن ج ۲۲ ص ۷۷)
پنج فضائل میں ہے کہ سید محمد جونپوری کے خلیفہ شاہ نظام نے اپنا ایک طویل کشف ظاہر کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو سرفراز کرنا چاہتا ہے تو مجھ سے دریافت	مسیح قادیان نے لکھا: مجھے خدا کی طرف سے دنیا کو فنا کرنے اور پیدا کرنے کی طاقت دی گئی ہے۔ میں خاتم الاولیاء ہوں۔ میرے بعد کوئی ولی نہ ہوگا۔ مگر وہی جو مجھ سے ہوگا اور میرے

کرتا ہے کہ اگر تو کہے تو یہ درجہ اس کو دوں۔ ورنہ ہرگز نہ دوں۔ پس میں سفارش کر کے اس (ولی) کو درجہ دلا دیتا ہوں۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۲۵۰)	عہد پر ہوگا۔ (کتاب خطبہ الہامیہ ص ۳۵، خزائن ج ۱۶ ص ۷۰)
مہدوی لوگ سید محمد جونپوری کو رسول صاحب شریعت جانتے ہیں اور ان کے بعض احکام کو شرع محمدی کے بعض احکام کا ناسخ سمجھتے ہیں۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۲۴)	مولوی ظہیر الدین مرزائی متوطن اروپ ضلع گجرانوالہ مرزا قادیانی کو صاحب شریعت رسول بتاتے ہوئے لکھتا ہے کہ مرزا قادیانی کے الہاموں میں لفظ رفق (نرمی) آیا ہے۔ جو آنحضرت ﷺ کے واسطے قرآن میں نہیں آیا۔ (آئینہ کمالات) بلکہ مرزا قادیانی نے بھی بہت سے احکام اسلامی کو منسوخ قرار دیا اور شرح اس کی آگے آئے گی۔
شواہد کے تیرہویں باب میں لکھا ہے کہ مہدویت اور نبوت میں نام کا فرق ہے۔ کام اور مقصود ایک ہے۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۲۴) ام العقائد لکھا کہ مہدی موعود فرماتے ہیں جو حکم میں بیان کرتا ہوں خدا کی طرف سے بامر خدا بیان کرتا ہوں جو کوئی ان احکام میں سے ایک حرف کا منکر ہوگا وہ عنداللہ ماخوذ ہوگا۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۲۵)	مرزا قادیانی نے لکھا لعنت ہے اس شخص پر جو آنحضرت ﷺ کے فیض سے علیحدہ ہو کر نبوت کا دعویٰ کرے۔ مگر یہ آنحضرت ﷺ کی نبوت ہے نہ کوئی نئی نبوت۔ (چشمہ معرفت ص ۳۲۵، خزائن ج ۲۳ ص ۳۴۱)
سید جونپوری کو ہندی فارسی عربی اور گجراتی میں الہام ہوتے تھے۔ منجملہ ان کے یہ اردو فقرہ بھی وحی ہوا۔ اے سید محمد دعویٰ مہدویت کا کھلاتا ہوئے تو کھلا نہیں تو ظالماں میں کروں گا۔ چنانچہ شواہد الولایت کے باب ہفدہم میں لکھا ہے۔ واہ کیا فصیح و بلیغ فقرہ اترا کہ تمام اہل ہند	مرزا قادیانی کو بھی کئی زبانوں میں الہام ہوتے تھے۔ چند الہام ملاحظہ ہوں۔ خاکسار پیپر منٹ، پیٹ پھٹ گیا۔ جیتے جیتے جہنم میں چلا گیا۔ خدا قادیان میں نازل ہوگا۔ تہی دستان عشرت را۔ دس ازمائی امنمی، پریشن، بست و یک روپیہ آنے والے ہیں۔ قرآن خدا کی

کو اس کی فصاحت نے حیران کر دیا۔ (ہدیہ مہدویہ ص۲۶)	کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔ دیکھو کیا کہتی ہے تصویر تمہاری، میں اس گھر سے جانے والی تھی۔ مگر تیرے واسطے رہ گئی۔ (البشریٰ، حقیقت الوحی)
شواہد الولایت کے چھبیسویں باب میں لکھا ہے کہ سید محمد جونپوری نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے اس عاجز کے اوصاف پیغمبروں کے سامنے بیان فرماتے تھے۔ اس لئے اکثر پیغمبروں کو تمنا بھی کہ اس عاجز کی صحبت میں پہنچیں اور اکتیسویں باب میں لکھا ہے کہ اکثر انبیاء ومرسلین اولوالعزم دعاء مانگتے تھے کہ بار خدایا ہم کو امت محمدی میں کر کے مہدی کے گروہ میں کر دے۔ ان میں سے مہتر عیسیٰ کی دعاء قبول ہوئی کہ اب وہ آکر بہرہ یاب ہوں گے۔ چنانچہ دیوان مہدی کا مؤلف سید جونپوری کی نعت میں لکھتا ہے۔ بل چہ عالم کہ از آدم وعیسیٰ زیحییٰ وخلیل از موسیٰ بودہ غایت بجہش ہوسے ہر چہ ہست از ولایت است ظہور نقطۂ آن دائرہ مفضلاں شد متمنائے ہمہ مرسلاں خواست زحق ہر یکے از اولین رب اجعلنی لمن الآخرین (ہدیہ مہدویہ ص۲۴۴)	مسیح قادیان نے لکھا۔ خدا نے مجھے آدم سے لے کر یسوع مسیح تک مظہر جمیع انبیاء قرار دیا۔ یعنی الف سے حرف یا تک اور پھر تکمیل دائرہ کی غرض سے الف آدم سے لے کر الف احمد تک صفت مظہریت کا خاتم بنایا۔ (نزول المسیح ص۲، خزائن ج۱۸ص۳۸۰) اسی طرح لکھا۔ آدم نیز احمد مختار، در برم جامۂ ہمہ ابرار، آنچہ داداست ہر نبی راجام، داد آں جام رامرا بتمام، آن یقینے کہ بود عیسیٰ را، بر کلامے کہ شد برو القاء، وان یقین کلیم بر توراۃ، واں یقین ہائے سید السادات، کم نیم زاں ہمہ بروئے یقین، ہر کہ گوید دروغ ہست ولعین، زندہ شد ہر نبی بآمدنم ہر رسولے نہاں بہ پیراہنم (نزول المسیح ص۹۹،۱۰۰، خزائن ج۱۸ص۴۷۷) مرزامحمود احمد نے کہا کہ مسیح موعود کا ذہنی ارتقاء، آنحضرت ﷺ سے زیادہ تھا۔ اس زمانہ میں ذہنی ترقی زیادہ ہوئی ہے اور یہ جزوی فضیلت ہے جو مسیح موعود کو آنحضرت ﷺ پر حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدن کے نقص کے نہ ہوا اور نا قابلیت تھی۔ (ریویو جون ۱۹۲۹ء)

پنج فضائل میں ہے کہ مہدی جونپوری قضائے حاجت کے لئے جاتے تھے۔ حاجی محمد فرہی نے پوچھا میراں جی خدام تو آئے۔ لیکن عیسیٰ علیہ السلام کب آئیں گے۔ میراں نے ہاتھ پیچھے کر کے کہا کہ بندہ کے پیچھے آئیں گے۔ فوراً حاجی محمد فرہی کو عیسیٰ روح اللہ کا مقام حاصل ہوگیا۔ میراں (سید جونپوری) کی زندگی بھر تو خاموش رہا۔ ان کی رحلت کے بعد سندھ میں نگر ٹھٹھہ کی طرف جا کر مسیحیت کا دعویٰ کر دیا۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۲۳۵)	مسیح قادیان نے لکھا۔ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں وہ ہرگز نہ کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز نہ دکھلا سکتا۔ (کشتی نوح ص ۵۶ خزائن ج ۱۹ ص ۶۰) اور لکھا کہ۔ اینک منم بحسب بشارات آمدم عیسیٰ کجاست تا بنہد پا بمنبرم (درثمین فارسی)
شواہد الولایت (مہدویوں کی ایک کتاب) کے چوبیسویں باب میں لکھا ہے کہ میراں (سید محمد جونپوری) نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ارواح اوّلین و آخرین کو حاضر کر کے فرمایا کہ اے سید محمد! ان سب ارواح کا پیشوا بننا قبول کر۔ میں نے اپنی عاجزی کا خیال کر کے عذر کیا۔ پھر یہ دیکھ کر کہ عنایت الٰہی میرے حال پر مبذول ہے۔ قبول کر لیا۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۲۳۵)	مرزا قادیانی نے لکھا۔ خدا عرش پر میری تعریف کرتا ہے۔ (انجام آتھم ص ۵۵، خزائن ج ۱۱ ص ۵۵) میرے آنے سے پہلوں کے سورج ڈوب گئے۔ (خطبہ الہامیہ) زندہ شد ہر نبی با آمدنم، ہر رسولے نہاں بہ پیراہنم (درثمین ص ۱۶۰) جس طرح پہلی رات کا چاند کی روشنی کی وجہ سے ہلال اور چودھویں کا بکمال روشنی کی وجہ سے بدر کہلاتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ صدی اوّل میں ہلال اور میں چودھویں صدی میں بدر منیر ہوں۔ (خطبہ الہامیہ ص ۱۷۷، ۱۸۵، خزائن ج ۱۶ ص ۲۶۲ تا ۲۷۶)
شواہد الولایت کے چھبیسویں باب میں لکھا ہے کہ دونوں محمدوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور فرق کرنے والے کو زیان ہے۔ یعنی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اور سید جونپوری برابر ہیں اور مہدویہ کی ایک کتاب جو ہرنامہ	مرزا قادیانی نے لکھا کہ جس شخص نے مجھ میں اور رسول اللہ ﷺ میں کچھ فرق سمجھا نہ تو اس نے مجھے پہچانا اور نہ مجھے دیکھا۔ (خطبہ الہامیہ ص ۱۷۱، خزائن ج ۱۶ ص ۲۵۹) میرا وجود عین رسول اللہ ﷺ کا وجود ہو گیا۔ (ایضاً) میں خود محمد اور

میں لکھا ہے۔ (دوہرہ) نبی مہدی یک ذات جانو برابر اجتہاد عقلی سوں پاک ظاہر باطن تابع متبوع حق مانو کل ادراک مہدویوں کی ایک کتاب صراط مستقیم میں ہے کہ نبی ومہدی علیہما السلام یک ذات موصوف بجمیع صفات سرتاپا مسلمان ظاہر وباطن کلام اللہ سوں برابر فرق کردن ہارے کافر مردود۔ (ہدیہ مہدویہ ص۲۴۵،۲۴۶)	احمد بن چکا ہوں۔ خود آنحضرت ﷺ نے ہی اپنے دوسرے وجود میں اپنی نبوت سنبھال لی ہے اور محمد کی نبوت محمد ہی کے پاس رہی ہے۔ غیر کے پاس نہیں گئی۔ (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ، خزائن ج۱۸ ص۲۱۶) اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ ایک مرتبہ پھر خاتم النبیین کو مبعوث کرے گا۔ پس مسیح موعود خود رسول اللہ تھے جو اشاعت اسلام کے لئے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے۔ (کلمۃ الفصل ص۱۵۸) محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل غلام احمد کو دیکھے قادیان میں (بدر ج۲ ص۴۳)
مہدویہ کا اعتقاد ہے کہ سید محمد جونپوری ہی مہدی موعود تھے۔ اب ان کے سوا کوئی مہدی وجود میں نہیں آئے گا اور جو شخص اس عقیدے پر نہیں وہ کافر ہے۔ (ہدیہ مہدویہ ص۲۵۹)	وہ آخری مہدی جس کی بشارت آج سے تیرہ سو برس پہلے رسول کریم ﷺ نے دی تھی وہ میں ہی ہوں۔ (تذکرۃ الشہادتین ص۲، خزائن ج۲۰ ص۴)
مہدویہ کہتے ہیں کہ سید جونپوری وہی مہدی ہے جس کی نسبت محمد بن سیرین نے فرمایا کہ وہ ابوبکر وعمرؓ سے بہتر اور نبی ﷺ کے برابر ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ وہ بعض انبیاء علیہم السلام پر بھی فضیلت رکھتا ہے۔ (ہدیہ مہدویہ ص۲۸۲)	مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا۔ میں وہی مہدی ہوں جس کی نسبت محمد ابن سیرین سے سوال کیا گیا کہ کیا وہ حضرت ابوبکر کے درجہ پر ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ابوبکر تو کیا وہ تو بعض انبیاء سے بھی بہتر ہے۔ (معیار الاخیار ص۱۱، مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۲۷۸)

مہدویہ کہتے ہیں کہ نبوت ورسالت کسبی ہے کہ جب ریاضت ومشقت زیادہ کرتے ہیں تو حاصل ہے۔غرض ان کے نزدیک شرط استحقاق زیادہ مشقت ہے۔ لیکن یہ اہل ایمان کا یہ مذہب نہیں بلکہ یہ فلاسفۂ یونان کا مشرب ہے۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۲۷۸)	میاں (محمود احمد قادیانی خلیفہ ثانی) نے زبانی گفتگو میں یہاں تک بھی فرمادیا کہ اگر میں کوشش کروں تو نبی بن سکتا ہوں اور اگر منشی فاضل جلال الدین (راوی) کوشش کریں تو وہ بھی نبی بن سکتے ہیں۔ (النبوۃ فی الاسلام ص ۱۷۵)
سید محمد جونپوری کے پیروؤں نے اپنی دعوت کی بنیاد امر معروف ونہی منکر پر رکھی۔ ان کے طریقہ کی پہلی شرط یہ تھی کہ ہر حالت میں احکام شریعت کی تبلیغ کریں۔ یہ لوگ جہاں کہیں شہر وبازار میں کوئی نامشروع دیکھتے تو حق احتساب ادا کرتے۔ شیخ علائی مہدوی خاص طور پر آمر معروف ونہی کے منکر تھے۔ (منتخب التواریخ ص ۱۰۷، ۱۰۸)	مسٹر محمد علی میر جماعت مرزائیہ لاہور زیر عنوان احمدیت اشاعت اسلام کی تحریک ہے۔ لکھتے ہیں۔احمدیت کا صحیح مفہوم صرف اسی قدر ہے کہ وہ تبلیغ اسلام کی ایک زبردست تحریک ہے اور جس قدر اس کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ وہ صرف اسی عظیم الشان غرض کو حاصل کرنے کے ذرائع ہیں۔ یہاں تک کہ خود بانی تحریک کے دعاوی کو ماننا بھی بجائے خود ایک مقصد نہیں بلکہ تبلیغ اسلام کے اہم مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ (تحریک احمدیت ص ۱۷۹)
انصاف نامہ کے باب دوم میں لکھا ہے کہ سید محمد جونپوری نے فرمایا کہ میری مہدویت کا انکار کفر ہے اور ملا احمد خراسانی نے سید محمود فرزند مہدی جونپوری سے پوچھا کہ منکرین مہدی کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں کہا کافر کہتا ہوں۔ ملا احمد نے کہا اگر بالفرض میں انکار کروں کہا کہ اگر سلطان العارفین بایزید بسطامیؒ بھی مہدی کا انکار کرے تو وہ کافر ہو جائے۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۱۹۸)	مسیح قادیان کو الہام ہوا جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا وہ جو تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور جو تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے۔ (اشتہار معیار الاخیار ۱۸۹۹ء، مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۲۷۵) مرزا قادیانی نے ڈاکٹر عبدالحکیم خاں مرحوم پٹیالوی کو لکھا تھا۔ "خدائے تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ

	مسلمان نہیں ہے۔" (تذکرہ ص ۶۰۷) "جو شخص میرے مخالف ہیں ان کا نام عیسائی یہودی اور مشرک رکھا گیا۔" (نزول المسیح ص ۴ حاشیہ، خزائن ج ۱۸ ص ۳۸۲)
انصاف نامہ کے باب سوم میں لکھا ہے کہ مہدی جونپوری نے فرمایا کہ ہمارے منکروں کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھی جائے۔ اگر پڑھی ہوں تو اعادہ کرے۔ (ہدیہ مہدویہ ۱۹۸)	مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا کہ جو شخص ہمارا منکر ہے اس کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھی جائے۔ (اربعین نمبر ۳ ص ۳۴ حاشیہ، خزائن ج ۱۷ ص ۴۱۷) اور (فتاویٰ احمدیہ ج ۱ ص ۲۷۶) میں ہے کہ مسیح موعود نے فرمایا کہ جو شخص حج کو جائے وہ مکہ معظمہ اپنی جائے قیام پر ہی نماز پڑھ لے۔
انصاف نامہ کے باب چہارم میں لکھا ہے کہ شہر ٹھٹھہ میں میراں اپنی مہدویت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ایک شخص اپنے لڑکے کے لئے ملتجی دعاء ہوا۔ مہدی جونپوری نے جواب دیا کہ اگر حق تعالیٰ قوت دے تو میں (دعا کی جگہ) تم لوگوں سے جزیہ لوں اور اخوند میر خلیفہ مہدی کہا کرتا تھا کہ منکر لوگ حربی ہیں۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۱۹۸)	مرزا محمود احمد خلیفہ ثانی نے اپنی تقریر میں کہا۔ "جو شخص احمدی نہیں وہ ہمارا دشمن ہے۔ ہماری بھلائی کی صرف ایک صورت ہے کہ ہم تمام دنیا کو اپنا دشمن سمجھیں تاکہ ان پر غالب آنے کی کوشش کریں۔ شکاری (مرزائی) کو کبھی غافل نہ ہونا چاہئے اور اس امر کا برابر خیال رکھنا چاہئے کہ شکار (مسلمان) بھاگ نہ جائے یا ہم پر ہی حملہ نہ کر دے۔" (الفضل ۲۵؍اپریل ۱۹۳۰ء) "ہمارے دشمن مسلمان جنگلوں کے سور ہیں اور ان کی عورتیں کتیوں سے بدتر ہیں۔" (نجم الہدیٰ ص ۵۳، خزائن ج ۱۴ ص ۵۳)
ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد ہوگا اور اس کے شارحین اور نووی لکھتے ہیں کہ دسویں صدی کے سر پر مہدی مجدد ہوں گے اور سید جونپوری کی ذات بھی اسی تاریخ پر ہوئی۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۸۲)	مرزا قادیانی نے لکھا کہ: "انبیاء گذشتہ کے کشوف نے اس بات پر مہر لگادی ہے کہ وہ (مہدی) چودھویں کے سر پر پیدا ہوگا اور نیز یہ کہ پنجاب میں ہوگا۔" (اربعین نمبر ۲ ص ۲۳، خزائن ج ۱۷ ص ۳۷۱)

سید جونپوری نے حکم دیا کہ کسی کے پاس قلیل مال ہو یا کثیر اس کا دسواں حصہ خیرات کرنا اس پر فرض ہے۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۴۸)	مرزا قادیانی نے حکم دیا کہ: ''اس قبرستان میں وہی مدفون ہوگا جو اپنی جائیداد کے دسویں حصہ یا اس سے زیادہ کی وصیت کردے۔'' (الوصیہ ص ۱۷، خزائن ج ۲۰ ص ۳۱۹)
کتب مہدویہ میں لکھا ہے کہ مہدی جونپوری کی عادت تھی کہ جب دعویٰ کرتے تھے تو الفاظ دعویٰ سے تاریخ نکلا کرتی تھی۔ چنانچہ یہاں ''قال من اتبعنی فھو مؤمن'' (فرمایا جس نے میرا اتباع کیا وہ مؤمن ہے) سے تاریخ ۹۰۱ھ کی عیاں ہے۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۹۵)	مرزائے قادیان کی بھی عادت تھی کہ ایسے الفاظ کے عدد نکالنے کے درپے رہتے تھے۔ جن سے وہ کسی طرح سچے سمجھے جاسکیں۔ (ازالہ اوہام ص ۱۸۶، خزائن ج ۳ ص ۱۸۹، ۱۹۰) میں لکھا کہ غلام احمد قادیانی کے اعداد تیرہ سو ہیں اور صرف میرا ہی دعویٰ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ میں ہی اس صدی میں مسیح ہوکر آیا ورنہ تم آسمان سے مسیح کو اتار لاؤ۔
مہدوی لوگ کلام الٰہی کی لفظی ومعنوی تحریف کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ اہل کتاب کا عموماً خصوصاً یہود کا شیوہ ہے اور ہر جگہ تحریف کرتے وقت کہتے ہیں کہ اس سے مراد الٰہی یہ ہے اور تفسیر بالرائے کفر ہے اور ظاہری مطلب کو چھوڑ کر اپنی طرف سے کوئی معنی گھڑ لینا فرقہ باطنیہ کا طریقہ ہے جو نصوص واحکام کو ظاہری معنی پر محمول نہیں سمجھتے۔ بلکہ جو جی میں آتا ہے قرآن وحدیث کے معنی بنا لیتے ہیں۔ حالانکہ	مرزا تحریف وتبدیل میں بالکل فرقہ باطنیہ کا نقش ثانی تھا۔ چنانچہ لکھا کہ علماء کو روحانی کوچہ میں دخل ہی نہیں۔ یہودیوں کے علماء کی طرح ہر ایک بات کو جسمانی قالب میں ڈھالتے جاتے ہیں۔ لیکن ایک دوسرا گروہ (باطنیہ اور مرزائی کا) بھی ہے جو آسمانی باتوں کو آسمانی قانون قدرت کے موافق سمجھنا چاہتے ہیں اور استعارات اور مجازات کے قائل ہیں۔ مگر افسوس کہ وہ بہت تھوڑے ہیں۔ (ازالہ اوہام
یہ فرقہ بالاتفاق گمراہ ہے اور لطف یہ ہے کہ فرقہ باطنیہ کو یہ لوگ بھی گمراہ سمجھتے ہیں۔ لیکن تحریف اور تاویل کاری میں ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۱۷۹)	ص ۸۴، خزائن ج ۳ ص ۱۴۵) مسیح قادیان نے کہا میں قرآن کی غلطیاں نکالنے آیا ہوں۔ (ازالہ اوہام ص ۷۰۹، خزائن ج ۳ ص ۴۸۲)

قرآن حکیم میں ہے۔ اے پیغمبرؐ آپ (جلد یاد کر لینے کی غرض سے وحی کے ساتھ ہی) اپنی زبان کو حرکت نہ دیجئے۔ (کیونکہ آپ کے قلب میں) اس کا جمع کر دینا اور (آپ کی زبان سے) پڑھوا دینا ہمارا کام ہے سو جب جبریل پڑھا کریں تو آپ اس کی متابعت کیجئے۔ پھر (اس قرأۃ کے بعد) اس کا مطلب واضح کرنا بھی ہمارے ذمے ہے۔ جونپوری نے اس آیۃ کی تفسیر میں کہا کہ ثم تراخی کے لئے آتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کا واضح مطلب مہدی کی زبان سے ظاہر ہوگا۔ مہدی جونپوری کے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ اے پیغمبر آپ بالفعل الفاظ قرآن کو تو جبریل سے سیکھ لیجئے۔ لیکن قرآن کا مطلب ومفہوم ہم نو سو سال کے بعد سید محمد جونپوری کی زبان سے ظاہر کریں گے اور تمام امت مرحومہ تو صدیوں تک محروم البیان اور خطائے معنوی میں مبتلا رہے گی۔ (ہدیہ مہدویہ ص۱۲۰،۱۲۳)	''کتاب الٰہی کی غلط تفسیروں نے (جو شارع علیہ السلام اور صحابہؓ سے ارثاً پہنچی تھیں) مولوی لوگوں کو بہت خراب کیا ہے اور ان کے دلی اور دماغی قویٰ پر بہت برا اثر ان سے پڑا ہے۔'' (ازالہ اوہام ص۷۲۲، خزائن ج۳ ص۴۹۲) ''میں قرآن شریف کے حقائق ومعارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں جو اس میں میرا مقابلہ کر سکے۔'' (ضرورۃ الامام ص۲۶، خزائن ج۱۳ ص۲۹۶) ''یہ عاجز اسی کام کے لئے مامور ہے تاکہ غافلوں کے سمجھانے کے لئے قرآن شریف کی اصلی تعلیم پیش کی جائے۔'' (ازالہ اوہام ص۲، خزائن ج۳ ص۱۰۳)
سید جونپوری نے کہا کہ خداتعالیٰ نے بندے (جونپوری) کے وصف پیغمبروں سے بیان فرمائے۔ اس لئے اکثر پیغمبروں کی تمنا تھی کہ میری صحبت میں پہنچیں۔ (ہدیہ مہدویہ ص۲۴۴)	مرزاغلام احمد قادیانی نے لکھا: ''اے عزیزو! اس شخص (مرزاقادیانی) مسیح موعود کو تم نے دیکھ لیا۔ جس کے دیکھنے کے لئے بہت سے پیغمبروں نے خواہش کی۔'' (اربعین نمبر۴ ص۱۳، خزائن ج۱۷ ص۴۴۲)

بابی خوان الحاد سے ریزہ چینی

ہر چند کہ مرزاغلام احمد قادیانی نے اپنے پیشرو مرزاعلی محمد باب کے خوان الحاد سے بہت کچھ ریزہ چینی کی۔ لیکن اس نے اپنی عادت مستمرہ کے بموجب احسان شناسی کے فرض سے

ہمیشہ پہلوتہی کی۔ قادیانی تحریک کے متعلق علامہ سید محسن امین عاملی کا ایک مضمون مئی ۱۹۲۵ء میں ہندوستان کے بعض جرائد میں شائع ہوا تھا۔ جس میں صاحب ممدوح نے لکھا تھا کہ جب مرزا غلام احمد قادیانی کا اعجازی کلام دمشق میں پیش کیا گیا تو اہل دمشق نے صاف کہہ دیا کہ قادیان کا سارا علمی سرمایہ اور استدلال بابیوں کا سرقہ ہے اور یہ کہ اہل قادیان بابیوں کی ناکمل نقل ہیں۔ (کوکب ہند ۷ ارمئی ۱۹۲۵ء) اور ڈاکٹر ایچ ڈی گرس وولڈ نے لکھا کہ جہاد سے دست بردار ہوتا اور جس سلطنت کے زیر سایہ ہوں اس کے حق میں وفاداری اور خیر خواہی کا اظہار کرنا وغیرہ وغیرہ ایسے امور ہیں جن میں ایران کے موجودہ بابی اور ہندوستان کے مرزائی حد درجہ کی مشابہت اور موافقت رکھتے ہیں۔ بلکہ یہ مشابہت اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ خواہ مخواہ یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ دوسرا فرقہ پہلے کی نقل ہے۔ (مرزا غلام احمد قادیانی مؤلفہ ڈاکٹر گرس وولڈ ص ۴۳) اب ذیل میں چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ مرزائیت اور بابیت ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔

مرزا علی محمد باب	مرزا غلام احمد قادیانی
ملا محمد حسین بشرویہ نے کہا کہ مشرق اور مغرب کے تمام سلاطین ہمارے سامنے خاضع و سربسجود ہوں گے۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۶۲)	مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک الہام کے رو سے پیشین گوئی کی کہ: "بادشاہ میرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔" (مجموعہ اشتہارات ج ۱ ص ۱۰۳)
کتاب بیان میں پہلے سے وہ احکام و دستور العمل درج کر دیئے گئے ہیں۔ جن پر مستقبل کی بابی سلطنت کا عمل درآمد ہوگا اور بیان میں صریحاً مذکور ہے کہ وہ وقت ضرور آئے گا کہ سارا ایران بابی ہو جائے گا اور وہاں کا آئین وقانون کتاب بیان کا قانون ہوگا۔ (مقدمہ نقطۃ الکاف) حضرات بابیہ باطنی و روحانی سلطنت کے حکمران ہیں اور ضرور ہے کہ ظاہری سلطنت بھی ان کو پہنچے گی گو ہزار سال ہی کیوں نہ لگ جائے۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۸۲، ۱۸۳)	مسیح موعود نے کہا کہ ساری دنیا میں احمدیت ہی احمدیت پھیل جائے گی۔ (الفضل ۲۸ راگست ۱۹۲۴ء) مرزا محمود احمد قادیانی نے کہا مجھے تو ان غیر احمدی مولویوں پر رحم آیا کرتا ہے۔ جب میں خیال کرتا ہوں کہ جب خدا تعالیٰ احمدیوں کو حکومت دے گا۔ احمدی بادشاہ تختوں پر بیٹھیں گے۔ الفضل کے پرانے فائل نکال کر پیش ہوں گے تو اس وقت ان بیچاروں کا کیا حال ہوگا۔ (الفضل ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۴ء)

مرزا علی محمد باب نے کہا۔ محمد نقطۂ فرقان ہیں اور مرزا علی محمد باب نقطۂ بیان ہے اور پھر دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔ (دیباچہ نقطۃ الکاف)	مسیح قادیان نے لکھا: ''خدا تعالیٰ نے ہر ایک بات میں وجود محمدی میں مجھے داخل کر دیا۔ یہاں تک کہ یہ بھی نہ چاہا کہ یہ کہا جائے کہ میرا کوئی الگ نام ہو یا کوئی الگ قبر ہو۔'' (نزول المسیح ص ۳ حاشیہ، خزائن ج ۱۸ ص ۳۸۱)
تمام انبیاء کرام امی تھے اور مرزا علی محمد باب بھی امی تھا۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۰۹)	مسیح قادیان نے لکھا: ''آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا سو اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ علم دین خدا سے ہی حاصل کرے گا اور قرآن وحدیث میں کسی استاد کا شاگرد نہیں ہوگا۔'' (ایام الصلح ص ۱۴۷، خزائن ج ۱۴ ص ۳۹۴)
مرزا علی محمد باب نے کہا۔ علماء علم وعمل میں مستور اور حب ریاست میں گرفتار ہیں۔ ان لوگوں نے گوش طلب کو نہ کھولا اور نظر انصاف سے نہ دیکھا۔ بلکہ اس کے برعکس ردو اعراض کی زبان کھول دی۔ ان حرمان نصیبوں نے کہا جو کچھ کہا اور کیا جو کچھ کیا۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۰۸، ۱۰۹)	مسیح قادیان نے لکھا: ''یہ مولوی لوگ اس بات کی شیخی مارتے ہیں کہ ہم بڑے متقی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ نفاق سے زندگی بسر کرنا انہوں نے کہاں سے سیکھ لیا ہے۔ کتاب الٰہی کی غلط تفسیروں نے انہیں بہت خراب کیا ہے۔'' (ازالہ ص ۷۲۶ حاشیہ، خزائن ج ۳ ص ۴۹۱) ''یہ لوگ سچائی کے پکے دشمن ہیں۔ راہ راست کے جانی دشمن کی طرح مخالف ہیں۔'' (کشتی نوح ص ۷، خزائن ج ۱۹ ص ۸) ''اور لکھا اے بدذات فرقۂ مولویان اے یہودی خصلت مولویو۔'' (انجام آتھم ص ۲۱ حاشیہ، خزائن ج ۱۱ ص ۲۱)
مؤلف نقطۃ الکاف نے سید یحییٰ سے دریافت کیا کہ تمہارے والد محترم کا حضرت حق (مرزا علی محمد باب) کے متعلق کیا خیال ہے؟ سید یحییٰ نے جواب دیا کہ وہ اس وقت تک	''ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں۔'' (انوار خلافت ص ۹۰) ''اگر کسی احمدی کے والدین غیر احمدی ہوں اور وہ مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔'' (الفضل مورخہ

اظہار توقف کر رہا ہے۔ اس کے بعد کہا میں ذات اقدس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میرا دالد باوجود اس جلالت قدر کے اس ظہور باہر النور پر ایمان نہ لایا تو میں سبیل محبوب میں اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۴۲)	۲؍ مارچ ۱۹۱۵ء) ''اگر کسی غیر احمدی کا چھوٹا بچہ بھی مرجائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔'' (فتاویٰ احمدیہ ج ص ۲۸۳) ''مسیح قادیانی کا ایک بیٹا فوت ہوگیا جو زبانی طور پر آپ کی تصدیق کرتا تھا۔ لیکن مسیح موعود نے اس کا جنازہ نہ پڑھا۔'' (فتاویٰ احمدیہ ص ۲۸۱)
علماء سے مرزا علی محمد باب نے کہا کہ قرآن کی ہر آیۃ میرے دعووں کی تصدیق کرتی ہے۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۳۴)	مسیح قادیان نے لکھا: ''میں زور سے دعویٰ کرتا ہوں کہ قرآن شریف میری سچائی کا گواہ ہے۔'' (تذکرۃ الشہادتین ص ۴۲، خزائن ج ۲۰ ص ۴۴)
مرزا علی محمد باب نے اپنی کتاب بیان میں لکھا تم لوگ یہود کی تقلید نہ کرو۔ جنہوں نے مسیح علیہ السلام کو دار پر چڑھایا اور نصاریٰ کی بھی پیروی نہ کرو۔ جنہوں نے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انکار کیا اور اہل اسلام کی بھی پیروی نہ کرو جو ہزار سال سے مہدی موعود کے انتظار میں سراپا شوق بنے بیٹھے تھے۔ لیکن جب ظاہر ہوا تو اس سے انکار کر دیا۔ (دیباچہ نقطۃ الکاف)	مرزا قادیانی نے لکھا کہ: ''تیرھویں صدی میں وہ لوگ جابجا یہ وعظ کرتے تھے کہ چودھویں صدی میں امام مہدی یا مسیح موعود آئے گا اور کم سے کم یہ کہ ایک بڑا مجدد پیدا ہوگا۔ لیکن جب چودھویں صدی کے سر پر وہ مجدد پیدا ہوا اور خدا تعالیٰ کے الہام نے اس کا نام مسیح موعود رکھا تو اس کی سخت تکذیب کی اور اگر خدا تعالیٰ کے فضل سے گورنمنٹ برطانیہ کی اس ملک ہند میں سلطنت نہ ہوتی تو مدت سے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے معدوم کر دیتے۔'' (ایام الصلح ص ۲۹، خزائن ج ۱۴ ص ۲۵۵)
حضرت قائم علیہ السلام (مرزا علی محمد باب) کا ظہور بھی جناب محمد رسول اللہ ہی کی رجعت ہے۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۷۳)	مسیح قادیان نے لکھا: ''میری طرف سے کوئی نیا دعویٰ نبوت اور رسالت کا نہیں۔ بلکہ میں نے محمدی نبوت کی چادر کو ہی ظلی طور پر اپنے اوپر لیا ہے۔'' (نزول المسیح ص ۳، خزائن ج ۱۸ ص ۳۸۱)

عارف باللہ اور عبد منصف کے لئے تو سارا قرآن حضرت قائم علیہ السلام (مرزا علی محمد باب) کی عظمت شان کی باطنی تفسیر ہے۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۷۳)	مسیح قادیان نے لکھا: ''میں زور سے دعویٰ کرتا ہوں کہ قرآن شریف میری سچائی کا گواہ ہے۔'' (تذکرۃ الشہادتین ص ۴۲، خزائن ج ۲۰ ص ۴۴)
اہل ظاہر کی ظاہری الفاظ پر نظر ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے مصداق کو نہیں پاتے۔ حالانکہ وہاں اس کا باطن مراد ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باطن تک پہنچنا ہر بے سروپا کا کام نہیں۔ بلکہ یہ ایک جلیل القدر منصب ہے۔ جس کا مقام فرشتہ یا نبی یا مؤمن ممتحن سے قرین ہے اور آج کل مؤمن ممتحن ہی کہاں ملتا ہے اور یہ کس کی مجال ہے کہ اتنا بڑا دعویٰ کرے۔ پس ظہور مہدی علیہ السلام کی جو علامتیں حدیثوں میں مذکور ہیں۔ ان سے ان کا باطن مراد ہے اور چونکہ اکثر اہل آخرالزمان ظاہر میں واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے حدیثوں کا مطلب نہیں سمجھتے۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۸۲، ۱۸۳)	مسیح قادیان نے لکھا: ''لیکن مشکل تو یہ ہے کہ روحانی کوچہ میں ان (علماء) کو دخل ہی نہیں۔ یہودیوں کے علماء کی طرح ہر ایک بات کو جسمانی قالب میں ڈھالتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن ایک دوسرا گروہ (مرزائیوں کا) بھی ہے۔ جن کو خداتعالیٰ نے یہ بصیرت اور فراست عطاء کی ہے کہ وہ آسمانی باتوں کو آسمانی قانون قدرت کے موافق سمجھنا چاہتے ہیں اور استعارات اور مجازات کے قائل ہیں۔ لیکن افسوس کہ وہ لوگ بہت تھوڑے ہیں۔'' (ازالہ ص ۸۴، خزائن ج ۳ ص ۱۴۵) ہر ایک استعارہ کو حقیقت پر حمل کر کے اور ہر ایک مجاز کو واقعیت کا پیرایہ پہنا کر ان حدیثوں کو ایسے دشوار گذار راہ کی طرح بنایا گیا جس پر کسی محقق معقول پسند کا قدم نہ ٹھہر سکے۔ مسیح قادیان نے لکھا۔ میری کلام نے وہ معجزہ دکھلایا کہ کوئی مقابلہ نہیں کر سکا۔'' (نزول المسیح ص ۱۳۲، خزائن ج ۱۸ ص ۵۱۰)
مرزا علی باب نے کہا میں تفسیر آیات واحادیث ائمہ اطہار کے ساتھ ظاہر ہوا ہوں۔ میرے کلمات فصاحت ظاہری وباطنی کو متضمن ہیں۔ پانچ ساعت میں بدوں تفکر وسکوت ہزار بیت لکھ دیتا ہوں۔ میرے سوا کسی کو یہ قدرت	مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا کہ: ''خداتعالیٰ کے تائیدی نشانوں میں سے ایک یہ ہے کہ میں فصیح بلیغ عربی میں تفسیر لکھ سکتا ہوں اور مجھے خداتعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا ہے کہ میرے بالمقابل بیٹھ کر کوئی دوسرا شخص خواہ وہ مولوی ہو یا گدی

نہیں دی گئی۔ اگر کسی کو دعویٰ ہو کہ میری طرح وہ بھی ای ہے تو وہ میرے جیسا کلام پیش کرے۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۰۷)	نشین ایسی تفسیر ہرگز نہیں لکھ سکے گا۔" (نزول المسیح ص ۵۳ حاشیہ، خزائن ج ۱۸ ص ۴۳۱)
ملا محمد علی محمد نے بیان کیا کہ مسلمانوں کا ہزار سال سے یہ عقیدہ چلا آتا تھا کہ ان کا جو امام غائب ہو گیا تھا وہ ظاہر ہو گا۔ کافر، مسلمین برابر منتظر تھے۔ اب ہم لوگ (بابی) کہتے ہیں کہ امام منتظر ظاہر ہو گیا ہے اور وہ مرزا علی محمد باب ہے۔ لیکن یہ نادان ہماری تکذیب کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ احادیث ہی کو جو باب علیہ السلام کے حق میں وارد ہوئی ہیں۔ محک حق وباطل بنا لو مگر کچھ التفات نہیں کرتے۔ ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ اچھا بابی حضرات کے علم وعمل تقویٰ وطہارت تدین توجہ الی اللہ زہد وایثار تجمل وانقطاع کو غیر بابیوں کے علم وعمل سے مقابلہ کر لو وہ کچھ جواب نہیں دیتے۔ ہم نے بارہا مباہلہ کی دعوت دی۔ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں مباہلہ جائز نہیں۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۳۰)	مسیح قادیان نے لکھا: "دیکھو آسمان نے خسوف کسوف کے ساتھ گواہی دی اور تم نے پرواہ نہیں کی اور زمین نے غلبہ صلیب اور نجاست خوروں کے نمونہ سے گواہی دی اور تم نے پرواہ نہیں کی اور خدا تعالیٰ کے پاک اور بزرگ نبی کی عظیم الشان پیش گوئیاں گواہوں کی طرح کھڑی ہو گئیں اور تم نے ذرہ التفات نہیں کی۔" (ایام الصلح ص ۹۱، خزائن ج ۱۴ ص ۳۲۸) "بڑا افسوس ہے کہ خدا کی طاقت کھلے طور پر میری تائید میں آسمان سے نازل ہو رہی ہے۔ مگر یہ لوگ شناخت نہیں کرتے۔ امت ضعیفہ کی ضرورت پر نظر نہیں ڈالتے۔ صلیبی غلبہ کا مشاہدہ نہیں کرتے اور ہر روز ارتداد کا گرم بازار دیکھ کر ان کے دل نہیں کانپتے اور جب ان کو کہا جائے کہ عین ضرورت کے وقت میں عین صدی کے سر پر غلبہ صلیب کے ایام میں یہ مجدد آیا تو کہتے ہیں کہ حدیثوں میں ہے کہ اس امت میں تیس دجال آئیں گے۔" (نزول المسیح ص ۳۳، خزائن ج ۱۸ ص ۴۱۱)
مرزا علی محمد باب کا دعویٰ تھا کہ میں رسول اللہ کی رجعت اور مہدی موعود ہوں۔ ائمہ دین نے میرے حق میں بہت سی پیشین گوئیاں کی ہیں۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۵۲)	مسیح قادیان نے لکھا: "ہاں میں وہی ہوں جس کا سارے نبیوں کی زبان پر وعدہ ہوا اور پھر خدا نے ان کی معرفت بڑھانے کے لئے منہاج نبوت پر اس قدر نشانات ظاہر کئے کہ لاکھوں

	انسان ان کے گواہ ہیں۔ (فتاویٰ احمدیہ ج۱ ص۵۱)
امام جامع اصفہان نے مرزا علی محمد باب سے سوال کیا کہ تمہاری حقیقت کی کیا دلیل ہے؟ کہنے لگا میری آیت صدق یہ ہے کہ میں ہر موضوع پر چھ ساعت میں ہزار بیت قلم برداشتہ بلاغور وفکر لکھ دیتا ہوں۔ امام نے کہا اچھا سورۂ کوثر کی تفسیر ہمارے سامنے لکھو۔ باب نے چھ ساعت میں ہزار بیت لکھ دیئے۔ امام جامع اصفہان کو یقین ہوگیا کہ یہ قوت منجانب اللہ ہے۔ (نقطۃ الکاف ص۱۱۶)	مرزا قادیانی نے لکھا کہ: ”میں خاص طور پر خداتعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشاء پردازی کے وقت بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں۔ کیونکہ جب میں عربی میں یا اردو میں کوئی عبارت لکھتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی اندر سے مجھے تعلیم دے رہا ہے۔“ (نزول المسیح ص۵۶، خزائن ج۱۸ ص۴۳۴) ”جس قدر متفرق کتابوں میں اسرار اور نکات دینی خداتعالیٰ نے میری زبان پر باوجود نہ ہونے کسی استاد کے جاری کئے ہیں اور جس قدر میں نے باوجود نہ پڑھنے علم ادب کے بلاغت اور فصاحت کا نمونہ دکھایا ہے۔ اس کی کوئی نظیر نہیں۔“ (ایام الصلح ص۱۵۸، خزائن ج۱۴ ص۴۰۶)
باب نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے وقت انجیل کا درخت لگایا گیا تھا۔ اس وقت اسے کمال نصیب نہ ہوا تھا۔ البتہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت پر اسے کمال نصیب ہوا۔ اسی طرح قرآن کا درخت تو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لگا۔ لیکن اس کا کمال ۱۲۷۰ھ میں ہوا۔ (مقدمہ نقطۃ الکاف ص الاولی)	مسیح قادیان نے لکھا: ”جس طرح پہلی رات کا چاند کی روشنی کی وجہ سے ہلال اور چودھویں کا کمال روشنی کی وجہ سے بدر کہلاتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ صدی اول میں ہلال اور میں چودھویں صدی میں بدر منیر ہوں۔“ (خطبہ الہامیہ ص۱۷۷،۱۸۵، خزائن ج۱۶ ص۲۶۶ تا ۲۷۶)
باب کے احکام توحید وتفرید الٰہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تمام مال حضرت باب کے مال ہیں۔ دنیا کے تمام مرد باب کے غلام اور تمام عورتیں آپ کی لونڈیاں ہیں۔ جتنا مال چاہتے ہیں اتنا لوگوں کو عطاء فرماتے ہیں۔ جتنا چاہتے ہیں لے لیتے ہیں۔“ قل اللہم مالک الملک	مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا کہ: ”ریل گاڑی بوجہ ملکیت اور قبضہ اور تصرف تام اور ایجاد دجالی گروہ کے دجال کا گدھا کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ جب کہ مسیح موعود قاتل دجال ہے۔ یعنی روحانی طور پر تو بموجب حدیث ”من قتل قتیلا“ کے جو کچھ دجال (انگریز اور دوسری یورپی

تؤتی الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء" (نقطۃ الکاف ص ۱۵۱)	اقوام) کا ہے وہ سب مسیح کا ہے۔" (ازالہ اوہام ص ۸۴۰ خزائن ج ۳ ص ۵۵۵)
مرزا علی محمد باب نے کہا دنیا کے تمام ادیان وملل کو ایک ہو جانا چاہئے۔ ہماری یہ آرزو ہے کہ دنیا کے تمام لوگوں کو بھائی بھائی دیکھیں۔ (دیباچہ نقطۃ الکاف مؤلفہ پروفیسر براؤن)	"حضرت مسیح موعود دنیا کو دین واحد پر جمع کرنے کے لئے آئے تھے۔ آپ کے مقصد اتحاد میں لاشرقیہ ولامغربیۃ کی شان ہے۔ وہاں مشرق مغرب بلکہ کل دنیا کو ایک دین پر جمع کرنا ہے۔" (الفضل ۲۷ ستمبر ۱۹۲۴ء)
مرزا علی محمد باب نے کہا میں جو کچھ کہتا ہوں۔ منجانب اللہ کہتا ہوں میں حرام وحلال کے متعلق جو حکم کروں۔ اسے حکم الٰہی یقین کرو اور اس سے اعراض وانکار نہ کرو۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۰۹)	مسیح قادیان نے کہا میری شان میں ہے۔ "وما ینطق عن الهوی" یعنی مرزا قادیانی اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتا۔ بلکہ جو کچھ کہتا ہے۔ منجانب اللہ کہتا ہے۔" (اربعین نمبر ۳ ص ۳۶ خزائن ج ۱۷ ص ۴۲۵)
جب مرزا علی محمد باب کے حواری ملا محمد علی کو گرفتار کر کے شہر بارفروش میں لے گئے تو وہ غضبناک شہریوں میں سے جس کسی کے پاس سے گزرتا۔ اسے ایک دو طمانچے یا گھونسے رسید کر دیتا۔ لوگوں نے اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ مدرسوں کے طلبہ آ آ کر اس کے منہ پر تھوکتے اور گالیاں دیتے تھے۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۹۸)	ایک مرزائی نامہ نگار لکھتا ہے کہ: "ہم (مرزا قادیانی کے ساتھ) گنتی کے چند آدمی تھے۔ جدھر کو نکلتے لوگ اشارے کرتے اور گالیاں دیتے۔ ہمارے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ دل بیٹھے جاتے تھے۔ نمازوں میں چیخیں نکل نکل جاتی تھی۔ زمین درندوں کی طرح کھانے کو آتی تھی۔" (الفضل ۲۶ مئی ۱۹۳۱ء)
ایک بابی کا بیان ہے کہ راستہ میں آنجناب (مرزا علی محمد باب) سے بہت سے خوارق عادات (معجزات) ظہور میں آئے اور خدا کی قسم ہم نے تو خوارق عادات کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۱۴)	مسیح قادیان نے لکھا: "پنجاب کے لوگوں نے بڑی سنگدلی ظاہر کی۔ خدا کے کھلے کھلے نشان دیکھے اور انکار کیا۔ وہ نشان (معجزات) جو ملک میں ظاہر ہوئے جن کے ہزاروں بلکہ لاکھوں انسان گواہ ہیں جو ڈیڑھ سو سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔ لیکن اس ملک

کے لوگ ابھی تک کہے جاتے ہیں کہ کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا۔" (نزول المسیح ص ۲۶ خزائن ج ۱۸ ص ۴۰۴)	
مسیح قادیان نے لکھا: "بارہ ہزار کے قریب اشتہارات دعوت اسلام رجسٹری کرا کر تمام قوموں کے پیشواؤں، امیروں اور والیان ملک کے نام روانہ کئے۔ شہزادہ ولی عہد اور وزیراعظم انگلستان گلیڈ سٹون اور جرمن وزیراعظم پرنس بسمارک کے نام بھی روانہ کئے۔ (ازالہ اوہام ص ۱۱۴ حاشیہ، خزائن ج ۳ ص ۱۵۶)	مرزا علی محمد باب نے لوگوں کو اپنی مہدویت قبول کرنے کی دعوت دی۔ اپنے قاصد اسلامی بلاد کو روانہ کئے اور سلاطین عالم اور علماء ملل کے نام مراسلے ارسال کئے اور اطراف عالم میں نوشتے بھیجے۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۰۹، ۲۱۲)

ڈاکٹر گرس وولڈ نے لکھا ہے کہ: "ہندوستان کی احمدی جماعت کا کئی حیثیتوں سے بابی جماعت سے مقابلہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ مرزا علی محمد باب کی دعوت کلیم چھ سال یعنی ۱۸۴۴ء سے ۱۸۵۰ء تک رہی اور یہ چھ برس بھی زیادہ تر قید خانہ ہی میں گذرے اور آخر کار قتل کیا گیا اور حکومت ایران نے اس کے پیروؤں پر بڑی سختیاں کیں تاہم بابی جماعت اس قدر بڑھی کہ صرف ایران ہی کے اندر بابیوں کی تعداد پانچ لاکھ سے دس لاکھ تک ہے اور لارڈ کرزن کے نزدیک ان کی تعداد دس لاکھ ہے۔" (مرزا غلام احمد قادیانی ص ۴۲)

بہائی چشمۂ زندقہ سے سیرابی

جس طرح مرزا قادیانی نے مہدویوں اور بابیوں کے چبائے ہوئے نوالوں کو اپنے خوان الحاد کی زینت بنالیا تھا۔ اسی طرح وہ بہائی سفرۂ زندقہ کے پس انداز سے بھی خوب شکم سیر ہوا۔ ڈاکٹر گرس وولڈ نے لکھا ہے کہ: "بہائیوں کے نزدیک بہاء اللہ ہی مسیح موعود ہے۔ جو اپنے وعدے کے موافق دوسری دفعہ آیا ہے اور چونکہ ان کے نزدیک رجعت ثانی ظہور اوّل سے زیادہ کامل ہوتی ہے۔ اس لئے بہاء اللہ مسیح علیہ السلام سے افضل واعلیٰ ہے۔ بہاء اللہ نے ۱۸۹۲ء میں وفات پائی اور اس کا بیٹا عبدالبہاء جو آج کل بہائی جماعت کا سرگروہ ہے۔ اس کا جانشین ہوا۔ عبدالبہاء اس بات کا مدعی ہے کہ میری ہستی وہی ہے جو میرے باپ کی تھی۔ اس لئے اس کے تمام القاب اور کمالات مجھ میں ودیعت ہیں۔ چنانچہ وہ عبدالبہاء اور بہاء اللہ دونوں ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اس کی دیکھا دیکھی دوگونہ دعویٰ کئے اور اس حیثیت سے عبدالبہاء اور مرزا غلام احمد

قادیانی کے دعووں میں بال بھر کا فرق نہیں۔ وہ احمد کا خادم (غلام احمد) بھی ہے اور ساتھ احمد موعود بھی بنتا ہے۔ ایران میں مرزا علی محمد باب نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور بہاء اللہ مسیح موعود ہونے کا دعویدار بنا۔ لیکن مرزا غلام احمد قادیانی نے باب اور بہاء دونوں کے عہدے لے کر مہدویت اور مسیحیت کا مشترکہ تاج اپنے سر پر رکھ لیا۔" (مرزا غلام احمد ص ۴۳، ۴۴)

بہر حال مرزا غلام احمد قادیانی نے بہاء اللہ کے بیانات ودعاوی سے جو اکتساب کیا وہ ذیل میں ملاحظہ ہو۔

بہاء اللہ	مرزا غلام احمد قادیانی
اگر کوئی شخص خدا پر افتراء باندھے کسی اپنے کلام کو اس کی طرف منسوب کرے تو خدائے تعالیٰ اس کو جلد پکڑتا اور ہلاک کر دیتا ہے اور مہلت نہیں دیتا اور اس کے کلام کو زائل کر دیتا ہے۔ چنانچہ سورۂ مبارکہ حاقہ میں فرماتا ہے۔ "ولو تقول علینا بعض الاتاویل لاخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین" اور اگر یہ پیغمبر ہماری طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے پھر ان کی رگ جان کاٹ ڈالتے۔	"میرے دعویٰ الہام پر تیئس سال گذر گئے اور مفتری کو اس قدر مہلت نہیں دی جاتی۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔" ولو تقول علینا بعض الاتاویل لاخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین "پھر کیا یہی خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ ایسے کذاب بیباک مفتری کو جلد نہ پکڑے۔ یہاں تک کہ اس افتراء پر تیئس سال سے زیادہ عرصہ گذر جائے۔ توریت اور قرآن دونوں گواہی دے رہے ہیں کہ خدا پر افتراء کرنے والا جلد تباہ ہو جاتا ہے۔" (اربعین نمبر۴ ص ۱۱۷، خزائن ج ۱۷ ص ۴۳۰، انجام آتھم وغیرہ)
حضرت بہاء اللہ نے علمائے آخر الزمان کے متعلق فرمایا ہے۔ "شر تحت ادیم السماء منهم خرجت الفتنة والیهم تعود" علماء آسمان کے نیچے سب سے برے لوگ ہیں۔ انہی سے فتنے اٹھے اور انہی کی طرف عود کریں گے۔ (مقالہ سیاح ص ۱۳۳، ۱۷۱)	مرزا قادیانی نے لکھا کہ حدیث میں ہے کہ اس زمانہ کے مولوی اور محدث اور فقیہ ان تمام لوگوں سے بدتر ہوں گے جو روئے زمین پر رہتے ہوں گے۔ (تبلیغ رسالت ج ۲ ص ۱۳۱، مجموعہ اشتہارات ج ۱ ص ۳۵۳) "اے بدذات فرقۂ مولویان۔" (انجام آتھم ص ۲۱ حاشیہ، خزائن ج ۱۱ ص ۲۱)

خدا کے مظہر برابر آتے رہیں گے۔ کیونکہ فیض الٰہی کبھی معطل نہیں رہا اور نہ رہے گا۔ (مقدمہ نقطۃ الکاف) قرآن پاک کی آیۃ "یابنی ادم اما یاتینکم رسول منکم یقصون علیکم ایاتی" میں صراحۃً مستقبل کی خبر دی ہے۔ کیونکہ لفظ یاتینکم کو نون تاکید سے مؤکد کیا ہے اور فرمایا کہ تمہارے پاس ضرور رسول آتے رہیں گے۔ (کتاب الفرائد ص ۳۱۵)	سورۂ اعراف میں فرمایا ہے۔ "یابنی ادم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم ایاتی" اے بنی آدم تمہارے پاس ضرور رسول آتے رہیں گے۔ یہ آیۃ آنحضرت پر نازل ہوئی۔ اس میں تمام انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ یہاں یہ نہیں لکھا کہ ہم نے گزشتہ زمانہ میں یہ کہا تھا۔ سب جگہ آنحضرت اور آپ کے بعد کے زمانہ کے لوگ مخاطب ہیں۔ غرض یاتینکم کا لفظ استمرار پر دلالت کرتا ہے۔
"وبالاخرۃ ھم یوقنون" یعنی اس وحی پر بھی یقین رکھتے ہیں جو اخیر زمانہ میں نازل ہوگی۔ (بحر العرفان ص ۱۴۱)	"وبالاخرۃ ھم یوقنون" "اس وحی پر بھی یقین رکھتے ہیں جو آخری زمانہ میں مسیح موعود (مرزا قادیانی) پر نازل ہوگی۔" (سیرۃ المہدی ج ۲ ص ۱۸۴)
صحیح بخاری کی حدیث میں ہے۔ "ویضع الحرب" یعنی مسیح آ کر جہاد کو برطرف کر دے گا۔ (بہجۃ الصدور ص ۸۸) بہاء اللہ کے مرید جہاد کے قائل نہیں اور نہ کسی غازی مہدی پر ایمان رکھتے ہیں۔ (الحکم ۱۷ فروری ۱۹۰۵ء ص ۵) بہاء اللہ نے قتل کو حرام لکھا ہے۔ (حضرت بہاء اللہ کی تعلیمات ص ۲۲) بہاء اللہ نے لکھا ہے اے اہل توحید کمر ہمت مضبوط باندھ کر کوشش کرو کہ مذہبی لڑائی (جہاد) دنیا سے محو ہو جائے۔ حباً للہ اور بندگان خدا پر رحم کر کے اس امر خطیر پر قیام کرو اور اس نار عالم سوز سے خلق خدا کو نجات دو۔ (مقالہ سیاح ص ۹۴)	اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال اب آ گیا مسیح جو دیں کا امام ہے دیں کے تمام جنگوں کا اب اختتام ہے اب آسمان سے نور خدا کا نزول ہے اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے کیوں چھوڑتے ہو لوگو نبی کی حدیث کو جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اس خبیث کو کیوں بھولتے ہو تم یضع الحرب کی خبر کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۲۶، ۲۷، خزائن ج ۱۷ ص ۷۷، ۷۸) "میں کسی خونی مہدی اور خونی مسیح کے آنے کا منتظر نہیں۔" (مجموعہ اشتہارات ج ۲ ص ۱۲۳)

"لوکان الایمان معلقاً بالثریا" والی حدیث صاف طور پر حضرت بہاء اللہ کے متعلق ہے۔ کیونکہ وہ ایران کے دارالسلطنت طہران کے قریب ایک موضع میں جس کا نام نور ہے پیدا ہوئے۔ موضع نور میں ایران کے کیانی بادشاہوں کی نسل میں ایک خاندان آباد تھا۔ بہاء اللہ اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ (کوکب ہند)	مرزا کا ایک الہام ہے۔ "خذوا التوحید التوحید یا ابناء الفارس" "توحید کو پکڑو توحید کو پکڑو۔ اے فارس کے بیٹو۔ دوسرا الہام یہ ہے۔ "لوکان الایمان معلقاً بالثریا لناله رجل من فارس" "اگر ایمان ثریا سے بھی معلق ہوتا تو یہ مرد جو فارسی الاصل ہے (مرزا قادیانی) اس کو وہیں جا کر لے لیتا۔" (کتاب البریہ ص ۱۳۳، ۱۳۵، خزائن ج ۱۳ ص ۱۶۲، ۱۶۳)

مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے اعوان پر نیچریت کا رنگ

جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی مہدویت اور بابیت کی نالیوں سے سیراب ہوتا رہا تھا۔ اسی طرح اس نے نیچریت کے گھاٹ سے بھی دہریت کی پیاس بجھائی تھی۔ نیچری مذہب کے بانی سر سید احمد خان علی گڑھی تھے۔ یہ مذہب آج کل ہندوستان میں بالکل ناپید ہے۔ اس کے اکثر پیرو تو مرزائیت میں مدغم ہو گئے اور جو بچے وہ ۱۹۱۲ء، ۱۹۱۳ء کی جنگ بلقان کے بعد از سر نو اسلامی برادری میں داخل ہو گئے۔ نیچری مذہب بالکل دہریت سے ہمکنار تھا۔ مغیبات کا انکار اس مذہب کا اولین اصول تھا۔ وہ عقائد جو اہل اسلام کو مشرکین سے ممیز کرتے ہیں اور جن میں یہود و نصاریٰ بھی مسلمانوں سے متفق ہیں۔ مثلاً وحی، ملائکہ، نبوت، جنت و نار، حشر و نشر، معجزات وغیرہ ہم نیچریوں کو قطعاً تسلیم نہ تھے۔ سر سید احمد خاں نے تفسیر القرآن کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں اسلامی تعلیمات کو موڑ توڑ کر یہ کوشش کی تھی کہ اسلام کے ہر عقیدہ و اصول کو الحاد و دہریت کی قامت پر راست لایا جائے۔ سید احمد خاں نے نبوت اور وحی کو ایک ملکہ قرار دیا۔ چنانچہ لکھا کہ لوہار بھی اپنے فن کا پیغمبر ہے۔ شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ ایک طبیب بھی فن طب کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے اور جس شخص میں اخلاق انسانی کی تعلیم و تربیت کا ملکہ بمقتضاء اس کی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے۔ خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکہ کے جس کو زبان شرع میں جبریل کہتے ہیں اور کوئی ایلچی پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔ اس کا دل ہی وہ ایلچی ہوتا ہے جو خدا کے پاس پیغام لے جاتا ہے اور خدا کا پیغام لے کر آتا ہے۔ خود اسی کے دل سے فوارہ کی مانند وحی اٹھتی ہے اور خود اسی پر نازل ہوتی ہے۔ (تفسیر احمدی ج ۱ ص ۲۳) جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصل وجود نہیں ہو سکتا۔ ملکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور

ان قویٰ کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کیے ہیں۔ ملک یا ملائکہ کہا ہے۔ جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔ (تفسیر احمدی ج ا ص ۴۲) نبوت بطور ایک ایسے منصب کے نہیں ہے جیسے کہ کوئی بادشاہ کسی کو کوئی منصب دے دیتا ہے۔ بلکہ نبوت ایک فطری امر ہے اور جس کی فطرت میں خدا نے ملکۂ نبوت رکھا ہے۔ وہی نبی ہوتا ہے۔ (تفسیر احمدی ج ۳ ص ۴۹) مرزا غلام احمد قادیانی بھی سرسید احمد خاں سے استفادہ کرتا رہتا تھا اور میرا خیال ہے کہ ان کے باہم خط و کتابت بھی جاری تھی۔ میاں بشیر احمد ایم اے بن مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے کہ مراد بیگ جالندھری نے مرزا قادیانی سے بیان کیا کہ سرسید احمد خان نے توراۃ و انجیل کی تفسیر لکھی ہے۔ آپ ان سے خط و کتابت کریں۔ آپ پادریوں سے مباحثہ کرنا بہت پسند کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں آپ کو ان سے بہت مدد ملے گی۔ چنانچہ مرزا قادیانی نے سرسید کو عربی میں خط لکھا۔ (سیرۃ المہدی ج ا ص ۱۳۸) مرزا غلام احمد قادیانی نے مرزائیت کا ڈھونگ رچانے کے بعد بجز ان عقائد کے جن کے بغیر تقدس کی دکانداری کسی طرح چل نہیں سکتی تھی۔ تمام نیچری اصول کو بحال رکھا۔ میاں محمد علی امیر جماعت مرزائیہ لاہور نے مرزائیت کو نیچریت سے ممیز کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ''عیسائی مؤرخین نے احمدیت کو اسلام پر یورپین خیالات کے اثر کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ مگر ہندوستان کی تاریخ حاضرہ میں ہم کو دو الگ الگ تحریکات نظر آتی ہیں۔ یعنی ایک وہ تحریک جس کا تعلق سرسید احمد خاں سے ہے اور دوسری وہ تحریک جس کا تعلق مرزا غلام احمد قادیانی سے ہے۔ جہاں تک سرسید کے مذہبی خیالات کا سوال ہے اور جن کو تحقیر کے رنگ میں نیچریت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان دونوں تحریکوں میں ایک بیّن فرق نظر آتا ہے۔ سرسید نے بھی اسلام کے مسائل کو معقولی (یعنی عقلی) رنگ میں حل کرنے کی کوشش کی اور مرزا قادیانی نے بھی ان مسائل کا معقولی رنگ ہی پیش کیا ہے۔ مگر سرسید کی مذہبی تحریک نے یورپین خیالات کی غلامی کا رنگ اختیار کر لیا اور مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریک یورپ کو اسلام کے ماتحت لانے کے لئے تھی۔'' (تحریک احمدیت ص ۲۱۱) مگر مرزا کی تحریک یورپ کو اسلام کے ماتحت کہاں تک لے آئی؟ اس کی تائید ان پچاس الماریوں سے ہو سکتی ہے جو مرزا قادیانی نے اپنے یورپی حکام کی خوشامد میں تالیف کیں۔ میر عباس علی لدھیانوی نے جو مرزائیت کے سب سے پہلے غاشیہ بردار تھے۔ مرزائیت اور نیچریت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا تھا: ''اس وقت جو فیصلہ میری طبیعت نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ مرزا قادیانی صاف اور قطعی طور پر نیچری ہیں۔ معجزات انبیاء و کرامات اولیاء سے مطلق انکار رکھتے ہیں۔ معجزات اور کرامات کو مسمریزم، قیافہ، قواعد طب یا دستکاری پر مبنی جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک خرق عادت جس کو سب

اہل اسلام خصوصاً اہل تصوف نے مانا ہے کوئی چیز نہیں۔ سید احمد خاں اور مرزا غلام احمد قادیانی کی نیچریت میں بجز اس کے اور کوئی فرق نہیں کہ وہ بلباس جاکٹ و پتلون ہیں اور یہ بلباس جبہ دوستار (اشاعۃ السنہ) چونکہ سرسید نے اپنے الحاد و زندقہ کی دکان کو خوب آراستہ کر رکھا تھا۔ اس لئے نہ صرف خود مرزا قادیانی کا بلکہ اس کے پیروؤں کا بھی یہ معمول تھا کہ ان ملحدانہ عقائد کی تشریحات کو جو مرزا قادیانی نے سرسید سے لئے تھے سرسید کی کتابوں سے نقل کر کے اپنا لیا کرتے تھے اور اس خوف سے کہ لوگ نیچریت سے مطعون نہ کریں۔ ان مضامین کو سرسید کی طرف منسوب کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ لاہور کے ماہوار مسیحی رسالہ تجلی نے لکھا تھا کہ اس وقت دو قادیانی رسالے ہمارے سامنے ہیں۔ (تشحیذ الاذہان ماہ دسمبر ۱۹۰۷ء، ریویو آف ریلیجنز ماہ فروری ۱۹۰۸ء) جن میں بلا اعتراف اور بلا حوالہ وہ ساری بحث سرقہ کر لی گئی جو معجزات مسیح پر سرسید نے اپنی تفسیر میں کی تھی وہی دلائل ہیں۔ وہی اقتباسات، وہی آیات، وہی تاویلات، وہی نتائج ہیں۔ ہاں بدتمیزی و بے شعوری جو اس طائفہ کا خاصہ ہے مزید براں ہے۔ سرسید کی آزاد خیالیوں نے مرزا قادیانی کے لئے اس کا مجوزہ راستہ بہت آسان کر دیا تھا۔ سرسید نے واقعۂ صلیب کا جو نقشہ اپنی تفسیر (ج ۲ ص ۳۸) میں پیش کیا مرزا قادیانی نے اسی پر وحی الٰہی کا رنگ چڑھا کر اس پر بڑی بڑی خیالی عمارتیں تعمیر کرنی شروع کر دیں۔ جب تک مرزا قادیانی نے یہ تحریریں نہیں پڑھی تھیں۔ براہین کے حصہ چہارم تک برابر حیات مسیح علیہ السلام کا قائل رہا۔ لیکن جب نیچریت کا رنگ چڑھنا شروع ہوا یا یوں کہو کہ نیچریت کا یہ مسئلہ مفید مطلب نظر آیا تو نہ صرف اپنے سابقہ الہامات کے گلے پر چھری چلانی شروع کر دی بلکہ عقیدۂ حیات مسیح علیہ السلام کو (معاذ اللہ) شرک بتانے لگا۔ جس کے یہ معنی تھے کہ وہ پچاس سال کی عمر تک باوجود صاحب وحی ہونے کے مشرک ہی چلا آتا تھا۔ جن مسئلوں میں مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیرو نیچریت کے زیر بار احسان ہیں۔ ان میں سے چند مسائل ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

سرسید احمد خاں	مرزا قادیانی اور مرزائی
حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیماروں پر دم ڈالتے اور برکت دیتے تھے۔ لوگ ان کے ہاتھوں کو برکت لینے کے لئے چومتے تھے۔ یہ خیال غلط ہے کہ اس طرح کرنے سے اندھے آنکھوں والے اور کوڑھی اچھے ہو جاتے تھے۔ خدا نے	’’مسیح کے ایسے عجائب کاموں میں اس کو طاقت بخشی گئی تھی۔ وہ ایک فطری طاقت تھی جو ہر ایک فرد بشر کی فطرت میں مودع ہے۔ مسیح سے اس کی کچھ خصوصیت نہیں۔ چنانچہ اس باب کا تجربہ اس زمانہ میں ہو رہا ہے۔ حضرت مسیح کے

انسان میں ایک ایسی قوت رکھی ہے جو دوسرے انسان میں اور دوسرے انسان کے خیال میں اثر کرتی ہے۔ اس سے ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں جو نہایت عجیب وغریب معلوم ہوتے ہیں۔	مسمریزم سے وہ مردے جو زندہ ہوتے یعنی وہ قریب المرگ آدمی جو گویا نئے سرے سے زندہ ہوتے تھے۔ وہ بلاتوقف چند منٹ میں مرجاتے تھے۔ کیونکہ بذریعہ عمل الترب
اسی قوت پر اس زمانہ میں ان علوم کی بنیاد قائم ہوئی ہے۔ جو مسمریزم اور اسپریچوایلزم کے نام سے مشہور ہے۔ مگر جب کہ وہ ایک قوت ہے۔ قوائے انسانی میں سے اور ہر ایک انسان میں بالقوہ موجود ہے تو اس کا کسی انسان سے ظاہر ہونا معجزہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ تو فطرت انسانی میں سے انسان کی ایک فطرت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تمام لوگوں کو کوڑھی ہوں یا اندھے خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کی منادی کی تھی۔ یہی ان کا کوڑھیوں اور اندھوں کو اچھا کرنا تھا۔ (تفسیر احمدی ج ۲ ص ۱۶۰، ۱۶۳)	(مسمریزم) روح کی گرمی اور زندگی صرف عارضی طور پر ان میں پیدا ہو جاتی تھی۔ عمل الترب یعنی مسمریزم میں مسیح بھی کسی درجے تک مشق رکھتے تھے۔ سلب امراض کرنا اپنی روح کی گرمی جماد میں ڈالنا درحقیقت یہ سب عمل مسمریزم کی شاخیں ہیں۔ ہر ایک زمانے میں ایسے لوگ ہوتے رہتے ہیں اور اب بھی موجود ہیں جو اس روحانی عمل کے ذریعہ سے سلب امراض کرتے رہتے تھے اور مفلوج ونیز برص ومدقوق وغیرہ ان کی توجہ سے اچھے ہوتے رہتے تھے۔" (ازالہ ص ۳۰۷ تا ۳۱۳، خزائن ج ۳ ص ۲۵۶ تا ۲۵۹)
یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پھونکنے کے بعد درحقیقت وہ پرندوں کی مورتیں جو مٹی سے بناتے تھے جاندار ہو جاتی تھیں اور اڑنے بھی لگتی تھیں۔ یہ کوئی امر وقوعی نہ تھا۔ بلکہ صرف حضرت مسیح کا خیال زمانہ طفولیت میں بچوں کے ساتھ کھیلنے میں تھا۔ مورتیں بنا کر پوچھنے والے سے کہتے تھے کہ میرے پھونکنے سے وہ پرند ہو جائیں گے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ کہنا ایسا ہی تھا جیسے	"کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دی ہو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا کسی پھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسے پرندہ پروازہ کرتا ہے۔ اگر پرواز نہیں تو پیروں سے چلتا ہو۔ کیونکہ حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں۔ یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ایسے ایسے اعجاز عمل الترب سے

کہ بچے اپنے کھیلنے میں بمقتضائے عمر اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ (تفسیر احمدی ج۲ ص۱۵۲،۱۵۶)	بطور لہو ولعب ظہور میں آسکیں۔ جس کو زمانہ حال میں مسمریزم کہتے ہیں۔“ (ازالہ ص۳۰۳ حاشیہ، خزائن ج۳ ص۲۵۴،۲۵۵)
”وما قتلوه وما صلبوه“ پہلے مانافیہ سے قتل کا سلب مراد ہے اور دوسرے سے کمال کا۔ کیونکہ صلیب پر چڑھانے کی تکمیل اسی وقت تھی جب صلیب کے سبب موت واقع ہوتی۔ حالانکہ صلیب پر موت واقع نہیں ہوئی۔ (تفسیر احمدی ج۲ ص۳۵)	”قرآن کریم کا منشاء ”ما صلبوه“ سے یہ ہرگز نہیں کہ مسیح صلیب پر چڑھایا نہیں گیا۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ جو صلیب پر چڑھانے کا اصل مدعا تھا یعنی قتل کرنا اس سے خدا نے مسیح کو محفوظ رکھا۔“ (ازالہ ص۳۷۸، خزائن ج۳ ص۲۹۲)
رفع کے لفظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم کا آسمان پر اٹھا لینا مراد نہیں۔ بلکہ ان کی قدر ومنزلت مراد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی موت سے مرے اور خدا نے ان کے درجہ اور مرتبہ کو مرتفع کیا۔ (تفسیر احمدی ج۲ ص۴۲)	”رافعك الیّ“ کے یہ معنی ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے تو ان کی روح آسمان کی طرف اٹھائی گئی۔“ (ازالہ ص۲۶۶، خزائن ج۳ ص۲۳۴) ”رافعك الیّ“ کے یہ معنی ہیں کہ عزت کے ساتھ اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔“ (ازالہ ص۵۹۸، خزائن ج۳ ص۴۲۳)
جس دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے وہ جمعہ کا دن اور یہودیوں کی عید فصح کا تہوار تھا۔ دوپہر کا وقت تھا جب ان کو صلیب پر چڑھایا گیا۔ ان کی ہتھیلیوں میں کیلیں ٹھونکی گئیں۔ عید فصح کے دن کے ختم ہونے پر یہودیوں کا سبت شروع ہونے والا تھا اور یہودی مذہب کی روح سے ضرور تھا کہ مقتول یا مصلوب کی لاش قبل ختم ہونے دن کے یعنی قبل شروع ہونے سبت کے دفن کر دی جائے۔ مگر	”حضرت مسیح بروز جمعہ بوقت عصر صلیب پر چڑھائے گئے۔ جب وہ چند گھنٹہ کیلوں کی تکلیف اٹھا کر بیہوش ہوگئے اور خیال کیا گیا کہ مر گئے تو ایک دفعہ سخت آندھی اٹھی۔“ (نزول المسیح ص۱۸، خزائن ج۱۸ ص۳۹۶) ”مسیح یہودیوں کے حوالے کیا گیا اور اس کو تازیانے لگائے اور جس قدر گالیاں سننا اور طمانچہ کھانا اور ہنسی اور ٹھٹھے سے اڑائے جانا اس کے حق میں مقدر تھا۔ سب دیکھا۔ آخر صلیب دینے کے لئے تیار ہوئے۔

صلیب پر انسان اس قدر جلدی نہیں مر سکتا تھا۔ اس لئے یہودیوں نے درخواست کی کہ حضرت مسیح کی ٹانگیں توڑ دی جاویں۔ تاکہ وہ فی الفور مر جاویں۔ مگر حضرت عیسیٰ کی ٹانگیں توڑی نہیں	یہ جمعہ کا دن تھا اور عصر کا وقت اور اتفاقاً یہ یہودیوں کی عید فسخ کا دن بھی تھا اور ایک شرعی تاکید تھی کہ سبت میں کوئی لاش صلیب پر لٹکی نہ رہے۔ تب یہودیوں نے جلدی سے مسیح کو
گئیں اور لوگوں نے جانا کہ وہ اتنی ہی دیر میں مر گئے۔ جب لوگوں نے غلطی سے جانا کہ حضرت درحقیقت مر گئے ہیں تو یوسف نے حاکم سے ان کے دفن کر دینے کی درخواست کی۔ وہ نہایت متعجب ہوا کہ ایسے جلد مر گئے۔ یوسف کو دفن کرنے کی اجازت مل گئی اور حضرت عیسیٰ صرف تین چار گھنٹہ صلیب پر رہے۔ یوسف نے ان کو ایک لحد میں رکھا اور اس پر ایک پتھر ڈھانک دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر مرے نہ تھے۔ بلکہ ان پر ایسی حالت طاری ہوگئی تھی کہ لوگوں نے ان کو مردہ سمجھا تھا۔ رات کو وہ لحد میں سے نکال لئے گئے اور وہ مخفی اپنے مریدوں کی حفاظت میں رہے۔ حواریوں نے ان کو دیکھا اور پھر کسی وقت اپنی موت سے مر گئے۔ بلاشبہ ان کو یہودیوں کی عداوت کے خوف سے نہایت مخفی طور پر کسی نامعلوم مقام میں دفن کر دیا ہوگا۔ جواب تک نامعلوم ہے۔ (تفسیر احمدی ج۲ ص۳۸،۴۱)	صلیب پر چڑھا دیا۔ تا شام سے پہلے ہی لاش اتاری جائے۔ مگر اتفاق سے اسی وقت آندھی آگئی جس سے سخت اندھیرا ہوگیا۔ یہودیوں کو یہ فکر پڑی کہ کہیں شام نہ ہو جائے۔ اس لئے لاش کو صلیب پر سے اتار لیا۔ عید فسح کی کم فرصتی، عصر کا تھوڑا سا وقت اور آگے سبت کا خوف اور پھر آندھی کا آجانا ایسے اسباب پیدا ہوگئے۔ جس کی وجہ سے چند منٹ میں ہی مسیح کو صلیب پر سے اتار لیا گیا۔ جب مسیح کی ہڈیاں توڑنے لگے تو ایک سپاہی نے یوں ہی ہاتھ رکھ کر کہہ دیا کہ یہ تو مر چکا ہے۔ ہڈیاں توڑنے کی ضرورت نہیں۔ اس طور سے مسیح زندہ بچ گیا۔" (ازالہ ص۳۸۰، خزائن ج۳ ص۲۹۵) "اس کے کچھ عرصہ بعد مسیح کشمیر چلا آیا اور یہیں انتقال کیا۔ چنانچہ سری نگر میں شہزادہ یوز آسف کے نام کی جو مشہور قبر ہے وہ اسی کی ہے۔" (تحفہ گولڑویہ ص۱۴، خزائن ج۱۷ ص۱۰۰)
"وان من اھل الکتب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ویوم القیمۃ یکون علیھم شھیدا" اور نہیں کوئی اہل کتاب میں سے مگر یہ کہ یقین کرے ساتھ اس کے (یعنی حضرت	"وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ویوم القیمۃ یکون علیھم شھیدا" فرمایا کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو ہمارے اس بیان مذکورہ بالا پر ایمان نہ

عیسیٰ کے صلیب پر مارے جانے کے) قبل اپنے مرنے کے وہ جان لے گا کہ صلیب پر حضرت عیسیٰ کا مرنا غلط تھا اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ ان پر گواہ ہوں گے۔یعنی اہل	رکھتا ہو۔قبل اس کے جو وہ اس حقیقت پر ایمان لاوے جو مسیح اپنی طبعی موت سے مر گیا۔یعنی ہم جو پہلے بیان کر آئے ہیں کہ کوئی اہل کتاب اس بات پر ولی یقین نہیں رکھتا کہ درحقیقت مسیح
کتاب کا اپنی زندگی میں جو عقیدہ تھا اس کے برخلاف گواہی دیں گے۔ (تفسیر احمدی ج۲ ص۱۰۷)	مصلوب ہو گیا۔“ (ازالہ ص۳۷۲، خزائن ج۳ ص۲۹۱)
جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی بے انتہاء قدرتوں کے ظہور کو اور ان قویٰ کو جو خدا نے اپنی مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں۔ ملک یا ملائکہ کہا ہے۔ جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔ (تفسیر احمدی ج۱ ص۴۲)	دو محبتوں کے ملنے سے جو درحقیقت نر اور مادہ کا حکم رکھتے ہیں۔ ایک تیسری چیز پیدا ہو جاتی ہے۔جس کا نام روح القدس ہے۔ یہ کیفیت دونوں کیفیتوں کے جوڑ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کو روح امین بولتے ہیں۔اس کا نام شدید القویٰ اور ذوالافق الاعلیٰ بھی ہے۔ (توضیح مرام ص۲۱، خزائن ج۳ ص۶۲)
”واذ قتلتم نفساً“ بنی اسرائیل میں ایک شخص مارا گیا تھا اور قاتل معلوم نہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ سب لوگ جو موجود ہیں اور انہی میں قاتل بھی ہے مقتول کے اعضاء سے مقتول کو ماریں جو لوگ درحقیقت قاتل نہیں ہیں۔ وہ بہ سبب یقین اپنی بے جرمی کے ایسا کرنے میں کچھ خوف نہ کریں گے۔ مگر اصل قتل بہ سبب خوف اپنے جرم کے جواز روئے فطرت انسان کے دل میں اور بالتخصیص جہالت کے زمانہ میں اس قسم کی باتوں سے ہوتا ہے۔ایسا نہیں کرنے کا	”واذ قتلتم نفساً فادارأتم فیها واللہ مخرج ماکنتم تکتمون“ ایسے قصوں میں قرآن شریف کی کسی عبارت سے نہیں نکلتا کہ فی الحقیقت کوئی مردہ زندہ ہو گیا تھا اور واقعی طور پر کسی قالب میں جان پڑ گئی تھی۔ یہودیوں کی ایک جماعت نے خون کر کے چھپا دیا تھا اور بعض بعض پر خون کی تہمت لگاتے تھے۔سو خدا تعالیٰ نے یہ تدبیر سمجھائی کہ ایک گائے کو ذبح کر کے اس کی بوٹیاں لاش پر مارو اور وہ تمام اشخاص جن پر شبہ ہے ان بوٹیوں کو نوبت بہ نوبت اس لاش پر ماریں۔تب اصل خونی کے

اور اسی وقت معلوم ہو جاوے گا اور وہی نشانیاں جو خدا نے انسان کی فطرت میں رکھی ہیں لوگوں کو دکھاوے گا۔ اس قسم کے حیلوں سے اس زمانہ میں بھی بہت سے چور معلوم ہو جاتے ہیں اور وہ بسبب خوف اپنے جرم کے ایسا کام جو	ہاتھ سے جب لاش پر بوٹی لگے گی تو لاش سے ایسی حرکات صادر ہوں گی جس سے خونی پکڑا جائے گا۔ اس قصہ سے واقعی طور پر لاش کا زندہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ صرف ایک دھمکی تھی کہ تا چور بے دل ہو کر اپنے
دوسرے لوگ بلا خوف بہ تقویت اپنی بے جرمی کے کرتے ہیں نہیں کر سکتے۔ پس یہ ایک تدبیر قاتل کے معلوم کرنے کی تھی۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہ تھا۔ (تفسیر احمدی ج۱ص۱۰۱)	تئیں ظاہر کرے۔ اصل یہ ہے کہ یہ طریق عمل علم الترب یعنی مسمریزم کا ایک شعبہ تھا۔ جس کے بعض خواص میں سے یہ بھی ہے کہ جمادات یا مردہ حیوانات میں ایک حرکت مشابہ بہ حرکت حیوانات پیدا ہو کر مشتبہ و مجہول امور کا پتہ لگ سکتا ہے۔" (ازالہ ص۷۴۹، خزائن ج۳ص۵۰۳)
ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ وہ سچ مچ بندر ہو گئے تھے۔ مگر یہ باتیں لغو و خرافات ہیں۔ ان کی حالت بندروں کی سی ہو گئی تھی۔ جس طرح انسانوں میں بندر ذلیل و خوار ہیں۔ اسی طرح تم بھی انسانوں سے علیحدہ اور ذلیل و خوار ہو۔ (تفسیر احمدی ج۱ص۹۹، ۱۰۰)	"اللہ تعالیٰ نے نافرمان یہودیوں کے قصہ میں فرمایا کہ وہ بندر بن گئے اور سؤر بن گئے سو یہ بات تو نہیں تھی کہ وہ حقیقت میں تناسخ کے طور پر بندر بن گئے تھے۔ بلکہ اصل حقیقت یہی تھی کہ بندروں اور سوروں کی طرح نفسانی جذبات ان میں پیدا ہو گئے تھے۔" (ست بچن ص۸۳، خزائن ج۱۰ص۲۰۷)
معراج میں آنحضرت ﷺ کا بجسدہ بیت المقدس تک جانا اور وہاں سے بجسدہ آسمانوں پر تشریف لے جانا خلاف قانون فطرت ہے۔ اس لئے ممتنعات عقلی میں داخل ہے۔ اگر ہم احادیث معراج کے راویوں کو ثقہ اور معتبر تصور کر لیں تو بھی یہ قرار پائے گا کہ ان کو اصل مطلب کے سمجھنے اور بیان کرنے میں غلطی ہوئی۔ مگر اس واقعہ کی صحت تسلیم نہیں ہو سکتی کی	"نیا اور پرانا فلسفہ اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اس خاکی جسم کے ساتھ کرہ زمہریر تک بھی پہنچ سکے۔ بلکہ علم طبعی کی نئی تحقیقاتیں اس بات کو ثابت کر چکی ہیں کہ بعض بلند پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پہنچ کر اس طبقہ کی ہوا ایسی مضر صحت معلوم ہوئی ہے کہ جس میں زندہ رہنا ممکن نہیں۔ پس اس جسم کا کرہ ماہتاب یا کرہ آفتاب تک پہنچنا کس قدر لغو خیال ہے؟ اس

اس لئے کہ ایسا ہونا ممتنعات عقلی میں سے ہے اور یہ کہہ دینا کہ خدا میں سب قدرت ہے۔ اس نے ایسا ہی کر دیا ہوگا۔ جہال اور ناسمجھ بلکہ مرفوع القلم لوگوں کا کام ہے۔ یا ایک واقعہ ہے جو سوتے میں آنحضرت ﷺ نے دیکھا تھا۔ (تفسیر احمدی ج۲ ص۱۲۲)	جگہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر جسم خاکی کا آسمان پر جانا محالات میں سے ہے تو پھر آنحضرت ﷺ کا معراج اس جسم کے ساتھ کیونکر جائز ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ سیر معراج (معاذ اللہ) جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا۔" (ازالہ ص۴۷، خزائن ج۳ ص۱۲۶)
یہ واقعہ ایسے وقت میں واقع ہوا تھا۔ جب حضرت نبی ہو چکے تھے۔ اس وقت حضرت عیسیٰ کی بارہ برس کی عمر تھی۔ جب انہوں نے بیت المقدس میں یہودی عالموں سے گفتگو کی۔ صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کی تلقین سے جو خلاف عقائد یہود تھی علماء ناراض ہوکر حضرت مریم کے پاس آئے۔ جس سے ان کی غرض یہ ہوگی کہ وہ حضرت عیسیٰ کو ان باتوں سے باز رکھیں۔ الغرض یہ ایسا معاملہ ہے جو فطرت انسانی کے موافق واقع ہوا۔ شوخ وشریر لڑکے کی ماں سے اس کی شکایت کی جاتی ہے۔ غرض اس سے حضرت عیسیٰ کے بن باپ پیدا ہونے پر کسی طرح استدلال نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر احمدی ج۲ ص۳۳)	"فاتت به قومها تحمله" (حضرت مریم انہیں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں) معلوم ہو کہ حضرت عیسیٰ اس وقت حضرت مریم کی گود میں نہیں تھے۔ بلکہ سوار ہوکر یروشلم میں داخل ہوئے تھے۔" (بیان القرآن مؤلفہ میاں محمد علی امیر جماعت مرزائیہ لاہور ج۲ ص۱۲۰۱) "حضرت عیسیٰ تیس سال کے نوجوان تھے۔ پرانے بزرگوں کے سامنے وہ بچہ ہی تھے۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ جو ہمارے سامنے کا بچہ ہے ہم اس سے کیا خطاب کریں۔ اس کے سوا "من کان فی المهد صبیاً" کے کچھ معنی نہیں بنتے۔ یہ زمانہ نبوت کا کلام ہے۔ نہ پیدائش کے فوراً بعد کا۔" (بیان القرآن ج۲ ص۱۲، ۱۳)
حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں اس بات پر قرآن مجید میں کوئی نص صریح نہیں ہے کہ درحقیقت مچھلی ان کو نگل گئی تھی۔ ابتلع کا لفظ قرآن میں نہیں ہے۔ التقم کا لفظ ہے۔ جس سے صرف منہ میں پکڑ لینا مراد ہے۔ لبث فی	"قرآن مجید میں کسی جگہ مذکور نہیں کہ مچھلی درحقیقت یونس علیہ السلام کو نگل گئی تھی۔ کیونکہ لفظ التقم کا مفہوم نگل جانا نہیں۔ بلکہ صرف منہ میں پکڑنا ہے۔ لین صاحب نے اپنے لغات میں "التقم فاها فی التقبیله" (اس نے

بطن الحوت" کی نفی دو طرح پر ہو سکتی ہے۔ اوّل اس طرح پر کہ مچھلی نے نگلا ہی نہیں۔ دوسرے اس طرح کہ نگلا ہو مگر اس کے پیٹ میں نہ ٹھہرے ہوں۔ (تحریری اصول التفسیر یعنی مقدمہ تفسیر ص ۱۷)	بوسہ کے وقت اس کے ہونٹ منہ میں پکڑ لئے) کی نظیر پیش کی ہے۔ بائبل میں مچھلی کا یونس کو نگل جانا اور پیٹ میں داخل ہونا مذکور ہے۔ لیکن قرآن اس کی تردید کرتا ہے۔" (ترجمہ قرآن ص ۷۶ نوٹ ۲۱۲۳، اہل زیغ وضلال
	کے جو خرافات اس باب میں سپرد قلم ہوئے ہیں۔ ان کے جوابات انشاء اللہ العزیز خاکسار راقم الحروف کی کتاب فلسفۂ اسلام میں قارئین کرام کی نظر سے گذریں گے۔

باب ۱۷ ...... قادیان کے برساتی نبی

جب امت مرزائیہ نے دیکھا کہ ان کے پیرومرشد نے نبوت کا دعویٰ کر کے ختم نبوت کی سد اسکندری میں رخنہ ڈال دیا ہے تو ہر حوصلہ مند مرزائی کو طمع ہوئی کہ موقع ملنے پر اپنی اولوالعزمی کے جوہر دکھائے اور کچھ بن کر مسیح موعود صاحب کی طرح نفع عاجل حاصل کرے۔ چنانچہ قضاء وقدر کے ہاتھوں قادیانی نبوت عظمیٰ کی بساط کے الٹنے جانے کی دیر تھی کہ بہت سے مرزائی یاجوج ماجوج کی طرح دعوائے نبوت کے ساتھ ہر طرف سے امنڈ آئے اور اپنے اپنے تقدس کی ڈفلی بجانی شروع کر دی۔ جس طرح برکھارت میں بارش کا پہلا چھینٹا پڑنے کے ساتھ ہی ہر طرف برساتی کیڑے مکوڑے رینگتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح ان خود ساختہ انبیاء کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ ان پر برساتی انبیاء کا اطلاق بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال ان برساتی نبیوں کے کچھ مختصر سے حالات ہدیۂ قارئین کئے جاتے ہیں۔

چراغ الدین متوطن جموں

چراغ الدین نام جموں کا ایک نہایت بیباک مرزائی تھا۔ اس کی شوخ چشمی کا کمال دیکھو کہ اپنی دکان آرائی کے لئے اپنے مقتداء کی موت کا بھی انتظار نہ کیا۔ بلکہ نہایت بے صبری کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی ہی میں نبوت ورسالت کا دعویٰ کر دیا۔ چونکہ اس دعویٰ سے خود حضرت مسیح موعود کے کاروبار پر اثر پڑنے کا احتمال تھا۔ اس لئے یہ جرم کچھ ایسا خفیف نہیں تھا کہ قابل عفو ودرگذر سمجھا جاتا۔ مرزا قادیانی نے اس کو جماعت سے خارج کر دیا۔ میں اس اقدام

میں مرزا قادیانی کو برسرِ حق سمجھتا ہوں۔ کیونکہ مرید کو اس درجہ شوریدہ سری کسی طرح زیب نہیں دیتی کہ وہ پیر کے مقابلہ میں کاروبار شروع کر دے اور رقیبانہ چشمک کے سامان پیدا کرے۔ حضرت مسیح موعود صاحب نے اس باغی مرید کے متعلق اپنی کتاب ''دافع البلاء'' میں جو ۲۳ر اپریل ۱۹۰۲ء کو شائع ہوئی۔ لکھا کہ: ''چراغ الدین کا جو مضمون رات کو پڑھا گیا۔ وہ بڑا خطرناک اور زہریلا اور اسلام کے لئے مضر ہے اور سر سے پیر تک لغو اور باطل باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ اس میں لکھا ہے کہ میں رسول ہوں اور رسول بھی اولوالعزم اور اپنا کام یہ لکھا کہ تا عیسائیوں اور مسلمانوں میں صلح کرادے اور قرآن اور انجیل کا تفرقہ باہمی دور کر دے اور ابن مریم کا ایک حواری بن کر یہ خدمت کرے اور رسول کہلاوے...... یہ کیسی ناپاک رسالت ہے جس کا چراغ الدین نے دعویٰ کیا ہے جائے غیرت ہے کہ ایک شخص میرا مرید کہلا کر یہ ناپاک کلمات منہ پر لاوے۔'' لعنۃ اللّٰہ علی الکافرین ''پھر باوجود ناتمام عقل اور ناتمام فہم اور ناتمام پاکیزگی کے یہ کہنا کہ میں رسول اللہ ہوں یہ کس قدر خدا کے پاک سلسلہ کی ہتک عزت ہے۔ گویا رسالت اور نبوت بازیچۂ اطفال ہے۔ میں تو جانتا ہوں کہ نفس امارہ کی غلطی نے اس کو خودستائی پر آمادہ کیا ہے۔ پس آج کی تاریخ سے وہ ہماری جماعت سے منقطع ہے۔ جب تک کہ مفصل طور پر اپنا توبہ نامہ شائع نہ کرے اور اس ناپاک رسالت کے دعویٰ سے ہمیشہ کے لئے مستعفی نہ ہو جائے۔ افسوس کہ اس نے بے وجہ اپنی تعلّی سے ہمارے سچے انصار کی ہتک کی...... ہماری جماعت کو چاہئے کہ ایسے انسان سے قطعاً پرہیز کرے۔'' (دافع البلاء ص ۱۹ تا ۲۲، خزائن ج ۱۸ ص ۲۳۹، ۲۴۲)

منشی ظہیر الدین اروپی

یہ شخص موضع اروپ ضلع گجرانوالہ کا رہنے والا ہے۔ اس کے نزدیک مرزا ایک صاحب شریعت نبی تھا۔ اس کا خیال ہے کہ قادیان کی مسجد ہی بیت اللہ شریف ہے اور وہی خدا کے نبی کی جائے ولادت ہے۔ اس لئے اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی چاہئے۔ لاہوری پارٹی کے جریدۂ پیغام صلح کا مدیر بھی رہ چکا ہے۔ اس نے قادیانی جماعت کے بعض سربرآوردہ افراد کی ہلاکت کی پیش گوئی کی تھی۔ لیکن پوری نہ ہوئی۔ یوسف ہونے کا مدعی تھا۔ لیکن ساتھ ہی تمنی کا بھی اندیشہ لگا رہتا ہے۔ شیطان ورغلاتا ہے اور جو الہامات مجھے ہوئے ان پر عمل درآمد بھی مشکل ہے۔ اس لئے جس قدر طاقت تھی میں نے کام کر دیا۔ اب طاقت نہیں رہی اس لئے اپنے دعویٰ پر زور نہیں دے سکتا۔ یہ سخت ناکام نبی ہے اور غالباً اب تک زندہ ہے۔ اس نے اپنے ایک مضمون میں جو لاہوری مرزائیوں کے رسالہ المہدی

میں شائع ہوا لکھا تھا کہ حضرت مسیح موعود کی تحریروں میں بہت تضاد وتخالف ہے۔

محمد بخش قادیانی

اس شخص کو مدت العمر قادیان میں الہام ہوتے رہے۔ مگر مرزائیت قبول نہ کی۔ لیکن جب قویٰ زیادہ مضمحل ہو گئے اور قوت فکر جواب دے بیٹھی تو مرزائیت کا تسمہ لے لیا۔ جس طرح مسیح موعود کا ایک دلچسپ الہام عثم عثم عثم ہے۔ اسی نمونہ کا ایک مضحکہ خیز الہام محمد بخش کا بھی ہے۔ یعنی آئی ایم دٹ وٹ۔ (میں وٹ وٹ ہوں)

مسٹر یار محمد پلیڈر

مسٹر یار محمد وکیل ہوشیار پور کا بیان ہے کہ محمدی بیگم جس کے ساتھ مسیح موعود کا آسمان پر نکاح ہوا تھا اور وہ حقیقت میں میں ہوں اور نکاح سے یہ مراد ہے کہ میں ان کی بیعت میں داخل ہوں گا۔ اسی نے مرزا قادیانی کا ایک کشف بیان کیا تھا کہ گویا رب العالمین (معاذ اللہ) ایک مرد کی طرح مرزا قادیانی سے فعل مخصوص کر رہا ہے۔ یہ مرزا قادیانی کے حقیقی جانشین اور خلیفۂ برحق ہونے کا مدعی تھا اور اعلان کیا تھا کہ مرزا قادیانی کی گدی کا اصل استحقاق مجھے حاصل ہے۔ کیونکہ مرزا قادیانی نے جو الوصیۃ میں یہ پیشین گوئی کی تھی کہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ کیونکہ وہ دائمی ہے۔ جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہ ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی۔ جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن جب میں جاؤں گا تو پھر اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا۔ اس کا صحیح مصداق میں ہوں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود نے یہ بھی کہا تھا کہ قدرت ثانیہ کا مظہر وہ ہوگا جو میری خو بو پر ہوگا۔ سو یہ علامت میری ذات میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ مسٹر یار محمد نے بہت کوشش کی کہ مرزا محمود احمد ان کے لئے مسند خلافت خالی کر دیں مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ سنا جاتا ہے کہ یار محمد میاں محمود احمد کے خلاف چالیس پچاس رسالے شائع کر چکا ہے۔

عبداللہ تیماپوری

یہ شخص تیماپور واقع قلمرو حیدرآباد دکن کا رہنے والا ہے۔ پہلے روح القدس کے نزول کا مدعی بنا۔ پھر مظہر قدرت ثانیہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ کہتے ہیں کہ اسے داہنے بازو کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ اس شخص نے انجیل قدسی نام ایک کتاب لکھی ہے جس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے ان خطوط کو جو محترمہ محمدی بیگم سے عقد کرنے کے سلسلۂ مساعی میں لکھے تھے پسندیدہ خیال نہیں کیا اور لکھا ہے کہ ان خطوط کے پڑھنے سے دل میں نفرت وکراہت پیدا ہوتی ہے۔ اس بے دین نے

انجیل قدسی کے بعض مندرجات میں سخت جاہلانہ گندہ دہنی کا ثبوت دیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ "یسفك الدما" کے یہ معنی لکھے ہیں کہ حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام نے حکم خداوندی کے خلاف (معاذ اللہ) اپنی زوجہ محترمہ حواء سے خلاف وضع فطرت انسانی فعل کا ارتکاب کیا۔ اس شخص نے پیشین گوئی کی تھی کہ مرزا محمود احمد بہت جلد میری بیعت میں داخل ہو جائے گا۔ لیکن پیش گوئی پوری نہ ہوسکی۔ اس کو سب سے پہلے یہ وحی ہوئی تھی۔ "یاایها النبی" تیار پور میں رہیو۔ کتاب محاکمۂ آسمانی میں لکھتا ہے کہ مرزا قادیانی کو صرف مقام شہودی حاصل تھا اور وہ مقام وجودی سے بالکل عاری تھے۔ لیکن مجھے یہ دونوں مقام حاصل ہیں۔ اس لئے میں ظل محمد بھی ہوں اور ظل احمد بھی۔ درجۂ رسالت میں میں اور مرزا قادیانی دونوں بھائی ہیں اور مساوی حیثیت رکھتے ہیں جو فرق کرے وہ کافر ہے۔ مامور من اللہ کو تیس یا چالیس مردوں کی قوت رجولیت حاصل ہوتی ہے اور بلا اجازت فراغت نہیں ہوتی۔ آسی صاحب کادیہ میں لکھتے ہیں کہ اس شخص نے اپنی کتاب قدسی فیصلہ میں اعلان کیا کہ میں نے خدا کے دربار میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی۔ الٰہی مسلمان مفلس ہو رہے ہیں۔ اس لئے سود خواری کی ممانعت دور فرمائی جائے۔ جواب ملا کہ ساڑھے بارہ روپے سیکڑہ سود کی اجازت دیتا ہوں۔ اسی طرح حکم ملا کہ رمضان کے تین روزے کافی ہیں۔ عورتیں بے حجاب رہ سکتی ہیں۔ چونکہ میں بروز محمد ہوں۔ اس لئے مجھے شریعت محمدی میں فسخ و تبدیل کا اختیار ہے۔ سنا جاتا ہے کہ پشاور اور کیمبل پور کے بہت سے مرزائی اس کے مرید ہیں۔

سید عابد علی

سید عابد علی نام ایک پرانا مرزائی ملہم قصبہ بدوملہی ضلع سیالکوٹ میں رہتا تھا۔ اسے ایک مرتبہ ایسا دلچسپ الہام ہوا تھا۔ جس سے مرزا غلام احمد کا قصر نبوت بالکل پیوند خاک ہو جاتا تھا۔ لیکن توفیق ایزدی رہنما نہ ہوئی۔ اس لئے باطل سے منہ موڑ کر اسلام کے سواد اعظم کی پیروی نہ کر سکا۔ قادیانی صاحب کی خانہ زاد شریعت میں کسی مرزائی کے لئے جائز نہیں کہ مسلمان کو لڑکی دے۔ لیکن سید عابد علی نے اپنے ایک الہام کے بموجب اس حکم پر خط تنسیخ کھینچ دیا اور مرزائی قیود سے آزاد ہو کر اپنی لڑکی ایک مسلمان کے حبالہ نکاح میں دے دی تھی۔

عبداللطیف گناچوری

یہ بھی ایک مشہور مرزائی ہے۔ مدعی نبوت تھا۔ اس نے اپنے دعوئی کی تائید میں ایک ضخیم کتاب چشمۂ نبوت شائع کی۔ اس میں لکھتا ہے کہ مرزا قادیانی کا نام زمین پر غلام احمد اور آسمان پر مسیح ابن مریم تھا۔ اس طرح خدا نے زمین پر میرا نام عبداللطیف اور آسمانوں میں محمد بن

عبداللہ موعود رکھا ہے۔ جس طرح مرزا قادیانی روحانی اولاد بن کر سید ہاشمی بن گئے تھے۔ اسی طرح میں بھی آل رسول میں داخل ہوں۔ نعمت اللہ ولی کی پیشین گوئی کا مصداق میں ہوں۔ احادیث میں جو مہدی آنے کا ذکر ہے وہ میں ہوں۔ دانیال نبی نے میرا ہی زمانہ ۱۳۳۵ھ سے ۱۳۴۰ھ تک بتایا ہے۔ ہم کسی مسلمان کو محض اس بناء پر کافر نہیں کہتے کہ اس نے ہم سے بیعت کیوں نہیں کی۔ کیونکہ اس قسم کی باتیں فردعات میں داخل ہیں۔ احمدیوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مسیح اور مہدی دونوں کی ایک ہی شخصیت ہے۔ کیونکہ مرزا قادیانی فرما چکے ہیں کہ مجھ سے پہلے بھی مہدی آچکے ہیں اور بعد میں بھی آئیں گے۔ ان کے زمانے میں کوئی مہدی نہ تھا۔ اس لئے میں مہدی آخرالزمان ہوں۔ مرزا قادیانی کو اٹھارہ سال تک اپنی رسالت کا یقین نہ تھا۔ آخر جب زور سے وحی آنے لگی تو یقین ہوا۔ میرے نوے معجزے ہیں۔ میری پیشین گوئیاں مرزا قادیانی سے بھی بڑھ کر سچی نکلی ہیں۔ چنانچہ ہندوستان میں وبائیں، زلزلے اور سیاسی انقلابات میری پیشین گوئیوں کے مطابق آئے۔ لیکن مرزا قادیانی کی پیشین گوئیاں درست نہ نکلیں۔ اس نے اپنا لقب قمر الانبیاء رکھا ہوا تھا۔

ڈاکٹر محمد صدیق بہاری

مولوی محمد عالم صاحب آسی (امرتسر) نے اپنی کتاب الکاویہ کے چودہ پندرہ صفحے اسی شخص کے حالات کی نذر کر دیئے ہیں۔ میں اس کا اقتباس پیش کرتا ہوں۔ یہ شخص صوبہ بہار کے علاقہ گدک کا رہنے والا مرزائیوں کی لاہوری پارٹی سے متعلق ہے۔ اس نے اپنی کتاب ظہور بشویسور میں لکھا ہے کہ مسیح قادیانی وشنو اوتار تھا۔ خلیفہ محمود ابن غلام احمد ویر بسنت ہے اور میں چن بشویسور ہوں۔ میرے ظہور کے بعد سات سال کے اندر مرزا محمود مر جائے گا۔ لیکن یہ پیشین گوئی پوری نہ ہوئی۔ مولوی محمد عالم صاحب لکھتے ہیں کہ شاید اس سے اخلاقی موت مراد ہو۔ ڈاکٹر موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ صوبہ بہار کے ہنود کی مذہبی کتابوں میں دو موعود مذکور ہیں اور ہندو لوگ ان کا سخت بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔ کتب ہنود کے علامات مجھ پر صادق آتے ہیں۔ میں برہمچاری بن کر علاقہ کرناٹک کو گیا اور آٹھ سال کی غیوبت کے بعد ظاہر ہوا۔ پیٹھ پر سانپ کے منہ کا نشان بھی موجود ہے۔ ہاتھ میں سنکھ نیل چکر وغیرہ نشانات بھی مجھ میں پائے جاتے ہیں۔ حضرت سرور دو جہاں ﷺ کے بعد صرف مجھے صدیق کا درجہ ملا ہے اور صدیق کا درجہ مہدی اور مسیح سے بھی فائق ہے۔ ۸/اپریل ۱۸۸۶ء کو مرزا قادیانی نے جس پسر موعود کی پیشین گوئی کی تھی وہ میں ہی یوسف موعود ہوں۔ اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اہل قادیان کی اصلاح

کروں۔ قادیان سے آواز آٹھ رہی ہے کہ حضرت خاتم النبیین کے بعد بھی نبوت جاری ہے۔ اسلام میں سرورِ دو جہاں کی ذاتِ گرامی پر اس سے بڑھ کر اور کوئی حملہ نہیں کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی اور نبی کھڑا کیا جائے اور بیس کروڑ مسلمانوں کو مرزا قادیانی کی نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے خارج از اسلام تصور کیا جائے۔ میں اسی توہین آمیز عقیدہ کے مٹانے کی غرض سے مبعوث ہوا ہوں۔ محمودیوں اور پیغامیوں (قادیانی مرزائیوں اور لاہوری مرزائیوں) میں جھگڑا تھا۔ اس لئے میں حکم بن کر آیا ہوں۔ میرے نشانات کئی ہزار ہیں۔ صرف اخلاقی نشان چون ہیں۔ یہ نعمت سیدنا محمد ﷺ کی محبت میں فنا ہونے اور قادیان کا خلاف کرنے سے ملی۔ غیرت الٰہی نے میرے لئے مرزا قادیانی کے نشانات سے بڑھ کر نشانات ظاہر کئے۔ میری بعثت کے بغیر قادیان کی اصلاح ناممکن تھی۔ میں نے تلاش حق میں مرزا محمود کے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی۔ لیکن عقائد پسند نہ آنے پر بیعت فسخ کر دی اور قادیان سے نکالا گیا۔ اب میں مسلسل بارہ سال سے محمودی عقائد کی تردید کر رہا ہوں۔

احمد سعید سنبھڑیالی

سنبھڑیال ضلع سیالکوٹ کے احمد سعید مرزائی سابق اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس نے بھی قدرت ثانیہ ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنا لقب یوسف موعود رکھا۔ مولوی محمد عالم صاحب آسی لکھتے ہیں کہ اس شخص نے اپنے الہام "پیراہن یوسفی" نام ایک کتاب میں جمع کئے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ میں نہایت غمزدہ رو رہا تھا۔ اس اثناء میں حضرت مریم علیہا السلام تشریف لائیں اور میرے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ بچہ مت رو۔ ایک مرتبہ احمد سعید نے اپنا یہ الہام چوک فرید امرتسر میں بیان کیا تو مسلمانوں نے چاروں طرف سے خشت باری شروع کر دی۔ بےاوسان بھاگا۔ بچوں نے بچہ رو نہ بچہ رو نہ۔ کہہ کر اسے چھیڑنا اور ستانا شروع کیا۔ یہ بدبخت حسب بیان آسی صاحب اپنی ایک تصنیف میں لکھتا ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ رشتہ داریاں سب ناجائز ہیں اور (معاذ اللہ) ولد الزنا ہیں۔ آئندہ کے لئے میں حکم دیتا ہوں کہ غیر قوموں سے رشتے ناطے کریں۔ اگر معاذ اللہ تمام مسلمان ایسے ہیں تو معلوم نہیں کہ یہ ناہنجار ولد الحلال کیسے ہو گیا؟ اس کے گلے میں ایک گلٹی ہے۔ جسے وہ مہر نبوت سے تعبیر کرتا ہے۔

احمد نور کابلی

قادیان کا سرمہ فروش احمد نور کابلی مرزا غلام احمد قادیانی کے حاشیہ نشینوں میں سے تھا۔ مولوی محمد عالم آسی لکھتے ہیں کہ اس کی ناک پر پھوڑا تھا۔ جب کسی طرح اچھا نہ ہوا تو عمل جراحی

کرایا۔ جب ناک کاٹی گئی تو درجۂ نبوت پر فائز ہوگیا۔ اس نے ایک ٹریکٹ زیر عنوان "لکل امة اجل" شائع کیا ہے۔ جس میں لکھتا ہے۔ اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں۔ دین اسلام میری ہی متابعت میں دائر وسائر ہے۔ مجھے نہ ماننا دین سے خارج ہوتا ہے۔ میں روحانی سورج ہوں۔ میں رحمتہ للعالمین ہوں۔ میرا نام محمد رسول اللہ ہے۔ میں سفینہ بیٹار سے نازل ہوا۔ جملہ انبیاء کا مظہر ہوں۔ قرآن کو ستاروں سے لایا ہوں۔ خدا نے مجھے الہام کیا تھا۔ "عسیٰ ان یبعثك ربك مقاماً محمودا" اس الہام میں خدا نے مجھے فرمایا تھا کہ تجھے خلیفہ محمود کے عہد خلافت میں قادیان میں مبعوث کیا جائے گا۔ خدا نے آیۃ "ھو الذی بعث فی الامین رسولا" میں فرمایا ہے کہ خدا نے افغانوں میں ایک رسول بھیجا ہے۔ میں شرعی رسول ہوں۔ اب خدا نے قرآن مجھ پر نازل کیا ہے۔ مجھے کلمہ طیبہ "لا الٰه الا الله احمد نور رسول الله" دیا گیا ہے۔ خدا نے میرے ساتھ بکثرت کلام کیا ہے۔ میری وحی کی تعداد دس ہزار تک پہنچتی ہے۔ جو شخص میرا انکار کرے گا وہ لعنت کی موت مرے گا۔ "وغیر ذالك من الخرافات"

نبی بخش مرزائی

یہ شخص موضع معراجکے تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ کا ایک پرانا مرزائی تھا۔ اس نے ۱۹۱۱ء میں ایک اعلان شائع کیا۔ جس میں لکھا۔ اے ہر مذہب وملت کے دوستو! آپ پر واضح ہو کہ اس عاجز پر ستائیس سال سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کا سلسلہ جاری ہے۔ اس عرصہ میں اس عاجز کی بیشمار پیشین گوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ مجھے ایک روشن نور اپنی طرف کھینچ کھینچ کر مقام محمود کی طرف لے جارہا ہے۔ مجھے سلطان العارفین کا درجہ دیا گیا ہے۔ مجھے چار سال سے تبلیغ کا حکم ہورہا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ الٰہی میں امی ہوں۔ حکم ہوا جس طرح محمد رسول اللہ تبلیغ کرتے تھے تو بھی تبلیغ کر اس کے بعد یہ عاجز ان الفاظ سے مخاطب کیا گیا۔ "یاایها الصدیق یوسف انی معك" اسی طرح بار بار حکم ہوتا رہا۔ یہ عاجز فکر مند تھا اور سوچ رہا تھا کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ لیکن مجھے سمجھایا گیا کہ نبوت کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ تم دنیا کے طعنوں سے نہ ڈرو۔ نبوت کا تاج تمہارے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔ وقت قریب آرہا ہے کہ تجھ سے حکماً تعمیل کرائیں گے۔ نبوت کا تاج تیرے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔ دعوائے نبوت کے واسطے تیار ہو جا۔ مدعی نبوت کا فرض ہے۔ میدان میں نکل پڑے۔ میں تیری مدد کے لئے فرشتوں کی فوج تیار رکھوں گا۔ ہر وقت تجھے مدد دیتا رہوں گا۔ موسیٰ مرسل کی طرح میدان میں ہوشیار رہنا، بڑے بڑے فرعون تیرے سامنے آئیں گے۔ مگر سب منہ کی کھائیں گے۔ تیرے خاندان کے لوگ اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کریں

گے۔ مگر کسی کی پروا نہ کرنا آنے والی نسلیں افسوس کریں گی کہ لوگ تجھ پر ایمان نہ لائے۔ حالات سن سن کر رویا کریں گے۔ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے تو ابراہیمی نسل ہے تو خاندان نبوت سے ہے۔

عبداللہ پٹواری

چیچہ وطنی ضلع منٹگمری میں عبداللہ نام ایک مرزائی پٹواری رہتا تھا۔ قادیان کے چشمۂ الحاد سے دجالی کا فیض پانے کے بعد کفریات وشطحیات بکنے میں اپنے پیرومرشد کا ہمسر تھا۔ اس نے اپنا لقب رجل یعنی احمد رسول رکھا تھا۔ اپنے اعلان میں لکھتا ہے۔ میں رسول اللہ بھیجا گیا۔ طرف تمہارے رب تمہارے سے۔ بندے بنو اسلام کے پیروں مرشدوں مولویوں کی خودساختہ شریعت کے پیچھے نہ جاؤ۔ وہ سب احکام بلاوحی ہیں۔ جن کا ثبوت نہ کتاب سے دیتے ہیں۔ یعنی کلمہ درود وسنت نفل نعت غزل مولود نماز تراویح نماز عیدین نماز جنازہ اور عرس مردہ اولیاء پر کھانا کھلانا وغیرہ۔ لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کہنا شرک ہے۔ کتاب ہدایۃ للعالمین میں لکھتا ہے کہ: ''الرسول یدعوکم'' اور ''اطیعو الرسول'' میں میری طرف اشارہ ہے اور لکھتا ہے کہ میں نے خواب میں اپنی والدہ مرحومہ کو دیکھا اور کہا کہ خدا نے مجھے مسیح ابن مریم بنا کر بھیجا ہے۔ یہ سن کر والدہ حیران رہ گئیں اور کہنے لگیں کہ بیٹا کل تو تو یہ کہتا تھا کہ مسیح آئے گا اور آج خود مسیح بن بیٹھا ہے۔ جب بیدار ہوا تو یقین ہو گیا کہ کسی بدروح نے مجھ سے مسیح ہونے کا دعویٰ کرایا تھا۔ اسی خبیث روح نے مرزا غلام احمد قادیانی سے بھی مسیحیت کا دعویٰ کرایا تھا۔ حالانکہ وہ اس سے پیشتر خود لکھ چکے تھے کہ حضرت مسیح علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ مجھے الہام ہوا کہ مرزا قادیانی ابن مریم نہیں ہیں اور ان کی آمد کا کوئی حکم نہیں ہے۔ مرزا قادیانی جیسے فرضی مریم بنے۔ اسی طرح ابن مریم بھی بنے۔ جو ماں ہے وہ بیٹا نہیں ہو سکتی اور جو بیٹا ہے وہ ماں نہیں ہو سکتا۔ مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ ابن مریم کے ذکر کو چھوڑ دو۔ اس سے بہتر غلام احمد ہے اور مرزا محمود لکھتا ہے کہ مرزا قادیانی ہی احمد رسول ہیں۔ یہ دونوں باتیں لغو ہیں۔

فضل احمد چنگا بنگیالی

فضل احمد مرزائی موضع چنگا بنگیال ضلع راولپنڈی کا ایک مشہور مرزائی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ میں مرزا قادیانی کا ظہور ہوں۔ کہتا ہے کہ مرزا قادیانی کی عمر اسی سال کی تھی۔ لیکن جب وہ اپنی عمر کے ساٹھ سال گزار چکے تو باقی ماندہ بست سالہ عمر مجھے تفویض فرما کر وادی آخرت کو چل دیئے۔ اب میں ہی حقیقی مرزا قادیانی ہوں۔ اس شخص کا ایک مضحکہ خیز مضمون جو سراسر تعلیون لن

ترانیوں اور ملحدانہ خیالات سے مملو تھا۔ ۱۹۳۴ء کے اواخر میں جریدۂ زمیندار میں شائع ہوا تھا۔

غلام محمد مصلح موعود و قدرت ثانی

یہ وہی شخص ہے جس نے ڈیڑھ دو سال پیشتر لاہوری مرزائیوں کے خلاف اودھم مچا رکھا تھا اور مسٹر محمد علی امیر جماعت لاہور کے اسرار وخفایا کو الم نشرح کر کے لاہوری مرزائیوں کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص قادیانی مرزائیوں کا ایجنٹ ہے جو مسٹر محمد علی کی تخریب کے درپے رہتا ہے۔ اس نے اپنے مصلح موعود اور قدرت ثانی ہونے کے متعلق متعدد کتابیں شائع کی ہیں۔ یہ شخص شروع میں مسلم ہائی سکول لاہور میں میٹرک کا امتحان پاس کر کے لاہوری مرزائیوں کے اخبار پیغام صلح کی ملازمت میں منسلک ہو گیا تھا۔ مگر اس کے بعد مرزائی ہوا کا رخ پہچان کر اسے ارتقاء منازل کی سوجھی۔ چنانچہ معاً الہامی تالاب میں غوطے کھانے لگا۔

باب ۲۷ ...... یحییٰ عین اللہ بہاری

یہ شخص موضع بھدا ضلع گیا۔ صوبہ بہار کا رہنے والا ہے۔ خدا کا اوتار اور مسیح منتظر اور مہدی موعود ہونے کا مدعی ہے۔ اپنے تئیں یحییٰ فرمانروا عین اللہ لکھا کرتا ہے۔ خدا جانے یہ کہاں کا فرمانروا ہے؟ شاید عالم خیال کا فرمانروا ہوگا؟ اپنی خانہ ساز الوہیت اور مسیحیت وغیرہ کے متعلق رسالہ انا الحق میں لکھتا ہے۔

میں جو ہوں اب تک کنوارا مجھ کو جوڑا کب ملا؟	روح میری اور ہے ظاہر میں ہوں مثل بشر
تیرے گھر شادی مری ہو؟ توبہ توبہ اے چھیا	تو ہی کیا اچھا ہے؟ جو لاڑو ملے گی خوب تر
میں نے حق مارا نہیں ہرگز کسی کا آج تک	میں انا الحق ہوں نہ تم سا ہے انا الباطل کا ڈر
نور سے ظلمات ہے ظلمات ہی سے نور ہے	وقت پر جو کام لے ہے وہ بہادر سولجر
ایسے ہی ہم سے خدا ہے اور ہم ہیں از خدا	عطر اپنا کھینچ کر دیکھا تو پایا روح گر
نشأۃ عالم سے نے کرتا بہ ایندم کوئی شخص	یہ نہیں دکھلا سکا دیکھو وہ ہے پرمیشور
جب کوئی پرمیشور کو ڈھونڈ کر تھک جائے گا	بے شک وشبہ کمر باندھے گا وہ انکار پر
میں جو ہوں انساں یہ انسانیت ہے اور کچھ	فوقیت رکھتی ہے جیسے نجم میں شمس وقمر
سب انا الباطل کے پیرو ہو جبھی بطلان ہے	میں انا الحق کا ہوں پیرو اس لئے ہے حق ادھر
من نمی گویم انا الحق یار مے گوید بگو	گشتہ ایں تعمیل حکمش تو چہ دانی اے پسر
یاد باشد! ہے یہی یحییٰ بنائے کائنات	ہے یہی یحییٰ امام الکائنات وتاج سر

اب خدائی کا زمانہ آ گیا ہشیار باش ‌ ‌ ‌ صورت یحییٰ میں گویا ہے وہی اسٹیج پر
اس کی مرضی ہے کہ بندہ ہی تو ہوتا ہے گناہ ‌ ‌ ‌ کر ترقی کہ خدا بن بے گناہی ہے ادھر
آسماں سے اب ندا آئے گی بعد از قتل عام ‌ ‌ ‌ ہے یہی یحییٰ کہ جس کی شکل ہے افلاک پر
ہے یہی یحییٰ کہ جس کے منتظر مدت سے ہو ‌ ‌ ‌ مہدی الموعود عیسیٰ یا مسیح منتظر

اور رسالہ دھرم لوری میں لکھتا ہے۔

یا انا تو یہوا ہے تو ہی خدا ہے خود آ ہے ‌ ‌ ‌ یہ بندہ کب یحییٰ ہے تو ہی مجھ میں گویا؟
جیسی کرنی ویسی بھرنی ‌ ‌ ‌ نیک بنو اور ایک بنو
یہوا ہی بس یحییٰ ہے، یحییٰ ہی بس یہوا ہے ‌ ‌ ‌ دونوں یحییٰ یحییٰ ہے یحییٰ کا یہ بھاکھا ہے
جیسی کرنی ویسی بھرنی ‌ ‌ ‌ نیک بنو اور ایک بنو

رسائل مذکورہ کے علاوہ اس نے فرمان کے نام سے ۸۲۴ صفحوں کی ایک ضخیم کتاب بھی لکھی ہے۔ جسے وہ اپنا قرآن بتاتا ہے۔ اس کے شروع میں اس نے ان الفاظ میں اپنا تعارف کرایا ہے۔ اعلیٰ حضرت احمدیت مآب فرمانروا سید محمد یحییٰ خان دوران نائب اللہ علی العالمین دی لینڈ لارڈ اوف موضع یحییٰ پرگنہ اروی ضلع گیا صوبہ بہار اس کتاب میں اپنے دعویٰ کے متعلق یہ لکھ کر اپنی شرافت اور خوش کلامی کی داد دیتا ہے۔ ایسے حرام زادوں پر پھٹکار ہے جو فرمانروا کی پیروی نہیں کرتے۔ اے نمک حرام سؤر کے بچو! تمہیں اب بھی یقین نہ ہوگا۔ حالانکہ تمہارے لئے مالک نے انسانی لباس اختیار کیا ہے۔ کنواری لڑکی سے خود کو پیدا کر دکھلایا۔ مردہ زندہ کیا تیہ میں پھرا۔ امی بن کر اہل فصاحت کو عاجز کرایا۔ قبل از وقت پیدا ہو کر ۴۵ روز بغیر دودھ کے رہا۔ بچپن میں چنے اور چائے پر گذارہ کیا اور مہینوں لگاتار فاقہ کش کی خواب میں خدائی لباس میں بھیروں کو دیدار دیا۔ پیشین گوئیاں پوری ہوئیں۔ غیب سے آ کر کسی نے کہا کہ یہ خدا کا فوٹو ہے۔ فوٹو گرافر نے ہمارے فوٹو لینے میں ایک درجن شیشے استعمال کئے مگر فوٹو نہ آیا۔ غیب سے میری تصدیق کے لئے آواز آئی کہ درست ہے فضائے آسمانی سے یہ آواز آئی کہ حضرت مولانا سید محمد یحییٰ التحیات "علیکم وخیر لك من الاولیٰ" ۲۸ روز بڑودہ میں فاقہ کش رہ کر لیکچر دیا لوگ مارنے آئے تو ہم نے تلوار دکھائی اور سب لوگ بھاگ گئے۔ مکہ میں لیکچر دیا۔ مدینہ پہنچا تو روضۂ اقدس سے [illegible] آواز آئی۔ زنجبار اور بمبئی میں انتقال کیا اور چار گھنٹہ بعد پھر جی اٹھا۔ تم نے کئی بار [illegible] نہ ہوا۔ بمقام لندن انڈیا آفس میں خوبصورت تصویر نے جھک کر سلام کیا۔ ایک ہی وقت میں کئی جگہ تم کو نظر آیا۔

(فرمان ص ۲۰۵، ۲۱۱)

انبیائے سلف میں سے کوئی صفی اللہ، کوئی نجی اللہ، کوئی خلیل اللہ، کوئی ذبیح اللہ، کوئی روح اللہ اور کوئی حبیب اللہ تھے۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کی دیکھا دیکھی یحییٰ نے بھی اپنا ایک کلمہ تجویز کر لیا ہے اور وہ "لا الہ الا اللہ یحییٰ عین اللہ" ہے۔

دادرا

پنجاب مارشل لاء کے عہد آشوب کے بعد خاکسار راقم الحروف نے بمبئی سے ایک روزنامہ اخبار بنام نصرت جاری کیا تھا۔ انہی ایام میں یحییٰ نے ایک دادرا بغرض اشاعت روانہ کیا اور یہ رقعہ بھی لکھا۔ مہربان من! تسلیم! میں زمانے کے مطابق ایک عرفانی دادرا لکھ کر بھیجتا ہوں۔ یقین ہے کہ آپ اپنے روزنامچہ بنام نصرت میں شائع فرما کر مجھ کو اور سب کو ممنون فرمائیں گے۔ خاص کر رضاکاروں کے لئے جو چرخے کے گیت گاتے پھرتے ہیں۔ زیادہ مفید ہوگا۔ (آپ کا خادم فرمانروا سید محمد یحییٰ عین اللہ) لیکن دادرا شائع نہ کیا گیا۔ اس کے بعد ۱۰ر جنوری ۱۹۲۲ء کو یحییٰ نے انا الحق اور دھرم لوری نام کے دو رسالے بغرض ریویو روانہ کئے اور لکھ بھیجا۔ بجناب برادرنا مہربان بعجز و انکسار تعظیم و تکریم کے ساتھ آداب و تسلیم قبول ہو۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ ہمیں جانتے ہیں۔ ہم نے چند بار آپ کے پاس آرٹیکل بھیجے۔ مگر نہ معلوم کیا وجہ ہوئی کہ ایک بھی شائع نہ فرمائی۔ حالانکہ مفید خلائق اور حق بات لکھا کرتے ہیں۔ لیکن آپ کی نگاہ مبارک میں جب لغو دکھائی دیتا ہے تو خیر جزاک اللہ! یہ کتاب ریویو کے لئے بھیجی جاتی ہے۔ اب جیسی آپ کی مرضی۔ اس کے بارے میں لکھئے یا نہ لکھئے۔ سپردم بتو مایہ خویش را۔ (آپ کا خادم سید محمد یحییٰ) دادرا کا کچھ حصہ قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے درج ذیل ہے۔

چرخہ گھن گھن گھن بولے ذرا سنو نگر کے لوگ
دورہ ہے ہندوستان کا ہندی ہے اوتار
چمکا چمکا نور چمکا دیکھو دیکھو یار
چرخہ گھن گھن گھن بولے ذرا سنو نگر کے لوگ
جگ میں چمکا جگمگ تارہ جاگو جگ کے لوگ
میں ہی جوگی جگموہن ہوں دیکھو میرا جوگ
چرخہ گھن گھن گھن بولے ذرا سنو نگر کے لوگ
ماتھے پر ہے جگمگ تارہ ماتھا ہے مکھیات
ارے یہی محمد یحییٰ ہے میتریا اے حضرات

چرخہ گھن گھن بولے ذرا سنو نگر کے لوگ
یحییٰ ہی جگ مانس ہے یحییٰ ہی ہے جگد یو
جیسے مٹی بھیت دو آرا مٹی ہی پھر نیو
چرخہ گھن گھن بولے ذرا سنو نگر کے لوگ
آؤ آؤ! دور نیا ہے ست جگ ہے ذرات
یحییٰ ہی وہ ہادی ہے لو نور کی سوغات
چرخہ گھن گھن بولے ذرا سنو نگر کے لوگ

ذیل میں قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے یحییٰ کی ایک دلچسپ نظم درج کی جاتی ہے۔

راما ہم ہیں مریم ہم ہیں رستم ہم ہیں ہم ہی جم
گویا کہ بس ہم ہی ہم ہیں ہم ہی ہم ہیں ہم ہی ہم
یاد رہے تم سب کو اتنا جب تک ہے اس دم میں دم
بولیں گے ہم بیشک حق حق لاکھ کرو تم ذم پر ذم
یا امی یا امی امی امی امی امیم
مہدی مہدی مہدی مہدی مہدی مہدی ام
ہم ہی صبیٔ مہدی ہیں گہوارہ میں جو بولے تھے
احمد ہم ہیں موسیٰ ہم ہیں عیسیٰ ہم ہیں یحییٰ ہم
پہلے جو کچھ لائے تھے ہم ویدا کے تم سب کو گئے
تم نے اس کو ایک نہ مانا سیدھے بن کے ہو گئے خم
اب ہم جو کچھ لائے ہیں سو لے لو بھلے منسائی سے
چھوڑو اپنا دھوم دھڑکا چھوڑو اپنا سارا بم
دیکھو کیا ہے شان ہماری سارے احمد حامد ہیں
قال رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ العم
ایلی ایلی ایلی ایلی ولما سبقتنی
ان اللہ معنا پھر کیا ہے ہم کو اس کا غم
سبحنك لا علم لنا الا ما علمتنا
انك انت العليم میں ہوں تیرا خالی فم

قدرت تیری رنگ برنگی تو قدرت کا مالی ہے
میں ہی تیرا فوٹو ہوں بس مجھ سے ہے عالم ظلم
ابجد ہوز حطی کلمن سعفص قرشت ثخذ ضظغ
سارے علم اسی میں بھرے ہیں ظاء ظہور العالم تم
دیکھو بھاگو بچتے جاؤ چلتی ہے تلوار مری
چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم
خون بہے گا دنیا میں پڑ جائیں گے کہرام بڑے
سوکھی ساکھی دھرتی سب ہو جائے گی اکدم سی یم
لا تبدیل لخلق اللہ سمع اللہ لمن حمدہ
نیتی تل کے مانس کی ہے دیکھو دونو نینا نم
سبحان اللہ تعالیٰ من یخش اللہ یتقہ
جعل لکل شئ سببا آدہ دہ دہ دہ دہ دہ دہ ہم
ھو المھدی ھو الھادی لیس الھادی الا ھو
نازل ہوگا کس جا پر؟ امریکہ میں جو ہے اک تھم
خشعا ابصارھم یخرجون من الاجداث
لیس لھم من دون اللہ کاشفۃ من ھم الغم
ہادی مہدی نرنرائن دولہا دولہن ایک ہیں
سب کے سب کنگالی ہیں اور اتم جو کھم خالی ہم

مندرجہ ذیل نظم میں اس نے مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح خودستائی کے آسمان میں پیوند لگایا ہے۔

خود بقا اور خود فنا ہوں میں	خود نبی اور خود نبا ہوں میں
اختر ومہر وماہ وبرج وفلک	جنت ودوزخ وخلا ہوں میں
بحر و بر سبزہ ومکین ومکاں	روح وارواح وبازیا ہوں میں
اور ناممکن القیاس جو ہو	وہ بھی میں ہوں بس اب خدا ہو میں
بس خدا ہی کا نام یحییٰ ہے	میں نے کچھ یا دعاء یا ہوں میں
واہ کیا خوب دلربا ہوں میں	اپنے ہی آپ پر فدا ہوں میں

ابرو بادو سحاب وقوس وقزح   بارش و برق وطور وطاء ہوں میں
الغرض جملہ کائن وما کان   یعنی ہی میں ہوں بتاؤ کیا ہوں میں
خود سے چھپتا ہوں شرم کے مارے   حی ویحییٰ وبا حیا ہوں میں

عین اللہ ہونے کے متعلق مضحکہ خیز خیال آفرینی

میں نے کلکتہ میں سنا تھا کہ یہ شخص نہ صرف اردو، فارسی، عربی، ترکی، مشرقی زبانوں میں اچھی دستگاہ رکھتا ہے۔ بلکہ انگریزی جرمن فرانسی وغیرہ مغربی زبانیں بھی بخوبی جانتا ہے۔ زیادہ تر یورپ میں رہتا ہے۔ ایسا نفیس اور بیش قیمت لباس پہنتا ہے کہ اس سے زیادہ قیمتی پوشش کسی والی ریاست کو بھی میسر نہیں آ سکتی۔ یہ شخص ۱۹۳۰ء کے اواخر میں لاہور بھی آیا تھا۔ لیکن میں نے اس کے دیکھنے کا قصد نہ کیا۔ نومبر میں اس کا ایک مراسلہ لاہور کے ہندو اخبار ملاپ میں شائع ہوا تھا۔ اس میں اس نے اپنے عین اللہ ہونے کی جو دلیل و برہان پیش کی وہ جریدہ انقلاب مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۳۰ء سے نقل کی جاتی ہے۔ یحییٰ نے ملاپ میں لکھا تھا کہ: ''جیسے پرندوں کے پروں کے نلی کے اندر چنیا گھاس کی طرح ایک سہ پہلو ریشہ ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کی ریڑھ کے اندر ایک سہ پہلو چیز ہوتی ہے جو سانپ سے مشابہ ہوتی ہے جس پر انسان کا ڈھانچہ قائم ہے۔ جو خیمے کے بیچ میں ستون کا حکم رکھتا ہے۔ جسے انگریزی میں وریٹبرم کالم کہتے ہیں اور سنسکرت میں یہوا اور عربی میں یوا یحییٰ اور عمود الفقری کہتے ہیں۔ جس میں نور پیدا ہونے سے وجدانی وجذباتی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے پیدا ہوتے ہی جو باتیں بصیرت و بصارت سے نہیں معلوم ہو سکتی تھی اس کیفیت سے معلوم ہو جاتی ہے۔'' جس کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے۔

گفتا حال ما برق جہاں است
دمے پیدا ودیگر دم نہان است

یعنی کہنے والے نے کہا کہ حال اس کا برق جہندہ کی طرح ہے کہ جس دم وہ چمک کر سانپ کی طرح رواں دواں ہوئی تو اس کی روشنی میں ازل سے ابد تک معلوم ہو جاتا ہے اور اگر نہ چمکی تو کچھ نہیں تو وہ ہمیشہ نہیں چمکتی۔ جس وقت چمک جائے یہ خدا کی مرضی پر منحصر ہے۔ یا وجدانی کیفیت پر۔ چنانچہ اگر وہ عمود الفقری جس کا ذکر اوپر پیش آیا۔ ریڑھ کے اندر سے خارج کر دیا جائے تو فی الفور جسم کا ڈھانچہ بیٹھ جائے گا۔ گویا اس قدر عمود الفقری کی ہستی کی اہمیت ہے کہ وہی بنائے جسم یا بنائے زندگی ہے۔ ایک تو یہ معنی یحییٰ کے ہیں۔ دوسرے یحییٰ کے معنی خدا کے ہیں جو سنسکرت اور عبرانی زبان کے لفظ یہوا سے بنا ہے۔ غرض یہ کہ یحییٰ کے معنی (معاذ اللہ) خدا کے ہیں

اور یحییٰ کے معنی عمود الفقری کے بھی ہیں۔ لہٰذا یحییٰ عین اللہ کے معنی یہ ہوئے کہ خدا عمود الفقری ہے اور عمود الفقری خدا کی آنکھ ہے۔ گویا خود یحییٰ عمود الفقری بھی ہے اور ریڑھ کی ہڈی بھی ہے۔ خدا بھی ہے خدا کی آنکھ بھی ہے۔

مردہ زندہ کرنے کا مطالبہ

میں نے ایک مرتبہ کلکتہ میں سنا تھا کہ یحییٰ کے دعویٰ الوہیت کے بعد کسی نے اس سے پوچھا کہ پنجاب میں مرزا غلام احمد قادیانی جو نبوت کا مدعی ہے وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے یا نہیں؟ بولا وہ جھوٹا ہے۔ میں نے تو اسے نبی بنا کر بھیجا ہی نہیں۔ وہ از خود نبی کس طرح بن بیٹھا؟ اسی طرح بیان کیا جاتا ہے کہ قصبہ جہاں آباد ضلع گیا کا ایک ہندو سیٹھ اس کا بڑا معتقد تھا اور یہ اکثر وہاں جا کر اس کی کوٹھی میں ٹھہرا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ سیٹھ کے مکان کے قریب ایک ہندو بیوہ کا اکلوتا بیٹا مر گیا۔ وہ بیچاری مصروف بکا تھی کسی نے آ کر اس سے کہا کہ روتی کیوں ہو؟ خدا صاحب آئے ہوئے ہیں وہ ادنیٰ توجہ سے تمہارے فرزند کو زندہ کر دیں گے۔ یہ سنکر غم نصیب بیوہ منتیں کرنے لگی کہ خدا صاحب سے عرض معروض کر کے میرا بچہ زندہ کرا دو۔ اس نے کہا اگر فلاں سیٹھ سفارش کر دے تو یحییٰ عین اللہ صاحب تمہارے بیٹے کو از سر نو زندگی بخش دیں گے۔ لڑکے کی لاش اٹھا کر سیٹھ کے پاس لے جاؤ اور بمنت کہو کہ اس بچے کو زندہ کرا دیں۔ عورت نے بچے کی لاش اٹھائی اور سیٹھ کے مکان کی طرف لے چلی۔ سیکڑوں ہزاروں تماشائی پیچھے تھے۔ عورت سیٹھ کے مکان پر پہنچ کر زارو قطار رونے لگی اور ہاتھ جوڑ کر سیٹھ سے عرض پیرا ہوئی کہ مجھ دکھیا بیوہ کی زندگی کا آخری سہارا یہی فرزند تھا۔ جو طعمۂ اجل ہو گیا۔ اس کے بعد میری زندگی محال ہے۔ اگر سفارش کر کے اس کو زندہ کرا دو تو ہمیشہ دعاء گو رہوں گی۔ سیٹھ کے دل میں رحم آ گیا اور عورت کو ساتھ لے کر یحییٰ کے پاس پہنچا اور کہا کہ یہ ایک بیکس بیوہ ہے اس کا ایک ہی فرزند تھا۔ جس کو دیکھ کر دیدۂ دل روشن کرتی اور زندگی کے دن کاٹ رہی تھی۔ از راہ کرم اس بچے کو زندہ کر دیجئے۔ سادہ لوح سیٹھ کو یقین تھا کہ جس طرح ہندو دھرم میں رام اوتار، کرشن اوتار، مشہور ہیں۔ اسی طرح یہ بھی (معاذ اللہ) خدا کا کوئی اوتار ہے اور اس میں (معاذ اللہ) رب العالمین کی ذات جلوہ گر ہے۔ یحییٰ یہ بے ڈھب درخواست سن کر بہت گھبرایا۔ اس لئے چاہا کہ حیلے حوالے کر کے بلا کو ٹال دے۔ چنانچہ عورت سے خطاب کر کے کہنے لگا کہ بڑھیا! ہم ایک دفعہ مار کر کسی کو دوبارہ زندہ نہیں کیا کرتے۔ کیونکہ اگر ایسا کرنے لگیں تو ہمارا نظام کائنات درہم برہم ہو جائے۔ اس لئے اب تم صبر کرو۔ لوگوں نے عورت کو سمجھا دیا تھا کہ یحییٰ لاکھ انکار کرے مگر تم ایک نہ سننا اور اپنی درخواست پر مصر رہنا۔ عورت

ہاتھ باندھ کر یحیٰی کے سامنے کھڑی ہو گئی اور گڑگڑا کر عرض کرنے لگی۔ خدا صاحب مجھ غریب بیوہ پر رحم کرو۔ اس ایک بچے کو زندہ کر دینے سے تمہارا انتظام کائنات نہیں بگڑ جائے گا۔ غرض اس کی منت ساجت اور گریہ زاری حد سے بڑھ گئی اور پاس سے سیٹھ نے بھی زور دیا کہ اس عورت پر رحم فرمایا جائے تو ناچار یحیٰی نے اس کے زندہ کر دینے کا وعدہ کر لیا اور عورت سے کہا اچھا اس وقت تو تم لاش کو بحفاظت گھر لے جاؤ۔ صبح سویرے میرے پاس لے آنا میں زندہ کر دوں گا۔ عورت کامل وثوق واطمینان کے ساتھ بیٹے کی لاش گھر اٹھا لائی۔ لیکن یحیٰی اس رات وہاں سے چمپت ہو گیا۔ جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی اپنے من گھڑت معجزات کا پروپیگنڈا کرتا رہتا تھا۔ اسی طرح یحیٰی نے بھی اپنا ایک آسمانی نشان بنا رکھا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ ۲۳ر دسمبر ۱۹۲۰ء کے دن بوقت پانچ بجے شام جو ستارہ ٹوٹ کر سانپ کی شکل پر ہو گیا تھا اس کی نشست میں یحیٰی کا املاء پڑھا جاتا تھا اور اس کی روشنی کے سامنے آفتاب ماند پڑ گیا تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے۔

کیا بخط اژدھا تھا آسمان کی لوح پر؟
صاف تھا املائے یحیٰی پڑھ چکے اہل نظر

شریعت یحیویہ کے اوامر ونواہی

یحیٰی بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح انگریز کی رعایا اور اغیار کا محکوم ہے۔ لیکن اس نے اپنی من گھڑت شریعت کے جو مضحکہ خیز احکام کتاب فرمان میں لکھے ہیں۔ ان کا لب ولہجہ ایسا تحکمانہ ہے کہ گویا کسی والی ملک کے حدود وتعزیرات ہیں۔ بہرحال اس کی شریعت کا بانکپن ملاحظہ ہو۔ لکھتا ہے۔ زانی کو کتے سے کٹوا کر ہلاک کر دو۔ پسند کئے بغیر شادی نہ کرو اگر کوئی مزاحم ہو تو اس پر کھولتا ہوا پانی ڈالو کوئی کسی کا منہ چڑائے تو اس کے ہونٹ کاٹ ڈالو۔ ابرو سے اشارہ کرے تو موچنہ سے بال نوچ دو۔ بہتان باندھنے والے کو چونہ کی بھٹی میں بٹھا کر پانی ڈال دو۔ قاتل کو کرسی پر بٹھا کر اس پر برقی رو ڈالو اور ہلاک کر دو۔ جو باغ میں پیشاب کرے اس کے منہ پر پیشاب کرو۔ نطفہ ضائع کرنے والے کا آلۂ تناسل قطع کر دو۔ جو عورت گاجر وغیرہ سے فرزجہ کرے نمک نوشادر اور مرچ سے اس کو فرزجہ کرو۔ جانور سے جماع کرنے والے کا عضو تناسل کاٹ دو جو کوئی زنا بالجبر کرے اس کی جورو یا بیٹی سے برسر بازار زنا کراؤ اور کتے سے اس کی سفرہ کوبی کراؤ۔ پھرتہ خانے میں برف کے نیچے دبا دو۔ زانی کو الٹا لٹکا دو کہ سوکھ سوکھ کر ہلاک ہو جائے یا درندے نوچ کھائیں اور مفعول کو سولی دو۔ زانیہ کو حمل ہو جائے تو اسکو حراست میں رکھو کہ حمل نہ ساقط کر سکے۔ اگر حمل گرائے تو قتل عمد کی سزا دو۔ جو کسی کو عقیم ہونے کی دوا دے یا مخنث بنائے اسے لاکھ کی دیوار

میں چپکا دو۔ آگ لگانے والے کو توپ سے اڑا دو۔ باغی کو بچھوؤں کی خندق میں ڈالو اور زبان کاٹ دو۔ جو شخص برا افسانہ لکھے یا غیبت اور غمازی کرے یا جھوٹی گواہی دے یا جھوٹی مخبری کرے اس کی آنکھ میں چونہ بھر دو۔ انگلی سے بکر نہ توڑو۔ زفاف کا خون نہ دکھاؤ۔ سب اردو بولو۔ یہی ذریعہ تعلیم ہو۔ فرمانروائے کل (یحییٰ) کو قبول کرو۔ جس کے ماتحت فرمانروائے جز ہوں۔ خمس (مال کا پانچواں حصہ) تحصیل کر کے (یحییٰ کے) بیت المال میں جمع کراؤ۔ یہ بیت المال فرمانروائے کل (یحییٰ) کے زیر تصرف رہے گا۔ جو اتحاد میں مزاحم ہو اسے تیزاب میں ڈالو۔ شفایاب ہو جائے تو پھر تیزاب میں ڈالتے رہو۔ بلا استحقاق مال کھانے والے پر وہی مال پگھلا کر ڈالو۔ سرکشی کی سزا چار منجہ ہے۔ جس پر اس کی کھال کھینچی جائے۔ فرمان کے خلاف چلنے والے کو سنگسار کرو۔ جس عضو سے جو برائی ہو وہی کاٹ ڈالو۔ یحییٰ مسیح کا یہی لیکچر ہے جو گرجاؤں میں دہرایا جائے۔ گرجا کو صاف رکھو۔ اتوار کو منبر کے پاس نجور جلاؤ۔ داہنے بائیں مسیح ثانی (یحییٰ) کی دو تصویریں ہوں۔ لوگ سینہ پر ہاتھ رکھ کر سر جھکائیں۔ حکام کے بیٹھنے کے لئے اوپر برآمدہ ہو۔ منبر کے پاس اسٹیج پر خوش آواز باجہ ہو۔ جب فرمان پڑھتے پڑھتے کوئی سرور افزا مقام آجائے تو خوش گلو لوگ باجے کے ساتھ گانے لگیں۔ بیت المقدس کو سید المعابد بناؤ۔ فرمان کی تلاوت ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ نہ ہو۔ بیچ میں ٹفن کی چھٹی بھی ہو۔ جلسہ برخاست ہونے کے وقت خطیب ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگے۔ اختتام دعاء کے بعد لا الہ الا اللہ یحییٰ عین اللہ کہہ کر سب لوگ سینہ پر ہاتھ رکھ کر سر جھکا دیں۔ میت کے غم میں چالیس دن تک ماتمی نشان بازو پر رکھو۔ مردہ کو گاڑی پر لے جا کر مشین کے ذریعہ سے آگ میں پھونک دو۔ بے اجازت گاڑی کے پیچھے بیٹھنے والے کو خوب پیٹو۔ اگرچہ مر جائے۔ اضلاع کی رپورٹیں وائسرائے کے پاس جایا کریں اور وہ فرمانروائے کل (یحییٰ) کے پاس بھیجے۔ مشہور خادم خلق اللہ کا مجسمہ کسی بڑے شہر میں بلند مینار پر نصب کرو۔ لڑکی اپنی تصویریں بھیجے اور لڑکوں کی تصویریں منگوائے۔ پھر قرعہ ڈال کر انتخاب کرے۔ پھر دونوں گرجا میں جا کر شادی کر لیں۔ ٹیلیفون اور تار کے کھمبوں پر صلیب اور چاند ستارہ کی شکل ہو۔ کوئی نن مرلی، جوگی اور سنیاسی نہ بنے۔ کوئی عورت چہرے پر نقاب نہ ڈالے اور پاجامہ نہ پہنے۔ بلکہ گون اور بوٹ اور ساڑھی پہنے۔ کوئی عورت مہندے نہ لگائے۔ سلام کرنے میں ٹوپی اتار دو اور سینے پر ہاتھ رکھو۔ مونچھ سے خوبصورتی ہوتی ہے۔ سرمہ نہ لگاؤ۔ پاجی کی خوب خبر لو ورنہ تم سا کوئی ولد الحرام نہیں۔ فرستادۂ خدا (یحییٰ) کے سامنے دلائل پیش نہ کرو۔ کسی کا پس خوردہ پانی نہ پیو۔ گلاس بائیں ہاتھ سے پکڑو۔

اہل ایمان سے عناد

کتاب فرمان کے جو اقتباسات اوپر درج ہوئے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص نہ صرف مغربیت کا بہت دلدادہ بلکہ انتہاء درجہ کا مطلق العنان بھی ہے۔ اگر یہیں تک محدود رہتا تو چنداں افسوسناک نہ تھا۔ کیونکہ دنیا میں ہزاروں لاکھوں ملحد و زندیق موجود ہیں۔ لیکن اس کی سرشاری ضلالت کا ایک نہایت دلفگار پہلو یہ ہے کہ اس نے بے حیائی کا لبادہ اوڑھ کر اصول اسلام کا مضحکہ اڑایا ہے اور اہل ایمان کو ایسی ایسی گالیاں دی ہیں کہ لیکھرام یا کسی بدلگام پادری کو بھی ان کی جرأت نہ ہوئی ہوگی۔ گو ان خرافات کا نقل کرنا جن کو پڑھ کر ایک غیور مسلمان کا خون کھولنے لگتا ہے۔ مجھ پر سخت شاق ہے۔ لیکن یہ دکھانے کے لئے کہ ان شیاطین اخرس کو جو تقدس کے دعوؤں کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اسلام اور اہل ایمان سے کس درجہ عناد ہوتا ہے۔ اس کی فحاشی کے چند نمونے پیش کرتا ہوں۔ سلام کے معنی عافیت وسلامتی کے ہیں اور السلام علیکم کے یہ معنی ہیں کہ تم سلامت اور مفلح و کامگار رہو۔ لیکن یہ لعین لکھتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے السلام علیکم کہہ کر یہ بتایا تھا کہ بابا تم کو سلام ہے۔ گویا یہ لفظ لعنۃ اللہ علیکم کا مرادف ہے اور لکھتا ہے کہ اسلام اور مسلم کا لفظ بھی آج نجس معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر کوئی معزز ومحترم لفظ ہی نہیں۔ کیونکہ اسلام کے معنی تسلیم کرنا اور مسلم کے معنی اطاعت شعار کے ہیں اور لکھتا ہے کہ شریعت قدیم ختم ہوگئی۔ اب شرع جدید پر عمل کرو اس کے خلاف کرنا جرم ہے ورنہ تم واجب التعزیر ہوگے اور تمہارا مال ومتاع چھین لیا جائے گا اور تمہاری جورو دبیٹی خواص (لونڈی) بنالی جائے گی۔ پھر تہ تیغ کیا جائے گا۔ رومی، ایرانی، حیدر آبادی اور انگریزی ٹوپی پہنو۔ پگڑی شملہ ابلیس کا لباس ہے اور لکھتا ہے وہ قوم (معاذ اللہ) بڑی حرامزادی مردود ہے۔ جس نے کتابوں (قرآن) کا حرف حرف نقطہ نقطہ اعراب وغیرہ شمار کیا ہے۔ موسیقی بہترین چیز ہے۔ مگر وہ سؤر کے بچے حرامزادے ہیں جو اس نعمت الٰہی کا کفران کرتے ہیں۔ ختنہ نہ کرو۔ حاملہ بیہودہ قیام وقعود اور حرکت بیجا (نماز) کو عبادت نہ سمجھے۔ مثلاً بار بار زمین پر ناک رگڑنا (سجدہ کرنا) اور دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑ دھوپ کرنا، جھوم کھیل کھیل کے رو سیاہ پتھر کو چومنا، شیطاین کا ایک مجمع تصور کر کے اینٹ پھینکنا سخت بیہودہ حرکتیں ہیں۔ وہ حرامزادے ہیں جو عورتوں کو حبس بیجا کرتے (پردے میں رکھتے) ہیں۔ بہت سے مردود لوگ تصویر رکھنا حرام سمجھتے ہیں۔ وہ حرام کے بچے یہ نہیں سمجھتے کہ کوئی چیز تصویر سے خالی نہیں۔ لہٰذا ایسی مادر بخطا مردود حرامزادی قوم حجو دکی باتیں نہ سنو۔ یہ ہیں ایسے شخص کے اخلاق عالیہ جسے خدا کا نائب یا (معاذ اللہ) ناسوتی پیکر میں لاہوت ہونے کا دعوٰی ہے اور میرا خیال ہے کہ آج

تک جس قدر لفنگے میدان مذہب میں عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرے۔ ان میں یحیٰی جیسا کوئی بدمعاش نہ ہوگا۔ جس نے اہل حق کو اس طرح سوقیانہ گالیاں دے کر اپنی فرومائیگی کا عملی ثبوت پیش کیا۔ ’’فنعوذ باللہ من ھذا الشیطان الرجیم وعلیہ لعنة اللہ والناس اجمعین الیٰ یوم الدین‘‘

انگریز بہادر کی حمد وثنا

مولوی محمد عالم صاحب آسی امرتسری لکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد، یحیٰی بہاری اور اس قسم کے دوسرے لوگ جو مامور بن کر آتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مامور من اللہ نہیں ہوتے بلکہ مامور من النصاریٰ ہوتے ہیں۔ جو عیسیٰ اور مہدی کا روپ دھارن کر کے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو مسیحیت سے مانوس کریں یا کم از کم انہیں دین نصاریٰ سے برسر عناد و پیکار نہ رہنے دیں۔ میں مولوی صاحب کے اس خیال سے پورا متفق ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ ایسے لوگ مشن کی طرف سے بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں اور یہ صرف کچھ جھوٹے مدعیوں پر موقوف نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو مذہب میں رخنہ اندازی کر کے ملک میں آتش فتنہ مشتعل کرتا ہے وہ بھی نصاریٰ کا ایجنٹ ہے۔ چنانچہ سنا گیا ہے کہ عبداللہ چکڑالوی بانی فرقہ اہل قرآن نصاریٰ کا گماشتہ تھا اور یہ کہ اسے مشن کی طرف سے اس معاوضہ میں بیش قرار مواجب ملتے تھے کہ اسلام میں الحاد کر کے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالے۔ واللہ اعلم بحقیقة الحال!

مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریز کی تعریف میں بقول خود پچاس الماریاں کتابیں لکھی تھیں۔ یحیٰی بہاری پچاس الماریاں لکھنے کی سعادت تو حاصل نہ کر سکا۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے فرض سے قاصر نہیں رہا۔ چنانچہ اس کا رسالہ اناالحق اس حقیقت کا شاہد ہے۔ گو اس نے مقولۂ عوام کے زیر عنوان انگریزوں کی چند کوتاہیاں بھی نقل کی ہیں۔ مگر پھر انگریز کی طرف سے ان اعتراضوں کے جواب دے کر پوری طرح حق وفا ادا کر دیا ہے۔ مقولۂ عوام کے تحت میں لکھتا ہے۔

میں نے مانا تو بہت اچھا ہے لیکن یہ تو کہہ | اہل امریکہ نے تجھ کو کیوں کیا گھر سے بدر؟
کیوں تجھے صاحب دغا کہتے ہیں سب دنیا کے لوگ | کچھ نہ کچھ تو دال میں کالا ہے یا سب ہے لچر؟
یہ بھی کہہ مجھ کو کہ آئرلینڈ کیوں تجھ سے ہے تنگ | ہے ترا ہمسایہ بلکہ جزو عضو دست وبر
کیوں تجارت کے بہانے لوٹتا ہے ملک کو؟ | کورٹ فیس اتنی بڑھائی ہے کہ گویا الحذر!
ہے کہیں محصول بیجا ہے کہیں حد سے فزوں | ہے یہ کیوں حشرات برپا؟ کچھ تو اس مالک سے ڈر
ایک چٹکی بھی نمک کوئی بنا سکتا نہیں | اس قدر ظلم وتعدی ساری خلق اللہ پر

صنعت ہندوستان کی تو نے کی مٹی پلید — اور انگوٹھے ان کے کاٹے جو تھے اچھے کارگر

تو نے اپنے ملک میں ہندوستانی چھینٹ کو — پاپ ٹھہرایا پہننا واقعہ کو یاد کر

کیوں خوشی معدوم ہے؟ میلا جھمیلا کیوں نہیں؟ — کیوں کنوارے اس قدر ہیں؟ کیوں بھکاری اس قدر؟

حالت افلاس میں شادی کبھی جائز نہیں — بانی افلاس کہتے ہیں تجھی کو سب بشر

وقت پیری سب کو حاجت ہے کہ وہ عینک لگائے — اس قدر غربت بڑھی کہ لے نہیں سکتا مگر

ہیسٹنگ اور واقعات لارڈ کچھ یاد ہیں — اور ڈگی کا رپٹ ہے دل میں نقش کالحجر

حسن ملیامیٹ ہے جو نسل ہے برباد ہے — بھوک سے سب مر رہے ہیں اور تو کھائے بٹر

اے تو قہر اللہ جلدی آ و ظالم کو نکال — ورنہ اے ظالم یہ کہتا ہوں کہ جلدی سے سدھر

کیوں نہ تعلیمات جبر ادی کہ سب بنتے عقیل؟ — کیوں نہ کوشش کی کہ ہوتے متحد با یکدگر؟

فرض شاہی کیوں نہیں اچھی طرح پورا کیا؟ — فائدہ اپنا ہی رکھا ہر جگہ مدنظر

گیارہ آنے خود لئے تو ایک آنہ دے دیا — یہ کوئی انصاف ہے؟ انسانیت سے غور کر

کوئی ہو انساں کی صورت میں اسے بھائی سمجھ — ورنہ اے ساگر! تو بڑھ انگلینڈ کو غرقاب کر

یہ نہیں کہ مار ڈالے او گھیے والے کو تو — یا ٹرینوں میں تو بیٹھے آدمی کے پیٹ پہ

جونک بن کر چوس ڈالے سب بنی آدم کا خوں — اور یہ ظلم و تعدی ہوں عمل میں معتبر

اور ہر انساں کو سمجھے بدتر از عبد و رہی — ان سے جو برتاؤ ہو بدتر ہو از کلب دلیر

کیس جب اس کا چلے تو ترم کر دے کیس کو — کالے گورے کی لگائے تیغ یہ ہے اک ظلم و شر

ایسی حالت میں مجھے یہ اتفاقی فرض ہے — اس پہ جو عامل نہ ہو گویا ہے حق پا جبر

اے تم ایسے لوگ! جب دیکھو کہ وہ ایسا کرے — رخ وہیں اپنا بدل دو یہ عمل حق ہے سپر

جب ہوئے معزول اپنے فضل سے سب بادشاہ — یہ نہ کیوں معزول ہو کیا اس میں ہے عقدہ کا پچر؟

اس کے بعد یحییٰ نے انگریز کی طرف سے ان اعتراضوں کے بڑے لمبے چوڑے جواب دیے ہیں۔ چند اشعار نمونۃً ملاحظہ ہوں۔ کہتا ہے۔

کیا یہ کہنا ان کا سچ ہے یا فقط ہے اتہام؟ — اس کو جلدی صاف کر یہ کیس ہے بس پر خطر

ورنہ تم سے بڑھ کے لچا کوئی عالم میں نہیں — جس قدر ہو ظلم تم پر، عدل ہے بلکہ ہنر

ملک لیں شمشیر سے ہم پھیر دیں تقریر سے؟ — دشمنوں نے کس طرح ہم سے لیا تھا جیتکر

ملک لے کر کب دیا تم کو بنی سفیان نے — گرچہ ان پر لعنتیں برسائیں سب نے عمر بھر

باپ تک تو جیتے جی دیتا نہیں بیٹے کو ملک — کس طرح سے غیر دے گا بھلا اے بے خبر

یہ تدبر ہے کہ بچے سے کہیں ہم اے عزیز
کل فجر کو چاند لا دیں گے تو سورہ جک نہ کر

اب خدا سے رنج ہو جا کیوں مجھے اس نے دیا
میرے کرتب کا یہ پھل ہے خذ صفا دع ما کدر

اک محلّہ چونکہ آئر لینڈ ہے انگلینڈ کا
اس لئے اک گھر میں دو سوراخ آفت کا ہے گھر

قوم امریکہ نے کب پایا؟ کہ جب لائق بنا
ہاں مگر افسوس ہے کچھ ہو گیا تھا شور و شر

ہر جگہ اچھے برے ہیں جاہلوں کو دیکھ لو
اب فرنگی ہو کہ زنگی ہو کہیں کا ہو بشر

پس کسی انگریز جاہل نے اگر کی ہے خطا
مت نکالو ایک جاہل کے لئے سب سے کسر

ساری دنیا میں سمجھ لینا کہ میں ہی ہوں برا
کیا یہی انصاف ہے اور شیوۂ انصاف ور

پہلے ہی سے ہے جہاں میں جنگ و غربت کا وجود
شاہد اس کے ہیں کتاب و آمد پیغام بر

پہلے زر کم تھا تو ارزانی بھی تھی چاروں طرف
اب زیادہ زر ہے اس نسبت سے ہے سودا و زر

میں نے تجھ کو کب کہا؟ حرفت نہ کر حیوان بن
تو تو خود اس کو برا کہتا ہے خود انصاف کر

کیا نہ چوہوں کا کہیں معبد میں ہے بول و براز
اس سے بھی بدتر ہیں انگریزان اے بیہودہ سر؟

گر یہی انصاف ہے تو پھر ہمیں کیا چاہئے
غالباً یہ چاہئے ہم تجھ کو سمجھیں گاؤ خر

ٹھیک ایسا ہی ہے اپنا داخلہ اس ملک میں
جس طرح سے ہند میں آیا کوئی ہندو کے گھر

تم تو خود دجال ہو دجال کے ساتھی بنے
ہم پہ الٹا دوش رکھتے ہو کہ ہیں دجال فر

صید کو صیاد جو دیتے ہیں دھوکا وقت صید
ہے وہ دھوکا یا کہ حکمت؟ کہ تو اس کو اے بقر

میں نے مانا میں فریبی ہوں بڑا مکار ہوں
تم نے کیوں مانا مجھے ہر دم فریبی جان کر

میں لڑاتا ہوں تو کیوں لڑتے ہو؟ بچے ہو مت لڑو
خود تو لڑتے ہو مگر الزام ہے شیطان پر

اس لئے نا اہل ہو نادان ہو مردود ہو
ہوش میں اب تک نہ آیا کوئی بھی بکر و عمر

ملک کو نہلا دھلا کر صاف ستھرا کر دیا
اس کی مزدوری جو لی پبلک ہوئی ناراض تر

جب دوا چھوڑی کنوئیں میں تاکہ پانی صاف ہو
لوگ بولے زہر میں نے دے دیا ہے جان کر

جب کبھی چاہا کہ اچھی بات کی تعلیم دوں
بول اٹھے بیدین کرنا چاہتا ہے یہ سؤر

ایک منسپلٹی جو دی تھی اس کی حالت دیکھئے
جس طرف رہتے ہیں ہم رکھتے ہیں اس کو صاف تر

اور جہاں رہتے ہیں خود ہی اس کو رکھتے ہیں کثیف
جب چلے ہم دیکھنے کو کر دیا آب گہر

اب کوئی عادل اسے فیصل کرے میں کیا کروں
تنگ آ کر میں نے چھوڑا ان کو ان کی رائے پر

کیسی ہی سچی خبر دوں یہ نہ مانیں گے کبھی
ہاں اگر میرے مخالف ہے تو ہے سچی خبر

ہیکل رانی کو بے حرمت کیا اکثر جگہ
اور اس کے واسطے پیدا کئے والنٹیر

دشمنوں سے چونکہ دہشت تھی ہمیں ہر سمت سے ۔۔۔ اس لئے حفظانِ ذاتی میں تھے ہم مصروف تر

اس میں تھی حاجت زرِ وافر کی ہر اک طور سے ۔۔۔ اس لئے کچھ زرکشی زائد ہوئی ہے عفو کر

اس کا آگے بندوبست ہوگا کہ ہو آرام جاں ۔۔۔ مہربانی کر کے کچھ خاموش رہ جلدی نہ کر

بم سے جب مارا تھا دہلی میں وزیرِ ہند کو ۔۔۔ قتل دہلی پر ہوا کب؟ مستعد انگلش پسر

کیسے اک مجرم کی خاطر بیگناہوں کا ہو خوں ۔۔۔ منہ خدا کو کیا دکھائیں گے کریں ایسا اگر

ہم اگر چاہیں تو سارے لیڈروں کو خفیۃً ۔۔۔ ایک دم غائب کرا دیں خوف ہے رب سے مگر

رحم کھاتے ہیں کہ یہ بچے ہیں سب نادان ہیں ۔۔۔ روتے روتے خود ہی چپ ہو جائیں گے سب گھر بہ گھر

ہم تو زر سے کارخانے کھولتے ہیں ہر جگہ ۔۔۔ اور یہ سب زر کو رکھتے ہیں زمیں میں گاڑ کر

مفت میں کچھ کام لینا یا مصنف سے کتاب ۔۔۔ اس کے معنی یہ ہیں دے دے مفت میں خونِ جگر

برکتیں کیسے ہوں؟ کیسے ہو ترقی علم کی؟ ۔۔۔ اہلِ امریکہ و یورپ بھی ہیں کیا ایسے ہی خر؟

جس کو عیسائی بنایا صاف ستھرا کر دیا ۔۔۔ کہ دیا لے کھا کما بابا اور اپنا کام کر

جس جگہ کثرت سے ہوں گے کاروبار مشغلہ ۔۔۔ وقت کب ان کو ملے گا تا کہ ہوں بدکار تر

جو نکمے اور مفلس ہیں وہی بدکار ہیں ۔۔۔ تا کہ وقت زندگانی ہو کسی گونہ بسر

عقل کا مفلس بھی ہے بدکار بیشک ہر جگہ ۔۔۔ دیکھ لو دونوں نظریں عقل رکھتے ہو اگر

لوگ جب غافل ہوئے انگریز تب بھیجا گیا ۔۔۔ شاید عند اللہ ہے دارین کا یہ کستر

ایشیا کا ڈوم ہو یا ایشیاء کا ہو چمار ۔۔۔ مغربی ڈوموں چماروں کے مقابل میں ہے خر

ان کے کھپڑے پھوس کے چھپڑ کو دیکھو غور سے ۔۔۔ کیسے ہیں سڈول؟ اب دیکھو الٹ کر اپنا گھر

کوئلے سے اور لکڑی سے جہاں کھانا پکے ۔۔۔ وہ ہے بہتر یا غلاظت سے ہے پکنا خوب تر

ایک منہ میں آم لے کر اس کو چوسے بار بار ۔۔۔ بے گھنائے اس کو دیکھے اپنے دیدے پھاڑ کر

دوسرا چمچے سے کاٹے بعدہ کھائے اسے ۔۔۔ کون ان دونوں میں بہتر ہے؟ تو کہہ اے مفتخر

پوختہ بر ریختہ دیوار پر اپلے کی تھاپ ۔۔۔ یہ تمیز ان کی ہے دیکھو ان کا یہ مکھیات گھر

جس گلی کوچے میں جاؤ شور برپا ہے وہاں ۔۔۔ ان کی یہ اولاد ہیں اور خود ہیں یہ ان کے پدر

ہاتھ باندھیں جا کے یہ حاکم کے آگے کس طرح ۔۔۔ یہ نہ فیصل کر سکے تو کیا کریں گے اپنا سر؟

رینگنے جس کو نہ آئے وہ ہو زپلن پر سوار ۔۔۔ فرش پر چلنے نہ آیا کیا چلے گا عرش پر؟

گر کبھی زپلن پہ بیٹھے ہوگیا کپڑا خراب ۔۔۔ اور چلانے لگے بھیا مرے! جلدی اتر

آج تک اچھا نہ دیکھا نظمِ شادی و برأت ۔۔۔ کیا کریں گے انتظامِ سلطنت یہ بدگہر

دیکھ لو نظم ریاست گر نہیں ہے اعتبار   والیان ملک ہیں سب باخبر یا بے خبر؟
کیا ندی تھی میں نے تخت کو اس کے پہلے سلطنت   مل گیا دشمن سے تو اپنے ولی کو چھوڑ کر

میں نے خوشامد کے طومار میں سے دو اشعار لے لئے ہیں جو ہندوستانیوں کے لئے سبق آموز اور تازیانۂ عبرت ہو سکتے تھے۔ باقی سب چھوڑ دیئے ہیں۔ معلوم نہیں کہ یحییٰ کے پیروؤں کی تعداد کس قدر ہے؟ سننے میں آیا ہے کہ مسلمان بہت کم اس کے دام تزویر میں پھنسے ہیں اور یہ کہ اس کے پیروؤں کی بہت بڑی اکثریت ہنود و یہود پر مشتمل ہے۔

باب ۴۳ ...... عہد بنو عباس کے برساتی نبی

خلافت عباسیہ کے دور میں جب ایک طرف فلسفہ یونان کا مذاق مسلمانوں میں بڑھتا جاتا تھا اور دوسری طرف مختلف مذاہب کی تاریخ سے اہل عرب آشنا ہونے لگے تھے۔ صدہا لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ لیکن ان میں سے زیادہ تر ایسے ہی لوگ تھے جو دعویٰ نبوت کرتے ہی پکڑے گئے اور خلیفہ وقت کے سامنے پیش ہونے کے بعد بھی اپنے دعویٰ پر قائم رہے تو ان کی گردن مار دی گئی۔

۱...... مامون رشید کے سامنے ایک بار دس مدعیان نبوت ایک ساتھ پکڑ کے لائے گئے۔ قصر خلافت میں آتے وقت جب وہ راستہ میں وقار و تمکنت کی شان سے گذر رہے تھے۔ کیونکہ سب تعلیم یافتہ اور شائستہ صورت کے لوگ تھے تو ایک طفیلی کو جو دعوتوں میں بے بلائے جا کے پیٹ بھرنے کا عادی تھا دھوکا ہوا کہ یہ لوگ کہیں دعوت میں جا رہے ہیں اور ان کے غول میں مل گیا۔ مامون کے سامنے جب یہ لوگ پہنچے تو سب لوگ متحیر تھے کہ یہ دس کے گیارہ کیونکر ہو گئے۔ جب تصدیق کے بعد ان کے قتل کا حکم ہوا تو وہ طفیلی گھبرایا اور بولا میں تو یہ سمجھ کے ان کے ساتھ ہو لیا تھا کہ یہ کسی امیر کے ہاں دعوت میں جا رہے ہیں۔ ورنہ مجھے دعویٰ نبوت سے کیا علاقہ؟ یہ سن کر تمام حاضرین ہنس پڑے اور مامون بھی مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ آخر تمام مدعیان نبوت موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے مدعیان نبوت میں سے بعض خلیفہ کے سامنے کوئی لطیفہ یا مذاق کا فقرہ کہہ کر چھوٹ جاتے تھے۔ جیسا کہ واقعات ذیل سے ظاہر ہوگا۔

۲...... خلیفہ مہدی عباسی کے عہد میں ایک شخص نے دعویٰ نبوت کیا۔ جب اسے پکڑ کے دربار خلافت میں لائے تو مہدی نے پوچھا تم نبی ہو؟ بولا جی ہاں۔ پوچھا اور کن لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہو۔ بولا تم نے کسی کے پاس ایک گھڑی بھر کے لئے بھی تو چلنے

نہیں دیا۔ میں نام لوں تو کس کا لوں؟ ادھر میں نے دعویٰ کیا اور ادھر تم نے مجھے پکڑ کے قید خانہ میں بند کر دیا۔ یہ جواب سن کر مہدی ہنسا اور اسے چھوڑ دیا۔

۳...... ایک شخص نے ایک بار بصرہ میں پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ لوگ اسے پکڑ کے حاکم بصرہ سلیمان بن علی کے پاس لائے۔ سلیمان نے صورت دیکھتے ہی کہا۔ تم خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہو؟ بولا جی اس وقت تو قیدی ہوں۔ پوچھا کمبخت تجھے کس نے نبی بنایا ہے۔ بولا بھلا پیغمبروں کے ساتھ ایسی ہی تہذیب سے گفتگو کی جاتی ہے؟۔ اے بے عقیدہ شخص اگر میں گرفتار نہ ہوتا تو جبریل کو حکم دیتا کہ تم سب کو ہلاک کر ڈالیں۔ مگر کیا کروں قید میں ہوں۔ سلیمان نے پوچھا تو کیا قیدی کی دعاء نہیں قبول ہوتی؟ بولا جی اور کیا۔ خصوصاً انبیاء کا تو معمول ہے کہ جب تک قید رہتے ہیں ان کی دعاء آسمان پر نہیں جاتی۔ سلیمان کو اس پر ہنسی آ گئی اور کہا اچھا میں تمہیں چھوڑے دیتا ہوں۔ آزادی پانے کے بعد تم جبریل امین کو حکم دو اور اگر انہوں نے تمہارے کہنے پر عمل کیا تو ہم سب تم پر ایمان لائیں گے۔ یہ سن کے بولا خدا سچ فرماتا ہے۔ "فلا یؤمنوا حتیٰ یروا العذاب" (یہ لوگ جب تک عذاب کو دیکھ نہ لیں گے ایمان نہ لائیں گے) یہ جواب سن کر سلیمان بہت ہنسا۔ پھر اس سے کہا جاؤ۔ پھر کبھی نبی نہ بننا اور اسے چھوڑ دیا۔

۴...... مامون کے عہد میں ایک اور شخص نے دعویٰ نبوت کیا اور اس خصوصیت کے ساتھ کہ میں ہی ابراہیم خلیل اللہ ہوں۔ جب وہ مامون کے سامنے پیش کیا گیا تو اس وقت ثمامہ بن اشرس مامون کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ مامون نے اس مدعی نبوت کی کیفیت سن کے کہا میں نے ایسا جری شخص نہیں دیکھا کہ خدا پر بھی تہمت لگائے۔ ثمامہ نے کہا اگر اجازت ہو تو میں اس سے گفتگو کروں۔ اس نے اجازت دی اور ثمامہ نے کہا اے شخص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تو نبوت کی دلیلیں بھی تھیں۔ تمہارے پاس کون سی دلیل ہے؟ پوچھا ابراہیم علیہ السلام کے پاس کون سی دلیلیں تھیں؟ ثمامہ نے کہا آگ جلائی گئی اور وہ اس میں ڈال دیئے گئے۔ مگر آگ ان کے لئے ٹھنڈی اور آرام دہ ہو گئی تو ہم تمہارے لئے آگ جلواتے ہیں اور تمہیں اس میں ڈال دیں گے۔ اگر تمہارے لئے بھی آگ ویسی ہو گئی تو تم پر ایمان لے آئیں گے۔ یہ سن کر وہ بولا یہ زیادہ مشکل ہے۔ اس سے کوئی آسان صورت بتاؤ۔ ثمامہ نے کہا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مانند دلائل نبوت پیش کرو۔ اس نے پوچھا ان کے دلائل کیا تھے؟ کہا ان کے پاس عصا تھا جب اسے زمین پر ڈال دیتے اژدھا بن جاتا۔ انہوں نے اپنی عصاء سے مار کر سمندر کو ٹھہرا دیا تھا۔ بولا اس سے بھی آسان صوت نکالئے۔ کہا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دلائل سہی۔ پوچھا وہ کیا تھے؟ کہا مردوں کو

زندہ اور اندھوں، کوڑھیوں کو تندرست کر دیتے تھے۔ بولا یہ تو سب پر قیامت ہے۔ ثمامہ نے کہا پھر کوئی دلیل نبوت تو ضرور ہونی چاہئے۔ اس نے جواب دیا میرے پاس اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے جبریل سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مجھے شیطانوں کے پاس بھیجتے ہو تو کوئی دلیل دو تاکہ میں اسے پیش کروں۔ اس پر جبریل بگڑے۔ خفا ہوئے اور کہا تم نے خود ہی برائی سے اپنے کام کی ابتداء کی۔ جا کے دیکھو تو کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ یہ باتیں سن کے ثمامہ نے مامون سے کہا امیرالمؤمنین اس کا دماغ خراب ہے۔ مامون نے کہا ہاں میں بھی ایسا ہی خیال کرتا ہوں اور یہ کہہ کے اسے نکلوا دیا۔

۵...... اسی طرح ایک اور شخص ادعاء نبوت کا مجرم بن کر خلیفہ مہدی کے سامنے پکڑا آیا۔ مہدی نے اس کی صورت دیکھ کے پوچھا تم کب مبعوث ہوئے؟ بولا آپ کو تاریخ سے کیا تعلق؟ مہدی نے پوچھا تمہیں کہاں نبوت ملی؟ بولا خدا کی قسم یہاں تو ایسی باتیں پوچھی جا رہی ہیں جن کو نبوت سے کوئی علاقہ نہیں۔ اگر آپ میری نبوت مانتے ہوں تو میں جو کچھ کہوں اسے مانئے اور میری پیروی کیجئے اور اگر آپ مجھے جھوٹا سمجھتے ہوں تو اپنے گھر خوش رہئے اور مجھے چھوڑ دیئے کہ میں اپنا راستہ لوں۔ مہدی نے کہا چھوڑ کیونکر دوں؟ تمہاری وجہ سے دین میں فساد پڑے گا۔ یہ سن کر بولا بڑے تعجب کی بات ہے۔ جب اپنے دین میں خرابی پڑنے کے اندیشہ سے آپ برہم ہوئے جاتے ہیں تو پھر مجھے کیوں نہ غصہ آئے۔ کیونکہ میری تو نبوت ہی کا سارا کاروبار بگڑا جاتا ہے۔ آپ کی ساری شان وشوکت اور یہ سارا جبروت معن بن زائدہ اور حسن بن قحطبہ کے ایسے سپہ سالاروں کے برتے پر ہے۔ اتفاقاً اس وقت قاضی شریک سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ مہدی نے کہا قاضی صاحب آپ اس پیغمبر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ قبل اس کے کہ قاضی شریک لب ہلائیں۔ اس شخص نے کہا آپ نے میرے معاملہ میں ان سے تو مشورہ لیا۔ بھلا مجھی سے کیوں نہ مشروہ لیا؟ مہدی نے کہا اچھا تم ہی بتاؤ کہ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ بولا میں اپنا فیصلہ ان انبیاء پر چھوڑتا ہوں۔ جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ بس جو ان کا فیصلہ ہو اسی پر عمل کیجئے۔ سہدی نے کہا مجھے یہ منظور ہے۔ اب اس نے پوچھا اچھا بتائیے میں آپ کے نزدیک کافر ہوں یا مؤمن؟ مہدی نے کہا تم کافر ہو؟ بولا تو بس قرآن میں موجود ہے کہ ”ولا تطع الکافرین والمنافقین ودع اذاھم“ آپ کافروں اور منافقوں کی پیروی نہ کیجئے اور ان کے تکلیف دینے کو چھوڑ دیجئے۔ اس لئے آپ نہ میری پیروی کیجئے اور نہ مجھے ستائیے۔ بلکہ مجھے چھوڑ دیجئے کہ غریبوں اور مسکینوں کے پاس جاؤں جو کہ پیغمبروں کے پیرو ہوتے آئے ہیں اور

بادشاہوں اور جباروں کو میں بھی چھوڑ دوں گا جو کہ جہنم کے کندے ہیں۔ یہ سن کے مہدی ہنسا اور اسے تنبیہ کر کے چھوڑ دیا۔

۶...... ایک دن عبداللہ بن حازم دجلہ کے پل کے پاس اپنی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں لوگ ایک شخص کو پکڑے ہوئے لائے۔ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ انہوں نے اس سے کہا تم پیغمبر ہو؟ بولا جی ہاں۔ پوچھا کس قوم پر مبعوث ہوئے ہو؟ بولا کسی پر ہوا ہوں تمہیں کیا؟ میں شیطان پر مبعوث ہوا ہوں۔ یہ جواب سن کے عبداللہ ہنسے اور کہا اسے چھوڑ دو کہ شیطان ملعون کے پاس جائے۔

۷...... ثمامہ بن اشرس کہتے ہیں میں قید تھا کہ کیا دیکھتا ہوں ایک مہذب اور شائستہ اور باوقار شخص قید خانہ میں آیا۔ اس وقت میرے ہاتھ میں شربت کا جام تھا۔ اسے دیکھ کے میں اس قدر متحیر ہوا کہ جام کو منہ سے لگانا بھول گیا اور اس کے کہا آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ لوگوں نے کس گناہ پر آپ کو قید کیا ہے؟ بولا یہ بدمعاش مجھے پکڑ لائے ہیں اور محض اس بناء پر کہ میں نے امر حق کو ظاہر کیا۔ میں نبی مرسل ہوں۔ یہ سن کے میں متعجب ہوا اور اس سے کہا کہ کوئی معجزہ بھی آپ کے پاس ہے۔ بولا جی ہاں۔ میرے پاس تو سب سے بڑا معجزہ موجود ہے۔ پوچھا وہ کیا؟ کہا کسی حسین عورت کو لاؤ۔ دیکھو ابھی حاملہ کرادوں گا۔ پھر اس سے ایک بچہ پیدا ہوگا۔ میری نبوت کی تصدیق کرے گا۔ ثمامہ نے یہ سنکر مشکل سے ہنسی روکی۔

۸...... محمد بن عتاب نام ایک صاحب کا بیان ہے کہ میں نے ہارون رشید کے زمانہ میں ایک روز شہر رقہ میں دیکھا کہ لوگ ایک شخص کو گھیرے کھڑے ہیں۔ اس کی صورت دیکھی تو بہت مہذب و باوقار شخص نظر آیا۔ پوچھا اسے کیوں گھیرے ہوئے ہو؟ لوگوں نے کہا صاحب یہ پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے۔ میں نے کہا تم غلط کہتے ہو ایسے شخص سے ایسا فعل نہیں سرزد ہوسکتا۔ اس پر اور سب لوگ تو خاموش رہے۔ مگر خود اس نے بگڑ کے مجھ سے کہا تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ یہ مجھ پر جھوٹ لگاتے ہیں؟ میں نے کہا تو کیا تم نبی ہو؟ بولا بیشک میں نے کہا اس کی دلیل؟ بولا دلیل یہ ہے کہ تم ولد الزنا ہو۔ میں نے ضبط کر کے کہا بھلا پاک دامن عورتوں کو زنا سے متہم کرنا پیغمبروں کا کام ہے؟ بولا میں تو خاص اسی غرض کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ میں نے کہا تو مجھے تمہاری نبوت سے انکار ہے۔ بولا انکار ہے تو اپنے گھر خوش رہو۔ اتنے میں کسی نے اسے چند سنگریزے کھینچ مارے۔ جن سے وہ زخمی ہوگیا اور بولا یہ فعل خاص ابن زانیہ کا ہے اور آسمان کی طرف سر اٹھا کے کہنے لگا۔ تم نے میرے ساتھ یہ بھلائی نہیں کی جوان جاہلوں کے

ہاتھ میں مبتلا کر دیا ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مجنون تھا۔

۹...... مامون کے زمانے میں ایک اور شخص نے دعویٰ نبوت کیا تھا۔ مامون نے قاضی یحییٰ ابن اکثم کو ساتھ لیا اور کہا چلو ہم اس شخص سے چھپ کے ملیں اور دیکھیں کہ یہ کیسا شخص ہے اور کیا کہتا ہے۔ چنانچہ دونوں بھیس بدل کے اور ایک خادم کو ہمراہ لے کے اس کی صحبت میں گئے۔ اس نے ان کی کیفیت پوچھی تو کہا ہم دونوں اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کے ہاتھ پر ایمان لائیں۔ اس نے کہا تو آؤ بیٹھو۔ اجازت پا کے مامون اس کے داہنے جانب اور قاضی صاحب بائیں طرف بیٹھ گئے۔ اب مامون نے پوچھا آپ کن لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں؟ بولا ساری خلقت اور کل بندگان خدا پر مبعوث ہوا ہوں۔ پوچھا تو کیا آپ پر وحی نازل ہوتی ہے؟ یا آپ خواب دیکھتے ہیں؟ یا دل میں القاء ہو جاتا ہے؟ یا آپ سے فرشتہ آ کے گفتگو کرتا ہے۔ بولا فرشتہ گفتگو کرتا ہے۔ پوچھا کون فرشتہ آتا ہے؟ کہا جبریل۔ پوچھا اس سے پہلے کب آئے تھے؟ کہا ابھی تمہارے آنے سے پہلے وہ موجود تھے۔ پوچھا تو تم پر اس وقت کیا وحی آئی ہے؟ بولا یہ کہ عنقریب میرے پاس دو شخص آئیں گے۔ ایک میرے داہنے ہاتھ بیٹھے گا اور دوسرا بائیں پر اور جو بائیں ہاتھ پر بیٹھے وہ دنیا میں سب سے بڑا لوطی ہوگا۔ مامون اس کی یہ وحی سنتے ہی مارے ہنسی کے لوٹ گیا اور بولا ”اشھد انک رسول اللہ“ (میں تمہاری رسالت پر ایمان لاتا ہوں)

۱۰...... خالد قسری کے زمانے میں بھی ایک شخص نے دعویٰ نبوت کیا۔ لوگ اسے خالد کے سامنے پکڑ لائے۔ پوچھا تم کس بات کے مدعی ہو؟ بولا میں نے قرآن کا جواب دیا ہے۔ قرآن میں ہے ”انا اعطینٰک الکوثر ۰ فصل لربک وانحر ۰ ان شانئک ھو الابتر“ اور میں کہتا ہوں۔ ”انا اعطینٰک الجماھر ۰ فصل لربک وجاھر ۰ ولا تطع کل ساحر وکافر“ خالد نے برہم ہو کے حکم دیا کہ اسے سولی دی جائے۔ چنانچہ وہ صلیب پر لٹکا دیا گیا۔ اتفاق سے خلف بن خلیفہ شاعر کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے اسے لٹکتے ہوئے دیکھ کے کہا: ”انا اعطینٰک العمود ۰ فصل لربک علی عود ۰ وانا ضامن ان لا تعود“

۱۱...... کوفی کے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک دن میرے ایک دوست آئے اور کہا تم نے کچھ اور بھی سنا؟ یہاں ایک پیغمبر صاحب پیدا ہوئے ہیں۔ چلو ذرا ان سے مل کے دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں۔ میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور ہم دونوں اس نبی کے مکان پر پہنچے۔ وہ دروازے

پر ملا اور بہت کچھ عہد و پیمان لے کر ہمیں اندر لے گیا۔ یہ ایک نہایت ہی کریہہ صورت خراسانی بڈھا تھا اور بھینگا تھا۔ حسن اتفاق سے میرے دوست کانے تھے۔ انہوں نے کہا تم چپکے رہو اور مجھے گفتگو کرنے دو۔ میں نے کہا بہتر اب ان دوست نے پوچھا جناب آپ کا کیا دعویٰ ہے؟ بولا میں نبی ہوں۔ پوچھا دلیل؟ کہا دلیل یہ کہ تم کانے ہو اپنی دوسری آنکھ بھی نکال کے اندھے ہو جاؤ۔ اسی وقت میں دعاء کر کے تمہیں اچھا کر دوں گا۔ میں نے ہنسی روک کے اپنے دوست سے کہا۔ پیغمبر صاحب نے بات تو معقول کہی ہے۔ انہوں نے جھنجلا کے کہا تو تم اپنی ہی دونوں آنکھیں پھوڑ کے ان کا امتحان لے لو۔ اس کے بعد ہم دونوں ہنستے ہوئے اپنے گھر آ گئے۔

۱۲...... ایک بار مامون کے سامنے ایک اور مدعی نبوت پیش کیا گیا۔ پوچھا تمہارے پاس کوئی معجزہ بھی ہے؟ کہا جی ہاں جو آپ کے دل میں ہو بتا دوں گا۔ مامون نے کہا اچھا بتاؤ۔ میرے دل میں کیا ہے؟ بولا آپ کے دل میں ہے کہ یہ شخص بڑا جھوٹا ہے۔ مامون نے کہا ہاں یہ تو تم نے سچ بتایا اور اسے قید خانہ میں بھیج دیا۔ چند روز بعد پھر سامنے بلوایا اور کہا تم پر کچھ وحی اتری؟ بولا نہیں۔ پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ قید خانہ میں فرشتے نہیں آتے۔ اس پر مامون ہنس پڑا اور اسے چھوڑ دیا۔

۱۳...... ایک بار مامون کے پاس آذربائیجان سے ایک مدعی نبوت گرفتار کر کے لایا گیا۔ جب وہ سامنے آیا تو مامون نے اپنے داروغہ محلہ ثمامہ کو حکم دیا کہ اس کا اظہار لے۔ اس نے عرض کیا۔ امیر المومنین کیا عرض کروں کہ آپ کے زمانہ میں انبیاء کی کس قدر کثرت ہوگئی ہے۔ پھر اس مدعی نبوت سے کہا تمہاری نبوت کی دلیل کیا ہے؟ کہا ثمامہ تم اپنی جورو کو میرے پاس بھیج دو اور میں تمہارے سامنے اس سے مقاربت کروں۔ اس سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو گہوارے ہی میں میری پیغمبری کی تصدیق کر دے گا۔ ثمامہ نے کہا ”اشهد انك رسول الله“ (میں گواہی دیتا ہوں کہ تم خدا کے رسول ہو) مامون نے کہا تم چھوٹتے ہی ایمان لے آئے! عرض کیا امیر المومنین کا کیا بگڑے گا۔ آبرو تو میری جورو کی جائے گی۔ جسے اپنی بی بی سے دست بردار ہونا ہو وہ ان کی نبوت میں شک کرے۔ اس پر مامون بے اختیار ہنس پڑا اور اسے چھوڑ دیا۔

۱۴...... ایک بار ہارون رشید کے سامنے ایک مدعی نبوت پیش کیا گیا۔ رشید نے اس سے دریافت کیا تو بولا جی ہاں میں نبی کریم ہوں۔ پوچھا دلیل؟ کہا آپ جو فرمائیں۔ رشید نے کہا میں چاہتا ہوں کہ یہ جتنے مرد غلام کھڑے ہوئے ہیں ان کے اسی وقت داڑھیاں نکل آئیں۔ سوچ کے بولا بھلا اس میں کون سی خوبی ہے کہ ان کے پیارے

پیارے مونہوں پر داڑھیاں نکل آئیں اور ان دلفریب صورتوں کو میں بگاڑ دوں۔ ہاں یہ معجزہ دکھا سکتا ہوں کہ جتنے داڑھیوں والے کھڑے ہیں ان کی داڑھیاں غائب کر دوں۔ یہ سن کر رشید بہت ہنسا اور اس کو نکلوا دیا۔

۱۴...... ایک اور مدعی نبوت کو مامون کے سامنے لائے اور معجزہ طلب کیا۔ اس نے کہا میں سنگریزے پانی میں ڈالتا ہوں۔ اگر گھل جائیں تو جانئے میں سچا نبی ہوں۔ مامون نے کہا منظور۔ اس نے ایک کٹورے میں پانی بھر کے سب کے سامنے سنگریزے ڈالے، جو دم بھر میں گھل گئے۔ لوگوں نے کہا یہ جعلی سنگریزے تھے۔ ہم جو سنگریزے دیں انہیں گھلاؤ۔ تو سند ہے بولا۔ نہ تم فرعون سے بڑے ہو اور نہ میں موسیٰ سے بڑا ہوں۔ فرعون نے موسیٰ سے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تمہارے عصا کی سند نہیں۔ ہم اپنا عصا دیتے ہیں۔ اسے اژدھا بناؤ۔ تو جانیں۔ مامون اس لطیفہ پر بہت ہنسا اور اس مدعی نبوت کو چھوڑ دیا۔

۱۵...... ایک مدعی نبوت کو لوگ پکڑ کے معتصم باللہ کے سامنے لائے۔ معتصم نے پوچھا تم نبی ہو؟ کہا جی ہاں۔ پوچھا کس کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہو؟ کہا آپ کی ہدایت کے لئے۔ معتصم بولا تو میں گواہی دیتا ہوں کہ تم رزیل اور احمق ہو۔ بولا جی ہاں یہ تو قاعدہ ہی ہے کہ جیسے لوگ ہوتے ہیں ویسے ہی پیغمبر بھی ان پر بھیجے جاتے ہیں۔ اس جواب پر معتصم شرمندگی سے ہنسا اور اسے رخصت کر دیا۔

۱۶...... ایک اور جعلی پیغمبر مامون کے سامنے لایا گیا۔ مامون نے کہا اچھا اسی وقت ایک خربوزہ لا کے پیش کرو۔ اس نے کہا تین دن کی مہلت دیجئے۔ مامون نے کہا مہلت نہ دی جائے گی۔ اسی وقت لا کے حاضر کرو۔ بولا بھلا یہ کون سا انصاف ہے؟ وہ خدائے عزوجل جس نے سارے آسمان وزمین کو چھ دن میں بنایا وہ تو خربوزے کو کم از کم چھ مہینہ میں پیدا کرتا ہے اور میں اسی وقت پیدا کر دوں۔ اس جواب پر مامون ہنسا اور اسے چھوڑ دیا۔

۱۷...... ایک مدعی نبوت متوکل علی اللہ عباسی کے سامنے پیش کیا گیا۔ پوچھا تم نبی ہو؟ بولا جی ہاں۔ کہا دلیل؟ بولا خود قرآن میری نبوت کی تصدیق کر رہا ہے۔ میرا نام ہے نصر اللہ اور قرآن میں موجود ہے کہ: "اذا جاء نصر اللہ والفتح" کہا اچھا کوئی معجزہ دکھاؤ۔ کہا کسی بانجھ عورت کو میرے پاس لاؤ۔ میں اسی وقت بچہ پیدا کرا دوں گا۔ جو پیدا ہوتے ہی میری نبوت کی تصدیق کرے گا۔ اتفاقاً حسن بن عیسیٰ کی بی بی بانجھ تھی۔ متوکل نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو کیا

مضائقہ ہے؟ اس کے معجزے کو ضرور آزمانا چاہئے۔ تم اپنی بی بی کو لے آؤ۔ حسن نے کہا حضور اپنی بی بی کو تو وہ لائے۔ جسے ان کی نبوت سے انکار ہو۔ میں تو ان کا یہ معجزہ سنتے ہی ایمان لا چکا اور اقرار کرتا ہوں کہ اشہد انہ نبی اللہ! متوکل اس پر ہنسا اور اسے آزادی دے دی۔

۱۸...... اسی متوکل کے عہد میں ایک عورت بھی گرفتار کر کے لائی گئی جو پیغمبری کا دعویٰ کرتی تھی۔ متوکل نے پوچھا تو نبیہ ہے؟ بولی جی ہاں۔ پوچھا محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی نبی مانتی ہے یا نہیں؟ بولی کیوں نہیں؟ بیشک مانتی ہوں۔ کہا تو انہوں نے فرمایا ہے کہ: ''لا نبي بعدي'' (میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا) بولی بے شک فرمایا ہے۔ مگر یہ تو نہیں فرمایا کہ: ''لا نبية بعدي'' (میرے بعد کوئی نبیہ نہ ہوگی) اس پر متوکل ہنسا اور اسے چھوڑ دیا۔

(تحفۃ الاولی الالباب فی مجالس الاحباب ص ۳۷، ۳۸، مطبوعہ مصر)

باب ۷۴ ...... عہد حاضر کے دجال کذاب

عہد حاضر کے مرزائی دجالوں کا تذکرہ ۷۱ ویں باب میں سپرد قلم ہو چکا ہے۔ اب حال کے دوسرے خود ساختہ مقدسین کے حالات سنئے۔ آج سے کوئی بارہ سال پیشتر کتور ضلع بلگام علاقہ کرناٹک میں ابراہیم خان نام ایک سی سالہ جوان ایف اے فیل نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے مذہب کا نام اللہ ازم رکھا۔ اس کے مشن کو اللہ اینڈ برہما مشن کہتے تھے۔ معلوم نہیں یہ شخص ہنوز زندہ ہے یا نہیں؟ اور اس کا مذہب اب تک ملیامیٹ ہوا یا نہیں؟ اس نے اپنی عورت کے متعلق ایک ضخیم کتاب انگریزی میں لکھی اور اس کا خیال تھا کہ اس کے شائع ہوتے ہی تمام مذاہب مندرس ہو جائیں گے اور تمام مخلوق اللہ ازم میں داخل ہو جائے گی۔ اس کا عقیدہ تھا کہ مادہ ہی خدا ہے اور وہی مختلف صورتیں اختیار کرتا ہے۔ اس کی شریعت میں ایک عورت پر بہت سے مرد قناعت کر سکتے تھے۔ حسب خواہش طرفین سب عورت مرد ایک دوسرے سے متمتع ہو سکتے تھے۔ اس سے دریافت کیا گیا کہ اس آزادانہ حرام کاری سے جو بچے پیدا ہوں گے ان کی تربیت و کفالت کون کرے گا؟ تو بولا کہ یہ کام اللہ ازم کا مشن انجام دے گا۔ جب وراثت کے متعلق دریافت کیا گیا تو کہنے لگا کہ جب تمام روئے زمین پر اسی مشن کی حکومت ہو جائے گی تو لوگوں کا ترکہ صرف مشن کو ملے گا۔ کوئی شخص کسی جائیداد کا وارث نہ ہوگا۔ یہ شخص کسی خاص طریقہ عبادت کا قائل نہیں تھا۔ اس کے نزدیک صرف خدا کا خیال دل میں رکھنا کافی تھا۔ (ماخوذ از جریدہ زمیندار لاہور مورخہ ۲۹ راگست ۱۹۲۵ء)

کرد مسیح موعود

۱۹۲۹ء میں قسطنطنیہ سے یہ خبر آئی تھی۔ کردستان میں احمد نام ایک شخص نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایسا جادو ہے کہ آنکھیں چار ہوتے ہی زائر مطیع ومنقاد ہو جاتا ہے۔ بیشمار زائرین کا بیان ہے کہ احمد نے اپنے ملازموں کو پچیس آدمیوں کا کھانا پکانے کا حکم دیا۔ لیکن وہی کھانا قریباً ڈیڑھ سو نفوس نے کھایا اور پھر بھی پس انداز ہو گیا۔ شیخ اپنے پیروؤں کو قتل، سرقہ اور دوسرے منہیات کی ممانعت کرتا ہے۔ احکام خداوندی کی اطاعت اور ہر حال میں اس سے اعانت خواہ رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اس وقت تک پچاس ہزار ترک شیخ کی زیارت کے لئے شام کو طویل سفر اختیار کر چکے ہیں۔ اس وقت تک قریباً اسی قدر ترک اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس لئے پولیس نظر غائر سے اس کے طور طریقوں کی دیکھ بھال کر رہی ہے۔ پولیس کا بیان ہے کہ شیخ نے مختلف ترکی اضلاع میں اپنے پروپیگنڈا ایجنٹ مقرر کر رکھے ہیں جو شیخ کو آسمان عظمت پر پہنچا کر لوگوں کو حصول زیارت اور مرید ہو جانے کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اسی الزام میں اس کے پانچ سو اسی ایجنٹ گرفتار ہو کر ایک ایک ہفتہ کی سزا کاٹ چکے ہیں۔ (سیاست لاہور مورخہ ۲۰؍اکتوبر ۱۹۲۹ء)

ایک ترک مہدی موعود

۱۹۳۱ء میں قسطنطنیہ سے اناطولیہ میں ایک نئے مہدی کے ظہور کی خبر آئی تھی۔ جس کی مہدویت کی عمر حکومت کے فوری اقدام کے باعث تین دن سے زیادہ ممتد نہ ہو سکی۔ اس مہدی کا بیان تھا کہ دو سال کا زمانہ گذرتا ہے۔ جب کہ جبریل امین نے مجھے بتایا تھا کہ تجھے خدا نے اپنی نبوت کے لئے چن لیا ہے۔ دنیا تیرے ذریعہ سے ہدایت پائے گی۔ لیکن تاحکم ثانی تو بالکل خاموش رہ۔ جب ترکی پولیس نے اسے گرفتار کیا تو اس نے مجسٹریٹ کے سامنے بیان کیا کہ ابھی پرسوں ہی شب خدا کا حکم نازل ہوا تھا۔ جس کی تعمیل کے لئے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ڈاکٹروں نے معائنہ کے بعد فیصلہ کیا کہ یہ شخص بالکل صحیح الدماغ ہے۔ (زمیندار مورخہ ۲۸؍اگست ۱۹۳۱ء)

”وللّٰہ الحمد والمنة علی التمام وعلیٰ نبیه افضل التحیة والسلام واٰله وصحبه البررة الکرام وتابعیه الیٰ یوم القیام ۰ وقد فرغت من تسوید هذا الکتاب بعون اللّٰه الموفق ببلدة لاهور فی وسط ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ علیٰ صاحبها الف ۰ الف تحیة وسلام“

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

قادیانیوں سے فیصلہ کُن

مناظرے

شاہینِ ختمِ نبوتؒ حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب
اور قادیانی مُبلّغین کے مابین علمی مناظروں کی دلچسپ رُوداد

شعبہ نشر و اشاعت: عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت حضوری باغ روڈ، ملتان